وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا

تفسیر القرآن

بآیات الفرقان

مؤلفہ

مولوی عبد اللہ صاحب المعروف غلام نبی چکڑالوی تحصیل میانوالی ضلع بنوں

ماہ شعبان ۱۳۱۷ھ مطابق ماہ نومبر ۱۸۹۹ء

حسب الارشاد

جناب معلی القاب نواب اللہ داد خان صاحب بہادر دام اقبالہ رئیس اعظم ڈیرہ اسمعیلخان

پنجاب پریس لاہور میں منشی غلام قادر فصیح مالک و مہتمم کے اہتمام سے چھپی

تعداد اشاعت ۱۰۰۰ قیمت پارہ اول مجلد [illegible] محصول وغیرہ [illegible]

تفسیر القرآن بآیات الفرقان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اس زمانہ پر آشوب میں ایک یا دو دقتیں پیش نہیں آتی ہیں بلکہ چاروں طرف سے مشکلات کی بوچھاڑ ہو رہی ہے اور پاک اسلام پر چاروں طرف سے دشمنوں اپنی کم فہمی یا ذاتی یا غلط فہمی یا تعصب سے سب سے حملے کر رہے ہیں یورپ کو دیکھو تو وہ، امریکہ کو دیکھو تو وہ، ایشیا کو دیکھو تو وہ۔ غرضکہ نئی اور پرانی دنیا دونوں ہی اسلام پر حملے کر رہی ہیں جس ملک میں ہم بستے ہیں اسکو دیکھو تو اس کی ہر ایک قوم اسی مشغلہ میں لگی ہے اور تقریروں اور تحریروں سے ہماری دل آزاری کر رہی ہے جب بیٹھے ان لوگوں کے اعتراضوں کو دیکھا اور سوچا تو معلوم ہوا کہ قرآن مجید پر تو کسی قوم کا اعتراض نہیں ہے اعتراض تو خود ہماری تالیفوں اور تشریحوں اور توضیحوں اور تفسیروں کے بعض مضامین پر ہے پہلے محض قرآن مجید کو ہاتھ میں لیا اور دل سے پوچھا کہ کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں صرف یہی ایک کتاب تھی؟ کیا اسی ایک کتاب سے دشمن سے دشمن اور سخت سے سخت لوگوں کے دلوں کو مسخر کیا تھا؟ غرضکہ اسی قسم کے ہر ایک سوال کا جواب بھی ملتا گیا کہ قرآن مجید ہی ہر بیماری کی دوا تھا ہر مصیبت کی شفا تھا ہر مشکل کی حل تھا جس کے ہوتے نہ کسی توراۃ کی ضرورت تھی نہ کسی انجیل و زبور کی۔ نہ کسی منطق کی اور نہ کسی فلسفہ کی۔ بلکہ دھریوں، مشرکوں، فلسفیوں اور ہر قسم کے علوم والوں کے لئے کافی شافی اور وافی تھا۔ جب یہہ فیصلہ ہو لیا تو پھر تمام کتب قدیم وجدید سے مونہہ موڑا اور صرف اللہ کی کتاب کو کافی سمجھ کر اسی کو اسی کی ہدایات کے مطابق تدبر اور تفکر کے ساتھ مطالعہ کرنا شروع کیا اور دیکھا کہ قرآن کریم تین حصوں پر منقسم ہے۔ اول صرف الفاظ قرآن کریم یعنی عبارت۔ دوم اس عبارت کی سمجھ اور منشاء۔ سوم وہ تمام مسائل جو دوسرے حصے میں نہیں آسکتے اور عملی طور پر سمجھنے کے محتاج ہیں کما قال اللہ تعالے۔ وانزلنا علیک الکتاب والحکمۃ وعلمک مالم تکن تعلم۔ پس جب قرآن کریم کے یہہ تین حصے معلوم ہو چکے تو اب مفسر حقانی حکیم ربانی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ضرورت پڑی اور کتاب یعنی قرآن مجید کی حکمت اور ہر قسم کی سمجھ اور علمی کو اس کے معلوم کرنے کے لئے جس طرح خود قرآن کریم کی عبارت کے معلوم کرنے کی اشد حاجت ہوئی اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مفسر حقانی کی اشد ضرورت معلوم ہوئی پس جو حدیث صحیح ہے وہ سب کی سب قرآن کریم کی عبارت کی تفسیر اور تفصیل ہے اور بس۔ وہ گویا عین بعین منشاء قرآن کریم ہے جو اللہ تعالے معلم قرآن نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو سمجھایا اور تعلیم فرمایا ہے پس قرآن مجید کا یہہ دعوے کہ وہ تبیانا لکل شئی اور تفصیلا لکل شئی ہے ایسا یقینی اور ظاہر باہر معلوم ہوا کہ جیسے دوپہر کا سورج۔ پس جب مدت مدید کے تدبر کے بعد مجھے قطعی طور پر ثابت ہو چکا کہ جو جو اعتراضات قرآن کریم پر ہوتے ہیں وہ اصل میں قرآن کریم پر نہیں ہوتے بلکہ صرف ہماری اپنی فہم اور علم پر۔ تو مجھے اب فرض عین سمجھا کہ قرآن کریم کی تفسیر لکھوں اور مفسر حقانی حکیم ربانی رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے جملہ تعلیمات کو جنکو لوگ قرآن کریم کے علاوہ کہتے ہیں ثابت کر دوں کہ قرآن شریف سے علاوہ نہیں ہیں بلکہ قرآن کریم کی عبارتوں کے محض ترجمہ ہیں اور جو جو اعتراضات کئے گئے ہیں ان سے قرآن کریم بالکل پاک اور منزہ ہے پس اس مہم کے سر انجام کرنے کے لئے میں نے اصول ذیل کی پابندی کی ہے جو کل دنیا کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں

اصول التفسیر

(۱) جملہ معشر الجن والانس کی تربیت ایمانی و روحانی کے لئے ہی ایک کتاب قرآن مجید ہی اسی میں سے بعض بعض احکام انبیائے سابقین کو ان کی امت کی تربیت ایمانی و روحانی کے لئے حسب اقتضائے زمانہ دیئے جاتے رہے پھر زمانہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم میں تمام دنیا کی تربیت ایمانی و روحانی کی تکمیل کے لئے یہی کتاب (قرآن مجید) تمامہ نازل فرمائی گئی اور جو کچھ انبیائے سابقین کو جو کچھ دیا گیا ہے وہ حسب بیان بالا قرآن مجید میں سے ہی دیا گیا ہے پس قرآن مجید اس حیثیت سے مصدق جملہ کتب سابقہ ہے نہ کہ ناسخ جیسا کہ عوام کا خیال ہے۔ کما قال اللہ تعالے۔ واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب و حکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ قال ءاقررتم واخذتم علی ذلکم اصری قالوا اقررنا قال فاشھدوا وانا معکم من الشاھدین ۵ (سورہ آل عمران رکوع) (ترجمہ) اور (اے پیغمبر لوگوں کو وہ وقت بھی یاد کراؤ) جب اللہ تعالے نے تمام نبیوں سے عہد لیا کہ میں البتہ ضرور تم کو کامل کتاب اور حکمت (قرآن مجید) میں سے کچھ کچھ دونگا پھر تمہارے پاس کامل دین والا رسول (محمد رسول اللہ صلعم) آویگا جو تصدیق کرنے والا ہوگا ان باتوں کا جو تمہارے پاس ہونگی تو تم ضرور بالضرور اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا وقال اللہ تعالے الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا ۵ (سورہ المائدہ رکوع) اس مضمون کی تشریح تفسیر میں بہ بسط تمام کی گئی ہے۔

(۲) چونکہ یہ کتاب جامع تربیت روحانی و ایمانی ہے پس جو مسائل تکمیل تربیت روحانی و ایمانی کے لئے ضروری اور لابد ہیں وہ سب کے سب قرآن مجید میں مشرح اور مفصل ہیں مثلاً عبادات (مالیہ۔ بدنیہ۔ مرکبہ۔ اعتقادیہ۔ قولیہ۔ عملیہ عموماً و خصوصاً) سب معاملات۔ اصول و فروع۔ اعتقادات و عملیات وغیرہ وغیرہ۔ کما قال اللہ تعالے ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئ وھدی ورحمۃ وبشری للمسلمین ۵ (النحل رکوع) وما کان ھذا القرآن ان یفتری من دون اللہ ولکن تصدیق الذی بین یدیہ وتفصیل الکتاب لاریب فیہ من رب العالمین (یونس رکوع)

(۳) قرآن مجید جس قدر نازل ہوا ہے تمامہ موجود ہے نہ اس میں سے ایک حرف کم ہوا نہ زیادہ ہوا ہے۔

(۴) اقسام ثلٰثہ نسخ منسوخہ ذیل میں سے جو لوگوں میں مشہور ہیں کوئی قسم بھی قرآن مجید میں نہیں ہے۔ (ا) یہ کہ عبارت موجود ہو اور اسکا حکم منسوخ ہو گیا ہو (ب) یہ کہ حکم باقی ہے اور اصل عبارت قرآن مجید میں موجود نہ ہو (ج) یہ کہ عبارت بھی منسوخ اور اس کا حکم بھی منسوخ ہو۔ اس مضمون کی پوری پوری تشریح آیہ ما ننسخ من آیۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا الم تعلم ان اللہ علی کل شئ قدیر کی تفسیر کے ضمن میں مفصل کی گئی ہے۔

(۵) قرآن مجید کے مضامین میں کہیں بھی کسی قسم کا تخالف و تعارض نہیں ہے بلکہ جملہ کلمات و آیات آپس میں ایک دوسری کی نہ صرف مصدق اور موید ہیں بلکہ مفصل بھی ہیں کما قال اللہ تعالے اللہ نزل احسن الحدیث کتابا متشابھا مثانی (سورہ زمر رکوع) تفسیر میں اسکی تشریح بھی پوری پوری کی گئی ہے۔

(۶) آیات و کلمات کتاب اللہ میں فی الواقع کسی جگہ تکرار نہیں ہے بلکہ بلحاظ موارد و مواقع ہر ایک آیت اور کلمہ کے معانی اور مفاد ہر جگہ جداگانہ ہوتے ہیں اسی سبب سے تفسیر میں ہمیشہ بھی جہاں کہیں تکرار کا شبہ ہوا ہے وہاں اس کی جداگانہ مراد بیان کر دی ہے۔

(۷) قرآن شریف میں کوئی لفظ یا حرف زائد یا بے معنے نہیں ہے حتی کہ الف لام اور تنوین بھی بے معنے نہیں ہیں جیسا کہ کفی باللہ اور لا اقسم میں ب اور لا کو زائد خیال کیا جاتا ہے بلکہ ان کی سخت ضرورت ہے اور مفید مطلب اہم ہیں۔

(۸) قرآن شریف کی تعلیم کسی مسئلہ میں بھی خلاف فطرت اللہ نہیں ہے اور فطرت اللہ سے مراد انسان کی جبلت یعنی قوت ملکیہ بہیمیہ سبعیہ کا مجموعہ ہے قرآن شریف کی ساری تعلیم ان ہی تینوں قوتوں کے محفوظ رکھنے و درجہ اعتدال پر رکھنے کے لئے ہے چنانچہ تفسیر میں جابجا اسی بات کا کثرت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

(۹) الفاظ قرآن کے معانی کو کسی زمانہ کے ساتھ خصوصیت نہیں ہے ورنہ قرآن مجید کے معانی کو تغیر زمانہ سے تبدیل کرنا جائز ہے اسبات کا ثبوت کافی تفسیر میں دیا گیا ہے۔

(۱۰) جملہ حروف مقطعات جو اوائل سور میں آتے ہیں وہ سب کے سب رموز اشارات و علامات اسمائے الہی ہیں کسی حرف کے بارے میں حرف اللہ اعلم بمراد بذالک کہہ دینا کافی نہیں بلکہ وہ مرموز بمنزلہ مختصر حکام کے ہوتے ہیں گویا وہ جملہ اسمائے الہی ہیں۔

(۱۱) قرآن مجید موجودہ فی زماننا بین الدفتین جس ترتیب سے ہے من کل الوجوہ اسی ترتیب پر ہے جو لوح محفوظ پر کتوب ہے یعنی ترتیب جملہ آیات و جملہ سور کی مطابق ترتیب لوح محفوظ ہے اسکا بیان حسب ترتیب خود اللہ تعالے ہی نے کسی فرشتے یا انسان کا اسمیں دخل نہیں ہے کہ جبرئیل و رسول خدا صلعم کو بھی اس جمع اور ترتیب میں کچھ دخل نہیں ہے۔

(۱۲) قرآن مجید بالکل سچ ہے کوئی بات اسمیں غلط یا خلاف واقع مندرج نہیں ہے خود قرآن کریم میں ہے وانہ لکتاب عزیز لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید (سورہ فصلت حم سجدہ آیت ۴۲) اور حکایتاً کسی قول کا نقل کرنا صرف بغرض بیان یا بغرض تردید لوگوں کے اعتقادات کو بیان کرنا مقصود قرآن کے نہیں ہیں یا کسی شئ کی اصلیت اور واقفیت کے تسلیم کرکے ان پر استدلال کرنا یا بطور حجت الزامی کے پیش کرنا یا امور ظاہر الوقوع کو بیان کرنا ظاہری حالت پر بلا اُن کی اصلی ماہیت پر بحث کے بیان کرنا قرآن مجید کے صداقت کی منافی نہیں ہے۔

(۱۳) آیات متشابہات فقط وہ آیتیں ہیں جن میں صفات باری کا بیان ہے ماسوا اس کے سب محکمات ہیں مثلاً سمیع بصیر علیم خبیر وغیرہ صفات جو ظاہری معنی میں صفات انسانی کو مشابہ ہیں مگر یہ بیان آیت لیس کمثلہ شئ کے اللہ تعالے کے سمیع بصیر ہونے کو ہمارے سمیع و بصیر ہونے کے متشابہ کرنا ممتنع ہے اور یہی ان آیات کا فقط متشابہ ہونا ہے۔

(۱۴) جملہ آیات قرآنی کا شان نزول بجز تربیت ایمانی و روحانی ہے جو تربیت کا مقتضا ہے کوئی خاص واقعہ کسی آیت کا شان نزول نہیں ہے جیسا کہ عام خیال ہے۔

(۱۵) چونکہ قرآن شریف جن و انس کی تربیت ایمانی و روحانی کے لئے نازل ہوا ہے اسواسطے ہر جگہ جن و انس مکلف و مخاطب ہیں اور صرف بنی الناس کا ترجمہ

کتب لغت جن و انس ہی کیا ہے۔

(۱۶) اردو زبان میں یہ مسلّم ہے کہ قرآن مجید بلاشبہ کلام خدا ہے مگر چونکہ وہ عربی میں اور انسان کی زبان میں نازل ہوا ہے تو اسکے معنی اصطلاح پر لئے جاویں گے جیسے کہ ایک نہایت فصیح عربی زبان میں کلام کرنے والے کی کلام کے لئے جاتے ہیں اور جس طرح کہ انسان استعارہ مجاز کنایہ تشبیہ تمثیل وغیرہ وغیرہ کو کام میں لاتا ہے اسی طرح قرآن کریم میں بھی استعارہ مجاز وغیرہ وغیرہ [illegible]

(۱۷) قرآن شریف کی ہر ایک آیت کا ماقبل و مابعد کے ساتھ ارتباط ہوتا ہے چنانچہ تفسیر میں اس ارتباط کے بیان کرنے کا التزام کیا گیا ہے۔

(۱۸) انبیاء بنی اسرائیل کے متعلق جو بائیبل اور معروف قصص کتب یہود سے ہماری کتابوں میں نقل کئے گئے ہیں انکی تردید خود قرآن مجید کے الفاظ سے ہی جس طرح ہو اس تفسیر میں بیان کی گئی ہے اور جو شخص قرآن کریم کا انبیاء علیہم السلام کو پاک اور معصوم بیان کرنا ہے اسکو بوجہ احسن و اتم بیان کیا گیا ہے ان کی پاکی قرآن ہی کے [illegible] اور [illegible] تفصیل اور [illegible] بالکل پاک ثابت کیا ہے۔

(۱۹) کسی عام آیت کو حدیث متواتر بھی خاص نہیں کر سکتی اور خاص کو عام [illegible] احادیث صحیحہ بلفظہٖ قرآن مجید ہی کی تفصیل و تفسیر ہوتی ہیں۔

(۲۰) کسی حدیث متواتر سے بھی کتاب اللہ کی کسی آیت پر زیادتی جائز نہیں اور اگر کہیں کوئی ایسی زیادتی نظر آوے تو وہ حدیث جس سے یہ زیادتی مفہوم ہوتی ہے درحقیقت قرآن شریف کی ہی کسی آیت کی تفصیل و تفسیر ہوتی ہے جیسے مسح خفین وغیرہ۔

(۲۱) قرآن شریف میں انبیاء سابقین علیہم السلام کے متعلق جس قدر قصص بیان ہوئے ہیں وہ بطور کہانی کے بیان نہیں ہوئے بلکہ خاص خاص غرضوں اور ضروری مسائل کے لئے بیان ہوئے ہیں اور اگر کہیں ایک ہی [illegible] کے متعلق ایک ہی قصہ کئی بار بیان ہوا ہے تو وہاں یا تو الگ الگ مسائل بیان ہوئے ہیں یا پہلی دفعہ کے مجمل بیان شدہ قصہ کی تفصیل و تفسیر ہے یا کسی مفصل قصہ کا حوالہ یا اشارہ ہے

(۲۲) تفسیر یا ترجمہ میں کسی آیت یا کلمہ کا صحیح حدیث کے خلاف نہیں کیا گیا

(۲۳) ہر مسئلہ کی تائید میں کم سے کم چار آیتوں کی شہادت پیش کی گئی ہے

(۲۴) تفسیر یا ترجمہ قواعد صرف و نحو و لغت عرب و علم معانی کے مخالف بیان نہیں ہوا۔

(۲۵) چونکہ جن اور انسان ہر دو جملہ احکام قرآن مجید کے مکلف ہیں اسواسطے انہیں کی فطرت کو لحاظ رکھنے کی تعلیم قرآن مجید میں بھری پڑی ہے

(۲۶) چونکہ سوائے ذوی العقول کے جملہ مخلوقات کے پاس [illegible] نہیں ہے اسواسطے ذوی العقول کے سوائے کوئی مخلوق مکلف بھی نہیں ہے

(۲۷) قرآن شریف میں زبان عرب کی ناآشنائی کے سبب جو اعتراض کئے گئے ہیں [illegible] اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام کی طرف ناشائستہ باتوں کی نسبت کی گئی ہے ان الفاظ کا ترجمہ [illegible] قرآن اس طرح کیا گیا ہے کہ کسی منصف مزاج کو بعونہ تعالیٰ حرف گیری کا موقعہ نہیں مل سکے گا۔

(۲۸) رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک یعنی حدیث صحیح کے سوائے کسی اور کا قول عموماً و خصوصاً اس تفسیر میں درج نہیں ہے ہاں سلف خلف صحابہ تابعین رضوان اللہ اجمعین کے ان اقوال کا جو کتاب اللہ و حدیث [illegible] لیا ضرور گیا ہے اور ہم انکے اس احسان عظیم کے نہایت ہی شکرگزار ہیں [illegible] ان کے حق میں دعا کرتے ہیں ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا۔

(۲۹) جملہ آیات کتاب اللہ کی تفصیل و تفسیر صرف کتاب اللہ کی آیات ہی کی گئی ہے کما قال اللہ تعالیٰ قد فصلنا الآیات لقوم یفقھون (پ ۸ رکوع ۱۴)

(۳۰) ہر ایک لفظ اور ہر ایک آیت کا صرف ایک ہی معنے کیا گیا ہے کسی جگہ بھی کسی لفظ یا کسی آیت کا معنے شک اور تردد کے ساتھ نہیں کیا گیا بلکہ جو معنے کیا گیا ہے وہ بنظر حق الیقین و عین الیقین ہی تحریر کیا گیا ہے۔

(۳۱) جملہ احادیث صحیحہ عموماً و خصوصاً الفاظ قرآن مجید کا ہی عین ترجمہ ہوتی ہیں کوئی حدیث صحیح بھی خواہ وہ کسی مسئلے کے متعلق ہو ایسی نہ ہوگی جو [illegible] الٰہی [illegible] اور [illegible] ترجمہ الفاظ قرآن کریم نہ ہو۔

(۳۲) کلمہ الف لام خواہ اسمی ہو خواہ حرفی جہاں کہیں قرآن مجید میں من اولہ الی آخرہ آیا ہے وہ اہم مقصد کے واسطے مذکور ہوا ہے ہرگاہ ہر ایک الف لام کی مفصل اور مبین طور پر تفسیر لکھی گئی ہے کوئی الف لام بحیثیت تحسین کلام وغیرہ زائد طور پر ہرگز ہرگز بیان نہیں ہوا۔

(۳۳) چونکہ قرآن مجید جملہ اصول و فروع کا جامع ہے اور جس قدر احکام متعلق اعتقاد و اعمال انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کو وقتاً فوقتاً پہلے دئے گئے تھے وہ [illegible] قرآن کریم میں موجود ہیں اگر کسی کتاب سابق میں کوئی ایسا مسئلہ معلوم ہو جو قرآن مجید کے مسئلہ کے مخالف ہو تو وہ یقیناً یقیناً اصل کتاب کی تحریف ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ تحریف اس کتاب کے دشمنوں نے کی ہو بلکہ یہ بات تو قریب قریب ناممکن ہے وہ تحریف خود عاشقین و محبین کتاب کے ہاتھ سے ہوتی ہے جو خواہ ترجمہ سے خواہ تفسیر سے خواہ معانی اور حواشی سے گڈمڈ ہو جاتے ہیں اور یہ ساری باتیں ہر طرح ممکن ہیں۔ دور کیوں جایئے خود اپنے ہی مفسرین رحمہم اللہ کو دیکھئے ہماری تفسیروں میں بہت کچھ رطب و یابس بھرا ہوا ہے پہلی کتابوں اور اس قرآن مجید میں فرق صرف اتنا ہے کہ اس کتاب کے الفاظ ہر زمانے میں صحیفوں میں مکتوب اور سینوں میں محفوظ چلے آئے ہیں اور اگر ترجمہ یا تفسیر لکھی جاتی ہے تو اصل الفاظ کے ساتھ ساتھ۔ قرآن کریم کے کلام الٰہی اور غیر محرف اور غیر مبدل ہونے کی یہ ایک بڑی بھاری دلیل ہے [illegible]

(۳۴) [illegible] اس تفسیر میں اس بات کی بھی بخوبی تفصیل و تشریح کر دی گئی ہے [illegible] مفسرین کی [illegible] نہایت خوبی کے ساتھ کیا گیا ہے یعنی جن مفسرین نے صحیح مروی بات کو چھوڑ کر غیر صحیح روایتوں سے قرآن مجید کی تفسیر کی ہے [illegible] اسلام پر اعتراض کرائے ہیں ان کے اعتراضوں کو اسلام سے اٹھایا ہے اور ان غیر صحیح روایات کو ضعیف اور مردود ثابت کیا ہے۔

(۳۵) قرآنی تعلیمات و احکام و اعتقادات کے عقلی اسرار بیان کرنا جن سے ثابت ہو کہ قرآن مجید کی تعلیمات معجزہ ہیں اور قرآن مجید کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل۔

فاکسار عبد اللہ معروف بہ غلام نبی چکڑالوی رحمہ اللہ القوی مؤلف تفسیر القرآن بآیات الفرقان۔

فہرست تصحیح اغلاط تفسیر القرآن بآیات الفرقان

صفحہ	سطر	غلط یا متروک یا زائد	صحیح
۵	۲۰	×	پس جو مضطر ہو وغیرہ وغیرہ
۱۲	۲۴	دیکھنے	دُکھنے
۲۵	۱۰	نخل	نحل
۴۰	۱	منتناۃ	مثناۃ
۵۶	۲۷	عالملین	عالمین
۷۹	۱۲	دریش دریشنیاں	درویش درویشنیاں
۷۹	۲۹	عل	×
۸۹	۱۵	ذبل	دُھل
۱۰۲	۲	ثقفت	وثقفت
۱۰۲	۲	ثقفت ہی	وثقفت ہرا سی طرح دوسرے شعر میں الآتا اور الآفاسی ہرا دیکھے
〃	〃	〃	الاثر کہوا ابدفا رکہوا۔ اسی طرح طرفہ کے کلام میں تاسی ہرا برقبہ یعنی
〃	〃	〃	گردن اور ذات ہرا ولسان یعنی زبان ہے دیکھو کتاب الفصایا
〃	〃	〃	لابی الحجاج یوسف ابن محمد البلوی صفحہ ۸۳ و ۸۵ و ۸۶
۱۲۶	۱	بے شک بندے پہ	والے بندے پر بیشک
۱۳۸	۱۷	بیہان	بیان
۱۴۲	۲	اور عبادت	عبادت
۱۴۲	۴	محض	ہی محض
۱۶۲	۴	بس	پیس
〃	〃	حالانکہ م	حالانکہ تم
۱۷۳	۲	وہ تمام وہ	وہ تمام
۱۸۶	۲	وہی	وہ وہی
۱۸۷	۷	سزائے قتل	سزائے قتل
۱۸۹	۱۷	آیات متشبہ	آیات قسم دوم متشبہ
۱۹۰	۲۳	آیات متشبہ	آیات قسم دوم متشبہ جرائم قسم دوم وسوئم وحدود آن
۱۹۱	۲۳	سنو دیرہے	سنو دیرتک ہے
۱۹۴	۲۱	×	آیات قسم سوئم متشبہ جرائم قسم سوم حدود آن
۲۱۵	۳۰	نقط	نقط

صفحہ	سطر	غلط یا متروک یا زائد	صحیح
۲۱۹	۲	مانگی	نہ مانگی
۲۲۰	۶	جانتی ہیں	جانتی ہیں جو
۲۲۲	۲۰	دار الخلا	دار الخلد
۲۳۱	۲	قبول ہوئی پھر	قبول ہونے پر
۲۳۲	۱۸	یعنے جو کوئی مولوی	یعنی مولوی
۲۳۲	۱۹	من الشیوخ	من الشیوخ لوگوں کا مال ناحق کھاتے رہتے ہیں
۲۳۳	۲	سیری	اسرائیل سیری
۲۴۷	۲	سبسی	سبب سے
۲۶۰	۱۰	کبھی عزت	کسبی عزت
۲۶۲	۱۸	یھی ہیں	بھی ہیں
۲۶۳	۳	یہودیوں	لوگوں
۲۶۳	۶	توڑتے	توڑنے
۲۶۹	۴	مولوی نہیں ہوتا	موجود نہیں ہوتا
۲۷۴	۵	خواہ لیتے خواہ دیتے	خواہ کسبی خواہ دینی
۲۷۶	۱۲	وہیں	اس
۲۸۲	۱	اللہ تعالے نے	ان کو
۲۹۵	۲	پڑھتے اور لکھے	پڑھتے اور کہتے
۳۰۰	۲	رحمت	اپنی رحمت
۳۰۶	۴	ہم بھی	ہم ابھی
۳۱۵	۱۳	مومنین برحق	مومنین پرحق
۳۱۵	۲۴	روا کرایا	ادا کرایا
۳۲۴	۹	القرار خفافًا ابدا	الفرار خفافا الابد
۳۳۱	۲۱	کلام سے تام کی	کلام تام کی
۳۳۱	۲۳	احتساب	اِضراب
۳۳۳	۱۴	حالانکہ میں حقیقت	حالانکہ حیثیت
۳۳۳	۱۱	وہ جو	وہ تو
۳۳۴	۴	ایسی ملت	اِسی ملت
〃	۱۰	روایت وتورات	روایت تورات
۳۳۶	۸	نبیوں میں بھی	نبیوں میں سے
۳۳۷	۲	حکم پراور دین اسلام قائم ہیں	حکم پر یعنی دین اسلام پر قائم ہیں
۳۴۰	۱۳	ہدایت ہو چکی ہے	سرایت ہو چکی ہے
۳۴۸	۱۴	مناسبت ہو یعنی نظم قرآنی کبھی نہ آئی کسی	مناسب ہو یعنی نظم قرآنی میں بھی فرق نہ آوے
۳۴۹	۴	نہیں ہی	نہیں
〃	۱۹	یعنے بل	یعنے بل،
۳۵۰	۳	منحرف	محرف

فہرست بعض مضامین تفسیر القرآن بآیات الفرقان

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ الذی انزل علی عبدہ الکتاب ولم یجعل لہ عوجًا والصلوٰۃ والسلام علی عبدہ ورسولہ محمّد خاتم الانبیاء الذی لم یقبضہ اللّٰہ حتی اقام بہ الملۃ العوجاء بان قالوا لا الٰہ الا اللّٰہ وفتح بہا اعینا عمیا و آذانا صما و قلوبا غلفا ثم علیٰ آلہ واصحابہ الذین فازوا بنصرۃ دینہ فوزاً عظیما۔ **امّا بعد** خاکسار بندۂ درگاہ متعالی **عبد اللّٰہ** چکڑالوی[1] المعروف بہ غلام نبی علمائے ربانیین کی خدمت میں خصوصاً اور جملہ مسلمین کی خدمت میں عموماً عرض پرداز ہے کہ اگرچہ اسوقت تک **قرآن مجید** کی تفسیریں زبان عربی میں بے شمار تصنیف ہو چکی ہیں مگر اردو زبان میں کوئی ایسی تفسیر نہیں لکھی گئی جس میں مخالفین اسلام (دہریہ۔ آریہ۔ عیسائی۔ لامذہب وغیرہ وغیرہ) فرقوں کے اعتراضوں کے جواب دیئے گئے ہوں اور **قرآن شریف** کی پاک تعلیم اور اسرار و نکات و معجز بیانی کا **فوٹو** ان کے سامنے کھینچ کر رکھا گیا ہو چونکہ آجکل ہندوستان غالباً کل دنیا کے مذاہب کا مجمع ہے اور ہر مذہب نے صرف اسلام ہی کو نشانہ اعتراضات بنایا ہوا ہے اس لئے مناسب بلکہ فرض سمجھا گیا کہ ایسے نازک وقت میں ان معترضوں کے سامنے قرآن کریم کی پاک تعلیم اور اسکے لطائف کا نقشہ ایسے شائستہ اور معقول طور پر کھینچ کر رکھا جاوے کہ وہ خود بخود پاس انصاف کر کے اپنے اعتراضوں کو بودے اور غلط فہمی کے نتیجے یقین کر کے واپس لے لیں۔ ایسی خدمت کا بجا لانا ہر ایک عالم ربانی کا سب سے پہلا فرض ہے **اللّٰہ** تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ محض اپنی ذات بابرکات سے اس خدمت کو قبول فرماوے اور اپنی پاک کتاب **قرآن مجید** کی حقانیت لوگوں کے سینوں میں بٹھا دے اور اسے میرے اور سب مومنوں کے لئے توشۂ آخرت بنا دے آمین آمین۔

رب اعوذ بک من ہمزات الشیاطین و اعوذ بک رب ان یحضرون۔ رب اشرح لی صدری و یسر لی امری و احلل عقدۃ من لسانی یفقہوا قولی واجعل لی وزیرا من اھلی۔ رب زدنی علما و یا مالک یوم الدین ایاک نعبد و ایاک نستعین اھدنا الصراط المستقیم۔ ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب۔ ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا۔ ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولٰنا فانصرنا علی القوم الکافرین۔ ربنا لا تجعلنا فتنۃ للقوم الظٰلمین ونجنا برحمتک من القوم الکافرین۔ ربنا علیک توکلنا والیک انبنا والیک المصیر۔ ربنا لا تجعلنا فتنۃ للذین کفروا واغفر لنا ربنا انک انت العزیز الحکیم۔ ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخٰسرین۔ انی وجھت وجھی للذی فطر السمٰوات والارض حنیفا وما انا من المشرکین۔ لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظٰلمین۔ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللّٰہ علیہ توکلت والیہ انیب۔ فاطر السمٰوات والارض انت ولی فی الدنیا والاٰخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصٰلحین۔ حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر۔ نصر من اللّٰہ وفتح قریب۔ وافوض امری الی اللّٰہ ان اللّٰہ بصیر بالعباد۔ اللّٰھم ایدنا بروح القدس اللّٰھم ایدنا بروح القدس۔ اللّٰھم ایدنا بروح القدس ٭ وصل وسلم علی سیدنا محمد خاتم النبیین وعلی آلہ واصحابہ الطاھرین

[1] ساکن موضع چکڑالہ متصل کالاباغ تحصیل میانوالی ضلع بنوں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر القرآن بآیات الفرقان

سورۃ الفاتحۃ مکیۃ وھی سبع آیات

اس سورت کا نام سورۃ فاتحہ ہے علاوہ اس کے اور بہت سے نام ہیں۔ قرآن شریف میں سبعا من المثانی اور القرآن العظیم دو نام ہیں اور حدیث شریف میں منجملہ اور بہت سے ناموں کے یہ ہیں فاتحۃ الکتاب۔ ام الکتاب۔ ام القرآن۔ الحمد للہ رب العلمین اور الصلوۃ۔ اب ان کی تفصیل کی جاتی ہے۔ اللہ جل شانہ نے سورہ حجر میں رسول اللہ صلعم کو اتنا تا فرمایا کہ اے پیغمبر ہم نے تمہیں سات آیتیں عطا کی ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور جو القرآن العظیم بھی ہیں۔

ولقد اٰتینٰک سبعا من المثانی والقرآن العظیم ۔ پ ۱۴ رکوع ۔

سبعا من المثانی والقرآن العظیم سے مراد صرف یہی سورہ فاتحہ ہے۔ ان ناموں سے تمام قرآن مجید میں کوئی اور سورت موسوم نہیں اور خاص یہی تفسیر و تفصیل مفسر ربانی حکیم حقانی رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ ابو سعید بن معلے رض سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گذرے اور میں اسوقت نماز پڑھ رہا تھا آپ نے مجھے بلایا تو میں نماز پڑھ کر ہی گیا۔ آپ نے فرمایا میرے پاس آنے سے تجھے کس چیز نے روکا۔ میں نے عرض کی کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اسپر آپ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ نہیں فرمایا کہ اے ایمان والو جب تمہیں اللہ اور اس کا رسول بلاوے تو اس کے حکم کی تعمیل فوراً کیا کرو۔ پھر آپ نے

عن ابی سعید بن المعلے قال مر بی النبی صلے اللہ علیہ وسلم وانا اصلے فدعانی فلم اٰتہ حتی صلیت ثم اتیت فقال ما منعک ان تاتی فقلت کنت اصلی فقال الم یقل اللہ تعالی یایھا الذین اٰمنوا استجیبوا للہ وللرسول ثم قال الا اعلمک اعظم سورۃ فی القرآن قبل ان اخرج من المسجد فذھب النبی صلعم فذکرتہ فقال

الحمد للہ رب العالمین ھی السبع المثانی والقرآن العظیم الذی اوتیتہ (بخاری کتاب التفسیر باب ولقد آتیناک سبعا من المثانی)۔

فرمایا کیا میں تجھے مسجد سے نکلنے سے پیشتر قرآن شریف میں سب سے بزرگ سورت نہ سکھاؤں اسکے بعد آپ جب مسجد سے نکلنے لگے تو میں نے آپ کو یاد دلایا تو آپ نے فرمایا کہ الحمد للہ رب العالمین یہی سورت السبع المثانی اور القرآن العظیم ہے جو مجھے عطا ہوئی ہے" اس حدیث سے صاف ثابت ہے کہ من المثانی میں من بیانیہ ہے اور والقرآن العظیم میں وعطف صفت بر صفت ہے۔ اس سورہ مبارکہ طیبہ کا نام السبع المثانی اسلئے ہے کہ یہہ سات آیات ہیں اور ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہیں اور القرآن العظیم اسلئے کہ قرآن کریم کے جملہ مسائل عملیہ و اعتقادیہ عموماً و خصوصاً کلاً و جزءً سب کے سب اس سورت میں موجود ہیں کیونکہ القرآن میں ال استغراقی صفاتی ہے یعنی یہہ ایسی سورت عظیم ہے جو جامع جمیع صفات و مقاصد قرآن مجید ہے اور خلاصہ تمام مقاصد قرآن شریف کا یہی ہے کہ قوائے ثلاثہ یعنے قوت بہیمی قوت سبعی اور قوت ملکی کو صحیح طور پر ارادہ ربانی کے مطابق استعمال کیا جاوے سو یہہ سورت اس خلاصہ پر حاوی ہے اور ان تینوں قوتوں کے مجموعہ کا نام قرآن مجید میں کہیں تو فطرۃ اللہ ہے کہیں خلق اللہ ہے کہیں امانۃ اللہ اور کہیں نعمۃ اللہ کما قال اللہ تعالے۔

(۱) فاقم وجھک للدین حنیفا ط فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا ط لا تبدیل لخلق اللہ ط ذلک الدین القیم ق ولکن اکثر الناس لا یعلمون ٥ (پ ۲۱ رکوع ۷)

"سو اے پیغمبر تم تو ایک خدا کے ہو کر اس کے دین کی طرف اپنا رخ کئے رہو اللہ تعالی کی اس فطرت یعنے پیدا کردہ حالت کی نگہبانی کیا کرو جس پر اللہ تعالے نے تمام جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا یا اللہ تعالی کی اس خلق یعنے فطرت یا پیدا کردہ حالت میں تبدیل کرنا جائز نہیں ہے یہی ہے وہ کامل اور جمیع صفات حسنہ والا دین جو سیدھا خدا کی طرف جاتا ہے مگر بہت سے جن اور انسان نہیں جانتے"

(۲) ولاضلنھم ولامنینھم ولاٰمرنھم فلیبتکن اذان الانعام ولاٰمرنھم فلیغیرن خلق اللہ ط ومن یتخذ الشیطن ولیا من دون اللہ فقد خسر خسرانا مبینا ٥ (پ ۵ رکوع ۱۵)

"اور شیطان نے کہا کہ میں ان کو ضرور ہی بہکاؤں گا اور ان کو امیدیں بھی ضرور دلاؤں گا اور ان کو سوجھاؤں گا تو وہ میری ہدایت کے مطابق غیر اللہ کے نیاز کے جانوروں کے کان بھی ضرور چیرا کرینگے اور ان کو سوجھاؤں گا تو میری ہدایت کے مطابق اللہ کی خلق یا فطرت یا پیدا کردہ حالت کو ضرور بدلا کرینگے اور جو شخص سوائے خدا کے شیطان کو دوست بنائے اور اس کی پیروی کرے تو وہ صریح گھاٹے میں آگیا"

(۳) انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا وحملھا الانسان ط انہ کان ظلوما جھولا ٥ (پ ۲۲ رکوع ۶)

"ہم نے جنس سمٰوات یعنے جملہ مخلوقات علوی کو اور جنس زمین یعنے تمام مخلوقات سفلی کو اور جنس کوہ یعنے جمیع مخلوقات ملصقہ زمین مثلاً پہاڑ و اشجار و محل و حویلیاں و جہاز و کشتیاں و ریل و ہر قسم کی گاڑی وغیرہ وغیرہ جو زمین کے ساتھ ملی ہوئی بھی ہوتی ہیں اور سطح زمین سے بلند بھی ہوتی ہیں) کو ان کی اپنی اپنی امانت یعنی فطرت اللہ عطا کی یعنے ہم ان سب چیزوں کو موجود فی الخارج کرتے رہتے ہیں اور ان کو ان کی وہ فطرت جس پر ہم ان کو پیدا کرتے رہتے ہیں دیتے رہتے ہیں پس ان تمام اشیاء نے اپنی اپنی فطرت کی نگہبانی کو قبول نہ کیا یعنے ان کی طبعی استعدادیں اور حالتیں اس نگہبانی کرنے کی قابلیت نہیں رکھتیں اور جنس انسان یعنے ذوی العقول (ملائکہ، جن، انسان) نے اسکو اٹھا لیا یعنے اپنی فطرت کی نگہبانی کو قبول کیا کیونکہ ان میں نگہبانی کرنے والا مادہ یعنے عدل و علم موجود ہے جو ان کے سوائے کسی اور میں موجود نہیں ہے ان میں سے جو کوئی عدل کو چھوڑ بیٹھا وہ ظلوم اور جو علم کو چھوڑ بیٹھا وہ جہول ہو گیا" خلاصہ یہہ ہے کہ اللہ تعالے نے ہر ایک مخلوق کو اس کی ایک فطرت عطا فرمائی ہے جسکو لفظ امانت سے تعبیر فرمایا ہے پھر ارشاد فرمایا ہے کہ الناس یعنے ذوی العقول کے سوائے کسی دیگر مخلوق میں یہ اہلیت نہیں جو اس امانت کی حفاظت کرسکے اور جسکو عقل بھی کہتے ہیں اور جسکا خاصہ عدل و علم ہے۔ موجود نہیں ہے پس ان تینوں قسم کی مخلوق کے سوائے اور کوئی مخلوق مکلف نہیں ہے اور ہر ایک چیز کو جسکو اللہ تعالے خلق کرتا ہے یا کرتا رہیگا اسکی اپنی فطرت برابر قیام قیامت تک اسی طرح دیتا رہیگا۔ یعنے الناس ہی قیامت تک مکلف رہینگے اور یہی جزا و سزا بھگتیں گے اور بس۔

(۴) الم تر الی الذین بدلوا نعمت اللہ کفرا واحلوا قومھم دار البوار ٥ جھنم یصلونھا ط وبئس القرار ٥ (پ ۱۳ رکوع ۱۷)۔

"اے پیغمبر کیا تم نے ان لوگوں کے حال پر نظر نہیں کی جنہوں نے ناشکری کر کے اللہ کی نعمت یعنے فطرت اللہ میں تبدیلی کر دی اور آخر کار اپنی قوم کو ہلاکت

کے گھر یعنے جہنم میں لیجا اوتارا کہ وہ سب اُس میں داخل ہونگے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے۔

اب ہم لفظ فطرت پر بحث کرتے ہیں **فطرت** صیغہ مصدر مجہول بمعنے اسم مفعول ہے یعنے پیدا کردہ شدہ حالت۔ پس ہر شئے کی اپنی اپنی ایک فطرت ہے جسپر اللہ تعالےٰ نے اُسکو پیدا کیا ہے۔ پھر ممکن ہے کہ بہت سی اشیاء کی فطرتوں میں بعض مشترک خواص بھی ہوں مگر چونکہ کسی مخلوق میں سوائے ملائکہ اور جن اور انس کے اپنی فطرت کو نگاہ رکھنے والا امین موجود نہیں ہے اسواسطے ہم صرف اسی فطرت کا ذکر کرینگے جسپر اللہ تعالےٰ نے **الناس** کو پیدا کیا جنکے پاس امین یعنے عقل جسکا خاصہ عدل و علم ہے موجود ہے اور جو اس فطرت کو نگاہ رکھ سکتے ہیں پس اس فطرت سے جسپر اللہ تعالےٰ نے **الناس** کو مجبول و مفطور کیا ہے مراد یہہ تین قوتیں ہیں۔ قوت بہیمیہ۔ سبعیہ۔ ملکیہ اور یہہ تینوں قوتیں اگرچہ بہائم اور درندوں میں بھی موجود ہیں مگر چونکہ وہ **الناس** نہیں ہیں یعنے اُن میں **امین** یعنے عقل موجود نہیں ہے اسواسطے وہ مکلف نہیں ہیں اور نہ ان کی فطرتوں سے ہم کو کچھ تعلق ہے۔ **قوت بہیمی** جیسے کھانا پینا۔ بول۔ براز۔ جماع۔ خواب وغیرہ وغیرہ جو اور حیوانات میں بھی ہیں۔ **قوت سبعیہ** یعنے غضب غصہ۔ جنگ۔ قتال۔ فساد و شرارت وغیرہ وغیرہ جو درندوں کے کام ہیں۔ **قوت ملکیہ**۔ عبادت۔ احسان۔ خوش خلقی۔ رأفت۔ رحمت۔ عفت وغیرہ وغیرہ جو فرشتوں کے کام ہیں۔ **پس** انہی تینوں قوتوں کو درجہ اعتدال پر رکھنے اور اس پر کسی قسم کی افراط و تفریط کا دخل نہونے دینے کا نام فطرت کی نگہبانی کرنا ہے۔ اور یہی الدین القیم ہے اور اسی کا نام **اسلام** (فطرت کو بچانا) ہے۔ اور سارے قرآن مجید میں اسی فطرت کو نگاہ رکھنے اور اس میں تبدیل و تغیر و افراط و تفریط نہ کرنے کی تعلیم ہے یعنے یہہ کہ ہر ایک قوت کے لئے دو قسم کی تعلیم ہے **اول** یہہ کہ ان قوتوں کو برمحل برتا جاوے۔ **دوم** یہہ کہ ان کو بے محل نہ برتا جاوے۔ ان قوئے ثلاثہ کی قائمی اور نگہبانی کے لئے قرآن مجید میں سے دونو قسم کی تعلیم کی کچھ کچھ آیات ذیل میں بطور نمونہ لکھی جاتی ہیں۔

آیات متضمن تعلیم ہر دو قسم بغرض محافظت قوت بہیمی:۔

آیت	ترجمہ
تعلیم قسم اول و دوم (۱) کلوا واشربوا ولا تسرفوا انہ لا یحب المسرفین ۝ (پ ۸ رکوع ۱۰)	"کھاؤ اور پیو اور فضول خرچیاں نہ کیا کرو کیونکہ خدا فضول خرچیاں کرنیوالوں کو دوست نہیں رکھتا"
(۲) کلوا من ثمرہ اذا اثمر واتوا حقہ یوم حصادہ ولا تسرفوا انہ لا یحب المسرفین ۝ (پ ۸ رکوع ۴)	"لوگو جب یہہ سب چیزیں پھلیں تو ان کے پھل دینے تک ان کو کھاؤ اور ان نعمتوں کے شکریہ میں ان کے کاٹنے اور توڑنے کے دن حق اللہ دیا کرو اور فضول خرچیاں نہ کرو کیونکہ خدا فضول خرچیاں کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا"
(۳) فان خفتم الا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیہما فیما افتدت بہ تلک حدود اللہ فلا تعتدوھا۔ (پ ۲ رکوع ۱۳)	اُس صورت میں کہ تم لوگوں کو اسبات کا خوف ہو کہ میاں بی بی اللہ کی باندھی ہوئی حدوں پر قائم نہیں رہ سکیں گے اور عورت اپنا پیچھا چھوڑانے کے عوض کچھہ دے نکلے تو اسمیں ان دونوں پر کچھہ گناہ نہیں۔ یہہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں تو ان سے آگے مت بڑھو"
(۴) یایھا الذین امنوا لا تحرموا طیبت ما احل اللہ لکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین ۝ (پ ۷ رکوع ۲)	"مسلمانو خدا نے جو ستھری چیزیں تمہارے لئے حلال کر دی ہیں ان کو اپنے اوپر حرام نہ کرو اور حد سے بھی نہ بڑھو کیونکہ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا"
(۵) ومن یعص اللہ ورسولہ ویتعد حدودہ یدخلہ نارا خالدا فیہا ولہ عذاب مھین ۝ (پ ۴ رکوع ۱۳)	"اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اللہ کی باندھی حدوں سے بڑھے تو اللہ اسکو دوزخ میں لیجا داخل کریگا اور وہ اسمیں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور اسکے لئے ذلت کی مار دیجاویگی"
(۶) وات ذا القربی حقہ والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیرا ان المبذرین کانوا اخوان الشیطین وکان الشیطن لربہ کفورا ۝ (پ ۱۵ رکوع ۳)	"اور رشتہ دار اور غریب اور مسافر ہر ایک کو اُسکا حق پہونچاتے رہو اور دولت کو بیجا مت اڑاؤ کیونکہ دولت کے بیجا اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکر ہے"
(۷) ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطھا کل البسط فتقعد ملوما محسورا ۝ پ ۱۵ رکوع ۳۔	"اور اپنا ہاتھہ نہ تو اتنا سکیڑو کہ گردن سے بندھا ہے اور نہ بالکل اسکو پھیلا ہی دو ایسا کروگے تو تم اپنے بیٹھے رہ جاؤگے کہ لوگ تم کو ملامت کرینگے اور تم تہیدست

بھی ہو سکے گے"

(۸) ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم وایاکم ان قتلھم کان خطاً کبیرا ۵ پ۱۵ ر۴ ع ۳ -

"اور افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کیا کرو انکو اور تمکو ہم ہی روزی دیتے ہیں اولاد کا مارنا بڑا بھاری گناہ ہے"

(۹) ولا تقربوا الزنی انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا ۵ پ۱۵ ر۴ ع

"اور زنا کے پاس ہو کر بھی نہ پھٹکنا کیونکہ وہ بیحیائی اور بہت ہی بُرا چلن ہے"

(۱۰) ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق ط ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطنا فلا یسرف فی القتل ط انہ کان منصورا ۵ پ۱۵ ر۴ ع ۳ -

"اور کسی کی جان کو جسکا مارنا اللہ نے حرام کر دیا ہے ناحق قتل نہ کرنا اور جو شخص ظلم سے مارا جاوے تو ہم نے اُسکے والی وارث کو قاتل سے قصاص لینے کا اختیار دیا ہے تو اسکو چاہیئے کہ خون کا بدلہ لینے میں زیادتی نہ کرے کیونکہ وہ بھی بدلہ لینے میں کامیاب ہے"

(۱۱) نساؤکم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم وقدموا لانفسکم پ۲ ع ۱۲ -

"تمہاری بیبیاں تمہاری کھیتیاں ہیں تو اپنی کھیتی میں جسطرح چاہو آؤ اور اپنے لیے آخرت کا بندوبست بھی کرو"

(۱۲) وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمی فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی وثلث وربع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم ذلک ادنی الا تعولوا ط واتوا النساء صدقتھن نحلۃ فان طبن لکم عن شیء منہ نفسا فکلوہ ھنیئا مریئا ۵ (پ۴ ع ۱۲)

"اور اگر تم کو یہ ڈر ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے حق میں انصاف قائم نہ رکھ سکو گے تو بجز ان کے جو عورتیں پسند ہوں دو دو تین تین اور چار چار عورتوں سے نکاح کر لو پھر اگر تمکو یہ اندیشہ ہو کہ تم ایک سے زیادہ بیبیوں میں عدل نہ کر سکو گے تو بس پھر ایک ہی بی بی یا جو لونڈی تمہارے قبضہ میں ہو اسی پر قناعت کرنا یہ حکم نا انصافی سے بچنے کے لیے زیادہ نزد مناسب ہے اور عورتوں کو اُن کے مہر خوشی سے دیا کرو پھر اگر وہ اپنی خوشی سے اسمیں سے تم کو چھوڑ دیں تو تم اسے مزے سے کھا پی لو"

(۱۳) حرمت علیکم امھتکم وبنتکم . . . . واحل لکم ما وراء ذلکم ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین ط (پ۴ ع ۱۴)

"تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں وغیرہ وغیرہ . . . . حرام ہیں اور ان حرام کی ہوئی عورتوں کو چھوڑ کر باقی عورتیں تم پر حلال ہیں بشرطیکہ مہر کے بدلے ان سے نکاح کرنا چاہو۔ اور شہوت رانی کی غرض نہ ہو"

(۱۴) قل لا اجد فی ما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ او دما مسفوحا او لحم خنزیر فانہ رجس او فسقا اھل لغیر اللہ بہ فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فان ربک غفور رحیم ۵ پ۸ ر۳ ع ۵

"اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو کہ کوئی کھانے والا ان چیزوں میں سے جن کو تم حرام کئے ہو کچھ کھائے تو میری طرف جو وحی آئی ہے اس میں تو میں اسپر کوئی چیز حرام پاتا نہیں مگر یہ کہ وہ چیز مردار ہو یا بہتا ہوا خون یا سور کا گوشت کہ یہ چیزیں بے شک ناپاک ہیں یا وہ جانور جو جیتا قربانی ہو کہ خدا کے سوا کسی دوسرے کا نام پکارا گیا ہو یعنے غیر اللہ کے لئے نذر کیا گیا ہو"

(۱۵) والانعام خلقھا لکم فیھا دفء ومنافع ومنھا تاکلون ۵ پ۱۴ ر۷ ع ۷

"اُسی نے چارپایوں کو پیدا کیا جس کی کھال اور اون میں تم لوگوں کی جڑاول ہے اور اور بھی بہت طرح کے فائدے ہیں اور انہیں سے بعض کو تم کھاتے بھی ہو"

ان سب آیتوں میں قوت شہوی کے درجہ اعتدال پر رکھنے اور اسمیں افراط و تفریط کا دخل نہ ہونے دینے یعنے جائز محل پر برتنے اور ناجائز محل پر نہ برتنے کی تعلیم ہے -

آیات متضمن تعلیم ہر دو قسم بغرض محافظت قوت سبعی

قسم اول (۱) یایھا النبی جاھد الکفار والمنفقین واغلظ علیھم وماوٰھم جھنم وبئس المصیر ۵ پ۲۸ ر۲ ع ۲۰ -

"اے پیغمبر کافروں کے ساتھ (ہاتھ سے) اور منافقوں کے ساتھ (زبان سے) جہاد کرتے رہو اور ان پر سختی رکھو اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے"

(۲) وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ط ان اللہ لا یحب المعتدین ۵ پ۲ ر۲ ع ۸ -

"اور جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی اللہ کے رستے یا دین کی حمایت میں اُن سے لڑو اور زیادتی نہ کرنا ۔ اللہ تعالے کسی طرح زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"

(۳) الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ ولا تاخذکم بھما رافۃ فی دین اللہ ان کنتم تؤمنون باللہ

"کنواری عورت اور کنوارا مرد زنا کریں تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو دُرّے مارو اور اگر تم اللہ اور روز آخرت کا یقین رکھتے ہو تو اللہ کے حکم کی تعمیل میں تم کو ایسے کے حال پر

والیوم الآخر ولیشھد عذابھما طائفۃ من المؤمنین ○ پ۱۸ رکوع ۷

کسی طرح کا ترس دامنگیر نہ ہو اور نیز ان کے سزا دیتے وقت مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت موجود رہے"

(۴) فاذا انسلخ الاشھر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم وخذوھم واحصروھم واقعدوا لھم کل مرصد فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ فخلوا سبیلھم ان اللہ غفور رحیم ○ پ۱۰ رکوع ۷ -

"پھر جب امن والے مہینے نکل جاویں تو مشرکین کو جہاں کہیں پاؤ قتل کرو اور ان کو گرفتار کر لو اور ان کا محاصرہ کرو اور ہر گھات کی جگہ ان کی تاک میں بیٹھو پھر اگر وہ لوگ توبہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو پھر ان کی راہ چھوڑ دو کیونکہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے"

(۵) فقاتلوا ائمۃ الکفر انھم لا ایمان لھم لعلھم ینتھون ○ پ۱۰ رکوع ۸ -

"کفر کے پیشواؤں کی قسمیں کچھ بھی اعتبار کے قابل نہیں ان سے خوب لڑو تاکہ یہہ لوگ اپنی شرارتوں سے باز آجاویں"

ان پانچوں آیتوں میں تو صرف تعلیم قسم اول کا بیان ہے اب تعلیم قسم دوم کی آیات لکھی جاتی ہیں :-

قسم دوم - (۱) والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس پ۴ رکوع ۵

"اور جنت ان پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے جنہیں علاوہ دیگر صفات مندرجہ آیت کے یہہ وصف بھی ہیں غصے کو روکتے ہیں اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں"

(۲) وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلغہ مأمنہ ذالک بانھم قوم لا یعلمون ○ پ۱۰ رکوع ۷ -

"اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو اسے پناہ دو یہاںتک کہ وہ اطمینان سے کلام خدا کو سن سمجھ لے پھر اسکو اسکے امن کی جگہ واپس پہونچا دو یہہ اعانت ان کے حق میں اسوجہ سے کرنی ضرور ہے کہ یہہ لوگ اسلام کی حقیقت سے ناواقف ہیں"

(۳) ولا تقاتلوھم عند المسجد الحرام حتی یقاتلوکم فیہ پ۲ رکوع ۸

"اور جب تک کافر ادب و حرمت والی مسجد یعنے خانہ کعبہ کے پاس تم سے نہ لڑیں تم بھی ان سے اسجگہ نہ لڑو"

(۴) لا ینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین ○ پ۲۸ رکوع ۸ -

"جو لوگ تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے اور انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ان کے ساتھ احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنے سے تو خدا تم کو منع نہیں کرتا کیونکہ اللہ منصفانہ برتاؤ کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے"

ان چار آیتوں میں قسم دوم کی تعلیم کی ہدایت ہے -

آیات متضمن تعلیم ہر دو قسم بغرض محافظت قوت ملکی :-

قسم اول - (۱) یاایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون ○ پ۱ رکوع ۳ -

"جنو اور انسانو اپنے پروردگار کی عبادت کیا کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا تاکہ تم بچ جاؤ"

(۲) وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ○ پ۲۷ رکوع ۳ -

"ہم نے جنوں اور انسانوں کو اسی ارادہ سے پیدا کیا ہے کہ وہ ہماری عبادت کرتے رہیں"

(۳) وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین حنفاء ویقیموا الصلوٰۃ ویؤتوا الزکوٰۃ وذلک دین القیمۃ ○ پ۳۰ سورۃ البینہ

"اور ان کو یہی حکم دیا گیا کہ خالص اللہ ہی کی بندگی کی نیت سے یکرخے ہو کر اسکی عبادت کیا کریں اور نمازیں پڑھا کریں اور زکوٰۃ دیا کریں اور یکے اور سچے راہ پر چلنے والوں کا دین یہی ہے"

(۴) یاایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ○ پ۲ رکوع ۷ -

"مسلمانو! جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر روزہ رکھنا فرض تھا تم پر بھی فرض کیا گیا ہے تاکہ تم بچ جاؤ"

(۵) وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا ○ پ۴ رکوع ۱

"اور لوگوں پر فرض ہے کہ خدا کے لئے خانہ کعبہ کا حج کیا کریں جسکو اس تک پہونچنے کا مقدور ہو"

ان پانچ آیتوں میں قسم اول یعنے قوت ملکی کے برمحل برتنے کا حکم ہے - اب آیات قسم دوم لکھی جاتی ہیں یعنے وہ آیات جنمیں قوت ملکی میں افراط و تفریط کرنے کی

منا ہی ثابت ہے۔

قسم دوم۔ (۱) یاایھا الذین اٰمنوا لاتحرموا طیبٰت مااحل اللہ لکم ولا تعتدوا ان اللہ لایحب المعتدین ○ پ۷ رکوع ۱۔

"مسلمانو! خدا نے جو ستھری چیزیں تمہارے لئے حلال کر دی ہیں انکو اپنے اوپر حرام نہ کر لو اور حد سے بھی نہ بڑھو کیونکہ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔"

(۲) ورھبانیۃ ن ابتدعوھا ماکتبنٰھا علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ فمارعوھا حق رعایتھا فاٰتینا الذین اٰمنوا منھم اجرھم وکثیر منھم فٰسقون ○ پ۲۷ ع ۲۰

"اور ان لوگوں میں ایک طریقہ ترک دنیا کا بھی ہے جسکو انہوں نے از خود ایجاد کیا تھا ہمنے انپر وہ طریق فرض نہیں کیا مگر ہاں انہوں نے اسکو خدا ہی کے خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایجاد کیا لیکن جیسا اسکو نباہنا چاہئے تھا نہ نباہ سکے تو جو لوگ ان میں سے ایمان لائے ان کو ہمنے ان کی اجرت عنایت فرمائی اور انہیں میں سے بہتیرے نافرمان ہیں۔"

(۳) یاایھا النبی لم تحرم مااحل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک واللہ غفور رحیم ○ پ۲۸ ع ۱۹

"اے پیغمبر جو چیزیں خدا نے تمہارے لئے حلال کی ہیں تم اپنی بیویوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیوں حرام کرو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

(۴) قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبٰت من الرزق قل ھی للذین اٰمنوا فی الحیٰوۃ الدنیا خالصۃ یوم القیٰمۃ کذٰلک نفصل الاٰیٰت لقوم یعلمون ○ پ۸ رکوع ۱۲۔

"اے پیغمبر ان لوگوں سے پوچھو کہ اللہ نے جو زینت کے ساز و سامان اور کھانے پینے کی پاکیزہ چیزیں اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں ان کو کس نے حرام کیا ہے۔ یہہ تو اسکا کیا جواب دینگے تم ہی ان کو سمجھا دو کہ جو لوگ دنیا کی زندگی میں ایمان لائے ہیں قیامت کے دن یہہ نعمتیں خاصکر ان کو ہی دی جاوینگی اسی طرح ہم اپنے احکام ان لوگوں کے لئے جو سمجھ رکھتے ہیں تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔"

ان چار آیتوں میں تعلیم قسم دوم کا بیان کیا گیا ہے یعنے یہہ کہ قوت ملکی میں افراط و تفریط مت کرو۔

آیات مذکورۃ الصدر میں بخوبی بیان کیا گیا ہے کہ ہر ایک جن اور انس اپنی فطرت کو نگاہ رکھے اور اس نگاہ رکھنے کے دو طریق بھی بیان ہوئے ہیں یعنے اول تو وہ طریقے کہ جن پر عمل کر کے اس فطرت کی نگہبانی ہو سکتی ہے۔ دوم وہ طریقے کہ جن سے پرہیز کر کے اس فطرت کو نگاہ رکھا جا سکتا ہے۔ مگر ہر ایک انسان اور ہر ایک جن اپنی اپنی جگہ اپنے خود ایجاد طریقوں کو اپنی اپنی فطرت کے نگاہ رکھنے کے صحیح اور یقینی طریقے سمجھ بیٹھا ہے۔ نتیجہ اسپر فزیں ہی اور ترقی کر کے دیکھو تو ایک ایک فرقہ اپنی اپنی **شریعت** یا **منہاج** یا **منسک** یعنے اپنے اپنے طریقے اور مذہب کو اپنے زعم میں صحیح اور حق خیال کر بیٹھا ہے۔ اللہ تبارک و تعالےٰ جو جن و انس اور ہر شئے کا خالق لطیف و خبیر ہے اور جن و انس کے خود ایجاد طریقوں کو خوب جانتا ہے۔ اپنی پاک کتاب میں انہیں مختلف طریقوں کی نسبت خبر دیتا ہے۔ کماقال۔

(۱) فتقطعوا امرھم بینھم زبرا کل حزب بمالدیھم فرحون ○ پ۱۸ رکوع ۴۔

"پھر لوگوں نے آپس میں پھوٹ پھوٹ کر اپنا اپنا دین جدا کر لیا اب جو دین جس فرقہ کے پاس ہے وہ اسی سے خوش ہے۔"

(۲) ارءیت من اتخذ الٰھہ ھوٰہ پ۱۹ رکوع ۱۹۔

"اے پیغمبر بھلا تمنے اس شخص کے حال پر بھی نظر کی جس نے اپنی خواہش نفسانی کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔"

(۳) افمن زین لہ سوء عملہ فراٰہ حسنا ○ پ۲۲ رکوع ۱۴

"تو کیا وہ شخص جسکو اپنا برا عمل اچھا ہی اچھا دکھائی دیتا اور وہ اس کو اچھا ہی سمجھتا ہے کہیں ایماندار نیک کردار کے برابر ہو سکتا ہے۔"

(۴) افمن کان علی بینۃ من ربہ کمن زین لہ سوء عملہ واتبعوا اھواءھم ○ پ۲۶ رکوع ۶۔

"تو کیا وہ لوگ جو اپنے پروردگار کے سیدھے کھلے رستے پر ہیں وہ ان کی طرح گمراہ ہو سکتے ہیں جن کی بدکرداریاں اُن کو بھلی کر دکھائی گئی ہیں اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں۔"

(۵) الذین ضل سعیھم فی الحیٰوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا ○ پ۱۶ رکوع ۳۔

"یہہ وہ لوگ ہیں جنکے اعمال دنیا ہی میں اکارت گئے اور وہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں۔"

(۶) فریقا ھدیٰ وفریقا حق علیھم الضلٰلۃ انھم اتخذوا الشیٰطین اولیاء من دون اللہ ویحسبون انھم مھتدون ○ پ۸ رکوع ۱۰

"اور اسی نے ایک فریق کو ہدایت پر رکھا اور ایک فریق ہے کہ گمراہی ان کے سر پر سوار ہے ان لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا دوست بنایا اور یہی وہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ وہ راہ راست پر ہیں۔"

پس جب یہ حال ہو کہ تمام دنیا اپنی اپنی پاسداری اور طرفداری کو حق سمجھ بیٹھی ہو اور ہر ایک کا یہی یقین ہو کہ اللہ تعالے کی اوس فطرت کو جو اُس نے جن و انسان کو پیدا کیا ہے وہ اپنے ہی طریقے سے اعتدال پر رکھ سکتا ہے اور اُس کو کسی دوسرے کے طریقے کی حاجت نہیں ہے اور عقل صحیح اور فطرت سلیم کا فتویٰ یہ ہو کہ حق میں اختلاف نہیں ہو سکتا حق جہاں تہاں ایک ہی ہوگا تو یہی معلوم ہوا کہ دنیا کے مختلف فرقوں کے مختلف طریقے سب باہم اختلاف [illegible] حق نہیں ہیں۔ پس اس طریق حق اور صراط مستقیم کے پرکھنے کے لئے کوئی یقینی معیار چاہیئے اگر کتاب آسمانی کو پیش کیا جاوے تو ہر ایک فرقہ اپنی کتاب کو پیش کرے گا اگر رسول کو پیش کیا جاوے تو ہر ایک فرقہ اپنے رسول کو پیش کرے گا چونکہ ان پیش کردہ کتابوں میں پھر وہی اختلاف عظیم اور تعجب بائین نظر آرہا لہٰذا ایک ایسی اور معیار صحیح کی ضرورت پڑی۔ ان سارے پیش کردہ معیاروں سے سردست قطع نظر کر کے اگر اللہ تعالے سے جسنے اس فطرت کو پیدا کیا اور جسنے اس فطرت کو نگاہ رکھنے کا حکم دیا قلب سلیم سے دعا مانگی جاوے کہ الٰہی اس سراپا اختلاف دنیا کے اندر ہم کس طرح صراط مستقیم اور راہ حق کو معلوم کریں تاکہ اس فطرت کو نگاہ رکھ سکیں تو یقینی طور پر سینہ کھل جاتا ہے اور جواب ملتا ہے کہ جس اللہ نے اس فطرت کو پیدا کیا اُس نے حسب تقاضائے صفات کمال خود جس طرح ہر ایک فطرت کی تربیت کے لئے اپنی ربوبیت عامہ کو جہاں تہاں ظہور پذیر فرمایا ہوا ہے اسی طرح اُسنے اس فطرت کی تربیت کے سامان ضرور ضرور اور سچ مچ یقینی طور پر پیدا کر رکھے ہیں اور وہ ہمیشہ حق اور صحیح اور یکساں رہے ہیں ان میں کبھی اختلاف نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے اور نہ کسی کی مجال ہے کہ ان میں کسی طرح بھی تغیر و تبدیل کر سکے پس وہ سامان تربیت ہر ایک آسمانی کتاب میں مختلف زبانوں میں مختلف بولیوں میں مختلف لوگوں کی معرفت حسب استعداد بنی آدم خالق اللہ تعالے اپنی رحمت عامہ اور ربوبیت تامہ سے عطا فرماتا رہا ہے اور جو جو ان مختلف زبانوں میں عطا فرماتا رہا ہے وہ سب کے سب حق اور قیام قیامت تک قائم رہینگے (اس کی تشریح آیہ وآمنوا بما انزلت مصدقا لما معکم پارہ رکوع میں کیجاویگی انشاء اللہ تعالے) پس عقل صحیح اور فطرت سلیم کے نزدیک صحیح اور قابل اعتبار معیار صرف وہی ہو سکتا ہے کہ جسمیں فطرت انس و جن کی نگہبانی اور اعتدال کے طریق بیان کئے جاویں یا یوں سہی جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ فطرت کی ان تینوں قوتوں یعنے قوت بہیمی۔ قوت سبعی اور قوت ملکی کو ایکطرح ہمیشہ اپنی اپنی حد اعتدال پر قائم رکھنے کے طریقے تعلیم فرمائے جاویں اور کوئی ایسا طریقہ نہ ہو کہ اس سے ایک قوت مغلوب ہو جاوے اور دوسری غالب یا ہوتے ہوتے ایک قوت تو مردہ ہو جاوے اور دوسری قوت حد سے بڑھ جاوے غرض کہ ہر ایک قوت کی جتنی جتنی غذا اور جیسی جیسی غذا ضروری ہے اتنی اتنی غذا اور ویسی ویسی غذا پہنچانے کے طریقے بیان کئے جاویں جس معیار میں کوئی بھی ایسا طریقہ بیان ہو کہ جس سے کسی ایک قوت میں بھی فرق آجاوے تو وہ طریقہ اللہ تعالے کی ربوبیت عامہ اور حکمت تامہ کے مطابق نہیں ہے اور اگر کسی پہلی آسمانی کتاب میں کوئی بھی ایسا طریقہ نظر آویگا تو یقیناً سمجھا جاویگا کہ اس کتاب میں تحریف کی گئی ہے ورنہ اصل کتاب آسمانی اس قسم کی افراط و تفریط سے پاک ہوتی ہے۔ قرآن کریم کی ساری تعلیمیں جہاں تک ہمارا یقین ہے اصلی اور صحیح اور بے میل تعلیم کے علاوہ اور بھی بہت سی تعلیمات ہیں انہیں تینوں قوتوں کو اپنے اپنے محل پر برقرار اور قائم رکھنے کے لئے ہے اس کی کوئی تعلیم ایسی نہیں ہے جو ایک قوت کو غلبہ دیوے اور دوسری قوت کو مقہور و مغلوب کر دیوے یا ایک قوت کی حق تلفی کی جاوے اور دوسری قوت کو اسکا حق چھین کر دیدیا جاوے مثلاً یہ ایک موٹی مثال سمجھ لو کہ اگر تینوں قوتوں کی ایک ایک سیر غذا ہو اور کوئی شخص ایک قوت کی ایک سیر غذا میں سے کچھ کم کر دیوے خواہ رتی بھر ہی کیوں نہ ہو اور دوسری قوت کی غذا میں شامل کر دے تو ایسا شخص درحقیقت ایک قوت پر ظلم کرتا ہے اور دوسری قوت کی بیجا اور ناجائز رعایت کرتا ہے اسلام کہتا ہے کہ افراط و تفریط دونو کو چھوڑ دو اور ہر ایک قوت کو اس کی اپنی اپنی اور پوری پوری غذا دو مثلاً ایک شخص قوت بہیمی کو ترقی دیتا ہے اور شراب خوری اور زناکاری میں قدم بڑھاتا ہے اور قوت ملکی کی حق تلفی کرتا ہے اور اسی طرح ایک شخص قوت ملکی کو ترقی دیتا ہے اور رات دن درود وظیفہ اور نوافل میں لگا رہتا ہے چلے کاٹتا ہے عورتوں سے اجتناب کرتا ہے دن کو سدا روزہ رکھتا ہے اور رات کو جاگتا رہتا ہے وغیرہا من الغلو والتعمق فی الدین اور باقی کی دو قوتوں کو زائل کرتا ہے اور لوگوں میں گو کیسا ہی محترم اور ولی اور غوث اور قطب سمجھا جاوے مگر فاطر فطرت کے نزدیک اس پہلے شخص کی طرح ظالم اور فاسق ہے کیونکہ اسنے خدا کی پیدا کی ہوئی فطرت خدا کی دی ہوئی امانت خدا کی عطا کی ہوئی نعمت اور خدا کی بخشی ہوئی خلق میں افراط و تفریط کی ہے اور اسے اعتدال پر نہیں رکھا۔ پس اب ہم اس معیار کو ذکر کرتے ہیں جو خود فاطر فطرت نے اپنی پاک کتاب میں خاتم الرسل والنبیین کی معرفت کل دنیا کی تربیت کے لئے بیان فرمائی ہے اور ہم دعوے کے ساتھ کہتے ہیں کہ کوئی سلیم فطرت اس معیار کو سمجھنے کے بعد اس کے منجانب اللہ ہونے سے انکار نہ کر سکے گی۔ بیدہ الخیر وھو علی کل شئی قدیر۔

(۱) لقد ارسلنا رسلنا بالبینٰت وانزلنا معہم الکتب والمیزان | ہمنے اپنے پیغمبروں کو کھلے کھلے معجزات دیکر بھیجا اور ان کی معرفت کتابیں

لیقوم الناس بالقسط ط پ۲۷ رکوع ۱۹ -

آتاریں جو کامل میزان تھیں تاکہ لوگ قائم بالقسط ہوجاویں یعنے اُس کامل قرآن کے سبب سے اپنی فطرت کے قوے ثلاثہ کے حصوں کی کیف وکم کو پوری پوری طرح معلوم کرلیویں اور اسپر عمل کریں "

(۲) واذا فعلوا فاحشۃ قالوا وجدنا علیھا آباء نا واللہ امرنا بھا ط قل ان اللہ لا یامر بالفحشآء ط اتقولون علی اللہ ما لا تعلمون ○ قل امر ربی بالقسط ط پ۸ رکوع ۱۰ -

" اور جب یہہ لوگ کسی بیحیائی کے مرتکب ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہمنے اپنے بڑونکو اسی طریقے پر چلتے پایا اور اللہ نے ہم کو اسکا حکم دیا ہے - اے پیغمبر لوگوں کو کہو کہ اللہ تو بیحیائی کے کام کا حکم نہیں کرتا آیا تم لوگ بے سوچے سمجھے خدا پر جھوٹ بولتے ہو اے پیغمبر ان لوگوں کو کہو کہ میرے پروردگار نے تو کامل قسط کا حکم دیا ہے یعنے اپنی فطرت کی تینوں قوتوں کے پورے پورے حصے معلوم کرکے ان کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیا ہے "

(۳) یاایھا الذین امنوا کونوا قوامین بالقسط شھدآء للہ ولو علے انفسکم او الوالدین والاقربین ج پ۵ رکوع ۱۷ -

" اے مومنو! مضبوطی کے ساتھ قائم بالقسط ہو اور خدا لگتی گواہی دیا کرو اگرچہ یہہ گواہی تمہارے اپنے یا ماباپ اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہو اکرتم

(۴) ان الذین یکفرون بایت اللہ ویقتلون النبیین بغیر حق لا ویقتلون الذین یامرون بالقسط من الناس فبشرھم بعذاب الیم ○ پ۳ رکوع ۱۱ -

" جو لوگ اللہ کی آیتوں سے انکار رکھتے ہیں اور ناحق پیغمبروں کو قتل کرتے ہیں اور ان لوگوں کو قتل کرتے ہیں جو جنوں اور انسانوں میں سے حکم بالقسط کرتے ہیں پس انکو عذاب دردناک کی خبر سنادو "

ان آیات کا خلاصہ یہہ ہے کہ تم اپنی فطرت یعنی قوے ثلاثہ (بہیمی سبعی ملکی) کی حق شناسی اور حق رسانی کیا کرو یعنے اسبات کا علم وعمل حاصل کرو کہ ہر ایک قوت کا کیا کیا حصہ ہے اور کتنا کتنا حصہ ہے - اس کی ہم کچھ زیادہ تشریح کرتے ہیں - اگر کوئی شخص یہہ سمجھ بیٹھے کہ ان تینوں قوتوں کو حد اعتدال پر رکھنے کے معنے یہہ ہیں کہ تینوں قوتوں کے اعتدال بھی آپس میں مساوی مساوی ہیں اور ان کے خواص اور لوازمات بھی آپس میں برابر ہیں تو اسکو واضح ہو کہ یہہ بات ناممکن ہے کہ تینوں قوتوں کے خواص اور لوازمات آپس میں برابر درجے کے ہوں اور ان کی نگہبانی کے طریقے بھی اسی قسم کے ہوں - نہیں بلکہ بات یہہ ہے کہ ہر ایک قوت کے اپنے اپنے جداگانہ خواص اور لوازمات ہیں اور ان کے الگ الگ احکام ہیں - پس ہر ایک قوت کے خواص اور لوازمات کے مطابق اس کی حق شناسی اور حق رسانی کرنی ضرور ہے - پس قوت ملکی کے اسکے اپنے خواص کے مطابق اور قوت بہیمی کے اسکے اپنے خواص کے مطابق اور قوت سبعی کے اسکے اپنے خواص کے مطابق جسقدر حصص ہیں اور جیسے جیسے وہ حصص ہیں ان کے پہچاننے اور ان کے مطابق کاربند ہونے کو اللہ تعالے نے آیات مذکورۃ الصدر میں ہدایت کی ہے اور اگرچہ اوپر کی آیات اولوالابصار واولوالالباب کے واسطے کافی شافی ہیں مگر پبلک اور عوام کی تفہیم کے لئے زیادہ تصریح کے لئے آیات ذیل لکھی جاتی ہیں اور دونو قسم کے لوگوں کے واسطے دونو قسم کی آیات کا بیان کرنا قرآن مجید کا خاصہ ہے -

(۱) فلا تتبعوا الھوے ان تعدلوا ج پ۵ رکوع ۱۷ -

" تو تم عدل سے درگذر کرنے میں خواہش نفس کی پیروی مت کرو "

(۲) ولا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا ط اعدلوا ھو اقرب للتقوے ز واتقوا اللہ ط ان اللہ خبیر بما تعملون ○ پ۶ رکوع ۶ -

" اور لوگوں کی عداوت تم کو اس جرم کے ارتکاب کی باعث نہو کہ تم عدل نہ کرو نہیں ہر حال میں عدل کرو کیونکہ عدل تقوے کے قریب تر ہے اور اللہ کی نافرمانی سے ڈرتے رہو کیونکہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تم اُس سے باخبر ہے "

(۳) وممن خلقنا امۃ یھدون بالحق وبہ یعدلون - پ۹ رکوع ۱۲ -

" اور ہماری مخلوقات میں ایسے لوگ بھی ہیں جو حق کی ہدایت کرتے ہیں اور اُسی کے مطابق عمل کرتے ہیں "

(۴) ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتآئ ذی القربی وینھی عن الفحشآء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون ○ پ۱۴ رکوع ۱۹

" اللہ عدل کرنے کا حکم دیتا اور لوگوں کے ساتھ احسان کرنیکا اور قرابت والوں کو مالی امداد دینے کا اور بیحیائی کے کاموں اور ناشائستہ حرکتوں اور ایک دوسرے پر زیادتی کرنے سے منع فرماتا ہے - تم کو ایسی ایسی نصیحتیں کرتا ہے تو کہ تم ان نصیحتوں کو قبول کرو "

(۵) قوا انفسکم واھلیکم نارا پ۲۸ رکوع ۱۹ -

" مسلمانو! اپنے تئیں اور اپنے اہل وعیال کے تئیں دوزخ کی آگ سے بچاؤ "

ان آیات میں صاف تصریح ہے کہ تم عدل کرو اپنے لئے بھی اوروں کے لئے بھی کیا معنے کہ تم اپنی فطرت کے تینوں طاقتوں کے حقوق کی کم وکیف کے شناسا ہو اور اسی کے مطابق ان کی حق رسانی کرو مگر چونکہ فطرت کی تینوں قوتوں کے حقوق کو معلوم کرنا اور پھر ان میں عدالت کرنا محض قواعد فطرت کی تعلیم پر موقوف

ہے اور ہر ایک شخص اپنی مرضی سے نہ توان کو معلوم کر سکتا ہے اور نہ ان میں عدالت قائم کر سکتا ہے اسواسطے ضروری ہوا کہ وہی فاطر فطرت اپنی ربوبیت تامہ کی تقاضا کے مطابق آپ ہی اپنے رسولوں کی معرفت ان حقوق کا علم اور عدل بیان فرماوے تاکہ جملہ جن اور انسان ظلوم اور جہول نہ ہو جاویں پس تمام اقسام عبادات و معاملات عموماً و خصوصاً۔ کلاً و جزءً۔ استقلالاً و تبعاً۔ اصولاً و فروعاً سب کی سب مطابق تعلیم ربانی ہونی ضروری ہیں قرآن مجید ان جملہ تعلیمات سے بھرا پڑا ہے اور ان تعلیمات کے سکھانے والے معلم رحمان معلم انس و جان پیغمبر خدا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالے اس معلم جہاں کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لئے کل دنیا کو حکم کرتا ہے اور فرماتا ہے:-

(۱) قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله ويغفر لكم ذنوبكم والله غفور رحيم ○ پ۳ رکوع ۱۲ -

"اے پیغمبر ان لوگوں سے کہدو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کیا کرو کہ اللہ بھی تم کو دوست رکھے اور تم کو تمہارے گناہ معاف کر دے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے"

(۲) لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة لمن كان يرجو الله واليوم الآخر وذكر الله كثيرا ○ پ۲۱ رکوع ۱۹ -

"مسلمانو تمہارے لئے اور خاصکر ان لوگوں کے لئے جو روز آخرت اور اللہ کے عذاب سے ڈرتے اور کثرت سے یاد الٰہی کیا کرتے ہیں پیروی کرنے کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک عمدہ نمونہ ہیں"

(۳) وما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا واتقوا الله ان الله شديد العقاب ○ پ۲۸ رکوع ۴ -

"اور پیغمبر خدا جو کچھ تم کو دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس سے تم کو روکا کریں اس سے ہٹتے اور بچتے رہا کرو اور خدا کے غضب سے ڈرتے رہا کرو کیونکہ خدا کی مار بڑی سخت ہے"

(۴) ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى ونصله جهنم وساءت مصيرا پ۵ رکوع ۱۴ -

"اور جو کوئی راہ راست کے ظاہر ہونے کے پیچھے پیغمبر سے مخالفت کرتا ہے اور مسلمانوں کا رستہ چھوڑ کر دوسرے رستے ہوئے تو جو رستہ اسنے اختیار کیا ہے ہم اسکو اسی رستے چلائے رکھیں گے اور آخر کار اسکو جہنم میں لیجا داخل کریں گے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے"

(۵) فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما ○ پ۵ رکوع ۶ -

"تیرے ہی رب کی قسم ہے کہ لوگ ایماندار نہ ہونگے جب تک کہ تجھ کو اپنا فیصلہ کنندہ نہ بناویں اور صرف فیصلہ ہی نہیں بلکہ جو کچھ تم فیصلہ کر دو اس سے کسی طرح دلگیر بھی نہ ہوں بلکہ دل و جان سے اسکو قبول کر لیں"

(۶) يا ايها الذين آمنوا اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولي الامر منكم فان تنازعتم في شيء فردوه الى الله والرسول ان كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر ذلك خير واحسن تاويلا ○ پ۵ رکوع ۵ -

"مسلمانو اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور جو تم میں صاحب حکومت ہیں ان کا بھی پھر اگر کسی امر میں تم اور حاکم وقت آپس میں جھگڑ پڑو تو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لانیکی شرط یہ ہے کہ اس امر میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو کہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی یہی طریقہ بہت اچھا ہے"

آیات مذکورۃ الصدر میں رسول خدا صلعم کو اللہ جل شانہ فاطر فطرت نے ایک کامل نمونہ مقرر فرمایا ہے اور اس نمونہ کے مطابق اپنی فطرتوں کے قوے ثلاثہ کی تربیت کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ پس جو کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جتنا قدم بہ قدم چلیگا اتنا ہی وہ اپنی فطرت کی تینوں قوتوں کے حقوق کا علم اور عدل حاصل کریگا اور جتنا کوئی شخص ان سے پیچھے ہٹے گا اتنا ہی وہ ظلوم اور جہول بنتا جاویگا اور جو کوئی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو اعتقاداً اور عملاً چھوڑ بیٹھے گا یقیناً وہ واصل جہنم ہوگا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی **امانت** اور **فطرت** اور **خلق** اور **نعمت** میں خیانت اور تغیر و تبدیل کی ہے۔ فطرت کی تینوں قوتوں کو اعتدال پر رکھنے کے لئے جسقدر آیات قرآن مجید اوپر لکھی جا چکی ہیں ان سب کا خلاصہ سورہ فاتحہ میں موجود ہے جسکو ابھی ہم اسکی تفسیر کرنے وقت مفصل طور پر بیان کرینگے انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسکو القرآن العظیم کہا گیا ہے۔ اب باقی کے دوسرے ناموں کی کچھ تشریح کی جاتی ہے جو مفسر ربانی حکیم حقانی پیغمبر خدا صلعم سے ثابت ہیں۔ بہ **روایت** ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ام القرآن ہی السبع المثانی اور القرآن العظیم ہے

(۱) عن ابی هريرة قال قال رسول الله ام القرآن هي السبع المثاني والقرآن العظيم

(بخاری کتاب التفسیر ولقد اتینٰک سبعا من المثانی والقرآن العظیم

(۲) عن عبادۃ بن الصامت رض قال قال رسول اللہ صلعم لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بام القرآن۔ (رواہ مسلم)

(۲) عبادہ بن صامت رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جو شخص نماز میں ام القرآن نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔"

(۳) عن عبادۃ بن الصامت رض قال قال رسول اللہ صلعم لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب متفق علیہ۔

(۳) عبادہ بن صامت رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جو شخص نماز میں ام الکتاب نہیں پڑھتا اسکی نماز نہیں ہوتی۔"

(۴) عن ابی قتادۃ رض ان النبی صلعم کان یقرء بام الکتاب وسورۃ معہا فی الرکعتین الاولیین من صلوٰۃ الظہر وصلوٰۃ العصر الحدیث بخاری باب القرءۃ فی الظہر۔

(۴) ابو قتادہ رضی اللہ تعالے عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں ام الکتاب اور اس کے ساتھ ایک ایک سورت پڑھا کرتے تھے۔"

(۵) عن ابی قتادۃ قال کان النبی صلی علیہ وسلم یقرء فی الرکعتین من الظہر والعصر بفاتحۃ الکتاب وسورۃ سورۃ الحدیث بخاری باب القرأۃ فی العصر۔

(۵) ابو قتادہ رضی اللہ تعالے عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر کی نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں فاتحۃ الکتاب اور ایک ایک سورت ملاکر پڑھا کرتے تھے۔"

(۶) عن ابی ہریرۃ رض عن النبی صلی اللہ علیہ قال من صلے صلوٰۃ لم یقرء فیہا بام القرآن فہی خداج ثلاثا غیر تمام فقیل لابی ہریرۃ انا نکون وراء الامام فقال اقرء بہا فی نفسک فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ تعالی قسمت الصلوٰۃ بینی وبین عبدی نصفین ولعبدی ما سال فاذا قال العبد الحمد للہ رب العٰلمین قال اللہ تعالی حمدنی عبدی واذا قال الرحمٰن الرحیم قال اللہ اثنی علی عبدی فاذا قال مالک یوم الدین قال مجدنی عبدی و قال مرۃ فوض الی عبدی فاذا قال ایاک نعبد وایاک نستعین قال ہذا بینی وبین عبدی ولعبدی ما سأل فاذا قال اہدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین قال ہذا لعبدی ولعبدی ما سأل (رواہ مسلم)

(۶) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نماز پڑھی اور اس میں ام القرآن یعنے سورۃ الفاتحۃ نہ پڑھی تو وہ نماز ایسی ہے جیسے وہ بچہ جو قبل از مدت پیدا ہو (ساقط کرد) آپ نے تین دفعہ فرمایا۔ ابو ہریرہ رض (راوی حدیث) کو کہا گیا کہ ہم تو امام کے پیچھے ہوتے ہیں آپ نے کہا کہ فاتحہ کو اپنے دل میں یعنے آہستہ پڑھ لیا کر کیونکہ میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالے نے فرمایا ہے کہ میں نے الصلوٰۃ یعنے سورۃ فاتحہ کو اپنے اور اپنے بندے میں (بلحاظ مضمون) دو برابر حصوں میں تقسیم کیا ہے میرے بندے کے لئے وہ سب کچھ ہے جو وہ مانگے پس جسوقت بندہ کہتا ہے الحمد للہ رب العٰلمین تو اللہ تعالے فرماتا ہے میرے بندے نے میری حمد کی ہے اور جب کہتا ہے الرحمٰن الرحیم تو اللہ تعالے فرماتا ہے میرے بندے نے میری ثنا کی ہے جب بندہ کہتا ہے مالک یوم الدین تو اللہ تعالے فرماتا ہے میرے بندے نے میری تمجید کی ہے یعنے میری بزرگی بیان کی ہے اور ایک دفعہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بجائے اسکے یہ فرمایا (فوض الی عبدی) یعنے میرے بندے نے اپنے تئیں میرے سپرد کر دیا ہے اور جب بندہ کہتا ہے ایاک نعبد وایاک نستعین تو اللہ تعالے فرماتا ہے کہ یہ مجھ میں اور میرے بندے میں ہے اور میرے بندے کے لئے وہ ہے جو وہ مانگے اور جب بندہ کہتا ہے اہدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تو اللہ تعالے فرماتا ہے کہ یہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے نے جو کچھ مانگا وہ اسکے لئے ہے یعنے اس کی دعاء قبول ہوتی ہے۔"

ان ساری احادیث سے ثابت ہے کہ السبع المثانی اور القرآن العظیم اور ام القرآن اور ام الکتاب اور فاتحۃ الکتاب اور الصلوٰۃ اور الحمد للہ رب العالمین سب کے سب ایک ہی سورت کے نام ہیں اور جو زیادہ تر سورۃ فاتحہ کے نام سے مشہور ہے اب ان ناموں کی وجہ تسمیہ بیان کرکے تفسیر سورۃ فاتحہ شروع کی جاتی ہے بتوفیق الٰہی۔ السبع المثانی اور القرآن العظیم کی وجہ تسمیہ بیان ہو چکی ہے۔ سو الحمد للہ رب العلمین تو اسواسطے ہے کہ اس سورت میں الحمد للہ رب العلمین آیا ہے دوسرے یہ کہ اسمیں جملہ صفات جلالی وجمالی کا ذکر ہے جنکا مقتضا جملہ مخلوقات کی تربیت روحانی وجسمانی ہے جسمیں ہر مخلوق اللہ کی نگہبانی اور رعایت ہے اور یہ سب کے سب اسباب مقتضی ہیں کہ ذات باری واجب الوجود کی ہر طرح کی حمد کی جاوے۔ ام القرآن اور ام الکتاب اور فاتحۃ الکتاب کے معنے ہیں قرآن مجید کی ماں اور اس کے جملہ علوم کے کھولنے والی اور ظاہر کرنے والی۔ کیونکہ جس طرح ماں کے بطن سے اولاد

پیدا ہوتی ہے اسی طرح اس پاک سورت میں سے جملہ علوم ومقاصد قرآن مجید اخروی و دنیوی ظاہر ہوتے ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ بسم اللہ اشارہ ہے
اللہ کی ذات اور اسکے جملہ اسمائے حسنیٰ کی طرف اور ان سب علموں کی طرف جنسے اللہ تعالے کی معرفت اور طریق عبادت حاصل ہوتا ہے اور الرحمن الرحیم اشارہ ہے
اللہ کی ذات بابرکات اور جملہ صفات کمال کے ظہور کی طرف اور الحمد للہ اشارہ ہے بیشمار نعمتوں اور ان کے شکر کی طرف اور ان نعمتوں کا یہہ حال ہے کہ انمیں سے
وہ نعمتیں جو اطبا نے بدن انسان کی تشریح میں قریب پانچہزار کے بیان کی ہیں قطرہ اور دریا کی نسبت سے ہیں اور رب العلمین میں اشارہ ہے اصناف موجودات یعنے
عقول۔ نفوس۔ اجسام اور اعراض اور ان کی تربیت کی طرف۔ نیز ذوی العقول کی تربیت جسمانی اور روحانی کی طرف یعنی فطرت کی تینوں قوتوں کی طرف اشارہ ہے
اور پھر الرحمن الرحیم اشارہ ہے آفات سے خلاصی پانے اور فوز بالخیرات کی طرف اور یہہ علم حقانی یعنے قرآن کریم کا بڑا بھاری مقصد ہے مالک یوم الدین اشارہ ہے
اسباب کی طرف کہ ایک دن جزا اور سزا کے لئے ضرور ضرور مقرر ہے جس سے کسی طرح بھی بھاگ نہیں سکتے اور نیز اسبات کی طرف کہ نفوس اور ارواح باقی ہیں
اور بیار کوئی جزو بھی اللہ تعالے سے ادھر ادھر چھپ نہیں سکتا اور نیز اسمیں اشارہ ہے بعض لوگوں کی سعادت اور بعض کی شقاوت اور کل عالم کی تخریب اور
فنا اور نفخ فی الصور اور میدان قیامت میں کھڑے ہونے اور میزان اور حساب اور شفاعت اور دخول جنت وجہنم وغیرہ وغیرہ علوم اعتقادیہ اور اعمالیہ اور اصلاح
نفس اور دہشت قیامت اور مالکیت جبار قہار اور اسکے خوف کی طرف اور ایاک نعبد میں اشارہ ہے انواع واقسام کی عبادات قلبیہ وقالبیہ کی طرف اور عقلاء کو
پیدا کرنے سے بڑا بھاری مقصود یہی ہے یعنی یہہ کہ قوت ملکی کی تربیت انواع واقسام کی جملہ عبادات ہی سے ہوا کرتی ہے جیسا کہ فرمایا اللہ تعالے نے کہ میںنے

> وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ۔
>
> جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے اور بس۔

اور ایاک نستعین میں اسبات کی طرف اشارہ ہو کہ قوت سبعی کی تربیت واصلاح کی جاوے اور اسمیں افراط وتفریط راہ نہ پاوے اور یہہ غرض بغیر استعانت ربانی
اور استعاذہ رحمانی کے حاصل نہیں ہوتی اور اھدنا الصراط المستقیم اشارہ ہے طلب ہدایت اور تصفیہ قلب اور اصلاح اعمال کی طرف یعنے فطرت کی
تینوں قوتوں کی ٹھیک ٹھیک تربیت کرنیکی طرف اور صراط الذین انعمت علیھم اشارہ ہے نبوت اور ولایت اور اعتقادات صحیحہ اور اخلاق فاضلہ اور
اعمال صالحہ کی طرف اور نیز اس بات کی طرف کہ صراط مستقیم انہیں میں منحصر ہے اور غیر المغضوب علیھم ولا الضالین اشارہ ہے کفار وفساق اور
عقاید باطلہ اور اخلاق ردیہ اور اعمال سیئہ کی طرف جس سے اجتناب اور احتراز ضروری واجب ہے گویا صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم
ولا الضالین ساری کی ساری آیت صراط مستقیم کی تشریح وتوضیح ہے۔ سبحان اللہ ایسی عجیب سورت ہے یہی تو قرآن مجید کی فصاحت ہے کہ
کوزے میں سمندر بند کردیا ہوا ہے گنتی میں تو سات آیتیں ہیں مگر مقاصد ومعانی اسقدر بیشمار ہیں کہ انسان احاطہ کرسکتا ہی نہیں الحمد للہ بخوبی ثابت کیا
گیا کہ یہہ سورت مبارکہ قرآن مجید کے جملہ مطالب عالیہ پر حاوی ہے اب اسکے دوسرے نام الصلوٰۃ کی وجہ تسمیہ بیان کی جاتی ہے چونکہ یہہ سورت نماز کا ایک
رکن اعظم اور فرض اعلیٰ ہے اسلئے اسکا نام ہی الصلوٰۃ رکھدیا تو اب نماز صرف اس شخص کی ہوگی جو یہہ سورت نماز کی ہر رکعت میں پڑھے اور جو نہ پڑھے اسکی
کوئی نماز نہیں اور ہر نماز کی ہر رکعت میں اس سورت کے پڑھنے کی فرضیت نص قطعی قرآنی سے ثابت ہے۔ اللہ تعالے نے رات اور دن کی فرضی اور نفلی دونو قسم کی نماز
کا اس طرح پر بیان فرمایا ہے :-

> اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الی غسق الیل وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشہودا ۝ ومن الیل فتہجد بہ نافلۃ لک عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا ۝ پ۱۵۔
>
> "اے پیغمبر آفتاب کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک ظہر مغرب عشا کی نمازیں پڑھا کرو اور نماز صبح بھی کیونکہ نماز صبح کیوقت رات اور دن دونو وقتوں کے فرشتے یکجا اکٹھے ہوتے ہیں اور رات کے ایک حصہ میں نماز تہجد بھی پڑھا کرو اور نمازیں تو
فرضی ہیں اور یہہ تہجد تمہاری نماز نفل ہے قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تم کو قیامت کے دن مقام محمود میں پہونچائے گا"

اوپر کی آیات میں اللہ تعالے نے پنجوقتی فریضہ نماز کے علاوہ تہجد کی نفلی نماز کا بھی بیان فرمایا ہے جس طرح فرضی نماز کا مخاطب ومامور ہر ایک مومن ہے
اسی طرح ہر ایک مومن اس نفلی نماز کے ادا کرنے کے لئے مخاطب ہے کوئی خصوصیت پیغمبر صاحب کی نہیں ہے اور جس دن سے یہہ آیت نازل ہوئی ہے
اسی روز سے یہہ نفلی ہے اور ہر ایک کے لئے نفلی ہے یہہ نہیں کہ پیغمبر صاحب کے لئے تو فرضی ہو اور باقی کی امت کے لئے نفلی یعنے پیغمبر صاحب کے لئے رات دن
میں چھ فرضی نمازیں ہوں اور باقی امت کے لئے صرف پانچ۔ اور چونکہ یہہ نماز اپنی خوشی کی ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا شوق اس نماز میں اسقدر تھا
کہ آپکے پاؤں سوجھ جایا کرتے تھے جیسا کہ کتب احادیث میں ابوہریرہ رضا اور عائشہ رضا کی روایت سے ثابت ہے اور اس نماز کا فرض کردینا لوگوں پر تکلیف مالا یطاق
تھا اسواسطے اللہ تعالی نے فریضہ نمازوں کے ساتھہی پہلے ہی ان سے اس نماز کی بابت فرمادیا کہ یہہ نفلی ہے یعنے خوشی کی نماز ہے۔ اللہ تعالی

اسی نماز کی نسبت سورۃ المزمل کی شروع آیات میں فرماتا ہے کہ اے پیغمبر تم جو نزول وحی کے وقت وحی کو سب سے زیادہ مشکل اور بھاری اور بڑی ذمہ داری کا کام

يايها المزمل ○ قم اليل الا قليلا ○ نصفه او انقص منه قليلا ○ او زد عليه ورتل القران ترتيلا ○ انا سنلقي عليك قولا ثقيلا ○ ان ناشئة اليل هي اشد وطأ واقوم قيلا ○ ان لك في النهار سبحا طويلا ○ پ ۲۹ ع ۱۳

سمجھ کر کانپتے اور پسینہ ہو ہو جاتے ہو اور پھر تعمیل احکام ربانی کا یہانتک اہتمام اور التزام کرتے ہو کہ تہجد جیسی نفلی نمازیں بہت بہت قیام کر کے اپنے پاؤں کو بھی سجا لیتے ہو اور اگر کوئی تم سے اس سخت ریاضت اور مشقت عظیمہ کی بابت سوال کر بیٹھے تو جواب میں کہتے ہو افلا اکون عبدا شکورا یعنے کیا میں خدا کی نعمتوں اور مہربانیوں کی قدردانی نہ کروں؟ اس نفلی نماز کے لئے حد سے بڑھ کر اسقدر سختی اور مشقت نہ اٹھایا کرو بلکہ رات کے وقت جسوقت تم کو آسانی ہو اور سختی نہ ہو تو اسوقت اٹھکر اس نفلی نماز کو ادا کیا کرو مگر سونے کا سارا وقت اسی میں نہ لگایا کرو اسمیں تھوڑا وقت صرف کیا کرو مثلاً جتنا سونے کا وقت ہوتا ہے اسمیں سے آدھا یا اسمیں سے کچھ کم کر لیا کرو یا اُس سے کچھ زیادہ کر لیا کرو یعنے جسطرح آسانی ہو اُس طرح کر لیا کرو اور قرآن مجید کو ترتیل کے ساتھ پڑھا کرو یعنے خوب ٹھیر ٹھیر کر پڑھا کرو ہم عنقریب تجھپر ایک بڑے بھاری حکم یعنے قرآن مجید کی تبلیغ کا بوجھ ڈالنے کو ہیں اور پہلی رات کے حصے میں سو رہنا اور پھر سونے کے بعد اٹھکر قیام کرنے کی وجہ یہ ہے کہ پچھلی رات کو اٹھکر قیام کرنے سے دل اور زبان بلکہ کل جوارح سب کے سب آپس میں ایک دوسرے کے موافق ہوتے ہیں غرضکہ زبان سے جو بھی نکلے گا ٹھیک ٹھیک نکلیگا اور دل بھی خوب تدبر کریگا اور تم کو جو منع کیا گیا ہے کہ تم سونے کا سارا وقت اسی نماز میں صرف نہ کیا کرو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دن میں تم کو بڑا کام کرنا پڑیگا!

پھر اثناء ذکر میں اور اور مسائل متعلقہ ضروریہ بیان کر کے اللہ تعالے پھر اس نماز کی نسبت فرماتا ہے کہ یہ نماز اے پیغمبر اور تمہارے ساتھیوں پر شروع سے اسواسطے

ان ربك يعلم انك تقوم ادنى من ثلثي اليل ونصفه وثلثه وطائفة من الذين معك ط والله يقدر اليل والنهار ط علم ان لن تحصوه فتاب عليكم فاقرءوا ما تيسر من القران ط علم ان سيكون منكم مرضى واخرون يضربون في الارض يبتغون من فضل الله واخرون يقاتلون في سبيل الله فاقرءوا ما تيسر منه لا واقيموا الصلوة واتوا الزكوة - (پ ۲۹ ع ۱۴)

نفلی مقرر کی گئی ہے کہ تیرے رب کو پہلے ہی سے معلوم ہے کہ تم اور تمہارے ساتھ کے چند لوگ سونے کے وقت کی کبھی دو تہائی سے کم اور کبھی اسکا نصف اور کبھی اس کی تہائی قیام کر سکا کرو گے اور اللہ ہی رات کی نمازوں اور دن کی نمازوں کے وقتوں کا صحیح صحیح اور ٹھیک ٹھیک اندازہ کرتا ہے۔ یہ تمہارا کام نہیں ہے اپنی طرف سے ان میں کمی بیشی نہ کیا کرو اور اللہ کو تو پہلے ہی سے علم ہے کہ تم ہرگز ہرگز اسکا احصاء نہ کر سکو گے سو پہلے ہی سے اس نے تمپر آپ ہی اوقات کی تقدیر و تعیین کر کے تمپر مہربانی کی ہوئی ہے سو اب جبکہ نماز ہائے یومی و لیلی فریضہ و نفلی میں ما تیسر من القران یعنے سورۂ فاتحہ پڑھا کرو تاکہ وقت کی نگہبانی قائم رہے اور نماز بھی ہو جاوے اور پہلے ہی دن سے نماز تہجد کو نافلہ مقرر کرنیکی یہ وجہ تھی کہ اس کو اس بات کا علم تھا کہ تم میں سے بعض لوگ بیمار ہوا کرینگے اور کوئی ملک میں خدا کا فضل (معاش وغیرہ) حاصل کرنے کے لئے سفر کیا کرینگے اور بعض خدا کی راہ میں جہاد کیا کرینگے اور ان سب عذروں میں نماز تہجد ضرور ترک ہو جایا کریگی سو تم کو حکم ہے کہ ایسے عذروں میں اگر تم سے یہ نماز رہجایا کرے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے تم صرف فریضہ نمازیں پڑھ لیا کرو اور ان میں سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرو لمبی اور طویل قرأت کی ضرورت نہیں اور زکوٰۃ دیا کرو۔

فاقرءوا ما تیسر من القران میں مِن بیانیہ ہے اور من بیانیہ وہ ہوتا ہے جس کی جگہ موصول کا رکھنا درست ہو سکے اسلئے اب معنی یہ ہوئے کہ پس پڑھو تم وہ چیز کہ آسان ہوتا ہے پڑھنا اسکا اور وہ کامل قرآن یعنے سب صفتوں والا قرآن عظیم ہے کیونکہ القران میں آل استغراقی صفاتی ہے جس سے صرف سورۂ فاتحہ ہی مراد ہے اور پہلے بہ بسط تمام ثابت کیا گیا ہے کہ اس سورت کا نام قرآن کریم و صحیح حدیث میں القرآن العظیم ہے اور پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ یہی سورت یعنی سورۂ فاتحہ قرآن کریم کے سب مطالب و مقاصد کی جامع ہے تو جب اللہ تعالے نے یہ فرمایا کہ تم نمازوں میں القران یعنے وہ قرآن پڑھو جو جامع جمیع صفات ہے اور اسکا پڑھنا آسان بھی ہے تو اب سوائے سورۂ فاتحہ کے یہاں اور کیا ہو سکتا ہے اور القران سے سارا قرآن مراد لیا جاوے تو سارے قرآن کا ہر رکعت و ہر نماز میں پڑھنا متعسر بلکہ ناممکن ہے اور یہ تکلیف مالا یطاق ہے اور اگر مِن تبعیضیہ مراد لیا جاوے تو معنے یہ ہوئے کہ پڑھا کرو تم قرآن شریف میں سے جو کچھ تمکو میسر ہو سکے تو پھر معاذ اللہ ثم معاذ اللہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مفسر ربانی اور حکیم حقانی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے معنے نہیں سمجھے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ جو شخص ام القران نہ پڑھے اسکی نماز ہی نہیں ہوتی یعنے ہر نمازی پر فرض ہے کہ سورۂ ام القرآن ضرور پڑھے نہیں تو اسکی نماز نہ ہوگی جیساکہ پچھلی حدیث میں گذر چکا ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت اللہ تبارک وتعالے فرماتا ہے کہ یعنے اپنے مومنین

لقد من الله على المؤمنين اذ بعث فيهم رسولا من انفسهم يتلو

بندوں پر بڑا ہی احسان کیا کہ انہی میں سے ایک عظیم الشان رسول ان کی

علیهم ایٰته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین ○ (پ ۴ ع ۸)

طرف بھیجا جو انپر ہماری آیات پڑھتا ہے اور ان کو (ہر قسم کی (ظاہری و باطنی) آلودگیوں سے) پاک کرتا ہے اور انہیں الکتاب یعنے قرآن مجید اور الحکمۃ یعنے اس کی سمجھ اور مطالب سکھاتا ہے بیشک یہہ لوگ اس سے پہلے ظاہر گمراہی میں تھے"

قرآن شریف میں اس مضمون کی بہت سی آئتیں ہیں جیسے کہ دوسری جگہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ "اللہ ایسا ہے کہ جسنے ان پڑھ لوگوں میں سے انہیں ایک

هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم (پ ۲۸ ع ۱۱)

رسول بڑے شان والا برپا کیا جو انپر اس (اللہ) کی آیتیں پڑھتا ہے اور انکو (سب طرحکی آلائشوں سے) پاک صاف کرتا ہے اور انہیں الکتاب یعنی قرآن اور الحکمۃ یعنی اسکے معنے سکھاتا ہے اور بیشک اس سے پہلے صریح گمراہی میں پھنسے ہوئے تھے۔ ایک اور جگہ فرمایا کہ "ہمنے تمہیں ایسی ہی پوری ہدایت دی ہے

کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم ایٰتنا (پ ۲ ع ۲)

جسطرح تمہارے بیچ میں سے تم میں ایک عظیم الشان رسول برپا کیا جو تمپر ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمکو ہر طرحکی ظاہری و باطنی گندگیوں سے پاک کرتا ہے اور تمہیں الکتاب یعنی قرآن اور الحکمۃ یعنے اسکے معنے سکھاتا ہے اور تمکو وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم پہلے نہ جانتے تھے"

ان آیات سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قرآن شریف بھی سکھاتے ہیں اور اسکے معنی بھی پس فاقرءوا ما تیسر من القرآن کی تفسیر بروایت عبادہ بن صامت و ابوہریرہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے یہی مروی ہے کہ القرآن سے مراد سورۃ فاتحہ ہے اگر من تبعیضیہ مانا جاوے تو یہہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کا منشا تو یہہ ہے کہ جہاں سے تمہاری مرضی ہو قرآن شریف پڑھ لیا کرو تمہاری نماز ہو جائیگی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یہہ فرماتے ہیں کہ نہیں سورہ فاتحہ ہی پڑھا کرو ورنہ نماز نہوگی تو یہہ بالکل خلاف منشاء الٰہی ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات اس سے بالکل پاک اور مبرا ہے کہ خلاف منشاء الٰہی حکم دیں جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ "ہمارا رسول صلعم اپنی خواہش سے کچھ بھی نہیں بولتا جو کچھ وہ کہتا ہے

وما ینطق عن الهوٰی ان هو الا وحی یوحی (پ ۲۷ ع ۵)

وہ سب کا سب ہماری ہی طرف سے وحی کیا ہوا ہوتا ہے۔ اور بس" حقیقت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے کبھی نہیں سکتے کیونکہ حکم اللہ ہی کا خاصہ ہے جس طرح اس کی اور صفات میں کوئی شریک نہیں اسی طرح اسکے حکم میں بھی کسی کی شرکت نہیں جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ "اللہ کے سوا

ان الحکم الا لله امر الا تعبدوا الا ایاه (پ ۱۲ ع ۱۵)

ان الحکم الا لله یقص الحق وهو خیر الفاصلین (پ ۷ ع ۱۳)

کسی کا حکم نہیں پس اللہ کا یہہ حکم ہے کہ اس (اللہ) کے سوا کسی کی عبادت نکرو" اور دوسری جگہ فرمایا کہ حکم اللہ ہی کا خاصہ ہے کیونکہ وہی حق کہتا ہے (کیونکہ ہر شئی کی حقیقت کا اسیکو علم ہے) اور وہی سب سے بڑھکر اچھا فیصلہ کرنے والا ہے"

غرض اس مضمون کی اور بہت سی آئتیں ہیں مثلاً "یہہ کہ خبردار حکم صرف اس (اللہ) کے لئے خاص ہے اور وہی سب سے جلدی حساب لینے والا ہے"۔ ایک اور جگہ فرمایا۔ "وہی اللہ ہے اسکے سوائے کوئی معبود نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے

الا له الحکم وهو اسرع الحاسبین (پ ۷ ع ۱۴)

وهو الله لا اله الا هو له الحمد فی الاولٰی والاٰخرة وله الحکم والیه ترجعون (پ ۲۰ ع ۱۰)

اسی کے لئے حمد خاص ہے دنیا اور آخرت میں اور اسی کے لئے حکم بھی خاص ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے"۔ خلاصۃ المرام یہہ ہے کہ مطابق ان آیات اربعہ کے حکم خاصۂ خدا ہے اور مطابق آیاتِ اربعہ سابقہ کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لوگوں کو قرآن یعنے اس فرمان الٰہی کے سکھانے اور سمجھانے والے ہیں پس جو حدیث خواہ **قولی** خواہ **فعلی** خواہ **تقریری** رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہوگی وہ عین بعین بلاچون وچرا قرآن مجید کے الفاظ کا ترجمہ اور اس کی حکمت اور تفسیر ہوگی اور بس صحیح حدیث کوئی بھی ایسی نہوگی جو کسی آیت کا ترجمہ یا تفسیر نہو پس اس تفصیل سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہہ فرمان کہ سورۃ فاتحہ کے بغیر کسی کی بھی نماز نہوگی اصل میں قرآن کریم کی آیت فاقرءوا ما تیسر من القرآن کا ہی ترجمہ ہے پس اس آیت ربانی سے صاف ثابت ہو گیا کہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ہر نمازی (منفرد، مسبوق، مدرک، لاحق، امام، ماموم، یعنے مقتدی وغیرہ وغیرہ) پر ہر نماز (فرض، واجب، سنت، نفل، پنجوقتی، تہجد، جنازہ، کسوف، خسوف، استسقاء، استخارہ، خوف، تطوع، تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضوء، حاجت، سری، جہری وغیرہ وغیرہ) اور ہر حالت (خوف، امن، سفر، حضر وغیرہ وغیرہ) میں فرض ہے بغیر اسکے نماز نہیں ہوتی۔ اور یہی سورت القرآن اور القرآن العظیم اور السبع المثانی اور فاتحۃ الکتاب اور ام الکتاب اور ام القرآن اور الصلوٰۃ اور الحمد لله اور الحمد لله رب العلمین ہے

جسطرح کہ مفصل طور پر گزر چکا والحمد للہ یہانتک تو منقولی طور پر قرآن وحدیث سے ثابت ہو چکا کہ بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی اب معقولی طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ اس سورت میں نماز کی کون کونسی صفات پائی جاتی ہیں جنکے سبب سے اس کا نام ہی الصلوٰۃ یعنے سورت نماز رکھا گیا ہے سو واضح ہو کہ اس سورت مبارکہ کو شروط وارکان نماز سے پوری پوری مناسبت ہے یا یوں سمجھو کہ سورۂ فاتحہ **قولی نماز** ہے یا یہہ کہ سب ارکان وشروط نماز مستفاد اس سے مترشح ہوتے ہیں تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ **پہلی** شرط صحت نماز کے لئے طہارت بدن اور **وضو** ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے اور غرض طہارت و وضو سے ازالۂ اوساخ نجاست اور زیادت طہارت ہے اسلئے اس وضو کے مناسب سورۂ فاتحہ کی آیات میں سے لفظ بسم اللہ ہے کیونکہ اسم اللہ میں **نور** ہے جو جملہ شبہات وظلمات باطنیہ کو جو مثل اوساخ ظاہریہ کے ہوتے ہیں اسی طرح دور کر دیتا ہے جسطرح کہ وضو اوساخ ظاہریہ کو دور کر دیتا ہے۔ کما قال اللہ

اللہ نور السمٰوات والارض (پ۱۸) "اللہ ہی کی نور سے زمین وآسمان میں روشنی ہے"

دوسری شرط صحت نماز کے لئے **استقبال** یعنے رو بقبلہ ہونا ہے یہہ اسلئے ہوتا ہے کہ جس طرح انسان اپنے ظاہر بدن سے ایک طرف متوجہ ہے اسی طرح اپنے دل کو بھی غیر اللہ سے ہٹا کر صرف ایک اللہ کی طرف لگا دیوے اور چونکہ الرحمن الرحیم میں رحمت الٰہی کا ذکر ہے اور ہر شئے کا ایجاد اور ابداع صرف رحمت الٰہی کے سبب سے ہی ہے اسلئے توجہ روحانی صرف اپنے مبدء اور مرجع ہی کی طرف چاہئے لہذا الرحمن الرحیم کو استقبال سے پوری پوری مناسبت ہے **تیسرا** رکن نماز کا **قیام** ہے۔ قیام میں شان الٰہی کی عظمت اور اپنے تذلل اور انکساری کا اعتراف ہوتا ہے جس سے یہہ ثابت ہوتا ہے کہ جملہ مخلوقات کا قیام محض بذات حق تعالےٰ ہے اور اس سے یہہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ جملہ مخلوقات کے محامد کا مرجع وہی ایک اللہ خالق ورب ہے اور چونکہ الحمد للہ میں بھی تقدس ذات باری ہے اور ال استغراقی افرادی سے یہہ مفہوم ہوتا ہے کہ ہر طرح کی حمد اسی ایک اللہ کے لئے خاص ہے اسلئے اسے قیام سے مناسبت تامہ ہے۔ **چوتھا** رکن نماز کا **رکوع** ہے جو درمیانی حالت ہے نہ تو آدمی سیدھا کھڑا ہی ہوتا ہے اور نہ اپنی قامت کو چھوڑ کر سربسجود ہوتا ہے اور چونکہ رب العلمین سے رب اور مربوب کا آپسمیں تعلق مفہوم ہوتا ہے اسلئے اسے رکوع سے مناسبت کلی ہے کیونکہ نہ تو اسمیں محض رب کا ہی ذکر ہے جو سب سے اعلیٰ ہے اور نہ صرف بندہ کا جو بہت ہی ادنیٰ ہے۔ **پانچواں** رکن نماز کا **قومہ** یعنے اعتدال ہے اسے مناسبت ہے الرحمن الرحیم سے اور چونکہ سجدے اور رکوع کے درمیان کوئی فاصلہ نہ ہونے کے سبب سے اختلال واقع ہوتا ہے اس لئے ان کے درمیان اعتدال جو منافی اختلال ہے مقرر کیا گیا اور یہی بات یعنی اعتدال اور عدم اختلال عین الرحمن الرحیم میں پائی جاتی ہے یعنے بقائے انسان وماسواہ محض برحمت ایزدی ہے جو مستلزم اعتدال ہے اور اسمیں ایک عجیب نکتہ ہے جس سے یہہ ثابت ہوتا ہے کہ الرحمن الرحیم میں تکرار نہیں ہے **چھٹا** رکن نماز کا **سجدہ** ہے جسمیں غایت درجہ کا تذلل اور عاجزی پائی جاتی ہے اور اس حالت میں بندہ اپنے عزیز چہرہ کو خاک پر گرا دیتا ہے گویا اسمیں ملا دیتا ہے اور نہایت ہی عاجزی سے فریاد کرتا ہے۔ چونکہ قیامت کے دن بھی ہر مطیع وعاصی اللہ تعالےٰ کے سامنے غایت درجہ کے تذلل وانکسار میں ہوگا اور چہرہ کی رونق نہ رہیگی جیسے کہ اللہ جل شانہ نے فرمایا وعنت الوجوہ للحی القیوم یعنے اس دن حی قیوم اللہ تعالےٰ کے سامنے سب مونہہ اور چہرے عاجز ہو جائینگے اسلئے سجدہ اور آیت مالک یوم الدین میں پوری پوری مناسبت ہے۔ کیونکہ اسمیں روز قیامت اور اللہ تعالیٰ واحد لا شریک لہ کی مالکیت کا ذکر ہے۔ **ساتواں** رکن نماز کا **جلسہ بین السجدتین** ہے اور اسکے یہہ معنے ہیں کہ جب بندے نے بغایت عجز ونیاز اور بوجہ اتم دربار ایزدی میں عرض کی تو وہ اب قربان تقرب کا مستحق ہے جسطرح کہ دربار شاہی میں جا کر پہلے کورنشات وآداب بجالاتے جاتے ہیں اور پھر بادشاہ سے حکم بیٹھنے کا صادر ہوتا ہے اسی طرح اس بندے کو جب اسنے پوری پوری عجز اور نیاز اور تذلل اور انکسار کر لی تو اسے اب حکم ہوا کہ تو ہمارے دربار میں ہمارے سامنے بیٹھنے کے لائق ہے **بیٹھ جا**۔ اور چونکہ اس قرب کا سبب اور وسیلہ محض وہ عبادت ہے اسلئے اس جلسہ کو ایاک نعبد سے مناسبت کاملہ ہے کیونکہ اسمیں عبادت کا ذکر ہے جو موجب قرب ہے۔ **آٹھواں** رکن نماز کا **دوسرا سجدہ** ہے۔ یہہ قاعدہ ہے کہ جب بندے کو دربار شاہی سے خلعت وقرب عطا ہو تو اسپر کورنشات واجب ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب بندے کو دربار الٰہی میں قرب جلسہ حاصل ہوا تو اب وہ پھر وہی آداب وکورنشات بعجز وتذلل ادا کرتا ہے جسکے وسیلے سے اسے پہلی دفعہ یہہ قرب حاصل ہوا یعنے دوسری دفعہ سجدہ میں گر پڑتا ہے پس اسے یعنے دوسرے سجدے کو مضمون ایاک نستعین سے پوری پوری مناسبت ہے کیونکہ پہلے اللہ تعالےٰ نے اپنی عبادت کا ذکر کیا اور پھر بندے کو استعانت یعنی مدد مانگنے کی ترغیب دی۔ اس ترتیب میں اس نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ عبادت بغیر اعانت وتوفیق الٰہی کے پوری نہیں ہو سکتی اور اعانت استعانت سے ہوتی ہے اور یہہ استعانت بجائے خود تذلل بلکہ اسوقت موجب مزید تذلل ہے۔ یعنے عبادت بجائے خود تذلل تھی اب اس نے مدد مانگی اور اعانت چاہی یہہ اور تذلل ہو گیا یعنے تذلل بعد تذلل اسلئے اسے دوسرے سجدے سے کلی مناسبت ہے کیونکہ یہہ بھی تذلل بعد تذلل ہے۔ **نواں** رکن نماز کا **قعدۃ التشہد** یعنے التحیات پڑھنے کی حالت ہے اور اسمیں اشارہ ہے اہدنا الصراط المستقیم کی طرف یعنے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(نہایت بخشش کرنیوالے مہربان اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں)

اس شخص کو بزرگی اور انعام دینے کی خاطر جو اللہ تعالےٰ کی عبادت استقامت سے پوری کرنے اسلئے اسے اھدنا الصراط المستقیم سے کلی مناسبت ہے اور اس کا مطلب ظاہر ہے۔ **دسواں** فرض نماز کا **قرأت** تشہد ہے اور اس قرأت میں دربار ایزدی میں تحف وتحیات قولیہ پیش کئے جاتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ تحف کو انعام دیا جاتا ہے۔ اسلئے صراط الذین انعمت علیہم کو قرأت تشہد سے مناسبت تامہ ہے کیونکہ اسمیں بھی انعام واکرام کا ذکر ہے۔ **گیارھواں** فرض نماز کا **سلام** ہے جو نماز کا اخیر ہے اور سلام سے عیوب ونقائص سے سلامتی مراد ومقصود ہوتی ہے اسلئے یہہ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کے مناسب ہے کیونکہ اسمیں بھی بند ضلالت وغضب سے امن وسلامتی چاہتا ہے اور یہہ آئیت بھی اخیری ہے۔ تم والحمد للہ سبحان اللہ والحمد للہ واللہ اکبر

پہلے بیان ہوچکا ہے کہ اس سورت کا نام السبع المثانی بھی ہے یعنے ایسی سات آئتیں جو نمازمیں بار بار پڑھی جاتی ہیں سو اس سورت کی سات آیات ہیں اور وہ یہہ ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ① الحمد للہ رب العلمین ② الرحمن الرحیم ③ ملک یوم الدین ④ ایاک نعبد وایاک نستعین ⑤ اھدنا الصراط المستقیم ⑥ صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین ⑦

قرآن مجید کی سب سورتوں کی پہلی پہلی آئیت بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے اور جسطرح ہر ایک سورت اللہ تعالےٰ کی طرف سے جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معرفت پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ ہے ایسی طرح اس سورت کی بسم اللہ بھی اسکے ساتھ منزل من اللہ ہے جو ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بسم اللہ الرحمن الرحیم سنتے تھے تو جھٹ معلوم کرلیتے تھے کہ اب نئی سورت نازل ہونے لگی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خود قرآن کریم کے حفظ کرنے اور کرانے اور لکھوانے کا اسقدر اہتمام کرتے تھے کہ جونہیں کوئی سورت یا کسی سورت کی کوئی آئیت نازل ہوتی تھی تو اول خود ازبر کرتے تھے اور اسی دم کاتبان وحی کو قلم دوات کاغذ وغیرہ سمیت حاضر ہونے کا حکم ہوتا اور خود جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام بتاتے کہ یہہ آئیت فلاں سورت کی ہے اور فلاں آئیت کی پہلی اور فلاں آئیت کے بعد لکھی جاوے اور یہہ سورت فلاں سورت کے بعد رکھی جاوے۔ پھر اس تعلیم جبریلی کے مطابق آپ لکھواتے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا کہ تم ان چار شخصوں (ابن مسعودؓ۔ ابی بن کعبؓ۔ معاذ بن جبلؓ۔ وسالمؓ مولی حذیفہ) سے قرآن مجید سیکھا کرو۔ غرضکہ کل قرآن مجید جو آج ہمارے ہاتھ میں ہے بائے بسم اللہ الرحمن الرحیم سے لیکر والناس کے سین تک زمانہ نبوی میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے اہتمام سے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ہوتے اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جمع کیا گیا تھا اور لکھا گیا تھا۔ قریب ۲۳ سال کی مدت میں یہہ قرآن مجید رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے ساتھ اور بہت سے اصحاب کو حفظ ہوا اور لکھا گیا۔ چار شخص جنکا اوپر ذکر ہوا ہے وہ تو بالخصوص خاص شاگرد تھے جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید سیکھتے اور حفظ کرتے تھے یعنے جس ترتیب سے جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام لاتے تھے اسی ترتیب سے نبی صلعم کو سکھاتے اور ان سے دور کرتے تھے اور جس ترتیب سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سیکھتے تھے اسی ترتیب سے اپنے شاگردوں کو سکھاتے تھے اور پھر آگے یہہ چاروں آوروں کو اسی طرح ترتیب سے تعلیم دیتے اور حفظ کراتے تھے۔ غرضکہ اسی عرصہ بست وسہ سالہ میں قرآن مجید کی حفاظت کے دو بڑے زبردست ذریعے قائم ہوگئے ایک تو یہہ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے علاوہ بہت سے اصحاب کا حافظ قرآن کریم ہوجانا۔ دویم یہہ کہ قرآن مجید کا بشکل تحریر (نہ بشکل کتاب یکجا مجلد شدہ) مامون محفوظ ہوجانا۔ قرآن مجید یکجا ایک جلد میں تو اسی صورت میں جمع ہوسکتا تھا کہ جب یہہ سب کا سب منزل من اللہ ہوجاتا۔ ۲۳ سال میں کوئی ایسا وقت نہیں تھا کہ جس میں یہہ پاک کتاب بین الدفتین جمع ہوسکتی۔ کیونکہ وہ زمانہ نزول کا تھا اور نہیں معلوم کب کوئی سورت یا جز و سورت یا کوئی آئیت نازل ہونے کو تھی اور جو سورتیں نازل ہورہی تھیں وہ کب یا کس آئیت پر جاکر ختم ہونگی تو اسواسطے ضروری ہوا کہ جب تک یہہ حکم نہ ہوجاوے کہ بس اس سے آگے نزول ختم ہوگیا ہے یا اب قرآن کریم مکمل اور پورا نازل ہوچکا ہے تب تک پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم اسکو ایک جلد میں یکجا

جمع نہیں کر سکتے اور چونکہ اس زمانہ میں کاغذ بہت کمیاب تھا اسواسطے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم حکم کتابت کے وقت جو چیز میسر ہوتی اسی پر نازل شدہ قرآن کو لکھوا لیتے اور اسباب کی انتظار نہ فرمانے کہ کاغذ ملے ہی تو اسپر لکھا جاوے پس اگر کاغذ کا کوئی ٹکڑہ مل جاتا تو اسی پر اگر اونٹ یا بکری کے شانہ کی ہڈی ملجاتی تو اسی پر اگر چمڑے کا کوئی ٹکڑہ مل جاتا تو اسی پر یہانتک کہ بعض وقت پکی مٹی کے برتنوں مثلاً طباق وغیرہ اور پتھر کی تختیوں پر لکھوا لیتے ۔ جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنا قرآن کریم حفظ کرانے تھے یاکر اچکتے تھے اس سب کا دور ہر سال رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے کیا کرتے تھے اور سال وفات شریف میں سارے قرآن کریم کا دو دفعہ دور کیا اور یہہ دور ہر سال کے ماہ رمضان میں ہوتا تھا اور ہر رات کو ہوتا تھا سو لخدا صلعم کبھی کبھی اپنے شاگردوں سے قرآن مجید سنا بھی کرتے تھے غرضکہ قرآن مجید کی حفاظت کے یہہ دو تو ذریعے جب خوب مستحکم ہو گئے یعنے (۱) اصحاب نبی صلعم کا کثرت کے ساتھ حفاظ بن جانا اور (۲) خود قرآن مجید کا تحریر میں آچکنا اور جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سال وفات شریف میں دو دفعہ دور کرنا ان دونو ذریعوں کے استحکام کے لئے اور بھی موجب تائید اور تقویت ہو گیا تو اسوقت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے گویا وفات شریف تک قرآن شریف ہر طرح مکمل اور مرتب ہو گیا ۔ ابوبکرؓ کی خلافت میں مسیلمہ کذاب کے ساتھ بڑی سخت جنگ ہوئی اور بہت سے حفاظ قرآن مجید شہید ہوئے اور مسیلمہ کذاب قتل کیا گیا اور امن قائم ہو گیا تو اسوقت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالے عنہ سے کہا کہ جنگ مذکور میں بہت سے حفاظ قرآن مجید شہید ہو چکے ہیں مجھے اندیشہ ہے کہ اگر اسی طرح اور جنگ بھی ہوئیں تو بہت سا قرآن مجید جاتا رہیگا یعنے جتنے حافظ قرآن مجید شہید ہونگے اتنے ہی گویا قرآن شریف کے نسخے جاتے رہیں گے مثلاً ایکسو حافظ قرآن مجید ہو تو گویا سو نسخہ قرآن شریف کا ہوا پھر ان میں سے جسقدر حافظ فوت ہو جاویں یا شہید ہو جاویں تو یہی سمجھا جاویگا کہ اسقدر نسخے جاتے رہے ہیں اسواسطے میری صلاح ہے کہ آپ قرآن مجید کو ایک جگہ ایک جلد میں اکٹھا کرا دیں (انشاء اللہ تفصیل اسکی آگے آویگی) قصہ کوتاہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالے عنہ نے وہی قرآن کریم جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے اہتمام سے عہد رسالت میں ہی مختلف اشیاء پر تحریر میں آچکا ہوا تھا اور جسکو بہت سے اصحاب نبی صلے اللہ علیہ وسلم حفظ کر چکے ہوئے تھے اور جسکا کئی دفعہ دور بھی ہو چکا تھا اور جس کی سورتوں کی ترتیب اور پھر ہر سورت کی آیات کی ترتیب تحریر میں آچکی تھی اور جس کو اسی ترتیب سے جو حفاظ کو بھی رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے سکھایا تھا سب قسم کے نوشتوں سے نقل کروا کر ایک ہی جگہ ایک جلد میں جمع کرا دیا جو ان کے اخیر دم تک ان کے پاس رہا پھر وہی نسخہ عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس ان کے اخیر دم تک رہا ۔ پھر وہی نسخہ ان کی دختر نیک اختر زوجہ مطہرہ نبی صلعم ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالے عنہا کے پاس رہا عثمان رضی اللہ تعالے عنہ خود حافظ قرآن شریف تھے جب عمر فاروق رضی اللہ تعالے عنہ کے بعد ان کی خلافت کا زمانہ آیا تو ان کے عہد سعادت مہد میں پھر اور ضرورت لاحق ہوئی اور وہ یہہ تھی کہ موجودہ حفاظ قرآن کریم اور نسخہ حفصہ رضہ کے علاوہ قرآن مجید کے کچھ اور نسخے بھی لکھے جاویں اور جا بجا دور دور کے ملکوں میں جہاں اسلام پھیل چکا تھا اس کی اشاعت کی جاوے کیونکہ جوں جوں اب زمانہ گزرتا جاتا تھا اصحاب نبی صلے اللہ علیہ وسلم بھی جو حفاظ قرآن شریف تھے فوت ہو جاتے تھے ۔ اور ایک نسخہ سے دور دور ملکوں میں کام نہیں چل سکتا تھا اور بعض بعض علاقوں میں بعض آیات کی قرأت میں کچھ کچھ اختلاف بھی سنائی دیا جانے لگا تو پھر عثمان رضی اللہ تعالے عنہ نے ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالے عنہا کے پاس سے وہ نسخہ منگوا بھیجا اور یہہ کہلا بھیجا کہ ہم اس نسخہ کی چند اور کاپیاں کرا کر اصل نسخہ آپ کے پاس بھیج دینگے چنانچہ ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالے عنہا نے وہ نسخہ آپ کے پاس بھیج دیا اور پھر اس نسخہ میں سے بہت سی کاپیاں آپ نے کرائیں اور وہ اصل نسخہ واپس بھیج دیا ۔

خلاصہ اس ساری تحریر کا یہہ ہے کہ یہہ قرآن مجید جو اسوقت ہمارے ہاتھوں میں ہے وہی ہے جو اللہ تعالے نے جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معرفت اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو دیا اور اسی ترتیب کے ساتھ ہے جس ترتیب سے اللہ تعالی نے جبریل امین کو دیا اور جبریل امین نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو سکھایا اور پھر آپ نے حفاظ کو یاد کرایا اور مختلف چیزوں پر حرفاً حرفاً لکھوایا اور پھر جیسے سب سے پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالے عنہ نے ایک جلد میں اکٹھا کروایا اور جس سے پھر عثمان رضہ نے اور بہت سی نقلیں کروائیں اور جا بجا اپنی خلافت میں شائع کرائیں ۔ اب ہم اس کل مضمون کو ترتیب ذیل پر تقسیم کر کے جداگانہ عنوانوں کے ساتھ لکھتے ہیں اور ایک ایک بات کا یقینی اور قطعی ثبوت اولاً خود قرآن کریم سے اور ثانیاً استشہاداً احادیث صحیحہ سے دیتے ہیں ۔ وباللہ التوفیق ۔

آیات قرآنیہ

(۱) بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ ۔ (پ ۳۰ ع ۱۰)	(کفار اس قرآن مجید کو ایسا ویسا سمجھ کر جھٹلاتے رہتے ۔ یہہ کتاب کوئی ایسی ویسی نہیں ہے بلکہ یہہ کتاب تو بڑا عظیم الشان قرآن ہے جو لوح محفوظ میں لکھا موجود ہے
(۲) انہ لقرآن کریمٌ ۝ فی کتٰب مکنون ۝ لا یمسہ الا المطھرون ۝	(یہہ قرآن بڑی قدر اور شان کا قرآن ہے جو کتاب مکنون یعنے لوح محفوظ میں لکھا

تنزیل من رب العٰلمین ٥ (پ۲۷ ع۱۶)

موجود ہے اور پاک فرشتوں کے سوائے کوئی بھی اسکو چھونے نہیں پاتا۔ اسی کتاب کی نقل یہہ قرآن ہے جو رب العالمین کی طرف سے خاتم النبیین کی طرف نازل ہوا ہے۔"

(۳) شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس وبینٰت من الھدیٰ والفرقان ج (پ۲ ع۷)

" رمضان کا مہینہ ایسے قدر و شان والا ہے کہ اسکے اندر یہہ کامل صفات والا قرآن لوح محفوظ سے نقل ہو کر اتارا گیا ہے جو کل جن و انس کا رہنما ہے۔ اور اس میں رہنمائی اور حق و باطل کی تمیز کیلئے کھلے کھلے واضحات احکام موجود ہیں۔"

(۴) افلا یتدبرون القرآن ط ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافًا کثیرًا ٥ (پ۵ رکوع ۸)

" تو کیا لوگ اس قرآن کے مقاصد اور مطالب میں غور نہیں کرتے کہ ان میں کہیں بھی ذرہ برابر فرق نہیں اور اگر یہہ قرآن خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے آیا ہوتا تو اسکے مضامین میں بہت سے اختلافات پاتے۔"

(۵) انا انزلناہ فی لیلۃ القدر (پ۳۰ ع۲۲)

ہم نے اس (قرآن کریم) کو (لوح محفوظ سے نقل کر کے) لیلۃ القدر میں نازل کیا۔"

(۶) لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرایتہ خاشعًا متصدعًا من خشیۃ اللہ (پ۲۸ ع۶)

" اگر ہم یہہ قرآن کسی بڑی سی بڑی پہاڑی پر نازل کرتے تو تو دیکھ لیتا کہ وہ پہاڑ خدا کے ڈر کے مارے جھک گیا ہوتا اور پھٹ پڑا ہوتا۔"

(۷) وانہ لکتٰب عزیز ٥ لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ ط تنزیل من حکیم حمید ٥ (پ۲۴ ع۱۹)

" اور یہہ کتاب خود ہی اپنی ذات کے لحاظ سے نہایت بڑی غلبے والی کتاب ہے کہ کسی قسم کا باطل بھی اس میں کسی وقت بھی راہ نہیں پا سکتا اور نہ پا سکیگا نہ تو دنیا میں ہی ہے اور نہ قیامت کو ہی کہ جب ہر ایک کو اس کی کرتوتوں کا پورا پورا بدلہ ملے گا یعنے یہہ کتاب دنیا میں بھی قیام قیامت تک حق اور یقینی ہے اور آخرت میں بھی اپنے وعدے و عید کے پورا کرنے میں ویسی ہی حق اور یقینی نکلے گی کیونکہ اس خدا کی اتاری ہوئی کتاب ہے جو بڑی حکمت والا اور ذری ذری بات میں سزاوار حمد و ثنا ہے۔"

(۸) انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحٰفظون (پ۱۴ ع۱)

" بیشک ہم نے ہی اس قرآن شریف کو اتارا ہے اور بیشک ہم ہی اسکو رکھوالے اور نگہبان ہیں۔"

(۹) وانہ فی ام الکتاب لدینا لعلی حکیم ٥ (پ۲۵ ع۷)

" اور یہی قرآن مجید (بعینہ) ہمارے پاس لوح محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے بیشک یہ قرآن بڑی بلند شان والا حکمتوں سے بھرا ہے۔"

اس قسم کی اور بہت سی آیات قرآن مجید میں موجود ہیں مگر ہم نے بخوف تطویل صرف انہیں نو آیتوں پر اکتفا کی ہے۔ ان آیات سے صاف ثابت اور قطعی طور پر یقینی ہے کہ یہی قرآن مجید لوح محفوظ میں موجود ہے اور وہی لوح محفوظ والا قرآن اللہ تعالےٰ نے دنیا میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا اور وہی لوح محفوظ والا قرآن کریم ہے جسکے غیر مختلف ہونے کی پاکی اللہ تعالےٰ نے بیان فرمائی ہے اور جس کی حفاظت کی ہمیشہ ہمیشہ تک ذمہ داری کا بیڑا خود اللہ تعالےٰ نے اٹھایا ہے۔ اب صاف ظاہر ہے کہ لوح محفوظ والا قرآن کریم یا وہ کتاب مکنون آخر کسی نہ کسی ترتیب پر موجود ہے اور کسی نہ کسی نظام پر مرتب ہے پھر جو ترتیب وہاں موجود ہے وہی ترتیب یہاں موجود ہوگی تو یہہ قرآن وہی قرآن ہے جسکا نام لے لے کر اللہ تعالےٰ اسکی پاکی اور عظمت اور لوح محفوظ میں اس کی موجودگی کا بیان کرتا ہے۔ اصل بات یہہ ہے کہ خود اللہ تعالےٰ اس پاک کتاب کا جامع اور مولف ہے یعنے اسکی جمع اور تالیف نہ کسی فرشتے نے کی ہے نہ کسی جن و بشر نے یہانتک کہ جبریل امین اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی اسمیں کچھ دخل نہیں ہے۔ چہ جائیکہ کسی اور انسان کا۔ یہہ اسی کتاب کا خاصہ ہے کہ اپنے دعوے کے دلائل بھی آپ ہی پیش کرتی ہے خود قرآن کریم کے کسی لفظ اور نقطے سے قیامت تک کوئی شخص بھی کوئی ایسی بات نہ نکال سکیگا جس سے قرآن کریم کی بعینہ اس ترتیب سور و ترتیب آیات پر ہونے میں کوئی حرف آ سکے جو لوح محفوظ اور کتاب مکنون میں ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ اُس لوح محفوظ پر سے نقل اتارنیوالے فرشتوں اور جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سب کی پاکی اور امانت اور پوری پوری تبلیغ بیان فرماتا ہے جیسا کہ ابھی قرآن کریم کی نص سے قطعی طور پر ثابت کیا جاویگا انشاء اللہ العزیز۔ سو لوح محفوظ میں سے اگر نقلنویس فرشتے پوری پوری اور صحیح صحیح نقل نہیں اوتارتے یا جس ترتیب سے کہ لوح محفوظ میں وہ کتاب مکنون مسطور و مکتوب ہے اس ترتیب کے موافق نقل نہیں اتارتے تو پھر وہ نقلنویس نہ پاک ٹھہر سکتے ہیں نہ امین اور نہ خدا وند تعالےٰ کے پیغام لانے کے قابل۔ پھر اسی طرح اگر جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام اُس ترتیب رحمانی کے مطابق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو تعلیم نہیں کرتے اور پھر اپنی اُس تعلیم کے مطابق ان سے دَور نہیں کرتے تو وہ بھی اس قابل نہیں رہتے کہ قرآن کریم جیسی امانت ان کے حوالہ کی جاوے پھر اسی طرح اگر رسول اللہ صلی اللہ

قرآن کریم کو اسی ترتیب کے ساتھ جو اُن کو ملا ہے کاتبانِ وحی سے نہیں لکھوا لیتے تھے اور حفاظ کو اسی ترتیب کے ساتھ حفظ نہیں کرا لیتے تھے تو پھر ان کی رسالت پر دھبہ لگتا ہے اور وہ اس قابل نہیں رہتے کہ عہدۂ رسالت جیسا کام ان کے سپرد کیا جاوے۔ پس خلاصہ جو بالکل حق الیقین ہے یہ ہے کہ لوح محفوظ پر ایک خاص ترتیب کے ساتھ یہہ پاک کتاب مکتوب ہے پھر اسی ترتیب سے اس کی نقل اُتاری گئی ہے اور اسی ترتیب سے جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو تعلیم فرمائی ہے اور اسی ترتیب کے ساتھ ان سے دَور کیا ہے پھر اسی ترتیب سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کو لکھوایا اور حفاظ کو یاد کرایا۔ اب اول ہم فرشتوں اور جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام اور محمد رسول اللہ صلعم کی پاکی اور امانت کی نسبت آیاتِ قرآن کریم لکھتے ہیں کیونکہ خود قرآن کریم اپنے دعووں کے دلائل اپنے پاس رکھتا ہے۔

آیات متعلقہ امانت و طہارت و کرامت ملائکہ نقل گیرندگان قرآن کریم از لوح محفوظ :-

(۱) انّہ لقرآن کریم ۰ فی کتٰب مکنون ۰ لا یمسّہ الا المطہرون ۰ تنزیل من رب العٰلمین ۰ (پ ۲۷ ع ۱۴)

"یہہ قرآن بڑی قدر اور شان کا قرآن ہے جو کتاب مکنون یعنے لوح محفوظ میں لکھا موجود ہے اور پاک فرشتوں کے سوائے کوئی بھی اس کو چھونے نہیں پاتا اسی کتاب کی نقل یہہ قرآن ہے جو رب العلمین کیطرف سے خاتم النبیین کیطرف نازل ہوا"

(۲) کلا انہا تذکرۃ ۰ فمن شاء ذکرہ ۰ فی صحف مکرمۃ ۰ مرفوعۃ مطہرۃ ۰ بایدی سفرۃ ۰ کرام بررۃ ۰ (پ ۳۰ ع ۵)

"ہرگز ہرگز کوئی اور بات نہیں سوائے اس بات کے کہ یہہ قرآن محض نصیحت ہی نصیحت ہے سو جو چاہے اسکو یاد رکھے اور نصیحت قبول کرے یہہ قرآن ہمارے ان ایسے صحیفوں میں لکھا ہوا ہے کہ جنکی تعظیم کیجاتی ہے یعنے لوح محفوظ میں اور وہ صحیفے بڑے عالی مکان اور عظیم الشان ہیں اور ہر قسم کے خلط ملط اور غلط ملط سے پاک ہیں بڑے بزرگ اور نیکوکار نشیوں یا نقلنویسوں کے ہاتھوں میں رہتے ہیں"

(۳) کلا ان کتٰب الابرار لفی علیین ۰ وما ادرٰک ما علیون ۰ کتٰب مرقوم ۰ یشہدہ المقربون ۰ (پ ۳۰ ع ۸)

"ہرگز ہرگز کوئی اور بات نہیں سوائے اس بات کے کہ نیکوکاروں کے اعمال عالی مرتبہ لوگوں (نبی۔ صدیق۔ شہید۔ صالح) کے رجسٹر میں درج کئے جاتے ہیں اور تو کیا سمجھا کہ عالی مرتبہ لوگوں کا رجسٹر ہے کیا؟ وہ ایک جنرل رجسٹر ہے جس میں نیکوکاروں کے اعمال لکھے جاتے رہتے ہیں اور اس پر مقرب فرشتے متعین رہتے ہیں یعنے لوح محفوظ کا ایک بڑا بھاری دفتر جہاں پر مختلف قسم کے محکموں کے افسر موجود رہتے ہیں اور کل عالم کے لئے کل احکام وہاں سے جاری ہوتے ہیں سو انہیں میں ایک محکمہ وہ ہے جہاں ابرار کے اعمال کا رجسٹر رہتا ہے اور اسکی خانہ پوری ہوتی رہتی ہے"

(۴) ومن عندہ لا یستکبرون عن عبادتہ ولا یستحسرون ۰ یسبحون الیل والنہار لا یفترون۔ (الی آخر) سبحٰنہ بل عباد مکرمون ۰ لا یسبقونہ بالقول وہم بامرہ یعملون ۰ یعلم ما بین ایدیہم وما خلفہم ولا یشفعون الا لمن ارتضی وہم من خشیتہ مشفقون (پ ۱۷ ع ۲)

"اور جو فرشتے اس کی درگاہ میں رہتے ہیں وہ اس کی عبادت سے نہ تو سرتابی کرتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں بلکہ رات دن اسکی تسبیح میں لگے رہتے ہیں اور سستی نہیں کرتے" "اور بعض کافروں کا قول ہے کہ رحمٰن فرزند رکھتا ہے یعنی فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں اس کی ذات اس تہمت سے پاک ہے بلکہ وہ فرشتے تو اس کے معزز بندے ہیں۔ ان کو اتنی مجال نہیں کہ وہ بلا اجازت کوئی بات بھی خود بخود خدا کے فرمانے سے پہلے پہلے مونہہ سے نکالیں اور وہ اس کے فرمان کی تعمیل کرتے رہتے ہیں ان کا اگلا پچھلا سب حال اس کو معلوم ہے اور اتنا اختیار نہیں ہے کہ وہ خود بخود کسی کی شفاعت کر سکیں تاوقتیکہ اسکے حق میں خداوند تعالےٰ اذن یا اجازت دیکر اپنی رضامندی ظاہر نہ فرما دے۔ اور انکا اپنا یہ حال ہے کہ اسکے جلال سے ڈرتے رہتے ہیں"

آیات مذکورۃ الصدر میں اس امر کا قطعی و یقینی فیصلہ ہے کہ لوح محفوظ کو ہاتھ لگانیوالے اور اس میں سے قرآن کریم کی نقل اتارنیوالے سب کے سب پاک اور عالی قدر اور رفیع الشان نیکوکار اور مقرب فرشتے ہیں اور سدا خدا کی عبادت میں مشغول ہر وقت اسکے احکام کی تعمیل دل کی خوشی اور رغبت سے کرنیوالے۔ خدا کے ہاں عزت پانیوالے کبھی بھی بلا اس کی اجازت کے مونہہ سے کوئی کلمہ نہ نکالنے والے اور ہر دم اس کی ہیبت اور جلال سے اس کی جلالیت کے سامنے عاجز اور ترساں ہیں۔ کیا کوئی گمان کر سکتا ہے کہ ایسے پاک اور معصوم فرشتوں نے لوح محفوظ میں سے قرآن کریم کی نقل اتارنے میں کبھی بھی کچھ بھی غلطی یا بھول چوک کی ہوگی؟ خواہ کسی نقش حرف یا کلمہ میں یا کسی نقش آیت یا سورت میں خواہ ان حروف اور کلمات اور آیات اور سور کی ترتیب میں کی ہوگی؟ عقلمند تو وہم کے لئے بھی وہم و گمان نہیں کر سکتا اور بے سمجھ کا کوئی علاج نہیں۔ عقلمند تو فوراً یہہ کہہ اُٹھیگا کہ قرآن کریم کی جو تالیف و جمع اسوقت لوح محفوظ میں مکتوب یا مسطور موجود ہے اس کے خلاف ایک ذرہ بھر کمی تقدیم و تاخیر تحریف و تحویل۔ اور تغییر و تبدیل بوجہ من الوجوہ عموماً و خصوصاً ان پاک ملائکہ سے سرزد نہیں

ہوئی اور نہ کبھی سرزد ہو سکتی تھی۔ اب ہم جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پاکی اور امانت کے متعلق آیات لکھتے ہیں :۔

آیات دربارہ عظمت و امانت و علو مرتبت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام

(۱) قل من کان عدوا لجبریل فانہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ مصدقا لما بین یدیہ وھدی وبشری للمومنین ٥ من کان عدوا للہ وملئکتہ ورسلہ وجبریل ومیکل فان اللہ عدو للکفرین ٥ (پ ۱ رکوع ۱۲)

" جو شخص جبریل فرشتے کا دشمن ہو وہ خدا کا دشمن ہے جبریل فرشتے نے تو خدا کے حکم سے تیرے دل میں یہہ قرآن کریم ڈالا ہے جو پہلی کتابوں کا مصدق بھی ہے اور ایمان والوں کے لئے ہدایت اور مژدہ بھی ہے جو شخص خدا کا دشمن ہو اور اسکے فرشتوں کا اور اسکے رسولوں کا اور خاصکر جبریل کا اور میکائیل کا تو پھر خدا بھی ایسے کافروں اور ناشکروں کا دشمن ہے "

(۲) قل نزلہ روح القدس من ربک بالحق لیثبت الذین امنوا وھدی وبشری للمسلمین ٥ (پ ۱۴ رکوع ۲۰)

" اے پیغمبر جو لوگ اس قرآن کو افترا کہہ رہے ہیں تو انکو کہدے کہ اسکو تو روح القدس یعنے جبریل تیرے پروردگار کیطرف سے محض حق اور سچ بلا کم و بیش پورا پورا لیکر آیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اس حق کے ذریعے ایماندار وں کو ایمان پر ثابت رکھے اور جو فرمانبردار بندے ہیں ان کے لئے رہنمائی اور مژدہ ہو "

(۳) وما ینطق عن الھوی ٥ ان ھو الا وحی یوحی ٥ علمہ شدید القوی ٥ ذو مرۃ ط (پ ۲۷ رکوع ۵)

" رسول اللہ صلعم خواہش نفسانی سے باتیں نہیں بتاتے بلکہ یہہ قرآن کریم تو وحی ہے جو انکی طرف نازل ہوتی ہے اور جبریل فرشتہ جسکی جسمانی اور روحانی طاقتیں بہت بڑھکر ہیں اور خدا کے ہاں بڑی صاحب قدر و منزلت ہے انکو یہہ قرآن کریم سکھاتا ہے "

(۴) انہ لقول رسول کریم ٥ ذی قوۃ عند ذی العرش مکین ٥ مطاع ثم امین ٥ (پ ۳۰ رکوع ۶)

" یہہ قرآن بزرگ پیغامبر یعنے جبریل فرشتے کا پیام ہے جو خدا اسکو اپنے رسول کریم محمد کے پاس دیکر بھیجتا ہے وہ بزرگ فرشتہ روحانی و جسمانی قوت والا ہے یعنی اسمیں نسیان یا غفلت یا بے سمجھی وغیرہ وغیرہ کا کوئی نقص نہیں ہے اور مالک عرش یعنے اللہ کے ہاں بڑے رتبہ والا ہے اور وہاں انہی فرشتوں کا افسر ہے اور وحی اور پیغام رسانی اور پیغام آوری میں امین ہے یعنے کسی قسم کی خیانت کا وہم و گمان اسکی نسبت نہیں ہو سکتا "

آیات مرقومۃ الصدر سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام فرشتہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا باعزت اور مقرب فرشتہ ہے اسکا دشمن خدا کا دشمن ہے اس نے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا کے حکم سے قرآن کریم حرف حرف اور نقطہ نقطہ پورے کا پورا حق حق دیا اور سمجھایا اللہ تعالیٰ نے اسکو بڑی زبردست جسمانی اور روحانی طاقتیں عطا کی ہوئی ہیں وہ خداوند کریم کا بڑا بزرگ اور باعزت ایلچی اور پیغامبر ہے وہ اپنے محکمہ کا افسر ہے وہ پیغام رسانی اور پیغام آوری میں امین ہے عقل انسانی کے لئے تو ممکن نہیں کہ وہ ایسے امین و باعزت اور بزرگ اور پاک فرشتے کی نسبت کسی قسم کی خطا یا نسیان یا غلطی یا بے ترتیبی یا تقدیم و تاخیر یا تغیر و تبدیل یا تحریف و تحویل کا ایک سکنڈ کے لئے بھی وہم و گمان کر سکے نہ حرفاً نہ کلمتہً اور نہ آیۃً نہ سورۃً نہ لفظاً نہ معنے

اب ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور امانت اور طہارت اور عصمت کے متعلق چند آیات لکھتے ہیں :۔

آیات متعلقہ عصمت و طہارت و امانت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم در حفظ و ضبط و تبلیغ قرآن کریم :۔

(۱) یایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس ان اللہ لا یھدی القوم الکفرین ٥ (پ ۶ ع ۱۴)

" اے پیغمبر جو کچھ جس کیفیت اور کمیت اور ماہیت و طریقت اور تالیف و جمعیت سے تیری طرف تیرے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے بلا تغیر و تبدیل اور بلا تقدیم و تاخیر لوگوں کو پہونچا دے اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تو نے خدا کا کوئی پیغام نہیں پہونچایا اور لوگوں کے ڈر وغیرہ کا خیال تک نکر یا خدا تجھے کو انکی شر سے محفوظ رکھیگا کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے منکروں کو ایسی راہ نہیں دکھائیگا کہ تجھ پر دست درازی کر سکیں "

(۲) تنزیل من رب العلمین ٥ ولو تقول علینا بعض الاقاویل ٥ لاخذنا منہ بالیمین ٥ فما منکم من احد عنہ حاجزین ٥ (پ ۲۹ ع ۶)

" یہہ قرآن لوح محفوظ سے عین بعین نقل ہوکر پروردگار عالم کی طرف سے اسکے نبی صلعم پر اتارا گیا ہے اور اگر یہہ نبی کوئی بات اپنی طرف سے جوڑکر ہمارے ذمے تھوپ دیتا خواہ تالیف و جمع ربانی میں خواہ تقدیم و تاخیر یا کسی اور طرح لفظی یا معنوی تحریف یا تغیر تبدیل کرتا تو ہم خونی مجرموں کی طرح اسکا داہنا ہاتھ پکڑکر اس کی رگ دل کاٹ دیتے ہوتے اور تم میں سے کوئی بھی ہم کو روک نہ سکتا "

(۳) وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطن

" اور ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا کہ اس کو یہہ

فی امنیتہ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطٰن ثم یحکم اللہ اٰیٰتہ واللہ علیم حکیم ۝ (پ۱۷ رکوع ۱۳)۔

معاملہ پیش نہ آیا ہو یعنی یہہ کہ جب کبھی انہوں نے دین کی حمایت اور تقویت کیلئے اپنی طرف سے کوئی آرزو یا خیال یا ارادہ کیا جسپر نہ تو وحی ہی ناطق ہوتی ہے اور نہ وہ آرزو بجائے خود دنیا کے متعلق ہوتی ہے یعنے محض دین کی خاطر وہ کوئی تجویز یا کام اپنی طرف سے کرنے تھے تو شیطان انکی اس آرزو یا ارادے میں وسوسہ ڈالتا تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی اللہ شیطان کے اس وسوسہ کو دور کرتا اور جسطرح اس وسوسہ سے پہلے خدا کا دین محکم اور مضبوط ہوتا تھا اسیطرح اس وسوسے کے دور کرنیکے بعد اسکو مضبوط کرتا رہا ہے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے اور بڑا حکمت والا ہے"

(۴) ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین وکان اللہ بکل شیء علیما ۝ (پ۲۲ ع۲)

"لوگو! محمد (صلعم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں وہ تو خدا کے پیغمبر ہیں اور کل نبیوں کے اخیر ہیں یعنے سلسلہ نبوت انہیں تک ختم ہو گیا ہے ور با ثبات من کل الوجوہ مسند ہو گئے۔ اور اللہ تمام چیزوں کے حال سے آگاہ ہے"

(۵) والذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت واٰمنوا بما نزل علی محمد وھو الحق من ربھم کفر عنھم سیاٰتھم واصلح بالھم ۝ (پ۲۶ رکوع ۵)

"اور جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے اور قرآن پر بھی جو محمد پر نازل کیا گیا ہے ایمان لائے اور وہ قرآن ان کے پروردگار کی طرف سے محض حق نہ ہی حق ہو جو جملہ صفات حقانیت پر حاوی ہے خدا نے ان کے گناہ انپر سے اوتار دیئے اور ان کی حالت درست کر دی"

(۶) ھو الذی ارسل رسولہ بالھدٰی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ وکفٰی باللہ شھیدا ۝ محمد رسول اللہ (پ۲۶ ع۱۲)

"وہ خدا ہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو کامل صفات والی ہدایت اور کامل صفات والا دین حق دیکر بھیجا تاکہ باقی تمام دینوں پر اسکو غالب رکھے اور اللہ تعالیٰ سے بڑھکر گواہ ہونے کے لحاظ سے بس ہے یعنے اس کی شہادت سے بڑھکر کوئی اور شہادت معتبر اور بڑھکر نہیں ہو سکتی سو خدا کی شہادت یہہ ہے کہ محمد اللہ کا رسول ہے یعنے اس نے اپنی رسالت اور پیغام رسانی کو پورا پورا ادا کیا ہے کیونکہ اگر کچھ بھی تقدیم وتاخیر یا تغیر وتبدیل کرتا تو خداوند تعالیٰ ان کو رسول کر کے نہ بلاتا جیسا کہ پہلی آیت میں مذکور ہے"

(۷) وما ینطق عن الھوٰی ۝ ان ھو الا وحی یوحٰی (پ۲۷ ع۵)

"پیغمبر خدا صلعم اپنی خواہش نفسانی سے باتیں نہیں بناتے بلکہ یہہ قرآن کریم جو لوگوں کو پڑھکر سناتے ہیں وحی الٰہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف بھیجا ہے"

(۸) عالم الغیب فلا یظھر علٰی غیبہ احدا ۝ الا من ارتضٰی من رسول فانہ یسلک من بین یدیہ ومن خلفہ رصدا ۝ لیعلم ان قد ابلغوا رسٰلٰت ربھم واحاط بما لدیھم واحصٰی کل شیء عددا (پ۲۹ ع۱۲)

"وہی غیب کا عالم ہے اور اپنی غیب کی باتیں کسی پر ظاہر نہیں کیا کرتا مگر ہاں اپنے برگزیدہ رسولوں پر کرتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی یہہ کام بھی کرتا ہے کہ ان کے آگے اور ان کے پیچھے فرشتوں کا پہرہ رکھتا ہے تاکہ لوگوں پر ظاہر کرے کہ ان پیغمبروں نے اپنے رب کے پیغام سب کے سب بالضرور پہونچا دیئے ہیں اور ان کے جملہ حالات اسی کے احاطہ علم میں ہیں اور اس نے تمام چیزوں کی گنتی تک اپنے علم ونظر میں کر رکھی ہے"

(۹) وقال الذین کفروا لولا نزل علیہ القراٰن جملۃ واحدۃ کذٰلک لنثبت بہ فؤادک ورتلنٰہ ترتیلا ۝ (پ۱۹ ع۱)

"اور منکر کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر قرآن سارے کا سارا ایک دم سے کیوں نازل نہیں کیا گیا تو اسکا جواب یہہ ہے کہ جیسا وقتاً فوقتاً یہہ قرآن اترا ہے ویسا ہی اترنا چاہیئے تھا اور ایسا کرنے میں مصلحت یہہ ہے کہ اے پیغمبر ہم اسکے ذریعے تیرے دل کو ثابت رکھیں یعنی یہہ کہ قرآن مجید تیرے دل میں محفوظ اور مضبوط اور جاگیر ہوتا رہے اور اسی مصلحت کے لحاظ ہم اسکو جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معرفت رفتہ رفتہ اور تھوڑا تھوڑا کر کے پڑہاتے اور سکھاتے رہتے ہیں۔"

(۱۰) الرحمٰن ۝ علم القراٰن (پ۲۷ ع۱۱)

"اسی ذات پاک نے جس کی بخشش جہاں تہاں ہر شئی پر عام ہو رہی ہے کامل صفات والی قرآن کو جبریل کی معرفت اپنے پیغمبر کو سکھایا کیونکہ یہ بھی اسکی بخشش کا مقتضا ہے"

(۱۱) لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ ۝ ان علینا جمعہ وقراٰنہ ۝ فاذا قراٰنٰہ فاتبع قراٰنہ ۝ ثم ان علینا بیانہ ۝ (پ۲۹ رکوع ۱۶)

"اے پیغمبر وحی کے یاد کرنے کے لئے اپنی زبان جلد جلد نہ چلایا کرو تاکہ تم جھٹ پٹ وحی یاد ہو جاوے تم کو قرآن کا یاد کرا دینا اور حفظ کرا دینا اور اسکا پڑھا دینا ہمارا کام ہے سو اس کا طریقہ یہہ ہے کہ جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے جب ہم قرآن پڑھا چکا کریں یعنے جب تم کو جبریل حفظ کرا دیا کریں تو تم

اسی حفظ کئے ہوئے اور پڑھائے ہوئے قرآن کو دُھراتے رہا کرو اور جب تم کو قرآن کی عبارت حفظ ہوجایا کرے گی تو تم کو پھر اسکا مطلب سمجھا دینا بھی ہمارا ہی کام ہے۔ غرضکہ یہہ سارا ہمارا کام ہے تمہارا کام نہیں ہے۔ تم اسکے حفظ کرنے میں بہت شتابی نہ کیا کرو"

(۱۲) سنقرئك فلا تنسى ٥ الا ما شاء الله ط (پ ۳۰، ر کوع ۱۲)

"اے پیغمبر یہہ قرآن ہم تمکو ایسی اچھی طرح پڑھا دینگے کہ تم اسکو بھولنے نہ پاؤگے اور ہمیشہ ہمیشہ یاد رکھوگے ہاں اگر کسی عارضی وقت کیلئے کسی آیت پر عمل کرنا چھوڑا دینگے تو یہہ دوسری بات ہے مثلاً وضو کرنے کا حکم ہر نماز کے لئے ہے مگر کوئی عذر لاحق ہو تو وضو کا عمل اُٹھ جاتا ہے اور تیمم اس کی جگہ لے لیتا ہے اسی طرح امن و امان کے وقت جہاد چھوٹ جاتا ہے اور جب اس کی ضرورت ہوتی ہے تو پھر وہی حکم جہاد نافذ ہوجاتا ہے"

اس قسم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جو بخوف طوالت و ملالت ناظرین نہیں لکھی گئیں ان آیات سے صریح اور قطعی ثبوت اس امر کا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی کے نازل کردہ شدہ کتاب کے پہونچانے والے ہیں خواہ تقریراً خواہ تحریراً اور انہوں نے لوح محفوظ والے قرآن مجید کو اسی تالیف و جمع و ترتیب و ترکیب کے ساتھ جو لوح محفوظ میں مکتوب و مسطور ہے بلا تغییر و تبدیل و بلا تحریف و تحویل اور بلا تقدیم و تاخیر پورا پورا حرف بحرف اول خود یاد کیا پھر کاتبان وحی سے لکھوایا اور اوروں کو حفظ کرایا۔ اللہ تعالے اپنے رسول کے اس عہدۂ پیغام رسانی میں پورے پورے کامیاب ہونے کی بابت اسطرح بیان فرماتا ہے کہ اگر یہہ رسول اپنی طرف سے کوئی بات بھی گھڑ کر ہمارے ذمے تھوپ دیتا تو ہم اسکا خوفی مجرموں کی طرح داہنا ہاتھ پکڑ کر اس کے دل کی رگ کو کاٹ ڈالتے یعنے یہہ کہ انہوں نے ہمارے پیغام کو بعینہٖ اسی تالیف و جمع و ترتیب و ترکیب کے ساتھ پہونچایا ہے جس تالیف و جمع و ترتیب و ترکیب کے ساتھ انکو جبریل امین نے سکھایا ہے بلکہ یہانتک ان کی کامیابی اور پاکی بیان فرمائی ہے کہ اگر کبھی ان سے کسی دینی معاملہ میں اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر اپنی طرف سے بلا تعلیم وحی کسی تجویز کے کرنے میں لغزش ہو بھی گئی ہے تو اس لغزش کو بھی دور کردیا اور دین الہی پاک کا پاک اور بے عیب کا بے عیب ہی رکھا۔ اللہ تعالے نے اپنے رسول کی طہارت کی اس طرح پر بھی شہادت دی کہ وہ ہرگز ہرگز اپنی نفسانی خواہش سے باتیں نہیں بتاتے بلکہ جو قرآن تم کو سناتے اور سکھاتے ہیں وہ سب کا سب وحی آسمانی ہے جو ان پر نازل کیا جاتا ہے۔ پھر سب سے بڑھ کر ان کی پاکیزگی بایں الفاظ بھی بیان فرمائی کہ ان کے آگے پیچھے فرشتوں کا پہرہ تعینات کیا جاتا ہے تاکہ لوگوں کو پتہ لگتا رہے کہ اللہ تعالے کے پیغامات پورے پورے اور صحیح صحیح پہونچائے گئے ہیں فرشتوں کے پہرہ کا کیا ذکر ہے خود اللہ تعالی رسولوں کے ذرہ ذرہ حالات سے واقف ہے اور جانتا ہے کہ انہوں نے اس کے پیغام پورے پورے پہونچائے ہیں یا نہیں۔

آیات کا خلاصہ مذکورۃ الصدر سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کو اسی تالیف و جمع و ترتیب و ترکیب پر پہونچایا ہے جس تالیف و جمع و ترتیب و ترکیب پر اللہ تعالی نے اوتارا ہے کیونکہ اگر انہوں نے اس تالیف و جمع و ترتیب و ترکیب میں ذرہ بھی تغییر و تبدیل و تقدیم و تاخیر کی ہے تو وہ رسول نہیں ہوسکتے کیونکہ رسول یعنے پیغامبر کا یہہ کام ہے کہ پیغام عین بعین پہونچا دے نہ کہ اپنی طرف سے کسی طرح پر بھی اس میں کچھہ دخل دیوے +

غیر قوموں کی توجہ کے لئے کچھہ تشریح

دعوے یہہ تھا کہ قرآن کریم جس تالیف و جمع و ترتیب و ترکیب کے ساتھ لوح محفوظ میں مکتوب و مسطور ہے اُسی تالیف و جمع و ترتیب و ترکیب کے ساتھ اسوقت موجود ہے اور اسمیں کمی یا بیشی یا کسی قسم کی بے ترتیبی ہونے کا وہم و گمان بھی نہیں ہے۔ سو الحمد للہ کہ یہہ دعوے خود قرآن کریم کا اپنا تھا اور اس نے آپ ہی اس دعوے کی تائید اور ثبوت میں قطعی اور دندان شکن دلائل پیش کردیئے ہیں اور یہہ اسی پاک کتاب قرآن کا خاصہ ہے کہ اپنے ہر ایک دعوے کے لئے اپنے پاس اندرونی قطعی شہادتیں رکھتا ہے اور ہر زمانہ میں اپنے دعوے کو ثابت رکھنے کے لئے میدان میں آنکلتا ہے اور اپنے مقابلہ اور معارضہ کرنے والوں کو مغلوب و مقہور کرکے نیست و نابود کردیتا ہے۔ اے عقل سلیم اور اے فطرت صحیح تو ہی فتوے دے کہ کیا یہہ ممکن ہے ؟ کہ محدود القوے۔ محدود العلم اور محدود العقل انسان وغیرہ سے مخلوقات میں سے کوئی کبھی بھی کوئی اس قسم کی تصنیف کرسکتا ہے جو زمانہ نامعلوم الانتہا کے ہزار ہزار ہا امور نامعلوم الاسباب کے یقینی اور قطعی نتیجوں پر حاوی ہو اور اعتراضات و تنازعات نامعلوم الوقوع کے دندان شکن جوابوں اور قطعی اور مدلل فیصلوں کے ساتھ بھرا ہوا ہو۔ نہیں ! ہرگز نہیں !! یا کوئی ایسا قانون یا قاعدہ کلیہ بنا سکتا ہے جو ہر انسان پر باوجود مختلف مزاجوں اور استعدادوں اور ملکوں اور آب و ہوا کے ہر زمان اور ہر مکان میں عاید ہوسکتا ہو ؟ ہرگز نہیں ! یہہ کسی سے نہیں ہوسکتا۔ خالق ہر ذرہ و کل عالم ہر ذرہ و جز ہر وقت جاننے اور ہر آن دیکھنے اور ہر زمان جینے جاگنے علیم و خبیر خدا کا کام ہے۔

"قرآن مجید کی تالیف و جمع اور ترتیب و ترکیب کا مسئلہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے تھوڑے دنوں کے پیچھے ہی معرض سوال میں آگیا۔ اگرچہ قرآن مجید کو کسی بیرونی شہادت کی ضرورت نہیں اور اس کی اپنی اندرونی شہادت کافی وافی اور شافی ہے جیسا کہ اوپر ثابت ہوچکا ہے

مگر تاہم اب ہم ہر موافق و مخالف کی تفہیم کے لئے یہہ دکھانا چاہتے ہیں کہ آیات مرقومۃ الصدر کی تعلیم کے موافق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کس طرح اور کس طریق پر تقریری اور تحریری طور پر تبلیغ فرمایا کرتے تھے اور کس طرح یہہ قرآن مجید جو اب ہمارے ہاتھوں میں بین الدفتین موجود ہے اسی کی تالیف وجمع اور ترتیب کی نسبت سوال ہونے اور پھر ان کے جواب ملنے لگے سو ان باتوں کے دیکھنے کے لئے سب سے معتبر اور سب سے صحیح تاریخ کی ضرورت ہے۔ اور وہ سب کو معلوم ہو کہ بعد کتاب اللہ اصح الکتب صحیح بخاری ہے سو پہلے تو ہم اسی کتاب کی روایات کو معرض نقل میں لاتے ہیں اور پھر اسکے بعد صحاح کی اور کتابوں کی معتبر اور صحیح روایتوں کو جنپر سے جرح مدفوع ہے بطور شہادات ومتابعات بعونہ ومنہ وتوفیقہ تعالے نقل کرتے ہیں :—

احادیث متعلقہ تالیف وجمع قرآن کریم

(۱) عن قتادۃ رض قال سئلت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ من جمع القرآن علی عہد النبی صلعم قال اربعۃ کلھم من الانصار ابی بن کعب ومعاذ بن جبل وزید بن ثابت وابو زید (بخاری باب القراء من اصحاب النبی کتاب فضائل القرآن)

" قتادہ رضی اللہ تعالی عنہ جو تابعی ہیں اور ۱۱۷ہجری کے بعد ان کی وفات ہوئی انس بن مالک رضی اللہ تعالے عنہ سے جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے گھر بار عموماً ساتھ ہی رہتے تھے سوال کیا کہ یہہ قرآن مجید جو بین الدفتین ہے اور ترتیب وتالیف ہم میں پڑھا جاتا ہے نبی صلعم کے عہد مبارک میں اس کا جامع کون تھا انہوں نے فرمایا کہ چار شخصوں نے جو سب کے سب انصار تھے اس کو جمع کیا تھا اور وہ چار شخص یہہ ہیں۔ ابی بن کعب۔ معاذ بن جبل۔ زید بن ثابت اور ابو زید "

اس حدیث میں لفظ القرآن اور جمع کچھ تشریح طلب ہیں :- القرآن میں ال عہدی حضوری ہے اور جو بمعنے ھذا یا ھذہ آتا ہے گویا تابعی قرآن مجید کو جو ان وقت میں جس ترتیب آیات وسور اور جس تالیف اور جمع کے ساتھ موجود تھا اور رات دن اس کی تلاوت ہوتی تھی سامنے حاضر کرکے سوال کرتا ہے اور صحابی انس رضی اللہ تعالے عنہ اس کو اسی قرآن مسئول عنہ کی بابت فرماتے ہیں جو اوپر لکھا گیا ہے اور جمع کی مراد سینہ کی جمع نہیں ہے سینے میں جمع کرنے والے یعنی حفاظ تو بکثرت تھے یہاں صرف جمع کتابت مراد ہے یعنے قرآن مجید جوں جوں نازل ہوتا تھا حسب فرمان ہدایت نبوی صلعم لکھنے والے۔ اور واضح رہے کہ کاتبان وحی کوئی ایک اصحاب نہ تھے جنمیں سے سب سے اخص کاتب یعنے چیف زید بن ثابت تھے اور اگر اتفاقاً یہہ کبھی بوقت نزول موجود نہ ہوتے تھے تو اور اصحاب سے یہہ کام لیا جاتا تھا مثلاً تین تو وہی اصحاب ہیں جو اوپر لکھے گئے ہیں اور کبھی ابو الدرداء رضی اللہ تعالے عنہ سے یہہ کام لیا جاتا تھا اور کبھی اوروں سے بھی مگر عموماً اور اکثر یہہ کام زید بن ثابت سے ہی لیا جاتا تھا اور لوگوں میں انکو کاتب وحی اور کاتب نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے لقبوں سے یاد کیا جاتا تھا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نزول وحی کے وقت حکم دیا کرتے تھے کہ زید بن ثابت رضی اللہ تعالے عنہ کو میرے پاس بلا کر لاؤ اور اسکو کہو کہ قلم دوات وغیرہ ساتھ لا دے۔ براء (صحابی) رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہہ آیہ کریمہ لا یستوی القاعدون من المؤمنین الآیۃ نازل ہوئی تو اسوقت نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

(۲) ادع لی زیدًا ولیجئ باللوح والدواۃ والکتف الحدیث (بخاری باب کاتب النبی کتاب فضائل القرآن)

"کہ زید کو میرے پاس بلا لاؤ اور وہ تختی اور دوات اور شانہ کی ہڈی لیکر آوے"۔ اسی طرح پر ثابت ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالے عنہ نے بھی ان کو ایسا ہی فرمایا کہ تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر جو وحی نازل ہوا کرتی تھی اس کو لکھا کرتا تھا جیسا کہ ابھی بیان ہوگا۔ انشاء اللہ تعالے :—

کن کن چیزوں پر نبی صلعم وحی کو لکھا یا کرتے تھے ؛

چونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کاغذ کمیاب تھا اسواسطے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کبھی بھی اس بات کا انتظار نہ فرماتے تھے کہ ضرور کاغذ ہی ہو تو اسپر لکھا یا جاوے بلکہ اس وحی کے لکھانے میں اسقدر اعتنا اور اہتمام بالاکلام فرمایا کرتے تھے کہ جبکبھی کوئی آیت یا سورت نازل ہوا کرتی تھی تو اسی وقت زید بن ثابت رضی اللہ کو بلایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو کچھ مل سکے وہی لیکر حاضر ہوجاوے کچھ پرواہ نہیں کہ وہ کاغذ کا کوئی ٹکڑہ ہو یا شانے کی کوئی ہڈی یا پکی مٹی کا کوئی طباق یا چمڑہ وغیرہ جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے مفصل حدیث آگے لکھی جاویگی انشاء اللہ تعالے اب صرف مسئلہ متعلقہ کے متعلق اس حدیث کا ٹکڑہ لکھا جاتا ہے۔ زید بن ثابت کاتب وحی فرماتے ہیں کہ بلحسب فرمان صدیق اکبر رضی اللہ تعالے عنہ قرآن مجید کو ان اشیا سے جنپر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا ہوا تھا نقل کیا چنانچہ ان کے الفاظ یہہ ہیں

(۳) فتتبعت القرآن اجمعہ من العسب والرقاع واللخاف وصدور الرجال الحدیث (بخاری باب یستحب للکاتب ان یکون امینًا عاقلًا کتاب الاحکام)

" پس میں نے اس قرآن مجید کی (جو اسوقت بایں ترتیب وتالیف وجمع موجود ہے) تلاش کی اور کھجور کی تختیوں اور کاغذ یا چمڑہ کے ٹکڑوں اور پتھر کی تختیوں یا پکی مٹی کے برتنوں مثلاً طباق وغیرہ اور حفاظ کے سینوں سے نقل کرکے ایکجا میں اکٹھا کردیا "

غرضیکہ اس اہتمام کے ساتھ قرآن کریم کو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم بلا التوا کاغذ یا چمڑہ یا پتھر یا ہڈی کے اسی دم لکھوایا کرتے تھے جس دم

کوئی آیت نازل ہوا کرتی تھی۔ اب یہہ بتایا جاتا ہے کہ کس کیفیت کے ساتھ آیات نازل شدہ لکھائی جاتی تھیں۔

جس ترتیب کے ساتھ جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام آسمان سے وحی لاتے تھے اُسی ترتیب کے ساتھ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو حفظ کراتے تھے جیسا کہ پہلے آیات قرآنیہ سے ثابت ہو چکا ہے پھر اسی ترتیب کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کاتبانِ وحی کو لکھواتے اور دیگر حفاظ کو حفظ کراتے اور جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دور کرتے تھے لکھوانے کا یہہ حال تھا کہ آپ فرما دیتے کہ اس آیت کو فلاں سورت کے فلاں آیت کے آگے لکھدو عثمان بن عفان خلیفہ سوم رضی اللہ تعالے عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر جب کچھ آیتیں نازل ہوتی تھیں تو آپ اپنے کسی کاتب کی طلب فرمایا کرتے تھے اور اس کو فرمایا کرتے تھے کہ اس آیت کو فلانی سورت میں جہاں یہہ ذکر ہے رکھ یعنے لکھ۔ اور آپ پر ایک یا دو آیتیں بھی نازل ہوا کرتی تھیں تو آپ اسی طرح فرمایا اور لکھوایا کرتے تھے "۔

> قال عثمان کان النبي صلی اللہ علیہ وسلم مما تنزل علیہ الآیات فید عو بعض من کان یکتب لہ ویقول لہ ضع ھذہ الآیۃ فی السورۃ التی یذکر فیھا کذا وکذا وتنزل علیہ الآیۃ والآیتان فیقول مثل ذلك الحدیث۔ (ابوداؤد باب من جھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم)

اور رسول اللہ صلعم کو کسی سورت کے ختم ہو جانیکا پتہ اسوقت لگتا تھا جب آپ جبریلؑ کی زبانی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سنا کرتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ایک سورت کو دوسری سورت سے تمیز کرنے کے لئے کوئی علامت موجود تھی سوائے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے۔ جب یہہ اترا کرتی تھی تو آپ معلوم کر لیا کرتے تھے کہ اب کوئی دوسری سورت نازل ہونے لگی ہے "۔

> عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان النبي صلے اللہ علیہ وسلم لا یعرف فصل السورۃ حتی تنزل علیہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (ابوداؤد باب من جھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم)

غرضکہ سورتوں کی آیات کی ترتیب خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کاتبان وحی سے لکھوایا کرتے تھے اور سورتوں کے الگ الگ ہونیکی تمیز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہوتی تھی یعنے ہر ایک سورت کے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہوتی تھی اور وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل ہوا کرتی تھی یعنے جب کوئی آیت بلا بسم اللہ اترا کرتی تھی تو تو آپ سمجھا کرتے تھے کہ یہہ کسی پہلے ہی سے اتاری ہوئی سورت کی آیت ہے اور پھر جہاں جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام بتایا کرتے تھے وہاں اس کے بیانہ حفظ کرتے تھے اور پھر اسی طرح کاتب وحی سے لکھوا لیتے اور اوروں کو حفظ کروا لیتے تھے اور جب ساتھ بسم اللہ بھی اترتی تھی تو آپ معلوم کرتے تھے کہ آج کوئی نئی سورت اترنے کو ہے جو آج سے پہلے نازل نہیں ہوئی سو اس سورت کو آپ الگ لکھوا لیتے تھے۔ اور زمانہ نبوت میں کئی لوگوں نے اس قرآن مجید کی نقلیں کی ہوئی تھیں چنانچہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم منع فرمایا کرتے تھے کہ دشمن کے ملک میں قرآن مجید نہ لیجایا کرو سو ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلعم کے عہد میں اس قرآن مجید کے علاوہ جو زید بن ثابت کاتب وحی لکھا کرتے تھے اور نسخے بھی لکھے جاتے تھے۔ خواہ کامل خواہ جتنا جتنا کسی سے ہو سکتا تھا اتنا ہی نقل کر لیتا تھا۔

> عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی ان یسافر بالقرآن الی ارض العدو (بخاری کتاب الجھاد والسیر باب السفر بالمصاحف)

اب ہم بتاتے ہیں کہ اصحاب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم اور خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی اس قرآن مجید کو منزل منزل کر کے پڑھا کرتے تھے یعنے اسی ترتیب کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے جس ترتیب کے ساتھ انہوں نے اسکو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سیکھا اور حفظ کیا ہوا تھا۔ ابوداؤد میں ایک بہت لمبی حدیث ہے جسمیں لکھا ہے کہ وفد بنی ثقیف کے پاس رات کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جا کر کچھہ وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے ایک رات آپ معمول کے خلاف دیر کر کے تشریف لائے تھے پوچھا کہ آپ آج دیر کر کے کیوں تشریف لائے ہیں آپ نے فرمایا کہ قرآن مجید میں سے میری کچھہ منزل اپنے وقت پر پڑھنے سے باقی رہ گئی تھی جو مجھے پڑھنی پڑ گئی سو میں نے پسند نہ کیا کہ اس کو ناتمام چھوڑ کر آپ لوگوں کے پاس آؤں یعنے میں اپنی منزل پوری کر کے آیا ہوں۔ اَوس راوی حدیث کہتا ہے کہ پھر میں نے اصحاب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ صاحبان قرآن شریف کی کتنی کتنی منزل پڑھا کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ ہماری منزلیں یہہ ہیں سورتیں ہیں تین سورتیں پانچ سورتیں سات سورتیں نو سورتیں گیارہ سورتیں تیرہ سورتیں اور مفصل سورتیں سب کی سب ایک دفعہ

> انہ طرء علی جزءی من القرآن فکرھت ان اجیء حتی اتمہ قال اوس سألت اصحاب رسول اللہ صلعم کیف تحزبون القرآن قالوا ثلاث وخمس وسبع وتسع واحدی عشرۃ وثلاث عشرۃ وحزب المفصل وحدہ۔ (ابوداؤد باب تحزیب القرآن)

اس حدیث سے یہہ سات منزلیں ثابت ہوتی ہیں جو قبی بشوق کے نام سے مشہور ہیں اور سورۃ فاتحہ کا نام اسواسطے ذکر نہیں ہوا - کہ یہہ سورۃ بہت ہی چھوٹی سی اور یوں بھی سب کو معلوم ہے اور احادیث میں جہاں کہیں نمازوں میں قرأت نبوی کا بیان آیا ہے وہاں سورۃ فاتحہ کا نام عمداً نہیں لیا گیا - حالانکہ اس کے بغیر نماز ہی نہیں ہوتی اور باقی سورتوں کا نام لیا گیا ہے مثلاً حدیثوں میں آیا ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز میں سورۃ الجمعہ اور منافقون یا سبح اسم ربك الاعلى اور هل اتاك حديث الغاشية اور جمعہ اور فجر کی نماز میں سورۃ الم سجدہ اور سورۃ دھر اور عیدین میں سورۃ ق اور سورۃ قمر پڑھا کرتے تھے اور معاذ رضی اللہ تعالے عنہ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا کہ نماز عشاء میں سورۃ الاعلے اور سورۃ الغاشیہ اور سورۃ والشمس اور سورۃ والضحی اور سورۃ واللیل وغیرہ وغیرہ چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھا کرے تو اس سے یہہ لازم نہیں آتا کہ ان نمازوں میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھا کرتے تھے - سو اس حدیث کے لئے اب مفصل طور پر یہہ حکم ہوئی ہے کہ پہلی منزل میں تو یہہ پہلی چار سورتیں ہیں - سورۃ الفاتحہ بقرہ - ال عمران - النساء = ۴ - دوسری منزل یہہ پانچ سورتیں ہیں - مائدہ - انعام - اعراف - انفال - توبہ = ۵ - تیسری منزل یہہ سات سورتیں ہیں - یونس - ھود - یوسف - رعد - ابراھیم - حجر - نحل = ۷ - چوتھی منزل یہہ نو سورتیں ہیں - بنی اسرائیل - کہف - مریم - طہ انبیاء - حج - مومنون - نور - فرقان = ۹ - پانچویں منزل یہہ گیارہ سورتیں ہیں - شعرا - نمل - قصص - عنکبوت - روم - لقمان - الم سجدہ احزاب - سبا - فاطر - یس = ۱۱ - چھٹی منزل یہہ تیرہ سورتیں ہیں - والصافات - ص - زمر - مومن - حم سجدہ - شوری - زخرف - دخان جاثیہ - احقاف - محمد - فتح - حجرات = ۱۳ - ساتویں منزل وہ ۶۵ سورتیں ہیں جو ق سے لیکر والناس یعنے اخیر قرآن تک ہیں سبحان اللہ والحمد للہ

حفاظ قرآن مجید بعہد رسالت مہد صلے اللہ علیہ وسلم -

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جس طرح کاتبان وحی سے قرآن مجید جس ترتیب و تالیف اور جمع کے ساتھ لکھواتے تھے اوسی طرح اس ترتیب اور تالیف اور جمع کے ساتھ لوگوں کو حفظ بھی کراتے تھے چنانچہ آپ کے عہد سعادت مہد میں بہت سے لوگ حافظ ہو چکے ہوئے تھے جو قراء کے لقب سے مشہور تھے اور جہاں کہیں کسی نئے خطہ یا قطعہ میں جہاں اسلام نیا نیا ہوتا تھا اسلام سکھانیوالوں کو بھیجنا پڑتا تھا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انہیں حافظوں میں سے جس کو پسند فرماتے تھے بھیجا کرتے تھے ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ کی خدمت میں قبائل رعل و ذکوان وعصیہ اور بنی لحیان آئے اور کہا کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اپنی قوم کے مقابلہ کے لئے امداد مانگی آپ نے ان کو ستر نفر انصار کی امداد دی - انس رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں کہ ہم ان کو قراء یعنی حفاظ کرکے بلایا کرتے تھے اُن کا کام یہہ تھا کہ دن کو تو ایندھن لاکر بیچا کرتے تھے اور رات کو نماز تہجد پڑھا کرتے تھے خیر یہہ ستر کے ستر انصار اُن قبیلوں کے ساتھ چل پڑے حتی کہ بئر معونہ پر پہونچ گئے وہاں جاکر ان قبائل نے ان کے ساتھ دغا کی اور ان کو قتل کر ڈالا -

> عن انس رضی اللہ تعالی عنہ ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم اتاہ رعل وذکوان وعصیۃ وبنو لحیان فزعموا انہم قد اسلموا واستمدوہ علے قومہم فامدہم النبی صلعم بسبعین من الانصار قال انس کنا نسمیہم القراء یحطبون بالنہار ویصلون باللیل فانطلقوا بہم حتی بلغوا بئر معونۃ غدروا بہم وقتلوہم الحدیث - (بخاری کتاب الجہاد والسیر باب العون بالمدد)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ستر قراء یعنے حفاظ قرآن مجید قتل کئے گئے اسی طرح ایک اور بڑی لمبی حدیث ہے جس میں یہہ ذکر ہے کہ عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی خدمت میں حاضر آکر عرض کی کہ جنگ یمامہ میں بہت سے قراء یعنی حافظان قرآن مجید شہید ہو گئے ہیں اگر اسی طرح کچھ اور جنگ ہوئیں تو بہت سے قرآن مجید جانتے رہیں گے یعنی جتنے حافظ شہید ہونگے اتنے ہی نسخے دنیا سے گم ہو گئے یہہ حدیث بھی انشاء اللہ تعالی ابھی مفصل لکھی جاویگی یہاں صرف اتنا لکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان احادیث میں جو لفظ قراء آیا ہے تو اُس سے مراد صرف قرآن مجید کے حافظوں سے ہے نہ کہ صرف لکھے ہوئے الفاظ کو دیکھ کر پڑھنے والوں سے کیونکہ اگر مراد صرف یہی ہوتی تو عمر رضی اللہ تعالے عنہ کیوں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس آکر اسقدر اندیشہ اور خطرہ ظاہر فرماتے کیونکہ اگر صرف عبارت کو دیکھ کر پڑھنے والے شہید ہو جاویں تو کوئی اتنا نقصان نہیں ہوتا اصل موجود ہی رہتا ہے مگر جہاں اصل قرآن کریم مکتوب کمیاب ہوں اور حفاظ کثرت کے ساتھ موجود ہوں تو وہاں حفاظ میں سے ہر ایک قابل قدر اور ہر طرح پر قابل حفاظت و نگہبانی ہوتا ہے ان میں سے اگر ایک کو بھی نقصان پہونچے تو گویا قرآن کریم کا ایک نسخہ گم ہو گیا - غرضکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بہت سے حفاظ موجود تھے جو ان کی وفات شریف کے بعد بھی زمانہ دراز تک دنیا میں خلق خدا کی رہبری اور تعلیم اور قرآن مجید کے سکھانے اور حفظ کرانے میں مصروف رہے حتی کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانہ میں جنگ یمامہ میں بہت سے حفاظ شہید ہو گئے وہ حدیث جس کا اوپر اشارہ ہو چکا ہے

قبل اس کے کہ ہم اس کو مفصل طور پر لکھیں ان دو باتوں کا لکھنا ضروری ہے اول یہہ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں آپ سے بہت سے لوگ قرآن مجید سیکھا اور حفظ کیا کرتے تھے مگر یہہ چار اصحاب جنکا نام ذیل کی حدیث میں آتا ہے تو اس خاص کام میں رات دن لگے رہتے تھے خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کو حفظ کرتے تھے اور بموجب ارشاد نبوی صلعم اوروں کو سکھاتے اور حفظ کراتے تھے اور اور لوگوں کو بھی نبی صلعم کا عام حکم یہہ تھا کہ ان چار شخصوں سے قرآن مجید لیا کرو یعنے یاد کیا کرو جیسا کہ مسروق تابعی سے منقول ہے کہ عبد اللہ بن عمرو نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کا ذکر

عن مسروق ذکر عبد اللہ بن عمرو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالے عنہ فقال لا ازال احبہ سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول خذوا القرآن من اربعۃ من عبد اللہ بن مسعود وسالم و معاذ وابی بن کعب - (بخاری کتاب فضائل القرآن باب القراء من اصحاب النبیؐ)

کرکے فرمایا کہ میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کو اسوقت سے ہمیشہ محبوب اور پیارا جانتا چلا آیا ہوں جب سے یعنے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہہ فرماتے سنا ہے کہ قرآن مجید کو ان چار شخصوں سے لیا کرو یعنے پڑھا اور یاد اور حفظ کیا کرو. اول عبد اللہ بن مسعودؓ - دوم سالمؓ - سوم معاذؓ اور چہارم ابی بن کعبؓ

اور دوسری بات یہہ ہے کہ جبریل امین علیہ الصلوۃ والسلام خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حفظ کرا دیتے اور پھر ان سے ہر سال میں رمضان شریف کا سارا مہینہ دَور کرتے رہتے تھے اور سال وفات میں تو آپ کیا ایکدفعہ

عن ابی هریرۃ رضی اللہ تعالے عنہ قال کان یعرض علی النبی صلعم القرآن کل عام مرۃ فعرض علیہ مرتین فی العام الذی قبض وکان یعتکف کل عام عشراً فاعتکف عشرین فی العام الذی قبض (بخاری کتاب فضائل القرآن باب کان جبریل یعرض القرآن علی النبیؐ)

کے دو دفعہ دَور کیا جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ ہر سال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہہ قرآن مجید ایک ایک بار سنایا جاتا تھا یعنے جبریل ماہ رمضان کے مہینے میں ہر شب آپ کو سنایا کرتے تھے اور ان سے سنا کرتے تھے جیسا کہ باقی دو حدیثوں سے ثابت ہے مگر جس سال آپ کی وفات شریف ہوئی اس سال اسی قرآن کریم کا آپکے ساتھہ دو دفعہ دَور ہوا اور آپ ہر سال دس دن اعتکاف بیٹھا کرتے تھے مگر سال وفات میں بیس دن اعتکاف بیٹھے

عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ قال کان النبی صلے اللہ علیہ وسلم اجود الناس بالخیر واجود ما یکون فی شهر رمضان لان جبریل کان یلقاہ کل لیلۃ فی شهر رمضان حتی ینسلخ یعرض علیہ رسول اللہ صلعم القرآن فاذا لقیہ جبریل کان اجود بالخیر من الریح المرسلۃ (بخاری کتاب فضائل القرآن باب کان جبریل یعرض القرآن علی النبیؐ)

" ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جملہ اقسام خیرات (مالی - بدنی - مرکبی) میں ہمیشہ ہی سب لوگوں سے بڑھ کر ہوا کرتے تھے مگر رمضان شریف کے مہینے میں تو اور بھی بڑھکر ہر قسم کی خیر اور نیکی کرتے تھے جس کی وجہ یہہ تھی کہ جبریل علیہ الصلوۃ والسلام ماہ رمضان کی ہر شب آپکے پاس آتے رہتے تھے جبتک کہ یہہ مہینہ گزر جاتا تھا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان کو قرآن کریم سنایا کرتے تھے (اور ان سے سنا بھی کرتے تھے جیسا کہ پہلی حدیثوں میں آچکا ہے) پس جب جبریل علیہ الصلوۃ والسلام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ملتے تھے تو آپ اُس رحمت سے بھی بڑھکر حلیم و سخی ہو جاتے تھے جو باران رحمت سے پہلے اللہ تعالی بطور نشان بارش بھیجتا ہے"

عن عائشۃ رضی اللہ تعالی عنہا عن فاطمۃ علیہا السلام اسر الی النبیؐ ان جبریل یعارضنی بالقرآن کل سنۃ وانہ عارضنی العام مرتین ولا اراہ الا حضر اجلی - (بخاری کتاب فضائل القرآن باب کان جبریل یعرض القرآن علی النبیؐ)

" عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں کہ فاطمہ رضی اللہ تعالے عنہا نے کہا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھہ سے یہہ بات پوشیدہ طور پر کہی کہ جبریل علیہ الصلوۃ والسلام مجھہ سے ہر سال قرآن کریم کا ایک دَور کیا کرتا رہا ہے یعنی وہ مجھے اور میں اسکو سناتا رہا ہوں مگر اس سال اس نے مجھہ سے دو دفعہ دَور کیا ہے اس کی وجہ مجھے تو یہہ دکھائی دیتی ہے کہ اب میرا وقت آپہونچا ہے یعنی دنیا سے اب میں جلد رخصت ہونے والا ہوں"

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس رمضان شریف کے بعد اس دنیا سے جلد رخصت ہو گئے اور اگلا رمضان دیکھنے نہ پائے -

احادیث مرقومہ بالا سے دوپہر کے سورج کی طرح یہہ بات روشن ہو گئی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں نہ صرف قرآن کریم تمام حرفاً حرفاً لکھا ہی جاچکا تھا بلکہ اسکے حفاظ بھی بکثرت ہو چکے تھے اور سال بسال اس کا دَور بھی ہوتا تھا اور جس سال آپ کی وفات شریف ہوئی اس سال آپکا دَور جبریل علیہ الصلوۃ والسلام سے دو دفعہ ہوا غرضکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے رخصت ہونے پر من کل الوجوہ دین اسلام کامل اور مکمل ہو چکا تھا اور آیہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا کی مہر لگ چکی تھی اور اللہ تعالی نے اس امر کے یقین دلانے اور ہر قسم کے مخالف پر حجت نیرہ اور برہان قاطع قائم کرنے کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس

آیت کے نزول کے بعد کئی ماہ تک زندہ رکھا اور پھر اس سے بڑھ کر اس طرح پر اس حجت کو تمام دنیا پر ثابت اور قائم کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اچانک موت نہ دی کیونکہ اگر ان کو اچانک موت آجاتی تو ہزار ہا طرح کے شکوک اور شبہات پیدا ہوسکتے تھے کہ دین مکمل نہیں ہوا اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اچانک فوت نہ ہوتے تو شاید کچھ اور بھی بتاتے وغیرہ وغیرہ - یہہ تمام دنیا کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری لمبی تھی اور اس لمبی بیماری کے سبب کل دنیا کے ہر قسم کے شکوک و شبہات دور ہوگئے اور وہ پیش گوئی جو یہودیوں میں معروف و مشہور تھی اور جسکو عالمان تورات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے پاس بطور صفت نبوی بیان کیا کرتے تھے پوری ہوئی - بخاری میں ایک لمبی حدیث ہے جو مشکوٰۃ میں باب فضائل سید المرسلین کے فصل اول میں درج ہے اسمیں عطاء بن یسار تابعی کو عبداللہ بن عمرو بن العاص صحابی وہ صفت نبوی جو تورات میں ہے جو دیتے سناتے ہیں - یہہ حدیث ہم آگے چل کر ان شاء اللہ تعالیٰ اپنے محل پر بیان کرینگے اور خود صحف قدیمہ یعنے عہدنامہ قدیم کی کتابوں کی عبارتیں بھی نقل کرینگے جس سے کسی صاحب انصاف کو جائے انکار نہ رہ سکے گی بعونہ تعالیٰ - اسوقت ہم صرف اسی قدر پیشگوئی کو لکھتے ہیں جو اس مقام کے متعلق ہے - پہلے ہم صحابی کے الفاظ لکھتے ہیں اسکے بعد اسکا پتہ عہدنامہ قدیم سے دیتے ہیں صحابی نے منجملہ اور بہت سی صفات نبوی کی جو تورات میں مذکور ہے تورات میں ایک یہہ لکھی ہوئی صفت بیان کی

ولن یقبضہ اللہ حتے یقیم بہ الملۃ العوجاء بان یقولوا لا الہ الا اللہ ویفتح بہا اعینا عمیا و آذانا صما وقلوبا غلفا - (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین فصل اول)

اللہ تعالیٰ اس کو دنیا سے رخصت نہ کریگا تاوقتیکہ کہ اس کے ذریعہ منجملہ مذاہب باطلہ کی کجی کو نکال کر درست نہ کردیگا یعنے وہ خوب تبلیغ و توحید کرے گا اور جو جو غلطیاں اور تحریفات اور غلو وغیرہ وغیرہ ہر ایک دین میں اس کے پیرووں اور ماننے والوں نے داخل کر لی ہونگی وہ سب کو غلط اور محض ضلالت اور بدعتی ثابت کر دیگا اور لوگ شرک کی برائی اور توحید کی فضیلت کے قائل ہوجاوینگے یعنی اس کا یہہ ذمہ نہیں ہوگا کہ وہ فرداً فرداً ہر ایک ملت و نحلت کے پیرو کو مسلمان کرلیگا مگر اسکے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ اتنا کام ضرور ضرور کرائیگا کہ وہ دین اسلام کی تبلیغ پوری پوری اور کما حقہ کر دیگا اور جو کجیاں ادیان سابقہ میں مل جل گئی تھیں اُن کو صاف اور سیدھا کر کے محض راستی اور عدالت کو روشن کر دکھائے گا اور جا بجا لا الہ الا اللہ کا ڈنکا بجادیگا اور اس ڈنکے کے ساتھ اندھی آنکھوں اور بہرے کانوں اور گمراہ دلوں کو فقط کھولدیگا اور یہہ پیشگوئی اصل میں بائیبل کے اس صحیفہ میں ہے جو یسعیاہ نبی کے صحیفہ سے مشہور ہے ۴۲ باب کی چوتھی اور ساتویں آیت - جو پنجاب بائیبل سوسائیٹی لاہور کے عبرانی اور یونانی کے اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۹۵ء سے نقل کی جاتی ہے " اسکا زوال نہ ہوگا اور نہ مسلا جائیگا جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے اور جزیرے اسکی شریعت کی راہ تکیں - کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور بندھوں کو قید سے نکالے اور انکو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید خانے سے چھڑاوے " دیکھئے یہہ دونو آئینہ کیسا صاف صاف اور صحیح ترجمہ ہیں اعربی عبارت کا سو الحمد للہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا سے اسوقت اپنے پاس بلایا جب ان کے ہاتھ سے دین اسلام کا اکمال اور اپنی روز ازل کی نعمت موعودہ کا اتمام پورا پورا کرالیا اور سارے دین کی جڑ اور سارے دین کی اصل اور ساری نعمتوں کی جان صرف قرآن مجید ہے سو الحمد للہ کہ اسکی تالیف اور جمع اور ترتیب اور ترکیب سورہ و آیات خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے لکھوا گئے اور بہت سے حفاظ کو حفظ کرا گئے - اگرچہ قرآن کریم مختلف چیزوں پر لکھا گیا تھا اور جس کی وجہ پہلے لکھی جاچکی ہے یعنی یہہ کہ نزول وحی کا زمانہ تھا اور کاغذ بھی کمیاب تھا اسواسطے نہ تو ایک کتاب میں ہی لکھا جاسکتا تھا اور نہ محض کاغذ پر ہی بلکہ جو چیز اسوقت کاتب وحی کو میسر آتی اسی پر آپ لکھوا لیتے تھے - پس چونکہ مختلف اجناس کی اشیاء پر یہہ قرآن کریم لکھا ہوا تھا اسواسطے ایک کتاب ایک ہی جلد میں کسی طرح مجلد ہوسکتی تھی - اب ہم ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے اسقدر حصہ کا ذکر کرتے ہیں جسمیں انہوں نے ان مختلف چیزوں پر لکھے ہوئے قرآن کریم کی نقل صرف کاغذ پر ہی کرائی اور اس کو ایک جلد میں مجلد کرایا - بخاری میں یہہ واقعہ اسطرح پر ہے :-

عن عبید بن السباق ان زید بن الثابت قال ارسل الیّ ابوبکر مقتل اھل الیمامۃ فاذا عمر بن الخطاب عندہ قال ابوبکر ان عمر اتانی فقال ان القتل قد استحر یوم الیمامۃ بقراء القرآن وانی اخشی ان استحر القتل بالقراء بالمواطن فیذھب کثیر من القرآن وانی اری ان تامر بجمع القرآن قلت لعمر کیف تفعل شیئا لم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عبید بن سباق سے روایت ہے کہ زید بن ثابت نے کہا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے شہداء یمامہ کی شہادت کے بعد اپنے پاس بلا بھیجا و جب میں پہونچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ کے پاس ہیں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرے پاس آکر بیان کیا ہے کہ جنگ یمامہ کے دن قراء قرآن یعنے حافظان قرآن کا قتل بہت گرما گرم ہوا ہے یعنے بہت سے حافظ شہید ہوچکے ہیں اور مجھے اندیشہ

قال عمر هذا والله خير فلم يزل عمر يراجعني حتى شرح الله صدري لذلك ورأيت في ذلك الذي رأى عمر قال زيد قال ابوبكر انك رجل شاب عاقل لا نتهمك وقد كنت تكتب الوحي لرسول الله صلى الله عليه وسلم فتتبع القرآن فاجمعه فوالله لو كلفوني نقل جبل من الجبال ما كان اثقل علي مما امرني به من جمع القرآن قلت كيف تفعلون شيئا لم يفعله رسول الله صلى الله عليه وسلم قال هو والله خير فلم يزل ابوبكر يراجعني حتى شرح الله صدري للذي شرح له صدر ابي بكر وعمر فتتبعت القرآن اجمعه من العسب واللخاف وصدور الرجال حتى وجدت آخر سورة التوبة مع ابي خزيمة الانصاري لم اجدها مع احد غيره لقد جاءكم رسول من انفسكم عزيز عليه ما عنتم حتى خاتمة براءة فكانت الصحف عند ابي بكر حتى توفاه الله ثم عند عمر حياته ثم عند حفصة بنت عمر۔

(بخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن)

ہے کہ اگر اسی طرح پر اور اور جگہوں میں دیگر حافظان قرآن کریم بھی شہید ہو گئے تو بہت سے قرآن جاتے رہیں گے یعنے یہہ کہ جس قدر حفاظ شہید ہوں گے اُتنے ہی نسخے جاتے رہیں گے اور اس طرح پر قرآن مجید کو سخت نقصان پہونچیگا) اور میری صلاح ہے کہ آپ قرآن کریم کو جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مختلف چیزوں پر لکھوا چکے ہوئے ہیں اکٹھا کر دیں اسپر میں نے عمر رضی اللہ کو کہا ہے کہ تم کس طرح وہ کام کرتے ہو جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا یعنے یہہ کہ آپ نے اپنی زندگی میں یکجا اکٹھا نہیں کیا جوں جوں وحی نازل ہوتی گئی توں توں مختلف چیزوں پر لکھواتے رہے ہیں سو ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس کام کو ویسے کا ویسا ہی رہنے دینگے پھر عمر رضی اللہ تعالے عنہ نے کہا کہ نہیں بخدا جو صلاح میں دیتا ہوں وہی بہتر ہے اور وہ مجھے بار بار یہی کہتے رہے یہانتک کہ اللہ تعالی نے اس صلاح کی پسندیدگی اور منظوری کے لئے میرے سینے کو کھولدیا ہے اور میں خوب سمجھ گیا کہ عمر رضی اللہ تعالے عنہ حق کہتا ہے سو لے زید تجھے اسواسطے طلب کیا ہے کہ تو ہے مرد جوان اور ہوش وعقل والا اور کسی قسم کی تہمت سے تو متہم بھی نہیں ہے اور تیرا کام تھا کہ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر جو وحی نازل ہوتی تھی اُسکو لکھا کرتا تھا۔ سو اب یہہ کر کہ جہاں جہاں قرآن کریم لکھا پڑا ہے وہیں سے تلاش کر کے یکجا اکٹھا کر دے۔ بخدا اگر مجھے کسی پہاڑ کے اٹھانے کی تکلیف دیتے تو اس کا اٹھانا مجھے شاق اور بھاری معلوم نہ ہوتا جتنا کہ قرآن کریم کے یکجا اکٹھا کرنے کا حکم ہوا ہے میں نے کہا کہ آپ کس طرح ایسا کام کرتے ہیں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا بخدا یہہ کام بہتر ہے اور آپ مجھے بار بار یہی سمجھاتے رہے حتی کہ اللہ تعالی نے میرا سینہ کھولدیا اور میری سمجھ میں بھی وہ بات آگئی جو ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ اور عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی سمجھ میں آگئی تھی پس اس حکم کے ہوتے ہی میں نے قرآن کریم کو اکٹھا کرنے کی غرض سے جہاں جہاں وہ تھا تلاش کی اور یہہ قرآن مجید اسوقت دو طریق پر تمامہ موجود تھا ایک تو بقید کتابت یعنی کھجوروں کی ٹہنیوں اور مٹی کے برتنوں طباق وغیرہ پر لکھا ہوا تھا اور دوسرا طریق حفاظ کے سینے تھے سو میں نے لکھے ہوئے قرآن کریم پر سے لکھا اور اس کا مقابلہ حفاظ کے ساتھ کرتا گیا اور لکھے ہوئے قرآن کریم کی تلاش کی کوشش کا یہہ حال تھا کہ میں نے سورت توبہ کی آخری آیات لقد جاءکم رسول من انفسکم سے لیکر سورۃ توبہ کے اخیر تک ابوخزیمہ انصاری رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس پائیں اور اس کے سوائے کسی اور کے پاس ان کو موجود نہ پایا جن اوراق پر میں نے قرآن مجید کو لکھ کر یکجا اکٹھا کر دیا وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس ہی رہے حتی کہ اون کو اللہ تعالے نے وفات دیدی پھر بھی نسخہ عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس اُن کی زندگی بھر رہا پھر یہی نسخہ حفصہ بنت عمر رضؓ کے پاس رہا۔

اوپر کی حدیث سے صاف ثابت ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے اسی کامل مکمل قرآن مجید کو جو اثناء نزول وحی میں مختلف قسم کی چیزوں پر حسب ارشاد نبی صلے اللہ علیہ وسلم لکھا جاتا رہا تھا ایک جگہ اکٹھا کرایا اور ایک ہی قسم کی چیز یعنے کاغذ پر سب کا سب نقل کرایا اور پھر وہی نسخہ انکے پاس ان کی زندگی تک رہا نیز اس حدیث سے یہہ بھی ثابت ہے کہ پھر وہی نسخہ عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس اُن کی تحویل میں اُن کی زندگی تک رہا پھر وہی قرآن ان کی وفات کے بعد اُن کی بیٹی حفصہ رضی اللہ تعالے عنہا کے پاس رہا۔ اب ہم عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانہ تک آپہونچے ہیں اور دکھانا چاہتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے صرف اسی نسخہ کی بہت سی نقلیں کروائیں جو حفصہؓ کے پاس موجود تھا اور بس۔ اور یہہ کام بھی انہوں نے صرف ایک ضرورت پیش آمدہ کے رفع کرنے کیواسطے کیا تھا اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ وہ ضرورت یہہ تھی کہ دُور دراز کے ملکوں مثلاً علاقہ شام۔ آرمینیاں اور آذربائیجان وغیرہ کے نومسلموں کے پاس لکھا ہوا قرآن کریم تو کوئی موجود نہ تھا اور مسلمان کو بن قرآن مجید کے کل نہیں پڑتی جتنے کہ نماز جیسی چیزیں ہیں اسی کو پڑھا جاتا ہے اور یوں بھی تلاوت کے لئے اس کی ضرورت ہوتی ہے سوان بیچارے نومسلموں کو بڑی دقت پیش آئی اور کہیں سے کہیں جا کر کسی نے

کوئی سورت لکھ لی یا یاد کر لی کسی نے کوئی سورت۔ یہہ قدرتی بات ہے کہ جب اصل کتاب پاس نہ ہو اور زبانی طور پر اس کی کچھ کچھ اجزا یاد کر لیئے جاویں اور اس طرح پر کام کرنے والے ہوں کثرت کے ساتھ قدرتی نتیجہ تو یہہ نکلے گا کہ اعرابوں اور حرفوں بلکہ لفظوں تک اختلاف ہوگا۔ ان تو مسلموں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ ان کے پاس سب زبانی جمع خرچ تھا اور بس مکمل بلاد اسلام میں لکھا ہوا قرآن مجید صرف ایک ہی تھا اور وہ بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحویل میں اور وہ بھی خاص مدینہ منورہ میں۔ ہاں اس میں کچھ شک نہیں کہ قرآن مجید کے حفاظ کثرت کے ساتھ موجود تھے اور وہ سب کے سب وہی اصحاب تھے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے وہ کوئی غیر ملکوں کے باشندے نہیں تھے اور اگر کچھ تھے بھی تو بھی سب کے سب مدینہ طیبہ میں رہتے تھے اور یہہ بھی معلوم ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ ان میں سے بہت سے حفاظ جنگ یمامہ میں شہید بھی ہو گئے تھے تو ظاہر ہے کہ مدینہ منورہ میں گو لاکھوں حفاظ رہتے ہوں دور دراز ملکوں کو ان سے کیا فائدہ دور دراز ملکوں کو فائدہ تب ہو جب ان کے درمیان یا تو حفاظ قرآن مجید موجود ہوں یا اگر وہ نہ ہوں تو لکھا ہوا قرآن مجید ان کے پاس موجود ہو اور اگر دو نو ذریعے ہی اُن کے پاس موجود نہوں تو اب وہ کریں تو کیا کریں پس اس ضرورت کو سب سے پہلے محسوس کرنے والے حذیفہ بن یمان رضہ تھے اور اس ضرورت کو رفع کرنے والے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور بس اور چونکہ یہہ خلیفہ وقت تھے اور مسلمانوں کی اس سخت ضرورت کو محسوس کر چکے تھے ان کا فرض منصبی تھا کہ وہ اس ضرورت کو رفع کرتے۔ سو انہوں نے اس تکلیف کو رفع اس طرح پر کیا کہ حفصہ رضہ سے وہی نسخہ طیبہ جو ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحویل میں رہا تھا منگو بھیجا اور چار شخصوں کو اس کام پر تعینات کر کے اُس قرآن مجید کی بہت سی نقلیں کروا کر چار دانگ عالم میں بھجوا دیں اور وہ اصل نسخہ ام المؤمنین حفصہ رضہ کے پاس واپس بھیج دیا اور یہہ واقعہ ذیل کی

> ان حذیفۃ بن الیمان قدم علے عثمان وکان یغازی اہل الشام فے فتح ارمینیۃ وازربیجان مع اہل العراق فافزع حذیفۃ اختلافہم فے القراءۃ فقال حذیفۃ لعثمٰن یا امیر المؤمنین ادرک ہذہ الامۃ قبل ان یختلفوا فی الکتاب اختلاف الیہود والنصاری فارسل عثمان الے حفصۃ ان ارسلے الینا بالصحف ننسخہا فی المصاحف ثم نردہا الیک فارسلت بہا حفصۃ رضہ لے عثمان فامر زید بن ثابت وعبد اللہ الزبیر وسعید بن العاص وعبد الرحمٰن الحارث بن ہشام فنسخوہا فی المصاحف وقال عثمان للرہط القرشیین الثلثۃ اذا اختلفتم انتم وزید بن ثابت فی شیٔ من القرآن فاکتبوہا بلسان قریش فانما نزل بلسانہم ففعلوا حتے اذا نسخوا الصحف فے المصاحف رد عثمٰن الصحف الی حفصۃ وارسل الی کل بمصحف مما نسخوا وامر بما سواہ من القرآن فی کل صحیفۃ او مصحف ان یحرق۔ (بخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن)

حدیث سے ثابت ہے کہ ابن شہاب تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہہ حدیث سنائی کہ حذیفہ بن یمان عثمان رضہ کے پاس آئے اور اسوقت آرمینیاں اور آذربیجان کی فتح کے لئے اہل شام اور اہل عراق دونو جگہ کے مسلمان اکٹھے ہو گئے تھے اور حذیفہ رضہ بھی غازیوں میں تھے۔ سو ان لوگوں کے اختلاف قرآۃ نے حذیفہ رضہ کو گھبراہٹ میں ڈال دیا انہوں نے عثمان رضہ کے پاس آکر عرض کی کہ اے امیر المؤمنین اس امت کا آپ کچھ بندوبست کریں قبل اسکے کہ وہ قرآن مجید میں یہودیوں اور عیسائیوں کا سا اختلاف شروع کر بیٹھیں عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ام المؤمنین حفصہ رضہ کو ایک شخص کے ہاتھ یہہ پیغام بھیجا کہ آپ وہ قرآن مجید جو آپ کے پاس ہے بھیجدیں تاکہ ہم اس کی نقلیں کروالیں پھر جب ہم نقلیں کروا چکینگے تو آپ کا قرآن شریف آپکو واپس بھیجدینگے۔ ام المؤمنین حفصہ رضہ نے وہ نسخہ طیبہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجدیا۔ انہوں نے زید بن ثابت اور عبداللہ بن زبیر اور سعید بن العاص اور عبدالرحمٰن بن حرث بن ہشام کو حکم دیا کہ وہ چاروں کے چاروں اس قرآن کریم کی نقلیں اتارلیں چنانچہ انہوں نے قرآن کریم کی کئی نقلیں اتارلیں اور ایک نسخہ سے بہت سے نسخے نقل ہو گئے اور احتیاطی طور پر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کو حکم دیدیا کہ سنو اگر کہیں کسی لفظ میں اختلاف ہو تو تم نے لسان قریش میں لکھنا کیونکہ اسی زبان میں قرآن کریم نازل ہوا ہے چنانچہ انہوں نے حکم کی تعمیل کی اور جب بہت سے نسخے نقل ہو چکے تھے تو عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حفصہ رضہ والا قرآن مجید ان کے پاس واپس بھیجدیا اور ان نقل کردہ شدہ قرآنوں کو ہر طرف بھیجدیا اور باقی جہاں کہیں کوئی ٹکڑہ یا سورت یا کوئی حصہ قرآن کریم کا لکھا پڑا تھا خواہ ہڈی پر خواہ کاغذ پر خواہ چمڑے پر۔ خواہ طباق پر خواہ کسی اور چیز پر سب کا سب جلا دینے کا حکم دیا۔

اوپر کی حدیث سے واضح طور پر ثابت ہے کہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف اتنا کام کیا کہ اپنے وقت میں لوگوں کی ضرورت پیش آمدہ کے رفع کرنے کے لئے اسی قرآن مجید کی (جو تمامہ حرفاً حرفاً رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اہتمام اور ہدایت سے مختلف جنس کی چیزوں پر لکھا جا چکا تھا اور جس کی نقل

صرف ایک ہی جلد کی جز بندی کاغذ پر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زید بن ثابت سے کرائی تھی اور جو ان کی زندگی تک ان کے پاس اور ان کے بعد عمر رضی اللہ تعالیٰ کی زندگی تک ان کے پاس اور ان کے بعد حفصہ رضہ کے پاس رہا بہت سی نقلیں کرائیں اور جا بجا اطراف و اکناف بلاد اسلام میں روانہ فرمائیں اور اس سے یہہ بھی ثابت ہے کہ بنفس نفیس خود عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آیت کی بھی نقل نہیں کی اور نہ کسی کو خود کوئی آیت لکھوائی صرف چار نقلنویس اس کام کے لئے تعینات کئے۔ اور یہہ بھی ثابت ہے کہ چوتھا شخص وہی تھا جس سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بالخصوص وحی لکھواتے تھے اور پھر جس کو خاص طور پر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی کام پر لگایا اور جو سب میں کاتب النبی اور کاتب الوحی اور الکاتب کے لقب سے مشہور تھا یعنے زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ لوگوں میں جو یہہ خیال ہے کہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جامع القرآن ہیں بالکل غلط اور سراسر خلاف واقعہ ہے یہہ چھوڑ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اسمیں کچھہ دخل نہیں تھا ان کا کیا ذکر ہے کسی فرشتے کا بھی کچھہ اس میں دخل نہیں اس قرآن کریم کا جامع خود اللہ تعالیٰ ہے یعنے اس نے لوح محفوظ میں ایک خاص ترتیب آیات و سور رکھی ہوئی ہے اسی ترتیب کی نقل صحیح نقل نویس فرشتوں نے کی اور اسی کے مطابق جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو تعلیم فرمائی اور اسی تعلیم کے مطابق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کاتبان سے لکھوایا اور حفاظ کو یاد کروایا پھر اسی ترتیب کے موافق ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کاغذوں پر لکھوا کر ایک جلد میں کروایا اور پھر اسی کی بہت سی نقول عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کرائیں اور چہار اطراف میں بھجوائیں ان کی مجال نہ تھی کہ وہ قرآن کریم کی کسی سورت کو بھی آگے پیچھے کرتے یا کسی آیت کو بھی مقدم یا موخر کرتے یا کچھہ اور ہی کرتے۔ اوپر کی حدیث صاف صریح نص ہے اس بات پر کہ وہ ان چار نقل نویسان کے تعینات کرنے والے تھے نہ کہ خود کچھہ لکھنے یا لکھوانے والے۔ اگرچہ وہ خود بھی حافظ قرآن کریم تھے مگر انہوں نے حفصہ رضہ والا نسخہ منگوایا اور اس سے نقلیں کروائیں اور یہانتک احتیاط کی کہ جو ہی وہ نسخہ منگوایا گیا اسی وقت اس کی نقلیں ہونی شروع ہوگئیں اور جو ہی نقول مطابق ہوگئیں اسی دم وہ حفصہ رضہ کے پاس واپس بھیج دیا گیا۔ اور چونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اہتمام سے ہڈیوں اور چمڑوں اور کاغذوں کے ٹکڑوں اور طباقوں وغیرہ پر قرآن کریم لکھا ہوا تھا اور پھر کچھہ تو ان چیزوں سے اور کچھہ اپنے حافظے سے اور کچھہ حفاظ سے سنکر کئی لوگوں نے کچھہ نہ کچھہ قرآن کریم لکھہ رکھا ہوا تھا جیسے آجکل کے پنجسورے یا بعض آیات قرآنیہ الگ طور پر لکھے جاتے ہیں اور ان کا ورد کیا جاتا ہے ان سب کو ایک جگہ اکٹھا کر کے جلوا دیا تاکہ وہ بات جس سے حذیفہ رضہ کو شام اور عراق کے لوگوں کی قرأت کے اختلاف سے دل میں کچھہ گھبراہٹ سی پیدا ہوئی تھی بالکل ہی روئے زمین پر سے نیست و نابود ہو جاوے۔ ان کا یہہ کام اتنا بڑا ہے کہ قیامت تک مسلمان ان کے اس احسان عظیم کے بوجھہ سے ذری سر نہیں ہلا سکتے اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اسکی رحمت خاصہ ان کے شامل حال نہ ہوتی اور ان سے یہہ کار عظیم نہ ہوتا تو ہزارہا مفاسد پیدا ہو جاتے اور جہاں تہاں ظالم اور کج رو لوگ مختلف قسم کے مظان اور شکوک اور شبہات کھڑے کر دیتے۔ اللھم صل علے محمد و علی اصحابہ الکرام۔ غرضکہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف اصلی اور آسمانی قرآن کی صرف نقلیں کروائی تھیں اور بس ان کا اسمیں اس سے زیادہ دخل نہ تھا۔ فالحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ۔

جمع القرآن کا مسئلہ تو یہانتک ختم ہو چکا ہے اب اسی کے متعلق کا ایک اور مسئلہ لکھا جاتا ہے جو اس مسئلہ کی طرح بڑا ہی ضروری ہے اور وہ یہہ ہے کہ قرآن مجید کس زبان میں نازل ہوا ہے اور اوپر کی حدیث میں جو عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چار نقلنویسوں کو یہہ حکم دیا تھا کہ اگر کسی لفظ میں کچھہ اختلاف ہو تو قریش کی بولی میں لکھہ دینا اس حکم کا مطلب کیا ہے۔ چونکہ خود قرآن کریم اپنے ہر ایک دعوے کی آپ ہی دلائل پیش کرتا ہے اور ہم اصول میں لکھہ آئے ہیں کہ دین کی کوئی بات نہیں ہے نہ چھوٹی نہ موٹی نہ ادنےٰ نہ اعلےٰ جو قرآن مجید میں موجود نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیٔ وھدی ورحمۃ وبشریٰ للمسلمین ٥ (پ ۱۴ ع ۱۹)	اے نبی (صلعم) ہم نے تجھہ پر چار صفات والی کتاب نازل فرمائی ہے جسمیں ہر شئے کا جو دین کے ساتھہ تعلق رکھتی ہے واضح بیان ہے اور یہ مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے۔

پس یہاں بھی اول تو ہم قرآن مجید کے دعوے اور اسکے دلائل کو دیکھتے ہیں بعد ازاں یہہ دیکھینگے کہ مفسر حقانی حکیم ربانی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اسبارہ میں کیا ہے اور جب خود قرآن کریم اور ربانی حکیم دونو کا ارشاد معلوم ہو جاوے تو فیصلہ ہو جاتا ہے۔ سب سے پہلے ہم آیات قرآنیہ لکھتے ہیں۔ بعونہ تعالیٰ۔

(۱) انا انزلنہ قرآنا عربیا لعلکم تعقلون (پ ۱۲ ع ۱۱)	(ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں اسواسطے اتارا ہے کہ تم سمجھہ سکو۔“
(۲) لسان الذی یلحدون الیہ اعجمی وھذا لسان عربی مبین ٥ (پ ۱۴ ع ۲۰)	”جس شخص کی طرف اس قرآن کریم کے سکھلانے کی نسبت کرتے ہیں

اس کی بولی تو عجمی ہے اور یہہ قرآن کریم صاف عربی زبان میں ہے "

(۳) وكذلك انزلنه قرانا عربيا وصرفنا فيه من الوعيد لعلهم يتقون او يحدث لهم ذكرا ٥ (پ ١٦ ع ١٥)

" اور اسی طرح (جس طرح قرآن کریم حالت موجودہ میں ہے) ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں اتارا ہے اور اس میں طرح طرح کے ڈراوے سنائے ہیں تاکہ وہ لوگ (ڈرتے رہیں یا ان کے دلوں میں غور اور فکر پیدا کرے "

(۴) نزل به الروح الامين ٥ على قلبك لتكون من المنذرين ٥ بلسان عربي مبين ٥ (پ ١٩ ع ١٥)

" اس قرآن کریم کو جبریل امین نے ہمارے حکم سے تیرے دل پر صاف عربی زبان میں اسلئے اتارا ہے کہ تو ان رسولوں کی طرح جو تجھ سے پہلے لوگوں کو عذاب خدا سے ڈراتے تھے ڈراوے "

(۵) انا جعلنه قرانا عربيا لعلكم تعقلون ٥ (پ ٢٥ ع ٧)

" ہمنے اس قرآن کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تاکہ تم اس کو سمجھ سکو "

(۶) وهذا كتب مصدق لسانا عربيا لينذر الذين ظلموا وبشرى للمحسنين ٥ (پ ٢٦ ع ٢)

" اور یہہ قرآن پہلی کتابوں کا مصدق ہے اور عربی زبان میں ہے تاکہ ظالموں کو عذاب خدا سے ڈراوے اور مخلصین نیکو کاروں کے لئے بشارت ہو "

(۷) وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه ليبين لهم (پ ١٣ ع ١٣)

" اور جہاں کہیں جب کبھی ہمنے کوئی پیغمبر بھیجا تو اس کی اپنی قوم کی بولی میں کتاب دیکر بھیجا تاکہ وہ ان کو بخوبی خدا تعالے کے احکام اور نواہی سمجھاوے "

(۸) فانما يسرنه بلسانك لتبشر به المتقين وتنذر به قوما لدا ٥ (پ ١٦ ع ٨)

" اے نبی (صلعم) ہمنے اس قرآن کو تیری زبان میں اس لئے آسان کر دیا کہ تو اسکے ذریعے سے خدا سے ڈرنیوالے لوگوں کو خوشخبری سناوے اور جھگڑالو اور اکھڑ قوم کو ڈراوے "

(۹) فانما يسرنه بلسانك لعلهم يتذكرون ٥ (پ ٢٥ ع ١٦)

" اے نبی اس قرآن کو ہمنے تیری زبان میں اسواسطے سہل کر دیا ہے کہ وہ (لوگ) اس کو پڑھ سنکر نصیحت حاصل کریں "

ان آیات سے قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہے کہ قرآن مجید کل کا کل عربی زبان میں نازل ہوا ہے کسی خاص فرقے یا قوم کی بولی کی کوئی خصوصیت اس میں نہیں ہے ہاں قرآنی عربی بولی کی یہہ صفت ضرور ہے کہ وہ ہے بالکل صاف صاف اور سلیس اور دلی مطالب کے لئے بالکل آسان اور ہر کس و ناکس کی تعلیم کے لئے اس کی استعداد اور قابلیت کے موافق اپنے مضامین کو واضح طور پر بیان کرنے والی - غرضکہ فصاحت و بلاغت کے جملہ قوانین پر حاوی ہے - اور یہہ ظاہر ہے کہ سارے کا سارا جزیرہ نمائے عرب عربی زبان بولتا تھا اور ہر ملک کا دستور ہے کہ فصیح و بلیغ زبان صرف انہیں لوگوں کی ہوتی ہے جو ملک میں ممتاز اور سر کردہ معتبر اور بارعب اور صاحب ریاست و سیاست ہوتے ہیں اور اسی جگہ کی ہوتی ہے جہاں ایسے لوگ بود و باش رکھتے ہوں اور باقی لوگ صرف انکے تابع اور ہاں میں ہاں ملانے والے ہوتے ہیں بلکہ کان لم یکن کا حکم رکھتے ہیں چنانچہ تمام دنیا کے اس مسلّم اور فی الحقیقت بالکل حق اور رائج اور معمول بہا طریقے کے مطابق پیغمبر صاحب کا بھی یہہ قول ہے خیارکم فی الجاهلية خيارکم فی الاسلام اذا فقهوا (بخاری کتاب التفسیر سورہ یوسف) یعنی جو لوگ تم میں جاہلیت کے دنوں میں قوم میں سمجھ والے اور ممتاز اور اچھے ہوتے ہیں اسلام میں بھی ویسے ہی ہوتے ہیں مگر شرط یہہ ہے کہ جب وہ دین کی سمجھ حاصل کریں یعنے جو نسبت ان لوگوں کے اوصاف حمیدہ سابقہ اور دوسرے لوگوں کے اوصاف میں جہالت کے دنوں میں ہوتی تھی وہ نسبت اسلام میں بھی برابر چلی جاوے گی غرضکہ یہہ دستور ہر ملک میں ہے اور اسی کے مطابق زبان کو پرکھا جاتا ہے اپنے ملک کو دیکھو اردو زبان کے لحاظ سے دلی اور دلی والوں پھر بالخصوص قلعہ اور قلعہ والوں کو معیار مقرر کیا گیا ہے - فرانسیسی زبان کو پرکھنا ہو تو خاص پیرس کا لب و لہجہ اور خود پیرس اور پیرس والوں کو معیار مقرر کیا جاتا ہے - انگریزی زبان کے لحاظ سے خاص شہر لنڈن اور لنڈن والے معیار سمجھے جاتے ہیں - اسی طرح اسی دستور کے مطابق جزیرہ نمائے عرب کے قبائل (مضر - اسلم - غفار - مزینہ جہینہ - اشجع - غطفان - تمیم - اسد - خزاعہ - ہوازن - قضاعہ - سلیم - فزارہ - قیس وغیرہ وغیرہ) میں سے وہ زبان جو بلحاظ فصاحت و بلاغت پیغمبر صاحب کی اسناد میں مسلّم اور معمول بہا تھی جو قبیلہ قریش کی تھی - کیونکہ کل روئے زمین کے دستور مذکور الصدر کے مطابق بھی قبیلہ ام القرے (کل بستیوں اور شہروں کی ماں یعنی مکہ معظمہ) میں رہتا تھا اور سب سے زیادہ رئیس اور شریف اور معظم و موقر سمجھا جاتا تھا جس کی خاص کر وجہ یہہ تھی کہ کعبہ کا اہتمام ان کی تحویل میں تھا - اوپر کے دستور کے علاوہ ام القرے کی زبان کے افصح اور ابلغ ہونے کی کچھ اور خصوصیت بھی ہے اور وہ یہہ ہے :-

ایام جاہلیت میں مکہ معظمہ کے پاس میدان میں ہر سال تین روز ایک بازار لگا کرتا تھا جیسے نمائشیں اور میلہ بازار لگا کرتے ہیں پھر سال بسال اسی جگہ

ماہ ذی قعدہ کی پہلی تاریخ سے لیکر بیس تاریخ تک ایک عام میلہ لگا کرتا تھا جس میں چاروں طرف کے نہ صرف بڑے بڑے فصیح اور بلیغ شعراہی آیا کرتے تھے بلکہ ہر قسم کے اور ہر قبیلہ کے لوگ جمع ہوا کرتے تھے اس جگہ کو عکاظ (بر وزن غراب) کہا کرتے تھے کیونکہ وہاں تعاکظ اور تناشد یعنی فصاحت میں ایکدوسرے کا مقابلہ کیا جاتا تھا گویا یوں سمجھو کہ وہاں فصاحت و بلاغت اور زباندانی کا میلہ لگا کرتا تھا جیسے ہمارے ہاں محرم اور بیساکھی کا میلہ لگا کرتا ہے یا جیسا کہ آجکل کئی سالوں سے سرکار انگریزی نے ہر ضلع میں مویشیوں کی منڈی لگانی شروع کر دی ہے اسپر ہر شخص کو اختیار ہے کہ جسکے پاس عمدہ سے عمدہ جانور ہو وہ منڈی میں لاوے اگر وہ سب سے بڑھ کر ثابت ہوگا تو سب سے بڑھ کر اس کو انعام دیا جاویگا۔ اسی طرح چار دانگ عرب کے لوگ حج کی طرح اس میلہ میں آیا کرتے تھے جہاں ہر ایک فصیح و بلیغ شاعر اپنے سارے سال کی فصاحت اور بلاغت اور لیاقت کے جوہر دکھاتا تھا اور ثالثوں کی کمیٹی ہر ایک مدعی فصاحت و بلاغت سے اسکا قصیدہ علی رؤس الاشہاد سنا کرتی تھی۔ پھر جس مدعی کا قصیدہ سب سے بڑھ کر عمدہ ہوتا تھا اس کو سنہری حروف میں جو مذہبات کہلاتے تھے مصر کے ریشمی کپڑے پر لکھا جاتا تھا اور شاہی خزانوں میں بحفاظت تمام رکھا جاتا تھا اور کعبہ کے دروازہ پر بطور غلاف معلق کیا جاتا تھا اور ایسے قصیدہ کو معلقہ کہا کرتے تھے۔ چنانچہ ابتک علم ادب کا جزو اعظم وہ سات قصیدے چلے آتے ہیں جو سبع معلقات کے نام سے مشہور ہیں غرضکہ ام القرے اور ام القرے والوں کی زبان تو ہمیشہ ہی منجھتی اور صاف ہوتی رہتی تھی کیونکہ یہہ موقعہ کسی اور شہر کو یا کسی اور جگہ کے رہنے والوں کو نصیب ہی نہیں تھا سارے جزیرے کی فصاحت و بلاغت یہیں رکھ لی جاتی تھی اور خاص قبیلہ قریش کے ہاتھ میں یہہ قصائد رہتے تھے کیونکہ کعبہ ان کی تحویل میں تھا گویا ان کی اپنی ذاتی فصاحت و بلاغت کے ساتھ سارے ملک کی فصاحت و بلاغت بھی اکٹھی ہوتی رہتی تھی۔ اس سالانہ اجماع کے علاوہ ایک اور اجماع بھی ہوا کرتا تھا جو خاص کعبۃ اللہ اور اسکے نواح میں منعقد ہو سال بسال ہوا کرتا تھا اور یہہ اجماع محض مذہبی ہوا کرتا تھا اور اس کا نام حج تھا مذہبی رسومات جیسی کہ وہ کچھ تھیں ادا کرنے کے بعد پھر وہ زور شور کے ساتھ تفاخر اور تناشد کیا کرتے تھے یعنی شیخیاں اور اپنے بزرگوں کی بڑائیاں بیان کرتے تھے اور قصیدے پڑھا کرتے تھے یہہ بھی ایک بڑی بھاری دلیل ہے قریش کی زبان کے افصح اور ابلغ ہونے کی پس اس عام دستور کے علاوہ جو پہلے ذکر کیا گیا ہے ام القرے کی زبان کے افصح اور ابلغ ہونے کے لئے یہہ دو اجتماع بھی بڑی بھاری خصوصیت اور دلیل تھے۔ اور ام القرے یعنی مکہ میں قریش کا قبیلہ سب سے زیادہ ممتاز اور معزز اور صاحب سیاست و ریاست تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی قبیلہ سے تھے اگرچہ اس قبیلہ کی زبان کل جزیرے کی مختلف بولیوں اور لہجوں اور گفتاروں میں سے سب سے بڑھ کر فصیح اور بلیغ تھی مگر اس کی فصاحت نے دوسرے قبیلوں کی فصاحت کو ایسا نیست و نابود نہیں کر دیا تھا کہ وہ کان لم یکن کے حکم میں تھیں۔ پس قرآن مجید کی زبان اعلی درجہ کی فصاحت اور بلاغت سے مالا مال ہے اور اس کی زبان کا اکثر حصہ بلکہ قریب قریب کل کی کل زبان قریش کی بولی ہے اور باقی حصہ میں دوسرے قبیلوں کی زبان کے الفاظ بھی جو فصاحت اور بلاغت میں قریش کے فصیح اور بلیغ زبان کے برابر ہیں موجود ہیں یعنے یہہ کہ قرآن کریم کا لفظ لفظ فصیح اور بلیغ ہے خواہ وہ قریش کی زبان کے مطابق ہے خواہ دوسرے قبیلوں کی زبان کے مطابق بات یہہ ہے کہ اس میں جو کچھ ہے وہ فصاحت و بلاغت سے بھر پور ہے اور باقی رہی یہہ بات کہ قریش کی زبان کے موافق کسقدر حصہ ہے اور دوسرے قبیلوں کی زبانوں کے موافق کسقدر۔ تو یہہ قدرتی طور پر ثابت کیا جا چکا ہے کہ قریش کی زبان کے موافق اکثر حصہ قرآن مجید ہے اور باقی زبانوں کے موافق بہت ہی تھوڑا یہانتک کہ تغلیب کے طور پر بھی کہا جاتا ہے کہ قرآن کی زبان قریش کی زبان ہے۔ قرآن مجید کا اپنا دعوے ہے کہ میں فصیح اور سلیس اور عام فہم اور واضح زبان عربی میں اتارا گیا ہوں جیسا کہ آیات مرقومۃ الصدر سے ثابت کیا گیا ہے اور یہہ دعوے اسکا بالکل صحیح اور سچا ہے کیونکہ واقعی عرب کے قبائل کی زبان کے موافق قرآن شریف نازل ہوا ہے۔ رسول اللہ مفسر حقانی اور حکیم ربانی اسکی تشریح اور تفصیل اور تفسیر یوں فرماتے ہیں

(۱) عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اقرأنی جبریل علی حرف فراجعتہ فلم ازل استزیدہ و یزیدنی حتے انتہی الی سبعۃ احرف بخاری کتاب فضائل القرآن۔ باب نزل القرآن علی سبعۃ احرف)

(۲) عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ قال سمعت ہشام بن حکیم یقرء سورۃ الفرقان فی حیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاستمعت لقرأتہ فاذا ھو یقرء علے حروف کثیرۃ لم یقرئنیہا

"ابن عباس رضی اللہ تعالے عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل علیہ الصلوۃ والسلام نے مجھے ایک لغت پر قرآن شریف پڑھایا۔ میں بار بار اسکو زیادتی لغات کی بابت کہتا رہا اور وہ (بحکم خدا) زیادہ کرتا گیا حتے کہ سات بولیوں تک نوبت پہنچ گئی"

"عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ میں نے ہشام بن حکیم کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سورہ فرقان پڑھتے سنا میں نے اس کی قرأت کو خوب کان لگا کر سنا دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ اس

رسول صلی اللہ علیہ وسلم فکدت اساورہ فی الصلوۃ فتصبرت
حتی سلم فلببتہ بردائہ فقلت من اقرأک ھذہ السورۃ التی
سمعتک تقرأ قال اقرأنیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فقلت کذبت فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد اقرأنیھا
علی غیر ما قرأت فانطلقت بہ اقودہ الی رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم فقلت انی سمعت ھذا یقرأ بسورۃ الفرقان
علی حروف لم تقرئنیھا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اقرأ یا ھشام فقرأ علیہ القرأۃ التی سمعتہ یقرأ فقال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کذلک انزلت ثم قال اقرأ یا عمر فقرأت
القرأۃ التی اقرأنی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کذلک انزلت ان ھذا القرآن انزل علی سبعۃ احرف فاقرؤا
ما تیسر منہ (بخاری کتاب فضائل القرآن باب انزل القرآن علی سبعۃ احرف)

سورت کو بہت سی بولیوں پر پڑھتا ہے اور بولیاں بھی وہ کہ جن میں رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہہ سورت نہیں پڑھائی تھی سنکر میں اس پر
نماز میں ہی حملہ کرنے لگا تھا پھر میں نے اس کے سلام پھیرنے تک حوصلہ کیا
جب سلام پھیر لیا تو میں نے اس کے گلے میں چادر ڈالی اور اس سے پوچھا کہ یہ
سورت جو میں نے تجھے پڑھتے سنی ہے تجھے کس نے پڑھائی ہے اس نے کہا کہ
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے پڑھائی ہے میں نے کہا کہ کوئی نہیں تو
یوں ہی کہتا ہے انہوں نے تو مجھے اور ہی طرح پہہ پڑھائی ہے اور اس طرح پر تو نے
نہیں پڑھی ہے غرضکہ میں نے اسکو آگے دھر لیا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
کی خدمت میں لے گیا اور ان سے کہا کہ میں نے اس شخص کو سورۃ فرقان ایسی
بولیوں میں پڑھتے سنا ہے کہ آپ نے مجھے ان بولیوں میں یہ سورت نہیں پڑھائی
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ہشام پڑھ اس نے آپ کو وہ سورت
اسی طرح پر جس طرح میں نے اس کو پڑھتے سنا تھا پڑھ کر سنا دی آپ نے سنکر فرمایا
کہ اسی طرح یہہ سورت اتری تھی۔ پھر آپ نے مجھے فرمایا کہ اے عمر اب تو پڑھ۔
میں نے وہ سورت آپ کو اسی طرح پڑھ کر سنا دی جس طرح کہ آپ نے مجھے پڑھائی ہوئی تھی آپ نے فرمایا کہ یہہ اسی طرح اتری ہے پھر فرمایا کہ یہہ قرآن کریم سات بولیوں پر
اترا ہے سو جونسی بولی میں تم کو آسان ہو اس میں اس قرآن کریم کو پڑھا کرو۔"

خلاصہ یہہ ہے کہ کل قرآن مجید سات مختلف بولیوں کے موافق اترا ہے یعنے سارے قرآن میں متفرق طور پر سات لغات یا بولیاں ہیں یہہ نہیں کہ ہر ایک
لفظ اور حرف سات سات بولیوں میں نازل ہوا ہے سو اگر کوئی لفظ ایک سے زیادہ بولیوں میں نازل ہوا ہے تو ان نازل شدہ الفاظ میں سے تم کو اختیار
ہے جونسا لفظ تمہاری زبان پر آسان اور سہل ہو اسی کو پڑھ لو یہی اوپر کی دو نو حدیثوں میں ترجمہ لفظ حرف جس کی جمع احرف ہے لغت یا بولی کیا ہے اور
یہی تحقیق کتب معتبرہ لغات قاموس مجمع بحار الانوار منتہی الارب تاج اور لغت یا بولی سے مراد کوئی غیر زبان نہیں ہے بلکہ سارے ملک کی ایک ہی ہانکی جگہ جگہ کی بولی لغت لب لہجہ کا اختلاف ہے
اوپر کی حدیثوں میں سے پہلی حدیث سے پایا جاتا ہے کہ قرآن کریم میں زیادہ سے زیادہ سات بولیاں متفرق طور پر موجود ہیں گو عرب کی بولی والے ہزاروں قبائل تھے
اور گو ایک ایک لفظ کے لئے سینکڑوں ہی دیگر الفاظ موجود ہیں اور دوسری حدیث سے یہہ پایا جاتا ہے کہ اگرچہ قرآن کریم صرف ایک ہی بولی میں رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کو پڑھایا گیا تھا یعنے اس بولی میں جو لوح محفوظ میں مکتوب و مسطور ہے اور پھر جسکے مطابق جبریل علیہ الصلوۃ والسلام نے رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کو تعلیم فرمائی تھی اور پھر جسکے موافق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کاتب وحی سے لکھواتے تھے۔ مگر پھر بھی بعض الفاظ ایسے تھے کہ
ان میں بعض قبائل کے لب ولہجہ کے موافق تلفظ کر لینے کی اجازت بھی منزل من اللہ ہوتی تھی۔ کیونکہ جس بولی کا کوئی لہجہ ہوتا ہے۔ اس بولی
کے بولنے والے کے لئے وہی لہجہ آسان اور سہل ہوتا ہے اور دوسری زبان کا لہجہ بوجھ اور تکلیف ہوتا ہے اور بعض لوگ اس قسم
کے ہوتے ہیں کہ وہ دوسری بولی چھوڑ اپنی بولی کے بعض حروف کو ادا نہیں کر سکتے مثلاً بعض لوگ کاف کو قاف اور ہ کو واؤ تلفظ کرتے ہیں سو اسی
قسم کی تنگیوں اور مشقتوں اور بوجھوں کو دور کرنے اور ان کے بجائے آسانی اور سہولت اور آرام کے قائم کرنے کے لئے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی دعا پر یہہ اجازت بھی ہوئی اور وہ بھی صرف زبانی طور پر پڑھنے کیلئے۔ خود وہ قرآن کریم جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہتمام سے لکھوایا اور پھر
اس کی نقلیں جابجا دور دور ملکوں میں عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ کے عہد سعادت مہد میں شائع کی گئیں ایک ہی لغت یا بولی میں لکھا گیا تھا اور
وہ بولی یقینی اور قطعی ثبوت کے ساتھ ثابت ہو چکی ہے کہ عربی مبین تھی خواہ قریش کی ہو خواہ کسی اور قبیلہ کی۔ مگر قریش کی بولی بالخصوص سب سے زیادہ تھی بلکہ
قریب قریب سب ہی یہی اور واضح ہو کہ کوئی دوسرا مترادف لفظ ہرگز نازل نہیں ہوا۔ صرف زبانی طور پر بغرض آسانی و سہولت جیسا کہ حدیث کے
الفاظ سے ثابت ہے آپ وہی لب ولہجہ جنکی اجازت منزل من اللہ ہوتی تھی انہیں لوگوں کو پڑھایا کرتے تھے جو اصلی الفاظ کو آسانی سے ادا کرا اور
پڑھ نہ سکتے تھے اور یہی حکمت قرآن کریم تھی کیونکہ قرآن کریم کا مقصود و اصلی صرف یہی ہے کہ لوگوں میں قرآنی تعلیمات شائع ہوں اور ان کے

مطابق عملدرآمد کیا جاوے اور جہانتک ممکن اور جس طریق سے یہہ کام ہوسکتا ہو کیا جاوے اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے :-

(۱) فانما یسرنٰہ بلسانک لتبشر بہ المتقین وتنذر بہ قوماً لدا (پ۱۶ ع۹)	" اے نبی (صلعم) ہمنے اس قرآن کو تیری زبان میں اسلئے آسان کر دیا ہے کہ تو اسکے ذریعے سے خدا سے ڈرنیوالے لوگوں کو خوشخبری سناوے اور جھگڑالو اور اکھڑ قوم کو ڈراوے "
(۲) فانما یسرنٰہ بلسانک لعلھم یتذکرون ٥ (پ۲۵ ع۱۶)	" اے نبی (صلعم) اس قرآن کو ہمنے تیری زبان میں اسلئے آسان کر دیا ہے کہ وہ (لوگ) اس کو پڑھ سنکر نصیحت حاصل کریں "
(۳) یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (پ۲ ع۷)	" اللہ تمہارے لئے ہر قسم کی آسانی چاہتا ہے اور کسی قسم کی تنگی تمہارے لئے نہیں چاہتا "
(۴) ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج (پ۶ ع۶)	" اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کسی قسم کی سختی اور تنگی کرے "
(۵) وما جعل علیکم فی الدین من حرج (پ۱۷ ع۱۷)	" اللہ نے دین کے معاملہ میں تم پر کسی قسم کی تنگی نہیں کی "
(۶) لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا (پ۳ ع۸)	" اللہ کسی شخص کو اسکی طاقت سے بڑھکر تکلیف بجا آوری احکام ولواہی نہیں دیتا "

ان آیات کے لکھنے سے غرض یہہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خواہ مخواہ کسی شخص کو یہہ تکلیف نہیں دیتا کہ اس کی زبان کسی حرف کے صحیح اور فصیح تلفظ کرنے پر قادر نہ بھی ہو تو بھی وہ صحیح اور فصیح تلفظ ضرور ہی کرے مگر یہہ تیسیر صرف زبانی پڑھنے پڑھانے تک ہی محدود تھا لکھوایا صرف وہی لفظ جاتا تھا جو حرف واحد یعنی اصلی بولی کا اصلی لفظ ہوتا تھا اور تم خود بھی سمجھ سکتے ہو کہ ایک لفظ کے لکھواتے وقت اس کے تمام قسم کے تلفظ مسلسل عبارت میں کبھی کسی نے لکھائے ہیں؟ اور یہ اختلاف بالکل بے حقیقت ہے صرف لب ولہجہ کا فرق ہے جو عرب کے مختلف فرقوں اور اقوام اور قبائل کی سہولت کے لئے باجازت الٰہی خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو پڑھایا قرآن کریم پاک ہے اس بات سے کہ اس کی کوئی ایسی قرأت بھی ہو جس سے کسی لفظ کی اصلی مراد ہی جاتی رہے - اب تک کسی کو پتہ نہیں لگا اور بفضل خدا قیامت تک لگ بھی نہ سکے گا کہ عمر اور ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قرأتوں میں اختلاف تھا کیا؟ اسی طرح بخاری میں کتاب فضائل القرآن کے آخری باب کی آخری حدیث میں ہے کہ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو ایک آیت اس طرح پر پڑھتے سنا کہ جس طرح پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے سنا تھا وہ ان کو پکڑ کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے انہوں نے دونو کو فرمایا کہ تم دونو ٹھیک پڑھتے ہو جاؤ اسی طرح پڑھو (الحدیث) یہہ قصہ بھی پہلے قصہ کیطرح ویسا ہی ساکت ہے کچھ پتہ نہیں دیتا کہ کس بات میں اختلاف تھا کیونکہ نہ تو پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے کچھ بیان فرمایا نہ فریقین میں سے کسی نے اس کا ذکر کیا ہے اور نہ حاضرین مجلس میں سے جو بوقت فیصلہ موجود تھے کسی نے ذکر کیا ہے ان میں سے کوئی بھی ذکر کر دیتا تو اختلاف کا پتہ لگ جاتا اب اگر کوئی قطعی اور یقینی طور پر کچھ بیان کرے بھی تو سوائے رجماً بالغیب یعنی قیاسی ڈھکوسلوں اور اٹکل پچو قیاسوں کے اور کیا کر سکتا ہے اور سچ پوچھو تو اس کی کچھ ضرورت بھی نہ تھی صرف لب ولہجہ کے اختلاف کی بات ہے اور بس کیونکہ لب ولہجہ ایک ایسی چیز ہے کہ ہر ایک قوم اور فرقے اور قبیلے کا ایک ہو نہیں سکتا اور یہہ بھی سخت دشوار ہے کہ کل فرقوں اور قبیلوں کا خواہ ایک ہی زبان کے بولنے والے ہوں ایک ہی لب ولہجہ ہوسکے چہ جائیکہ غیر زبان والوں اور غیر ملک والوں کا لب ولہجہ - ہاں یہہ کام مشق اور مہارت کا ہے سو جوں جوں کسی خاص شخص کو مہارت ہوجاویگی توں توں یہہ دشواری اور دقت بھی رفع ہوتی جاویگی مگر یہہ بات قریب قریب محال کے ہے کہ ہر ایک شخص خواہ اصلی زبان والا ہی کیوں نہ ہو صحیح صحیح اور پورا کامل تلفظ کر سکے

ہم نے بہت تلاش کی ہے اور مشہور مشہور کتب حدیث کے متنوں اور شرحوں کو تتبع کیا ہے مگر ہم کو کوئی ایسی قرأت نظر نہیں آئی جو خود پیغمبر صاحب نے کسی کو سکھائی اور پڑھائی ہو اور کہہ رہو ہو قرآن کریم کی قرأت اصلی کے خلاف - بعض لوگوں کو جو دھوکا لگا ہے تو غالباً ذیل کی حادیث سے لگا ہے جو ابو داؤد جلد دوم کتاب الحروف والقرأت اور ترمذی جلد دوم ابواب القرأت میں مروی ہیں مگر ان کا مطلب صرف یہہ ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے فلاں فلاں آیت یا فلاں فلاں الفاظ اس طرح پر بعض بعض موقع پر سنے گئے ہیں اور بس اور یہہ الفاظ بعینہا وہی ہیں جو قرآن مجید میں موجود ہیں اور اسی طرح پڑھے جاتے ہیں جس طرح پر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے ان سے یہہ مفہوم نہیں ہوسکتا کہ قرأتیں مختلف ہیں یا پیغمبر صاحب نے خود کئی قرأتیں پڑھی ہیں اور بعض بعض صحابہ نے جو یہہ کہا ہے کہ ہم نے یہہ لفظ یوں پڑھا تو فلاں صحابی نے مجھے کہا کہ یوں نہیں یوں پڑھو تو اس سے مراد مختلف قرأتوں کی نہیں ہے صرف یہہ ہے کہ کسی نے اپنی غلط فہمی سے کوئی لفظ غلط حرکتوں سے یاد کر لیا ہوا تھا اس کی غلطی رفع ہوگئی اور یہہ باتیں انوکھی نہیں ہیں قیامت تک جاری رہیں گی اور جاری چلی آئی ہیں - ایک شخص غلط پڑھتا ہے دوسرا اس کی غلطی درست کراتا ہے - مثلاً ابو داؤد میں ہے کہ عطیہ بن سعد نے عبداللہ بن عمر کے روبرو پڑھا اللہ الذی خلقکم من ضَعف یعنی ضعف کے ضاد کی فتح (زبر) پڑھی تو انہوں نے مجھے فرمایا کہ بیٹے بھی اس لفظ کو رسول اللہ

صلے اللہ علیہ وسلم کے روبرو اسی طرح پڑھا تھا مگر انہوں نے میری یہہ غلطی پکڑی اور فرمایا کہ مُضْعَف دبضم الضا والعین) پڑھو اسی طرح بعض اقوال مشہور ہیں جیسا کہ (اتقان میں بحوالہ احمد وطبرانی درج ہیں کہ ابی بن کعب کی یہہ قرأت لکھی ہے کہ وہ پڑھا کرتے تھے کلما اضاء لھم مشوا فیہ مروا فیہ سعوا فیہ اور ابن مسعود رضی اللہ تعالے عنہ پڑھا کرتے تھے للذین اٰمنوا انظرونا امھلونا اخرونا بعض لوگوں نے اس سے یہہ سمجھ لیا کہ پہلی آیت میں ابی بن کعب رضی اللہ تعالے عنہ مشوا فیہ کے علاوہ مروا فیہ سعوا فیہ بھی پڑھا کرتے تھے گویا یہہ ان کی وہ قرأت تھی جوان کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سکھائی تھی اسی طرح ابن مسعود رضی اللہ تعالے عنہ کی قرأت کا حال ہے حالانکہ ابی بن کعب اور ابن مسعودؓ میں سے کوئی بھی یہہ نہیں فرماتے کہ یہہ مختلف قرأتیں ہمکو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سکھائی ہیں۔ اصل بات یہہ ہے کہ ان بزرگان دین رحمہم اللہ تعالے نے دبشرطیکہ اوپر کے قول صحیح بھی ہوں) صرف مشوا فیہ کے معانی مروا فیہ وسعوا فیہ اور انظرونا کے معانی امھلونا اخرونا بیان فرمائی ہیں اور بس انہوں نے ہرگز نہیں کہا کہ یہہ مختلف قرأتیں ہیں جو سبعہ احرف کے نیچے داخل ہیں اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمکو سکھائی ہیں اسی طرح ابوداؤد اور ترمذی میں ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ سے جو یہہ مرفوع حدیث ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پڑھا بفضل اللہ وبرحمتہ فبذلک فلتفرحوا ھو خیر مما تجمعون یعنی فلتفرحوا اور تجمعون دونو بصیغہ مخاطب پڑھے بعض لوگوں نے سمجھ لیا کہ یہہ دوسری قرأت ہے حالانکہ یہہ بات نہیں ہے۔ اصل بات یہہ ہے کہ قرآن مجید کی اصلی قرأت یہہ ہے قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذلک فلیفرحوا ھو خیر مما یجمعون (پ ۱۱ ع ۱۱) یعنے فلیفرحوا اور یجمعون دونو غائب کے صیغے ہیں یعنے اے نبی صلے اللہ علیہ وسلم تو سنا دے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت یعنے اس قرآن پاک کو پاکر لوگ خوش ہوں کیونکہ جن فانی اور دنیاوی فائدوں کے پیچھے وہ پڑے ہیں اُن سے کہیں بڑھکر یہہ قرآن کریم ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حکم ربانی کا ترجمہ کرکے حاضرین کو مخاطب کرکے فرمادیا کہ قرآن جو اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے تم اسکو پاکر خوش ہو اور دنیاوی چیزوں کے جمع اور اکٹھا کرنے کے پیچھے جو پڑ رہے ہو اس سے یہہ قرآن کریم کہیں بڑھکر بہتر ہے اور ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ نے اگر اسکو قرأت سمجھ لیا تو ان کے ایسا سمجھ لینے سے قرأت نہیں بن سکتی۔ قرآن کریم التباس اور ارتیاب اور شبہات سے اپنی پاکی آپ بیان کرتا ہے جیسا کہ پہلے ثابت کیا جاچکا ہے۔

دوسری بات یہہ ہے کہ اس حدیث میں ایک راوی اجلح ہے جسکو امام جوزجانی نے مفتری اور ابوحاتم نے لایحتج بہ لیس بالقوی لکھا ہے۔ دمیزان الاعتدال جلد ثانی صفحہ ۵۸) غرضکہ یہہ حدیث محدثین کے نزدیک بھی قابل احتجاج نہیں ہے ہم نے بفرض صحت اور بطور تنزل اس کے یہہ معنے کئے ہیں جو پہلے لکھے گئے ہیں۔ اسی طرح ابوداؤد اور ترمذی میں ایک اور حدیث مرفوع لکھی ہے کہ اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالے عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے سنا۔ انہ عَمِلَ غَیْرَ صَالِحٍ یعنے بتحقیق اس نے (نوح ؑ کے بیٹے نے) ناپسند عمل کیا ہے یعنے عَمِلَ بصیغہ ماضی معلوم اور اصلی قرأت قرآن کریم یہہ ہے انہ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ پ ۱۲ ع ۴ یعنے اے نوح تو اپنے بیٹے کی نجات کے لیے ہم سے کچھ مت کہو وہ تیرے اہل وعیال میں داخل ہی نہیں وہ تو عمل ناپسند ہے۔ اول تو اس حدیث میں ایک راوی شہر بن حوشب ہے جو کثیر الارسال والاوھام ہے (تقریب التہذیب) پس یہہ حدیث بھی قابل احتجاج نہیں ہے اور اگر صحیح بھی ہو تو اصل بات یہہ ہے کہ حکیم حقانی اور مفسر ربانی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اصلی قرأت انہ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ یعنے وہ بیٹا عمل ناپسند ہے کے صحیح اور درست معنے بتائے ہیں اور اس سے جو وہم گذرتا تھا کہ جب لڑکا عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ٹھیرا تو اس کا عامل یعنے والد جو نوح نبی ؑ معصوم ہیں بطریق اولی قصور وار ٹھیرے تو اس وہم کو دور کرنے کے واسطے فرمادیا کہ نہیں باپ کا کچھہ قصور نہیں ہے وہ لڑکا خود بدعمل اور قصوروار تھا۔

اسی طرح بخاری کتاب البیوع کے پہلے باب کی آخری حدیث میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ جاہلیت میں تین بازار لگا کرتے تھے۔ عکاظ، مجنہ اور ذو المجاز جب اسلام آیا تو مسلمانوں نے اُن تین بازاروں میں تجارت وغیرہ کرنا چھوڑ دیا گویا انہوں نے حج میں تجارت کرنے کو حرام سمجھا تو اللہ تعالے نے یہہ آیت نازل فرمائی لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلاً من ربکم فی مواسم الحج۔ اصل قرآن کریم میں الفاظ مواسم الحج موجود نہیں ہیں اور آیت صرف یہہ ہے لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلاً من ربکم (پ ۲ ع ۹) یعنے تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر تم اپنے پروردگار کا فضل (تجارت وغیرہ) چاہو لیکن الفاظ سے کچھہ پتہ نہیں لگتا کہ کب اور کس جگہ تجارت وغیرہ کرنے میں گناہ نہیں ہے ہاں قرآن کریم کے سیاق وسباق سے ظاہر ہوتا ہے کہ حج کے دنوں میں ایسا کرنا کوئی گناہ نہیں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے اصل میں یہہ مسئلہ بتایا کہ مواسم حج میں ایسی تجارت اگر کرلی جائے تو اللہ تعالی فرماتا ہے کہ کوئی گناہ کی بات نہیں ہے۔ سننے والوں نے سمجھ لیا کہ یہہ بھی کوئی قرأت ہے اور سبعہ احرف میں داخل ہے۔

خلاصہ یہہ ہے کہ سبعہ احرف سے مراد صرف اختلاف لب ولہجہ ہے اور بس کوئی ایسی قرأت جو لفظاً یا معناً اصلی الفاظ قرآن مجید سے (جو لوح محفوظ میں مکتوب ومسطور ہے اور پھر جسکے موافق پاک نقل نویس فرشتوں نے نقل کی اور پھر جسکے موافق جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رسول اللہ صلے اللہ

علیہ وسلم کو تعلیم کی اور ان سے دور کرتے تھے اور پھر جسکے موافق رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا کسی قسم کی بھی مغایرت رکھتی ہو یا اس سے کچھ کم ہو یا اس سے کچھ زیادہ ہو یا اسی قسم کر اور بعض بعض امور ہوں تو وہ یقیناً اور قطعاً مردود اور نامقبول ہیں قرآن کریم خود ایسی باتوں کو رد کر رہا ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے اور اگر کچھ کسی نے لکھا ہے جیسا کہ ہمنے اوپر بیان کر دیا ہے تو وہ صحیح نہیں ہے اور اگر کوئی قول صحیح بھی سمجھا جاوے تو اسکا وہ مطلب ہو ہی نہیں سکتا جو بعض لوگوں نے سمجھ کر قرآن کریم کی پاکی کیطرف توجہ نہیں کی۔ سوائے اختلاف لب ولہجہ کے کچھ بھی نہیں ہے اور سبعہ احرف کے یہی معنے ہیں اور بس انصاف کرو اور عقل سے کام لو کہ عمر اور ہشام رضی اللہ تعالے عنہ اور عبداللہ اور دیگر صحابی رضی اللہ تعالی عنہ کی قرأتوں میں اگر لفظی یا معنوی اختلاف یا کسی لفظ کی کمی یا بیشی کا اختلاف ہوتا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرما سکتے تھے کہ تم دو تو ٹھیک ہو ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ یہہ صرف مخارج کے ادا کرنیکی بات تھی اور لب ولہجہ لوگوں کا ایک تھا ہی نہیں سکتا۔

ہم اپنے ملک کو دیکھتے ہیں تو یہی اختلاف پاتے ہیں مثلاً قاف قرشت اور کاف کلمن ہیں اور حاء حطی اور ھا ہوز ہیں اور طا معجمہ اور تاء مثناۃ فوقانیہ ہیں اور صاد اور سین ہر دو مہملہ ہیں اور ثاء مثلثہ اور سین مہملہ ہیں اور عین مہملہ اور ہمزہ ہیں اور ضاد معجمہ اور ظاء معجمہ ہیں فرق کرنا ہر ایک شخص کا کام نہیں ہے۔ اور یہہ اختلاف قیام قیامت تک برابر جاری رہیگا مگر صرف تقریرات میں نہ کہ تحریرات میں یعنے بول چال میں تو یہہ اختلاف ضرور رہیگا البتہ تحریر ایک ہی ہوگی اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف صرف ایک ہی حرف پر تحریر کروایا وہ تو بدل نہیں سکتا ہاں پڑھنے والوں کا لب ولہجہ چونکہ ایک نہیں ہو سکتا اسواسطے لب ولہجہ میں اختلاف ضرور ضرور ہر انسان ہر آن ہر زبان ہر زمان اور ہر مکان میں ہوتا چلا آیا ہے اور ہوتا چلا جاویگا اللہ تعالے نے بھی لوگوں کی سہولت اور آسانی کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اجازت فرمائی کہ جس لب ولہجہ پر کوئی شخص آرام سے پڑھ سکتا ہے پڑھا پڑھے اسکو اس کی وسعت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دی جا سکتی ۔ اب ہم زیادہ توضیح کے لئے سورۃ فرقان کے بعض الفاظ کو جنکا تلفظ کئی طرح پر قراءۃ میں کیا گیا ہے بیان کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ اسی قسم کا اختلاف سبعہ احرف میں داخل ہے اور بس۔ مگر واضح رہے کہ یہہ الفاظ جو مثال کے طور پر لکھے جانے لگے ہیں ایسے نہیں ہیں کہ ان کو قطعی اور یقینی طور پر باسناد صحیح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تک پہونچا سکیں یہہ امثلہ صرف قراء کی قرأتوں سے لی گئی ہیں اور جن سے احتمال ہے کہ عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو جو ہشام رضی اللہ تعالی عنہ کی قرأت سنکر جوش پیدا ہوا تھا۔ وہ بھی اسطرح کی ہونگی۔

نمبر شمار	نمبر رکوع سورۃ فرقان	نمبر آیت ربع	اصلی لفظ جو حرف واحد پر نازل ہوا اور لکھوایا گیا	الفاظ جو ان کی جگہ اختلاف لغت کی سبب پڑھے گئے۔
۱	۱	۵	بکرۃ واصیلا	بکرۃ واصیلا باسکان ہمزہ
۲	۲	۷	فی الاسواق	فی الاسواق بہ تشدید لام واسکان ہمزہ یعنی فِلّسْوَاق
۳	۲	۱	تحتہا الانہار	تحتہا الانہار بہ تشدید لام واسکان ہمزہ یعنے تحتہلّنہار
۴	۲	۸	ءانتم اضللتم ۔ بہ تحقیق الہمزتین	ءانتم اضللتم بابدال الثانیۃ الفا وتسہیلہا وادخال الالف بین المسہلۃ والاخرے وترکہ۔
۵	۳	۲۹	اذجاءنی	اذجآنی بمدالجیم وتشدید النون وحذف الہمزۃ قبل النون
۶	۳	۲۱	لکل نبی بہ تشدید الیاء	نبیٍٔ ۔ بہ تخفیف الیاء والہمزۃ بعدہا۔
۷	۳	۱۲	فؤادک بالہمزہ بعد الفاء	فوادک بالواو بعد الفاء
۸	۴	۲	بآیاتنا بالہمزۃ بعد الباء	بیایاتنا بالیاء بعد الباء
۹	۴	۹	أرأیت ۔ بہ تحقیق الہمزۃ بعد الراء	اریت بحذف الہمزۃ بعد الراء
۱۰	۵	۱۳	شاءان بہ تحقیق الہمزتین	شآن بحذف الہمزۃ الاولے

غرضکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں جو جھگڑا ہوا تو اسی قسم کے لب ولہجہ کے اختلاف پر ہی یقیناً یقیناً ہوا تھا نہ کہ کسی اور قسم کے اختلاف کا کیونکہ ہم تحقیقی اور قطعی اور یقینی طور پر کہتے ہیں کہ بس اسی قسم کے لب ولہجہ کے اختلاف پر عمرؓ ہشامؓ کو اور عبداللہ رضؓ کسی دوسرے صحابی کو رسول اللہ صلعم

کے پاس سے گئے تھے۔ الحمد للہ الّذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ ۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب ۔

ہم نے پہلے لکھا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اترتی تھی تو رسول اللہ صلعم کو پتہ لگتا تھا کہ اب کوئی نئی سورت اترنے لگی ہے جیسا کہ ابو داؤد میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اسوقت تک یہہ پتہ نہیں لگا کرتا تھا کہ یہہ کوئی الگ سورت ہے جب تک آپ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ اترا کرتی تھی"۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یعرف فصل السورۃ حتی تنزل علیہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب من جھر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ (سنن ابو داؤد)

اس سے ظاہر ہے کہ ہر ایک سورت کے پہلے جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے وہ سب کی سب منزل من اللہ ہے اور جب وہ سورت جس کے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اترتی تو اسکے ساتھ ہی یہہ بھی اترتی تھی پس بمنزلہ عین الیقین بل بدرجہ حق الیقین ہر ایک بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جو ہر سورت کے شروع میں لگی ہوئی ہے منزل من اللہ ہے اور ہر سورت کی پہلی پہلی آیت ہے اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے تعلیم جبرئیل کے موافق اسکو ہر سورت کے ابتداء میں لکھوایا اگر کوئی سوال کرے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورت براءت جسکو سورۃ التوبہ بھی کہتے ہیں اسکے شروع میں کیوں نہیں لکھتے تو اسکا جواب یہہ ہے کہ اصل میں یہہ کوئی الگ سورت نہیں ہے یہہ سورۃ انفال کا ٹکڑا ہے جس طرح قرآن شریف کی اور سب سورتیں نجماً نجماً اترتی رہی ہیں یہہ بھی اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اترتی رہی ہے۔ براءۃ من اللہ ورسولہ سے لیکر اخیر تک یکدم اتری تھی اس سے پہلے اور اس سے پچھلے مضامین سورۃ انفال سب ایک دوسری کے ساتھ ملتی ہیں ملتی کیا ہیں ہے ہی ایک مسلسل مضمون۔ پہلے حصہ میں جہاد اور جہاد کی ترغیب اور معاہدوں کا کرنا اور فریق ثانی کی طرف سے خیانت اور بے ایمانی اور دغا کو ظہور کا بیان ہے پھر معاہدوں کا فسخ ہو جانا اور مکہ کے مشرکین کی بے ایمانیاں اور شرارتوں کا ذکر کرنا اور ان کو اسلام کے غلبے اور اس کی فتح اور نصرت کی پیشگوئی سنانا اور مسلمانوں کو حوصلہ اور صبر اور خدا کی راہ میں مال خرچ کرنا وغیرہ وغیرہ بیان کیا گیا ہے اسی کی تائید اور تصدیق اور توضیح کے لئے پچھلی آیات بھی ہیں جو براءۃ من اللہ ورسولہ سے شروع ہو کر اخیر سورت تک نازل ہوئی ہیں ان میں بھی یہی ہے پہلے حصہ میں حکم تھا واما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیھم علی سواء ان اللہ لا یحب الخائنین ۵ (پ۱۰ ع۳) یعنے اے نبی اگر تجھے کسی قوم کی طرف سے دغا کا اندیشہ ہو تو مساوات کو ملحوظ رکھکر ان کا معاہدہ الٹا انہیں کی طرف پھینک دو کیونکہ اللہ تعالیٰ دغا بازوں کو دوست نہیں رکھتا"۔ اور اس دوسرے حصہ میں صاف حکم دیدیا گیا کہ تم ان بدعہد مشرکین سے کوئی واسطہ نہ رکھو چنانچہ یہہ مضمون مسلسل کئی رکوعوں میں چلا جاتا ہے۔ دل تو چاہتا ہے کہ ہم یہاں پوری سورت لکھدیں یعنے انفال کا پہلا حصہ بھی اور یہہ دوسرا حصہ بھی جو لوگوں میں سورت توبہ کے نام سے مشہور ہے اور دونو حصوں کے کلمے کلمے اور آیت آیت کی مطابقت اور موافقت اور مشابہت اور مناسبت بیان کریں مگر طوالت اور ملالت ناظرین کے خوف سے صرف بعض آیات کے خلاصہ پر اکتفا کرتے ہیں انشاءاللہ تعالیٰ۔ اس سورت کی تفسیر میں دونو حصوں کے کلمات اور آیات کی پوری پوری مشابہت اور موافقت اور مناسبت اور مطابقت بیان کی جاویگی اور انشاءاللہ تعالیٰ اظہر من الشمس ہو جاویگا کہ دونو حصے بالکل ایک ہی سورت ہیں بوجہ من الوجوہ جدا جدا سورتیں نہیں ہیں۔ سو واضح ہو کہ اس پچھلے حصہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے براءۃ من اللہ ورسولہ الایہ یعنے جن مشرکوں کے ساتھ تمہارا معاہدہ تھا اب اللہ اور اسکے رسول کی طرف سے اُن کو صاف جواب ہے۔۔۔ حج اکبر کے دن منادی کی جاتی ہے کہ اللہ اور اُسکا رسول مشرکوں سے دست بردار ہیں۔۔۔ جب امن وامان اور ادب کے مہینے گزر جاویں تو پھر ان بدعہد مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو گرفتار کرو اُن کا محاصرہ کرو اور ہر گھات کی جگہ ان کی تاک میں بیٹھو اور جب تک وہ سیدھے نہ ہو جاویں اور صاف صاف تمہاری اطاعت نہ کریں جسکا نشان یہہ ہے کہ وہ کفر کو چھوڑ کر اسلام قبول کرلیں اور ظاہری اعمال بجا لاویں یعنے نماز زکوٰۃ ادا کریں تو پھر وہ تمہارے بھائی ہیں اُن سے تعرض نہ کرو وغیرہ وغیرہ۔

غرضکہ براءۃ من اللہ سے پہلی ساری سورت اور براءۃ من اللہ سے لیکر اگلی ساری سورت بالکل ایک ہی ہیں اُن کے مضمون میں سر مو فرق اور تفاوت نہیں ہے پس ضرور تھا کہ براءۃ من اللہ ورسولہ کے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ لکھی جاوے۔ اب ہم ظاہر کرتے ہیں کہ بعض لوگ جو اسکو الگ مستقل سورت سمجھتے ہیں اور باوجود اسکے کہ اس کو مستقل سورت سمجھتے ہیں اور پھر اسکے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی نہیں لکھتے تو اسکی کیا وجہ ہے اور حکم دیا کہ واذان من اللہ ورسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر ان اللہ بری من المشرکین ورسولہ (پ۱۰ ع۶) یعنے حج اکبر کے دن اللہ اور اسکے رسول کی طرف سے لوگوں کو آگاہ کرنے کے لئے عام طور پر منادی کی جاتی ہے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے دست بردار ہیں۔۔

اصل بات یہہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالے عنہ کو مسلمان حاجیوں کا امیر مقرر کر کے اُن کو حج کرانے کی غرض سے مکہ معظمہ میں روانہ فرمایا جب وہ کچھہ سفر طے کر چکے تو ان کے پیچھے علی المرتضے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روانہ فرمایا اور ان کو براءت کی آیات لکھہ کر دیدیں وہ ان کو رستہ میں مل گئے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی یہہ تحریر اُن کے حوالہ کی۔ انہوں نے اسکے مطابق لوگوں میں عام طور پر منادی کروا دی جنتے کہ خود علی المرتضے رضا بھی منادی کرنے والوں میں تھے۔ یہہ قصہ بخاری، ترمذی اور نسائی۔ دارمی وغیرہ وغیرہ کتب حدیث میں مختصر و مطولاً درج ہے اور فتح الباری میں اور بہت سی کتابوں کا حوالہ ہے مگر ہم بخاری سے اس کے اصل قصہ کو اور اسکے اجمال کی تفصیل مطلوبہ کو ترمذی سے نقل کرتے ہیں سو بخاری میں ہے۔

ان ابا ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال بعثنی ابوبکر فی تلک الحجۃ فی مؤذنین بعثھم یوم النحر یؤذنون بمنی ان لا یحج بعد العام مشرک ولا یطوف بالبیت عریان قال حمید بن عبد الرحمٰن ثم اردف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بعلی بن ابی طالب وامرہ ان یؤذن ببراءۃ قال ابوھریرۃ رضہ فاذن معنا علی یوم النحر فی اھل منی ببراءۃ وان لا یحج بعد العام مشرک ولا یطوف بالبیت عریان (بخاری کتاب التفسیر سورۃ براءۃ باب قولہ فسیحوا فی الارض الآیۃ۔

"ابوہریرۃ رضی اللہ تعالے تعالی عنہ سے مروی ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے اُس حج میں (جس میں اُن کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حاجیوں کا امیر مقرر کر کے حج کرانے کی غرض سے مکہ میں بھیجا تھا جیسا کہ اور احادیث سے ثابت ہے) ان منادی کرنے والوں کے ساتھ جنکو انہوں نے قربانیوں کے روز منی پر بھیجا تھا مجھے بھی بھیجدیا اور منادی کرنے والے منادی یہہ کرتے تھے کہ اس سال کے پیچھے کوئی مشرک نہ تو بیت اللہ شریف کا حج ہی کرے اور نہ اسکا طواف۔ حمید بن عبد الرحمٰن (جنہنے اوپر کا قصہ ابوہریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ سے سنا تھا اور یہہ تکڑہ کسی اور سے کہتے ہیں) کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ کو ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کے پیچھے پیچھے روانہ فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ وہ براءۃ (کی آیات جو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی روانگی کے پیچھے نازل ہوئی تھیں لیکر جاویں اور اس کی منادی کریں۔ پھر یہہ اگلا قصہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ قربانیوں کے روز ہمارے ساتھہ علی المرتضے رضی اللہ تعالے عنہ نے بھی منی پر منی والوں میں براءۃ کی آیات کی منادی بھی کی اور نیز یہہ کہ اس سال کے پیچھے کوئی مشرک نہ تو حج ہی کرے اور نہ بیت اللہ شریف کا ننگے ہو کر طواف کرے

حدیث ترمذی میں اس بات کی تصریح ہے کہ علی المرتضے رضی اللہ تعالی عنہ آیات براءۃ کو صرف زبانی طور پر حفظ کر کے نہیں گئے تھے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو یہہ آیات لکھا کر دی تھیں۔ کچھہ قصہ ذکر کرنے کے بعد پھر ترمذی میں ہے کہ پھر ان کے پیچھے علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہ کو فرمایا۔

ثم اتبعہ علیا فبینا ابوبکر فی بعض الطریق اذ سمع رغاء ناقۃ رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم القصوی فخرج ابوبکر فزعا فظن انہ رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم فاذا علی فدفع الیہ کتاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الحدیث (ترمذی کتاب التفسیر سورۃ التوبۃ)

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ ابھی رستہ میں ہی تھے کہ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سانڈنی قصوی کی آواز سنی اور گھبرا کر آپ نکل کھڑے ہوئے اور گمان کیا کہ سانڈنی سوار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں مگر دیکھا تو علی مرتضے رضی اللہ تعالی عنہ تھے آپنے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تحریر ان کے حوالہ کی"

اسی طرح اور بہت سی احادیث سے اس قصہ کی صراحت معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے براءت کی آیات لکھہ کر علی المرتضے رضی اللہ تعالے عنہ کو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے پیچھے روانہ فرمایا اب صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کوئی تحریر بسم اللہ سے خالی نہ ہوتی تھی جنتے کہ کفار کو بھی لکھتے تھے تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ضرور لکھتے اور ایسا لکھتے کیوں نہ؟ کل انبیاء کا یہی حال ہے کیونکہ تعلیم ربانی سب نبیوں کے لئے ایک ہی ہے اللہ تعالے قرآن مجید میں سلیمان علیہ السلام کی حکایت نقل کرتا ہے کہ انہوں نے جو خط ملکہ سبا کے نام لکھا تو وہ یہہ تھا بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم الا تعلوا علی واتونی مسلمین پ ۱۹

ع ۱۷) خود پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم مطابق تعلیم ربانی فرمایا کرتے تھے کل امر ذی بال لم یبدء ببسم اللّٰہ فھو ابتر آپ جسقدر تحریرات کروایا کرتے تھے وہ مطابق تعلیم ربانی کرایا کرتے تھے لیکن ہر کتابت کے پہلے بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم لکھوایا کرتے تھے چنانچہ آپنے ہرقل کو خط لکھا تو اس میں بھی بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم لکھی تھی۔ جیسا کہ بخاری کے شروع میں ہی باب بدء الوحی میں منقول ہے کہ آپنے دحیہ رضہ کے ہاتھہ ہرقل کو خط بھیجا جب ہرقل نے خط کو دیکھا تو اسمیں لکھا تھا بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم من محمد عبد اللّٰہ ورسولہ الی ھرقل عظیم الروم الحدیث۔

غرض کہ اسی تعلیم ربانی کے موافق رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے علی المرتضےٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو جو یہہ آیات لکھ کر دیں تو ان کے پہلے یقیناً یقیناً بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھوائی اور ضرور ضرور اس قرآن شریف میں جو آپ کاتبان وحی سے لکھواتے تھے براءۃ من اللہ و رسولہ سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں لکھوائی اور کیوں لکھواتے اگر کوئی سورت الگ ہوتی تو خود جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام تعلیم کرتے اور پھر اس تعلیم کے موافق بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی جاتی اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس جب علیحدہ طور پر صرف یہی آیات لکھ کر بھیجیں تو پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ آپ تعلیم ربانی کے خلاف کر سکتے یعنے سوائے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے کس طرح آپ آیات براءت یوں لکھوا کر بھیج دیتے پس یہی نکتہ ہے جسنے اس نکتہ کو سمجھ لیا وہ خواہ مخواہ بھی سمجھ لیگا کہ براءۃ من اللہ و رسولہ سے لیکر اخیر تک کوئی الگ سورت نہیں ہے اور نہ اصلی قرآن شریف میں جو لوح محفوظ میں ہے اس کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے اور نہ نقلنویس فرشتوں نے اس کی نقل کی اور نہ جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو تعلیم فرمائی کہ آپ یہاں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھیں اور نہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود کبھی یہاں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی ورنہ کبھی کسی کو پڑہائی اور نہ کاتبان وحی سے تحریر کرائی یہہ ایسی باتیں ہیں کہ قیام قیامت تک کوئی شخص انکو ثابت نہ کر سکیگا۔ فللہ الحمد کیونکہ اگر لوح محفوظ میں اس جگہ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی ہوتی تو نقلنویس فرشتوں کی مجال نہ تھی کہ وہ اس کو نقل نہ کرتے اور روح الامین یعنے جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طاقت نہ تھی کہ وہ امانت ربانی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بعینہٖ نہ پہونچاتے اور پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اختیار نہ تھا کہ وہ آپ بھی نہ پڑھتے اور اوروں کو بھی نہ پڑہاتے اور کاتبان وحی سے تحریر نہ کرواتے غرضکہ حقیقت یہی ہے کہ یہہ سورت کوئی جدا سورت نہیں ہے اور اسکے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم کا ہونا بہی نا ممکن ہے جسقدر وہم یا مغالطہ لوگوں کو ہوئے ہیں ضرور ضرور اسی تحریر سے ہوئے ہیں جو علی المرتضےٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو لکھ کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی تھی کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس لیجاویں اور چونکہ اس تحریر میں بسم اللہ الرحمن الرحیم موجود تھی اور اس قرآن شریف میں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کاتبان وحی سے لکھوایا ہوا تھا اس جگہ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم موجود نہ تھی اسواسطے خواہ مخواہ بھی یہہ بات موجب اختلاف ہوگئی مگر یہہ یاد رہے کہ یہہ اختلاف صرف زبانی جمع خرچ ہی ہے اور بس اب تک کسی فرد بشر کو طاقت نہیں ہوئی کہ عملی طور پر بھی اس اختلاف کو عمل میں لاوے نہ تو اب تک قرآن شریف میں کسی نے بسم اللہ الرحمن الرحیم اس جگہ پر لکھی ہے اور نہ کوئی اب تک بسم اللہ الرحمن الرحیم اس جگہ پر پڑھتا ہے اور نہ ایسا کرنے کی اب تک کسی کو جرأت ہوئی ہے غرضکہ اللہ تعالےٰ کا یہہ وعدہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون یعنے ہمنے ہی اس قرآن شریف کو اتارا ہے اور ہم ہی اسکے نگہبان اور رکھوالے ہیں برابر اب تک پورا ہوتا چلا آیا ہے اور قیام قیامت تک ضرور ضرور پورا ہوتا چلا جاویگا اور مسلمانوں کا اس جگہ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم کا کبھی بھی نہ پڑھنا اور کبھی بھی نہ لکھنا بلکہ ایسا کرنے کی کبھی جرأت بھی نہ کرنا ایک ایسی بات ہے جو حجۃ اللہ بالغہ اور برہان قاطع اور دلیل ساطع اس امر کی ہے کہ براءۃ من اللہ و رسولہ سے لیکر اخیر تک جسقدر آیات ہیں وہ سب کی سب سورت انفال میں داخل ہیں اور کسی طرح پر بھی انفال سے جدا نہیں ہو سکتیں اور نیز اس امر کی کہ اللہ تعالےٰ اپنے وعدے کو آپ اپنی حکمت اور قدرت سے پورا کر رہا ہے۔ والحمد للہ علیٰ ذالک

پس اب تو وہم کے سوچ سے بھی زیادہ روشن ہوگیا کہ قرآن شریف کی جملہ سورتوں کی پہلی پہلی آیت بسم اللہ الرحمن الرحیم ہی ہے اور بس۔ قرآن مجید کی کل سورتیں تعداد میں ایک سو تیرہ ہیں اور ہر ایک کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی موجود ہے اور اسکو روئے زمین کے جملہ مسلمان پڑھتے بھی ہیں جن لوگوں نے تعداد ایک سو چودہ مقرر کی ہے وہ براءت ایک الگ اور مستقل سورت سمجھ کر ایکسو چودہ سورتیں بناتے ہیں مگر چونکہ اوپر تحقیق ہو چکی ہے کہ درحقیقت براءت کوئی الگ سورت نہیں ہے بلکہ صرف انفال کا پچھلا حصہ ہے تو اب کوئی ضرورت نہ رہی کہ ہم ایکسو چودہ سورتیں لکھیں اور پھر براءت کو سورت بھی کہیں اور اسکے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو چپٹ کر جاویں جو باقی کی تمام سورتوں کے خلاف ہے۔

جب یہہ ثابت ہو چکا کہ ہر ایک سورت کی پہلی آیت بسم اللہ الرحمن الرحیم چاہئے جو اس سورت کے ساتھ ہی اترا کرتی تھی تو اب بطریق اولیٰ ثابت ہوگیا کہ سورۃ فاتحہ کی پہلی آیت بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم ہی ہے اور سورۃ فاتحہ کی باقی چھ آیتوں کی طرح یہہ بھی منزل من اللہ ہے اور چونکہ اسکا نام سبعاً من المثانی بھی ہے جیسا کہ خود قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے اور جس کی تشریح پہلے ہو چکی ہے اور جس کے معنے ہیں کہ "وہ ایسی سات آیات جو بار بار پڑھی جاتی ہیں" اسواسطے یہی ضروری ہوا کہ ہم دیکھیں کہ وہ سات آیات کون کونسی ہیں اگر بسم اللہ الرحمن الرحیم کو شمار نہ کریں تو پیچھے چھ آیات رہ جاتی ہیں غرضکہ بہر حال بسم اللہ الرحمن الرحیم سورۃ فاتحہ کی پہلی آیت بنتی ہے اور بس۔ اگر کوئی شخص قرآن شریف کی آیات کی قافیہ بندی کو بھی دیکھے تو وہ بھی ایک عام اصول قائم کر سکتا ہے کہ وہ کوئی آیت نہیں ہے جسکا قافیہ اپنے سے

پہلی یا پچھلی آیت کے ساتھ نہ ملتا ہو۔ سورۂ فاتحہ کی ہر آیت کا قافیہ ان حروف پر ہے جن میں سے پہلا حرف مکسورہ ہے اور دوسرا حرف یائے مثناۃ ساکنہ اور نیز حرف متحرک ہے جس پر وقف کیا جاتا ہے۔ مثلاً بسم اللہ الرحمن الرحیم کا قافیہ حیم پر اور الحمد للہ رب العلمین کا مین پر اور الرحمن الرحیم کا حیم پر اور ملک یوم الدین کا دین پر اور ایاک نعبد وایاک نستعین کا عین پر اور اھدنا الصراط المستقیم کا قیم پر اور صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کا لین پر سو حیم۔ مین۔ حیم۔ دین۔ عین۔ قیم۔ لین۔ یہہ سات قافیے ہیں اگر کوئی انعمت علیہم پر آیت کے ختم ہوجانے کا وہم وخیال کرے تو یہہ محض عدم تفکر کا نتیجہ ہوگا کیونکہ انعمت علیہم میں ھم پر آیت کے ختم ہونے سے اس کو اپنی ماقبل ومابعد کے قوافی کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رہتی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

غرضکہ من کل الوجوہ معقولی اور منقولی طور پر محقق اور مدلل طور پر ثابت ہوچکا ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت ہے اور ایسا ہی قرآن شریف کی باقی تمام سورتوں کی بھی پہلی پہلی آیت ہے اب ہم اس کی تفسیر شروع کرتے ہیں بفضلہ وحولہ وعونہ تعالےٰ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ شروع اللہ کے نام سے جو جملہ مخلوقات پر اپنی عام بخشش کرتا رہتا ہے اور جو اپنے فرمانبردار بندوں پر کامل رحمت کرتا رہتا ہے۔ اللہ اس ذات پاک کا نام ہے جو ازلی ابدی واجب الوجود جامع جمیع صفات کمال ہے جو تمام عیبوں سے منزہ اور جملہ نقصانوں سے مقدس ہے جو خالق اور رب ہے جملہ مخلوقات کا۔ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کا نام اللہ تعالےٰ نے القرآن العظیم رکھا ہے اور ہم اشارہ کر آئے ہیں کہ اسکا پورا پورا ثبوت تفسیر کرتے وقت دیا جائیگا۔ سو جاننا چاہئے جیساکہ پہلے بھی بیان ہوچکا ہے کہ سارے نبیوں اور سارے دینوں اور ساری کتابوں اور سارے قرآن شریف کی تعلیمات کا مدار صرف یہی ہے کہ فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔ یعنے تم اپنی اس فطرت کو نگاہ رکھو جس پر اللہ تعالےٰ نے جملہ معشر الانس والجن کو پیدا کر رکھا ہے اللہ تعالےٰ کی پیدا کردہ شدہ حالت میں تغیر و تبدیل کرنا ہرگز ہرگز درست اور جائز نہیں ہے اور یہی وہ کامل جمیع صفات والا دین ہے جو براہ راست جنت کو لے جاتا ہے۔ اور ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ فطرت کی تین قوتیں ہیں۔ قوت ملکی۔ قوت بہیمی۔ اور قوت سبعی۔ اور یہہ بھی پہلے بتا چکے ہیں کہ ہر ایک قسم کے لئے دو دو قسم کی تعلیم موجود ہے یعنے ایک تو وہ تعلیم کہ جسکے کرنے سے اعتدال قائم رہے اور اسکی درست اور جائز اور ٹھیک تربیت ہووے اور دوسری وہ قسم جو ایسی باتوں کو روکے جو فطرت کی جائز تربیت کے سدراہ ہوں اور اسکے لئے مفاسد اور مہالک کا دروازہ کھولیں یعنے افراط وتفریط پیدا کردیں اور یہہ بھی بتا چکے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے جو فاطر فطرت ہے یہہ بھی ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم ہر ایک قوت کی حق شناسی اور حق رسانی کریں جو علم اور عدل کا خاصہ ہے پس بسم اللہ الرحمن الرحیم میں ہم کو یہہ تعلیم بیان فرمائی ہے کہ جو کام شروع کریں اسکے شروع کرنے سے پہلے اپنی قوتوں کو اعتدال پر رکھنے کا خیال کرلیا کریں سو اسکی بابت ہم کو ارشاد ہوا کہ تم سب سے پہلے اللہ کا نام لو۔ اور چونکہ قوت ملکی اپنے شان اور اپنے رتبے کے لحاظ سے سب قوتوں سے اعلےٰ اور ارفع اور اشرف اور افضل ہے۔ کما قال اللہ تعالےٰ۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون الایۃ۔ یعنے جملہ جنوں اور انسانوں کو اسی ارادہ سے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کرتے رہیں کیونکہ عبادت محض اسیکا ہی خاصہ ہے اسواسطے اسکے اعتدال کی مناسبت کے لئے سب سے پہلے اللہ کا لفظ بولا گیا ہے جو جامع جمیع صفات کمال ہے جس میں ارشاد ہے کہ اے معشر الانس والجن اتم اللہ تعالےٰ کی ذات کی قدر کرنا اور اس کی جمیع صفات کمال کا علم حاصل کرنا اور اسی ذات پاک کے ساتھ ہی ان جملہ صفات کو مختص کردینا ایسا کرتے رہوگے تو تمہاری قوت ملکی اعتدال پر قائم رہے گی اور افراط وتفریط کی طرف نہ جھکنے پائیگی۔ اس کے بعد الرحمن کا لفظ فرمایا جسکے معنے ہیں اپنی جملہ مخلوقات پر بخشش کرنے والا۔ مخلوقات کی انتہا اور احصا کا پتہ اس کے سوائے کسی کو نہیں ہے اور اس کی رحمانیت اور عام بخشش ہر مخلوق کے شامل حال ہے اور چونکہ قوت بہیمی کے لوازمات جو خاص تربیت جسمانی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں مثلاً کھانا پینا جماع کرنا وغیرہ وغیرہ من الشہوات النفسانیہ بکثرت ہیں اسواسطے اس لفظ کے ارشاد سے یہہ تعلیم فرمائی کہ اے معشر الانس والجن تم اللہ تعالےٰ کی رحمانیت یعنی عام اور بکثرت بخشش کی قدر کرنا اور جتنے اس رحمان کی عطا کی ہوئی بخششوں کی قدر شناسی کرنا اور انہیں کے مطابق ان بخششوں کی حق شناسی کرنا یعنے ان کو اپنے محل پر برتنا اور اس رحمان کی تعلیم کے مطابق اپنی قوت بہیمی کی تربیت کرنا اور ایسا کروگے تو تمہاری بہیمی قوت اعتدال پر قائم رہے گی اور افراط وتفریط کے آسیب سے محفوظ اور چونکہ قوت بہیمی کا کام کل پل اور دم بدم جاری رہتا ہے اور قوت سبعی کا کام گاہ بگاہ ہوتا ہے اسواسطے قوت بہیمی کو اعتدال پر رکھنے کی تعلیم کو قوت سبعی کو اعتدال پر رکھنے کی تعلیم سے مقدم بیان فرمایا ہے یعنی الرحمن کو پہلے اور الرحیم کو پیچھے۔ اور لفظ الرحیم میں جسکے معنے ہیں کامل مہربانی کرنے والا صرف انہیں لوگوں پر جو اسکے فرمانبردار ہیں خاصکر تعلیم ہے قوت سبعی کو اعتدال پر رکھنے کی کیونکہ رحمت یعنی مہربانی ضد ہے غیظ وغضب کی کما قال اللہ تعالےٰ

فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظا غلیظ القلب لا نفضوا من حولک الایۃ۔ اور غضب اور اسکے لوازمات خاصہ سبعی ہیں اور چونکہ بہیمی تربیت میں جہاں تہاں ہر حیوان وانسان میں خواہ مخواہ بھی ضرور ضرور قوت سبعی غلبہ کرتی رہتی ہے اور اسکے غلبہ اور جوش کے سبب سے ہی قوت بہیمی اور قوت ملکی کا اعتدال جاتا رہتا ہے اسواسطے الرحیم کے لفظ سے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ خواہ انسان ہو خواہ جن قوت سبعی کے غلبہ اور جوش کو دور کر کے رحمت کو اختیار کرو تاکہ تمہاری قوت سبعی اپنے حال پر قائم اور غلبہ اور جوش سے محفوظ رہے اور پھر اسکے سبب سے قوت بہیمی اور قوت ملکی بھی اپنے اپنے حال پر معتدل اور برابر برابر قائم رہیں پس یہی وجہ ہے کہ الرحیم کا لفظ الرحمن کے لفظ کے پیچھے بیان فرمایا ہے اور چونکہ اللہ کے جملہ اسمائے حسنٰی میں سے بالخصوص انہیں تینوں ناموں یعنی اللہ۔ الرحمن۔ الرحیم کو فطرت اللہ اور خلق اللہ کی تربیت اور اعتدال اور اصلاح اور اسلام اور حفاظت اور نگہبانی میں سب سے زیادہ دخل ہے اسواسطے بسم اللہ الرحمن الرحیم میں خاص یہی تین نام مذکور ہوئے ہیں اور چونکہ جملہ سُوَرِ قرآن شریف میں صرف فطرت اللہ وخلق اللہ کی حفاظت اور نگہبانی کی تعلیم موجود ہے اور خلاصہ کے طور پر بسم اللہ الرحمن الرحیم میں بھی اسواسطے ہر ایک سورت کی بسم اللہ الرحمن الرحیم بھی اس سورت کے ساتھ ہی منزل من اللہ ہوئی ہے تاکہ بطور صنعت براعت استہلال بسم اللہ الرحمن الرحیم پہلے ہی سے آگاہ کر دیوے کہ اس ساری سورت کا خلاصہ بالخصوص یہی ہے کہ تم فطرت اللہ وخلق اللہ یعنے قوائے ثلاثہ ملکی وبہیمی وسبعی کو اعتدال پر رکھا کرو الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ۔ ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب

اب ہم بعض مسائل متعلق بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھتے ہیں۔ سو واضح ہو کہ اوپر قطعی طور پر ثابت ہوچکا ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت ہے اور یہ بھی بیان ہوچکا ہے کہ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز درست نہیں ہوتی اور یہ بھی ثابت کیا جاچکا ہے کہ فاقرؤا ما تیسر من القران سے مراد صرف سورۂ فاتحہ ہی ہے اور بس اور اس میں متن بیانیہ ہے تبعیضیہ نہیں ہے جس کی تشریح پہلے مفصل ہوچکی ہے[†]۔ تو اب بدرجہ حق الیقین ثابت ہوگیا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم جہری نمازوں میں بلند اور سری نمازوں میں خفیہ پڑھی جاوے غرضکہ جو حال سورۂ فاتحہ کی باقی چھ آیات کا ہے وہی اس آیت یعنے بسم اللہ الرحمن الرحیم کا ہے اور اسی طرح باقی قرآن شریف کی جملہ سورتوں کی بسم اللہ الرحمن الرحیم کا حال وہی ہوگا جو فاتحۃ الکتاب کی بسم اللہ کا حال ہے اور بس کیونکہ پہلے بخوبی ثابت ہوچکا ہے کہ ہر سورت کے ساتھ اس کی بسم اللہ بھی اترا کرتی تھی مفسر ربانی حکیم حقانی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی صحیح طور پر ثابت ہے جیسا کہ بروایت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے "کہ رسول اللہ صلے اللہ

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسکت بین التکبیر وبین القراءۃ اسکاتۃ قال احسبہ قال ھنیئۃ فقلت بابی وامی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسکاتک بین التکبیر والقراءۃ ما تقول قال اقول اللھم باعد بینی وبین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب اللھم نقنی من الخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس اللھم اغسل خطایای بالماء والثلج والبرد (بخاری باب ما یقول بعد التکبیر)

علیہ وسلم تکبیر اور قراۃ کے درمیان چپ رہا کرتے تھے یعنی خفیہ طور پر کچھ پڑھا کرتے تھے اور اس میں کوئی زیادہ دیر نہیں لگایا کرتے تھے۔ پس میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میری ماں اور باپ آپ پر قربان ہوں تکبیر اور قرأت کے درمیان جو آپ چپ رہتے ہیں اس میں آپ کیا پڑھتے ہیں فرمایا میں یہ دعا پڑھتا ہوں اللھم باعد بینی وبین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب اللھم نقنی من الخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس اللھم اغسل خطایای بالماء والثلج والبرد"

† متن بیانیہ کے متعلق زیادہ تشریح کی تو چنداں ضرورت نہیں ہے پہلے صہ۱۳ میں اسکی تحقیق اور تفصیل کافی شافی ہوچکی ہے مگر تاہم ناظرین کے اطمینان قلب کے لئے آیات قرآنیہ بطور شہادت لکھی جاتی ہیں (۱) قالوا لن نؤثرک علی ما جاءنا من البینٰت الایہ "بولے کہ کھلے کھلے معجزے جو ہمارے پاس آئے ان پر تو ہم تجھ کو کبھی ترجیح نہیں دے سکتے"۔ (۲) فلما اعتزلھم وما یعبدون من دون اللہ (پ۱۶ ع۷) "جب ابراہیم ان بت پرستوں سے اور ان بتوں سے جنکو وہ خدا کے سوا پوجتے تھے کنارہ کشی کرلی"۔ (۳) فاجتنبوا الرجس من الاوثان (پ۱۷ ع۱۲) "پس تم گندگی یعنی بتوں سے بچتے رہو"۔ (۴) واذکروا نعمت اللہ علیکم وما انزل علیکم من الکتٰب والحکمۃ پ۲ ع۱۲ "اور اللہ نے جو تم پر احسان کئے ہیں ان کو یاد کرو اور نیز اس احسان کو بھی کہ اس نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری"۔ (۵) فاخرجنا من کان فیھا من المؤمنین (پ۲۷ ع۱) "پس ہم نے اس بستی میں سے جتنے مومن تھے سب کو (اپنے عذاب سے بچانے کی غرض سے) باہر نکال دیا"۔

اس حدیث سے صاف اظہر من الشمس ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم جہری نمازوں میں ہمیشہ بسم اللہ الرحمن الرحیم باقی کی دوسری قرأت کی طرح بآواز بلند پڑھا کرتے تھے اور اللھم باعد بینی کی طرح خفیہ طور پر پڑھا کرتے تھے یعنے یہہ کہ تکبیر کے بعد اور قرأۃ سے پہلے صرف اللھم باعد بینی ہی خفیہ طور پر پڑھا کرتے تھے اور بس اور چونکہ پہلے ثابت کیا جاچکا ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سورۃ فاتحہ کی پہلی آیت ہے اور اس کا وہی حال ہے جو اس سورت کی باقی چھ آیتوں کا ہے پس یقینی طور پر ثابت ہو گیا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جہری نمازوں میں سورۃ فاتحہ کی باقی چھ آیتوں کی طرح باواز بلند ہی پڑھا کرتے تھے خفیہ نہیں پڑھا کرتے تھے کیونکہ ابوہریرۃ رضی اللہ تعالے عنہ نے اُن دو باتوں کا نام جن کو انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانی باواز بلند سنا تھا آپ ہی سے لیا یعنے تکبیر اور قرأت اور جو آپ نہ سن سکے اس کی بابت سوال کیا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوال کے جواب میں صاف صاف کھول کر اوپر کی دعا پڑھ سنائی یعنے اللھم باعد سے لیکر والبرد تک پھر اسکے بعد آپ نے کچھ نہیں فرمایا کہ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم بھی آہستہ سے اللھم باعد کی طرح پڑھ لیا کرتا ہوں اگر آپ سے کبھی بھی اس آیت بسم اللہ الرحمن الرحیم کا خفیہ طور پر پڑھنے کا اتفاق ہوا ہوتا تو آپ پر مطابق اس آیت کے فرض تھا کہ آپ ضرور ضرور بیان فرماتے کہ میں کبھی کبھی بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بھی خفیہ پڑھ لیا کرتا ہوں۔ آیت یہہ ہے۔

یا یھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک و ان لم تفعل فما بلغت رسالتہ (پ۶ ع۱۴)

"اے رسول جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی طرف سے اترا ہے بلا کم و کاست لوگوں کو پہنچا دے اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے اپنے عہدۂ رسالت کی تبلیغ نہیں کی"

پس یقینی طور پر ثابت ہو چکا کہ یہہ حدیث صریح نص ہے اس بات پر کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جہری نمازوں میں ضرور ضرور سورۃ فاتحہ کی باقی چھ آیتوں کی طرح بسم اللہ الرحمن الرحیم کو باواز بلند پڑھا کرتے تھے اگرچہ اس حدیث کے علاوہ کسی اور حدیث کے لکھنے کی ضرورت تو باقی نہیں رہتی مگر مزید اطمینان کے لئے اب ہم صریح حدیث لکھتے ہیں۔ یعنے مجمر رضی اللہ تعالے

عن نعیم المجمر رضی اللہ تعالی عنہ قال صلیت وراء ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ فقراء بسم اللہ الرحمن الرحیم ثم قرأ بام القرآن حتے اذا بلغ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقال آمین۔ فقال الناس آمین و یقول کلما سجد اللہ اکبر واذا قام من جلوس فی الاثنتین قال اللہ اکبر واذا سلم قال والذی نفسی بیدہ انی لاشبھکم صلوۃ برسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
نسائی باب قرأۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم

عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالے عنہ کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی اور پھر قرآن کی سورت ام القرآن پڑھی حتے کہ جس وقت آپ غیر المغضوب علیھم و لا الضالین پڑھ چکے تو اسکے پیچھے کہا آمین پھر مقتدیوں نے بھی کہا آمین اور جب آپ سجدے کرتے تھے تو کہتے تھے اللہ اکبر اور جب دو رکعتوں کے بعد جلسہ سے اُٹھے تو کہا اللہ اکبر اور جب سلام پھیرا تو کہا جس ذات پاک کے ہاتھ میں میری جان ہے اسی ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم سب میں سے میری نماز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زیادہ تر مشابہت رکھتی ہے"

دارقطنی نے بھی باب وجوب قرأۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم فی الصلوۃ والجہر بہا میں اسی حدیث کو اسی سند کے ساتھ نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ ھذا صحیح و رواتہ کلھم ثقات یعنے یہہ حدیث صحیح ہے اور اسکے راوی سب کے سب ثقہ ہیں۔

اسی طرح مسلم میں یہہ حدیث ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سورت کوثر کے ساتھ اتری چنانچہ بروایت انس رضی اللہ تعالے عنہ سے مروی ہے کہ

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ قال بینا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ذات یوم بین اظھرنا اذ اغفی اغفاءۃ ثم رفع راسہ متبسمًا فقلنا ما اضحکک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انزلت علی آنفًا سورۃ فقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم انا اعطینک الکوثر فصل لربک وانحر ان شانئک ھو الابتر صحیح مسلم باب حجۃ من قال بسم اللہ الرحمن الرحیم آیۃ من اول کل سورۃ کتاب الصلوۃ

"ایک دن کا ذکر ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما تھے کہ اچانک آپ پر حالت وحی طاری ہو گئی اور ہماری طرف سے روئے گردانی کر لی پھر مسکرائے اور ہنستے ہوئے سر مبارک کو اٹھایا ہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آپ کی ہنسی کا موجب کیا ہے فرمایا مجھ پر ابھی ایک سورت نازل ہوئی ہے اور وہ یہہ ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم انا اعطینک الکوثر فصل لربک وانحر ان شانئک ھو الابتر"

اور نسائی میں باب قرأۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں یہی حدیث ہے
اس کی تائید میں ہم ذیل کا واقعہ لکھتے ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ سورۃ فاتحہ کی بسم اللہ الرحمن الرحیم تو رہی ایک طرف اگر اُس سورۃ کی بسم اللہ بھی جو فاتحہ کے بعد ہے نماز میں نہ پڑھی جاوے تو مہاجرین اور انصار ایسی نماز کو ناقص سمجھتے تھے :-

ان انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ قال صلے معاویۃ بالمدینۃ صلوٰۃ فجھر فیھا بالقرأۃ فقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم لام القرآن ولم یقرأ بھا للسورۃ التی بعدھا حتی قضی تلک القرأۃ ولم یکبر حین یھوی حتی قضی تلک الصلوٰۃ فلما سلم ناداہ من سمع ذلک من المہاجرین من کل مکان یا معاویۃ اسرقت الصلوٰۃ ام نسیت فلما صلے بعد ذلک قرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم للسورۃ التی بعد ام القرآن وکبر حین یھوی ساجدا
(مسند امام شافعی رح صفحہ ۲)

انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں معاویہ رضی اللہ تعالے نے ایک جہری نماز پڑھائی اور اس میں سورۃ فاتحہ والی بسم اللہ الرحمن الرحیم اونچی ہی پڑھی مگر اس سورت کی بسم اللہ جو فاتحہ کے بعد پڑھی اونچی نہ پڑھی حتی کہ قرأت ختم کر دی اور سجدہ کو جاتے وقت اللہ اکبر بھی نہ کہا یہانتک کہ نماز پوری کر لی جب سلام پھیر لی تو ہر جگہ سے مہاجرین سے جنہوں نے معاویہ رضی اللہ تعالے عنہ کی یہہ قرأت سنی تھی بول اٹھے لے معاویہ کیا تم نے نماز میں عمداً چوری اور خیانت کی ہے یا بھول گئے ہو پس جب دوسری نماز پڑھائی تو پھر اس سورت کی بسم اللہ بھی اونچی ہی پڑھی جو فاتحہ کے بعد پڑھی اور نیز سجدہ کو جاتے وقت اللہ اکبر بھی کہا۔ اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں۔

امیر معاویہ رضی اللہ تعالے عنہ امیر تھے امیر کے سامنے امیر کو اس طرح پر ایسی جرأت کے ساتھ کہدینا ہو نہیں سکتا تاوقتیکہ مہاجرین اور انصار کے پاس دلیل قوی اور برہان قاطع نہ ہو۔ اگر کسی شخص کے دل میں یہہ وہم یا خیال گزرے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صاحبین رضی اللہ تعالے عنہما نماز کو الحمد للہ رب العلمین سے شروع کیا کرتے تھے جیسا کہ حدیث ذیل سے ثابت ہے۔

عن انس رض ان النبی صلعم وابا بکر وعمر کانوا یفتتحون الصلوٰۃ بالحمد للہ رب العلمین (بخاری باب مایقول بعد التکبیر)

انس رضی اللہ تعالے عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالے عنہما نماز کو الحمد للہ رب العلمین سے شروع کیا کرتے تھے تو اسکا جواب یہہ ہے کہ الحمد للہ رب العلمین سورۃ فاتحہ کا ایک نام ہے جیسا کہ بخاری کی حدیث ابوسعید بن معلے سے ظاہر ہے۔ اور یہہ حدیث پہلے بھی لکھی جا چکی ہے دیکھو صفحہ ۲ اور اب پھر بسہولت ناظرین کی خاطر دوبارہ لکھدی جاتی ہے

عن ابی سعید بن المعلے قال مر بی النبی صلے اللہ علیہ وسلم وانا اصلے فدعانی فلم آتہ حتی صلیت ثم اتیت فقال ما منعک ان تاتی فقلت کنت اصلے فقال الم یقل اللہ تعالی یا ایھا الذین امنوا استجیبوا للہ وللرسول ثم قال الا اعلمک اعظم سورۃ فی القرآن قبل ان اخرج من المسجد فذھب النبی صلعم لیخرج فذکرتہ فقال الحمد للہ رب العالمین ھی السبع المثانی والقرآن العظیم الذی اوتیتہ (بخاری کتاب التفسیر باب ولقد اتینٰک سبعا من المثانی)

ابوسعید بن معلے رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے اور میں اسوقت نماز پڑھ رہا تھا آپ نے مجھے بلایا تو میں نماز پڑھ کر ہی گیا آپ نے فرمایا میرے پاس آنے سے تجھے کس چیز نے روکا میں نے عرض کی کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اسپر آپ نے فرمایا کیا اللہ تعالے نے قرآن شریف میں یہہ نہیں فرمایا کہ لے ایمان والو جب تمہیں اللہ اور اسکا رسول بلاوے تو اسکے حکم کی تعمیل فوراً کیا کرو پھر آپ نے فرمایا کیا تمہیں میں مسجد سے نکلنے سے پیشتر قرآن شریف میں سے سب سے بزرگ سورت نہ لکھاؤں اسکے بعد آپ جب مسجد سے نکلنے لگے تو میں نے آپ کو یاد دلایا تو آپ نے فرمایا کہ الحمد للہ رب العالمین یہی سورت السبع المثانی اور القرآن العظیم ہے جو مجھے عطا ہوئی ہے"

غرضکہ السبع المثانی اور القرآن العظیم اور الحمد للہ رب العلمین یہ سب اسی سورت فاتحہ کے نام ہیں اور قرآن شریف میں جو سبعا من المثانی اسکا نام آیا ہے یعنی ایسی سات آیات جو بار بار پڑھی جاتی ہیں تو وہ سات آیات پوری نہیں ہو سکتیں تاوقتیکہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ساتھ نہ ملایا جاوے جیسا کہ پہلی تشریح ہو چکی ہے پس یہہ حدیث حدیث اول یعنے انس رضی اللہ تعالے عنہ والی حدیث کی مفسر اور مبین اور مفصل ہے پس اس حدیث کے معنے اب یہہ ہوئے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالے عنہما نماز میں سب سے پہلے جو سورت پڑھنی شروع کرتے تھے وہ صرف سورۃ فاتحہ ہی ہوتی تھی جس کا دوسرا نام الحمد للہ رب العلمین بھی ہے اور اس سورۃ فاتحہ کے سوا وہ کسی سورت کو شروع میں نہ پڑھتے تھے اور چونکہ اس کی پہلی آیت بسم اللہ

الرحمٰن الرحیم ہے جیسا کہ پہلے ثابت کیا گیا ہے اسواسطے معنے یہہ ہوئے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور شیخین رضی اللہ تعالے عنہما نماز کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ساتھ شروع کیا کرتے تھے۔ اس پچھلی حدیث میں چونکہ السبع المثانی اور القرآن العظیم اور الحمد للہ رب العلمین تینوں ہی سورۃ فاتحہ کے نام ہیں اسواسطے خود یہہ حدیث قطعی طور پر ثابت کر رہی ہے کہ سورۃ فاتحہ کی پوری سات آیات ہیں جن میں سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پہلی آیت ہے کیونکہ اسکو اگر شمار نہ کریں تو پیچھے چھہ آیات رہجاتی ہیں جیسا کہ پہلے ثابت کیا جاچکا ہے۔ اسی طرح ابو داؤد کی حدیث ذیل قطعی طور پر ثابت کرتی ہے کہ الحمد للہ رب العلمین بھی سورۃ فاتحہ کا ایک نام ہے اور بس جیسا کہ اسکے اور نام مثلاً ام القرآن اور ام الکتاب اور فاتحۃ الکتاب ہیں۔ حدیث یہہ ہے:۔

عن ابی هریرة رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلعم الحمد للہ رب العلمین ام القرآن وام الکتاب والسبع المثانی۔
(ابوداؤد ابواب متعلقہ بالقرآن باب فاتحۃ الکتاب)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الحمد للہ رب العلمین ہی ہے ام القرآن اور ام الکتاب اور السبع المثانی"

غرضکہ الحمد للہ رب العالمین۔ ام القرآن۔ ام الکتاب اور السبع المثانی سب کے سب سورۃ فاتحہ کے نام ہیں اور انس رضی اللہ تعالے عنہ کی حدیث کے معنے سوائے اسکے کچھہ اور ہو ہی نہیں سکتے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ اور عمرؓ نماز کو سورۃ الحمد للہ رب العلمین سے شروع کیا کرتے تھے نہ کہ کسی اور سورت سے کیونکہ یہی الفاظ یعنے الحمد للہ رب العلمین کئی جگہ اور قرآن شریف میں آئے ہیں اول سورۃ الزمر کا ختم انہیں الفاظ پر ہے دوئم سورۃ المومن کے رکوع ہفتم میں یہی الفاظ ہیں کیا ان الفاظ سے ان سورتوں کے نام بھی السبع المثانی اور القرآن العظیم ہیں۔ نہیں نہیں اور ہرگز نہیں اور اگر کوئی شخص یہہ وہم یا خیال کرے کہ حدیث ذیل سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اگر سورۃ فاتحہ کی پہلی آیت ہوتی تو اللہ تعالے ضرور ضرور اسی طرح فرماتا کہ جب بندہ کہتا ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مگر یہاں تو اسکا نام و نشان بھی نہیں بلکہ شروع ہی ہے الحمد للہ رب العلمین سے پس بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پہلی آیت نہیں ہے۔ حدیث یہہ ہے۔

عن ابی هریرة رضی اللہ تعالی عنہ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال من صلے صلوة لم یقرأ فیہا بام القرآن فہی خداج ثلاثا غیر تمام فقیل لابی هریرة رضی اللہ تعالی عنہ انا نکون وراء الامام فقال اقرأ بہا فی نفسک فانی سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ تعالی قسمت الصلوة بینی وبین عبدی نصفین ولعبدی ما سأل فاذا قال العبد الحمد للہ رب العلمین قال اللہ تعالی حمدنی عبدی واذا قال الرحمٰن الرحیم قال اللہ تعالے اثنی علی عبدی فاذا قال مالک یوم الدین قال مجدنی عبدی وقال مرة فوض الی عبدی فاذا قال ایاک نعبد وایاک نستعین قال ھذا بینی وبین عبدی ولعبدی ما سأل فاذا قال اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین قال ھذا لعبدی ولعبدی ما سأل (رواہ مسلم)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسنے نماز پڑھی اور اس میں ام القرآن یعنے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تو وہ نماز ایسی ہے جیسی اونٹنی قبل از مدت بچہ ساقط کردے اسپر ابوہریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ کو کہا گیا کہ ہم تو امام کے پیچھے ہوتے ہیں آپنے فرمایا کہ اس کو اپنے دل میں یعنے آہستہ پڑھ لیا کر کیونکہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ میں نے الصلوۃ یعنی سورۃ فاتحہ کو اپنے اور اپنے بندے میں (بلحاظ مضمون) دو برابر حصوں میں منقسم کیا ہے میرے بندے کے لئے وہ سب کچھہ ہے جو کچھہ وہ مانگے پس جبوقت بندہ کہتا ہے کہ الحمد للہ رب العلمین تو اللہ تعالی فرماتا ہے میرے بندے نے میری حمد کی ہے یعنی بھانت بھانت کی مخلوقات کے لئے جو جو حمد ہے وہ سب کی سب میرے لئے میری حمد بیان کردی ہے اور جب کہتا ہے الرحمٰن الرحیم تو اللہ تعالی فرماتا ہے میرے بندے نے میری ثنا کی ہے یعنی اس نے ہر ایک چیز کی ایجاد کو میری طرف منسوب کیا ہے اور جب کہتا ہے مالک یوم الدین تو اللہ تعالی فرماتا ہے میرے بندے نے میری تمجید کی ہے یعنے میری بزرگی بیان کی ہے کیونکہ مجھہ ہی کو فقط عظمت میں واحد گردانا ہے اور ایک دفعہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بجائے اس کے یہہ فرمایا (فوض الی عبدی) یعنے میرے بندے نے اپنے تئیں میرے سپرد کردیا ہے اور جب بندہ کہتا ہے ایاک نعبد و ایاک نستعین تو اللہ تعالی فرماتا ہے کہ یہہ مجھہ میں اور میرے بندے میں ہے اور میرے بندے کے لئے وہ ہے جو وہ مانگے یعنے یہہ کہ اس میں عبودیت اور ربوبیت دونوں کے حق جامع ہیں عبودیت کا حق تو استعانت ہے اور ربوبیت کا حق اعانت ہے اور جب بندہ کہتا ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت

علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ یہہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے نے جو کچھہ مانگا وہ بھی اسکے لئے ہے یعنے امور بالا (ہدایت و استقامت اور انعام و اکرام اور پناہ از غضب و ضلالت) عبودیت کے سبب سے بڑھکر اور بزرگ حقوق ہیں اور میرا حق یہہ ہے کہ بحیثیت رب ہونے کے میں بھی اپنے عبد یعنے بندے کو وہ چیزیں عطا کروں جو وہ مانگتا ہے"

غرضکہ یہہ حدیث ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت نہیں ہے سو اول تو اسکا جواب یہہ ہے کہ اس حدیث میں جو یہہ لفظ آئے ہیں کہ اذا قال العبد الحمد للہ رب العلمین قال اللہ تعالی حمدنی عبدی اسکے معنے یہہ ہیں کہ جب بندہ الحمد للہ رب العلمین پڑھ چکتا ہے یعنی یہانتک پہنچ جاتا ہے تو اسوقت اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ بندے نے میری پوری پوری کما ینبغی حمد کر دی ہے اسکے معنے یہہ نہیں ہیں کہ جب بندہ الحمد للہ رب العلمین کو اس کے الفاظ شروع کرکے اسکے نون تک پڑھ چکتا ہے کیونکہ یہاں سے صرف پڑھ چکنے کی انتہا معلوم ہوتی ہے اسکے پڑھنے کی ابتدا معلوم نہیں ہوتی۔ اسی طرح صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تک پڑھ چکے تو تم لوگ (اے مقتدیو!) کہا کرو آمین" سو اگر حدیث تقسیم کے معنے یہہ سمجھے جاویں کہ جب بندہ الحمد للہ رب العلمین سے ہی قرأت شروع کرے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع نہ کرے تو اس حدیث کے معنے بھی یہہ ہوئے کہ جب امام صرف غیر المغضوب علیہم ولا الضالین ہی سے شروع کرے اور اس سے پہلی سورۃ فاتحہ کی کوئی آیت نہ پڑھے تو تم آمین کہا کرو اور معلوم ہے کہ یہہ معنے ہرگز کوئی نہیں کر سکتا بلکہ سب اسکے معنے یہی کرینگے اور کرتے ہیں کہ جب امام اول سے شروع کرکے ولا الضالین تک پہنچ جاوے تو اسوقت تم آمین کہا کرو پس جس طرح یہاں مراد یہہ ہے کہ جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تک پڑھ چکے تو تم آمین کہا کرو۔ اسی طرح حدیث تقسیم کا مطلب بھی یہی ہے کہ جب بندہ الحمد للہ رب العلمین تک پڑھ چکتا ہے تو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری پوری پوری اور کما ینبغی حمد کی ہے جس طرح اس حدیث میں یقینی اور یہہ ہے کہ ولا الضالین کے پڑھنے سے پہلے سورۂ فاتحہ کی کل آیات امام پڑھ چکتا ہے اسی طرح اس حدیث تقسیم میں الفاظ الحمد للہ رب العالمین سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم کا پڑھنا یقینی اور قطعی ہے۔ اور یہہ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی کیونکر نہ جاوے کہ یہہ تو ہے ہی ایک پوری آیہ سورۃ فاتحہ اور وہ سورۂ فاتحہ وہ چیز ہے اور وہ القرآن العظیم ہے کہ اسکے بغیر نماز ہی درست نہیں ہوتی تو پس جس شخص نے بسم اللہ الرحمن الرحیم چھوڑ دی اس نے سورت فاتحہ پوری کی پوری نہیں پڑھی ولہذا اُس کی نماز ہی درست نہ ہوئی غرضکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقینی یقینی طور پر بسم اللہ الرحمن الرحیم کو نماز میں پڑھا کرتے تھے اور جہری نمازوں میں اونچی آواز سے اور سری نمازوں میں آہستہ اور خفیہ۔

> عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا قال الامام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا آمین (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب جہر الماموم بالتامین)

دوسری بات یہہ ہے کہ اس حدیث تقسیم میں تقسیم بھی صرف مضمون سورت کے لحاظ سے ہے نہ کہ آیات سورت کی تعداد کے لحاظ سے۔ دیکھئے نہیں ہو کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جب بندہ کہتا ہے ایاک نعبد و ایاک نستعین تو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ھذا بینی و بین عبدی اور جب بندہ کہتا ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ یہہ میرے بندے کے لئے ہے جو کچھہ اُس نے مانگا وہ بھی اسکے لئے ہے۔ یعنے مضمون کے اعتبار سے دو ہی حصے ہیں ایک حصہ تو فقط مالک یوم الدین تک ختم ہو جاتا ہے اور یہہ حصہ بلا شراکت غیر محض اللہ تعالےٰ کے لئے مختص ہے اور دوسرا حصہ اھدنا الصراط المستقیم سے شروع ہو کر ولا الضالین تک ختم ہو جاتا ہے اور یہہ حصہ بھی بلا شراکت بندے کے لئے مختص ہے اور ان دو حصوں کے درمیان ایاک نعبد و ایاک نستعین ایک ایسا حصہ ہے کہ جسکو اللہ تعالےٰ مشترک بین العبد و بین ذاتہ فرماتا ہے (اُس اشتراک کی تفصیل ترجمہ میں ہو چکی ہے) غرضکہ اس سورت کے پہلے حصہ میں کل صفات مختصہ بذات باری کا ذکر ہے۔ دوسرے حصہ میں لوازمات عبودیت کا بیان ہے اور بس۔ اس میں آیات کے تعداد کی تقسیم نہیں ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ذکر نہ کرنے سے اسکے شمار میں فرق آتا اور اس امر کے لئے سب سے بڑھکر ثبوت یہہ ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم سے لیکر ولا الضالین تک ایک ہی سلسل بلا وقفہ کلمات کا ذکر اس حدیث میں آیا ہے گویا کہ ساری عبارت ایک ہی آیت ہے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ یہہ ایک آیت نہیں ہے۔

یہانتک قطعی اور یقینی طور پر بفضل خدا ثابت کیا گیا ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم قرآن مجید کی آیت ہے۔ ہر سورت کی آیت ہے اور سب سے پہلی آیت ہے سورت کے ساتھہ ہی اترا کرتی تھی اور سورۂ فاتحہ کی بھی پہلی آیت ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس کو جہری نمازوں میں اونچی آواز سے اور سری نمازوں

خفیہ پڑہا کرتے تھے یعنے جو سورۂ فاتحہ کی دوسری آیتوں کا حال ہے وہی اس آیت بسم اللہ الرحمن الرحیم کا حال ہے اور احادیث صحیحہ بھی اسکی تائید اور تصدیق اور تاکید کے لئے لکھی جا چکی ہیں اور اعتراضوں اور دھوکوں کے جواب بھی کافی شافی لکھے جا چکے ہیں اور ثابت کیا گیا ہے کہ اس مسئلہ کے اسی طرح پر حق الیقین ہونے میں کسی قسم کا وہم وخیال بھی نہیں گزر سکتا۔ مگر اب ہم سوال لکھتے ہیں جسکا جواب سب سے زیادہ ضروری ہے اور ہمارے نزدیک اگر کوئی سوال ہو سکتا ہے تو یہی ہے اور اس سوال کے کرنے کی وجہ یہی ہے اور وہ یہہ ہے کہ یہہ بات صحیح مسلم میں ہے اور بس اور وہی وجہ ہے جسنے امت کے درمیان اختلاف ڈالدیا ہے اور وہی وجہ ہے جسکے سبب سے بعض نے یہہ غضب ڈہایا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو صرف تیمن اور تبرک کے کلمات سمجھ لیا اور قرآن شریف میں خدا کے کلام کے ساتھہ ان کلمات کو ایک سو تیرہ جگہ پر محض بغرض تبرک وتیمن لکھے جانے کا خیال کر بیٹھے اب ہم وہ سوال لکھتے ہیں اور خدا کے فضل اور اسی کی توفیق اور یاری پر اسکا جواب لکھتے ہیں اور امت محمدیہ کو بتاتے ہیں کہ یہہ سوال محض ہیچ پوچ ہے اور اس کی کچھہ بھی حقیقت نہیں ہے اور وہ وجہ بھی اوسی کی سی ہے ۔ :-

سوال - صحیح مسلم کی احادیث ذیل سے بالکل صریح اور ناطق اور قطعی فیصلہ ہوجاتا ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم اونچی نہیں پڑہا کرتے تھے اور حضرت اپنی قرأت الحمد للہ رب العلمین سے شروع کیا کرتے تھے اور چونکہ یہہ احادیث مسلم شریف میں ہے اور اسکے صحیح ہونے پر کسی محدث کو کلام نہیں ہے اور جو احادیث ہم اوپر لکھہ آئے ہیں جنمیں صریح طور پر یا غیر صریح طور پر بسم اللہ الرحمن الرحیم کا اونچی آواز کے ساتھہ پڑھنا ثابت کیا گیا ہے خواہ مخواہ بھی اُن میں تاویل کرکے ان کو مسلم شریف کی ان احادیث کے تابع کرنا پڑے گا ورنہ کم از کم بطور تطبیق وجمع بین الاحادیث اتنا تو ضرور ماننا پڑیگا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کا دو طرح پر پڑھنا درست ہے۔ اونچی بھی اور خفیہ بھی۔ احادیث یہہ ہیں :-

(۱) حدثنا محمد بن المثنے وابن بشار کلاھما عن غندر قال ابن المثنے حدثنا محمد بن جعفر قال حدثنا شعبۃ قال سمعت قتادۃ یحدث عن انس بن مالک قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ فلم اسمع احدا منھم یقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

"ہم سے حدیث بیان کی محمد بن مثنے اور ابن بشار نے اور ان دونو نے غندر سے ابن مثنے کہتا ہے کہ ہم سے حدیث بیان کی محمد بن جعفر نے اور محمد بن جعفر کہتا ہے کہ ہم سے حدیث بیان کی شعبہ نے اور شعبہ کہتا ہے کہ میں نے قتادہ کو انس بن مالک رضی اللہ تعالے عنہ سے یہہ حدیث بیان کرتے سنا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ اور عمرؓ اور عثمان رضہ سب کے ساتھہ نمازیں پڑھی ہیں پر میں نے انمیں سے کسی کو بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے نہیں سنا"

(۲) حدثنا محمد بن المھران الرازی قال نا الولید بن مسلم قال نا الاوزاعی عن عبدۃ ان عمر بن الخطاب[1] کان یجھر بھولاء الکلمات یقول سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولا الہ غیرک وعن قتادۃ انہ کتب الیہ یخبرہ عن انس بن مالک انہ حدثہ قال صلیت خلف النبی صلے اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمان فکانوا یستفتحون بالحمد للہ رب العلمین لا یذکرون بسم اللہ الرحمن الرحیم فی اول قرأۃ ولا فی اخرھا

ہم سے حدیث بیان کی محمد بن مہران رازی نے اس نے کہا کہ ہم سے حدیث بیان کی ولید بن مسلم نے اُس نے کہا کہ ہم سے حدیث بیان کی اوزاعی نے اور اس نے روایت کی عبدہ سے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالے عنہ ان کلمات کو اونچی پڑہا کرتے تھے سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالے جدک ولا الہ غیرک ۔ اور قتادہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ میری طرف (لسنے) ایک خط لکھا جس میں مجھے انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ کی یہہ حدیث جو اُسکو انہوں نے سنائی تھی لکھی کہ میں نے (انس رضہ) نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ اور عمرؓ اور عثمان رضی اللہ تعالی عنہم کے پیچھے نماز پڑھی وہ الحمد للہ رب العلمین کے ساتھہ نماز شروع کیا کرتے تھے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ پڑہا کرتے تھے نہ تو قرأۃ کے پہلے ہی اور نہ قرأۃ کے پیچھے "

یہہ دو حدیثیں ہیں اور راوی ان کے سب ثقہ ہیں۔ اب ہم بفضلہ تعالے سب کا نمبروار جواب لکھتے ہیں۔ سو پہلی حدیث کا اول تو یہہ جواب ہے کہ یہہ قول انس رضی اللہ تعالی عنہ کا مجمل ہے اور اس میں کوئی خاص جگہ بسم اللہ پڑھنے یا نہ پڑھنے کی نہیں بتائی گئی۔ اچھا اگر نمازی سورۂ نمل قرأت میں پڑھے تو کیا اس میں بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم چھوڑ جائے دوسرے یہہ کہ یہی حدیث اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری میں اس طرح ہے۔

حدثنا حفص بن عمر وقال حدثنا شعبۃ عن قتادۃ عن انس بن مالک ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم وابا بکر وعمر کانوا

ہم سے حفص بن عمرو نے حدیث بیان کی اس نے کہا کہ ہم سے شعبہ نے حدیث بیان کی اور شعبہ نے قتادہ سے روایت کی اور قتادہ نے انس

[1] عبدہ بن ابی لبابہ کا عمر رضہ سے سماع نہیں ہے اس لئے یہہ حدیث مرسل ہے لہذا حجت نہیں ۱۲ منہ

یفتتحون الصلوۃ بالحمد للہ رب العلمین (بخاری کتاب الصلوۃ باب ما یقول بعد التکبیر)

بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالے عنہما نماز کو الحمد للہ رب العالمین کے ساتھ شروع کیا کرتے تھے ۔

اور اس حدیث کا ترجمہ اور شرح پیچھے بتفصیل گزر چکی ہے اور بخوبی ثابت کیا جا چکا ہے کہ الحمد للہ رب العالمین نام ہے سورۃ فاتحہ کا اور اس سے مراد اس حدیث میں سورت فاتحہ ہی ہے صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی اس روایت میں جو اختلاف الفاظ ہے وہ ظاہر ہے ۔ ہو نہیں سکتا کہ انس رضی اللہ تعالے عنہ سے ایک ہی مضمون بایں اختلاف الفاظ مروی ہو مگر دونو روایتیں ہیں بھی صحیح اور غیر مجروح اسلئے بڑا نازک مقام ہے لہذا اسکے سمجھنے کے لئے اللہ تعالے سے بکمال تضرع وابتہال شرح صدر کے لئے دعا مانگنی چاہئے تاکہ اسکے فضل سے یہ مقام حل ہو جائے ۔ رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقہوا قولی ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب ۔ امین ۔ اگرچہ فقہائے محدثین نے ان دونو روایتوں کو جمع کرنے میں بہت کچھ لکھا ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ مسلم کی روایت سے یہہ ثابت نہیں ہوتا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بسم اللہ الرحمن الرحیم کو خفیہ بھی پڑھا کرتے تھے پس انہوں نے اس طرح پر جمع بین الاحادیث کر دیا کہ کبھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بسم اللہ الرحمن الرحیم اونچی پڑھتے تھے اور کبھی خفیہ مگر یہہ مسئلہ ٹھیک نہیں ہو سکتا کیونکہ جب بسم اللہ الرحمن الرحیم کا قطعی اور یقینی طور پر دل میں یقین بیٹھ جاوے کہ یہہ ہر سورت کی پہلی آیت ہے اور سورۃ فاتحہ میں بھی پہلی آیت ہے تو ہو نہیں سکتا کہ کچھ قرآن شریف تو آپ خفیہ پڑھا کرتے تھے اور کچھ جہری اس طرح تو پھر یہہ بھی جائز ہو گا کہ بسم اللہ سے مالک یوم الدین تک خفیہ پڑھ لیویں اور ایاک نعبد سے بالجہر شروع کر دیں حالانکہ یہہ ٹھیک نہیں اصل بات یہہ ہے کہ جو الفاظ بخاری رح نے روایت کئے ہیں وہی انس رضی اللہ تعالے عنہ سے مروی ہیں اول تو اس لحاظ سے کہ امام بخاری رح نے انہیں روایت کیا ہے کیونکہ بخاری باتفاق محدثین مسلم وغیرہ سے اصح ہے اور سب پر مقدم ہے دوسری بات جو پہلی وجہ کی مقوی ہے یہہ ہے کہ امام الائمہ بخاری رح نے یہہ حدیث شعبہ سے ایک واسطے سے روایت کی ہے اور امام مسلم رح نے دو واسطے اسلئے بھی بخاری کی روایت ارجح ہے تیسری بات جس سے وجہ اختلاف بخوبی کھل جاتی ہے یہہ ہے کہ بخاری کی روایت روایت باللفظ ہے اور مسلم کی روایت بالمعنے کیونکہ اگر غور کر کے دیکھا جائے تو سرسری نگاہ کرنے والے کے دل میں الفاظ الحمد للہ رب العالمین کے ذکر کرنے سے ضرور وہم گزرتا ہے کہ اس حدیث کے یہہ معنے ہیں کہ آپ بسم اللہ اونچی نہ پڑھتے تھے سو کسی راوی نے اس حدیث کا یہی مطلب سمجھ کر روایت بالمعنے کر دی ۔ چوتھی وجہ جس سے یہہ مسئلہ صاف طور پر حل ہو جاتا ہے یہہ ہے کہ مسلم کی روایت کے یہہ الفاظ انس رضی اللہ تعالے عنہ سے مروی ہو بھی نہیں سکتے اول تو اسلئے کہ صحیح مسلم میں ہی ان حدیثوں کے ساتھ ہی اون سے آگے یہہ حدیث بھی اسی صحابی انس رضی اللہ تعالے عنہ سے مروی ہے ۔

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالے عنہ قال بینا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ذات یوم بین اظہرنا اذ اغفی اغفاءۃ ثم رفع راسہ متبسما فقلنا ما اضحکک یا رسول اللہ صلعم قال انزلت علی انفا سورۃ فقرء بسم اللہ الرحمن الرحیم انا اعطینٰک الکوثر فصل لربک وانحر ان شانئک ھو الابتر الحدیث رواہ مسلم فی باب حجۃ من قال البسملۃ آیۃ من اول کل سورۃ

انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما تھے کہ آپ پر حالت وحی طاری ہو گئی اور آپ نے ہماری طرف سے روئے گردانی کر لی پھر آپ نے ہنستے اور مسکراتے سر اٹھایا ہم نے پوچھا کہ آپ کی ہنسی کا موجب کیا ہے یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا کہ مجھ پر ابھی ایک سورت نازل ہوئی ہے پھر آپ نے پڑھا بسم اللہ الرحمن الرحیم انا اعطینٰک الکوثر فصل لربک وانحر ان شانئک ھو الابتر ۔

انس رضی اللہ تعالے عنہ خود ہی بسم اللہ کے نزول کے راوی ہوں اور پھر خود ہی یہہ روایت کریں کہ آپ بسم اللہ نہ پڑھا کرتے تھے یہہ ہو نہیں سکتا دوسری وجہ جو اس سے بھی صاف ہے یہہ ہے کہ انس رضی اللہ تعالے عنہ سے یہہ بھی روایت ہے جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ نے مدینہ

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ قال صلے معاویۃ بالمدینۃ صلوۃ فجہر فیہا بالقراءۃ فقرء بسم اللہ الرحمن الرحیم لام القرآن ولم یقرء بہا للسورۃ التی بعدھا حتی قضی تلک القراءۃ ولم یکبر حین یہوی حتی قضی تلک الصلوۃ فلما سلم ناداہ

میں ایک جہری نماز پڑھائی اور اس میں اونچی قرأت پڑھی اور ام القرآن والی بسم اللہ الرحمن الرحیم تو اونچی پڑھی ۔ پھر اس سورت کی بسم اللہ جو اس کے بعد پڑھی نہ پڑھی ۔ یہانتک کہ قرأۃ ختم کر دی اور سجدہ کرتے وقت اللہ اکبر بھی نہ کہا یہانتک کہ نماز ختم کر دی پس جب سلام پھیری

من سمع ذلک من المہاجرین من کل مکان یا معاویۃ اسرقت الصلوٰۃ ام نسیت فلما صلی بعد ذلک قرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم للسورۃ التی بعد ام القرآن ویکبر حین یہوی ساجداً (مسند امام شافعیؒ کتاب الصلوٰۃ صفحہ ۲۰)

تو مہاجرین میں سے جس جس نے اس قرأۃ کو سنا جہاں جہاں بیٹھے تھے وہیں سے پکار اٹھے کہ اے معاویہؓ تم نے نماز میں عمداً سرقہ اور خیانت کی ہے یا تم بھول گئے ہو پس جب دوسری نماز پڑھائی تو فاتحہ کے بعد کی سورت کی بسم اللہ اونچی پڑھی اور سجدہ کرنے وقت اللہ اکبر بھی کہا۔"

یہہ واقعہ مسند امام شافعیؒ کے صفحہ ۲۰ میں منقول ہے اور اسکے راوی سب کے سب ثقہ ہیں اس کے ساتھ ہی یہی واقعہ اور روایت سے بھی مروی ہے اور اس میں انصار اور مہاجرین دو لوگوں کا ذکر ہے غرض یہہ ہے کہ اس واقعہ سے صاف طور پر ثابت ہے کہ مہاجرین اور انصار نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو محض اپنے اجتہاد اور رائے سے ہی نہیں منوایا کیونکہ ایسی باتوں میں اجتہاد کو دخل نہیں ہے بلکہ ضرور ضرور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل یاد کرا کر منوایا کیونکہ اپنی رائے اور قیاس سے کسی کی مجال نہیں کہ اپنے امیر اور حاکم وقت کو یہہ کہے کہ تو نے چوری کی تحقیق متیقن طور پر یہہ روشن ہے کہ ضرور ضرور صحابہ رضؓ مہاجرین و انصار نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے امیر صاحب کو یقین دلایا جب انہوں نے بسم اللہ اونچی پڑھنی شروع کر دی اور پھر تمام عمر پڑھتے رہے اگر صحابہ رضؓ کے پاس کوئی دلیل شرعی نہ ہوتی تو کیا امیر معاویہؓ حاکم وقت ایسے الفاظ پر انہیں کم سے کم کچھ ڈانٹتے بھی نہ یا کم سے کم ان کی بات ماننے سے انکار بھی نہ کرتے ضرور ضرور کرتے۔ اسی لئے ان کا حاکمانہ جوش ٹھنڈا رہا اور اپنی طرف چوری کی نسبت سنکر چپ رہے کہ ان سے بڑھ کر اعلیٰ حاکم کا حکم اُن کو یقینی طور پر پہنچ چکا تھا۔ لہٰذا یہہ حدیث حکماً مرفوع ہے اگر انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عدم جہر کے الفاظ مسلم کی روایت میں محفوظ ہوں تو ایسے موقع پر انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہ فرض ہو گیا تھا کہ اول تو مہاجرین و انصار کی مخالفت کرتے اور کہتے کہ میں نے تو کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے نہیں سنا تم کیوں کہتے ہو یا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہی کم سے کم اتنا تو چپکے سے ہی بتا دیا ہوتا کہ میں نے کبھی نہیں سنی۔ دوم یہہ کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے فاتحہ والی بسم اللہ اونچی پڑھی تھی تو اسوقت ان کو کیوں نہ بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بسم اللہ پڑھتے کبھی نہیں سنا آپ نے کیوں پڑھی۔ سوم یہہ کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مہاجرین و انصار کے کہے پر فاتحہ کے بعد کی دوسری سورت کی بسم اللہ بھی پڑھنی شروع کر دی تو پھر بھی انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کو یہہ مسئلہ نہ بتایا پس انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہر بار کا سکوت اور اسکے بعد اس واقعہ کو روایت کرنا اور پھر بھی اسپر کوئی حرف نہ رکھنا صاف بتا رہا ہے کہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی مذہب تھا کہ جہری نماز میں بسم اللہ اونچی پڑھنی چاہئے۔ سو ان دونوں حدیثوں سے اور اس ساری تشریح سے مہر نیمروز کی طرح واضح و لائح ہے کہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہہ حدیث بایں الفاظ کہ میں نے بسم اللہ پڑھتے نہیں سنا ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہو سکتی۔ ہم نہیں کہتے کہ یہہ روایت صحیح مسلم کی ضعیف ہے اور اس میں کوئی راوی ضعیف یا مجروح ہے۔ حاشا وکلا بات صرف یہہ ہے کہ کسی راوی نے بخاری والی روایت کے الفاظ اپنے شیخ سے سنکر اپنے فہم سے اسکے معنے یہہ سمجھ لئے اور آگے روایت بھی بالمعنے کر دی حقیقت میں الفاظ وہی محفوظ ہیں جو بخاری کی روایت میں ہیں کیونکہ تین راوی بالترتیب شعبہ رضؓ قتادہ رضؓ انس رضؓ صحیح بخاری و مسلم دونو میں موجود ہیں اور یہہ نہیں سکتا کہ ان میں سے یہہ دونو روایتیں بایں الفاظ مروی ہوں ضرور ضرور یہہ دھوکا شعبہ رضؓ سے کسی نیچے کے راوی کو لگا ہے امام دارقطنیؒ نے اپنی سنن میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہی روایت کہ میں نے کسی کو بھی بسم اللہ اونچی پڑھتے نہیں سنا نقل کر کے کہا ہے "اور روایت کیا ہے اس کو

رواہ یزید بن ھارون ویحیی بن سعید القطان والحسن بن موسی الاشیب ویحیی بن السکن وابو عمر الحوضی وعمرو بن مرزوق وغیرہم عن شعبۃ عن قتادۃ عن انس بغیر ھذا اللفظ الذی تقدم قالوا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابا بکر وعمر وعثمان کانوا یفتتحون القرأۃ بالحمد للہ رب العالمین وکذلک مروی عن الاعمش عن شعبۃ عن قتادۃ وثابت عن انس وکذلک رواہ عامۃ اصحاب قتادۃ عن قتادۃ منہم ھشام الدستوائی وسعید بن ابی عروبۃ وابان بن یزید العطار وحماد بن سلمۃ وحمید الطویل وایوب السختیانی والاوزاعی وسعید بن بشیر وغیرہم

یزید بن ہارون نے اور یحیی بن سعید قطان اور حسن بن موسی اشیب اور یحیی بن سکن اور ابو عمر حوضی اور عمرو بن مرزوق وغیرہم نے شعبہ سے اور شعبہ نے قتادہ سے اور قتادہ نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغیر اس عبارت کے جو پہلے روایت کی گئی ہے ان سب کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب کے سب قرأت کو الحمد للہ رب العالمین سے شروع کیا کرتے تھے۔ اور ایسی ہی روایت ہے اعمش سے اور اعمش کی روایت شعبہ سے اور شعبہ کی قتادہ اور ثابت سے اور ان کی انس رضؓ سے اور ایسی ہی روایت ہے قتادہ کے بہت سے اصحاب کی قتادہ سے مثلاً ہشام دستوائی اور سعید بن ابی عروبہ اور ابان بن یزید عطار

وکذلک رواہ معمر وھمام واختلف عنہما فی لفظہ وھو المحفوظ عن قتادۃ وغیرہ عن انس (دارقطنی باب الجہر ببسم اللہ الرحمن الرحیم)

اور حماد بن سلمہ اور حمید طویل اور ابو سفیان اوزاعی اور سعید بن بشیر وغیرہ اور ایسی ہی روایت ہے معمر اور ہمام سے اور ان دونوں سے جو روایت کی گئی ہے اس میں اختلاف ہو گیا ہے اور قتادہ وغیرہ سے بھی الفاظ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محفوظ اور ضبط ہیں۔ اسکے بعد روایت الحمد للہ رب العالمین کی کئی حدیثیں روایت کی ہیں۔

دیگر یہہ کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری جگہ اس حدیث کو عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس طرح پر روایت کیا ہے کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یستفتح الصلوۃ بالتکبیر والقراۃ بالحمد للہ رب العٰلمین الحدیث مسلم باب ما یجمع صفۃ الصلوۃ الخ)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو تکبیر یعنے اللہ اکبر سے شروع کرتے تھے اور قرأت کو سورت الحمد للہ رب العالمین یعنے سورت فاتحہ سے۔" اور احادیث مذکورہ کی دوسری روایت میں انہی الفاظ یعنے الحمد للہ رب العٰلمین کو انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت کیا ہے اور اس میں یہہ الفاظ زیادہ ہیں لایذکرون ببسم اللہ الرحمن الرحیم فی اول قراۃ ولا فی آخرھا۔ ان احادیث صحیحین سے اتنا تو صاف ثابت ہے کہ بخاری کی روایت کے الفاظ یعنے الحمد للہ رب العالمین متفق علیہ ہیں کیونکہ مسلم نے بھی روایت کئے ہیں اور یہہ بات باتفاق مسلّم ہے کہ جو روایت متفق علیہ ہو وہ اور روایتوں پر مقدم ہوتی ہے لہذا یہہ الفاظ یعنے الحمد للہ رب العالمین جو بخاری اور مسلم دونوں میں مروی ہیں وہی محفوظ ہیں اور بخاری ہی کی روایت مقدم اور راجح ہے۔ اب بتوفیق الٰہی یہہ ثابت کیا جاتا ہے کہ الفاظ لایذکرون ببسم اللہ الرحمن الرحیم فی اول قراۃ ولا فی آخرھا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی نہیں ہیں اور نہ مروی ہو سکتے ہیں اول تو اسی بیان بالا سے منکشف اور واضح ہے۔ دوسرے یہہ کہ امام دارقطنی نے الفاظ الحمد للہ رب العالمین کی احادیث لکھنے کے بعد یہہ نقل کیا ہے کہ ابو مسلمہ سعید بن یزید الازدی بیان کرتا ہے کہ میں نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پوچھا کہ آیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نماز کو آیت الحمد للہ رب العٰلمین سے شروع کرتے تھے یا بسم اللہ الرحمن الرحیم سے۔ تو انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ تو نے مجھ سے ایسی بات

حدثنا ابوبکر یعقوب بن ابراہیم البزاز ثنا العباس بن یزید ثنا عثمان بن مقر ثنا ابو مسلمۃ قال سألت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یستفتح بالحمد للہ رب العالمین او ببسم اللہ الرحمن الرحیم فقال انک سألتنی عن شئ ما احفظہ وما سألنی عنہ احد قبلک قلت اکان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یصلی فی النعلین قال نعم ھذا اسناد صحیح (دارقطنی باب الجہر ببسم اللہ الرحمن الرحیم)

پوچھی ہے جو تجھ سے پہلے مجھے کسی نے نہیں پوچھی اور نہ یہہ بات مجھ کو یاد رہی ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جوتے سمیت نماز پڑھ لیا کرتے تھے تو انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ ہاں!" امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہہ اسناد صحیح ہے۔

اس حدیث سے یہہ ثابت ہوتا ہے کہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہہ بات یاد ہی نہیں تھی کہ شروع کس آیت سے کیا کرتے تھے اور یہہ کوئی بعید نہیں۔ کیونکہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں لڑکے سے تھے اور آپ کا حکم تھا کہ لڑکے پچھلی صف میں کھڑے ہوا کریں تو ہو سکتا ہے کہ بسبب نا تجربہ کے انہوں نے نہ سنا ہو اگر کسی کو یہہ شبہ پڑے کہ جب ان کو یاد نہیں تھا تو بخاری کی روایت کس طرح صحیح ہے تو اس کا ازالہ اس طرح پر ہے کہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس ارادہ پر یہہ روایت ہی نہیں کی کہ پہلے کونسی آیت پڑھا کرتے تھے ان کا مقصود صرف یہہ جتانا ہے کہ آپ پہلے سورۃ الحمد للہ رب العالمین پڑھا کرتے تھے اور پھر کوئی اور سورت گویا یہہ حدیث مسئلہ بسم اللہ سے بالکل ساکت ہے اور انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہہ انکار ہماری تشریح کے لئے بڑا بھاری مؤید ہے کہ الحمد للہ رب العالمین سورۃ فاتحہ کا نام ہے جیسا کہ ابو داؤد کی حدیث سے پہلے ثابت کیا گیا ہے تو اب اس حدیث مسلم یعنے فکانوا یستفتحون الصلوۃ بالحمد للہ رب العالمین لایذکرون ببسم اللہ الرحمن الرحیم فی اول قراۃ ولا فی آخرھا کا مطلب صاف صاف بین طور پر واضح ہے کہ راوی نے کانوا یستفتحون الصلوۃ بالحمد للہ رب العالمین کے معنے یہہ سمجھے کہ آپ سورۃ فاتحہ کو الفاظ الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے اور بس۔ اور پھر اسلئے اسکے یہہ معنے خاص اپنے فہم سے ہی بدلا کر دیئے کہ لایذکرون ببسم اللہ الرحمن الرحیم فی اول قراۃ ولا فی آخرھا۔ حالانکہ یہہ بالکل غلط ہے جیسا کہ اوپر مشرح و مفصل گزر چکا ہے۔ مزید برآں اگر الحمد للہ رب العالمین کے ذکر سے اس جگہ یہہ مفہوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ نہ پڑھتے تھے تو اگلا جملہ لایذکرون الخ بالکل بیہودہ

الحمد للہ رب العلمین ۝ ۲

سب قسم اور ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کیلئے مختص ہے جو تمام مخلوقات کا رب ہے

یہ اسلئے یہ الفاظ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس لحاظ سے بھی مروی نہیں ہو سکتے نیز یہ کہ اس عبارت کا مفہوم بھی ٹھیک نہیں کیونکہ اس میں یہ ذکر ہے کہ نہ تو قرأت کے اول میں ہی پڑھا کرتے تھے اور نہ قرأت کے آخر میں حالانکہ آخر کا کلمہ بالکل یوں ہی سا ہے کبھی آخر قرأت میں بھی کوئی بسم اللہ پڑھتا ہے جس کی نفی یہاں مقصود ہے اگر اس جگہ یہ مراد لیا جاوے کہ نہ تو فاتحہ کے اول میں ہی پڑھا کرتے تھے اور نہ فاتحہ کے آخر میں ہی یعنی دوسری سورت کے شروع میں تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ قرأت نہ تو سورۃ فاتحہ کا ہی نام ہے اور نہ کسی اور خاص سورت کا تو پس یہ لفظ بالکل بے معنے ہے تو کچھ یہ بھی لازم آتا ہے کہ اگر کوئی سورہ نحل کی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پر رکوع کرنا چاہے تو جائز نہیں کیونکہ آخر میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آجاتا ہے حالانکہ یہ بالکل باطل ہے اس حدیث کے بیان سے واضح ہے کہ بسم اللہ کا حکم فاتحہ کا ہے اگر فاتحہ اونچی پڑھی جائے تو بسم اللہ بھی اونچی اور اگر فاتحہ سری پڑھی جائے تو بسم اللہ بھی سری سو اس ساری تحریر سے بخوبی روشن ہے اور یقینی طور پر ثابت ہے کہ مسلم کی روایت میں الفاظ لا یذکرون بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور لم اسمع احدا منھم یقرء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہرگز ہرگز انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ شعبہ سے نیچے کے کسی راوی کے اپنے الفاظ ہیں جو اس نے بالمعنے روایت کر دیئے ہیں۔ اور یہ معنے غلط ہیں۔ سند تو اس کی بیشک صحیح ہے مگر جب مضمون ہی ٹھیک نہیں تو سند کی صحت کسی کام کی نہیں۔ صحیح روایت سند اور متن کے اعتبار سے وہی صحیح ہے جو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری میں ہے۔ خلاصہ اس ساری تحریر کا یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن شریف کی ہر سورت کی پہلی آیت ہے۔ اور سورت توبہ کے پہلے اس لئے نہیں کہ وہ سورۃ انفال کا ایک حصہ ہے جیسا کہ اوپر مفصل گزر چکا۔ یقیناً سورت توبہ کوئی دوسری سورت نہیں اور اسلئے اسکے پہلے بسم اللہ نہیں لکھی جاتی اور کبھی بھی لکھی جانی نہیں چاہئے اور نہ کبھی اسکے پہلے اس کو الگ مستقل سورت سمجھ کر بسم اللہ پڑھنی چاہئے اور نہ کوئی اور کلمات اعوذ وغیرہ جو لوگوں نے بسم اللہ کی جگہ مقرر کر رکھے ہیں پڑھنا چاہئے بلکہ صاف مسلسل طور پر سورت انفال پڑھتے پڑھتے اس کو بھی ساتھ ہی بلا کسی قسم کی فصل کے پڑھ جانا چاہئے جیسا کہ سورۃ فاتحہ کی ساتوں آیات برابر مسلسل پڑھی جاتی ہیں۔ اور جہری نمازمیں جہاں بسم اللہ قرأت میں آوے جہری پڑھنی چاہئے اور سری نمازمیں خفیہ خواہ سورۃ فاتحہ ہو خواہ کوئی اور سورت۔ الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ لقد جاءت رسل ربنا بالحق۔

پہلے بعونہ تعالیٰ ثابت کیا جا چکا ہے کہ ہر ایک بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر سورت کی پہلی آیت ہے اور ہر سورت کا وہ خلاصہ بھی ہوتی ہے اسی طرح بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۃ فاتحہ کی پہلی آیت ہے اور اس ساری سورت کا خلاصہ یہ بھی پہلے لکھا جا چکا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں فطرت یعنی قوائے ثلثہ (ملکی بہیمی سبعی) کی تربیت اور ان کو اعتدال پر رکھنے کی تعلیم ہے اور چونکہ اس میں خلاصہ کے طور پر یہ تعلیم ہے اب اسی خلاصہ کی تفصیل شروع ہوتی ہے اور ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ یہ سورت القرآن العظیم ہے یعنے سارے قرآن شریف کی تعلیمات کا خلاصہ ہے جس کے ثبوت کے لئے ہم نے وہاں لکھ دیا تھا کہ اس کا ثبوت اسکی تفسیر کرتے وقت دیا جاویگا سو اب ناظرین ہمارے اس دعوے کے ایفاء پر غور کریں۔ تفصیل یہ ہے:-

۲ الحمد للہ میں ال استغراق کے لئے ہے اسواسطے اسکا ترجمہ سب قسم اور ہر طرح کیا گیا ہے یعنے اللہ تعالیٰ ہی جامع جمیع صفات کمال ہے جو سدا بذات خود قائم ہر عیب و نقصان سے پاک اپنے ارادے پر غالب اور قادر محض عدم کو وجود کی شکل میں لانے والا۔ ذرہ ذرہ کو پیدا کرنے والا۔ ذرہ ذرہ پر متصرف ذرہ ذرہ کا مالک ذرہ ذرہ کا جاننے والا ذرہ ذرہ کے حال سے پورا پورا آگاہ ذرہ ذرہ کو دیکھنے والا۔ مخفی سے مخفی اور خفیہ سے خفیہ چیزیں اس کے علم میں ایسی ہی ہیں جیسی علانیہ سے علانیہ اور ظاہر سے ظاہر۔ اس کی ذات بھی پاک اور اس کی صفات بھی پاک وہ ہے ہی سراسر پاک۔ غرضیکہ جو صفات کمال ہیں وہ سب کی سب لفظ اللہ کے اندر داخل اور شامل ہیں اور مختص بذات باری ہیں اور بس۔ اب ہم بفضلہ تعالیٰ بتاتے ہیں کہ لفظ اللہ کے مفہوم میں جملہ اسمائے حسنیٰ داخل اور شامل ہیں یعنے یہ کہ اللہ جو ذاتی نام اور ذاتِ واجب الوجود کا علم ہے تمام صفاتِ کمال کا جامع اور حاوی ہے۔ جیسا کہ فرمایا اللہ جل شانہ نے۔

وللّٰه الاسماء الحسنٰى فادعوه بها (پ ۹ ع ۱۲)

"اور اللہ ہی کے لئے تمام اسمائے حُسنٰی خاص ہیں پس تم اُسیکے اسماء سے اُسے پکارا کرو۔"

اور یہ تمام نام قرآن شریف میں جابجا اپنے اپنے محل اور موقع پر استعمال کئے گئے ہیں انمیں بعض نام تو بصیغہ اسم مطلقًا بلا اضافت مستقل طور پر وارد ہوئے ہیں جیسے الرحمٰن اور الرحیم اور بعض بالاضافت جیسے فاطر السمٰوات والارض میں فاطر اور بعض ایسے اسم ہیں کہ وہ بصیغہ اسم قرآن شریف میں وارد نہیں ہیں۔ البتہ کوئی فعل ایسا ذکر کیا گیا ہے کہ جس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے اور اس سے اس صفت کا ذات واجب الوجود میں ہونا استنباط کیا گیا ہے جیسے کہ تعز من تشاء وتذل من تشاء میں عزت اور ذلت کا دینا اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے تو اس سے اسمائے صفاتیہ معز اور مذل مستنبط ہوتے ہیں۔ غرضکہ ذیل میں ہم سب قسم کے قرآنی نام لکھتے ہیں :—

فہرست اسمائے حُسنٰی

اَللّٰه	اَلرَّحْمٰن	اَلرَّحِیْم	المُبْدِئ	الفاطر	البدیع	الفالق	الخالق	الخلّاق	البارئ	المصوّر
الربّ	الوهّاب	الرزّاق	الفتّاح	الواسع	قابل التوب	التوّاب	الغفّار	الغافر	الغفور	العفوّ
الشکور	الشاکر	الودود	الرؤف	الصادق	ارحم الراحمین	الکریم	الاکرم	الحفی	الهادی	الاله
السبّوح	القدّوس	السّلام	السّمیع	البصیر	اللطیف	الخبیر	الحلیم	الصّابر	الصّبور	العالم
العلیم	العلام	الحکیم	الحکم	احکم الحاکمین	العدل	المقسط	الحیّ	القیّوم	القائم	الواجد
الماجد	الواحد	الاحد	الصمد	لم یلد	لم یولد	لم یکن له کفوا احد	الاوّل	الآخر	الظاهر	الباطن
الحق	المبین	الوکیل	الکفیل	الکافی	النور	الباقی	الوارث	الرّشید	المجید	الحمید
المَلِک	المالک	المَلیک	الفعّال	الجلیل	المقلّب	ذوالعرش	ذوالجلال والاکرام	ذوالطول	ذوالقوة	ذوالانتقام
المنتقم	القادر	القدیر	المقتدر	الشدید	المؤمن	المهیمن	العزیز	الجبار	القهّار	القاهر
الغالب	القویّ	المتین	العلی	الاعلی	العظیم	الکبیر	المتکبر	الاکبر	القابض	الباسط
الخافض	الرافع	الرفیع	المعز	المذل	المولٰی	النصیر	المستعان	السریع	الشهید	الحافظ
الحفیظ	المقیت	الحسیب	الرقیب	المجیب	القریب	الاقرب	المقدم	المؤخر	الولیّ	الوالی

المتعالی	الغنی	المغنی	المانع	المعطی	النافع	الضار	المحیط	المحصی	الممیت	المحی

المعید	الباعث	الجامع

اسماء مذکورۃ الصدر میں سے ذیل کے ننانوے اسماء الٰہی ہیں کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کی نسبت یہ بشارت فرمائی ہے کہ جو کوئی ان کو یاد کرے اور پڑھے اور ان کے مطابق عمل کرے تو اللہ تعالے اس کو جنت میں داخل کریگا اصل اس حدیث کا بخاری میں ہے اور اللہ کے اسماء کی تفصیل مشکوٰۃ کی کتاب اسماء اللہ تعالٰی کی فصل دوم میں یوں موجود ہے :-

اللّٰہ

الرحمٰن	الرحیم	الملک	القدوس	السلام	المؤمن	المھیمن	العزیز	الجبار	المتکبر	الخالق
الباری	المصور	الغفار	القھار	الوھاب	الرزاق	الفتاح	العلیم	القابض	الباسط	الخافض
الرافع	المعز	المذل	السمیع	البصیر	الحکم	العدل	اللطیف	الخبیر	الحلیم	العظیم
الغفور	الشکور	العلی	الکبیر	الحفیظ	المقیت	الحسیب	الجلیل	الکریم	الرقیب	المجیب
الواسع	الحکیم	الودود	المجید	الباعث	الشھید	الحق	الوکیل	القوی	المتین	الولی
الحمید	المحصی	المبدئ	المعید	الممیت	المحی	القیوم	الواجد	الماجد	الواحد	الاحد
الصمد	القادر	المقتدر	المقدم	المؤخر	الاول	الاخر	الظاھر	الباطن	الوالی	المتعالی
البر	التواب	المنتقم	العفو	الرؤف	مالک الملک	ذوالجلال والاکرام	المقسط	الجامع	الغنی	المغنی
المانع		الضار	النافع	النور	الھادی	البدیع	الباقی	الوارث	الرشید	الصبور

ان للّٰہ تسعۃ وتسعین اسماً مائۃ الا واحداً من احصاھا دخل الجنۃ بخاری کتاب التوحید باب ان للّٰہ مائۃ اسماً الا واحداً

بخاری کے اصل الفاظ یہ ہیں " اللہ تعالے کے ننانوے نام ایسے ہیں کہ جو کوئی ان کو یاد کرے اور نگاہ رکھے جنت میں داخل ہوگا "

بعض لوگوں نے اس حدیث سے سمجھ لیا ہے کہ اللہ تعالے کے صرف ننانوے نام ہی ہیں اور بس اور وہ ہیں بھی یہی نام جو ترمذی سے نقل کئے گئے ہیں ۔ ان کا یہ فہم درست نہیں ہے اور نہ اس حدیث سے انہیں ناموں کا حصر پایا جاتا ہے اس حدیث سے صرف اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی ایک ورد ہے منجملہ اور بہت سے اوراد ماثورہ کے یا ایک وظیفہ ہے منجملہ اور بہت سے وظائف مرویہ کے ...

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص یہہ ورد پڑھے گا اور اس کو نگاہ رکھے گا یعنے مطابق صفات خداوندی اپنے آپ کو متخلق کریگا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ صفات جمالیہ کے ساتھ متخلق ہونے کے یہہ معنے ہیں کہ اللہ تعالے کی ان صفات کی جو اس نے ظلی اور عارضی طور پر اپنی مخلوقات کو بخش رکھی ہیں تربیت کیجاوے مثلاً خدا تعالے رحیم کریم حلیم ہے تم بھی اللہ تعالے کی اس صفت کے ساتھ اپنی آپکو متخلق کر دیعنے تم بھی صفت رحم و کرم و حلم کو لینے میں پیدا کرو اسی طرح وہ عفو ہے تم بھی عفو یا درگذر کرنا سیکھو وہ نیک ہے تم بھی نیک بننے کی کوشش کرو اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک تخلقوا باخلاق اللہ کے یہی معنے ہیں اور بس۔ یہہ نہیں کہ تم اس کی جلالی صفات کا محل بننے لگ جاؤ۔ مثلاً وہ متکبر ہے تم بھی تکبر کرنے لگ جاؤ اللہ تعالی کی جلالی صفات جن میں کبریائی عظمت اور بڑائی اور جلال پایا جاتا ہے ان کا دعویٰ کرنا شیطان لعین بننا ایک ہی بات ہے۔ اور واضح ہووے کہ اس ورد کے پڑھنے کی کیفیت اور اسکا طریق خود اللہ تعالی نے

وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بہا پ ۹ ع ۱۲	قرآن شریف میں بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالے فرماتا ہے کہ اللہ تعالے ہی کے لئے جملہ اسماء حسنیٰ مختص ہیں پس تم اللہ تعالے کو ان ناموں سے پکارا کرو۔

سو طریق یہہ بتایا کہ تم اللہ تعالے کو اپنا مخاطب کر لیا کرو۔ صرف اللہ اللہ یا کریم کریم یا رحیم رحیم کہہ دینا اللہ کو پکارنا نہیں ہے۔ اللہ کو پکارنا یہہ ہے کہ اسماء حسنیٰ میں سے کسی اسم کے ساتھ یا تو لفظ یا یا ایہا یا کوئی حرف ندا جیسا محل ہو لگا دو۔ خواہ لفظاً خواہ معنًی۔ یعنی بہرحال اللہ تعالی کو مخاطب کیا جاوے اگر چاہو تو لفظ ندا ساتھ ملالو نہ چاہو تو تمہاری مرضی۔ مگر نیت اور مراد اللہ تعالے کو مخاطب کرنے کی ہو۔

اب ہم قرآن شریف میں سے بعض آیات لکھنی چاہتے ہیں جن میں یہہ ذکر ہے کہ وہ تمام صفاتِ کمال یا اسماء حسنیٰ جو پہلے شروع میں لکھے گئے ہیں سب کے سب ایک ہی ذات پاک واجب الوجود کے لئے ہونے ضروری ہیں اور ہیں اور کسی ذات کے لئے نہیں ہیں اور یہہ بیان کرنا بھی خالی از لطف نہ ہوگا کہ بعض بعض آیات میں صفات کمال خداوندی جوڑی جوڑی ہو کر بیان ہوئی ہیں اور بعض جگہ دو سے بھی زیادہ اور یہہ جوڑے درحقیقت بڑے بڑے علوم اور اسرار اور لطائف کی جامع ہوتی ہیں اور وہ اوپر کے کل مضمون کا اصل مع مختصر خلاصہ ہوتی ہیں اور قاری اور متدبر کے لئے کمال درجہ کا لطف پیدا کرتے ہیں۔ ہم جابجا انشاءاللہ تعالے تفسیر میں اپنے اپنے محل اور موقع پر ان کا بیان کرینگے یہاں صرف بطور تحریک و ترغیب وہ آیات لکھدی جاتی ہیں تاکہ اُن سے دو نو مطلب حاصل ہو جاویں یعنے اول یہہ کہ اللہ کے لفظ کے مفہوم میں تمام صفات کمال داخل ہیں اور یہہ لفظ ان سب پر حاوی ہیں اور دوم یہہ کہ طالب ذکی ان جوڑوں کو دیکھ دیکھ کر خود تدبر کرے اور ان میں جو جو معارف و حقائق اور غوامض و اسرار قرآنیہ کھرے پڑے ہیں اُن کو کوزہ میں دریا بھر دینے سے بڑھ کر دیکھ لیوے اور ساتھ ہی سورۂ فاتحہ کے القرآن العظیم ہونے کا بھی یقین کرتا جاوے۔ جو جو نام ہم اوپر لکھ آئے ہیں ان کو مدنظر رکھکر آیات ذیل کا ملاحظہ کرنا چاہیئے۔ آیات یہہ ہیں:—

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہہ آیت قرآن شریف میں ایک سو چودہ ۱۱۴ دفعہ آئی ہے ایک سو تیرہ دفعہ تو ایک سو تیرہ سورتوں کے پہلے اور ایک سو چودھویں بسم اللہ سورہ نمل کی اس آیت میں ہے انہ من سلیمٰن و انہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اس آیت میں اللہ تعالے کے تین نام آتے ہیں۔ اللہ۔ الرحمٰن۔ الرحیم۔ کلمہ اللہ اس کثرت کے ساتھ قرآن شریف میں ذکر ہوا ہے کہ گویا قرآن شریف کا مدعا اور اس کی اصلی غرض صرف اللہ تعالے کی ذات اور صفات کی پاکیزگی بیان کرنا ہے۔ یہہ نام کم از کم قرآن شریف میں مع بسم اللہ تخمیناً چھ ہزار سو بار آیا ہے اسی طرح الرحمٰن کم از کم مع بسم اللہ تخمیناً ڈیڑھ سو بار آیا ہے اور الرحیم کم از کم مع بسم اللہ تخمیناً ساڑھے دو سو بار آیا ہے۔ واضح رہے کہ یہہ گنتی یقینی نہیں ہے صرف تخمینی ہے البتہ یہہ یقینی امر ہے کہ یہہ ہماری تخمینی گنتی ادنے مقدار کی ضرور ہے۔ ان ناموں کے لئے آیات اس کثرت کے ساتھ ہیں کہ ان کا لکھنا گویا سارے قرآن شریف کا نقل کر دینا ہے اسواسطے ہم صرف ایک ایک آیت پر اکتفا کرتے ہیں۔ مثلاً ان اللہ علی کل شئ قدیر پ ۱ ع ۲) اللہ تعالے ہر کام پر جیسے وہ چاہے قادر ہے۔ والٰہکم الٰہ واحد لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم پ ۲ ع ۳) تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے اسکے سوائے کوئی معبود نہیں ہے وہی الرحمٰن الرحیم ہے۔ ان آیتوں میں اللہ۔ القدیر۔ الالٰہ۔ اور الرحمٰن۔ اور الرحیم نام آتے ہیں "تیرے رب کی بڑی سخت پکڑ ہے وہی سب سے پہلی دفعہ اول بار پیدا کرتا ہے) اور وہی پھر قیامت کو دوبارہ پیدا کرے گا یعنے وہی معید اور وہی غفور اور ودود اور ذوالعرش اور عالی قدر ہے اور جو چاہتا ہے کر کے چھوڑتا ہے" ان آیتوں میں یہہ نام آتے ہیں۔ الرب۔

ان بطش ربک لشدید انہ ھو یبدئ و یعید و ھو الغفور الودود ذو العرش المجید فعال لما یرید پ ۳۰ ع ۱۱)	

مبدی۔ معید۔ غفور۔ ودود۔ ذوالعرش۔ المجید اور ضمناً الماجد۔ الفعال ۔ الحمد للہ فاطر السمٰوٰت والارض الآیہ" پ ۲۲ ع ۱۳

"آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے (فاطر) یعنے اللہ تعالے کے لئے سب قسم کی تعریف خاص ہے" اس آیت میں پہلے ناموں کے علاوہ الفاطر آیا ہے

بدیع السموات والارض پ۱ ع۱۴ ۔ (زمینوں اور آسمانوں کا بدیع یعنے ایجاد کرنے والا ہے) اس آیت میں البدیع اور ان اللہ فالق الحب والنوی (اللہ ہی ہر قسم کے دانے اور گٹھلی کو پھاڑ کر درخت بناتا ہے) اور فالق الاصباح پ۷ ع۱۸ (پو کو پھوڑنے والا) اسمیں الفالق ۔ اور ذٰلکم اللہ ربکم لا الٰہ الا ھو خالق کل شئی فاعبدوہ وھو علٰی کل شئی وکیل لاتدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر پ۷ ع۱۹ (یہ ہے اللہ تمہارا رب اسکے سوائے کوئی معبود نہیں وہ ہر شئے کا پیدا کرنے والا ہے پس اس کی عبادت کرو وہی ہر شئے کا نگہبان ہے ۔ یہ آنکھیں تو اسکو معلوم نہیں کر سکتیں اور وہ ان سب کو خوب معلوم کرتا اور جانتا ہے اور وہ بڑا باریک بین اور باخبر ہے) اس میں علاوہ پہلے ناموں کے ۔ الخالق ۔ الوکیل ۔ اللطیف اور الخبیر آئے ہیں + ونقلب افئدتھم پ۷ ع۱۹ (اور ہم ان کے دلوں کو الٹ دیں) اس میں المقلب ۔ اور وھو الخلاق العلیم پ۱۴ ع۶ (اور وہی خلاق اور علیم ہے) اس میں الخلاق اور العلیم دو نام ہیں + وہ اللہ وہ پاک ذات ہے کہ اسکے سوائے کوئی معبود نہیں ۔ پوشیدہ اور ظاہر سب کا جاننے والا ہے وہی الرحمٰن الرحیم ہے ۔ وہ اللہ وہ ذات

هو اللہ الذی لا الٰہ الا هو عالم الغیب والشهادة هو الرحمٰن الرحیم هو اللہ الذی لا الٰہ الا هو الملک القدوس السلام المؤمن المهیمن العزیز الجبار المتکبر سبحان اللہ عما یشرکون هو اللہ الخالق البارئ المصور له الاسماء الحسنٰی یسبح له ما فی السموات والارض وهو العزیز الحکیم پ۲۸ ع۶

پاک ہے کہ اسکے سوائے کوئی معبود نہیں بادشاہ ہے پاک ذات ہے ہر عیب و نقصان سے مبرا ہے امن و امان دینے والا ہے نگہبان ہے زبردست ہے بڑے غلبہ اور دباؤ والا ہے بڑی بڑائی اور عظمت والا ہے اللہ کی ذات پاک ہے ہر ایک قسم کے شرک سے جو لوگ کرتے ہیں وہی اللہ ہر شئے کا خالق اور پیدا کنندہ اور طرح طرح کی صورتیں بنانے والا ہے اسکے سارے ہی نام اچھے ہیں کیونکہ اس کی ساری صفات اچھی ہیں کیا آسمانوں کی مخلوق اور کیا زمین کی غرضکہ ہر قسم کی علوی اور سفلی مخلوقات اسی کی تسبیح خواں ہے اور وہی ذات زبردست بھی ہے ۔ اور پھر ہر کام حکمت سے کرنے والا ہے) اس میں علاوہ اسماء مرقومۃ الصدر کے یہ نام آئے ہیں ۔ العالم ۔ الملک ۔ القدوس ۔ السلام ۔ المومن ۔ المهیمن ۔ العزیز ۔ الجبار ۔ المتکبر ۔ السبوح ۔ البارئ ۔ المصور ۔ الحکیم + (اے ہمارے رب ہدایت دئے پیچھے ہمارے دلوں کو ڈانواں ڈول نہ کر دے ۔ اور اپنے حضور سے ہم کو رحمت عطا فرما ۔ کچھ شک نہیں کہ تو ہی

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هدیتنا وهب لنا من لدنک رحمة انک انت الوهاب ربنا انک جامع الناس لیوم لا ریب فیه پ۳ ع۹

داتا ہے ۔ اے ہمارے رب تو ہی جنوں اور انسانوں کو اس دن کو جس کے آنے میں کچھ شک نہیں ہے اکٹھا کرنے والا ہے ۔) اس میں الوہاب اور الجامع ہیں ۔ اور ان اللہ هو الرزاق ذو القوة المتین پ۲۷ ع۲ (خود اللہ ہی رزاق قوت والا اور زبردست ہے) اس میں الرزاق ذو القوة اور المتین نام ہیں ۔ اور وهو العلی الکبیر پ۲۲ ع۹ (وہی اللہ عالیشان سب سے بڑا ہے) اس میں العلی اور الکبیر اور ضمناً الاکبر نام ہیں ۔ اور وهو الفتاح العلیم پ۲۲ ع۹ (اور وہی اللہ ہر ایک فیصلہ کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے) اس میں علیم کے علاوہ الفتاح آیا ہے ۔ اور واللہ واسع علیم پ۳ ع۳ (اور اللہ بڑا ہی گنجایش والا اور سب کچھ جاننے والا ہے) اسمیں علیم کے علاوہ الواسع آیا ہے ۔ اور حٰمٓ ۔ تنزیل الکتاب من اللہ العزیز العلیم غافر الذنب وقابل التوب شدید العقاب ذی الطول لا الٰہ الا هو الیه المصیر پ۲۴ ع۶ (حم ۔ یہ تحریری فرمان ہے اللہ کے ہاں سے جو نام جملہ جن و انس جو بڑے غلبہ والا اور سب کچھ جانتا ہے سب قسم کے قصوروں کا معاف کرنیوالا جو کوئی توبہ کرے اس کی توبہ قبول کرنے والا ۔ جو کوئی نہ کرے اور برائی پر اکڑا رہے اسکو سخت سزا دینے والا ۔ اور جو کوئی نیکو کار رہا اسپر بڑا فضل کرنیوالا ۔ اسکے سوائے کوئی معبود نہیں ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے) اس میں علاوہ پہلے ناموں کے یہ نام ہیں ۔ الغافر ۔ قابل التوب ۔ الشدید ۔ ذی الطول ۔ اور انه هو التواب الرحیم پ۱ ع۴ (وہی توبہ قبول کرنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے) اس میں الرحیم کے علاوہ التواب ہے ۔ اور الا هو العزیز الغفار پ۲۳ ع۱۵ (سن رکھو وہی اللہ زبردست اور گناہوں کو بخشنے والا ہے) اس میں العزیز کے علاوہ الغفار ہے ۔ اور وهو العزیز الغفور پ۲۹ ع۱ (وہی اللہ زبردست بخشنے والا ہے) اس میں العزیز کے علاوہ الغفور ہے ۔ اور وان اللہ لعلیم حلیم پ۱۷ ع۱۵ (بیشک اللہ ہی سب کچھ جاننے والا اور بڑا ہی بردبار ہے) ان اللہ لعفو غفور پ۱۷ ع۱۵ (بیشک اللہ ہی درگزر کرنے والا بخشنے والا ہے) وان اللہ سمیع بصیر پ۱۷ ع۱۵ (بیشک اللہ تعالےٰ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے) وان اللہ لهو الغنی الحمید پ۱۷ ع۱۵ (اور بیشک اللہ تعالےٰ ہی بے نیاز ہے اور ہر طرح کی حمد کا سزاوار) اس میں علاوہ اور ناموں کے الحلیم ۔ العفو ۔ السمیع ۔ البصیر ۔ الغنی ۔ الحمید ۔ آئے ہیں ۔ ان اللہ بالناس لرءوف الرحیم پ۱۷ ع۱۶ (بیشک اللہ جنوں اور انسانوں پر بڑا ہی شفیق اور رحیم ہے) میں الرحیم کے علاوہ الرءوف آیا ہے ۔ ان اللہ لقوی عزیز (بیشک اللہ بڑا زور آور اور زبردست ہے)

واعتصموا باللہ ھو مولٰکم فنعم المولیٰ ونعم النصیر پ۱۷ ع۲ "اللہ ہی کا سہارا پکڑو وہ تمہارا مولیٰ اور کارساز ہے ۔ اکیا ہی اچھا کارساز اور کیا ہی اچھا مددگار ہے"
اس میں القوی ۔ المولیٰ ۔ النصیر تین نام آئے ہیں ۔ اور ان اللہ غفور شکور "بیشک اللہ گناہوں کو معاف کرنے والا اور نیک کاموں کا قدردان ہے"
وھو الولی الحمید پ۲۵ ع۴ "وہی ہر قسم کا کارساز اور ہر طرح کی حمد کا سزاوار ہے" اس میں الشکور اور الولی دو نام ہیں ۔ اور فان اللہ شاکر علیم پ۲ ع۳ "بیشک
اللہ قدردان اور سب کچھ جاننے والا ہے" العلیم کے علاوہ الشاکر ہے ۔ اور فاللہ خیر حافظا وھو ارحم الراحمین پ۱۳ ع۲ "بس اللہ ہی سب سے بڑھکر حافظ و نگہبان ہے
اور وہی سب سے بڑھکر رحم کرنے والا ہے" اس میں الحافظ اور ارحم الراحمین دو نام ہیں ۔ اور فان ربی غنی کریم پ۱۹ ع۲ "بیشک میرا رب بے نیاز اور بڑا اکرم کرنے
والا ہے" اس میں الغنی کے علاوہ الکریم ہے ۔ اور اقرأ وربک الاکرم پ۳۰ ع۲۱ "اے نبی تو قرآن پڑھ چل اور اپنے امی ہونے کا کچھ خیال نہ کر کیونکہ تیرا رب بڑا کرم
کرنے والا ہے" اس میں الاکرم ہے" اور انہ کان بی حفیا پ۱۶ ع۲ "بیشک وہ اللہ مجھ پر حد درجہ کا مہربان ہے" اسمیں الحفی ہے ۔ اور ومن یھد اللہ فھو المھتد
پ۱۵ ع۱۶ "جسکا ہادی اللہ ہو بس وہی راہ راست پر ہوتا ہے" اسمیں الھادی ہے اور وانت علام الغیوب پ۷ ع۵ "اور تو ہی ہر قسم کے غیب کا خوب جاننے والا ہے" اسمیں
العلام ہے اور افغیر اللہ ابتغی حکما پ۸ ع۱ "کیا اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنے تمہارے درمیان کوئی فیصلہ کرنے والا تلاش کروں" اسمیں الحکم ہے
اور الیس اللہ باحکم الحاکمین پ۳۰ ع۲۰ "کیا اللہ تعالےٰ سب سے بڑھکر فیصلہ کرنے والا نہیں ہے" اس میں احکم الحاکمین ہے ۔ اور شھد اللہ انہ لا الٰہ
الا ھو والملٰئکۃ واولوا العلم قائما بالقسط لا الٰہ الا ھو العزیز الحکیم پ۳ ع۱۰ "خود اللہ گواہی دیتا ہے کہ اسکے سوائے کوئی معبود نہیں ہے اور تمام فرشتے
اور تمام علم والے بھی گواہی دیتے ہیں اور اللہ انصاف اور عدل کے ساتھ تمام مخلوقات کو سنبھالے ہے اس بن کوئی معبود نہیں وہ زبردست اور حکمت والا ہے" اسمیں
علاوہ دیگر ناموں کے المقسط آیا ہے اور اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم پ۳ ع۲ "اللہ وہ ذات پاک ہے کہ اسکے سوائے کوئی معبود نہیں وہ الحی اور القیوم ہے" اسمیں
الحی اور القیوم دو نام ہیں ۔ افمن ھو قائم علیٰ کل نفس بما کسبت پ۱۳ ع۱۱ "کیا جو خدا ہر ایک شخص کے اعمال کی خبر رکھنے والا ہے بدکرداروں کو یوں چھوڑ دیگا؟"
اس میں القائم ہے ۔ اور الم یجدک یتیما فاوٰی ووجدک ضالا فھدیٰ ووجدک عائلا فاغنیٰ پ۳۰ ع۱۸ "کیا اس نے تجھے یتیم نہیں پایا پھر جگہ دی اور دیکھا
کہ تجھے اسلام کی خبر نہیں ہے اور اس کی تلاش میں تم ادھر ادھر پھر رہے ہو تو تم کو اسلام سکھایا اور تجھے مفلس پایا اور دولتمند کر دیا" اس میں الواجد اور المغنی
اور قل ھو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد پ۳۰ ع۳۴ "اے نبی لوگوں کو سمجھا دو کہ وہ اللہ ایک ہی ہے بڑا بے نیاز ہے اس سے کوئی پیدا
نہیں ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے اور نہ اسکے برابر کا کوئی ہے" اس میں اللہ کے علاوہ یہ نام ہیں الاحد ۔ الصمد ۔ لم یلد ۔ لم یولد ۔ لم یکن لہ کفوا احد
اور لمن الملک الیوم للہ الواحد القھار پ۲۴ ع۲ "آج کس کی بادشاہی ہے؟ اللہ کی جو اکیلا ہے اور سب پر غالب" اس میں اللہ کے نام کے علاوہ الواحد
اور القھار ہیں اور ان الذی احیاھا لمحی الموتیٰ پ۲۴ ع۱۹ "جس اللہ نے اس مردہ زمین میں جان ڈال دی ہے وہی قیامت کو سب مردوں کو زندہ کرنیوالا ہے"
اس میں المحی نام آیا ہے ۔ اور لہ ملک السمٰوات والارض یحیی ویمیت وھو علیٰ کل شئ قدیر ھو الاول والاخر والظاھر والباطن وھو علیٰ کل
شئ قدیر پ۲۷ ع۱۷ "آسمان اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے وہی جلاتا اور مارتا ہے اور وہ ہر شئے پر قادر ہے ۔ وہی اول ہے اور وہی آخر ہے اور وہی ظاہر ہے اور وہی
باطن اور وہ ہر شئی کو جانتا ہے" اس میں علاوہ دیگر ناموں کے یہ ہیں ۔ الممیت ۔ الاول ۔ الاخر ۔ الظاھر ۔ الباطن ۔ اور ان اللہ ھو الحق المبین پ۱۸
ع۹ "بیشک اللہ ہی حق اور حق کو آشکار کرنیوالا ہے" اس میں دو نام الحق اور المبین ہیں ۔ اور ولا تنقضوا الایمان بعد توکیدھا وقد جعلتم اللہ علیکم کفیلا
پ۱۴ ع۱۹ "اور اپنی قسموں کو پکا کئے پیچھے نہ توڑو حالانکہ اللہ تعالےٰ کو تم کفیل یعنی ضامن ٹھیرا چکے ہو" اسمیں الکفیل ہے ۔ اور اللہ نور السمٰوات والارض پ۱۸ ع۱۲
"اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے" میں النور ہے ۔ اور کل من علیھا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام پ۲۷ ع۱۲ "ہر چیز معرض فنا میں ہے
صرف تیرے رب کی ذات باقی رہ جاویگی جو بزرگی اور عزت والی ہے" اس میں الباقی اور ذوالجلال والاکرام دو نام ہیں ۔ اور انا لنحن نحیی ونمیت ونحن
الوارثون پ۱۴ ع۲ "اور ہم ہی جلاتے اور مارتے ہیں اور ہم ہی وارث ہیں" میں المحی والممیت کے علاوہ الوارث آیا ہے ۔ اور وھو القاھر فوق عبادہ
پ۷ ع۸ "اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے" میں القاھر آیا ہے ۔ اور مٰلک یوم الدین پ۱ ع۱ "روز جزا کا مالک" اسمیں المالک ہے ۔ اور عند ملیک مقتدر پ۲۷
ع۱۰ "بادشاہ ذی اقتدار کے ہاں" میں الملیک اور المقتدر ہے ۔ اور الیس ذٰلک بقادر علیٰ ان یحیی الموتیٰ پ۲۹ ع۱۸ "کیا وہ خدا جسنے طرح طرح کی تغیرات کے
بعد نطفۂ منی کو انسان بنا ڈالا مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے" میں القادر آیا ہے اور واللہ غالب علیٰ امرہ پ۱۲ ع۱۳ "اور اللہ ہی اپنے ارادہ کے جاری
کرنے پر غالب ہے" میں الغالب ۔ اور فانتقمنا منھم پ۲۵ ع۸ "پس ہم نے ان سے انتقام لیا" اور واللہ عزیز ذوانتقام پ۳ ع۹ "اس میں العزیز
کے علاوہ المنتقم ہے اور سبح اسم ربک الاعلیٰ پ۳۰ ع۱۳ "اپنے رب کے نام کی تسبیح کیا کر جو بڑا عالی شان ہے" میں الاعلیٰ اور فسبح باسم ربک العظیم

پ ع "پس اپنے رب عظیم کی تسبیح کیا کر" اس میں العظیم آیا ہے اور واللہ یقبض ویبصط پ ع "اور اللہ ہی تنگدستی بھی اور کشائش بھی دیتا ہے" میں القابض اور الباسط نام ہیں۔ اور نرفع درجات من نشاء پ ع "ہم جسکے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں" میں الرافع ہے۔ اور رفیع الدرجات ذوالعرش پ ع "درجوں کا بلند کرنے والا صاحب عرش ہے" اسمیں الرفیع اور ذوالعرش دو نام ہیں۔ اور وتعز من تشاء وتذل من تشاء پ ع "اور تو ہی جسے چاہے عزت دیوے اور جسے چاہے ذلت دے" میں المعز اور المذل ہیں۔ اور واللہ المستعان علی ما تصفون پ ع "اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو خدا مدد کرے کہ اس کا پردہ فاش کرے" میں المستعان ہے۔ اور الیس اللہ بکاف عبدہ پ ع "کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے" میں الکافی اور واللہ سریع الحساب پ ع "اور اللہ جلد حساب کرنیوالا ہے" میں السریع۔ اور واللہ علی کل شئی شہید پ ع "اور اللہ ہر شئی کا واقف ہے" میں الشہید اور وربک علی کل شئی حفیظ پ ع "اور تیرا رب ہر شئی کا نگہبان ہے" میں الحفیظ۔ اور وکان اللہ علی کل شئی مقیتا "اور اللہ ہر شئی پر نگہبان ہے" ان اللہ کان علی کل شئی حسیبا "بیشک اللہ ہر شئی کا حساب لینے والا ہے" ومن اصدق من اللہ حدیثا پ ع "اور بات کرنے میں اللہ سے بڑھکر کون سچا ہے" میں المقیت اور الحسیب۔ اور الصادق تین نام ہیں۔ اور ان اللہ کان علیکم رقیبا پ ع "بیشک اللہ تم سب کا نگران حال ہے" میں الرقیب آیا ہے اور ان ربی قریب مجیب۔ پ ع "بیشک میرا رب قریب اور مجیب ہے" میں المجیب اور الرقیب۔ اور نحن اقرب الیہ من حبل الورید پ ع "ہم شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے نزدیک ہیں" میں الاقرب اور عالم الغیب والشہادۃ الکبیر المتعال وما لھم من دونہ من وال پ ع "پوشیدہ اور ظاہر دونو کا جاننے والا سب سے بڑا اور عالی قدر ہے۔ اور خدا کے سوائے کوئی بھی ان کا حامی اور کارساز نہیں ہے" میں الوالی اور المتعالی ہیں۔ اور ربنا الذی اعطی کل شئی خلقہ ثم ھدی۔ پ ع "ہمارا رب وہ ہے جسنے ہر شئے کو اس کی اپنی اپنی بناوٹ عطا کی ہے اور پھر ان کو انکی راہ دکھادی" میں المعطی ہے اور قل لا املک لنفسی ضرا ولا نفعا الا ما شاء اللہ پ ع "کہو میرا اپنا نقصان و نفع بھی تو میرے اختیار میں نہیں ہے ہاں جو خدا چاہتا ہے وہی ہوتا ہے" میں النافع اور الضار دو نام ہیں اور ان اللہ بما یعملون محیط پ ع "بیشک اللہ جو کچھ وہ کرتے ہیں اس کو گھیرنے والا ہے" میں المحیط ہے اور یوم یبعثھم اللہ جمیعا فینبئھم بما عملوا احصاہ اللہ ونسوہ پ ع "جس دن اللہ تعالے ان کو جلا اٹھائیگا پھر جیسے جیسے عمل یہہ لوگ کرتے رہے ہیں ان کو بتا دیگا مگر اللہ تو ان عملوں کو گنتا گیا اور یہہ خود کر کرکے ان کو بھول گئے" میں الباعث اور المحصی دو نام ہیں۔ اور ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ پ ع "بیشک اللہ تعالے ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا" میں اللہ تعالے کے کمال درجہ کے عادل ہونے کی صفت ہے یعنی العدل ہے اور ولو یعجل اللہ للناس الشر استعجالھم بالخیر لقضی الیھم اجلھم فنذر الذین لا یرجون لقاءنا فی طغیانھم یعمھون پ ع "جس طرح لوگ فائدوں کے لئے جلدی کیا کرتے ہیں اگر خدا بھی اُسی طرح ان کو ان کی بدکرداریوں کے سبب سے جلدی پکڑتا تو ان کی موت کبھی کی آچکی ہوتی۔ اور ہم ان لوگوں کو جن کو ہمارے پاس آنے کا یقین نہیں ہے چھوڑ رکھتے ہیں کہ وہ اپنی سرکشی میں پڑے بھٹکا کریں"۔ اور واملی لھم ان کیدی متین پ ع "میں ان کو مہلت دیتا ہوں ہمارا داؤ بڑا لگا ہے" میں الصابر اور الصبور ہیں۔ اور ان اللہ مخزی الکافرین پ ع "اور بیشک اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے" میں اگرچہ لفظ المخزی آیا ہے مگر معنے وہی ہے جو الخافض کا ہے اور سورہ واقعہ میں اگرچہ خافضۃ رافعۃ دو صفتیں قیامت کے واقعہ کی ہیں مگر آخر وہ دن بھی تو اللہ ہی کا مقرر کیا ہوا ہے اسواسطے اللہ تعالے ہی فقط الخافض اور الرافع ہے۔ اور وقد قدمت الیکم بالوعید پ ع "اور ہم پہلے ہی سے تم کو ایسا ڈرسنوا چکے تھے" میں المقدم ہے اور ولو یواخذ اللہ الناس بظلمھم ما ترک علیھا من دابۃ ولکن یؤخرھم الی اجل مسمی پ ع "اور اگر اللہ تعالے جنوں اور انسانوں کو ان کی نافرمانی کے بدلے مواخذہ کرتا تو زمین پر کوئی متنفس باقی نہ چھوڑتا مگر وہ ایک وقت مقرر تک ان کو مہلت دیتا ہے"۔ ولقد اتینا ابراھیم رشدہ من قبل وکنا بہ عالمین پ ع "اور ابراہیم کو ہم نے شروع ہی سے اس کی رشد عطا کی تھی اور ہم ان کے صلاحیت حال سے خوب واقف تھے" اس میں الرشید ہے۔

اسی طرح اور بھی کئی ایک نام قرآن شریف میں ہیں۔ اوپر کی آیات سے صاف ثابت ہے کہ اوس ذات پاک کے جسکا ذاتی نام اللہ ہے بہت سے نام ہیں اور یہہ نام اصل میں اللہ تعالی کی صفات کمال ہیں جنکا ذات خداوندی میں بطریق کمال موجود ہونا از حد ضروری ہے اگر کوئی بھی صفت کمال اس میں نہو یا کسی صفت میں کوئی بھی نقص ہو تو وہ اللہ نہیں ہے۔ پس کلمہ الحمد للہ کے معنے ہر قسم اور سب طرح کی حمد اللہ ہی کے لئے مختص ہے کیسا صادق ہے۔ اور اگر کسی اور شئی میں کسی ایک صفت کا بھی کمال ہو تو پھر اللہ تعالے کا خاصہ کمال ٹوٹ جاتا ہے اور اس سے اللہ کی صفات میں نقص آجاتا ہے کیونکہ اس خاص صفت میں وہ شئی اللہ کے شریک ہو جاتی ہے اور یہہ محال ہے پس ہر طرح سے ثابت ہو گیا کہ صفات کمال کا مالک بجز اللہ تعالے کے اور کوئی ہو نہیں سکتا حتی کہ من دون اللہ یعنی اللہ تعالے کے سوائے باقی جتنی مخلوقات ہے ملا اعلی کے مقرب سے مقرب فرشتے سے لیکر تحت الثری کے ادنے سے ادنے مخلوق

انکا سب کی سب ایسی ہیں کہ ان میں کوئی بھی صفت کمال نہیں ہے ایک موت ہی کو دیکھو اس نے سب کو شکار کر رکھا ہے کل نفس ذائقۃ الموت اور کل شئی ھالک الا وجہہ۔ وغیرہ وغیرہ آیات اسپر شاہد ناطق ہیں یعنے یہہ کہ ہر نفس نے موت کا مزہ چکھنا ہے خواہ ملک الموت ہی کیوں نہ ہو اور ہر چیز معرض ہلاکت میں پڑی ہے اور اسکو ضرور فنا ہونا ہے اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پاک کو بقا ہے۔ مقرب سے مقرب رسول اور نبی کا یہہ حال ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی وحی کو دخل شیطان سے پاک رکھنے کیلئے فرشتوں کی چوکی پہرہ لگا دیتا ہے اور اگر دین کی ترویج اور اشاعت کی تجاویز میں سے جو رسول کو اپنی قوت اجتہادی سے کرنی پڑتی ہیں کسی تجویز میں کوئی رخنہ اندازی کر دے اور اپنے نزغ اور مس اور القاسے کام دے تو اسی وقت اس رسول کو آگاہ کرتا اور دین کی اشاعت اور ترقی کی سچی اور واقعی تجویز بتاتا ہے غرضکہ اپنی سبوحیت اور تنزیہہ ہر طرح سے اپنے لئے ہی مختص رکھتا ہے۔ اور فرشتوں اور رسولوں کو بتا دیتا ہے کہ تم میری طرح منزہ اور مقدس نہیں ہو کیونکہ تم کو صفات کمال نہیں دی گئیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرماتا ہے۔

وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنےٰ القی الشیطٰن فی امنیتہٖ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطٰن ثم یحکم اللہ ایٰتہٖ واللہ علیم حکیمٌ ۔ پ ۱۷ ع ۱۳ ۔

"اور ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا کہ اسکو یہہ معاملہ پیش نہ آیا ہو کہ جب کبھی انہوں نے دین کی حمایت اور ترقی کے لئے اپنی طرف سے کوئی آرزو یا خیال یا ارادہ کیا جسکی نہ تو وحی ہی ناطق ہوتی ہے اور نہ وہ آرزو بجائے خود دنیا سے متعلق ہوتی ہے یعنی محض دین کی خاطر وہ کوئی تجویز یا کام اپنی طرف سے کرنے لگے تو شیطان ان کی اس آرزو یا ارادے میں وسوسہ ڈالتا تھا مگر اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ شیطان کے اس وسوسہ کو دور کرتا جس طرح اس وسوسہ سے پہلے خدا کا دین محکم اور مضبوط ہوتا تھا۔ اسی طرح اس وسوسہ کے دور کرنے کے بعد اسکو مضبوط کرتا رہتا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور بڑا حکمت والا ہے"۔

عالم الغیب فلا یظہر علیٰ غیبہٖ احدًا ۝ الا من ارتضیٰ من رسولٍ فانہ یسلک من بین یدیہ ومن خلفہٖ رصدًا ۝ لیعلم ان قد ابلغوا رسٰلٰت ربہم واحاط بما لدیہم واحصیٰ کل شئی عددًا ۝ پ ۲۹ ع ۱۲

"وہی غیب کا عالم ہے اور اپنے غیب کی باتیں کسی پر ظاہر نہیں کیا کرتا مگر ہاں اپنے برگزیدہ رسولوں پر کرتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہہ کام بھی کرتا ہے کہ ان کے آگے اور پیچھے فرشتوں کا پہرہ رکھتا ہے تاکہ لوگوں پر ظاہر کر دے کہ ان پیغمبروں نے اپنے رب کے پیغام سب کے سب بالضرور پہنچا دیئے ہیں اور ان کے جملہ حالات اسی کے احاطہ علم میں ہیں اور اس نے تمام چیزوں کی گنتی تک اپنے علم و نظر میں کر رکھی ہے"۔

فرشتوں کی بابت اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں خبر دیتا ہے کہ وہ بھی منزہ اور مقدس من کل الوجوہ نہیں ہیں اور یہہ خاصہ مختص اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور بس۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قالوا سبحٰنک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم ۔ پ ۱ ع ۴

یہہ کہ وہ فرشتے جنہوں نے آدم کی نسبت کچھ نکتہ چینی کی تھی آخر کار بعد امتحان بول اٹھے کہ اے رب تو پاک ذات ہے جتنا کچھ تو نے ہم کو بتا رکھا ہے بس اتنا ہی ہم کو معلوم ہے اسکے سوا ہم کو اور کچھ معلوم نہیں یہہ تیرا ہی خاصہ ہے کہ فقط تو ہی سب کچھ جانتا اور اسکے اندر جسقدر راز اور اسرار اور حکم موجود ہوتے ہیں اُن سب کو خوب پہچانتا ہے"۔

غرضکہ کیا فرشتے اور کیا اولوالعزم رسول سب کے سب اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہر عیب و نقصان سے پاک اور اپنی تئیں اسی کے محتاج مانتے ہیں باقی مخلوقات کا کیا ذکر ہے۔ پس لازمی نتیجہ یہہ نکلا کہ سب قسم اور ہر قسم کی ستائش اور تعریف اور ان کے لوازمات شکر اور مدح اور ہر قسم کی عبادت سب کی سب محض اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار اور مختص اور زیبا ہیں اور بس یعنے یہہ کہ اس کے سوائے کسی مخلوق کی یہہ شان نہیں ہے کہ وہ کوئی بھی صفت کمال رکھ سکے اور جب حال یہہ ہے تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ کوئی مخلوق بھی الحمد (سب قسم اور ہر طرح کی حمد) کا مستحق ہو سکے یا یوں کہو کہ بالکل محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے کوئی بھی اس قابل ہو کہ الحمد کا استحقاق رکھتا ہو پس من کل الوجوہ کلمہ الحمد للہ (اللہ تعالیٰ ہی کے لئے سب قسم اور ہر طرح کی تعریف مختص ہے) بالکل حق اور سچ ہے پس یہہ کلمہ الحمد للہ ایسا ہے کہ اس میں پوری پوری تعلیم بطور ترغیب اس امر کی ہے کہ جملہ جن اور انس اپنی فطرت کی قوت ملکیہ کی تربیت کریں اور اس کو اعتدال پر رکھیں اور اس امر کی پوری پوری نگاہ رکھیں کہ مبادا ان کی یہہ قوت باقی کی دو قوتوں یعنی قوت بہیمی اور قوت سبعی کی مقہور و مغلوب ہو جاوے۔

اولٰئک کالانعام بل ہم اضل اولٰئک ہم الغافلون پ ۹ ع ۱۲

"اور یعنی ایسے لوگ ڈنگروں اور چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر اور ایسے لوگ بڑے غافل ہیں"۔

فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ ولکن

"سنجا دین اوس آسمان ذات کی اللہ کی اور اس فطرت یعنے پیدا کردہ حالت کی نگہبانی کیا کرو جسپر اللہ تعالیٰ نے

اکثر الناس لایعلمون پ ۲۱ ع ۶

تمام جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا ہے اللہ تعالے کے اس خلق یعنی فطرت یا پیدا کردہ حالت میں تبدیل کرنا جائز نہیں ہے یہی ہے وہ کامل اور جمیع صفات

حسنہ والا دین جو سیدھا خدا کی طرف جاتا ہے مگر بہت سے جن اور انسان نہیں جانتے ۔ تو کہ کر جہنم کا ایندھن ہو جاویں۔
اور چونکہ اللہ ذاتی نام ہے اسواسطے ہر طرح کی حمد کے لئے ضرور تھا کہ صرف اللہ کا لفظ سب سے پہلے بولا جاتا اس کے بعد رب العلمین فرمایا جس کے معنے ہیں تمام مخلوقات کا رب۔ رب قرآن شریف میں کئی معنوں میں مستعمل ہوا ہے ۔ مثلاً سید مالک ۔ خالق ۔ مربی اور مدبر یہاں یہہ سارے معنے مراد ہیں اور العلمین میں آل استغراقی ہے اور عالمین ہے جمع عالم کی اور عالم کہتے ہیں اوس چیز کو جس کے سبب سے خالق کا پتہ لگ جاوے اور یہاں کلمہ رب اللہ کی صفت کا شفقہ منزلہ علت واقع ہوا ہے اور اسی طرح اگلی صفات الرحمن الرحیم ۔ مٰلک یوم الدین بھی پس رب العلمین کے معنے اب یہہ ہوئے ۔ (۱) کل مخلوقات کا سید یعنی سردار کیونکہ اس کا رتبہ اور مرتبہ سب سے بڑھ کر ہے اور اسی واسطے سب سے اعلیٰ حمد کا مستحق ہے اور نیز اس لئے کہ اپنے بندوں پر اپنی سرداری کی حیثیت سے انعام واکرام کرتا ہے (۲) کل مخلوقات کا مالک پس جب وہ مالک ٹھیرا اب کس کی مجال ہے کہ اس کی ملک میں کسی قسم کا بھی تصرف کوئی کر سکے پس اس لحاظ سے بھی ہر طرح کی حمد کا مستحق اللہ ہی ہوا (۳) کل مخلوقات کا خالق پس اس لحاظ سے بھی اللہ تعالے ہی مستحق حمد ہر نوع ہے کیونکہ نابود سے بود اور نیست سے ہست کرنا یا یوں سہی کہ اپنے جملہ افعال وصفات کمال کا بدرجہ اتم ظاہر کرنا خالق ہی کا کام ہے اور وہ اللہ ہی ہے اور پس (۴) کل مخلوقات کا مربی یعنی انکی حالت فطری اور خلقی کے مطابق ان کی تربیت کرنے والا پس اس لحاظ سے بھی اللہ ہی مستحق حمد جملہ اقسام ہوا (۵) کل مخلوقات کا مدبر یعنے ہر ایک شئی کی ابتدائی حالت سے لیکر اسکے انتہائی درجہ کی حالت تک اُس کے مختلف حالات کے مطابق اس کی تربیت کرنیوالا پس منجملہ مخلوقات کے جملہ معشر الجن والانس کی نہ صرف جسمانی تربیت ہی کرنیوالا بلکہ ان کی روحانی تربیت بھی کرنیوالا یعنی یہہ کہ ایسی تدبیریں بتانیوالا جو اون کی معاش اور معاد اور دنیا اور عقبیٰ دونوں کے لئے کارآمد ہوں اور وہ اپنی ابتدائی حالت سے ترقی کرتے کرتے اعلیٰ مراتب تک پہنچ جاویں پس ضرور ہوا کہ ان کی تربیت جسمانی اور روحانی کے لئے اب اپنی مہربانی سے ہدایت نامہ منزلہ آسمانی عطا فرماوے جس میں ہر قسم کی طہارت جسمانی و روحانی اور ہر قسم کی عبادت اور سب قسم کے معاملات کا ذکر ہو اور چونکہ رب کی ربوبیت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی مخلوقات کی تربیت کرے اسواسطے لازمی نتیجہ نکلا کہ وہ خود ہر قسم کی تربیت کے طریقے بتا دے نہ کہ خود مربوب آپ اپنی تجویزیں اختراع کرے اور یہہ بھی ضرور ہوا کہ اوس ہدایت نامہ کی تعلیم کرنیوالے یعنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی خود اللہ تعالی ہی اپنی ربوبیت کے تقاضا سے مبعوث فرماوے غرضکہ اس کلمہ رب العلمین سے ہر قسم کے جملہ مذاہب باطلہ و لامذہبوں اور فرقہ نیچریوں (وہ لوگ جو کسی مذہب کے پابند نہیں ہیں صرف اپنے ہوائے نفسانی کے پابند ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح ہماری سمجھ میں آویگا کرینگے خدا کو اس کام سے کیا تعلق ہے) کی پوری پوری تردید ہے اور یہہ کلمہ نقارے کی چوٹ کے ساتھ منادی کر رہا ہے کہ یہہ مربوب کا کام نہیں ہر یہہ اللہ کا کام ہر جو رب ہے غرضکہ کوئی معنے لو سب کا مآل واحد ہے اور سب کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ حقیقت میں مستحق حمد جملہ اقسام وہی پاک ذات ہے اور بس پس کلمہ رب العالمین میں بھی تعلیمی ارشاد ہے کہ اے جنو اور اے انسانو تم اپنی فطرت کی ان تینوں قوتوں ملکی بہیمی سبعی کی تربیت مطابق ہدایت نامہ منزلہ آسمانی ربانی کیا کرو اور رب العالمین کی تعلیم کے مطابق ان کی نگہبانی کرو اور ان کو اعتدال پر رکھا کرو یہہ ساری باتیں خود لفظ رب سے بطور خلاصہ مفہوم و معلوم ہوتی ہیں اور چونکہ یہہ سورت یعنی سورۃ الفاتحہ سارے قرآن شریف کا خلاصہ ہے اسواسطے اس میں ہر قسم کی تعلیم بھی صرف خلاصہ کے طور پر ہی مذکور ہے اور اوپر لکھا جا چکا ہے کہ اللہ کا لفظ اسواسطے سب سے پہلے بولا گیا ہے کہ یہہ ذاتی نام ہے اور جامع جمیع صفات کمال ہے ۔ اب یہہ بتایا جاتا ہے کہ اس کے بعد لفظ رب کیوں لایا گیا ہے ۔ سو واضح ہو کہ اللہ تعالی کی ذات کے ظہور کے لئے سب سے بڑھ کر ظاہر با ہر صفت جو ظاہر اور باطن طور پر ہر نفس پر دمبدم جلوہ گر ہو رہی ہے صفت ربوبیت ہی ہے اسواسطے اللہ تعالے کے ذاتی نام کے بعد یہہ صفت بیان کی گئی ہے تاکہ ہر ذی عقل دیکھتے ہی رب العالمین کے فرماتے ہوئے دین اور ہدایت پر عمل کرنا شروع کر دیوے اور چونکہ رب العٰلمین سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف تو رب ہے جو دونوں قسم کی تربیت جسمانی اور روحانی کرتا ہے اور دوسری طرف العالمین ہے یعنے جملہ مخلوقات جنکی دونوں قسم کی تربیت رب کرتا ہے اور یہہ یقینی امر ہے کہ مربوب یعنی جس کی تربیت ہوتی ہے یا تو اپنے رب کی ربوبیت کی قدرشناسی کر کے شاکر ہوگا یا ناقدرشناسی کر کے کافر ۔ اور یہہ بھی مسلّم ہے اور ہر کہ ومہ کے تجربہ اور مشاہدہ میں آ رہا ہے کہ اللہ تعالے کسی کافر کی بھی تربیت بند نہیں کرتا نہ جسمانی اور نہ روحانی کیونکہ وہ برابر جسمانی تربیت کی طرح روحانی تربیت بھی جاری رکھتا ہے خواہ کوئی کیسا ہی کفار عقیدہ کیوں نہ ہو اور خواہ کیسا ہی سرکش کیوں نہ ہو تو اب سوال یہہ ہے کہ اللہ تعالے

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳﴾ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴﴾

عام بخشش کرنیوالا مہربان روز جزا کا مالک

ایسا کیوں کر رہا ہے تو اس کی وجہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور صفت بیان فرما دی ⑬ الرحمٰن جس کے معنے ہیں عام بخشش کرنے والا۔ سو کافروں کی تربیت بند نہ کرنے کی وجہ خود لفظ الرحمٰن میں موجود ہے اور اس کی تشریح جا بجا قرآن شریف میں موجود ہے مثلاً ایک جگہ یہ ہے کہ ہم سب کو ان کے اپنے اپنے حال پر چھوڑے رکھتے ہیں ان کو بھی اور ان کو بھی اور اس کی وجہ تیرے رب کی عام بخشش ہے نہ کچھ اور بات اور تیرے رب کی عام بخشش کا یہ حال ہے کہ وہ کبھی بھی کسی سے بند نہیں کی گئی — سب پر ہمیشہ جاری رہتی ہے۔"

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا (پ ۱۵ ع ۲)

سو یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے خلاصہ کے طور پر یہی وجہ بیان فرمائی کہ ہم سب قسم کے لوگوں کی دونوں قسم کی تربیت جسمانی بھی اور روحانی بھی کرتے رہتے ہیں اور کسی کی یہ تربیت بند نہیں کر دیتے کیونکہ ہم الرحمٰن ہیں ہماری رحمانیت کا تقاضا ہے کہ دونوں قسم کی تربیت جاری رہے اور چونکہ ربوبیت اور رحمانیت دونوں اللہ تعالیٰ کی عام صفتیں ہیں۔ اور قاعدہ کی بات ہے کہ بفحوائے وخلق الانسان ضعیفا (پ ۵ ع ۲) (انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے) اللہ تعالیٰ کی ان عام بخششوں اور کرموں کو دیکھ کر انسان کی طبیعت گستاخیوں اور افراط و تفریط کی طرف مائل ہونے لگتی ہے اور اپنے مہربان رب کی قدر و منزلت اور اس کے وقار اور اس کے دل میں کما ینبغی نہیں بیٹھتا اس واسطے اس تفریط و افراط کو دور کرنے کی غرض سے آگے ایک اور صفت بیان فرما دی کہ اے انسانو اور لوگو تم اگر ہماری تربیت اور رحمانیت کی قدر کرو گے اور اپنے رحمان کے ساتھ اس تعلیم کے موافق جو ہم نے بحیثیت رب اور رحمان ہونے کے تمہاری فطرت کو بحال اور علی حد اعتدال رکھنے کے لئے دی ہے تعلق پیدا کر لوگے تو ہم تم پر خاص خاص عنایات بھی کریں گے اس واسطے الرحمٰن کے ساتھ ہی دوسری صفت الرحیم بیان فرما دی کیونکہ الرحیم اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفت اس وجہ سے ہے کہ وہ شکر گذاروں کے مرتبے بڑھاوے اور جوں جوں کوئی ذی عقل اللہ تعالیٰ کی ان صفات میں معرفت کو بڑھاوے اللہ تعالیٰ بھی اس کی اس سعی کی قدر دانی کرے اور اس کو ضائع نہ کرے بلکہ مہربانی کرے۔ مگر ضمناً اس کی ضد سے فوراً سمجھا جاتا ہے کہ جو شکر گذار نہ ہوں بلکہ الٹے ناشکر گذار اور نافرمان ہوں اور ربوبیت اور رحمانیت کی قدر نہ کریں تو ان کے لئے کچھ سزا ہو۔ سو یہ سزا بھی اشارۃً الرحیم کے لفظ سے سمجھی جاتی ہے۔ اس وقت تک رب العلمین۔ الرحمٰن اور الرحیم یہ صفتیں محض ترغیب کے طور پر بولی گئی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی ربوبیت اور رحمانیت اور رحیمیت بتا کر یہ تعلیم فرمائی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرے اور اپنی فطرت کو اعتدال پر رکھے اور ضمناً یہ وعید بھی ہے کہ اگر ایسا نہ کرو گے تو محل غضب ہو گے۔ غرضکہ یہ دو صفتیں بھی یہی ظاہر کر رہی ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہر قسم کی حمد کا مستحق ہے اور بس کیونکہ وہ رب ہے۔ الرحمٰن بھی ہے اور الرحیم بھی ہے اور واضح رہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں لفظ الرحمٰن الرحیم صرف اس غرض سے بیان ہوئے ہیں کہ وہاں اللہ کی ذات کے وجود کے ثبوت کی دلیل ہیں اور یہاں اس واجب الوجود کے ہی مستحق حمد ہونے کی دلیل ہیں یعنی وہاں ان لفظوں کا مورد اور ہے اور یہاں ان کا مورد اور ہے یعنی وہاں سوال یہ ہے کہ جس اللہ کے نام سے شروع کرنے کا حکم دیا جاتا ہے اس کے ہونے کا ثبوت کیا ہے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ وہ الرحمٰن الرحیم ہے اور یہ دونوں صفتیں ظاہر باہر ہیں اور یہاں سوال یہ ہے کہ کیوں اللہ تعالیٰ ہی فقط مستحق حمد ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہی الرحمٰن الرحیم ہے پس قطعی طور پر اظہر من الشمس ہو گیا ہے کہ سورۃ فاتحہ کی پہلی آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور اس تیسری آیت الرحمٰن الرحیم میں کوئی تکرار نہیں ہے کیونکہ ان کے محل اور مورد الگ الگ ہیں جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ اس کلمہ الرحمٰن الرحیم میں بھی قوت بہیمی اور قوت سبعی کی تربیت کرنے اور اعتدال پر رکھنے کی ترغیبی تعلیم موجود ہے جیسا کہ پہلے بھی الرحمٰن الرحیم میں بیان ہو چکا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس ترغیب پر جو اشارۃً بیان ہوتی ہے بس نہ کی بلکہ اس سے اگلی آیت ⑭ ملک یوم الدین میں تصریح فرما دی کہ ربوبیت اور رحمانیت اور رحیمیت پر غرہ ہو کر اپنی فطرت کو برباد نہ کر دیں کما قال

یاَیھا الانسان ما غرک بربک الکریم٥ الذی خلقک فسوٰک فعدلک فی ایّ صورۃ ما شاء رکبک٥ کلا بل تکذبون بالدین٥ پ ٣٠ ع ٦ -

"اے جنو اور اے انسانو کس چیز نے تم کو تمہارے رب کریم کے کرمون پر گستاخ کردیا ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور ٹھیک ٹھاک بنایا اور تمہارے جوڑ بند مناسب رکھے پھر جس طرح چاہا تمہارے جوڑوں کے پیوندوں کو ملا دیا مگر بات یہہ ہے کہ قیامت کے دن کو تم مانتے نہیں ہو ورنہ کہاں تم اور کہاں تمہاری یہ گستاخیاں"

اور جو لوگ رب کریم کی مہربانیوں اور رحمانیت اور ربوبیت کی قدر کرنے والے ہیں اور محل عنایات خاص ہیں وہ اپنے ایمانوں کو تازہ کریں اور یہہ یقین کریں کہ یہہ سارا کارخانہ یوں ہی معطل اور عبث اور لغو اور لڑکوں کا کھیل نہیں ہے بلکہ ضرور ضرور شاکر کے شکر اور ناشکر گذار کی ناشکری کی جزا سزا کے لئے ایک دن مقرر کر رکھا ہے اور اس ذو الجلال والاکرام کے جلال کے سامنے کسی ملک مقرب اور رسول اولوا العزم کی بھی مجال نہیں کہ کچھ بول سکے پس دونو قسم کے لوگوں کو یعنے کافرین کی ترہیبا یعنی اُن کو ان کی بداعمالیوں کے سبب اُن کو معذب کرنے اور شاکرین کو ان کے حسن اعتقاد اور حسن اعمال اور حسن اخلاق کے سبب ان کو انعام و اکرام کی امید دلانے کے لئے فرمادیا ملٰک یوم الدین یعنے ہر قسم کی جزا کے دن کا مالک الدین میں الٓ استغراقی ہے یعنے جملہ اقسام دین اور دین کہتے ہیں جزا یا بدلہ کو یعنے ہر قسم جزا کے جملہ اقسام خواہ متعلق اعتقادات ہوں خواہ متعلق اعمال و افعال و اخلاق و اقوال ہوں خواہ متعلق حقوق اللہ ہوں خواہ متعلق حقوق العباد خواہ اصول ہوں خواہ فروع خواہ قلیل ہوں خواہ کثیر غرضکہ سب انواع و اقسام جزا جس دن جاری ہونگی اُس دن اللہ تعالےٰ ہی خود اپنی ذات پاک سے آپ اپنے اختیار سے سب کو بدلہ دیگا - اور جملہ ملائکۃ اللہ ورسل و انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے کسی کو رتی بھر اختیار نہ ہوگا کہ کسی طرح کی کوئی مداخلت کسی چیز میں بھی کرسکیں - اور یہہ دن جس میں ایسا ہوگا قیامت کا دن ہے جسکے کئی ایک نام قرآن شریف میں وارد ہوئے ہیں مثلاً - یوم الفصل - یوم الحساب - یوم التناد - یوم الآزفۃ - یوم التغابن - یوم القیامۃ - وغیرہ وغیرہ - یہہ آیت کل مسائل معاد کا خلاصہ ہے - جس کی تفصیل جابجا قرآن کریم میں بیان ہوئی ہے مثلاً موت کے وقت کا حال - قبر - عالم برزخ - عالم حشر ونشر و حساب و وزن و دوزخ و جنت اور ان کے آلام و آرام وغیرہ وغیرہ سب کے سب بطور خلاصہ اس میں مذکور ہیں - غرضکہ رب العالمین اور الرحمن میں تو اپنی فطرت کو اعتدال پر رکھنے اور اس کو کسی نوع سے بھی متغیر و متبدل نہ کرنے کی ترغیبی تعلیم صریح طور پر مذکور ہے اور الرحیم میں نیکو کاروں کی محل عنایت خاص ہونے کی صراحت اور بدکرداروں کے محل غضب ہونے کی اشارت ہے - اور ملٰک یوم الدین میں صریح طور پر دونو قسم کے لوگوں کے لئے یعنے نیکو کاروں کو اپنی ہر قسم کی نیکیوں اور بدکرداروں کو اپنی ہر قسم کی بداعمالیوں کے بدلے دیئے جانے کا ارشاد ہے اب دوسری طرح اسکو یوں سمجھو کہ الرحمن الرحیم تک یہہ مذکور ہے کہ ہم کو دنیا میں رہ کر کیا کرنا ہے اور کس طرح کرنا ہے اور ملٰک یوم الدین میں یہہ تعلیم ہے کہ قیامت کو ہم سے کیا ہوگا اور کس طرح ہوگا - اس آیت میں بھی تینوں قوتوں کو معتدل رکھنے کی تعلیم ہے مگر ترہیبی - پہلی آیات میں جیسا لکھا جاچکا ہے محض ترغیبی تعلیم تھی اور چونکہ ایک ضد سے دوسری ضد کا حکم سمجھا جاتا ہے اسواسطے پہلی آیات میں صریح طور پر ترغیبی تعلیم ہے اور اشارۃً ترہیبی اور اس آیت میں صریح طور پر ترہیبی اور اشارۃً ترغیبی تعلیم ہے کہ اے جنو اور اے انسانو اگر تم اپنی فطرت کو حد اعتدال پر رکھوگے یعنے موافق تعلیم ہدایت نامہ منزل آسمانی حکموں کی تعمیل کروگے تو تو تمہارے لئے جنات ہیں ورنہ جہنم - اس آیت سے یہہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ تعالےٰ ہی فقط مستحق حمد ہے اور بس -

اسوقت تک ہم ثابت کرچکے ہیں کہ اللہ تعالےٰ ہی فقط مستحق حمد ہے کیونکہ صرف وہی (١) رب العلمین ہے (٢) الرحمن ہے (٣) الرحیم ہے (٤) ملٰک یوم الدین ہے اور اسی طرح فقط اللہ تعالےٰ ہی مستحق الوہیت ہے اور بس کیونکہ وہی رب العلمین - الرحمن - الرحیم - اور ملٰک یوم الدین ہے پس اللہ تعالیٰ کے سوائے کوئی دوسری مخلوق نہیں اس قابل کہ وہ ہو رب یا الرحمن یا الرحیم یا ملٰک یوم الدین ولہذا کوئی اس قابل نہیں کہ وہ الحمد یا الوہیت یا اللہ بننے کی استعداد رکھہ سکتا ہو - ان سب آیتوں میں ہر قسم کے مشرکین کی تردید کی گئی ہے رب العالمین میں ان تمام لوگوں کے خیالات کی تردید ہے جنہوں نے اپنے احبار و رہبان (یعنی مولویوں - سجادہ نشینوں) کو مربی جسمانی و روحانی سمجھ رکھا ہے - کما قال اللہ تعالےٰ -

قل یاھل الکتٰب تعالوا الی کلمۃٍ سوآءٍ بیننا و بینکم الّا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہٖ شیئًا ولا یتخذ بعضنا بعضًا اربابًا من دون اللہ پ ٣ ع ١٥ -

"اے نبی ان سے کہو کہ اے اہل کتاب آؤ ایسی بات کی طرف رجوع کرو جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو اسکا شریک نہ ٹھیراویں اور اللہ کو سوائے ہم میں کوئی کسی کو رب نہ بنائے"

(٢) اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ پ ١٠ ع ١١

"یہہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے عالموں مولویوں اور سجادہ نشینوں اور مشائخوں کو رب بنا بیٹھے ہیں۔"

ایسے لوگوں کے اس مذہب کی تردید اللہ تعالیٰ دوسری جگہ یوں فرماتا ہے کہ نبی کبھی بھی نہ کہے گا کہ تم فرشتوں اور پیغمبروں کو رب بنا بیٹھو کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ

(٣) ولا یامرکم ان تتخذوا الملٰئکۃ والنبیین اربابا ط ایامرکم بالکفر بعد اذ انتم مسلمون ٥ پ ٣ ع ١٦-

تم تو ہو مسلمان اور وہ تم کو کفر کرنے کو کہے۔"

اسی طرح اللہ تعالیٰ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس وعظ کی حکایت کر کے فرماتا ہے کہ جب وہ جیل خانہ میں دوسرے قیدیوں کے ساتھ پڑے ہوئے تھے تو انہوں نے ان قیدیوں کو توحید کی تلقین اور شرک سے نفرت کرنے کی تعلیم کی اور پھر ان سے پوچھا کہ اے میرے ساتھیو بھلا تم ہی بتاؤ کہ جدا جدا

(٤) یٰصاحبی السجن ءارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار ہ پ ١٢ ع ١٤-

رب اچھے یا صرف ایک اکیلا زبردست اللہ۔"

خلاصۃ المرام یہہ ہے کہ رب العالمین نے جو تعلیم جن و انس کو اپنی فطرت وخلق بحال اور حد اعتدال پر قائم رکھنے کے لئے کی ہے یہی ہے کہ وہ کسی مقرب سے مقرب فرشتے اور اولوالعزم سے اولوالعزم رسل کو بھی اپنا مربی اور مدبر اور مالک نہ سمجھے بلکہ من کل الوجوہ اللہ تعالیٰ کو ہی یگانہ اور واحد لاشریک یقین کرے اسی طرح الرحمٰن الرحیم میں ان تمام لوگوں کے خیالات اور مقالات کی تردید ہے جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کے مقربین مثلاً ملائکہ و مرسلین سے ہر قسم کی رحمت اور مہر اور کشائش روزی اور فراخی رزق و فضل اور ترقی درجات وغیرہ وغیرہ کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ چنانچہ اسی کی تصدیق میں بعض آیات بینات لکھی جاتی ہیں۔

(١) قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ما شاء اللہ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء ان انا الا نذیر و بشیر لقوم یؤمنون ٥ پ ٩ ع ١٣-

"اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو کہ میرا اپنا ذاتی نفع و نقصان بھی میرے اختیار میں نہیں ہے غیر کے نفع نقصان کا کیا ذکر ہے مگر وہی ہو کر رہتا ہے جو خدا چاہے اور اگر میں غیب جانتا ہوں تو اپنا بہت سا فائدہ کر لیتا اور مجھے کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچتی۔ میرا کام یہہ ہے کہ جو لوگ ایمان لانا چاہیں میں ان کو دوزخ کے عذاب کا ڈر اور جنت کی خوشخبری سناؤں۔"

(٢) قل ارءیتم ان اھلکنی اللہ ومن معی او رحمنا فمن یجیر الکفرین من عذاب الیم ٥ قل ھو الرحمن اٰمنا بہ وعلیہ توکلنا فستعلمون من ھو فی ضلل مبین ٥ قل ارءیتم ان اصبح ماؤکم غورا فمن یاتیکم بماء معین ٥ پ ٢٩ ع ٢-

"اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو کہ بھلا مجھے یہہ بتاؤ کہ اگر اللہ مجھے اور جو لوگ میرے ساتھ ہیں ان کو ہلاک کر ڈالے یا ہمارے حال پر رحم فرماوے تاہم کوئی ہے جو کافروں کو عذاب دردناک سے پناہ دے سکے۔ اے پیغمبر ان سے کہو کہ وہی خدا جو عام بخشش کرنے والا ہے ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے خیر جلد تم کو معلوم ہو جاویگا کہ ہم دونو فرقوں میں سے کونسا فرقہ صریح گمراہی میں تھا اے پیغمبر ان سے کہو کہ تم ہی بتاؤ بھلا یہہ تمہارا پانی جو تم پی کر زندگی کرتے ہو اگر زمین کے اندر گھس جاوے تو پھر کون ہے جو تمہارے لئے پانی سوتیں لا کر بہائیگا۔"

(٣) قل انما ادعوا ربی ولا اشرک بہ احدا ٥ قل انی لا املک لکم ضرا ولا رشدا ٥ قل انی لن یجیرنی من اللہ احد ولن اجد من دونہ ملتحدا ٥ الا بلغا من اللہ ورسلتہ ط پ ٢٩ ع ١٢-

"اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو کہ میں تو فقط اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں اور کسی کو اس کا شریک نہیں گردانتا۔ اے پیغمبر ان سے یہی کہو کہ تمہارا نقصان یا فائدہ کچھ بھی میرے اختیار میں نہیں ہے۔ اے پیغمبر ان سے یہہ بھی کہو کہ کوئی بھی تو نہیں ہے جو مجھے اللہ کے غضب سے پناہ دے سکے اور نہ مجھے اس کے سوا کہیں کوئی ٹھکانا ہے میرا بچاؤ تو بس اسی میں ہے کہ خدا کی طرف سے جو حکم احکام آئے ہیں وہ پہونچا دوں۔"

(٤) قل من بیدہ ملکوت کل شیء وھو یجیر ولا یجار علیہ ان کنتم تعلمون ٥ پ ١٨ ع ٥-

"اے پیغمبر ان لوگوں سے پوچھو تو کہ اگر تم کچھ جانتے ہو تو اس کا جواب دو کہ کون ایسا قادر مطلق ہے جسکے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے اور وہ پناہ دیتا اور اسکے مقابلے میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔"

غرضکہ اللہ تعالیٰ کے سوائے کوئی مخلوق بھی اس قابل نہیں ہے کہ الرحمٰن الرحیم ہونے کا استحقاق رکھ سکے اور کسی کا نفع یا نقصان پہونچا سکے اپنی نفع

یا نقصان کا بھی کچھ اختیار رہے غرضکہ خلاصہ ان آیات کا یہہ ہے کہ الرحمن الرحیم ہی سے محقق ہیں تمام منافع اور مضار اور وہی بخشش کرنیوالا ہے تمام مخلوقات پر اور وہی عزیز ذوانتقام ہے من دون اللہ میں سے کسی جن وانس وملک وغیرہ من المخلوقات میں صفت الرحمن الرحیم ہونے کی نہیں ہے ۔

اسی طرح مٰلک یوم الدین میں پوری پوری تردید ہے اون لوگوں کی جو یا تو قیامت کے منکر ہیں یا قیامت میں شک کرتے ہیں یا جانتے ہیں تو اپنی خیالی اور مزعوم وسایل اور زلفی کے قائل ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ قیامت کے دن ہم کو یہہ چیزیں بچا لینگی ۔ سو واضح ہو کہ قیامت کے دنکی بُری سخت ضرورت ہے اگر اس کی ضرورت ثابت ہو جاوے تو پھر انکار اور شک دونو دور ہو جاتے ہیں پس پہلے ہم یہی بیان کرتے ہیں ۔ قیامت کی ضرورت تو اسلئے کہ اس جہان میں اندھیر گردی پڑی ہوئی ہے ۔ اعمال وافعال وکردار واقوال جو بالکل ظاہر ہیں ان کی نسبت بھی بڑے سے بڑا فیصلہ کرنے والا اور بڑے سے بڑا حاکم کوئی فیصلہ قطعی نہیں کر سکتا اور نہ آجتک کبھی بھی پوری پوری اور صحیح رائے کسی سے قائم نہیں ہو سکی جب ظاہری اعمال واقوال کا یہہ حال ہے تو بھلا دل کی باتوں اور دل کے خیالات اور دل کے اعتقادات وغیرہ وغیرہ جو خاص دل کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں ان پر تو کبھی کسی دوسرے بشر کو اطلاع ہو ہی نہیں سکتی بشر کا کیا ذکر ہے کراماً کاتبین کو کچھ خبر نہیں ہے ان کی نسبت بھی اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں خبر دیتا ہے کہ یعلمون ما تفعلون یعنی وہ مکرم وگرامی فرشتے بھی صرف وہی جانتے ہیں جو تمہارے اعمال وافعال کی صورت میں ظاہر ہوتا رہتا ہے دل کی بات کو تو وہ بھی نہیں جانتے ۔ زیادہ سے زیادہ لوگ کہیں گے کہ دنیا میں اندھیر گردی کیوں ہے جا بجا عدالتیں کھلی ہیں قاضی مقرر ہیں حاکم مقرر ہیں روز بروز ہزارہا فیصلے ہوتے ہیں مظلوم کی دادرسی کی جاتی ہے ظالم کو سزا دی جاتی ہے ۔ اہل حق کو اس کا حق دلایا جاتا ہے جو کوئی نیکی کرتا ہے اُس کو سب لوگ اچھا سمجھتے ہیں بُرے کو بُرا کہتے ہیں بس یہی ان کے اعمال کی جزا اور سزا ہے وغیرہ وغیرہ پس جب یہاں اس دنیا میں سب کچھ ہو رہا ہے تو اب اندھیر گردی کیسی؟ ان ساری باتوں کا جواب یہہ ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے سب ٹھیک ہے مگر دیکھنا یہہ ہے کہ آیا یہہ سب کچھ اسی طرح ہو رہا ہے جس طرح اس کو کما ہو ہو اور کما ینبغی ہونا چاہئے تھا سو اسکا جواب سوائے نفی کے کچھ بھی نہیں ہو سکتا ۔ دوسرا سوال یہہ ہے کہ دل کے اعتقادوں اور خیالوں کی بابت دنیا میں کوئی فیصلہ ہوتا ہے ؟ اسکا جواب بھی یہی ہے کہ ہرگز نہیں اور کبھی ہو بھی نہیں سکتا ۔ غرضکہ یہہ دنیا تو ہے ہی حقیقت میں اندھیر گردی ظاہری اعمال کا فیصلہ یہاں کما ہو ہو نہیں سکتا ۔ سو بھی انہیں کا جو ہم کو معلوم ہوں اور ہمارے سامنے پیش ہوں اور حقیقت یہہ ہے کہ ہزار در ہزار بلکہ بیشمار واقعات دنیا میں ہو رہے ہیں جنکا سوائے علام الغیوب کے کسی کو کبھی بھنک تک نہیں پڑ سکتا ۔ اور باطنی خیالات کے لئے کبھی بھی کوئی قانون بن ہی نہیں سکتا دو شخصوں میں ایک ذری سی بات میں بھی من کل الوجوہ اتفاق نہیں ہو سکتا اور ظالموں فاسقوں مفسدوں اور عادلوں مطیعوں اور مصلحوں میں کوئی تمیز معتد بہ نہیں ہو سکتی اور کسی عمل نیک یا بد کی غائیت اور آخری نتیجہ معلوم ہو نہیں سکتا ۔ دوسری بات یہہ ہے کہ اللہ تعالےٰ جو جامع جمیع صفات کمال ہے اس کی جملہ صفات کمال نے اپنے اپنے کمال کے اظہار کے لئے ضرور ضرور جلوہ گر ہونا ہے اور مٰلک بھی اللہ تعالےٰ کی ایک صفت کمال ہے اسکا ظہور بھی کما ہو ہو بدرجہ کمال ضروری ہے اور چونکہ ملک کہتے ہیں کسی چیز پر اس طرح تصرف اور قبضہ کرنے کو کہ اس میں کسی دوسرے کا کسی طرح کا کچھ بھی دخل نہ ہو اور وہ مالک خود جس طرح چاہے اوس مملوک شئی کو اپنے تصرف میں لاوے سو اسلئے اللہ تعالےٰ اپنی صفت ملک کو بدرجہ کمال کسی نہ کسی وقت ظاہر کریگا پس ان سب لحاظوں سے کوئی وقت تو خواہ مخواہ ضرور بالضرور اور بالیقین ہونا چاہئے تاکہ ہر ایک معاملہ غائب ہو خواہ ظاہر چودھویں رات کے چاند اور دوپہر کے سورج سے بھی زیادہ تر روشن ہو جاوے پس وہ دن یوم القیامت ہے اور اس یوم میں جو ذات پاک فیصلہ کرے گی وہ اللہ تعالےٰ کی ذات پاک ہے ۔ اور اس روز فیصلہ کرنے والا اور اس کے اجرا کرنے والا فقط وہی مالک علی الاطلاق ہوگا اور بس ۔ ان سب ضرورتوں کو پورا کرنے اور اس قسم کی حرانوں کو دور کرنے کے لئے قرآن کریم میں جا بجا تصریح ہے ۔ اور خوب واضح طور پر ثابت کیا گیا ہے کہ قیامت کی ضرورت ہے اور ضرور ضرور قیامت نے آنا ہے اور ضرور ہر ایک معاملہ نے صاف ہونا ہے اور کوئی تناسخ نہیں ہے جس کو موت آگئی بس اب وہ غالباً بلا حساب کتاب کے ہرگز نہ چھوڑا جائیگا جس جسم اور جن اعضا اور جن جوارح اور جس دل ودماغ اور جن قوتوں کے ساتھ کسی روح نے کبھی کچھ کیا ہے اسی جسم اور اسی دل ودماغ اور انہیں اعضا اور جوارح اور قوتوں کے ساتھ وہ قیامت کو اپنے مالک کے روبرو پیش ہوگا اور اس کا مقدمہ کیا جاویگا اور پیشی میں اتنی دیر بھی نہ لگیگی جس میں اوسکا انتظار کرنے کا دکھہ یا تکلیف اُٹھانی پڑیگی اور جو کچھ نیک یا بد کیا ہے اسکا پورا پورا بدلہ ضرور ضرور اسکو ملیگا ۔ کیا ایسا اگر ہو تو تمہاری تمام تشویشیں اور تمام ضرورتیں اور تمام چیزیں یک قلم نیست و نابود نہیں ہو سکتیں ۔ دنیا میں امن وامان اور انصاف اور اصلاح طبیعت انسانی قائم نہیں ہو سکتی ؟ ضرور ہو سکتی ہے اب غور کر کے قرآن مجید کی ذیل کی آیات سنو اور خود بھی تدبر کرو لعلکم ترحمون تاکہ تم پر رحمت کی جھڑی لگ پڑے اور ہر قسم کی کجروی اور افراط اور تفریط کے گڑھے سے نکلکر صراط مستقیم اور اعتدال پر آجاؤ اور قرآن میں بہت سی آیات ہیں کہ نیک اور بد ۔ نیکی اور بدی طیب اور خبیث ۔ نور اور ظلمت ۔ دھوپ اور چھاؤں ۔ اندھا اور سوانکھا ۔ سننے والا اور بہرا آپس میں برابر نہیں ہیں اور ان میں امتیاز اور تمیز کرنا ضروری ہے اور یہہ اللہ تعالےٰ ہی کا کام ہے کہ

ان میں تمیز کرے کیونکہ وہ ہر ایک کے پردے پردے سے واقف ہے بخوف تطویل ہم ان آیات کو نہیں لکھتے صرف اسی آیت پر اکتفا کی جاتی ہے ایک جگہ اللہ تعالیٰ ہدایت فرماتا ہے کہ تم لوگ قیامت کی فکر کرو اور وہاں کا سامان بناؤ۔ پھر ان دو بڑے گروہوں کا ذکر فرمایا ہے کہ "دوزخی اور جنتی آپس برابر نہیں ہو سکتے

لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ

پ ۲۸ ع ۶

جنتی لوگ ہی فقط اپنی مراد کو پہونچنے والے ہیں"۔ غرض یہہ ہے کہ کوئی دن ایسا ضرور چاہیئے جسمیں اصحاب النار اور اصحاب الجنہ کی تمیز ہو اور دونو کو اپنی اپنی کرتوتوں کا پورا پورا بدلہ دیا جاوے اہل فضل کو ان کے فضل کے مطابق اور اہل کفر کو ان کے کفر کے مطابق۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ۭ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ۝ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ پ ۱۲ ع ۱

الٓر۔ یہہ قرآن ایسی کتاب ہے کہ باحکمت و باخبر اللہ کے ہاں سے اسکے مطالب و مضامین دلایل و براہین سے بخوبی مدلل اور مستحکم کر دیئے گئے ہیں اور پھر وہ مضامین خوب تفصیل کے ساتھ بیان کیئے گئے ہیں یعنے یہہ کہ کسی جنو اور اے انسانو تم اللہ کے سوائے کسی کی عبادت نہ کرو میں اسی کی طرف سے تم کو اسکے عذاب سے ڈراتا اور اس کی رضامندی کی خوشخبری سناتا ہوں اور یہہ کہ اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو پھر آگے کے لئے بھی اسی کی جناب میں توبہ کرتے رہا کرو جسکا فایدہ یہہ ہوگا کہ وہ تم کو ایک وقت مقرر تک دنیا کے اندر خوب اچھی طرح رسائے بسائے رکھیگا اور جب وہ وقت ختم ہوجاویگا یعنے تم مرجاؤگے تو پھر آخرت میں ہر ذی فضل کو اسکے فضل کے مطابق اس کی نیکی کا بدلہ دیگا اور اگر تم لوگ ایسا نہ کروگے اور اس سے منہہ موڑوگے تو سمجھہ رکھو کہ مجھے تو تمہاری نسبت اوس بڑے سخت دن کے عذاب کا بڑا بھاری اندیشہ ہے تم سب کو اللہ کی طرف مڑکر جانا ہے اور وہ ہر چیز پر جسے وہ کرنا چاہے قادر ہے"۔

پس قیامت کی ضرورت کی اشد ضرورت ہے کیونکہ اگر وہ نہ آوے تو پھر اندھیر گردی کی اندھیر گردی رہ جاتی ہے اور یہاں دنیا میں کوئی تمیز نہیں ہو سکتی اور خیر و شر میں امتیاز نہیں رہتی۔ اسی کی تائید و تصدیق میں ذیل کی آیات قابل غور ہیں:—

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ۝ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَاۗءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُـحْيِ الْمَوْتٰى ۡ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ڰ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝ پ ۲۵ ع ۲ و ۶ -

"اور اسی طرح عربی زبان کا قرآن ہم نے تمہاری طرف بذریعہ وحی اتارا ہے تاکہ تو مکہ کے رہنے والوں کو اور ان لوگوں کو جو اس کے آس پاس چاروں طرف رہتے ہیں یعنے کل دنیا کو عذاب خدا سے ڈراوے اور نیز تمہارے ان کے عذابوں سے ڈراوے جسکے آنے میں ذرا بھی شک نہیں اُس دن کچھہ لوگ جنت میں ہونگے اور کچھہ لوگ دوزخ میں ہونگے اور خدا چاہتا تو وہ تو سب لوگوں کا ایک ہی فرقہ بنا دیتا یعنے وہ جبر و اکراہ سے تو کام لیتا ہی نہیں نہ اسکو غرض ہے تمہاری ہدایت سے نہ غرض ہے تمہاری گمراہی سے ہدایت اور گمراہی کو جسکا اختیار کرنا تمہارا اپنا اختیار ہے چاہو تو ہدایت کو اختیار کر لو اور چاہو تو گمراہی۔ مگر یہہ یاد رکھو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں لے لیتا ہے پر وہ ہیں کون؟ وہی ظالم نہیں ہیں اور اسکی طرف انابت اور رجوع کئے رکھتے ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ — یهدی من ینیب یعنی ہدایت کے خواستگاروں اور طالبوں کو ہی وہ اپنی رحمت میں لاتا ہے اور جیسے ان رحمت اللہ قریب من المحسنین یعنے اللہ کی رحمت ظالموں کے پاس نہیں ہوتی بلکہ اسکا محل محسن لوگ ہوتے ہیں باقی رہے ظالم اور نافرمان لوگ سو قیامت کو ان کا نہ کوئی حامی ہوگا اور نہ مددگار۔ کیا ان لوگوں نے خدا کے سوائے اور اور لوگوں کو اپنا کارساز بنا رکھا ہے سو اللہ ہی فقط کارساز ہے اور وہی مردوں کو جلائیگا اور وہ جو چاہے سب کچھ کر سکتا ہے اور جن جن باتوں میں تم لوگوں کا فیصلہ نہیں ہوتا اور اس میں اختلاف رہتا ہے تو اسکا فیصلہ اللہ کے ہی حوالہ ہے۔ اے لوگو یہی تو اللہ ہے جو میرا رب ہے میں اسی پر بھروسہ رکھتا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں"۔

اسی طرح اللہ نے دوسری جگہ فرمایا ہے کہ بیشک متقی لوگوں کے لئے ان کے رب کے ہاں ہر قسم کی نعمتوں کے بہشت ہیں کیا ہم اپنے فرمانبردار بندوں کو

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ

نافرمان گنہگاروں کے برابر کر دینگے۔ تم لوگوں کو کیا ہو گیا تم کیسے حکم لگا دیا کرتے ہو

کالمجرمین ٥ مالکم کیف تحکمون ٥ پ ۲۹ ع ۳ -

خلاصہ یہہ ہے کہ فرمانبردار اور نافرمان یا یوں کہی کہ خیر اور شر میں تمیز ہونی ضروری ہے اور اس تمیز کے لئے قیامت کے دن کا ہونا ضروری ہے -

اب چند آیات اسی کے متعلق لکھکر اس مضمون کو ختم کرتے ہیں ۔ اللہ تعالے ہر قسم کے غیب کو اپنی ذات پاک کے لئے مختص کرکے قیامت کی نسبت لوگوں کے تین درجے بیان فرماتا ہے کہ ایک تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے قیامت کی بابت سوچا سمجھا اور آخر نتیجہ یہہ نکلا کہ وہ گمراہ ہوگئے اور اسکا انکار کر ڈالا ایک وہ لوگ ہیں جو نہ تو انکار کرتے ہیں اور نہ سیدھے ہوکر اسپر یقین کرتے ہیں بلکہ شک وشبہ میں پڑے ہوئے ہیں اور ایک وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس طرف کبھی توجہ ہی نہیں کی اور ہوتے ساتے اپنی آنکھیں بند کئے بیٹھے ہیں ۔ پھر ان کی تردید کے بعد اللہ تعالے فرماتا ہے :-

وان ربك ليعلم ما تكن صدورهم وما يعلنون ٥ وما من غائبة في السماء والارض الا في كتٰب مبين ٥ پ ۲۰ ع ۲ -

" اور بیشک تیرے رب ہی کو معلوم ہے جو جو کچھہ اون کے سینوں میں مخفی ہے اور جو کچھہ اون سے ظہور میں آتا رہتا ہے اور آسمان وزمین میں کوئی ایسی مخفی بات نہیں ہے جو کتاب مبین میں موجود نہو - "

اس آیت میں یہہ ثابت کیا ہے کہ فیصلہ اور حکم کرنے کے قابل صرف وہی ذات ہوسکتی ہے جو سب کچھہ جانتی ہو حتی کہ دلوں کے اندرونے بھی اسکے سامنے ایسے ہی عیاں ہوں جیسے کہ خود کوئی عیاں بات - دوسری یہہ بات کہ قیامت کی ضرورت بس انہیں باتوں کے واسطے ہے -

دوسری جگہ اللہ تعالے فرماتا ہے " کہ اللہ تعالے ہی آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے اور ان باتوں کو بھی جو سینوں میں مخفی ہوتی ہیں اور اللہ تعالے ہی

يعلم خائنة الاعين وما تخفي الصدور ٥ والله يقضي بالحق والذين يدعون من دونه لا يقضون بشيء ان الله هو السميع البصير ٥ - پ ۲۴ ع ۶

بالکل حق حق اور سچ سچ اور پورا پورا فیصلہ کرسکتا ہے اللہ کے سوا جن لوگوں کو یہہ لوگ سمجھے بیٹھے ہیں کہ وہ ان کے کسی کام آوینگے اُن کا یہہ حال ہے کہ وہ کچھہ بھی کر نہیں سکتے ٹھیک ٹھیک اور حق حق کرنا تو رہا درکنار کیونکہ اللہ ہی فقط سب کچھہ سنتا اور سب کچھہ دیکھتا ہے اور کسی میں یہہ وصف ہے ہی نہیں "

اس آیت میں بھی یہی بتایا گیا ہے کہ کیوں اللہ تعالے ہی فقط فیصلہ کرنے والا ہے اور کوئی اس قابل نہیں - یعنے یہہ کہ پورا پورا فیصلہ کرنے کیواسطے پورا پورا علم اور سمع چاہئے اور وہ اللہ کے سوائے کسی کو نہیں ہے اس میں بھی قیامت کی ضرورت بتائی گئی ہے کیونکہ یہہ سب کچھہ قیامت کو ہی ہوگا اس سے پہلے اس کام کیواسطے کوئی وقت نہیں ہے اور اسوقت کی اشد ضرورت ہے - اسی طرح اللہ تعالے اسکی تشریح اور تفصیل دوسری جگہ بعد بیان حشر نشر اس طرح فرماتا ہے :-

ووضع الكتٰب وجايء بالنبيين والشهداء وقضي بينهم بالحق وهم لا يظلمون ٥ ووفيت كل نفس ما عملت وهو اعلم بما يفعلون ٥ پ ۲۴ ع ۴ -

" اور لوگوں کے اعمال نامے لاکر سامنے رکھدیئے جاوینگے اور جملہ انبیاء اور باقی اور بھی سب قسم کے گواہ لا حاضر کئے جاوینگے اور ان لوگوں کے فیصلے ٹھیک ٹھیک اور حق حق اور سچ سچ اور پورے پورے کئے جاوینگے اور انپر کسی قسم کا ظلم نہوگا اور جس جس نے جو جو کچھہ عمل کیا ہے اُسکا بدلہ اُسکو پورا پورا دیا جاویگا اور جو جو کچھہ بھی یہہ لوگ کر رہے ہیں سب کچھہ اللہ تعالے کے علم میں ہے "

ان آیات میں پورا پورا نقشہ عدالت مجازی کا ہے یعنے اللہ تعالے احکم الحاکمین مٰلك يوم الدين فقط بذات خود اپنے تخت عدالت پر بیٹھیگا اور معشر الجن والانس کا مقدمہ شروع ہوگا اور تمام قسم کے گواہان جنہیں انبیاء بھی اور ملائکۃ اللہ بھی جو ہمارے اعمال لکھتے رہتے ہیں اور زمین بھی جسپر ہم رہتے سہتے اور نیک بد کرتے رہتے ہیں اور خود یہہ ہمارے ہاتھہ پاؤں گواہی کے لئے بلائے جائینگے اور پھر بعد سماعت سوال وجواب ہر ایک شخص کا پورا پورا اور سچ سچ اور حق حق اور ٹھیک ٹھیک فیصلہ کیا جاویگا نہ کسی پر ذرہ بھر زیادتی ہوگی نہ کسی پر ذرہ بھر ظلم ہوگا -

اس آیت میں بھی سخت ضرورت قیامت کی بتائی گئی ہے کیونکہ پورا پورا فیصلہ کرنا اور ہر امر غائب وظاہر کا فیصلہ کرنا محض ذات خداوندی کا خاصہ ہے اور بس اور محض ذات خداوندی کے اختیار میں ہے اور بس اور یہہ بھی اشد ضروری ہے کہ ہر ایک امر کا فیصلہ ضرور ضرور ہونا چاہئے اور فیصلہ بھی کما حقہ ہونا چاہئے اسی طرح پر اور بہت سی آیات ہیں جنہیں صاف صاف اور واضح طور پر قیامت کی ضرورت اور اللہ تعالے کا ہی فقط مالک مختار رہنا اور جملہ مخلوقات کا محض بے اختیار رہنا بیان کیا گیا ہے حتی کہ انبیاء اور ملائکہ بھی بسلسلہ گواہان حاضر کئے جاوینگے اور ان میں اور ان جیسی اور بہت سی آیات میں قیامت کے انکار وشک کرنے والوں کی تردید کی ہے اور ان کو سمجھایا ہے کہ قیامت یقینی امر ہے کیونکہ بالحق فیصلہ کرنے کے لئے پھر کوئی دوسرا دن نہیں

ہے باقی رہے وہ لوگ جو قرآن کی راہ پر داخل ہیں۔ ان کے لئے اس طرف توجہ ہی نہیں کرتے سوال کے لئے بھی سارا قرآن مجید بھرا پڑا ہے کہ اپنی آنکھیں کھولو اور ہوش کرو کہ قیامت آئی کھڑی ہے اس کے لئے کچھ سامان اکٹھا کر لو اور تم کو یہ ساری طرح بطرح کی نعمتیں جو عطا کی گئی ہیں ان کی قدردانی کرو اور عطا کنندہ کی فرمانبرداری

ولتسئلن یومئذٍ عن النعیم پ ٣٠ ع ٢٢

کر کے اپنی زندگی آخرت کو درست کر لو اور یہ یقین کر لو کہ تم سے ضرور ضرور اس دن ہر قسم کی نعمت کی بابت باز پرس ہوگی۔

اب ہم وہ آیات لکھتے ہیں جن میں ان لوگوں کی تردید موجود ہے جنکا یہ خیال ہے کہ قیامت کے دن ہم کو ہمارے شفعاء اور ہادی مرشد اور دیگر وسائل وغیرہ بچا لیں گے اور ہمارا بیڑا پار کر دیں گے:۔

واتقوا یومًا لا تجزی نفس عن نفس شیئًا ولا یقبل منها شفاعة ولا یؤخذ منها عدل ولا هم ینصرون ٥ پ ١ ع ٦۔

"اور اس دن سے ڈرو کہ جس دن کوئی بھی کسی کے کسی طرح کام نہ آویگا اور نہ کسی کی سفارش کسی کے حق میں قبول کی جاویگی اور نہ کسی سے کسی طرح کا کچھ بھی معاوضہ لیا جاویگا اور نہ ہی انکو کسی اور طرف کی بھی مدد کہیں سے مل سکیگی"۔

قیامت کے حالات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالٰے پھر اپنی جلالیت اور مالکیت کی صفت بیان فرماتا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں اور جتنی مخلوقات ان کے

رب السموات والارض وما بینهما الرحمن لا یملکون منه خطابًا ٥ یوم یقوم الروح والملئکة صفًا لا یتکلمون الا من اذن له الرحمن وقال صوابًا ٥ ذلک الیوم الحق ٥ پ ٣٠ ع ٢

درمیان ہے سب کا رب عام بخشش کرنیوالا اور باوجود اس کے ایسا ذوالجلال والاکرام ہے کہ کوئی مخلوق بھی خواہ فرشتے ہوں خواہ رسل اس سے بات تک نہ کر سکینگے جس دن روح امین یعنی جبرائیل فرشتہ اور باقی کے اور سارے فرشتے اللہ کے حضور میں صف بستہ کھڑے ہونگے کسی کے مونہہ سے بات تک نہیں نکلنے کی ہاں وہی کوئی بات کر سکیگا جس کو خدا بولنے دیگا جیسا کہ دوسری آیات سے ثابت ہے مثلاً ایک جگہ ہے یوم یجمع اللہ الرسل فیقول ماذا اجبتم الآیہ واذ قال اللہ یعیسی ابن مریم ءانت قلت للناس اتخذونی الآیہ یعنی خدا سب نبیوں کو قیامت کو پوچھیگا اور عیسٰی کو بھی پوچھیگا تو وہ یہ یہ جواب دینگے) اور وہ بات بھی کہیگا تو بالکل حق اور سچ۔ بس وہ یہی دن ہے جس میں ہر قسم کا حق ہی حق ظاہر ہوگا اور کوئی ایسی بات نہوگی جس میں ذرہ بھر بھی ناحق ہو۔

ان الابرار لفی نعیم ٥ وان الفجار لفی جحیم ٥ یصلونها یوم الدین ٥ وما هم عنها بغائبین ٥ وما ادرٰک ما یوم الدین ٥ ثم ما ادرٰک ما یوم الدین ٥ یوم لا تملک نفس لنفس شیئًا والامر یومئذٍ للّٰه ٥ پ ٣٠ ع ٦۔

" بیشک نیکوکار لوگ طرح طرح کی نعمتوں میں ہونگے اور بدکردار جہنم میں جا داخل ہونگے اور جاوینگے اوس روز جو یوم الدین ہے یعنی جس روز جملہ مخلوقات کو پورا پورا بدلہ دیا جاویگا اور یہ لوگ اس سے کہیں آگے پیچھے نہ ہونے پائیں گے اور اے نبی تو کیا سمجھا کہ وہ یوم الدین ہے کیا پھر دوبارہ تجھ سے پوچھا جاتا ہے کہ تو کیا سمجھا کہ وہ یوم الدین ہے کیا چیز۔ پس یہ وہ دن ہے کہ اوس روز کسی شخص کو بھی کچھ بھی اختیار نہوگا کہ وہ کسی کو کچھ بھی فائدہ پہونچا سکے بلکہ اس روز سب کے سب اختیارات محض اللہ تعالٰے ہی کے لئے مخصوص ہونگے"۔

یوم نطوی السمآء کطی السجل للکتب کما بدانا اول خلق نعیده وعدًا علینا انا کنا فاعلین پ ١٧ ع ٦۔

قیامت کا دن وہ ہوگا جب ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ لیں گے جس طرح خطوط کے مکتوب کو لپیٹا کرتے ہیں اور جس طرح ہم نے پہلی دفعہ مخلوقات کو پیدا کیا تھا اسی طرح اُن کو دوبارہ بھی پیدا کرینگے یہ ایک وعدہ ہے اس کا پورا کرنا ہم نے اپنی ذات پر واجب ٹھیرالیا ہے اور ہم اس وعدے کو ضرور ضرور پورا کر کے رہیں گے"۔

ان سب آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ یوم الدین کو کسی شخص کا ذرہ بھر بھی اختیار کسی بات میں کسی طرح بھی نہیں دیا جاویگا تمام جن وانس و ملائکہ من دون اللہ زندہ ہو کر بدرگاہ اللہ الواحد القہار حاضر ہونگے اور تمام انبیاء (اور صلحاء اور شہداء وغیرہم) محض برہنہ اور عریان اوسی کیفیت اور ماہیت اور حقیقت کے ساتھ حاضر ہونگے جس کیفیت اور ماہیت اور حقیقت سے وہ اول بار پیدا کئے گئے تھے پھر عرصات میں بعد انبیاء وصلحاء کو دربار ایزدی سے خلعت عطا ہونگے اور سب انبیاء سے اول ابراہیمؑ کو خلعت ملیگا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اول من یکسی یوم القیمة ابراهیم۔ (مشکوٰۃ)

غرضکہ اس آیت کے اخیر تک خلاصہ کے طور پر اس سورت میں تمام مسائل کیا اعتقاد کے متعلق اور کیا اعمال کے متعلق سب کے سب دنیا اور عقبٰی دونوں کے لئے مذکور ہیں اور یہاں تک اتنا پتہ تو لگ گیا ہے کہ اللہ تعالٰی ہے کیا چیز کیونکہ اس پاک ذات کی صفات کمال کا پورا پورا پتہ لگ گیا ہے اس کی جملہ صفات جمال و

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (٥)

یا اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور فقط تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

جلال کا نقشہ سامنے کھچ گیا ہے کہ درحقیقت وہی ذات پاک معبود برحق ہے اور وہی ہر طرح کی حمد کی مستحق ہے کیونکہ وہی الرب ہے وہی الرحمٰن ہے وہی الرحیم ہے اور وہی مالک یوم الدین ہے پس جب یہ ثابت ہو چکا تو اب صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ کے سوائے جو کوئی ہے اور جو کچھ ہے وہ سب کا سب اس کے عاجز بندے ہیں ؎

(٥) اس واسطے اللہ تعالیٰ جو رب العلمین ہے اب اپنی ربوبیت کے تقاضے سے تمام ملائکہ اور جن و انس کی تربیت کے واسطے ارشاد فرماتا ہے کہ اے فرشتو اور اے جنو اور اے انسانو تم اس طرح پر اپنی عبودیت اور بندگی اور عاجزی کو اعتقاداً اور عملاً۔ قولاً اور فعلاً ظاہر کیا کرو کہ ایاک نعبد و ایاک نستعین یعنی ہم اے خدا ہم جملہ انواع و اقسام کی عبادت مالی و بدنی و اعتقادی و فعلی و قولی وغیرہ عموماً و خصوصاً سب کے سب تیری ہی ذات احدیت کے واسطے مختص کرتے ہیں اور اسی طرح جملہ انواع و اقسام استعانت یعنی ہر قسم کی مدد تجھ ہی سے چاہتے ہیں اور ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ کے سوائے کسی کی بھی عبادت کرنا خواہ وہ کیسا ہی معظم کیوں نہو اور خواہ وہ عبادت کیسی ہی کیوں نہو اور اللہ کے سوائے کسی اور سے مدد طلب کرنا خواہ وہ کیسا ہی معظم کیوں نہو مگر وہ اس مدد کا کرنا اس مخلوق کے اختیار سے باہر ہو یعنی محض خاصہ خداوندی ہو کفر اور شرک ہے۔ اس آیت میں دو شقیں ہیں شق اول عبادۃ اللہ ہے۔ شق دوم استعانت ہے سو پہلے ہم عبادت کے متعلق بعدش استعانت کے متعلق کچھ آیات لکھتے ہیں جن سے قطعی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی اور کی عبادت کرنا اور کسی اور سے اس مدد کا چاہنا جو خاصہ خداوندی ہے اور جس کی تشریح ابھی انشاء اللہ تعالےٰ شق دوم میں کی جائیگی کفر اور شرک اور موجب دوزخ ہے کما قال

آیات متعلق شق اوّل یعنی عبادت

ولقد ارسلنا نوحًا الی قومہ انی لکم نذیر مبین ۝ ان لا تعبدوا الا اللہ انی اخاف علیکم عذاب یوم الیم ۝ پ ١٢ ع ٣ ۔	”اور ہم نے ہی نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور انہوں نے اپنی قوم کو کہا کہ میں تم کو عذاب الٰہی کا کھلم کھلا ڈر سنانے آیا ہوں اور تم کو ہدایت کرتا ہوں کہ سوائے اللہ کو اور کسی کی عبادت نہ کیا کرو ورنہ مجھے تمہاری نسبت روز دردناک کے عذاب کا بڑا ہی خوف ہے“
قل یا اھل الکتٰب تعالوا الی کلمۃ سوآء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا پ ٣ ع ١٥	”اے نبیؐ اُن سے کہو کہ اے اہل کتاب آؤ ایسی بات کی طرف رجوع کرو جو ہمارے اور تمہارے درمیان مسلم ہے برابر کہ اللہ تعالےٰ کے سوائے کسی کی عبادت نہ کیا کریں اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھیراویں“
واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا پ ٥ ع ٣	”اور اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کیا کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک مت ٹھیراؤ“
لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم وقال المسیح یٰبنی اسرآئیل اعبدوا اللہ ربی و ربکم ط انہ من یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیہ الجنۃ وماوٰہ النار ط وما للظلمین من انصار ۝ پ ٦ ع ١٤ ۔	”بیشک وہ لوگ کافر ہو چکے جنکا مقولہ ہے کہ اللہ تعالےٰ بس یہی مسیح بن مریم ہے اور بات یہ ہے کہ مسیحؑ کی خود یہ اپنی تعلیم تھی کہ اے بنی اسرائیل اللہ تعالےٰ ہی کی عبادت کیا کرو کیونکہ میرا بھی اور تمہارا بھی وہی رب ہے اور کچھ شک نہیں کہ جو اللہ تعالےٰ کے ساتھ کسی کو بھی شریک گردانے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر چکا اور اسکا ٹھکانا دوزخ ہی ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی بھی یار و مددگار نہیں“
قل افغیر اللہ تأمرونی اعبد ایھا الجٰھلون ۝ ولقد اوحی الیک	”اے نبی ان لوگوں سے کہو کہ اے نادانو کیا تم مجھے یہ صلاح دیتے ہو کہ اللہ

والی الذین من قبلك لئن اشرکت لیحبطن عملك ولتکونن من الخٰسرین۝ بل اللہ فاعبد وکن من الشٰکرین س پ۲۴ ع۴ —

تعالیٰ کے سوائے کسی اَور کی عبادت کروں اور اسے نبی بلاشبہ تمہاری طرف اور تم سے پہلے پیغمبروں کی طرف یہہ وحی بھیجی جا چکی ہے اگر تم نے کچھ بھی شرک کیا تو ضرور ضرور تمہارے سارے عمل اکارت جاوینگے۔ اور ضرور ضرور تم گھاٹے

والوں میں ہو جاؤگے۔ سو کافروں کی صلاح وغیرہ کا کچھ خیال نہ کرو بلکہ ان کے الٹ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کیا کرو اور اوسکے شکرگذار بندوں کے زمرہ میں شامل رہو۔

ان آیات کا خلاصہ یہہ ہے کہ عبادت جملہ انواع واقسام محض اللہ تعالیٰ ہی کیلئے مختص ہے اور اللہ کے سوائے کسی اور کے لئے اسکا کرنا کفر اور شرک ہے۔ عبادت نام ہے غایت درجہ کے تذلل اور انکسار اور عجز اور تواضع کو جو عبادت کنندہ اعتقاداً دل میں رکھتا ہے یا قولاً فعلاً اپنے جوارح سے ظاہر کرتا ہے اور جسکا لازمی نتیجہ یہہ ہوتا ہے کہ جس کی عبادت کی جاوے اس کی غایت درجہ کی تعظیم کا اعتقاد دل میں ہو اور اظہار جوارح سے۔

سو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ خالق ہے اور ہر ایک مخلوق کو اُسی نے جان دی ہے اور وہی حقیقی مربی و مالک ہے اور پھر وہی اُس جان کو لے لیتا ہے اسواسطے پھر یہہ بھی اسی کا حق ہے۔ ہر قسم کا تذلل اور عجز جو انسانی فطرت کو لاحق ہے اللہ تعالیٰ کے آگے اعتقاداً و قولاً و فعلاً ظاہر کیا جاوے۔ پس اللہ تعالیٰ نے بعض امور تعظیمی محض اپنی ذات پاک کے لئے مختص کر رکھے ہیں جو عبادت کے نام سے نامزد کئے جاتے ہیں اُن امور میں سے کسی امر میں بھی اگر کسی کی کسی قسم کی شرکت کیجاویگی تو شرکت کرنیوالا مشرک ہو جاویگا خواہ اعتقاداً کرے خواہ قولاً خواہ فعلاً۔ وہ امور تعظیمی جو کتاب اللہ کے لفظوں اور مفسر ربانی صلوات اللہ علیہ والتسلیمات کی تفصیل و تفسیر حقانی سے بنص قطعی ثابت اور شیاں ہیں یہہ ہیں۔ سجدہ۔ رکوع۔ قیام ہاتھ باندھکر کھڑا ہونا اسی کے نام پر مال خرچ کرنا اور اسی کے نام کا روزہ رکھنا۔ اسی کے بیت حرام کی طرف چاروں طرف سے قصد کر کے جانا اور اسی بیت حرام کی طرف ایسی صورت اور شکل بنا کر جانا کہ جس سے دیکھنے والوں کو خواہ مخواہ پڑا معلوم ہوسکے کہ یہہ کوئی بیت اللہ شریف کا زائر ہے اور وہ اسی ذات پاک کا نام پکارتا ہے اور اس سفر کے جسقدر منافی امور ہیں اُن سے اسکو اجتناب ہے مثلاً رفث۔ فسوق۔ جدال۔ شکار وغیرہ وغیرہ اور جب ایسا زائر بیت اللہ شریف میں پہونچ جاوے تو پھر اسی بیت اللہ شریف کا طواف کرے اور اس بیت اللہ شریف میں محض اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرے اور قربانیاں اُسی پاک ذات کے نام پر ذبح ہونے کے لئے منیٰ میں لیجاوے یا بھجوا دے اور اُس بیت اللہ شریف میں اپنی تمام حاجات اللہ تعالیٰ ہی سے مانگے اور لحاف اور غلاف اور اسی قسم کے اسباب جو بیت اللہ شریف کے مناسب ہوں اور جن سے اُس پاک گھر کی رونق اور تعظیم ہوتی ہو اُسی گھر کے لئے مہیا کرے اور کعبۃ اللہ کے دروازے پر کھڑا ہو کر اللہ تعالیٰ ہی سے دعا مانگے اور اُس سے التجا کرے اور دین و دنیا کی جسقدر حاجات ہوں سب کی سب اُسی ذات پاک سے مانگے جس گھر میں ایسی ایسی برکات حاصل ہوں اور ایسی ایسی توحید کی سبق عملی طور پر ملیں اور جس میں محض بے جنس و بے لون و بے مثل خدا کی ایسے اخلاص کے ساتھ عبادت ہو۔ اس کی دیواروں اس کے غلافوں اس کے پتھروں غرضکہ اس کی ہر ایک چیز کو جہاں تک ممکن ہو بغل گیر ہو اور بوسہ دیوے کیونکہ یہہ دلی ہری علامتیں ہیں اس امر کی کہ ایسا زائر خود خدا و تبارک و تعالیٰ کی توحید کے نشہ میں مست ہو رہا ہے اور اس کے عشق و ولولہ میں ان امور کا فطرتاً سبا ہو رہا ہے اور اگر اتنا نہ ہو تو کم از کم حجر اسود کو تو بوسہ دیوے اور اگر ہجوم کے سبب اتنا بھی نہو سکے تو دور سے ہی اس کی طرف رخ کر کے اللہ تعالیٰ سبوح و قدوس کی تسبیح و تہلیل و تکبیر تو ضرور پڑھ دیوے۔ یہہ ساری باتیں امور تعظیمی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے خاص اپنی ذات کے واسطے مختص کر رکھی ہیں اور انسانی فطرت کے تقاضا کو صحیح اور یقینی طور پر ہر رنگ توحید پورا کرنے والی ہیں۔ اسی طرح اوس بیت اللہ شریف میں چراغ دانی کرنا اور اسی جگہ اُس بیت اللہ کی خدمت کے لئے مجاور بننا اور بیت اللہ شریف میں صفائی کرنا اور کوڑا کرکٹ وغیرہ وغیرہ کو دور کرنا وہاں جھاڑو دینا۔ اس کے صحن وغیرہ میں فرش و فروش کرنا۔ آنیوالوں کو پانی پلانا اور وضو اور غسل کے سامان مہیا کرنا۔ آب زمزم کو تبرکاً پینا اور اپنے ساتھ لانا اور اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو بطور تحفہ دینا بیت اللہ شریف اور بیت اللہ شریف کے ارد گرد کے تمام تادیبی امور کو نگاہ رکھنا مثلاً وہاں کے حرم میں شکار نہ کھیلنا۔ وہاں کے درختوں کو نہ کاٹنا وہاں کی گھاس کو نہ کاٹنا اور نہ کھودنا وہاں کے وحوش کو وہاں سے نہ ہٹانا وغیرہ وغیرہ۔ یہہ ساری باتیں ایسی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی ذات پاک کے لئے مختص کر رکھا ہے اور اپنی اس زمین پر اپنے تمام بندوں کو ان امور تعظیمی کے بجالانے کا مکلف کیا ہے پس ان امور تعظیمی میں سے جو کوئی کوئی امر بھی کسی دیگر مخلوق کے لئے کسی طرح سے بھی بجالاویگا وہ پکا مشرک ہے۔ اور ایاك نعبد کے حکم کی تعمیل کے دائرہ سے باہر ہے۔ سو اب ہمارا مالک خوب کان کھول کر سنے۔ اور آنکھیں کھول کر دیکھے کہ کیا وہ اوپر کی عبادات مختصہ بذات باری میں سے بہت سی عبادتیں اَور مخلوقوں کی نہیں کرتا اور کیا وہ ایسا کر کے اسلام کے دائرہ سے نہیں نکل جاتا ضرور نکل جاتا ہے پس خواہ کوئی فرشتہ ہو خواہ کوئی رسول ہو خواہ کوئی نبی ہو خواہ کوئی ولی ہو شیخ ہو گدی نشین ہو سجادہ نشین ہو عالم ہو فاضل ہو مولوی ہو ملا ہو شیطان ہو جن ہو۔ بھوت ہو پریت ہو پتھر ہو۔ دریا ہو۔ درخت ہو قبر ہو غرض کچھ ہو اس سے کچھ بحث نہیں مگر جو وہ کوئی مخلوق ہو نہ خالق ہے نہ مالک ہی ہے نہ رب ہی ہے اور نہ موت و حیات اور نفع و ضرر کا کسی قسم کا اختیار اسکو حاصل ہے۔ ان عبادات مختصہ بذات باری میں سے اگر کسی

عبادت کو بھی کسی کے لئے بھی کوئی شخص مخصوص کرے گا تو وہ مشرک ہے۔ اسی طرح پر اللہ تعالیٰ نے جو جو امور تعظیمی جو اس کی ذات پاک کے ساتھ مخصوص ہیں مگر ہیں وہ متعلق بیت اللہ شریف کسی اور مکان یا تھان یا قبر کے لئے مخصوص کرے گا وہ بھی مشرک ہے۔ ہمارے ملک کے لوگ خدا کا خوف کریں اور بزرگوں کے تھانوں اور مکانوں اور قبروں اور مقبروں اور روضوں اور سجادوں اور گدیوں پر جہاں وہ پاؤں کبھی رکھتے تھے یا رہتے تھے یا کبھی بیٹھے تھے یا کبھی ان کی سواری اتری تھی یا کبھی ان کا گدھا یا گھوڑا باندھا گیا تھا یا جہاں وہ مرے تھے یا جہاں وہ دفن ہیں وغیرہ وغیرہ زائرین بیت اللہ شریف کی طرح جا جا کر اپنے ایمان کو برباد اور توحید کو مسدود پر شرک نہ کریں یہ شیطان لعین کے ہتھکنڈے ہیں تم قرآن مجید کو پڑھو اور سنو قرآن مجید ان سب کی تردید کرتا ہے۔ اسی طرح بیت اللہ شریف کی رونق بڑھانے اور اس کی تعظیم کے لئے غلاف وغیرہ چڑھائے جاتے ہیں تم قبروں پر چڑھاتے ہو وہاں مجاورت کرتے ہو وہاں سے دعائیں مانگتے ہو تم وہاں نذریں چڑھاتے ہو وہاں علم گاڑتے ہو وہاں کی چوکھٹوں اور دروازوں اور مدفون کی قبر کی پائنتیوں پر جو پتھر رکھے رہتے ہیں ان کو بوسہ دیتے ہو تم بیت اللہ شریف کے ادب کو چھین کر قبروں کے کبوتروں اور دیگر جانوروں کے شکار کو حرام سمجھ بیٹھے ہو تم قبروں کے درختوں اور گھاس کاٹنے کو حرام سمجھ بیٹھے ہو غرضکہ یہ ساری باتیں کفر اور شرک ہیں کیونکہ یہ ساری عبادتیں ہیں اور ان کا بجالانا محض اللہ تعالیٰ کے لئے ہی مختص ہے اور بس۔ اور واضح رہے کہ خواہ یہ اعتقاد ہو کہ معظمین ان امور تعظیمی کی حقیقت میں بھی مستحق ہیں یا نہیں خواہ یہ اعتقاد ہو کہ اگر ان معظم مخلوقات کی اس طرح پر تعظیم کی جاوے گی تو ان کے سبب سے اللہ تعالیٰ ہماری حاجات پوری کر دیگا اور ہمارے غم و ہم دینی اور دنیوی دور کر دیگا کوئی سی شق ہو شرک دونو طرح سے ثابت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

انا انزلنا الیک الکتب بالحق فاعبد اللہ مخلصا لہ الدین الا للہ الدین الخالص والذین اتخذوا من دونہ اولیاء ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی ان اللہ یحکم بینھم فی ما ھم فیہ یختلفون ان اللہ لا یھدی من ھو کذب کفار ۵ پ ۲۳ - ۱۴۶

"اے نبی یہ کامل صفات والی کتاب ہم نے تیری طرف حق حق اور سچ سچ اور پوری پوری تیری طرف اتاری سو تو خالص خدا ہی کی فرمانبرداری مدنظر خاطر رکھ کر اسی کی جملہ انواع و اقسام کی عبادت کیا کر۔ سن رکھو! پوری پوری ہر ایک بات میں خالص فرمانبرداری بس اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مختص ہے اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اَور لوگوں کو حمایتی بنا رکھا ہے اُن کا قول ہے کہ ہم تو ان کی عبادت محض اس غرض سے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو خدا سے نزدیک کر دیں بےشک اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کے ان امور میں جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں قیامت کو فیصلہ کر دیگا ایسے لوگ جھوٹے اور ناشکرے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی یہ سنت جاری ہے کہ وہ ایسوں کو شرک سے نفرت اور توحید سے اُنس کرنے کی راہ ہی نہیں دکھایا کرتا۔

غرضکہ خواہ کوئی فرشتہ ہو خواہ کوئی نبی مرسل ہو خواہ کوئی شیطان ہو خواہ کوئی سا کوئی مخلوق کیوں نہ ہو اگر ان کی عبادت اور پرستش محض اسی اعتقاد سے کی جاوے کہ وہ مخلوق ہیں اور وہ نفع و ضرر کے مالک نہیں ہیں مگر ان کی اس طرح کی عبادت سے خدا ان پر راضی ہوگا اور خداوند تعالیٰ ان کی تمام مشکلات حل کر دے گا تو ایسا عبادت کرنیوالا مشرک ہے اسی طرح مشرک لوگوں کے اس اعتقاد فاسدہ کی تردید اس آیت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ دوسری اقوام گرد و نواح کی اجڑی ہوئی بستیوں اور مسمار شدہ عمارتوں اور مکانوں اور حویلیوں وغیرہ وغیرہ کی طرف توجہ کر دینے کے بعد فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا

فلولا نصرھم الذین اتخذوا من دون اللہ قربانا آلھۃ بل ضلوا عنھم وذلک افکھم وما کانوا یفترون ۵ پ ۲۶

جن چیزوں کو انہوں نے خدا کی نزدیکی حاصل کرنے کے لئے معبود بنا رکھا تھا اگر وہ اپنے پرستش کرنے والوں کو خدا کے ہاں تقرب دلا سکتے تھے تو کیوں نہ انہوں نے عذاب کے اترنے کے وقت ان کی دستگیری کی۔ انہوں نے ان کی دستگیری کیا کرنی تھی بلکہ وہ خود ان سے غائب غلہ ہو گئے یعنے بالکل کالعدم ہو گئے اور کچھ نفع نہ دے سکے اور جو جو کچھ بہتان اور افترپردازیاں کیا کرتے تھے ان سب کی حقیقت اب آشکار ہوئی یعنے کچھ کارآمد نہ ہو سکے

اسی طرح ذیل کی آیات میں ایسے مشرکوں کے اعتقاد کا ذکر کیا ہے۔ یہ مشرک لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی پرستش اور عبادت کرتے ہیں کہ جن کے

ویعبدون من دون اللہ ما لا یضرھم ولا ینفعھم ویقولون ھؤلاء شفعاؤنا عند اللہ قل اتنبئون اللہ بما لا یعلم فی السموات ولا فی الارض سبحنہ وتعالی عما یشرکون ۵ پ ۱۱ ۔ ۶۷

اختیار میں نہ تو اپنے ان پرستش کنندوں کو کچھ نقصان پہنچانا ہی ہے اور نہ کچھ فائدہ پہنچانا اور ان عقل کے اندھوں کو دیکھو برابر یہی کہے جاتے ہیں کہ یہ معبود اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں اے نبی ان سے کہو کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو ایسی چیز کے ہونے کی خبر دیتے ہو کہ

کہ جیسے وہ نہ تو کہیں آسمانوں میں ہی پاتا ہے اور نہ زمین میں یعنی جس چیز کا وجود ہی نہیں ہے اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کے ایسے ایسے شرک سے پاک اور بالاتر ہے۔

ولقد جئتمونا فرادیٰ کما خلقنٰکم اول مرۃ وترکتم ما خوّلنٰکم وراء ظھورکم وما نریٰ معکم شفعاءکم الذین زعمتم انھم فیکم شرکٰؤا لقد تقطع بینکم وضل عنکم ما کنتم تزعمون ۝ پ ۷ ع ۱۷۔

"اللہ تعالیٰ قیامت کو لوگوں کو ارشاد کر کے فرمائے گا کہ تم لوگ ہمارے حضور میں آج ایکیلے ہی آخر آئے پڑے جس طرح ہم نے تم کو اول دفعہ پیدا کیا تھا اور جو ساز و سامان ہم نے تم کو دنیا میں دیا تھا سب کا سب وہیں پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے اور آج ہم تمہارے ان سفارشیوں کو تو تمہارے ساتھ کہیں بھی نہیں دیکھتے جنکی نسبت تمہارا یہ خیال تھا کہ وہ تمہاری حاجات کے پورا کرنے میں خدا کے شریک ہیں اب تمہاری آپس کی آسیں اور امیدیں اور ہر قسم کے راہ و رسم اور رابطے سب کے سب ٹوٹ ٹاٹ گئے اور جو کچھ تم سمجھے بیٹھے تھے وہ سب کے سب تم سے غائب غلہ ہو گئے یعنے تمہاری اعتقادی باتیں تمہارے کسی کام نہ آئیں اور تم جہنم کا ایندھن بن گئے"

غرضکہ قرآن مجید ان سب لوگوں کو جو خدا کے سوائے کسی دوسرے کو خدا نہیں سمجھتے مگر یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ خدا کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ان معظمین کی پرستش کرنی ضروری ہے مشرک قرار دیتا ہے اور شرک ایسی بُری چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شرک کے حق میں یہ وعید فرمایا ہے کہ اس پر جنت حرام ہے جیسا اوپر لکھا جا چکا ہے۔

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذٰلک لمن یشاء ج ومن یشرک باللہ فقد افتریٰ اثما عظیما ۝ پ ۵ ع ۴۔

دوسری جگہ فرماتا ہے "بیشک اللہ تعالیٰ اس گناہ کو تو معاف کرنیوالا نہیں کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک گردانا جائے ہاں اسکے سوائے جو گناہ جس کو چاہے معاف کر دے اور جسنے کسی کو خدا کا شریک گردانا تو اس نے خدا پر جھوٹ کا طوفان باندھا جو بہت ہی بڑا گناہ ہے"

الحمد للہ کہ ایاک نعبد وایاک نستعین کے شق اول یعنے عبادت کی تفسیر تمام ہوئی اب اس کی دوسری شق استعانت کے متعلق کچھ آیات لکھی جاتی ہیں جن سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ خدا کو چھوڑ کر کسی اور سے اس مدد کا مانگنا جو خاصہ خدا وندی ہے شرک اور کفر ہے۔

آیات متعلق شق دوم یعنے استعانت

ایشرکون ما لا یخلق شیئا وھم یخلقون ۝ ولا یستطیعون لھم نصرا ولا انفسھم ینصرون ۝ وان تدعوھم الی الھدیٰ لا یتبعوکم سواء علیکم ادعوتموھم ام انتم صامتون ۝ ان الذین تدعون من دون اللہ عباد امثالکم فادعوھم فلیستجیبوا لکم ان کنتم صٰدقین ۝ الھم ارجل یمشون بھا ام لھم اید یبطشون بھا ام لھم اعین یبصرون بھا ام لھم اذان یسمعون بھا قل ادعوا شرکاءکم ثم کیدون فلا تنظرون ۝ ان ولیّ اللہ الذی نزل الکتٰب وھو یتولی الصٰلحین ۝ والذین تدعون من دونہ لا یستطیعون نصرکم ولا انفسھم ینصرون ۝ وان تدعوھم الی الھدیٰ لا یسمعوا وترٰھم ینظرون الیک وھم لا یبصرون ۝ خذ العفو وامر بالعرف واعرض عن الجٰھلین ۝ پ ۹ ع ۱۴۔

"کیا وہ ایسے لوگوں کو خدا کا شریک بناتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود خدا کے پیدا کئے ہوئے ہیں ان کا یہ حال ہے کہ نہ تو اپنی پرستش کرنے والوں کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں اور تم اگر ان کو سیدھی راہ کی طرف آنے کو کہو تو تمہاری رہنمائی پر نہ چل سکیں تم اپنے ان معبودوں کو خواہ پکارو اور خواہ نہ پکارو اور چپکے ہو رہو دونو باتیں تمہارے لئے یکساں ہیں اور کسی طرح سے بھی تمہارے حق میں فائدہ بخش نہیں ہیں کیونکہ اللہ کو چھوڑ کر جن معبودوں کو تم اپنی مدد کے لئے پکار رہے ہو وہ بھی تم جیسے بندے ہیں تو ان کو بلا دیکھو سہی اگر تم سچے ہو تو وہ تمہاری سنیں اور تمہاری مدد کریں۔ اے مشرکو عقل کے اندھو کیا تم اتنی موٹی سی بات بھی نہیں سمجھتے کہ کیا تمہارے ان معبودوں کے ایسے پاؤں ہیں کہ وہ ان سے چل کر تمہارے کسی کام کو کر سکیں۔ یا ان کے ایسے ہاتھ ہیں کہ جن سے پکڑنے کا کام لے سکیں اسی طرح اور تمہاری کوئی مدد کر سکیں یا ان کی ایسی آنکھیں ہیں کہ جن سے دیکھنے کا کام لے سکیں اور اسی طرح پر بھی تمہاری کوئی مدد کر سکیں یا ان کے ایسے کان ہیں جن سے سننے کا کام لے سکیں اور اسی طرح پر بھی تمہاری کوئی دستگیری کر سکیں۔ اے نبی ان مشرکوں سے کہہ دو کہ اے مشرکو تم باز نہیں آتے تو اچھا پھر اپنے معبودوں کو مدد کے لئے بلاؤ پھر سب مل جل کر مجھ پر جس طرح تم داؤ کر سکو چلا ہو کر چلاؤ اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو میں تمہارے شریکوں اور معبودوں کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتا کیونکہ میرا کارساز تو وہ اللہ ہے جس نے مجھ پر اس کامل صفات والی کتاب کو نازل فرمایا ہے کہ جس کا ذکر ہے وہ ہر ایک نیک بندے کی حمایت کرتا ہے اور خدا کے سوا

جن معبودوں کو تم اپنی مدد کے لئے پکارتے ہو اُن کا یہہ حال ہے کہ نہ تو ان کو تمہاری مدد کرنے ہی کی طاقت ہے اور نہ اپنی مدد آپ ہی کر سکتے ہیں اور اگر تم ان کو راہ راست پر چلنے کے لئے کہو تو وہ تمہاری ایک نہ سنیں کیونکہ اُن کے سننے کے کان ہی نہیں یہہ معبود تجھ کو تو ایسے دکھائی دیتے ہیں کہ گویا وہ تیری طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے ہیں حالانکہ اصل بات یہہ ہے کہ اُن کو دکھتا کچھ بھی نہیں اے نبی تیرے توحیدی مسائل کو سن سنکر مشرک لوگ تجھ کو جو بُرا بھلا کہتے ہیں تو اس کا خیال تک نہ کیا کر بلکہ درگزر کیا کر اور دین کے مسائل کی تعلیم کرتا رہا کر اور جاہلوں کی جہالت سے اعراض کیا کر۔

ان الذین تدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعوا لہ وان یسلبہم الذباب شیئا لا یستنقذوہ منہ ضعف الطالب والمطلوب ما قدروا اللہ حق قدرہ ان اللہ لقوی عزیز ۰ پ ۱۷ ع ۱۷

" اللہ کو چھوڑ کر جن لوگوں کو تم پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ اُس پیدا کرنے کے لئے سب کے سب اکٹھے ہی کیوں نہ ہو جاویں پیدا کرنا تو درکنار خدا کی پیدا کی ہوئی مکھی اگر اُن سے کچھ چھین لیجائے تو اُس سے بھی اُس چیز کو چھوڑا نہیں سکتے کیسے بودے یہہ معبود جو مکھی کے پیچھے پڑیں اور اس کو پکڑ نہ سکیں اور کیسی بودی وہ بیچاری ننھی سی مکھی جسکا پیچھا کیا جائے اور پھر بھی ہاتھ نہ آئے۔ ان مشرکوں نے اللہ کی جیسی قدر جاننی چاہیئے تھی جانی ہی نہیں وہ ان کے معبودوں کی طرح بودا نہیں ہے وہ تو ایک بڑا زبردست اور سب پر غالب ہے"

مثل الذین اتخذوا من دون اللہ اولیاء کمثل العنکبوت اتخذت بیتا وان اوہن البیوت لبیت العنکبوت لو کانوا یعلمون ۰ پ ۲۰ ع ۱۶

"جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے دوسرے اپنے کارساز بنا رکھے ہیں ان کی مثال مکڑی کی سی ہے کہ اس نے گھر بنایا اور کچھ شک نہیں کہ گھروں میں بودے سے بودا گھر مکڑی کا گھر ہوتا ہے کاش یہہ لوگ اتنی موٹی مثال ہی سمجھتے۔ یعنے مشرکوں کے کارساز اور معبود ان کی مدد کرنے میں کالعدم ہیں مگر خدا کا یہہ حال نہیں ہے وہ انکا سچا کارساز ہے۔

لہ دعوۃ الحق والذین یدعون من دونہ لا یستجیبون لہم بشیء الا کباسط کفیہ الی الماء لیبلغ فاہ وما ہو ببالغہ وما دعاء الکفرین الا فی ضلل ۰ پ ۱۳ ع ۶

" مصیبت پڑے پر اسی کو پکارنا سچا پکارنا ہے اور جو لوگ اس کے سوائے دوسرے معبودوں کو پکارتے ہیں وہ ان کی کچھ نہیں سنتے گر ویسا ہی بیکار سننا جیسے ایک شخص اپنے دونو ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے تاکہ پانی آپ سے آپ اس کے مونہہ میں اُڑکر آجاوے حالانکہ وہ کسی طرح بھی اُڑکر اُس کے مونہہ میں آنیوالا نہیں اور ایسے ناشکرے کافروں اور مشرکوں کی دعا تو یوں ہی بھٹکی بھٹکی پھرا کرتی ہے"

خلاصہ ان آیات کا یہہ ہے کہ سوائے اسباب ظاہریہ بدیہیہ کے نصرت کرنا اور مدد دینا خاصہ خداوندی ہے کوئی شخص من دون اللہ جن انس ملائکہ وغیرہ مقربین سے ایسا نہیں ہے جو اس طرح کی مدد کر سکے۔ البتہ اسباب ظاہریہ بدیہیہ کے ساتھ جملہ انواع و اقسام حیوانات ناطقہ وصاہلہ و ناہقہ وغیرہا جو زندہ ذی روح جسم نامی متحرک بالارادہ ہوتے ہیں اپنی اپنی حالت و استعداد و طاقت کے مطابق مدد کر سکتے ہیں مثلاً کتا بھیڑ بکری وغیرہ کی مدد ہر قسم کے درندوں سے کر سکتا ہے اور نگہبانی کر کے کھیتی باڑی وغیرہ کو نقصانات سے بچا سکتا ہے گھر کا مال و اسباب موذی چوہوں کی ایذا رسانی سے بچانے کے لئے بلی مدد دیتی ہے علیٰ ہذا القیاس مرغیوں کے چوزے کیڑوں مکوڑوں کو صیاد کرنے میں مدد کرکے ان کی ضرر رسانی اور ایذا رسانی سے بچاتے ہیں اسی طرح گدھوں کا حال ہے جتنی مدد وہ دے سکتے ہیں وہ بھی دیتے ہیں غرضکہ قاعدہ کلیہ یہہ ہے کہ سوائے اسباب ظاہریہ بدیہیہ کے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات ذی روح و متحرک بالارادہ کو دے رکھے ہیں کوئی مخلوق کسی اپنے ان اسباب سے بڑھ کر مدد نہیں کر سکتی۔ گو وہ مقرب فرشتہ یا نبی مرسل ہی کیوں نہ ہو اور یہہ محض اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے کہ وہ من کل الوجوہ بلا استمداد اسباب ہر قسم کی نصرت اور مدد کما حقہ اتم و اکمل طور پر دے سکتا ہے کیونکہ وہ ارادہ سے ہی ہر ایک کام کو کرتا ہے اور کسی کی اسکو ضرورت نہیں پڑتی کما قال اللہ تعالیٰ۔

انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون ۰ پ ۲۳ ع ۴

"اللہ تعالیٰ کی ایسی شان ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے کہ ہوجاوے تو وہ کہتا ہے ہوجا پس وہ ہوجاتا ہے"

اور واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی چیز کو ہوجانے کے لئے کہہ دینے کے یہہ معنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بضرورت اوس ہونیوالی چیز کے ہونے کا فقط ارادہ ہی کرتا ہے نہ کہ یہہ بات ہی کہہ دیتا ہے کہ اسے ہونے والی چیز تو ہوجا چنانچہ اس آیت میں اس اجمال کی تفصیل ہے۔

انما قولنا لشیء اذا اردنہ ان نقول لہ کن فیکون ۰ پ ۱۴ ع ۱۱

"کسی چیز کے وجود میں لانے کے لئے ہمارا یہہ کہنا کہ اے چیز تو ہوجا اور کچھ

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (۶)

ہم کو وہ رستہ دکھا اور اسپر ثابت قایم رکھہ جو بہتری طرف سیدہا جاتا ہے۔

چیز ہوجاتی ہے اسکا مطلب فقط ہمارا اسوقت کا وہ ارادہ ہوتا ہے جب ہم اوس چیز کے ہوجانے کے کہنے کا ارادہ کرتے ہیں اور وہ ہوجاتی ہے خلاصہ یہہ ہے کہ ہم جو بار بار قرآن مجید میں کہتے ہیں کہ جب ہم کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ہم اوس چیز کو کہہ دیتے ہیں کن یعنے ہوجا اور وہ ہوجاتی ہے تو تم یہہ نہ سمجھ لینا کہ فی الواقع تمہاری طرح ہم کو کلمہ کن کی جو منجملہ اسباب کے ہے ضرورت اور حاجت ہوتی ہے ہرگز نہیں ہمارے اس قول اور کلمہ کن کے کہنے کا مطلب یہہ ہے کہ ہم فقط کسی چیز کے ہوجانیکا ارادہ ہی کرتے ہیں اور بس کن کے کہنے کی ہم کو حاجت نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالے دوسری جگہ سورہ بروج میں اپنا نام فعال لما یرید فرماتا ہے یعنے ایسا اللہ جو کرکے رہتا ہے ایسی بات کو جسکا وہ ارادہ کرتا ہے اصل بات یہہ ہے کہ اللہ تعالے ہی فقط اپنے ارادہ سے جو چاہے کرسکتا ہے باقی مخلوقات سے ایسا ہونا محال ہے اور اوپر کی آیات سے یہ ذکر ہے کہ کیا ان کے پاؤں ہیں کیا اُن کے ہاتھ ہیں وغیرہ وغیرہ قطعی طور پر ثابت ہے کہ جسم نامی متحرک بالارادہ سے اتنی مدد کا لینا جو اس کے اختیار میں ہے شرعاً مشروع ہے ممنوع نہیں ہے ہاں جو خاصہ خداوندی ہے جیسا اوپر لکھا جا چکا ہے اوس مدد کا مانگنا غیر خدا سے شرک ہے اور کفر ہے اور موجب جہنم ہے۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ اس آیت کو اپنے سے پہلی آیت کے ساتھ اور پھر اس کی پہلی شق کو اپنی دوسری شق کے ساتھ کیا ربط ہے اور قوت ثلاثہ میں سے کس کس کی تربیت ان میں موجود ہے سو واضح ہو جیسا کہ پہلے بھی بیان ہوچکا ہے کہ پہلی آیات میں یہہ بیان کیا گیا ہے کہ فقط اللہ ہی ہر قسم کی حمد کا مستحق ہے اور صرف وہی اللہ یعنے معبود ہونے کا استحقاق رکھتا ہے اور چونکہ رب العلمین میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالے ہی فقط روحانی اور جسمانی تربیت کرتا ہے اسواسطے اب ضروری ہوا کہ اللہ تعالے کل مخلوقات کو دایرہ عبودیت میں داخل کرے اور ان کو بتائے کہ تم اوسی ذات پاک کے بات بات میں عاجز محتاج بندے ہو سو فرمایا اسے ذوی العقول تم اس طرح پر دل اور زبان سے اقرار کیا کرو ایاک نعبد و ایاک نستعین اور چونکہ روحانی تربیت اشرف اور افضل اور اہم اور انفع ہے اسواسطے اپنی صفات کمال کے بیان کے بعد ہی روحانی تربیت کے لئے جملہ ذوی العقول کو اپنی عبودیت کے اقرار کے لئے یہہ آیت نازل فرمائی کیونکہ اس میں جملہ انواع و اقسام عبادت اور استعانت کو مختص بذات باری قرار دیا گیا ہے۔ اور عبادت اگرچہ عام ہے اور استعانت بھی ایک نوع کی عبادت ہے جو کلمہ ایاک نعبد میں شامل ہے مگر یہہ چونکہ سب سے اشہر اور اعظم اور اہم اور اکثر اسواسطے بطور تخصیص بعد تعمیم ایاک نعبد کے پیچھے ایاک نستعین بیان فرمایا۔ ایاک نعبد میں قوت ملکی کی تربیت ہے اور ایاک نستعین میں قوت بہیمی اور قوت سبعی کی تربیت ہے یعنے یہہ کہ ملکی قوت چونکہ اشرف ہے اسواسطے اس کی تربیت پہلے بیان فرمائی اور چونکہ اس قوت کی تربیت کی ترقی کے سد راہ باقی کی دو قوتیں یعنے بہیمی اور سبعی ہوتی ہیں اسواسطے ان دونوں کی مزاحمت اور ان کے ظلم سے بچانے کے لئے اور ان کو اپنے اعتدال پر بحال رکھنے کے لئے اس کے ساتھ ہی ایاک نستعین فرمادیا۔ اب جب اللہ تعالے اپنی ذات پاک کی صفات کمال اور عبودیت کے جملہ لوازمات بیان فرما چکا ہے اور یہاں تک بخوبی معلوم ہوچکا ہے کہ خدا کیا ہے اور کیسا ہے اور بندہ کیا ہے اور اس کو کیا کیا کچھہ درکار ہے اور اللہ تعالے اور اس کے بندے میں ایک رابطہ پیدا ہوگیا ہے تو اب اللہ تعالے نے بندے کو حکم دیا کہ تو اب ہر بات میں دنیوی ہو خواہ دینی مجھ سے مدد مانگ اور میں تجھے مدد دونگا اس واسطے فرمادیا:۔ اهدنا الصراط المستقیم۔

(۶) الصراط میں آل عہدی ذکری ہے جسکو عہدی خارجی بھی کہا جاتا ہے اور اس کے معنے ہیں بڑی لمبی چوڑی سڑک اور المستقیم کے معنے ہیں جو سیدہا جاتا ہے یعنی خدا کی طرف پس الصراط المستقیم سے مراد وہی الدین القیم ہے جو اس آیہ والی بدایہ میں مذکور ہے۔

فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون ۵ پ ۶	"اللہ تعالے کی اوس فطرت یعنے پیدا کردہ حالت کی نگہبانی کیا کرو جس پر اللہ تعالے نے تمام جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا۔ اللہ تعالے کی اس خلق یعنے فطرت یا پیدا کردہ حالت میں تبدیل کرنا جائز نہیں ہے یہی ہے وہ کامل اور جمیع صفات

حسنہ والا دین جو سیدہا خدا کی طرف جاتا ہے مگر بہت سے جن اور انسان نہیں جانتے"

اور ہم پہلے بتا چکے ہیں (دیکھو صفحہ ۳ لغایت ۱۰) کہ الدین القیم وہ دین ہے جس میں فطرت یعنی ان تین قوتوں۔ ملکی بہیمی سبعی کے اعتدال

پر قائم رکھنے کے لئے قواعد اور قوانین موجود ہیں پس اھدنا الصراط المستقیم سے وہ دین اور طریق مراد ہے جس میں تینوں قوتوں کے بحال اور علی حداعتدال رکھنے کی تعلیم موجود ہو جس کی تفصیل خود قرآن مجید میں دوسری جگہ یوں مذکور ہے اللہ تعالے کفار کی توہمات اور ان کے اختراعی حلال و حرام وغیرہ کے بیان کے بعد فرماتا ہے کہ اے پیغمبر تو کل دنیا کو پکار کر کہہ دے کہ ادھر آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر کھول کر بیان کر دی ہیں

قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم الا تشرکوا بہ شیئا و بالوالدین احسانا ولا تقتلوا اولادکم من املاق نحن نرزقکم وایاھم ولا تقربوا الفواحش ما ظھر منھا وما بطن ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق ذلکم وصکم بہ لعلکم تعقلون ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن حتی یبلغ اشدہ واوفوا الکیل والمیزان بالقسط لا نکلف نفسا الا وسعھا واذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذا قربی وبعھد اللہ اوفوا ذلکم وصکم بہ لعلکم تذکرون ٥ وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ ذلکم وصکم بہ لعلکم تتقون پ ۸ ع ۶ -

اور وہ یہہ ہیں۔ کہ کسی چیز کو بھی اُس کا شریک نہ ٹھیرانا اور والدین کے ساتھ ہر قسم کا احسان کرتے رہنا اور مفلسی کی وجہ سے اپنے بچوں کو قتل نہ کیا کرنا تم کو بھی تو روزی ہم ہی دیتے ہیں اور ان کو بھی ہم ہی۔ اور جملہ انواع و اقسام فواحش یعنے ہر طرح کی بے حیائی کے پاس بھی خواہ ظاہر ہو خواہ پوشیدہ نہ پھٹکنا اور جان جسکی قتل کو اللہ تعالے نے حرام کر دیا ہے قتل نہ کرنا مگر حق پر یہہ وہ باتیں ہیں جن کا حکم تم کو اللہ تعالی نے کیا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو یعنی ان باتوں کو سمجھ کر اللہ تعالے کے جملہ حقوق کو جان جاؤ اور احکام کبھی سو جو عبرت اور تذکر کے متعلق ہیں یعنے یہہ کہ یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسی وجہ پر جو اس کے حق میں بہتر ہو یہانتک کہ وہ اپنی جوانی کی عمر تک پہونچ جاوے اور انصاف کے ساتھ پورے پورے ماپ اور پورے پورے تول کیا کرو یعنے اپنی سمائی اور وسعت کے مطابق کیونکہ ہم کسی شخص پر اوس کی سمائی سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتے اور جب مونہہ سے بولو تو گو تمہارا اپنا قرابتی ہی کیوں نہ ہو انصاف سے بولو اور اللہ تعالے کے ساتھ جو عہد باندھ چکے ہو اسکو پورا کرو یہہ ہیں وہ احکام جنکا حکم تمکو خدا نے کیا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو اور اے پیغمبر کل دنیا کو پکار کر اب یوں ہی سمجھا دو کہ اللہ تعالے نے یہہ بھی فرما دیا ہے۔ کہ بس یہی ہمارا سیدھا رستہ ہے سو لوگو اسی رستے پر چلے چلو اور ادھر اُدھر کے دوسرے رستوں پر نہ چل پڑنا کہ یہہ تم کو اللہ کے رستے سے بھٹکا کر تتر بتر کر دینگے غرض یہہ سب وہ احکام ہیں جن کی بجا آوری کے لئے تم کو اللہ تعالے نے حکم دیا ہے تاکہ تم بچ جاؤ یعنے فطرت اللہ و خلق اللہ کی تغییر و تبدیل و امانت اللہ کی خیانت اور نعمت اللہ کے کفران (ناشکری) سے

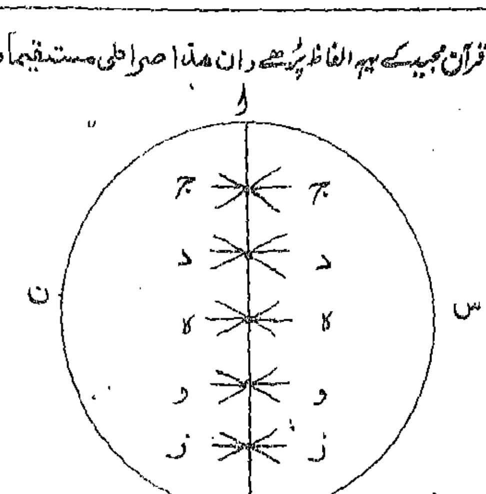
ان آیات میں تینوں قوتوں کی تربیت کی تعلیم موجود ہے اور ان کے اندر جو احکام بیان فرماتے ہیں اُن کو اپنی طرف نسبت کر کے فرمایا ہے کہ ان ھذا صراطی مستقیما یعنے یہہ باتیں میرا سیدھا رستہ ہیں ایسے سیدھے رستے کو اللہ تعالے نے اس سورۂ فاتحہ میں الصراط المستقیم کے نام سے یاد فرمایا ہے اور سب کو حکم دیا ہے کہ تم صدق سے اس طرح دعا مانگا کرو اھدنا الصراط المستقیم یعنی ہمکو تو اپنا وہ رستہ دکھا اور دکھائے ہوئے رستہ پر قائم رکھ جو سیدھا تیری طرف جاتا ہے اور ادھر اُدھر نہیں جاتا۔ واضح رہے کہ یہنے اھدنا کا ترجمہ کیا ہے ہمکو دکھا اور دکھائے ہوئے رستے پر قائم رکھ۔"

سو یاد رہے کہ ہر ایک فعل کی ایک ابتدا ہوتی ہے اور ایک انتہا ہوتی ہے۔ ابتدا اسوقت ہوتی ہے جب وہ فعل ابھی ظاہر تو نہوا ہو مگر ظاہر ہونے کو ہو اور انتہا اسوقت ہوتی ہے جب ظہور میں آچکے یا اس طرح سمجھو کہ جب وہ فعل حاصل ہو جاوے تو اس کی انتہا اور جب وہ حاصل ہونا شروع ہونے لگے تو اس کی ابتدا ہوتی ہے اور ابتدا سے لیکر انتہا تک درمیانی کل سے۔ اسی طرح الصراط المستقیم یعنی اوس سیدھی سڑک کی جو خدا کی طرف سیدھی چلی جاتی ہے ایک ابتدا ہے اور ایک انتہا ہے اور ابتدائی نقطے سے لیکر انتہائی نقطے تک جسقدر سڑک ہے وہ سب درمیانی فاصلہ ہے پس اس سڑک پر چلنے کے لئے سب سے پہلے تو اس سڑک کی ابتدا کے معلوم کرنے کی ضرورت ہے اور پھر جب معلوم ہو جاوے تو اوس پر دائم قائم اور مستمر رہنے کی ضرورت ہے تاکہ اُس کا سارا فاصلہ طے کیا جاوے اور منزل مقصود یعنے اللہ تعالے کے پاس پہنچ جاویں یعنے اُس کی رضامندی حاصل کر لیں پس اھدنا کے یعنے اوس شخص کے لئے جو ابھی اس سڑک سے واقف ہی نہیں ہے یہہ ہیں کہ ہم کو اپنی وہ سیدھی سڑک دکھا یعنی اس کے ابتدائی نقطے پر چڑھا دے اور پھر اسپر چڑھا کر ہر دم اور ہر لحظہ اوسی سڑک پر چلنے کی توفیق عطا کر یہانتک کہ وہ ساری سڑک طے ہو جاوے اور پھر منزل مقصود تک پہونچ جاویں اور جو شخص اوس سڑک پر چڑھ چکا ہے اور ابھی اس سے اس سفر کو طے کرنا ہے تو گو وہ کتنا ہی فاصلہ طے کیوں نہ کر چکا ہو اوسکو پھر بھی ابھی اوس سڑک کے انتہائی نقطے پر پہونچنا ہے پس اوس شخص کے لئے اھدنا کے معنے یہہ ہیں کہ الٰہی اس اپنی سیدھی سڑک پر جسپر تو مجھے چڑھا چکا ہے چلاتے چل جتنے کہ میں منزل مقصود

پر پہونچ جاؤں اور راہ میں کسی اونچی ڈنڈی یا کسی اور راہ پاٹ پر نہ چل پڑوں جو تیری سیدھی سڑک سے اتار کر منزل مقصود سے بھٹکا دے پس اس شخص کے لئے بھی وہ نقطہ کہ جہانتک پہونچ کر اب چلنے لگا ہے ابتداء ہے اور اس ابتداء سے لیکر انتہائی نقطے تک ابھی اور سفر کرنا باقی ہے یعنی یہہ کہ اس کی بھی ضرورت ہے کہ وہ ابتداء کے لئے بھی اور بقاء اور استمرار کے لئے استقامت یعنی برابر سیدھی راہ چلنے کے لئے دعاء مانگا کرے پس اب ہم بطور قاعدہ کلیہ کہتے ہیں کہ ہر ایک شخص کے لئے دونوباتوں کے مانگنے کی ضرورت ہے خواہ وہ سڑک پر چڑھ چکا ہو خواہ ابھی سڑک پر نہیں چڑھا جو نہیں چڑھا وہ حقیقی ابتداء سے لیکر انتہا تک ہمیشہ سیدھا چلنے اور جو چڑھ چکا ہوا ہے وہ اُس ابتداء سے جسپر وہ فی الحال چڑھنے اور چلنے لگا ہے لیکر انتہا تک ہمیشہ سیدھا چلنے اور منزل مقصود پر پہونچ جانے کی دعا مانگے پس خواہ کوئی ادنے درجہ کا مومن ہو خواہ کوئی اعلی درجہ کا مومن ہو یہانتک کہ نبی اور رسول ہی کیوں نہ ہو سب کو اس دعاء کے مانگنے کی ضرورت ہے اور ہر دم ضرورت ہے اور اسوقت تک ضرورت ہے کہ جب تک اس کی جان میں جان باقی ہے۔ اوپر کی تشریح کے لئے یعنے یہہ کہ ہر ایک فعل کی ابتداء اور انتہاء ہوتی ہے اور اس کے معنے سے کبھی تو حقیقی ابتداء مراد ہوتی ہے کبھی بقاء و استمرار مراد ہوتی ہے یا یوں سہی کہ کبھی اس فعل کی انتہا تک ہو جانے کی مراد ہوتی ہے۔ پس اب ہم قرآن مجید دیکھتے ہیں کہ اسمیں ہدایت کا لفظ کن کن معنوں میں مستعمل ہوا ہے سو واضح ہو کہ ہدایت کے معنے صرف ارائۃ الطریق ہی نہیں یعنے صرف راہ دکھا دینا کہ راہ یہہ ہے اور بس بلکہ ایصال الی المطلوب بھی ہیں یعنی اُس راہ کو نہ صرف دکھانا ہی ہوتا ہے بلکہ اوس راہ پر چلانا اور منزل مقصود پر پہونچا دینا۔ مثلاً اللہ تعالی سورہ دہر میں فرماتا ہے انا ھدینٰہ السبیل اما شاکرا و اما کفورا پ ۲۹ ع ۱۹ یعنے انسان کو ہم نے پیدا کر کے اپنی پسندیدہ راہ دکھا دی اب آگے اس کی مرضی ہے اسپر چلے یا نہ چلے جس نے اُس ہمارے راہ کو قبول کر لیا وہ تو شاکر ہوگیا جسنے قبول نہ کیا وہ ناشکرا ہوگیا سو اس آیت میں محض ارائۃ الطریق ہی مراد ہے اسی طرح دوسری جگہ اللہ تعالے نے فرمایا ہے انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یہدی من یشاء پ ۲۰ ع ۹ یعنے اے نبی جس شخص کو تو چاہے کہ اس کو سیدھے راہ پر لے آوے اور پھر اُسپر اُسکو چلا کر منزل مقصود تک پہونچا دے تو یہہ امر تیرے اختیار میں نہیں ہے یہہ اللہ تعالی کا کام ہے کہ وہ ہدایت کے پیاسے اور ہدایت کے خواستگار کو راہ بھی دکھاتا ہے اور اسپر چلواتا ہے یہانتک کہ اس کو منزل مقصود تک پہونچا دیتا ہے یہاں ہدایت کے معنے ایصال الی المطلوب کے ہوئے اسی طرح اور بہت سی آیات قرآن مجید میں موجود ہیں طالب حق کے لئے ایک ایک مثال کا لکھہ دینا کافی ہے۔

مفسر حقانی حکیم ربانی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی صراط مستقیم کو جو سورۃ فاتحہ میں بطور خلاصہ بیان ہوا ہے اور پیشتر مرقومہ صدر میں بطور تفصیل بیان ہوا ہے اپنے صحابہ رضؓ کو بذریعہ تمثیل ایک خط مستقیم کھینچکر سمجھا دیا چنانچہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالے عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک خط مستقیم کھینچکر بتایا اور فرمایا کہ یہہ اللہ کی راہ ہے یعنے صراط مستقیم پھر آپ نے اس خط کے دونو طرف داہنی طرف بھی اور بائیں طرف بھی کچھہ اور خط کھینچے اور فرمایا کہ یہہ دوسری دوسری راہیں ہیں جو سیدھی راہ سے نکل کر ادھر ادھر کو نکل جاتی ہیں اور ہر ایک راہ کے سرے پر ایک ایک شیطان بیٹھا ہے اور راہ پر چلنے والوں کو پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ تیری راہ یہہ ہے جسپر میں کھڑا ہوں پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق میں قرآن مجید کے یہہ الفاظ پڑھے وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ الایۃ"

عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالے عنہ قال خط لنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خطاً ثم قال ھذا سبیل اللہ ثم خط خطوطاً عن یمینہ وعن شمالہ وقال ھذہ سُبُلٌ علی کل سبیل منہا شیطان یدعو الیہ وقرأ وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ الایۃ (رواہ احمد والنسائی والدارمی) مشکوۃ)



اس خط کو ہم واضح طور پر کھینچکر بتاتے ہیں کہ ہدایت کے طالب کے لئے دو تو معنوں کو اپنے ذہن میں رکھنا ضروری ہے فرض کرو کہ (ا ن ب س) ایک دایرہ ہے جس میں جملہ معشر الجن والانس جو مخاطب اور مکلف ہیں موجود ہیں اور ان سب کو حکم ہے کہ تم سب کے سب الصراط المستقیم پر چلوگے تو فلاح پاؤگے ورنہ گمراہ ہو کر دوزخ میں جاؤگے اور فرض کرو کہ وہ صراط مستقیم اس دایرہ میں اس اوپر کا قطر (ا ب) ہے جسکا ابتدائی نقطہ (ا) ہے اور انتہائی نقطہ (ب) ہے اور درمیانی نقاط ج د ھ و ز ہیں اور ان نقاط پر سے اور بہت سی بیشمار راہیں اس صراط مستقیم میں سے اودھر ادھر کو نکلی ہوئی ہیں — اب سب جنہوں

اور انسانوں کو جو صراط المستقیم تو دکھا دیا گیا ہے اب اوس صراط مستقیم پر آنے یا نہ آنے کا اختیار اُن کو دیدیا گیا ہے اگر کوئی شخص اس صراط مستقیم پر چلنے کے لئے التجا کرے اور دل سے خواہش کرے تو اللہ تعالیٰ جو نہایت ہی الرحمن الرحیم ہے اسکو نہ صرف اس راہ کے اوپر ہی آنا ہے بلکہ اسکو اسپر چلنے کی توفیق دیتا ہے اور اوس راہ میں جو جو خطرے اور مہالک پڑتے ہیں ان سب کی اصلاح واضح طور پہ کرتا ہے اور چونکہ یہہ خطرے بیٹھا رہیں اور قدم قدم پر شیطان لعین سیدھے راہ سے بھٹکا کر دوسری دوسری راہوں کی طرف لیجانے کو بیٹھا ہے اسواسطے تمام جنوں اور انسانوں کو اس سورۂ فاتحہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ اوس صراط مستقیم پر چڑھنے اور پھر چڑھکر اسپر چلے چلنے اور منزل مقصود پر پہنچ جانے کے لئے تم صرف مجھہ ہی سے ارادت دلی اور خلوص نیت کے ساتھ دعا مانگا کرو اور یوں کہا کرو اھدنا الصراط المستقیم یعنی اے ہمارے رب تو مہربانی کرکے اپنے پسندیدہ اور بنائے ہوئے رستے پر ہم کو چلا اور منزل مقصود تک پہونچا سو ظاہر ہے کہ اگر کوئی مومن نہیں ہے اور ابھی تک صراط مستقیم کے نقطہ آ پر بھی نہیں پہونچا تو اوس کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ اھدنا کے دونو معنوں کو اپنے ذہن میں رکھے یعنی یہہ کہ مجھے اپنی سیدھی راہ پر چڑھا دے اور پھر چڑھا کر اسپر قایم رکھہ اور منزل مقصود پر پہونچا دے اور اگر کوئی شخص اس راہ کے اوپر چڑھ چکا ہے تو اسکے لئے بھی اھدنا کے دونو معنوں کو اپنی نسبت اور ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے کیونکہ جتنا فاصلہ وہ طے کر چکا ہے مثلاً فرض کرو کہ نقطہ ج پر پہونچ گیا ہے تو اب اُس کو بھی تو ج سے شروع کرکے اخیر منزل پر پہونچنا ہے اور اگر نقطہ د پر پہونچ چکا ہے تو اسکو بھی تو ابھی د سے شروع کرکے اخیر منزل تک پہونچنا ہے غرضکہ کوئی ہو خواہ کافر ہو خواہ مومن ہو خواہ مبتدی ہو خواہ انتہائی نقطے پر پہونچنے والا ہو سب کے لئے ازبس ضروری ہے کہ اس صراط مستقیم کی ساری منزل کو بامن وامان کاٹے اور جنت حاصل کرے اور یہہ منزل اوسوقت کٹے گی جب موت آجاوے گی پس جو شخص اس صراط مستقیم پر چلتا چلتا مرجاویگا جنت میں جاویگا جو اس راہ پر سے بھٹک گیا اور پھر کبھی اس راہ کی طرف نہیں آیا اور اپنی آوارگی اور بدراہی پر مرگیا تو دوزخ میں گیا پس صراط مستقیم پر چڑھے ہوئے کے لئے بھی اشد ضروری ہے کہ وہ ہردم اھدنا الصراط المستقیم اخلاص دل کے ساتھ پڑا پکارے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور عنایت کا طالب رہے اور مرتے دم تک اسکو ایسا ہی کرنا پڑیگا۔ اسی طرح قرآن کریم میں جہاں جہاں بعض بعض دعیہ مذکور ہوئے ہیں وہاں اس دعا سے مقصود نہ صرف اسکا حصول فی الحال ہی ہوتا ہے بلکہ اوسپر ثابت قدم اور قایم رہنے اور اسی پر مرنا ہوتا ہے مثلاً اسی دعا کے اھدنا الصراط المستقیم کو دیکھو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی آخری نماز کی دعا بھی تھی تو کیا اس کے معنے اُن کے حق میں اوس آخری نماز میں یہہ ہو سکتے ہیں کہ اب ہم کو سیدھی راہ دکھا ہرگز نہیں بلکہ یہی معنے ہیں کہ اسی اپنی دکھائی ہوئی راہ پر قایم رکھہ اور مار۔ انہی طرح کی آیات قابل غور ہیں ابراہیم اور اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام بناء کعبۃ اللہ کے وقت یہہ دعا پڑھتے تھے :—

ربنا واجعلنا مسلمین لك ومن ذریتنا امة مسلمة لك وارنا مناسکنا وتب علینا انك انت التواب الرحیم ٥ پ ۱ ع ۱۵

اے ہمارے رب ہم دونو کو اپنے فرمان بردار بندے بنائے رکھہ اور ہماری اولاد میں ایک گروہ پیدا کر جو تیرا فرمانبردار ہو اور ہمکو ہماری عبادت کے طریقے بتائے رکھہ اور ہمپر رجوع برحمت کرتا رہ۔ بیشک تو بڑا ہی رجوع برحمت کرنیوالا اور مہربان ہے"

واذ قال ابراھیم رب اجعل ھذا البلد امنا واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام ٥ پ ۱۳ ع ۱۶۔

"اور اسوقت کو یاد کرو جب ابراہیم نے خدا سے دعا کی کہ اے میرے پروردگار اس شہر کو امن کی جگہ بنائے رکھہ اور مجھہ کو اور میری اولاد کو اس گمراہی سے بچائے رکھہ کہ وہ لگیں بتوں کی پرستش کرنے۔

رب قد اتیتنی من الملك وعلمتنی من تاویل الاحادیث فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والاخرة توفنی مسلما والحقنی بالصالحین ٥ پ ۱۳ ع ۵

"یوسفؑ نے دنیا کی سیر حاصل کر چکنے کے بعد یہہ دعا مانگی اے میرے پروردگار تو نے مجھے حکومت میں سے بھی حصہ بخشا اور خواب کی تعبیر دینی بھی سکھائی اے آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے توہی میرا کارساز ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اب مجھے اپنی فرمانبرداری کی حالت میں ہی اس دنیا سے اُٹھالے اور اپنے نیکوکار بندوں میں لے جا داخل کر"

رب اوزعنی ان اشکر نعمتك التی انعمت علی وعلی والدی وان اعمل صالحا ترضاہ وادخلنی برحمتك

"سلیمانؑ نے دعا مانگی کہ اے میرے پروردگار مجھے اسبات کی توفیق عطا کئے رکھہ کہ جیسے جیسے تو نے مجھہ پر اور میرے والدین پر مہربانیاں

(۷) صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ

ان لوگوں کی راہ جن کو تونے اپنی نعمت بخشی نہ ان کی جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ ان کی جو تیری سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

فی عبادک الصالحین o پ ۱۹ ع ۱۶ کی ہیں تیری ان مہربانیوں کا شکر ادا کرتا رہوں اور جب تک جیتا رہوں ایسے ایسے نیک عمل کرتا رہوں جن کو تو پسند فرمائے اور مجھ اپنے کرم سے اپنے نیکوکار بندوں میں داخل کر۔

اب صاف ظاہر ہے کہ ابراہیم و اسماعیل اور یوسف اور سلیمان سب کے سب رسول تھے اور رسول سے بڑھ کر اپنے زمانہ میں کوئی بھی نیک نہ ہو نہیں سکتا اب اگر انکی دعاؤں واجعلنا مسلمین وغیرہ کے یہہ معنے کئے جاویں کہ اب ہم کو مسلمان اور فرمانبردار بندے بنا تو کیسے بُرے اور قابل ہنسی معنے ہوں گے ان سب جگہوں میں مراد ثبات و تثبیت اور دوام و بقا ہے نہ کہ ابتدا۔

اس آیت میں تعلیم ہے کہ فطرت کی تینوں قوتوں کو حد اعتدال پر رکھا جاوے اور ہر ایک قوت کے لئے جو جو کچھ درکار اور مطلوب ہے اور رب العلمین نے اپنی ربوبیت کے تقاضے سے اپنی پاک کتاب میں اوسکو واضح کرکے بیان کردیا ہے اللہ تعالے ہی سے مانگا جاوے اور جہاں کہیں قرآن مجید میں صراط مستقیم کا لفظ آیا ہے وہاں سب جگہ اُسی مراد ہے فطرۃ اللہ اور خلق اللہ کی تینوں قوتوں کی تربیت سے اور الدین القیم سے پس اگر کہیں ہم کسی امر میں بھی کسی قوت کی تربیت میں ذرا بھی فرق آ گیا تو صراط مستقیم میں فرق آ گیا اور چونکہ یہہ یقینی امر ہے کہ جہاں کہیں کوئی نبی اور رسول ہوا ہے وہ صراط مستقیم پر ہی رہا ہے اور پھر ایسی کوئی قوم نہیں ہو گزری جہاں اللہ تعالے نے اپنے رسول اور نبی نہیں بھیج چکا اسواسطے اب جو لوگ صراط مستقیم پر یقینًا چلتے ہیں اون کا نام بھی اور جو صراط مستقیم سے انحراف کر کے اور راہیں اختیار کرکے خدا تعالے کے غضب کے مستحق ہو گئے ہیں ان کا نام بھی لے دیا تاکہ عوام سے عوام اور موٹی سی موٹی عقل والے بھی چلنے اور دوسری راہوں سے نفرت کرنے لگ پڑیں خواہ ان کا کوئی سا مذہب اور فرقہ کیوں نہ ہو چنانچہ فرمایا۔ صراط الذین انعمت علیهم غیر المغضوب علیهم ولا الضالین

(۷) اس ساتویں آیت میں بھی لفظ صراط آیا ہے اوپر جو تمہید لکھی گئی ہے اوس سے اگرچہ سمجھ میں آجاتا ہے کہ کیوں یہہ لفظ دوبارہ بولا گیا مگر ہم اس کی زیادہ تشریح کرتے ہیں تاکہ یقینی طور پر معلوم ہو جاوے کہ اس لفظ کے دوبارہ لانے میں ایک خاص حکمت ہے سو واضح ہو کہ صراط الذین انعمت علیهم بدل الکل ہے اور اهدنا الصراط المستقیم میں الصراط المستقیم اوسکا مبدل منہ ہے اور اس بدل کے لانے سے حکمت اور نقطہ یہہ ہے کہ غبی سے غبی اور غیر سے غیر مذہب والے کو بھی پتہ لگ جاوے کہ سیدھی راہ تو وہی ہے جو رسولوں اور نبیوں کی ہے تو یہہ رسول اور نبی تو ہم بھی مانتے ہیں یا تم میں بھی مانے جاتے ہیں آؤ تو پھر تلاش اور مقابلہ کریں کہ قرآن مجید کا صراط مستقیم کیا ہی ہے جسکا یہہ دعوے کرتا ہے اگر کوئی غبی سے غبی اور دہریہ سے دہریہ بھی ایسا کریگا تو یقینًا اسلام قبول کر لیگا کیونکہ اسلام وہی صراط مستقیم ہے جو ابتدا سے لیکر اس وقت تک فطرت اللہ اور خلق اللہ کو بحال رکھنے کے لئے برابر چلا آیا ہے اور غیر المغضوب علیهم میں کلمہ غیر اور ولا الضالین میں کلمہ لا یعنے غیر یعنے پہلی جگہ خود کلمہ غیر اور دوسری جگہ کا لا بمعنے غیر دونوں کے دونو بدل ہیں اور الذین انعمت علیهم ان کا مبدل منہ ہے اب معنے یوں ہوئے اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم غیر المغضوب علیهم وغیر الضالین یعنے اے الٰہی ہم کو وہ راہ جو تیری طرف سیدھی جاتی ہے دکھا اور دکھاتے رکھ اور اسی پر چلا۔ ان لوگوں کی راہ جن پر تیرے بڑے بڑے احسانات اور فضل ہوچکے ہیں اور جو بالکل الگ تھلگ ہیں اُن لوگوں سے بھی جن پر تیرا غضب ہے اور اون لوگوں سے بھی جو تیری بتائی ہوئی اور مقرر کی ہوئی سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ متن میں ہم نے اسکا ترجمہ صاف صاف الفاظ میں کردیا ہے تاکہ لوگ آسانی سے سمجھ لیں۔ غرض یہہ ہے کہ اللہ تعالے نے فرمادیا کہ فرقہ حقیقت میں ایک ہی ہے جو راہ راست پر چلتا ہے یعنے منعم علیهم اور مراد اوس فرقہ سے اللہ تعالے کے رسول اور نبی ہیں سو اُسکے ذکر کرنے سے بڑا بھاری فایدہ اور عمیق حکمت یہہ ہے کہ جملہ بندگان خدا کو ترغیب و تحریص اس امر کی ہو کہ وہ ان پاکوں کی رفاقت حاصل کریں اور جس طرح اللہ کے بتائے ہوئے صراط مستقیم پر وہ قائم اور پکے رہے اوسی طرح اُس صراط مستقیم پر پکے اور قائم رہنے کی کوشش کرتے رہیں اور پھر اسی فرقے کی ضد کا نام لے دیا اور فرمادیا کہ وہ لوگ جو مغضوب علیهم اور ضالون ہیں انکو اس فرقہ منعم علیهم کے ساتھ کوئی راہ و رسم ہی نہیں ہے اس ضد کے بیان کرنے میں بھی ایک بڑا بھاری

فائدہ اور ایک بڑی عمیق حکمت یہہ ہے کہ جملہ بندگان خدا کو ترہیب اور تخویف ہو کہ وہ ان ناپاکوں کی رفاقت سے پناہ بخدا مانگتے رہیں اور اُن تمام افعال و اقوال و عقائد سے اجتناب کرتے رہیں جنکے سبب سے یہہ ناپاک لوگ خدا کے غضب کے نیچے آگئے یا سیدھی راہ سے بھٹک کر اور طرفوں کو چلے گئے یعنے یہہ کہ صراط الذین انعمت علیہم میں ترغیب و تحریص ہے اور غیر المغضوب علیہم ولا الضالین میں ترہیب و تخویف ہے اور ان دو نو قسم کی تعلیم کا ہونا ازبس ضروری ہے اس آیت میں ان تین فرقوں کا ذکر ہے اول منعم علیہم دوم المغضوب علیہم سوم الضالین - اب ہم قرآن مجید سے بتاتے ہیں کہ ان تینوں فرقوں سے مراد کیا ہے۔ صراط الذین انعمت علیہم کے معنے ہم نے یہہ کئے ہیں کہ ہم کو اون لوگوں کی راہ پر ہمیشہ مرتے دم تک چلائے رکھ جنپر تو نے اپنی نعمت بخشی ہے سو اب دیکھنا چاہیئے کہ وہ لوگ کون سے ہیں جنکو اللہ تعالے نے اپنی نعمت عطا کی ہے اور وہ نعمت کونسی ہے جو اون کو عطا کی ہوئی ہے۔ سو واضح ہو کہ نعمت سے مراد روحانی نعمت ہے اور جملہ روحانی نعمتوں میں سے مستقل بالذات اور دائم قائم جامع صفات والی نعمت اللہ تعالی کی پاک کتاب قرآن کریم ہے جسمیں جملہ انبیاء و رسل کو بقدر ضرورت اپنی اپنی قوم کی تربیت کے لئے اپنے اپنے زمانہ میں دی جاتی رہی ہے اور پھر آخر کار وہی پاک کتاب کامل مکمل خاتم الانبیاء والرسل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے بس جو راہ یہہ کتاب کریم ہر نبی کو بتاتی چلی آئی ہے اور جسپر تمام انبیاء اور رسل چلتے چلے آئے ہیں وہی راہ صراط مستقیم ہے اس راہ کے سوا باقی جسقدر راہیں ہیں وہ سب کے سب سبیل تفرقہ کی راہیں ہیں۔ کما قال جل شانہ

وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ ذلکم وصٰکم بہ لعلکم تتقون ۝ پ ۸ ع ۶

اے نبی کل دنیا کو یہہ بھی سنادے کہ میرے رب نے یوں ارشاد فرمایا ہے کہ میرا سیدھا رستہ یہی ہے جو اوپر کی آیات میں بیان ہوا ہے سو تم اگر سیدھے رستے پر چلنا چاہتے ہو تو اسی بتائے ہوئے اور مقرر کئے ہوئے رستے پر چلے چلو اور باقی کی دوسری راہوں پر نہ چل پڑنا کہ یہہ تم کو خدا کے رستے سے بھٹکا کر تتر بتر کر دینگے یہہ احکام اسواسطے تم کو اللہ تعالے نے بیان فرمائے ہیں کہ تم دوسری دوسری راہوں سے بچ کر اسی سیدھی راہ پر چڑھ کر سیدھے چلے چلو۔

سو اللہ تعالی کی کتاب کریم کے بتائے ہوئے رستے سے ہٹ جانا خواہ عمداً خواہ غفلتاً دوسری راہوں پر چلنا ہے جو سراسر گمراہی ہے اور اللہ تعالے کی کتاب کریم ہی سب سے بڑی بھاری نعمت ہے اور جنپر یہہ کتاب نازل ہوتی رہی ہے وہی اصل میں سب سے بڑھ کر منعم علیہم ہیں کما قال اللہ تعالے۔

ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشھداء والصلحین وحسن اولئک رفیقا ۝ ذلک الفضل من اللہ وکفی باللہ علیما ۝ پ ۵ ع ۷

اور جو کوئی اللہ اور محمد رسول اللہ کے کہے پر چلے تو ایسے فرمانبردار لوگ جنت میں اون مقبول بندوں کی رفاقت میں ہوں گے جنپر اللہ تعالے نے اپنی نعمت بخشی ہے یعنے نبی اور صدیق اور شہدا اور نیکوکار بندے اور ان لوگوں کی رفاقت بھی واہ کیا ہی عمدہ رفاقت ہے یہہ اللہ تعالے کا فضل ہے اور اسبات کے جاننے کے لئے کہ اسکے فضل کا محل اور مستحق کون کون ہے کسی اسباب خارجی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ فقط اللہ تعالے ہی کا جاننا دوسرے اسباب وغیرہ کی ضرورت کو موقوف کر دیتا ہے

واذکر فی الکتب ادریس انہ کان صدیقا نبیا ۝ ورفعنہ مکانا علیا ۝ اولئک الذین انعم اللہ علیہم من النبیین من ذریۃ ادم وممن حملنا مع نوح ومن ذریۃ ابراھیم واسرائیل وممن ھدینا واجتبینا ۝ پ ۱۶ ع

اور اوس کامل صفات والی کتاب یعنے قرآن مجید میں ادریس کا ذکر بھی لوگوں کو سنادے کہ وہ بھی بڑا سچا بندہ اور نبی تھا اور ہمنے اوس کو بہت اونچا مرتبہ دیا تھا کیا یہہ ادریس نبی اور کیا وہ تمام انبیاء جو اوپر مذکور ہوچکے ہیں سب کے سب ایسے برگزیدے ہیں جنکو اللہ تعالے نے اولاد آدم میں سے اپنی نعمت بخشی تھی اور اون لوگوں کی اولاد میں سے ہیں جنکو ہمنے نوح کے ساتھ کشتی میں چڑھا لیا تھا اور ابراہیم اور یعقوب کی اولاد ہیں اور انکی اولاد میں سے ہیں جنکو ہمنے اپنی سیدھی راہ دکھائی اور اسپر مرتے دم تک اُن کو قائم رکھا اور اپنا برگزیدہ بنا لیا۔

رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وعلی والدی وان اعمل صالحا ترضہ وادخلنی برحمتک فی عبادک الصلحین ۝ پ ۱۹ ع ۱۷

سلیمان نے بطور شکریۂ نبوت خود بدرگاہ ایزدی عرض کی کہ اے میرے رب تو مجھے توفیق دے کہ جو جو مہربانیاں تو نے مجھپر اور میرے والدین پر کی ہیں میں اُن مہربانیوں کا شکریہ ادا کروں اور جب تک جان میں جان ہے ایسے نیک عمل کرتا رہوں کہ تو ان کو پسند فرماتا رہے اور اپنی رحمت سے آخر کار بعد وفات اپنے نیک بندوں میں لیجا داخل کر۔

ان ھو الا عبد انعمنا علیہ وجعلنہ مثلا لبنی اسرائیل ۝ پ ۲۵ ع ۱۲

عیسیٰ ہمارا بس ایک بندہ تھا کہ ہمنے اپنی نعمت عطا کی تھی یعنے اُس کو

نبی مقرر کیا تھا اور بنی اسرائیل کے لئے ان کو اپنی قدرت کاملہ کا ایک نمونہ بنا یا تھا۔"

خلاصہ ان آیات طیبات کا یہہ ہے کہ صراط مستقیم حقیقت میں ہے ہی وہی جس پر جملہ انبیاء و رسل چلتے تھے اور وہ صراط مستقیم ہر زمانہ میں ہر قوم میں ہر ملک میں ہر کتاب آسمانی میں ہر ایک نبی کا ایک ہی رہا ہے اور پس ان آیات سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ منعم علیہم اول تو وہ لوگ ہیں جو نبی اور رسول ہوئے ہیں پھر ثانیاً وہ لوگ جو ان رسولوں کے فرمودے کے مطابق اور اس صراط مستقیم پر چلیں خواہ اپنی اپنی استعداد قلبی کے مطابق صدیق ہو جاویں خواہ شہید خواہ صالحین اب یہہ بتاتے ہیں کہ المغضوب علیہم اور الضالین کون لوگ ہیں سو واضح ہو کہ جو لوگ منعم علیہم کے زمرہ میں داخل نہیں ہیں وہ سب کے سب یا تو مغضوب علیہم ہیں یا ضالین ۔ مغضوب علیہم کے معنے ہیں وہ لوگ جو عمداً دیدہ دانستہ جان بوجھ کر صراط مستقیم مقررہ کردہ خدا کا خلاف کرتے اور کراتے ہیں اور پھر جسکا نتیجہ یہہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالے جو منعم حقیقی ہے اُن کے اس فعل غیر مرضیہ پر اُن کو سزا دیتا ہے پس یہہ لوگ اس کے غضب کا محل بنجاتے ہیں اور ضالین کہتے ہیں ان لوگوں کو جو چاہتے تو ہیں کہ صراط مستقیم پر چلیں مگر تعصب اور بے علمی اور جہالت اور سفاہت اور حماقت کیوجہ سے پہلی قسم کے لوگوں یعنی مغضوب علیہم کی تقلید پر رہتے ہیں اور بزعم خود اپنی اُس راہ کو سیدھی راہ سمجھے بیٹھے ہیں حالانکہ وہ راہ راست پر نہیں ہوتے اور یہہ دونو گروہ فرقے ہر زمانہ میں ہر ملک میں ہر قوم میں ہر فرقہ میں ہوتے چلے آتے ہیں اور قیامت تک ہوتے چلے جاوینگے یہودیوں یا عیسائیوں کی کوئی خصوصیت نہیں ہے کوئی مسلمان بھی اگر ایسا ہی کریگا یا کرتا ہے تو وہ بھی اپنی اُس کرتوت کے مطابق یا مغضوب علیہم میں داخل ہوگا یا ضالین میں۔ کیونکہ قرآن کریم کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ابھی لکھا جاتا ہے کہ پڑھے ہوئے لوگ جو یا تو آسمانی کتاب کے مسائل سے واقف ہوتے ہیں اور باوجود علم وعقل نفسانی اغراض کی وجہ سے کتمان حق کرتے ہیں اور جو احبار کے نام سے یاد کئے گئے ہیں یا خود ان سمجھ اور اپنی تجویز اور اپنی عقل کے ڈھکوسلوں پر چل کر رسولوں اور نبیوں کے صراط مستقیم کی پرواہ نہیں کرتے مثلاً جملہ فلسفہ والے جو کسی مذہب کے قایل نہیں اور وہ خود بھی یہہ بش اور لا یعقل نہیں ہوتے مغضوب علیہم کی مد میں داخل ہوجاتے ہیں اور عامی جہلا جو خود تو واقف نہیں ہوتے مگر حسن ظنی اور عدم تدبر و تفکر و تعقل اور سفاہت اور جہالت کی وجہ سے احبار کے پیچھے لگ کر ان کا کہا مانتے ہیں وہ لوگ حقیقت میں یہہ نہیں جانتے کہ ہم باطل پر ہیں بر خلاف احبار وہ باطل کو حق سمجھ کر اور ان باطل احبار کو اپنا ہادی بنا اور مرشد جان کر ان کی تعلیم کو صراط مستقیم سمجھ بیٹھے ہیں حالانکہ وہ صراط مستقیم سے کہیں دور پڑے ہوئے ہوتے ہیں کیونکہ جس راہ یا جن راہوں پر یہہ لوگ ہوتے ہیں حقیقت میں یہہ انہیں راہوں میں سے ہیں جنکا ذکر اوپر کی آیت ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ (اور اللہ کی راہ کے سوائے اور راہوں پر نہ چل پڑنا کہ وہ تم کو اللہ کی راہ سے بھٹکا کر تتر بتر کردینگے) میں آچکا ہے اور ان دیگر راہوں سے مراد ہے اتباع طاغوت وجبت و احبار و رہبان کی۔

اب ہم دونو قسم کی آیات لکھتے ہیں جنمیں سے معلوم ہوتا ہے کہ مغضوب علیہم وہ پڑھے ہوئے لوگ ہیں جو جان بوجھ کر راہ حق سے انحراف کرتے اور کراتے ہیں اور ضالین وہ لوگ ہیں جو محض کم عقلی اور بے عقلی سے مغضوب علیہم کی تقلید کرتے ہیں اور یہی لوگ احبار اور رہبان اور طاغوت اور جبت اور شیاطین ہیں اور ان کی اتباع کا نام صراط مستقیم کو چھوڑنا اور اور راہوں پر چلنا ہے۔

قل یاھل الکتب ھل تنقمون منا الا ان امنا باللہ وما انزل الینا وما انزل من قبل وان اکثرکم فسقون ۝ قل ھل انبئکم بشر من ذلک مثوبۃ عند اللہ ط الآیہ پ ۶ ع ۱۴

"اے نبی اہل کتاب سے کہو کہ ہم میں تم لوگ کیا عیب پاتے ہو یہی نہ کہ ہم اللہ پر اور قرآن پر جو ہم پر اترا ہے اور اس سے پہلی آسمانی کتابوں پر ایمان لائے ہیں اور یہہ بھی سنا دو کہ تم میں سے بہت سے لوگ نافرمان ہیں اے نبی ان سے کہو کہ بھلا میں تم کو ایسا شخص نہ بتاؤں جو خدا کے نزدیک بدتر بدلہ کا مستوجب ہے ایسے شخص وہ ہیں جنکو خدا نے لعنت دی اور ان پر اپنا غضب نازل کیا اور بعض کی صورتیں مسخ کر کے ان کو بندر اور سور بنا دیا اور انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے اپنے طاغوت یعنے اپنے اپنے باطل معبودوں کی پرستش کی ایسے ہی لوگ درجہ میں بدتر ہیں اور راہ راست سے بہت دور بھٹکے ہوئے ہیں"۔

ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینت والھدی من بعد ما بینہ للناس فی الکتب اولئک یلعنھم اللہ ویلعنھم اللعنون ۝ پ ۲ ع ۳۔

"بیشک جو لوگ ہماری اتاری ہوئی کھلے دلایل اور سیدھی راہ کو جسے ہم نے اپنی کتاب میں کھول کھول کر سب لوگوں کے لئے خواہ جن ہوں خواہ انسان بیان کر دیا ہے چھپاتے ہیں انہیں کو اللہ کی پھٹکار رہتی ہے اور ان سب کی بھی پھٹکار جو پھٹکار کرنے کا مادہ رکھتے ہیں"۔

ان الذین یکتمون ما انزل اللہ من الکتب ویشترون بہ ثمنا

"بیشک جو لوگ ان باتوں کو جو اللہ تعالے نے اپنی کتاب میں نازل کیں چھپاتے

اولٰئک ما یاکلون فی بطونهم الا النار ولا یکلمهم الله یوم القیمة ولا یزکیهم ولهم عذاب الیم ۝ اولٰئک الذین اشتروا الضللة بالهدی والعذاب بالمغفرة فما اصبرهم علی النار ۝ ذٰلک بان الله نزل الکتٰب بالحق وان الذین اختلفوا فی الکتٰب لفی شقاق بعید پ۲ ع۶ ۔

"چھپاتے ہیں اور اس کے بدلہ میں دنیاوی فائدہ اٹھاتے ہیں جو کچھ بھی نہیں ہوتا پس یہی لوگ اپنے پیٹوں میں اور کچھ نہیں مگر انگارے بھرتے ہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے بات بھی نہ کریگا اور نہ ان کو گناہوں سے پاکیزہ کرے گا اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے یہی لوگ ہیں کہ انہوں نے راہ راست یعنی صراط مستقیم کے بدلے میں گمراہی مول لی اور مغفرت کے بدلے عذاب مول لیا پس یہ لوگ دوزخ کی آگ پر کیسے صابر بن بیٹھے ہیں ان کے دوزخ میں جانے کی وجہ بس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنی آسمانی کتابوں کو بالکل حق حق اور سچ سچ اور سب قسم کے اختلافوں سے مبرا اور پاک اتارا اور انہوں نے آپس میں اپنی اپنی نفسانی غرضوں کی وجہ سے خلاف اور اختلاف ڈال دیا اور جن لوگوں نے ان آسمانی کتابوں میں اختلاف کیا یا ادل بدل کیا یا کچھ چھپایا یا حق کے ساتھ کچھ باطل ملا دیا۔ یہ سب کے سب حق سے پرلے درجہ کی مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں۔

بئسما اشتروا به انفسهم ان یکفروا بما انزل الله بغیا ان ینزل الله من فضله علی من یشاء من عباده فباءو بغضب علی غضب وللکٰفرین عذاب مهین ۝ پ۱ ع۱۱

"کیا ہی برا معاوضہ ہے جس کے بدلے میں ان لوگوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا کہ انہوں نے خدا کی اتاری ہوئی کتاب کا انکار کر دیا محض اس عناد اور بغاوت سے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اپنے فضل و کرم سے کیوں وحی نازل کرے پس انہوں نے غضب درغضب کی طرف رجوع کیا یعنی خود بخود انہوں نے اللہ کے غضب درغضب کی طرف رخ کیا اور غضب کے نیچے داخل ہو گئے اور اس قسم کے منکروں کے لئے ذلت اور خواری کا عذاب ہے۔

ان آیات سے صاف اظہر من الشمس ہے کہ مغضوب علیہم سے مراد وہی لوگ ہیں جو عمداً دیدہ دانستہ حق سے چشم پوشی کرتے ہیں حق کو چھپاتے ہیں اور عناد اور مجادلہ اور مخاصمہ اور تعصب کی راہ سے ایسا کرتے ہیں خواہ کوئی مسلمان ہو یہودی ہو عیسائی ہو۔ ہندو ہو۔ پارسی ہو گبر ہو بدھ متی ہو غرضکہ کوئی ہو صراط مستقیم مقرر کردہ رب العلمین سے عمداً انحراف کرنے والا خدا کے غضب کا مستحق ہے۔ اب ہم وہ آیات لکھتے ہیں جن سے فرقہ ضالین کی مراد صریح اور صاف طور پر معلوم ہوتی ہے۔

آیات متعلق فرقۂ ضالین

ومنهم امیون لا یعلمون الکتٰب الا امانی وان هم الا یظنون ۝ پ۱ ع۹

"اور ان میں سے بعض ان پڑھ بے علم ہیں جنکو کامل صفات والی آسمانی کتاب کا کچھ علم نہیں ہے صرف منہ کی باتیں اور کہنہ کہانیاں ہی جانتے ہیں اور فقط خیالی گھوڑے چلایا کرتے ہیں۔"

فمن اظلم ممن افتری علی الله کذبا لیضل الناس بغیر علم ان الله لا یهدی القوم الظٰلمین ۝ پ۸ ع۲ ۔

"اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو لوگوں کو گمراہ کرنے اور صراط مستقیم سے بھٹکانے کے لئے خدا پر اپنی بے علمی سے جھوٹے بہتان باندھے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ایسے سرکشوں ظالموں کو راہ راست پر نہیں لاتا۔"

قد خسر الذین قتلوا اولادهم سفها بغیر علم وحرموا ما رزقهم الله افتراء علی الله قد ضلوا وما کانوا مهتدین ۝ پ۸ ع۳ ۔

"بیشک وہ لوگ بڑے ہی گھاٹے میں ہیں جنہوں نے خدا پر جھوٹے بہتان باندھ کر بے عقلی اور جہالت کی وجہ سے اپنے بچوں کو قتل کر دیا اور اللہ نے جو روزی ان کو دی تھی اسکو اپنے اوپر حرام کر لیا بلاشبہ یہ لوگ خدا کے بتائے ہوئے صراط مستقیم سے بھٹک گئے اور راہ راست پر چلنے والے نہ بنے۔"

ومن الناس من یجادل فی الله بغیر علم ولا هدی ولا کتٰب منیر ۝ ثانی عطفه لیضل عن سبیل الله پ۱۷ ع۸

"اور بعض ایسے بھی ہیں جنکو نہ تو وہ علم ہی ہے جو ذوی العقول کی فطرت اور خلقت میں پیدا کیا ہوا ہے اور وہ ہوتا ہے خاصہ قوت ملکی کا اور نہ ہدایت ہی ہے جو بذریعہ رسل و انبیاء کے عباد اللہ کو دی جاتی ہے اور جو اصل کتاب آسمانی کی حکمت ہوتی ہے اور نہ ان کے پاس کتاب منیر ہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب کی عبارت النص بھی ان کے پاس نہیں ہوتی جس سے حق اور باطل میں تمیز ہو کر حق الگ اور باطل الگ ہو جاوے۔ غرض کہ بعض ایسے لوگ بھی ہیں کہ ان کے پاس ان تینوں قسموں کے اسباب میں سے کچھ

بھی نہیں ہے اور اسپر بھی وہ بیٹھے ہوئے خدا کر بارہ میں جھگڑتے ہیں تاکہ بندگان خدا کو خدا کے بتائے ہوئے سیدھے رستے سے بھٹکا کر اور راہوں کی طرف لیجاویں ۔"

هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم ایته ویزکیهم ویعلمهم الکتب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین پ۲۸

"وہی ذات پاک ہے جسنے ان پڑھ بے علم عربوں میں ایک عظیم الشان رسول کو پیدا کیا جو ان بے علم ان پڑھوں کو اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور اُن کو ان کی بے علمی کی وجہ سے جو جو کفر اور شرک کی گندگی کی آلائیش لگی ہوئی تھی اُس سے پاک کرتا ہے اور ان کو اللہ تعالی کی کامل صفات والی کتاب اور اوس کتاب کی حکمت یعنی اُس کی سمجھ کی تعلیم کرتا ہے ورنہ یہہ لوگ اس نبی کی تعلیم سے مشرف ہونے سے پہلے تو بالکل صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے ۔"

واذکروه کما هدىکم وان کنتم من قبله لمن الضالین ۰ پ۲

"اور اللہ کو اس طرح پر یاد کرو جس طرح اُس نے تم کو بتایا ہے اور اوس نبی کی تعلیم سے پہلے تم لوگ بیشک گمراہوں سے تھے ۔"

ان آیات سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ ضالین صرف وہی لوگ ہوسکتے ہیں جو خود تو علم سے بے بہرہ ہوں اور راہ راست کے طالب ہوں مگر راہ راست سے بھٹکے ہوئے ہوں صرف دوسرے پڑھے ہوئے گمراہوں اور بدراہوں کی تقلید سے ۔ سو الحمد للہ کہ اب آیات قرآنیہ ہی سے معلوم ہوگیا کہ مغضوب علیہم اور ضالین میں بس یہی فرق ہے کہ مغضوب علیہم وہ پڑھے عالم فاضل مولوی پادری پنڈت احبار اور گدی نشین اور مشائخ اور پیر اور جوگی اور سادھو اور گرجوں کے اندر رہنے والے درویش اور درویشنیاں وغیرہ وغیرہ ہوتے ہیں جو باوجود علم و عقل محض از روئے طمع نفسانی اور عنادا اور تعصب اور حسد اور بغض اور یعنی اللہ تعالے کی بتائی ہوئی راہ سے آپ بھٹکتے ہیں اور اوروں کو بھٹکاتے ہیں اور ضالین وہ لوگ ہیں جو ایسے مغضوبین کی تقلید سے محض اپنی بیوقوفی اور غفلت اور سفاہت اور حماقت اور بے علمی سے ان کے پیچھے لگ پڑتے ہیں ۔ اعاذنا اللہ منهما اللهم ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هدیتنا ۔

کما قال اللہ تعالی شانہ وعم نوالہ ۔

یا یها الذین امنوا ان کثیرا من الاحبار والرهبان لیاکلون اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ ط پ۱۰ ع۱۰

"اے مسلمانو! بہتیرے پڑھے ہوئے لوگ (مولوی ۔ پادری ۔ حبر ۔ پنڈت وغیرہ وغیرہ) اور بہتیرے رہبان (مشائخ ۔ گدی نشین ۔ سجادہ نشین ۔ فقرا اور زاہد اور جوگی اور سادہو گرجوں کے درویش اور صاحب تجرد مرد اور عورتیں مثلاً نن لوگ اور سسٹر صاحبات وغیرہ وغیرہ) لوگوں کے مال طرح طرح اور گوناگون قسم کے باطل سے کھا رہے ہیں اور اپنے اپنے ایسے معتقدوں اور تابعداروں اور مریدوں اور مخلصوں کو خدا کی راہ سے روکتے رہتے ہیں ۔

لا اکراه فی الدین قد تبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروة الوثقی لا انفصام لها ط واللہ سمیع علیم ، اللہ ولی الذین امنوا یخرجهم من الظلمت الی النور ط والذین کفروا اولیئهم الطاغوت یخرجونهم من النور الی الظلمت اولئک اصحب النار هم فیها خلدون ۰ پ۳ ع۲

"دین کے کسی کام میں زبردستی درست نہیں ہے اور نہ وہ مفید ہی ہے ۔ کیونکہ گمراہی سے ہدایت الگ ظاہر ہوچکی ہے تو جو کوئی طاغوت کا منکر ہو خواہ طاغوت کیسا ہی ہو اور اللہ تعالی ہی پر ایمان لائے تو بس اُس نے مضبوط رسی پکڑ رکھی ہے جو ٹوٹنے والی نہیں اور اللہ سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے اللہ ایمان والوں کا حامی ہے کہ اون کو ہر قسم کی بے ہودگی اور کفر کی تاریکی سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لاتا ہے اور جو لوگ دین حق سے منکر ہوئے ان کے حامی طاغوت ہیں کہ ان کو ایمان کی روشنی سے نکالکر ہر قسم کے شبہ اور کفر کی تاریکیوں میں دھکیلتے ہیں یہی لوگ دوزخی ہیں کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیں گے ۔

ان آیات میں مراد طاغوت سے احبار اور رہبان ہیں کیونکہ یہی دو فرقے لوگوں کے ہادی ۔ مرشد ۔ پیشوا اور ائمہ دین ہوتے ہیں کیونکہ دین کے معاملہ میں جو دقت یا ضرورت اُن کو پیش آتی ہے ان کا حل وہ خواہ مخواہ اپنے ہادیوں ۔ مرشدوں ۔ اور عالموں اور مولویوں اور پنڈتوں اور پادریوں وغیرہم سے ہی حل کراتے ہیں ۔ کما قال اللہ تعالے شانہ وعم نوالہ ۔

الم تر الی الذین یزعمون انهم امنوا بما انزل الیک وما انزل من قبلک یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا به ط ویرید الشیطن ان یضلهم ضللا بعیدا ۰ پ۵ ع

اے رسول کیا تو نے ان جھوٹے مسلمانوں کے حال پر نظر نہیں کی جو مونہہ سے تو یہہ کہتے ہیں کہ وہ اس قرآن پر بھی جو تجھپر نازل کیا گیا ہے اور اُن صحیفوں پر بھی جو تجھ سے پہلے اور اور نبیوں پر اُتارے گئے تھے ایمان رکھتے

ہیں اُن کا دلی ارادہ یہہ ہے کہ وہ اپنے فیصلے اپنی طاغوت سے کرائیں حالانکہ ان کو حکم دیا جاچکا ہے کہ وہ اپنے طاغوت سے منکر ہوجاویں اور اس کی ایک نہ سنیں اور شیطان چاہتا ہے کہ انکو صراط مستقیم سے بھٹکا کر پرے دور لیجائے"

الم تر الی الذین اوتو نصیبا من الکتب یومنون بالجبت والطاغوت پ ۵ ع

"اے نبی کیا تو نے اُن لوگوں کے حال پر غور نہیں کی جن کو اس کامل صفات والی کتاب یعنے قرآن مجید میں سے کچھ حصہ دیا گیا (مثلاً تورات) اور اُس کتاب کو چھوڑ چھاڑ کر اپنے جبت اور طاغوت کی باتوں کو مانتے ہیں"

قل یا ھل الکتب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ ط پ ۳ ع ۱۵۔

"اے پیغمبر اہل کتاب کو کہدے کہ آؤ ایسی بات کی طرف رجوع کرو جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں مسلم ہے کہ اللہ کے سوائے کسی کی کسی طرح کی عبادت نہ کریں اور اللہ کا شریک کسی کو بھی کسی امر میں بھی نہ بناویں اور اللہ کے سوائے ہم میں سے کوئی بھی کسی کو رب نہ ٹھیرائے"

ان آیات کا خلاصہ یہہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جو ایک سیدھی راہ اپنی کتابوں کے ذریعہ بیان اور مقرر فرمادی ہے اور اسپر اسقدر انبیاء اور رسل کو چلا کر منزل مقصود پر پہونچا دیا ہے کہ کسی قوم اور فرقے کو انکار کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہی ہے اور قرآن کریم کا دعوٰے ہے کہ جس صراط مستقیم پر چلنے کے لئے تمام انبیاء اور رسل دعوت کرتے کرتے دنیا سے اٹھ گئے وہی صراط مستقیم بوجہ اتم و اکمل و انسب و اجل و اجل میں تم کو بتاتا ہوں اور اس صراط مستقیم کو چھوڑ کر جسقدر راہیں ہیں خواہ وہ بڑے بڑے احبار مزکی اور رہبان اور پادری اور پنڈتوں اور مشایخ اور زاہدوں اور ملہموں کے کیوں نہ ہوں سب کی سب یقیناً یقیناً طاغوت جبت اور شیطان مردود کی راہیں ہیں پس خواہ کوئی ہو خواہ اپنے مذہب و ملت کا پیشوا ہو خواہ عالم یعنے خواہ باطنی پیر ہو خواہ ظاہری عالم ہو اُس کو دعوت کی جاتی ہے کہ تم اُس قرآن کریم کے بتائے ہوئے اور مقرر کئے ہوئے صراط مستقیم پر آجاؤ کیونکہ جو نبی تمہاری قوم میں گزرچکا ہے خواہ اسکو کسقدر زمانہ دراز کیوں نہ گزرچکا ہو اُس کا بھی یہی صراط مستقیم تھا جو قرآن کریم کا ہے یعنے وہی تعلیم جو فطرت اللہ اور خلق اللہ یعنے الناس کی قوتوں بہیمی سبعی ملکی کو اعتدال پر قایم رکھہ سکتی ہو اگر تمہاری موجودہ تعلیم میں سے کوئی بھی کسی قوت کو حد اعتدال پر نہیں رکھہ سکتی تو یقیناً سمجھہ لو کہ یہہ تعلیم تمہارے مسلم نبی کی نہیں ہے بلکہ تمہاری اپنی اختراعی ہے اور تحریف ہے۔

اسوقت تک اگرچہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر ہوچکی ہے مگر بطور خلاصہ ماتقدم کچھہ بیان کیا جاتا ہے تاکہ ناظرین کو معلوم ہوجاوے کہ یہہ سورۂ فاتحہ سارے قرآن شریف کا خلاصہ ہے اور اسی واسطے اُس کو القرآن العظیم اور ام الکتاب اور ام القرآن کہا گیا ہے سو واضح ہو کہ اس سورت میں بطور خلاصہ جملہ مسایل کیا اصول و کیا فروع کیا اعتقادات کیا اعمال اور کیا عبادات اور کیا معاملات غرضکہ تمام مسایل معاد و معاش اس کے اندر موجود ہیں مثلاً اصول میں سے یہہ باتیں ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی معرفت اس طور پر حاصل ہو کہ اوسی ذات واجب الوجود کے سہارے تمام موجودات قایم ہیں جیسے سرخ جسم قایم رنگ ہے اور یہہ بات بسم اللہ الرحمن الرحیم کے لفظ اللہ سے حاصل ہوتی ہے اور جسکی تشریح جابجا قرآن شریف میں موجود ہے اسی طرح لفظ الرحمن اور الرحیم سے ثابت ہے کہ اللہ تعالےٰ کے وجود کی معرفت اس نہج پر حاصل ہو کہ اُس نے محض تقاضائے رحمت خود موجودات کو نیست سے ہست کیا اور الحمد للہ رب العلمین ۔ الرحمن الرحیم ۔ ملک یوم الدین سے ثابت ہے کہ اللہ تعالےٰ کی صفات کمال کی معرفت اس طرح پر حاصل ہو کہ یہہ جملہ صفات الٰہی اصل میں وہ کمالات اُس ذات واجب الوجود کے ہیں کہ جن کے سبب سے صرف وہی ذات واجب الوجود سزاوار حمد و ثنا ہے اور صرف وہی مستحق عبادت ہے اور رب العلمین سے ثابت ہے کہ تربیت کا تقاضا ہے حیات و علم و ارادہ و قدرت و جزا و سمع و بصر و کلام کا یعنے یہہ کہ جو رب ہوگا وہ خواہ مخواہ یقیناً یقیناً الحی القیوم اور علیم اور مرید اور قدیر اور مالک اور مکلفین کے اقوال و افعال کے لئے سمیع و بصیر اور مکلفین کو تکلیف یعنے شریعت امور نہانی کے لئے کلیم ضرور ہوگا غرضکہ رب العلمین کے اندر وہ تمام بات قرآنیہ شامل ہیں جنمیں اللہ تعالےٰ کی صفات مذکورہ بالا کا بیان ہے اور یہی اسماء الٰہی یعنے صفات الٰہی حقیقت میں خالق اور مخلوق کے درمیان ایسے واسطے اور ذریعے ہیں کہ انہیں صفات کے سبب سے اللہ تعالےٰ تربیت بھی کرتا ہے اور رحمت بھی کرتا ہے اور ایک کو دوسرے پر فضیلت بخشتا ہے وغیرہ وغیرہ اور نیز ان سے اس امر کی معرفت حاصل ہوتی ہے کہ تربیت کرنیوالا فقط اللہ ہی واحد لاشریک لہ ہے اور جو کچھہ اُس ذات پاک کے سوائے ہے وہ سب کے سب اُسی رب العالمین کے مربوب ہیں نیز اسی سے اس امر کی شناخت حاصل ہوتی ہے کہ فقط وہی مستحق عبادت ہے اور بس کیونکہ فقط وہی منعم ہے اور فقط وہی اپنی خاص خاص بانیو

سے ایک دوسرے کو ایک دوسرے پر فضیلت بخشتا ہے اور فقط وہی ہر ایک کا مرجع ہے نیز اس سے اس امر کی شناخت حاصل ہوتی ہے کہ عبد یعنی بندے کو ہر دم اللہ تعالےٰ ہی کی طرف احتیاج اور افتقار اور حاجت بری ہے ابتداً بھی کیونکہ یہہ مربوب ہے اور اللہ تعالےٰ ہی فقط رب ہے اور وسطاً بھی کیونکہ اللہ تعالی ہی فقط الرحمن الرحیم ہے اور انتہاءً بھی کیونکہ اللہ تعالےٰ ہی فقط مالک یوم الدین ہے۔ غرضیکہ یہہ آیات خلاصہ ہیں اُن تمام آیات قرآنیہ کا جنمیں اُن امور مذکورۃ الصدر کا مفصل بیان ہے۔ اور صراط الذین انعمت علیہم رسولوں اور نبیوں کی رسالت اور نبوت کی معرفت اور رسولوں اور نبیوں کے مخلص تابعداروں کی صلاحیت اور سعادت کی شناخت حاصل ہوتی ہے اور غیر المغضوب علیہم ولا الضالین سے کفر اور فسق اور بدعت اور نیز شقاوت اور شقاوت معلوم ہوتی ہے یہہ آیت ان تمام آیات قرآنیہ کا خلاصہ ہے جنمیں رسالت اور نبوت اور ان کے تعلقات و لوازمات و خواص کا مفصل مذکور ہے اور الرحمن الرحیم مالک یوم الدین سے اللہ تعالےٰ کا فضل اور عدل معلوم ہوتا ہے اور ایاک نعبد سے لیکر انعمت علیہم تک چونکہ پہلے عبادت اور استعانت ہے پھر اُن پر ہدایت اور استقامت اور پھر ان کے پیچھے انعام کا ذکر ہے اور یہہ ترتیب حقیقت میں کمال درجہ کی حکمت پر مبنی ہے اسواسطے ان آیات سے اللہ تعالےٰ کا حکیم علی الاطلاق اور اور اس کے کلام با ترتیب و نظام کا ہونا ثابت ہوتا ہے اور نیز ایاک نعبد و ایاک نستعین سے قطعی دور یہ اللہ تعالی کی قضا و قدر کی معرفت حاصل ہوتی ہے کیونکہ عقلمند لوگ استعانت اور مدد بالیقین اسی سے مانگا کرتے ہیں جو مدد دے سکنے کی قابلیت اور جو کچھ چاہے اس کے کر سکنے اور عمل میں لا سکنے کی طاقت رکھتا ہو۔ اور جسمیں ایسی لیاقت ہی نہ ہو اوس سے مدد کا مانگنا کیا۔ ان آیات میں قرآن شریف کے اُس حصے کا خلاصہ ہے جسمیں جملہ اقسام عبادات و استعانت و ہدایت و استقامت و رسالت و نبوی و اسلام کا مفصل بیان ہے۔ اور بسم اللہ سے مبدا اور مالک یوم الدین سے معاد ثابت ہوتا ہے۔ جس طرح اوپر کے اصول اس ساری سورت میں بطور خلاصہ موجود ہیں ان کی تفصیل و تشریح جابجا قرآن شریف میں مذکور ہے اسی طرح فروع کا حال ہے مثلاً ایاک نعبد سے جملہ عبادات اور ایاک نستعین سے جملہ مسائل معاملات و مناکحات و حکومات ثابت ہیں جتنے وہ تمام آیات جنمیں قرآن مجید میں ان جملہ مسائل کا بالتفصیل ذکر ہے اس آیت کے اندر شامل ہیں کیونکہ عقل صحیح اور فطرت سلیم کے معارض ان جملہ مسائل میں ہولئے تقاضا ہی ہے اور اھدنا الصراط المستقیم سے واجب و مندوب و مباح و صحیح کا علم حاصل ہوتا ہے اور حرام و مکروہ و فاسد کا علم اجمالی غیر المغضوب علیہم و لا الضالین سے حاصل ہوتا ہے اور ان مسائل کے ماخذ کا علم یعنے علم امر ایاک نعبد سے اور علم نہی غیر المغضوب علیہم و لا الضالین اور امر کی تعمیل اور بجا آوری اور نواہی سے ارتکاب کی سزا اور جزا اور وعد اور وعید کا علم صراط الذین انعمت علیہم اور غیر المغضوب علیہم ولا الضالین سے۔

غرض کہ اس سورت میں بطور خلاصہ تمام قرآن مجید بھرا پڑا ہے اسواسطے اسکا نام اللہ تعالےٰ نے القرآن العظیم بیان فرمایا ہے اور مفسر حقانی حکیم ربانی صلوات اللہ علیہ والتسلیمات نے بھی مطابق ارشاد ربی اسکا نام ام القرآن بیان فرمایا ہے جیسا کہ پہلے اسماء سورت فاتحہ کے ضمن میں مفصل بیان ہوچکا ہے۔ الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا انک انت الوھاب۔ آمین یا رب العالمین۔

اس سورت کے متعلق ایک اور مسئلہ بیان کرنا باقی رہ گیا ہے جو بہت ضروری ہے یعنی مسئلہ آمین۔ کیونکہ یہہ لفظ قرآن شریف میں موجود نہیں ہے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس سورت کے بعد اسکو پڑھا کرتے اور آوروں کو پڑھنے کے لئے حکم دیا کرتے تھے جیسا کہ بخاری میں بروایت ابوہریرہ رضی

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالےٰ عنہ ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال اذا امن الامام فامنوا فانہ من وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ وعنہ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال اذا قال احدکم آمین وقالت الملائکۃ فی السماء آمین فوافقت احدیھما الاخری غفر لہ ما تقدم من ذنبہ وعنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا قال الامام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا آمین فانہ من وافق قولہ قول الملائکۃ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ۔ بخاری کتاب القرأۃ باب جہر الماموم بالتامین و باب فضل التامین و باب جہر الامام بالتامین۔

رضی اللہ تعالی عنہ آیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام آمین کہہ چکے تو تم بھی آمین۔ کیونکہ جس شخص کی آمین ملائکہ کی آمین کے ساتھ موافق ہوجاتی ہے اس کے سارے گناہ جو اس سے سرزد ہوچکے ہیں معاف کئے جاتے ہیں۔ نیز اسی صحابی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جب کوئی شخص آمین کہتا ہے اور آسمان میں فرشتے بھی آمین کہتے ہیں پھر اگر تمہاری اور ان کی آمین آپس میں موافق ہوجاویں تو تم میں سے جسنے یہہ آمین کہی تھی اُس کے سارے پچھلے گناہ معاف کئے جاتے ہیں۔ نیز اسی صحابی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام غیر المغضوب

علیہم ولا الضالین یعنی پوری دعا پڑھ چکے تو اس کے بعد تم آمین کہا کرو کیونکہ جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے ساتھ موافق ہوجاتی ہے اسکے سارے پچھلے گناہ بخشے جاتے ہیں"

ان حدیثوں سے صریح طور پر ثابت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آپ بھی آمین پڑھا کرتے تھے اور اوروں کو بھی اپنی امت کے پیچھے آمین کہنے کا حکم دیا کرتے تھے اور کہتے کہلاتے بھی آواز بلند تھے اور اس کے بلند پڑھنے کی وجہ یہہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ تمہاری آمین کو سنکر فرشتے بھی آمین کہیں گے پس وہی اللہ تعالے قبول فرمائیگا کیونکہ اس دعا کی قبولیت کے لئے انسانوں کے ساتھ فرشتے بھی شامل ہوجاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص مونہہ میں آمین کہدے تو اس کے ساتھ فرشتے شامل ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ انہوں نے کچھہ سنا نہیں اور عالم الغیب ہیں ہی نہیں۔ ان حدیثوں سے ہرگز ہرگز معلوم نہیں ہوسکتا کہ جہری قرأت میں آمین خفیہ طور پر کہی جاوے بلکہ متیقن مبین طور پر واضح ہوتا ہے کہ جب امام آمین کہہ چکے تو تم آمین کہا کرو اور مقتدی عالم الغیب نہیں ہوتے کہ اون کو پتا لگے کہ اب امام مونہہ میں آمین کہہ چکا ہے ہم بھی اب اپنے اپنے مونہوں میں آمین کہہ لیں ایسا حکم کرنا تکلیف مالا یطاق ہے جو قرآن مجید کی صریح مخالف ہے پس اگر مقتدی امام کی آمین سن پاوے تو آمین کہدے اور اگر نہیں سنا تو اُس کو کوئی حکم نہیں ہے کہ وہ کہے اور اگر مقتدی نہ کہیں یا کہیں تو مونہہ میں کہیں تو پھر ان کے ساتھ فرشتے موافقت اور شمولیت نہ کریں گے غرضکہ امام اونچی کہے تو اسکو سنکر فرشتے بھی آمین کہتے ہیں اور مقتدی بھی اونچی کہیں کیونکہ فرشتوں نے ان کے ساتھ بھی شامل ہونا ہے اگر اونچی نہ کہیں گے تو فرشتے کبھی شامل نہیں ہوسکتے اور حدیث میں بڑی بھاری ترغیب ہے کہ فرشتوں کی شمولیت حاصل کرنی چاہئے کیونکہ ان کی شمولیت سے دعا قبول ہوجاتی ہے اور گناہ بخشے جاتے ہیں۔ پس غفرلہ ما تقدم من ذنبہ کی بشارت کا مستحق ہونا بہت ہی اہم اور اشد ضروری ہے پس امام و مقتدی دونوں کے لئے جہری نمازوں میں آمین بآواز بلند کہنا سنت نبویہ ہے۔ اسی طرح سری قرأت میں سری طور پر۔ تو اصل غرض یہہ ہے کہ جب آمین قرآن کریم کا لفظ نہیں ہے تو پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم اسکو کیوں پڑھا کرتے تھے اور اوروں کو کیوں پڑھایا کرتے تھے یہہ ایک ایسا سوال ہے کہ اس کے حل سے تمام مشکلات متعلق احادیث حل ہوجاتی ہیں سو مختصر جواب یہہ ہے کہ جملہ احادیث صحیحہ نبویہ محض ترجمہ یا تفسیر یا تفصیل ہوتی ہیں قرآن مجید کے الفاظ مبارکہ جامعہ کی اور وہ جملہ احادیث حقیقت میں قرآن مجید کے اندر موجود اور اس کے لفظوں کے اندر بھری ہوتی ہیں یعنی وہ بھی قرآن مجید ہی ہوتی ہیں اگرچہ الفاظ وہ نہیں ہوتے جو قرآن مجید کے ہوتے ہیں اور یہہ جملہ احادیث نبویہ محض تعلیم ربی سے نبی صلعم کو قرآن مجید سے اسی طرح تعلیم فرمائی گئی تہیں جس طرح خود ان احادیث کا ماخذ یعنے قرآن شریف کی عبارتیں تعلیم فرمائی گئی تہیں پس جو صحیح حدیث مروی عن النبی صلعم ہوگی اُس کا ماخذ ضرور ضرور قرآن مجید کی کوئی آیت ہے نہ کہ کوئی اور ماخذ اور ان احادیث صحیحہ نبویہ کا نام قرآن شریف میں حکمت کے نام سے جابجا مذکور ہے۔ پس آمین بھی قرآن مجید میں سے ہی ہے اگرچہ یہہ لفظ بعینہ قرآن شریف میں موجود نہیں ہے یعنی یہہ کہ قرآن شریف کے بعض الفاظ کا یہہ ترجمہ ہے جو تعلیم ربی سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سیکھا اور استعمال کیا اور اپنی امت میں اسکو مسنون ٹھیرایا۔ کیونکہ آپ اللہ تعالے کی طرف سے محض رسول ہوکر دنیا میں آئے تھے وکیل بنکر نہیں آئے تھے کما قال اللہ تعالی وما محمد الا رسول پ۴ ع۶ یعنی محمد بس اللہ تعالے کی طرف سے بھیجے ہوئے ایک رسول ہیں اُن کا کام فقط لوگوں کو پوری پوری طرح خدا تعالے کے پیغامات کا پہونچا دینا ہے اُن کا یہہ کام نہیں کہ وہ اپنی طرف سے اپنی خواہش سے اپنے فکر و تجویز اور رائے و اجتہاد سے کسی بات کے کہنے کے بھی مجاز ہوں۔ کما قال اللہ تعالی وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی پ۲۷ ع۶ یعنی یہہ ہمارا رسول اپنی طرف سے ہمارے دین کے بارے میں فقط وہی کچھہ کہتا ہے جس کے کہنے کے لئے بذریعہ وحی اسکو حکم ہوتا ہے۔ کما قال جل شانہ

یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ پ۶ ع۱۴	"اے رسول تیرے رب کی طرف سے تیری طرف جو کچھہ نازل کیا گیا ہے وہ بعینہ بلاکم و کاست لوگوں کو پہونچا دو اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو یوں سمجھا جاوے گا کہ تو نے لوگوں کو کوئی بھی پیغام نہیں پہونچایا۔
ولو تقول علینا بعض الاقاویل ۝ لاخذنا منہ بالیمین ۝ ثم لقطعنا منہ الوتین ۝ پ۲۹ ع۶	اسی طرح اللہ تعالے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے محض رسول ہونے کے لئے فرماتا ہے" اور اگر یہہ رسول اپنے پاس سے اپنی طرف سے کوئی بات بناکر ہمارے ذمے لگا دیتا تو ہم اسکا داہنا ہاتھ پکڑ کر اسکی رگ جان کاٹ دیتے"

خلاصہ ان آیات شریفہ کا یہہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو حدیث بیان فرمائی ہے وہ محض اللہ تعالے کی تعلیم سے جو ان کو بذریعہ وحی حاصل ہوتی تھی بیان فرمائی ہے اپنی طرف سے کوئی بات بھی اس دین کے اندر انہوں نے شامل نہیں کی اور نہ کر سکتے تھے اور نہ ایسا کرنے کے مجاز تھے

اور نہ ہی ان کو ایسا کرنے کی مجال تھی وہ اللہ تعالےٰ کے بھیجے اور چنے رسول تھے کوئی حدیث مروی عنہ موجود نہیں ہے جس کی تعلیم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اُسی طرح نہیں ہوئی جس طرح خود الفاظ قرآن مجید کی تعلیم ہوئی تھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا ان احادیث صحیحہ کا ماخذ صرف قرآن کریم ہی ہے یا قرآن کریم کے علاوہ کوئی اور ماخذ ہے سو ہر ایک شخص مومن ومسلمان پر واجب ہے کہ وہ اسبات پر پکا یقین اور اعتقاد رکھے کہ سوائے قرآن شریف کے کوئی اور ماخذ احادیث نبویہ کا نہیں ہے صرف قرآن شریف ہی ہر ایک دینی معاملہ کا ماخذ ہے اور بس اور جملہ احادیث صحیحہ نبویہ قرآن شریف ہی کا ترجمہ اور تفسیر اور تفصیل ہوتی ہیں اور قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ ان احادیث نبویہ کو حکمت کے نام سے یاد فرماتا ہے۔ کما قال جل شانہ وعم نوالہٗ

واذکروا نعمت اللّٰہ علیکم وما انزل علیکم من الکتٰب والحکمۃ یعظکم بہٖ۔ پ۲ ع۱۳

"اللہ تعالےٰ نے جو جو احسان اور انعام واکرام تم پر کئے ہیں سب کو یاد کرو اور اس بڑی بھاری نعمت کو بھی یاد کرو کہ اوس نے تم پر کامل صفات والی کتاب قرآن شریف اور الحکمت یعنے اُسکے صحیح صحیح اور پوری پوری سمجھ یعنے حدیث شریف نازل فرمائی ہے تاکہ ان دونوں کے ذریعہ سے تمکو نصیحت کرے۔"

واذ اخذ اللّٰہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم من کتٰب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہٖ ولتنصرنہٗ پ۳ ع۱۷۔

"اے نبی لوگوں کو وہ وقت بھی یاد دلاؤ جبکہ اللہ تعالےٰ نے تمام رسولوں سے عہد لیا کہ ہم تم کو اپنی عظیم الشان اور عالی قدر کتاب میں سے کچھ کچھ دیتے رہا کرینگے اور جو کچھ دیتے رہا کرینگے اُس کی پوری پوری سمجھ ساتھ ساتھ دیتے رہینگے پھر تم سب کے بعد ختم الرسل محمد رسول اللہ صلعم آوینگے اور جو کچھ پہلے تم کو دیا جاچکا ہے اُس سب کی تصدیق کرینگے تو دیکھو تم میں سے یعنی تمہاری امتوں میں سے اُنپر ضرور ضرور ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کا ساتھ دینا اور ہر طرح سے مال جان سے اس کی مدد کرنا۔"

فقد اٰتینا اٰل ابراھیم الکتٰب والحکمۃ واٰتینٰھم ملکا عظیما۔ پ۵ ع۶

"کتاب آسمانی اور اس کی سمجھ عطا کرنے کا دستور کوئی نیا نہیں ہے ہم نے خاندان ابراہیم کو آسمانی کتاب بھی دی اور اُس کتاب کی سمجھ بھی اور ہم نے ان کو بڑی بھاری بادشاہی بھی دی۔"

وانزل اللّٰہ علیک الکتٰب والحکمۃ وعلمک ما لم تکن تعلم وکان فضل اللّٰہ علیک عظیما۔ پ۵ ع۱۴۔

"اور اللہ تعالےٰ نے تجھپر کامل صفات والی کتاب یعنے قرآن شریف اور اسکے ساتھ اُس کی حکمت یعنے حدیث نازل کی ہے اور تجھ کو ایسی ایسی باتوں کی تعلیم فرمائی ہے کہ جنکا ادراک بلا تعلیم عملی تجھ کو نہیں ہو سکتا یعنے جب تک کہ جبریل ان باتوں کی صورت بناکر نہ دکھادیتا تب تک تجھ کو ان باتوں کا کبھی پتہ نہ لگ سکتا اور تجھپر اللہ تعالےٰ کا بڑا ہی بھاری فضل ہے۔"

کما ارسلنا فیکم رسولا منکم۔ پ۲ ع۲

"اور یہ ایسے ہی احسان جنکا اوپر ذکر ہو چکا ہے اُسی قسم کے ہیں جیسا ہم نے تمہارے درمیان تم میں ہی کا عظیم الشان رسول محمد بھیجا جو تم کو ہماری آیات پڑھکر سناتا ہے اور تم کو ہر طرح سے کفر وشرک کی آلائش سے پاک کرتا ہے اور تم کو کامل صفات والی کتاب یعنے حدیث شریف تعلیم فرماتا ہے اور جنکو وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم بلا عملی صورت دیکھے کبھی بھی نہیں سمجھ سکتے تھے۔"

ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم اٰیٰتہٖ ویزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین۔ پ۲۸ ع۱۲

"وہی ذات پاک ہے جس نے ان پڑھ جاہل عربوں کے درمیان انہیں میں سے ایک عظیم الشان رسول کو بھیجا جو ان کو اللہ تعالےٰ کی آیات پڑھ پڑھکر سناتا ہے اور ہر طرح کی ظاہری اور باطنی میل کچیل سے ان کو پاک کرتا ہے اور کامل صفات والی کتاب یعنے قرآن مجید اور اس کی حکمت یعنے حدیث شریف کی اُنکو تعلیم کرتا ہے اور نبی کی تعلیم سے پہلے پہلے بیشک یہ لوگ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔"

خلاصہ ان آیات کریمہ طیبہ کا یہ ہے کہ قرآن کریم کے تین حصے ہیں ایک حصہ تو انزل اللّٰہ علیک الکتٰب یعنے محض الفاظ وعبارات قرآنیہ دوسرا حصہ الحکمۃ ہے یعنے الفاظ وعبارات قرآن شریف کی سمجھ اور اسکا پورا پورا اور حق حق مفہوم اور معنے اور تیسرا حصہ علمک ما لم تکن تعلم میں داخل ہے یعنی وہ حصہ جو محض عمل کے متعلق ہے اور اس کی تعلیم بلا عملی تعلیم کے کما حقہ سمجھ میں نہیں آسکتی مثلاً نماز کی ہیئات سفر وحضر کے ادا کرنے کی کیفیت وضو کی کیفیت وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ تینوں حصے اس آیت میں موجود ہیں وانزل اللّٰہ علیک الکتٰب والحکمۃ وعلمک ما لم تکن تعلم۔ اسکا ترجمہ اوپر ہو چکا ہے

سو نبی کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبریل لائے قرآن شریف کی عبارت بھی بعینہ وہی پڑھائی اور انہیں اعرابوں کے ساتھ پڑھائی جو لوح محفوظ میں مکتوب و مسطور ہے اور پھر ان عبارتوں کے معانی اور مطالب اور مقاصد بھی وہی سمجھائے اور پڑھائے اور لکھائے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب کے الفاظ میں رکھے ہوئے ہیں اور پھر عملی تعلیم بھی اُسی طرح کی جس طرح پر کرنے کے لئے وہ اللہ تعالیٰ سے مامور تھے چنانچہ نبی صلعم کو وضو کرنا سکھایا نماز پڑھنا سکھایا نماز پڑھانا سکھایا وغیرہ وغیرہ پس ان آیات سے یقینی طور پر ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جملہ احادیث قرآن شریف کی اوپر کے تین حصوں میں سے کسی نہ کسی حصے میں داخل اور شامل ہیں اور نقلاً بھی قرآن شریف ایک ماخذ ہے جملہ احادیث نبویہ صلعم کا نہ کہ کوئی اور ماخذ بھی اور کیوں نہ ہو خود قرآن کریم دین کے ہر ایک معاملے کو واضح اور مبین اور مفصل طور پر بیان کرنے کا ذمہ لیتا ہے۔ کما قال اللہ تعالےٰ عم نوالہٖ وجل شانہٗ۔

الیوم یئس الذین کفروا من دینکم فلا تخشوھم واخشون۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ پ ۶ ع ۵ ۔	آج منکر لوگ تمہارے دین کی طرف سے ناامید ہوئے ہیں تو بس ان سے نہ ڈرو اور ہم سے ہی ڈرو۔ آج ہم نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت کا تمہیں تمام کر دیا اور تمہارے لئے اسی دین اسلام کو پسند فرمایا۔“
ونزلنا علیک الکتٰب تبیانا لکل شیء وھدی ورحمۃ وبشرٰی للمسلمین ۵ پ ۱۴ ع ۱۶۔	”اور ہم نے تجھ پر اے نبی یہ کامل صفات والی کتاب یعنی قرآن شریف نازل کیا ہے جس میں ہر چیز کا کامل اور مفصل بیان ہے اور فرمانبرداروں کے لئے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے۔“
قد جاءکم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ ومن عمی فعلیھا وما انا علیکم بحفیظ ۵ پ ۷ ع ۱۹	”اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بصائر آ چکے ہیں یعنی جو جو امر دین حق کے متعلق تمہارے لئے ضروری ہے وہ اس روشنی اور نور کے ساتھ قرآن شریف میں مذکور ہے کہ دل کی آنکھ کھول کر دیکھنے والے

کے لئے کسی قسم کے شک و شبہ کی تاریکی باقی نہیں رہتی پس اگر ایسا جو کوئی اس قرآن شریف کے بصائر کو دیکھے اور سمجھے گا تو اپنے فائدے کے واسطے ایسا کرے گا اور اگر کوئی اس کی طرف سے آنکھ بند کر لیگا تو اسکا وبال بھی اسکی جان پر ہوگا اور اے نبی تو ان لوگوں کا کوئی محافظ نہیں ہے کہ ان سے جبراً دین کو قبول کروا لے۔“

قل انما اتبع ما یوحٰی الی من ربی ھٰذا بصائر من ربکم وھدی ورحمۃ لقوم یؤمنون ۵ پ ۹ ع ۱۴	”اے نبی صلعم لوگوں کو سنا دو کہ میں فقط اوسی طریق پر چلتا ہوں جس کی وحی مجھے میرے رب کی طرف سے کی جاتی ہے اور وہ وحی یہی قرآن شریف ہے جو تمہارے رب کی طرف سے تم لوگوں کے لئے بصیرتیں اور روشنیاں ہیں

اور جو لوگ ان بصیرتوں کو مانتے ہیں ان کے لئے ہدایت اور رحمت ہے یعنی ان کو جنت میں پہونچاتیں اور عمل رحمت خدا کرتی ہیں۔“

ان آیات سے واضح طور پر واضح ہے کہ قرآن کریم پاک سے اسی بات سے کہ اُس میں کوئی مسئلہ تو موجود ہو اور کوئی موجود نہ ہو اور اُس میں بعض چیزیں مذکور رہیں اور بعض مذکور نہ ہوں بلکہ قرآن کریم یہ کہتا ہے اور ہر ایک مومن کو ایسا اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ قرآن کریم جمیع مسائل دینیہ مذہبیہ اسلامیہ دنیویہ پر حاوی ہے اور ہر ایک مسئلہ کا اس میں مفصل اور مبین طور پر بیان ہے اور جملہ احادیث صحیحہ جو مروی عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم ہیں بالیقین قرآن کریم کے اندر موجود ہیں یعنے قرآن شریف کی عبارتوں کا بیان اور اس کی تفسیر و تفصیل ہیں عموماً و خصوصاً خواہ وہ قولی ہیں خواہ فعلی خواہ تقریری۔ پس جب یہ ثابت ہو چکا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جملہ احادیث محض قرآن شریف کی عبارتوں کی حکمت یعنے اس کی سمجھ ہوتی ہیں اور یہ کہ نبی صلعم کو وہ سب یاد اور ذکر اور حفاظت اور امانت کے ساتھ سکھائی گئی تھیں جس طرح خود قرآن شریف کی عبارتوں کے الفاظ تو اب یقیناً اعتقاد رکھا جاوے کہ لفظ آمین جو کہ قرآن شریف کی عبارت کا لفظ نہیں ہے مگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس کو خود بھی پڑھا کرتے تھے اور اوروں کو بھی پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے ضرور بضرور قرآن کریم کی کسی نہ کسی عبارت کا ترجمہ ہے۔ سو اب ہم بفضلہ تعالےٰ قرآن مجید میں سے اس لفظ کا ماخذ بیان کرتے ہیں مگر قبل اس کے کہ ہم اس ماخذ کو بیان کریں اس امر کا بتلانا واجبات سے ہے کہ قرآن شریف کی تعلیم دو طرح پر ہے ایک تو تعلیم بصیغہ امر و نہی اور ایک صرف بطریق ترغیبی۔ سو آمین کا ماخذ قرآن شریف کی ترغیبی تعلیم کے متعلق ہے اور اس قسم کی تعلیم کی آیات قرآن مجید میں بہت ہیں۔ مثلاً :—

ومثل الذین ینفقون اموالھم ابتغاء مرضات اللہ وتثبیتا من انفسھم کمثل جنۃ بربوۃ اصابھا وابل فاتت اکلھا ضعفین	”اور جو لوگ خدا کی رضا جوئی کے لئے اپنے مال خرچ کرتے ہیں درحالیکہ وہ اپنے دلوں سے تصدیق کرتے اور یقین رکھتے ہیں کہ خدا ان کو مال

فان لم یصبہا وابل فطل ۖ واللہ بما تعملون بصیر ۰ پ۳ ع ۴

کو ضایع نہیں کرے گا بلکہ ان کا اجر دیگا ان کی مثال ایک باغ کی سی ہے جو اونچی جگہ واقع ہو اور اس پر پڑے زور کا مینہہ پھر پس پھل لاوے وہ دو چند سے پھل اور اگر اس پر زور کا مینہہ نہ بھی پڑے تو اسکو ہلکی پھواری کافی ہے اور تم لوگ جو کچھ بھی کر رہے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے"

ولو انہم فعلوا ما یوعظون بہ لکان خیرا لہم واشد تثبیتا ۰ واذا لاٰتینٰہم من لدنا اجرا عظیما ۰ ولہدینٰہم صراطا مستقیما پ۵ ع ۷ -

" اور اگر وہ ہر ایک عمل صالح خواہ چھوٹا ہو خواہ بڑا کرتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا اور اس کی وجہ سے ان پر زیادہ تر مضبوطی کے ساتھ جمے رہتے اور اس حالت میں ہم ان کو اپنے پاس سے اجر عظیم دیتے اور ان کو صراط مستقیم پر قائم اور ثابت رکھتے "

تتجافی جنوبہم عن المضاجع یدعون ربہم خوفا وطمعا ومما رزقنٰہم ینفقون ۰ پ۲۱ ع ۱۵

رات کے وقت سوتے سوتے ان کے پہلو اپنے بستروں پر سے ہٹ جاتے ہیں یعنے تہجد کی نماز کے لئے اُٹھتے ہیں اور اپنے رب کے عذاب کے خوف اور رحمت کی امید سے دعائیں مانگتے ہیں اور جو کچھ بھی ہم نے اُن کو دے رکھا ہے اُس میں سے راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں "

الذین ینفقون فی السراء والضراء والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس ۖ واللہ یحب المحسنین ۰ پ۴ ع ۵ -

جنت ان پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے جو خوشحالی اور تنگ دستی دونو حالتوں میں خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور غصے کو روکتے ہیں اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جیسے جیسی کوئی اخلاص کے ساتھ نیکی کریگا ویسی ویسی اسکو دوست رکھتا

ان آیات طیبہ میں صرف ترغیبی حکم ہے بصیغہ امر کوئی حکم نہیں ہے اسطرح آمین کے کہنے کیلئے فقط ترغیبی تعلیم قرآن شریف میں موجود ہے اور جن آیات میں وہ تعلیم موجود ہے پس وہی آیات ہر ایک دعا کے بعد اور اسی طرح سورہ فاتحہ کی اس دعا اھدنا الصراط المستقیم سے لیکر اخیر تک کے بعد آمین کہنے کیلئے اصلی قرآنی ماخذ ہیں اور جسو جہ سے مفسر حقانی اور حکیم ربانی رسول خدا نے تعلیم ربی سے خود فاتحہ کے بعد آمین پڑھا اور اوروں کو حکم دیا کہ ایسا ہی پڑھا کریں وہ آیات یہ ہیں ۔

واذ قال ابراھیم رب اجعل ھذا البلد اٰمنا واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام ۰ رب انہن اضللن کثیرا من الناس ۚ فمن تبعنی فانہ منی ۚ ومن عصانی فانک غفور رحیم ۰ ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلوٰۃ فاجعل افئدۃ من الناس تہوی الیہم وارزقہم من الثمرات لعلہم یشکرون ۰ ربنا انک تعلم ما نخفی وما نعلن ۗ وما یخفی علی اللہ من شیء فی الارض ولا فی السماء ۰ الحمد للہ الذی وھب لی علی الکبر اسمٰعیل واسحٰق ان ربی لسمیع الدعاء ۰ رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ ومن ذریتی ربنا وتقبل دعاء ۰ پ۱۳ ع ۱۸

ابراہیم نے بہت سی دعائیں واذ قال ابراھیم سے لیکر اخیر رکوع تک مانگیں جنکا حاصل یہ ہے کہ الٰہی مکہ معظمہ کو جائے امن و امان بنائے رکھیو مجھے اور میری نسل کو بت پرستی سے بچائے رکھیو ۔ الٰہی اس بنجر زمین میں جہاں کوئی کھیتی باڑی بھی نہیں ہوتی میں نے اپنی کچھ اولاد لاکر آباد کر دی ہے کہ یہاں یہ نمازیں پڑھیں تو ایسا کر کہ چاروں طرف کے لوگ اس طرف مائل ہوں اور دوسرے دوسرے ملکوں کی پیداوار سے ان کو روزی دے تاکہ یہ تیرا شکر کریں پھر اخیر میں جاکر یہ دعا مانگی کہ اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں ہمیشہ ہمیشہ جب تک زندہ رہوں نماز پڑھتا رہوں اور میری اولاد کو بھی یہی توفیق عطا کر اے ہمارے رب میری ان دعاؤں کو قبول فرما ۔

ھنالک دعا زکریا ربہ ۚ قال رب ھب لی من لدنک ذریۃ طیبۃ ۚ انک سمیع الدعاء ۰ پ۳ ع ۱۲

" یہ بات سنتے ہی زکریا نے بھی اپنے رب سے دعا کی کہ اے میرے رب مجھے بھی نیک اولاد اپنی جناب سے عطا فرما کیونکہ تو ہی سب کی دعائیں سنتا ہے (یعنی میری دعا بھی سن اور قبول فرما)

اذ قالت امرات عمران رب انی نذرت لک ما فی بطنی محررا فتقبل منی ۚ انک انت السمیع العلیم ۰ پ۳ ع ۱۲ -

" جس وقت عمران کی بی بی نے اپنے رب سے عرض کی کہ اے میرے پروردگار جو کچھ میرے پیٹ میں ہے میں اسکو دنیا کے کام کاج سے آزاد کر کے تیری نذر کرتی ہوں سو تو میری اس التماس کو جو اس نذر کے بارہ میں ہے قبول فرما کیونکہ تو سب کی دعائیں سنتا اور سب کے دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے "

واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمٰعیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ۰ پ ۱ ع ۱۵ ۔	"اور جب ابراہیم اور اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام بیت اللہ شریف کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور دعائیں مانگ رہے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہماری ساری خدمتیں اور عبادتیں اور دعائیں قبول فرما تو ہی بیشک دعاؤں کا سننے

والا اور نیتوں کا جاننے والا ہے"۔

خلاصہ ان آیات طیبہ کا یہ ہے کہ اللہ تعالے اپنے بندوں پر مہربانی فرما کر اُن کو ترغیبی طور پر ارشاد فرماتا ہے کہ جس طرح ان پاکباز انبیاء اور صالحین نے دعائیں مانگیں اور پھر دعاؤں کے بعد ربنا تقبل الآیہ تم بھی اسی طرح جب مجھ سے دعاء مانگا کرو تو دعاء مانگنے کے بعد ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم بھی کہا کرو جسکا مطلب یہ ہے کہ اے ہمارے رب ہماری اس دعاء کو جو ہم تجھ سے مانگ رہے ہیں قبول فرما کیونکہ تو ہی تو فقط ایسی ذات پاک ہے کہ ہر ایک کی سنتا اور ہر ایک کے دل کی نیت کو جانتا ہے اور جانچتا ہے اور لفظ آمین کے بھی یہی معنے ہیں یعنے یہ کہ لفظ آمین خلاصہ یا ترجمہ ہے ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم کا یہ لفظ اسم فعل ہے اور اس کے معنے اللھم استجب تقبل ہیں یعنے آلہی میری دعاء کو قبول فرما۔

الحمد للہ کہ اس وقت تک سورۃ الفاتحہ کی تفسیر ختم ہوئی محض اللہ تعالے کی مہربانی اور رحمت سے۔ بیدہ الخیر و ھو علی کل شئی قدیر ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب ۔ اب ہم قرآن شریف کی دوسری سورۃ کی تفسیر کو اس کے فضل اور اس کی توفیق پر اعتماد کر کے شروع کرتے ہیں یہی دعاء کہ آلہی ہماری اس سعی کو مشکور فرما اور اس کو دین و دنیا میں ہمارے لئے ذخیرہ حسنات بنا اور اپنے جمیع رسل و انبیاء اور ان کے خاتم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اور ان کی آل و اصحاب و ازواج مطہرات سب پر صلوات اور تسلیمات نازل فرما۔ آمین ۔

سورۃ البقرۃ مدنیۃ وہی مأتان وست وثمانون آیۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نہایت بخشش کرنے والے مہربان اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔

اصول تفسیر القرآن میں پہلے یہہ اصول لکھا جاچکا ہے کہ "آیات و کلمات کتاب اللہ میں فی الواقع کسی جگہ تکرار نہیں ہے بلکہ بلحاظ موارد و مواقع ہر ایک آیت اور کلمہ کے معانی اور مفاد ہر جگہ جداگانہ ہوتے ہیں" اور وہاں اس کے ساتھہ یہہ بھی لکھا گیا ہے کہ تفسیر میں اس امر کا التزام کیا گیا ہے کہ جہاں کہیں مظنہ تکرار ہوا ہے وہاں ہم نے اُس کی جداگانہ مراد بیان کرکے اُس مظنہ کو دور کردیا ہے۔ اور ہم پہلے یہہ بھی ثابت کرچکے ہیں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر ایک سورت کی پہلی آیت ہے اور چونکہ قرآن شریف میں کل سورتیں ایک سو تیرہ ہیں (سورہ توبہ صرف سورہ انفال کا جز ہے دیکھو بحث بر صفحہ ۳۹) اسواسطے سارے قرآن شریف میں ایک سو تیرہ دفعہ یہہ آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل شدہ مکتوب و مسطور ہے پس یہاں یہہ مظنہ پیدا ہوسکتا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کیوں بار بار نازل ہوئی ہے سو اس کا جواب یہہ ہے کہ اگرچہ یہہ آیت دو سورتوں کے درمیان حد فاصل ہوتی ہے اور ہر ایک سورت کی ابتداء کو بتاتی ہے مگر سب سے بڑھ کر جواب یہہ ہے کہ ہر ایک سورت کے ساتھہ اس بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی مراد بھی الگ ہی ہے اور جتنی دفعہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل ہوئی ہے اتنی ہی دفعہ جدید اور نئے رنگ میں نازل ہوئی ہے اور ہم پہلے لکھہ آئے ہیں کہ یہہ اصل میں اوس سورت کا خلاصہ یا عنوان ہوتا ہے جس سورت کے ساتھہ یہہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل شدہ ہے پس جو لب لباب اور زبدہ اور خلاصہ اور مغز اُس سورت کا ہوگا وہ اُس بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں موجود ہوگا۔ چنانچہ ہم انشاء اللہ تعالےٰ ہر ایک سورت کی بسم اللہ کی تفسیر کرتے وقت ہر ایک بسم اللہ کے جدید اور بالکل نئے رنگ اور مفاد اور مراد کو بیان کرتے جاوینگے اور پہلے سورت فاتحہ کی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر تو پڑھہ ہی چکے ہو کہ اُس بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں لفظ الرحمٰن الرحیم اسواسطے آئے ہیں کہ وہ اللہ تعالےٰ واجب الوجود کے وجود کو ثابت کرتے ہیں اور پھر سورۂ فاتحہ کی تیسری آیت میں الرحمٰن الرحیم کے الفاظ اس سوال کے جواب میں آئے ہیں کہ اللہ تعالےٰ ہی فقط کیوں مستحق حمد اور کیوں مستحق الوہیت ہے اور اس کے سوائے اور کوئی الحمد اور الوہیت کے قابل نہیں ہے۔

اب ہم سورۃ البقرۃ کی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر لکھتے ہیں بتوفیقہ تعالےٰ۔ سو واضح ہو کہ یہاں الرحمٰن کا لفظ اس حکمت کے لئے آیا ہے کہ اس کی عام اور نہایت بخشش نے الکتٰب یعنی جامع صفات والی کتاب نازل فرمائی جس سے مقصود جملہ عباد اللہ (آریہ۔ برہمو۔ عیسائی۔ یہودی۔ ہندو وغیرہ وغیرہ) کی ہدایت روحانی وایمانی کا ہے پھر اُس عام رحمت اور نہایت بخشش نے یہاں تک تقاضا کیا کہ اس الکتاب یعنے جامع صفات والی کتاب (قرآن شریف) میں اور کوئی جملہ یا کوئی کلمہ بھی بلکہ کوئی حرف بھی ایسا بیان نہیں فرمایا جس میں کسی قسم کا ریب یعنے ابہام یا تردد یا شک یا تردد یا شک کے لئے کسی قسم کا احتمال بھی باقی چھوڑا ہو بلکہ اُس کتاب میں ہر ایک امر حق حق۔ واضح واضح صاف صاف۔ بالکل یقینی اور حق الیقین نازل فرمایا ہے اور اُس کتاب کی پاکی کے لئے فرمایا لاریب فیہ اور الرحمٰن الرحیم کے لفظ میں حکمت یہہ ہے کہ اُس ذات باہرکات نے طالبان حق و تقوے کو بے آسا نہیں چھوڑا اور جو لوگ ہدایت کی تلاش سچے دل اور اخلاص کے ساتھ کرتے ہیں ان کو نا امید نہیں رہنے دیا بلکہ ان کی آس پوری کی اور ان کی امید بر لایا یعنے اسی کتاب کی ہدایتوں پر ان کو چلایا اور اپنی رضا کا انعام دے کر ان کو راضی کردیا اور یہہ حکمت ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْن کے الفاظ کے اندر موجود ہے۔

الٓمّٓ ﴿۲﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳﴾

الم اس عالی قدر کامل صفات وجامع کمالات والی فرمان یا پروانہ یا حکمنامہ میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں جو لوگ تقوی کے خواہاں ہوں انکی لئے دستور العمل اور ہدایت نامہ ہے

اب اس جگہ پر آکر یہہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرۃ کی دونو بسم اللہ الرحمن الرحیم کے جداگانہ مفاد تو بیان ہو گئے مگر صرف الرحمن الرحیم کے متعلق نہ کہ لفظ اللہ کے متعلق بھی لفظ اللہ نہ صرف ایک سورۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں ہی آیا ہے بلکہ سارے قرآن شریف میں اس کثرت کے ساتھ وارد ہوا ہے کہ جدہر دیکھو قرآن کریم میں اللہ ہی اللہ نظر آتا ہے پس ضروری ہوا کہ لفظ اللہ کی تکرار بے شمار کا جواب کافی شافی عانی دیا جاوے سو اللہ تعالے کی توفیق اور مدد پر بھروسا کرکے اس کا جواب لکھا جاتا ہے وھو ھذا۔

ہم پہلے ایک فہرست اسماء حسنی لکھہ آئے ہیں دیکھو صفحہ ۵۱ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ ذاتی نام ہے اُس واجب الوجود کا جس کی صفات کمال کے لحاظ سے اس کے بہت سے اسماء حسنی قرآن شریف میں موجود ہیں اور مفسر حقانی حکیم ربانی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانی بھی معلوم ہوئے ہیں سو جہاں جہاں قرآن شریف میں اللہ کا لفظ اپنی کسی ایک صفت یا صفات کے لحاظ سے کسی ایک مفہوم کے ساتھ وارد ہوا ہے پھر اُسی مفہوم کے ساتھ دوبارہ کہیں وارد نہیں ہوا اگرچہ اللہ تعالی وحدہ لاشریک کی شان یہہ ہے کہ لیس کمثلہ شئ مگر محض ناظرین کی تفہیم کے لئے ایک فانی اور ناقص مخلوق کی مثال دیکر ناظرین کو سمجھایا جاتا ہے۔ فرض کرو کہ زید ایک شخص کا اصلی ذاتی نام ہے اور اس کی مختلف صفات میں سے بعض یہہ صفات ہیں کہ وہ منشی بھی ہے۔ درزی بھی ہے معمار بھی ہے۔ طبیب بھی ہے حجام بھی ہے وغیرہ وغیرہ۔ اب ایک جگہ تو یوں ہے کہ زید خط لکھہ رہا ہے۔ دوسری جگہ یوں ہے کہ زید کرتہ سی رہا ہے۔ ایک جگہ ایسا ہے زید سر مونڈ رہا ہے ایک جگہ یوں ہے زید نسخہ لکھہ رہا ہے ایک جگہ یوں ہے زید دیوار بنا رہا ہے۔ تو گو لفظ زید جو جامع چند صفات ہے مختلف موقعوں پر کئی کئی بار آیا ہے مگر دانا کے لئے وہ اپنی ایک ایک صفت کے لحاظ سے ایک ایک دفعہ آیا ہے دوسری جگہ مکرر اپنی سابقہ صفت کے ساتھ بیان نہیں ہوا۔ اسی طرح سورۃ الفاتحہ کی بسم اللہ الرحمن الرحیم میں لفظ اللہ فقط اسواسطے آیا ہے کہ جس ذات واجب الوجود کی صفت رحمانیت اور رحیمیت جہاں نہاں جلوہ گر ہو رہی ہے وہ ذات وہی ہے جو اللہ ہے یعنے اس میں محض بغرض جتانے اس امر کے ہے کہ اللہ موجود ہے اور الحمد للہ میں جو لفظ اللہ آیا ہے تو فقط اس امر کے جتانے کے لئے کہ وہی اللہ جو اقسام انواع کی حمد کا مستحق اور سزاوار ہے اور فقط وہی الہ یعنے معبود بننے کی بھی صلاحیت اور قابلیت رکھتا ہے اور اب سورۃ البقرہ کی بسم اللہ الرحمن الرحیم میں جو لفظ اللہ آیا ہے تو محض الرحمن الرحیم کے اسی خاص مفہوم کے اعتبار سے موصوف ہو کر آیا ہے جو اوپر مرقوم ہو چکا ہے یعنے یہہ کہ یہہ کام بھی اللہ تعالے ہی کا ہے کہ جملہ عباد اللہ کی تربیت روحانی و ایمانی کے لئے قرآن کریم نازل فرمایا اسمیں ہر ایک بات صاف صاف اور حق الیقین بیان فرمائی اور پھر جس جس نے انابت اور اخلاص سے اُس کی خواہش کی اُس کو اپنا صراط مستقیم عطا کرکے اسکو اسپر ثابت اور قائم کر دیا۔

(۲) بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد اس سورت کا شروع حروف ا۔ل۔م سے ہوا ہے اور بھی بہت سی سورتیں قرآن شریف میں موجود ہیں جن کا شروع انہیں حروف یا انہیں کی طرح اور اور حروف سے ہوتا ہے چونکہ یہہ حروف قطع قطع یا الگ الگ کرکے پڑھے جاتے ہیں اسواسطے ان کو حروف مقطعات کہتے ہیں اور یہہ حروف بعینہا منزل من اللہ ہیں اور جس طرح ہر ایک سورت کا ایک ایک حرف اور ہر ایک سورت کی بسم اللہ الرحمن الرحیم کا ایک ایک نقطہ اللہ تعالے کی طرف سے لوح محفوظ سے نقل ہو کر فرشتوں کے پہروں کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ جبریل امین علیہ الصلوۃ والسلام تعلیم کیا گیا ہے ویسی طرح حروف مقطعات بھی اُسی ضبط اور احتیاط اور حفاظت کے ساتھ تعلیم فرمائے گئے ہیں یہہ حروف بھی بامعنے ہوتے ہیں مہمل بے معنے نہیں ہوتے اکثر مفسرین رحمہم اللہ اجمعین اپنی اپنی تفسیروں میں ان حروف کی تفسیر نہیں کرتے اور لکھہ دیتے ہیں کہ اللہ اعلم بمرادہ بذلک یعنے ان حروف سے جو مراد ہے وہ خدا ہی جانتے اور بقولہٖ مضمون آیہ کریمہ مندرجہ ذیل جملہ حروف مقطعات کو جو بعض سورتوں کے اول میں آتے ہیں آیات متشابہات میں داخل کرکے ان کی مراد اللہ تعالی کو سپرد کر دیتے ہیں اور ان کے معانی اور مطالب کے حاصل کرنیکو ابتغاء فتنہ اور ابتغاء تاویل قرار دیتے ہیں

هو الذی انزل علیك الکتٰب منه اٰیٰتٌ محکمٰتٌ هنّ امّ الکتٰب واخر متشٰبهٰتٌ فاما الذین فی قلوبهم زیغ فیتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تاویله وما یعلم تاویله الا الله والراسخون فی العلم یقولون اٰمنا به کل من عند ربنا وما یذکر الّا اولوا الالباب ٥ پ۳ ع۹ -

"اللہ وہ ذات پاک ہے جس نے تجھپر کامل صفات وجامع کمالات والی کتاب یعنے قرآن شریف نازل کی ہے جنہیں سے بعض آیات محکمات ہیں یعنے واضحات الدلالۃ جنکا مفہوم ظاہر باہر ہوتاہے اور یہی آیات اس کامل صفات وجامع کمالات والی کتاب کا اصل ہیں اور باقی کی دوسری آیات متشابہات ہیں یعنے وہ آیات جن میں کچھہ نہ کچھہ کسی طرح کا تشابہ یعنے مشابہت موجود ہے یعنے اللہ تعالے کی محض صفات کے ساتھہ مخلوقات کی بعض صفات کو کچھہ نہ کچھہ عارضی یا فانی یا رسمی مشارکت ومشابہت ہوتی ہے سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ تو قرآن شریف کی انہیں آیات متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں بایں غرض کہ گمراہی پیدا کریں اور ان کی تاویل یعنے اصلی حقیقت اور ماہیت اور کیفیت وطریقت معلوم کریں حالانکہ ان کی اصلی حقیقت اللہ کے سوائے کسی کو معلوم نہیں اور ماہرین علم کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا تو ان سب آیات پر ایمان ہے یہہ سب کچھہ ہمارے رب کی طرف سے آیا ہے اور کامل عقل والے ہی فقط نصیحت قبول کرتے ہیں"

سو اس آیت کے معنوں پر غور کرنے سے بالکل یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ان مرجوین ومتعذورین کا ایسا لکھنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت کا خلاصہ یہہ ہے کہ قرآن شریف میں دو قسم کی آیات ہیں ایک محکمات دوسری متشابہات۔ محکمات وہ ہیں جو ام الکتاب ہیں اور متشابہات وہ ہیں کہ ان میں تشابہ یعنے دو چیزوں کا آپسمیں ہم شکل وہم صورت ہونا پایا جاتا ہے ان آیات کی اصلی حقیقت اور ماہیت اور کیفیت اور طریقت سوائے اللہ تبارک وتعالے کے کوئی بھی معلوم نہیں کرسکتا اسواسطے جو لوگ ایسی آیات کے تفتیش اور تہیں اور کشف حقیقت کے پیچھے پڑجاتے ہیں سوائے ضلالت اور گمراہی کے اور کچھہ بھی ان کے حصہ میں نہیں آتا سو راسخ فی العلم ایسی باتوں کے پیچھے ہی نہیں پڑتے جس کی تفتیش کا نتیجہ گمراہی ہو کیونکہ ان کی تفتیش کرکے ان کی اصلی حقیقت اور ماہیت سے واقف ہوجانا جملہ ذوی العقول کے احاطۂ ادراک سے ہی باہر ہے بس یہی کچھہ مطلب ہے اس آیت کا نہ یہہ کہ اسکے معنے کچھہ نہیں ہیں اور ہم بڑے وثوق اور کلی اعتماد سے آواز دہل پکارکر کہتے ہیں کہ ہر ایک مومن بالقرآن کا فرض ہے کہ وہ قرآن شریف کے حرف حرف کی بابت یہہ اعتقاد رکھے کہ ہر ایک حرف اسکا بامعنے ہے اور سارے قرآن شریف میں من اولہ الی آخرہ اور جملہ احادیث نبویہ میں اشارہ تک بھی یہہ بات پائی نہیں جاتی کہ حروف مقطعات آیات متشابہات ہیں غرضکہ خود قرآن کریم ہی سے دیکھنا ضروری ہے کہ مراد آیات متشابہات سے کیا ہے سو واضح ہو کہ لفظ متشابہات متشابہ کی جمع ہے اور یہہ لفظ قرآن شریف میں بہت جگہ آیا ہے -

وهو الذی انشا جنٰت معروشٰت وغیر معروشٰت والنخل والزرع مختلفا اکله والزیتون والرمان متشابها وغیر متشابه پ۸ ع۴

اور اللہ وہ ذات پاک ہے جس نے باغ پیدا کئے بعض ٹٹیوں پر چڑہائے جاتے ہیں اور بعض نہیں چڑہائے جاتے اور ہر قسم کی کھجوروں کے درخت اور ہر قسم کی کھیتیاں یعنے خواہ خودرو اور خواہ رویانیدہ جنکے پھل مختلف قسموں کے ہوتے ہیں اور ہر قسم کی زیتون اور ہر قسم کے انار کہ بعض تو صورت وشکل اور مزے میں آپسمیں مشابہت رکھتے یعنے ملتے جلتے ہیں اور بعض مشابہت نہیں رکھتے"

کلما رزقوا منها من ثمرة رزقا قالوا هذا الذی رزقنا من قبل واتوا به متشابها پ۱ ع۳

جب جنتیوں کو جنت میں کوئی میوہ کھانے کو ملیگا تو کہیں گے یہہ تو ہم کو پہلے بھی دیا جاچکا ہے اور ان کا یہہ کہنا اسواسطے ہوگا کہ یہہ میوے جو ان کو دیئے جاوینگے صورت وشکل میں مشابہت رکھینگے یعنے صورت میں ملتے جلتے ہوں گے"

تشابهت قلوبهم پ۱ ع۱۴ - ان پچھلے منکروں اور ان سے پہلے منکروں کے دل آپسمیں مشابہت رکھتے ہیں یعنی ایک ہی قسم کے خیالات ہیں ان سب کے -

الله نزل احسن الحدیث کتٰبا متشابها پ۲۳ ع۱۶

اللہ نے جملہ قسم کی کلاموں میں سے سب سے بہتر کلام اتارا جو ایسی کتاب ہے جس کی جملہ آیات میں مشابہت اور موافقت ہے اور کہیں بھی مخالفت نہیں اور جسمیں دو نو قسم کے مسائل جو آپسمیں اضداد ہیں مذکور ہیں مثلاً ابرار کے ساتھہ ہی فجار کا ذکر جنت کے ساتھہ ہی دوزخ کا بیان مومن کے ساتھہ ہی کافر کا بیان وغیرہ وغیرہ"

ان آیات میں متشابہا کا ذکر آیا ہے اور مراد اس سے فقط یہی ہے کہ بعض اشیاء بعض اشیاء کے ساتھہ ملتی جلتی ہیں ان کی صورتوں اور شکلوں میں کچھہ کچھہ تشبیہہ ہے اور ہر ایک زبان میں کبھی لفظوں میں اور کبھی معنوں میں تشبیہہ وتمثیل ہوتی ہے پس آیات متشابہات کے معانی کا معلوم کرنا ممنوع نہیں ہے ان کے معانی معلوم ہوتے ہیں جو چیزیں ان میں ممنوع اور حرام ہوتی ہیں وہ فقط ابتغاء فتنہ وابتغاء تاویل ہے مثلاً قرآن شریف میں ایک یہہ آیت ہے الرحمٰن علی العرش استوی اس میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جسکے معنے الرحمٰن اللہ تعالے کا نام ہے علی کا معنے اوپر ہے عرش کا لفظ معلوم ہے استوا

ماضی معروف صیغہ واحد غائب مذکر ہے یعنے قرار پکڑا اور اس آیت کے معنے ہیں الرحمن نے اپنے عرش کے اوپر قرار پکڑا ہوا ہے سو چونکہ یہ زبان ہے اور زبان کے یہ سارے الفاظ معلوم المعنے ہیں اسواسطے ان کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ الفاظ بے معنے ہیں ان کے معنے کرنا زیغ اور گمراہی اور ضلالت ہے۔ زیغ اور گمراہی اور ضلالت بیشک اسوقت ہو گی جب کوئی شخص اس امر کے پیچھے پڑ جاوے گا کہ استواء الرحمن کی کیفیت اور حقیقت اور ماہیت اور طریقت کیا ہے سو اس طرح پر الرحمن کے استوار کی حقیقت دریافت کرنے کا نتیجہ یقیناً یقیناً گمراہی ہے جس کی وجہ اظہر من الشمس ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لیس کمثلہٖ شئ یعنے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی مانند کوئی چیز نہیں ہے نہ آزادی ذات کی اور نہ آزادی صفات کی۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی ذات، ذوی العقول کے احاطہ اور ادراک سے باہر ہے تو پھر کون ایسا ذی عقل ہے جو اوس ذات بے مثل و بے جنس و بے لون کی صفات کی حقیقت اور ماہیت کو معلوم کر سکے پس جو کوئی اللہ تعالیٰ کی صفات کی حقیقت اور ماہیت اور کیفیت اور کمیت اور طریقت کی تفتیش کے درپے ہو گا وہ یقیناً زیغ قلب اور ابتغاء فتنہ کے سبب ایسا کریگا اور بالآخر گمراہ ہو جاوے گا اسی طرح اس قسم کی جملہ آیات ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف الفاظ ساق (پنڈلی) وجہ (چہرہ) ید (ہاتھ) وغیرہ وغیرہ کی نسبت کی گئی ہے ان الفاظ کی حقیقت اور ماہیت وغیرہ دریافت کرنا ممنوع اور حرام ہے اور موجب ضلالت و گمراہی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جن آیات میں اللہ تعالیٰ کی بعض صفات ایسی ہیں کہ مخلوقات کی بعض صفات سے ان کو مشارکت اسمی ہے ان میں اس اسمی مشارکت کی وجہ سے اُن صفتوں کا ترجمہ یا معنے کرنا حرام اور ممنوع نہیں ہے ہاں ان صفات متشابہات کی حقیقت اور کنہ کو کماحقہ دریافت کرنے کے پیچھے پڑ جانا موجب گمراہی ہے کیونکہ ایسا کرنا ذوی العقول کے احاطہ قدرت سے ہی باہر ہے اور ایسا اعتقاد ہرگز ہرگز کبھی بھی نہ رکھا جاوے کہ قرآن شریف میں کوئی ایسی آیت متشابہ بھی ہے جسکے معنے خدا کو معلوم ہوں اور ذوی العقول کے لئے اس آیت کے الفاظ محض مہمل اور بے معنے رہ جاویں حاشا و کلا بلکہ اس کے معنے ضرور ہیں اور اسکے معنوں کا معلوم کرنا ممنوع نہیں ہے بلکہ جملہ قرآن شریف میں بصیغہ امر مخاطب یا امر غائب یا کلمات ترغیبی جملہ معشر الجن والانس کو ارشاد ہے کہ قرآن شریف کی تمام آیات میں تدبر، تفکر، تذکر، تفقہ حاصل کرو اور کسی آیت یا کلمہ یا حرف کو مجہول المعنے معطل المراد اور مہمل و معزول نہ جانو۔" آیات ذیل بطور استشہاد لکھی جاتی ہیں ان پر غور کرو۔

۱ فلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالہا ۵ پ۲۶ ع۷	"کیا یہ لوگ قرآن شریف کے جملہ مضامین میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر تالے لگے ہیں"
افلا یتدبرون القرآن ؕ ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا ۵ پ۵ ع۸	"کیا یہ لوگ قرآن شریف کے مضامین پر غور نہیں کرتے کہ کسی جگہ بھی ان میں سر مو فرق نہیں ہے اور اگر یہ قرآن کریم اللہ کے سوائے کسی اور کے پاس سے آیا ہوتا تو بیشک اسمیں بہت اختلاف پاتے"
فاقصص القصص لعلہم یتفکرون پ۹ ع۱۳	"اے نبی صلعم پوری پوری طرح پر ان لوگوں سے بیان کرو تاکہ وہ تفکر اور سوچ بچار کریں"
اولم یتفکروا ما بصاحبہم من جنۃ ط پ۹ ع۱۳	"کیا یہ لوگ تفکر نہیں کرتے کہ ان کے صاحب یعنے نبی کو کوئی جنون نہیں وہ تو کھلم کھلا خدا کے عذاب سے ڈرانیوالا ہے"
فلولا نفر من کل فرقۃ منہم طائفۃ لیتفقہوا فی الدین ولینذروا قومہم اذا رجعوا الیہم لعلہم یحذرون ۵ پ۱۱ ع۴	"کیوں ان کے ہر ایک گروہ میں سے کچھ کچھ لوگ اپنے گھروں سے باہر نہ نکلے کہ دین میں تفقہ حاصل کرتے اور جب دین کو خوب سمجھ جاتے تو پھر اپنے گھروں اور وطنوں میں واپس آکر اپنے ہم وطنوں کو سمجھاتے تاکہ وہ لوگ بھی خدا کی نافرمانی سے بچیں"
کذالک نفصل الآیت لقوم یتفکرون ۵ پ۱۱ ع۷	"جن لوگوں کو تفکر یعنے سوچ بچار کی عادت ہے ان کے لئے ہم اپنی آیات بالتفصیل بیان کرتے ہیں"
لو انزلنا ہذا القرآن علی جبل لرایتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ ؕ وتلک الامثال نضربہا للناس لعلہم یتفکرون ۵ پ۲۸ ع۶	"اگر ہم اس کامل صفات اور جامع کمالات والے قرآن شریف کو کسی پہاڑ پر اتارتے ہوتے تو اے نبی صلعم اسے مخاطب تو دیکھ لیتا کہ وہ پہاڑ خدا کے ڈر کے مارے جھک گیا ہوتا اور ریزہ ریزہ ہو گیا ہوتا یہاں تک"

ہم ذوی العقول جن وانس کیواسطے اس لئے بیان کرتے ہیں کہ وہ تفکر کریں اور سوچیں سمجھیں کہ قرآن کیا چیز ہے"

آیت	ترجمہ
وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم ولعلہم یتفکرون ۵ پ ۱۴ ع ۱۲۔	"جس طرح مرقوم الذکر رسولوں کی طرف ہم وحی بھیجتے رہے ہیں اسی طرح اب ہم نے تیری طرف اس کامل صفات وجامع کمالات والی کتاب کو اتارا ہے تاکہ اے نبی لوگوں کو خوب اچھی طرح کھول کھول کر وہ تمام احکام ونواہی سنادے جو ان کی ہدایت کیلئے ان کیلئے اتارے گئے ہیں اور تاکہ وہ تفکر یعنے سوچ بچار کریں"
انما یتذکر اولوا الالباب پ ۱۳ ع ۶۔	"جو لوگ کامل سمجھ والے ہوتے ہیں وہی اس قرآن کریم کو سمجھ کر اس سے تذکر نصیحت حاصل کرتے ہیں بے سمجھ اور بے عقل لوگوں کو اس سے کیا کام"
کتب انزلنہ الیک مبرک لیدبروا ایتہ ولیتذکر اولوا الالباب پ ۲۳ ع ۱۱۔	"اے نبی ۲ اس عظیم الشان اور کثیر البرکت کتاب کو تیری طرف اتارا ہے تاکہ لوگ اس کی آیات میں تدبر کریں اور تاکہ کامل سمجھدار اور عقلمند لوگ اس سے تذکر یعنے نصیحت حاصل کریں"
افلم یدبروا القول ام جاءہم ما لم یات اباءہم الاولین پ ۱۸ ع ۴	"کیا ان لوگوں نے سرے سے ہماری اس کامل صفات اور جامع کمالات والی کلام یعنے قرآن شریف میں غور ہی نہیں کیا تو وہ منکر کے منکر ہی رہے یا ان کے کفر کی یہہ وجہ ہے کہ ان کے پاس ایک ایسی بات آئی ہے جو ان کے آباواجداد اولین کے پاس نہ آئی تھی"
قل ہل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون ط انما یتذکر اولوا الالباب ۵ پ ۲۳ ع ۱۵۔	"اے نبی ۲ ان منکروں سے پوچھ کہ کہیں جاننے والے اور نہ جاننے والے بھی برابر ہوا کرتے ہیں بات یہہ ہے کہ قرآن شریف سے نصیحت بس وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو کامل سمجھ اور عقل والے ہوتے ہیں"
فانما یسرنہ بلسانک لعلہم یتذکرون پ ۲۵ ع ۱۶	"اے نبی ۲ ہم نے تو اس قرآن شریف کو بس اس لئے تیری بولی میں آسان کردیا ہے کہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں"
ولقد وصلنا لہم القول لعلہم یتذکرون ۵ پ ۲۰ ع ۹	اور ہم برابر پے درپے متواتر اپنا کامل صفات وجامع کمالات والا کلام بھیجتے چلے آتے ہیں تاکہ لوگ تذکر یعنے نصیحت حاصل کرتے رہیں"
ویبین ایتہ للناس لعلہم یتذکرون ۵ پ ۲ ع ۱۱	اور اللہ تعالے اپنی آیات لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ تذکر حاصل کریں یعنے نصیحت اٹھاویں"
ولقد ضربنا للناس فی ھذا القرآن من کل مثل لعلہم یتذکرون ۵ پ ۲۳ ع ۱۶	"اور ہم نے اس کامل صفات اور جامع کمالات والے قرآن شریف میں ہر قسم کی مثالیں بیان کی ہیں تاکہ لوگ تذکر یعنے نصیحت حاصل کریں"

جملہ آیات مذکورۃ الصدر با وازبلند پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ القرآن المجید کی تمام آیات اور کلمات اور حروف سب کے سب عموماً وخصوصاً قابل تدبر وتفکر وتذکر وتفقہ ہیں اور ان سب میں تدبر کرنا اہم الامور میں سے ہے اور جملہ معشر الجن والانس مامور ومحکوم ہیں کہ تم تدبر کرو اور قرآن شریف کے کسی حرف تک کو بھی مہمل اور لا یعنے اور مجہول المراد اور معطل المعنے اور موقوف الفہم اور معزول العلم خیال نہ کرو پس آیات متشابہات میں بھی تدبر وتفکر وتذکر وتفقہ کرنا عین ایمان اور اسلام ہے ہاں اس کے ساتھ اگر ابتغاء فتنہ اور ابتغاء تاویل کی بیخ لگ جاوے تو یہہ ممنوع ہے اور قرآن کریم ایسے متفکر کو مبتلائے مرض زیغ قرار دیتا ہے اب ہم ابتغاء فتنہ اور ابتغاء تاویل کی کچھہ تشریح کرتے ہیں تاکہ اس آیت کا مطلب صاف صاف سمجھہ میں آجاوے جس میں بوجہ فتنہ وتاویل آیات متشابہات کے پیچھے پڑنے سے ممانعت کی گئی ہے اور یہہ تشریح ہم قرآن شریف ہی سے کرینگے کیونکہ ہمنے اسی بات کا ذمہ لیا ہوا ہے کہ ہم قرآن شریف کی تفسیر قرآن کریم ہی سے کریں گے اور خود قرآن کریم کا دعوے ہے کہ جملہ آیات شریفہ بالکل تفصیل کردہ شدہ اور بیان کردہ شدہ ہیں اگر ایک آیت کا اجمال ایک جگہ ہے تو اس کی تفصیل اور اس کا واضح بیان یعنے اس کی تفسیر دوسری جگہ موجود ہے کما قال اللہ تعالی

کذلک نفصل الآیات لقوم یعلمون پ ۱۰ ع ۶ - "علم والوں کے لئے ہم اسی طرح اپنی آیات کو مفصل بیان کرتے ہیں" اور کذلک نفصل الآیات لقوم یعقلون پ ۲۱ ع ۴ "عقل والوں کے لئے ہم اسی طرح اپنی آیات کو مفصل بیان کرتے ہیں" اور کذلک نفصل الآیات لقوم یتفکرون پ ۱۱ ع ۹ "فکر اہل تفکر یعنے سوچ

بچار کرنے والوں کے لئے ہم اسی طرح آیات مفصل بیان کرتے ہیں" قد فصلنا الایٰت لقوم یعلمون پ۸ ع۱ علم والوں کے لئے ہم نے اپنی جملہ آیات کی تفصیل کر دی ہے" کتٰب احکمت اٰیٰتہ ثم فصلت من لدن حکیم خبیر پ۱۱ ع۶ "ایسی عظیم الشان کتاب ہے کہ اس کی جملہ آیات محکم کی گئی ہیں" اور پھر یہی نہیں کہ محکم ہی کی گئی ہیں بلکہ اُس خدائے حکیم خبیر کی طرف سے اس کی تشریح اور تفسیر اور تفصیل بھی ہو چکی ہے" کتٰب فصلت اٰیٰتہ قراٰنا عربیا لقوم یعلمون پ۲۴ (۵ ۱۶) ایسی عالی مرتبہ کتاب ہے کہ اہل علم کے لئے اس کی جملہ آیات کی تفصیل کر دی گئی ہیں یعنے قرآن شریف کی آیات کی جو عربی زبان میں ہیں" وھذا صراط ربک مستقیما قد فصلنا الایٰت لقوم یذکرون پ۸ ع۲ اور تیرے رب کا مقرر کردہ شدہ یہ رستہ ہے جو سیدھا اللہ کی طرف جاتا ہے اہل تذکر کے لئے ہم نے جملہ آیات کی تفصیل و تشریح و تفسیر کر رکھی ہے" ولقد جئنٰھم بکتٰب فصلنٰہ علی علم ھدی و رحمۃ لقوم یؤمنون پ۸ ع۱۲ "یعنے ہمنے ان کو ایسی کامل صفات والی عالی مرتبہ والی کتاب دی ہے کہ جس کی تفسیر اور تشریح اور تفصیل ہم نے علی علم کر رکھی ہے یعنے اُس کے اندر کوئی ایسی بات نہیں ہے جو بے توجہی یا غفلت یا اسی قسم کے کسی عیب کے ساتھ لکھی جا چکی ہو بلکہ جو کچھ اسکے اندر موجود ہے وہ سب کا سب عین علم اور ہوشیاری اور خبرداری اور جان بوجھ کر دیدہ و دانستہ لکھا ہے اور جو لوگ اہل ایمان ہیں اُن کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔

خلاصہ ان سب آیات کا یہ ہے کہ قرآن شریف کی تفسیر اور تفصیل کسی خارجی مفسر کی محتاج نہیں ہے اگر کسی آیت کا مفہوم اور معنے ایک جگہ حل نہیں ہو سکتا تو نہ سہی اُس کی تفسیر اور تفصیل کسی اور جگہ پر ضرور ضرور خواہ مخواہ یقیناً یقیناً موجود ہوتی ہے صرف تدبر اور تفکر اور تفقہ اور تعقل درکار ہے پس وہ پہلا مقام بھی حل ہو جاتا ہے اور اسی وقت معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالے ہی سچا ہے اور اس کی پاک کتاب بھی سچی ہے کہ سچ مچ یہ پاک کتاب بجائے خود متین بھی ہے اور آپ ہی اپنی مفسر اور مفصل بھی ہے اور کیوں نہ ہو خدائے علیم و خبیر کی کتاب ہے اور اس کے علم کا یہ حال ہے کہ ذرہ ذرہ کی حقیقت حال سے وہ باخبر ہے کما قال اللہ تعالے وسع ربی کل شیء علما افلا تتذکرون پ۷ ع۱۵ میرا رب اپنے علم سے ہر شئے کو گھیرے ہوئے ہے کیا تم کو اس سے تذکر یعنے نصیحت حاصل نہیں ہوتی وسع ربنا کل شیء علما پ۹ ع۱ ہمارا رب ہر شئے کو اپنے علم سے گھیرے ہے۔ لا الٰہ الا ھو وسع کل شیء علما پ۱۶ ع۱۴ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہی اپنے علم سے ہر شئے کو گھیرے ہے ربنا وسعت کل شیء رحمۃ و علما پ۲۴ ع۶ اے ہمارے رب تو ہر شئے کو اپنے کامل علم اور کامل رحمت سے گھیرے ہوئے ہے۔

پس جب ان پاک کلمات اور ان آیات طیبات کا متکلم اس قدر وسیع علم رکھتا ہے کہ جسکی کوئی انتہا نہیں ہے تو پھر اس کے پاک کلام کی تفسیر اور تفصیل کیونکہ علی علم نہ ہوگی اور کیونکر مفصل اور مبین اور رتبہ میں اعلی اور عظیم نہ ہوگی۔ اب ہم پہلے وہ چند آیات لکھتے ہیں جنمیں لفظ فتنہ وارد ہوا ہے بعدش وہ آیات لکھیں گے انشاء اللہ تعالے جنمیں لفظ تاویل وارد ہوا ہے تاکہ ان لفظوں کا جو صحیح مفہوم ہو وہ معلوم ہو جاوے۔

دوسرے سیپارے کے آٹھویں رکوع میں اللہ تعالے مومنین کو حکم دیتا ہے کہ مشرک لوگوں نے تم کو مکے سے جلاوطن کر دیا ہے اور دین کی روک کے لئے طرح طرح کی تکالیف تم کو پہونچائی ہیں ابتدا ان کی طرف سے ہوئی ہے اب اپنے دین کو مستحکم اور پکا کرنے کی غرض سے تم بھی اُن کو مکہ سے نکال کر جلاوطن

والفتنۃ اشد من القتل پ۲ ع۸

کرو اور جہاں کہیں اُن کو پاؤ قتل کرو۔ کفار کی اسی کارروائی کا نام اللہ تعالے الفتنۃ رکھتا ہے اور فرماتا ہے کہ الفتنۃ یعنے دین کی ترقی کو بند کرنے کی غرض سے ہر قسم کی شرارت خواہ وہ کیسی ہی کیوں نہ ہو قتل کرنے سے بڑھ کر ہے۔ پھر اللہ تعالے اس سے آگے فرماتا ہے۔ کہ تمہارا لڑنا اور

وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین للہ پ۲ ع۸

دشمنان دین کو قتل کرنا محض اس وجہ سے ہے کہ کسی قسم کا فتنہ یعنے دین کی روک نہ رہے اور اللہ تعالے کا دین ہی دین چاروں طرف غالب نظر آوے یعنے روکیں سب بند ہو جاویں اور تمہاری دینی آزادی میں کوئی خلل واقع نہ ہو سکے۔ اخیر میں یہی حکم ہے کہ اے مسلمانو تم اُن سے اُس وقت تک لڑتے رہو کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سب کا سب اللہ ہی کا ہو یعنے اللہ کے دین میں کسی قسم کی روک باقی نہ رہے۔

اللہ تعالے دین میں روک ڈالنے والوں اور دین سے تابعداروں کو گمراہ کرنے کی غرض سے نئی نئی شرارتیں کرنیوالوں یعنے فتنہ انگیز لوگوں کا

یوم ھم علی النار یفتنون ذوقوا فتنتکم پ۲۶ ع۱۸

حال جو قیامت میں ہوگا بیان کرتا ہے کہ اُس روز وہ فتنہ انگیز لوگ دوزخ میں اپنے فتنہ کی سزا چکھنے کے لئے جلائے جاوینگے اور ان کو کہا جاویگا کہ دنیا میں جیسی تم دین میں روک ڈالنے کی غرض سے شرارت کرتے تھے اب اُسکا مزہ چکھو۔

ثم لم تكن فتنتهم الا ان قالوا واللہ ربنا ما کنا مشرکین ۝ پ۷ ع۶

"مشرکوں سے جب پوچھا جاویگا کہ لاؤ اب تمہارے شریک کہاں ہیں تو بس پھر اسوقت اون کی اُن طرح بہ بلجاج کی شرارتوں کا جو دین کی روک کے لئے کرتے تھے سوائے اسکے اور کچھ جواب نہ بن پڑے گا کہ خدا کی قسم کھا کر کہہ دینگے کہ ہم مشرک نہ تھے۔"

خلاصہ ان آیات کا یہہ ہے کہ فتنہ سے مراد ہے دین کی چلتی گاڑی میں کوئی روک پیدا کرنا۔ بدنظمی۔ بدعملی اور بے امنی یا اسی قسم کی شرارتیں پیدا کرنا تاکہ دیندار لوگ خدا کے دین سے کسی طرح غافل ہوکر اور طرف اکسا جاویں اور دین کی ترقی بند ہو جاوے اور یہہ کام ہے اون لوگوں کا جنکے دل سیدھے نہیں ہوتے اور صراط مستقیم کی پٹری پر سے اُترے ہوئے ہیں اور کجروی اختیار کرکے اور لوگوں کی راہ مارتے ہیں خلاصہ یہہ ہے کہ فتنہ سے مراد ہے ہر قسم کی بیدینی اور شر جسکا موجب زیغ یعنی کجروی ہوتی ہے پس آیات متشابہات میں ابتغاء فتنہ کی غرض سے تدبر و تفکر کرنا ممنوع اور حرام ہے نہ کہ ان کے معانی اور مطالب اور مرادات سمجھنے کے لئے غور کرنا۔ اسی طرح ابتغاء تاویل ان آیات میں حرام اور ممنوع ہے نہ کہ اون کے مطالب اور معانی کے سمجھنے کے لئے اُن میں غور کرنا کیونکہ تاویل کہتے ہیں کسی چیز کی پوری پوری کما حقہ ماہیت اور حقیقت اور کیفیت اور کمیت اور طریقت کے جان جانے کو جیسا کہ اس لفظ کی یہی مراد آیات ذیل سے ثابت ہے۔

وکذالک یجتبیک ربک ویعلمک من تأویل الاحادیث پ۱۲ ع۱۲۔

"اے یوسف جیسا تو نے خواب میں دیکھا ہے ایسا ہی ہوگا یعنی یہہ کہ تجھ کو تیرا رب برگزیدہ کریگا اور تجھ کو تاویل الاحادیث کا علم عطا کریگا یعنی پوری پوری حقیقت سب باتوں کی تجھ پر کھولدیگا خواہ خواب کے متعلق ہوں خواہ خواب کے علاوہ جو آسمانی کتاب کے متعلق ہو۔"

وقال یابت ھذا تأویل رءیای من قبل قد جعلہا ربی حقا پ۱۳ ع۵

"یوسف نے کہا ابا جان! میری خواب کی بس یہی حقیقت تھی جو اس وقت کھل گئی ہے میرے رب نے اوس میری خواب کو سچ کر دکھایا۔"

ذالک تأویل ما لم تسطع علیہ صبرا ۝ پ۱۶ ع۱۔

"خضر نے موسیٰ کو اپنی اون باتوں کا انہوں نے بحکم ربی کی تھیں اور موسیٰ نے ان پر جرح کی تھی بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ اے موسیٰ جن باتوں کو دیکھ دیکھ کر تجھ سے صبر نہیں ہوسکا تھا بس ان کی اصلی حقیقت یہی ہے جو خواب ہائی بیان کی گئی ہے۔"

قال احدھما انی ارانی اعصر خمرا وقال الاخر انی ارانی احمل فوق راسی خبزا تاکل الطیر منہ نبئنا بتاویلہ انا نراک من المحسنین ۝ پ۱۲ ع۱۵

"ایک نے کہا کہ بیشک تو یہہ خواب دیکھا ہے کہ میں شراب کے لئے انگور نچوڑ رہا ہوں دوسرا بولا کہ بیشک تو یہہ دیکھا ہے کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور ان میں سے پرند آ آکر کھاتے ہیں اے یوسف آپ ہم کو نیک بزرگ آدمی معلوم ہوتے ہو ہم کو ہماری خوابوں کی تعبیر یعنی اصل حقیقت سے آگاہ کر دو۔"

ان آیات کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تاویل کے معنے ہیں کسی چیز کی حقیقت و ماہیت و کیفیت و کمیت و طریقت کے پورا پورا معلوم کرنے اور پھر اسکو بیان کرنے کے۔ اب صاف ظاہر ہے کہ جب آیات متشابہات کی تاویل یعنے ان کی اصلی اور واقعی حقیقت معلوم کرنی پڑیگی تو خواہ مخواہ اللہ تعالے کی صفات کی تشبیہہ جملہ مخلوقات کی صفات کے ساتھ دینی پڑیگی اور پھر ہوتے ہوتے خالق کو مخلوق اور مخلوق کو خالق گردانا پڑے گا اصلی حقیقت کا کبھی پتہ لگنے کا نہیں کیونکہ ان صفات کی اصلی حقیقت کو دریافت کر لینا ادراک ذوی العقول کے احاطہ سے باہر ہے اور پھر ہر قسم کے فتنے کا دروازہ کھل جاویگا اور اس قسم کی حقیقت حال دریافت کرنے والے گمراہ ہوکر داخل جہنم ہونگے پس ضرور ہے کہ اللہ تعالے ابتغاء تاویل کی غرض سے آیات متشابہات میں تدبر و تفکر کرنے والوں کو روکے نہ کہ اُن لوگوں کو جو اس غرض فاسد کو فاسد اور مفسد سمجھ کر اسکو حرام اور گناہ سمجھتے ہیں اور فقط آیات تدبر کی تعمیل کرنے کی غرض سے فقط آیات متشابہات کے الفاظ کے معانی کو جو زبان میں موجود ہیں اور دیگر زبان والوں کو معلوم نہیں ڈھونڈتے ہیں اور چونکہ آیات متشابہات فقط وہی ہیں جیسا کہ پہلے بھی بیان ہوچکا ہے جن میں اللہ تعالے کی صفات کا بیان ہے اور قرآن شریف میں سوائے آیات صفات کے اور کوئی آیت متشابہ نہیں ہے خواہ وہ حروف مقطعات ہیں خواہ دیگر آیات

اور چونکہ ان صفات میں مخلوقات کے ساتھ کچھ نہ کچھ تشابہ ہوتا ہے خواہ لفظی ہو خواہ معنوی تو اب جو شخص بغرض ابتغاء تاویل یعنی اُن صفات کی اصلی اور واقعی کما ہی ہی حقیقت معلوم کرنے کی غرض سے ان آیات میں تدبر کرنے کے درپے ہوگا تو جس آیت میں مثلاً اللہ تعالے نے اپنی طرف ید (ہاتھ) یا ساق (پنڈلی) یا وجہ (چہرہ) کو منسوب کیا ہے اس میں ایسا شخص خواہ مخواہ اللہ تعالے کے ہاتھ کو مخلوق کے ہاتھ کے ساتھ تمثیل یا تشبیہ دے گا اور پھر ہوتے ہوتے اس پر یعنے ہاتھ کی کیفیت اور کمیت اور حقیقت اور ماہیت کو مخلوقات (مثلاً انسان ہی سہی) کے ہاتھ کی کیفیت اور کمیت اور حقیقت اور ماہیت سمجھ بیٹھے گا اور باقی کے لوازمات جسم بھی قائم کرے گا حتی کہ خالق کو جو بفحوائے آیہ کریمہ لیس کمثلہ شیٔ محض بے جنس و بے مثل بے لون بے کفو ہے مخلوق کی طرح ایک مجسم مخلوق سمجھ لیگا پس گمراہ ہوجاویگا حالانکہ اللہ تعالے کے سوائے ید۔ وجہ۔ ساق۔ سمع۔ بصر۔ کلام وغیرہ وغیرہ صفات کمال خداوندی کا جاننا یا جان لینا جان سکنا محال ہے۔ کما قال اللہ تعالی۔ وما یعلم تاویلہ الا اللہ پ۳ع۹ یعنے آیات متشابہات میں جو ایسے الفاظ ہیں کہ ان کے ساتھ کسی نوع کی کچھ تشابہ یا مناسبت یا تشبیہ مخلوقات کی صفات کے ساتھ ہوتی ہے ان کی اصلی مراد اور حقیقت اور ماہیت اور کیفیت اور کمیت اور دریافت کا معلوم کرسکنا ذوی العقول کے احاطہ علم و قدرت سے ہی باہر ہے اُس کو فقط اللہ تعالے آپ ہی جانتا ہے اور بس اور ذوی العقول کیونکہ آیات متشابہات کے کنہ اور حقیقت کو معلوم کرسکیں ان کے پاس جو اسباب حصول علم ہیں وہ فقط یہی حواس خمسہ ہیں اور سب کو معلوم ہے کہ یہ حواس بہت ہی قلیل المقدور اور محدود الوسیع علم حاصل کرسکتے ہیں خدا کے علم میں سے ایک رتی بھر کا بھی پورا پورا احاطہ نہیں کرسکتے۔ ولا یحیطون بشیٔ من علمہ الا بما شآء۔ پ۳ع۲ یعنے اللہ تعالے کے علوم غیر متناہیہ میں سے ذرہ بھر کا بھی ان کو پورا پورا علم نہیں ہوسکتا ہاں جتنا اللہ تعالے کسی کو عطا فرماوے وہ مستثنی ہے اور اگرچہ ذوی العقول کو جو جو اسباب حصول علم مُسوقت دیئے گئے ہیں وہ ان کی لیاقت کے موافق پہلے درجہ کے کامل اور پورے ہیں مگر اللہ تعالے کے علوم کے احاطہ کرنے کے لئے بالکل ناقص ہیں۔ کما قال اللہ تعالی۔

لاتدرکہ الابصار پ۷ ع۱۹

یعنی مخلوقات کی نظریں اسکا ادراک نہیں کرسکتیں اور مخلوقات کی نظروں کی حقیقت اور اصلیت کو وہ خوب جانتا ہے اور وہ بڑا ہی باریک بین اور باخبر ہے۔

فاطر السموات والارض جعل لکم من انفسکم ازواجا و من الانعام ازواجا یذرؤکم فیہ لیس کمثلہ شیٔ وھو السمیع البصیر۔ پ۲۵ ع۳

وہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا اور اسی نے تمہاری جنس کے جوڑے تمہارے لئے بنائے اور چارپایوں کے جوڑے بھی بنائے اور اسی طرح اسی تدبیر اور حکمت کے ساتھ تم کو پیدا کرتا رہتا ہے اس کی ذات اور صفات کی طرح کسی چیز کی ذات و صفات نہیں ہیں اور وہ سب کچھ سنتا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

قال رب ارنی انظر الیک قال لن ترٰنی ولکن انظر الی الجبل فان استقر مکانہ فسوف ترٰنی فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا وخر موسی صعقا فلما افاق قال سبحٰنک تبت الیک وانا اول المؤمنین پ۹ ع۷

موسیٰ نے عرض کی کہ یا اللہ تو مجھے اپنے تئیں دکھا کہ میں تیری طرف ایک نظر دیکھوں فرمایا اے موسیٰ تو ہرگز ہرگز مجھے دیکھ نہیں سکتا ہاں اس پہاڑ پر نظر ڈال اس پر ہم اپنے نور کا ظہور کرتے ہیں اگر وہ پہاڑ پر اپنی جگہ ٹھہرا رہا تو پھر تو بھی اسے دیکھ سکیگا پس پھر جب اس کے رب نے اُس پہاڑ پر اپنے نور کا ظہور کیا تو اُس پہاڑ کو چکنا چور کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر غش کھا کر گر پڑے پھر جب ہوش میں آئے تو بول اُٹھے الٰہی تیری ذات پاک اور بے عیب ہے میرا سوال صحیح نہ تھا میں اُس سے توبہ کرتا ہوں مجھ پر ایمان لانے والوں میں سے میں تجھ پر سب سے پہلے ایمان لانے والا بندہ ہوں۔

[illegible] ان آیات شریفہ کا یہ ہے کہ کوئی چیز بھی کوئی مخلوق بھی اللہ تعالے کی مانند یا اللہ تعالی کی مثل نہیں ہے نہ ذات میں اور نہ صفات میں [illegible] جب حال ہے تو اب بالکل ناممکن بلکہ محال ہے کہ کسی مخلوق کی کسی صفت کی کوئی تمثیل یا تشبیہ اللہ تعالے کی کسی صفت کے ساتھ دی جا سکے پس ابتغاء تاویل کی غرض سے آیات متشابہات میں تدبر کرنے والا خواہ مخواہ گمراہ ہوجاتا ہے [illegible] علم اور پکے علما ہیں اس واسطے وہ آیات متشابہات کی تاویل کے گرد اگرد نہیں گھومتے بلکہ وہ ابتغاء فتنہ اور تاویل کی آلائش سے پاک ہو کر صاف صاف اپنا عقیدہ یوں ظاہر کرتے ہیں امنا بہ کل من عند ربنا پ۳ع۹ یعنے اُن تمام صفات پر جو آیات متشابہات [illegible] ہمارا ایمان ہے اور ہم ان صفات کمال خداوندی پر بلا تشبیہ و بلا تمثیل اُس ذات واحد لا شریک لہ لیس کمثلہ شیٔ میں موجود ہیں

ان صفات کی موجود فی ذات اللہ الشریف ہونے میں کوئی شک و شبہ بوجہ من الوجوہ نہیں ہے۔
بفضلہ تعالیٰ یہاں تک بخوبی یقینی اور قطعی طور پر خود قرآن شریف کی آیات سے واضح اور ثابت ہو چکا ہے کہ آیات متشابہات فقط وہی آیات ہیں جنہیں صفات کمال خداوندی کا بیان ہے کیونکہ یہی صفات ہی ہیں جنکی وجہ سے مخلوقات کی صفات کے ساتھ کچھ تشابہ اور مشابہت اور تشبیہ ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ آیات متشابہات میں فتنہ اور تاویل کی غرض سے خوض کرنا ممنوع، مردود و حرام ہے اور فتنہ تاویل سے جو مراد قرآنی ہے وہ بھی بیان ہو چکی ہے اور یہ بھی کہ سوائے آیات صفات کے اور کوئی آیت نہیں ہے آیت تو رہی درکنار بلکہ کوئی حرف یا کلمہ یا کلام مسند یا غیر مسند تام یا غیر تام مفید یا غیر مفید موجود نہیں ہے جس میں اُس کی متشابہ ہونے کا کسی قسم کا وہم و گمان بھی ہو یا ہو سکتا ہو اُن حروف کو جو بعض سورتوں کے پہلے الگ الگ طور پر پڑھے جاتے ہیں داخل نہیں ہو سکتے داخل کرنے والے خود بھی ان حروف کو حروف مقطعات کہتے ہیں یعنے ایسے حرف جو الگ الگ اور قطع قطع کر کے پڑھے جاتے ہیں مثل حروف تہجی اور پھر بھی ان کو آیات میں داخل کرتے ہیں کہاں حروف اور کہاں آیت۔ چونکہ ان حروف میں کوئی تشابہ یا مشابہت یا تشبیہ نہیں پائی جاتی اسواسطے یہ حروف بھی دیگر حروف و کلمات و عبارات قرآن شریف کی طرح حق رکھتے ہیں کہ ان میں تدبر و تفکر و تفقہ اور تذکر کیا جاوے اور جس طرح آیات متشابہات کی اصلی حقیقت اور ماہیت اور کیفیت اور کمیت اور ولّیت کے دریافت کرنے کے درپے ہونا سخت حرام اور باعث ضلالت و زیغ ہے اسی طرح حروف مقطعات کی حقیقت وغیرہ دریافت کرنا یا دریافت کرنے کے درپے ہونا ہرگز ہرگز ہرگز حرام و ممنوع نہیں ہے حاشا و کلا بلکہ ان میں غور و تدبر کرنا ویسا ہی اشد ضروری اور اہم ہے جس طرح آیات محکمات میں۔ پس اب ہم بتاتے ہیں کہ یہ حروف مقطعات ہیں کیا؟ اور ان سے مراد کیا ہے۔ سو واضح ہو کہ سارا قرآن شریف من اولہ الی آخرہ سورۃ الفاتحہ کی بائے بسم اللہ سے لیکر والناس کے سین تک اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین کی طرف سے جملہ معشر الجن والانس کے نام ایک پروانہ یا فرمان یا حکم نامہ ہے پھر بھی قرآن شریف ایک مجموعہ ہے ایک سو تیرہ سورتوں کا (سورۃ توبہ کی تشریح پہلے ہو چکی ہے دیکھو صفحہ ۱۳۹ کہ وہ سورۃ انفال کا ٹکڑہ ہے نہ کہ کوئی الگ مستقل سورت) یعنے ایک سو تیرہ پروانے یا حکم نامے اس احکم الحاکمین کی طرف سے بنام جملہ عباد اللہ جو قیامت تک ہوتے رہیں گے بغرض تعمیل احکام ربانی بذریعہ جبرئیل امین بہ وساطت خاتم الرسل والانبیاء محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جاری ہوئے ہیں اور چونکہ کل دنیا کے حکام کا دستور ہے کہ وہ اپنے جاری کئے ہوئے پروانے یا حکم نامے پر اپنا دستخط کیا کرتے ہیں اور ایسا دستخط کرنا اشد ضروری ہوتا ہے اسواسطے اس احکم الحاکمین نے اسی دستور متعارفہ کے مطابق بعض سورتوں کے شروع میں اپنے اسماء بطور دستخط نازل فرمائے تا کہ جس طرح حکام دنیوی کے پروانوں پر دستخط حاکم پہچان اور دیکھ کر تعمیل کے لئے فکر پیدا ہوتی ہے اور اس پروانہ کے حکم کو اصلی و ضروری قابل تعمیل سمجھا جاتا ہے اسی طرح اُن الٰہی پروانوں یعنے قرآن شریف کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقین کر کے اسکے احکام کی تعمیل کی جاوے

قرآن کریم کی جملہ سورتوں کی تقسیم بلحاظ طرز بیان دو طرح پر ہے ایک تو ایسی سورتیں ہیں جنکا [illegible] طور اختیار کیا گیا ہے یعنے اللہ تعالیٰ نے ان سورتوں کے ابتداء کو جلالی طور پر شروع کیا ہے اور یہ طرز بھی اس حاکم حقیقی اور سچے بادشاہ کی صفات جلالیہ کے موافق [illegible] ہی تھا۔ اور دوسری وہ سورتیں ہیں جن میں یہ طرز اختیار نہیں کیا گیا یعنے ان میں جمالی طرز اختیار کیا گیا ہے جو اس حقیقی بادشاہ کی صفات جمالیہ کے عین مناسب حال ہیں پس پہلی قسم کی سورتوں کے پہلے حروف مقطعات ہوتے ہیں دوسری قسم کی سورتوں کے پہلے نہیں [illegible] کی ابتداء میں اختیار کیا گیا ہے اور کبھی کبھی [illegible] سورتوں کی ابتداء [illegible] کی سورتوں کے شروع میں آتے ہیں اور پس [illegible] پہلے کوئی حرف یا حروف مقطعات موجود نہیں ہیں سوا [illegible] انشاء اللہ تعالیٰ [illegible] گا۔

نمبر شمار	نام سورت	طرز بیان	تمہید
۱	البقرۃ	الٓمٓ ذٰلک الکتٰب لا ریب فیہ ھدی للمتقین	[illegible]

نمبر شمار	نام سورت	طرز بیان	ترجمہ
۲	آل عمران	الٓمٓ ۝ اللّٰہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم ۝ نزل علیک الکتٰب بالحق مصدقا لما بین یدیہ الآیۃ	حی قیوم خدا نے تجھ پر اس کامل صفات و جامع کمالات والے فرمان - پروانہ یا حکمنامہ کو حق حق اور سچ سچ اور پورا پورا بلاکم و کاست نازل کیا ہے جو پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔
۳	الاعراف	الٓمٓصٓ ۝ کتٰب انزل الیک الآیۃ	"یہ عظیم الشان جلیل القدر فرمان - پروانہ - حکمنامہ ہے جو تیری طرف نازل کیا گیا ہے۔
۴	یونس	الٓرٰ تلک اٰیٰت الکتٰب الحکیم	یہ آیات ہیں کامل صفات والی و جامع کمالات والے - فرمان - پروانہ حکمنامہ کی خبریں بات بات حکمت سے بھرپور ہے
۵	ھود	الٓرٰ کتٰب احکمت اٰیٰتہ ثم فصلت من لدن حکیم خبیر	یہ وہ عظیم الشان اور جلیل القدر فرمان ہے جو از پیشگاہ یا از اجلاس خدائے حکیم و خبیر جاری ہوا ہے اور جس کی آیات مدلل اور محکم کر دی گئی ہیں اور نہ صرف یہی بلکہ ان کی پوری پوری تشریح بھی کی گئی ہے۔
۶	یوسف	الٓرٰ تلک اٰیٰت الکتٰب المبین ۝ انا انزلنٰہ قرءٰنا عربیا لعلکم تعقلون ۝	یہ آیات ہیں کامل صفات و جامع کمالات والے فرمان کی جو خوب کھول کھول کر حق اور باطل کو ظاہر کرتا ہے اور ہم نے اس فرمان کو عربی زبان میں اتارا ہے تاکہ تم لوگ سمجھ سکو۔
۷	الرعد	الٓمٓرٰ تلک اٰیٰت الکتٰب والذی اُنزل الیک من ربک الحق ولکن اکثر الناس لا یؤمنون ۝	یہ آیات ہیں کامل صفات و جامع کمالات والے فرمان کی اسے نبی! تیرے رب کی پیشگاہ سے جو کچھ تجھ پر نازل ہوا ہے وہ بالکل سچ سچ اور محض حق حق ہے مگر بہت لوگ (جن و انس) اوس فرمان الٰہی کے احکام کی تعمیل صدق دل سے نہیں کرتے۔
۸	ابراھیم	الٓرٰ کتٰب انزلنٰہ الیک لتخرج الناس من الظلمٰت الی النور باذن ربھم الی صراط العزیز الحمید ۝	یہ وہ عظیم الشان اور جلیل القدر فرمان ہے جسے ہم نے اسے نبی! تیری طرف اس لئے نازل کیا ہے کہ تو جملہ معشر الجن والانس کو ان کے رب کے فرمان کے موافق جملہ قسم کے شکوک و شبہات و کفر و شرک وغیرہ کے اندھیروں سے نکال کر ان کے بالمقابل یقین و ایمان و توحید وغیرہ کے نور کی طرف لا دے یعنی ان کو ہر قسم کے غلبہ والے اور ہر قسم کے حمد کے سزاوار خدا کے بنائے ہوئے رستے پر لا دے۔
۹	الحجر	الٓرٰ تلک اٰیٰت الکتٰب وقرءان مبین	"یہ آیات ہیں کامل صفات و جامع کمالات والے فرمان کی جس کے یہ دو وصف ہیں کہ ایک تو وہ تحریر میں آ چکا ہے دوسرے یہ کہ وہ تقریر میں زبانی طور پر بھی پڑھا پڑھایا جاتا ہے آسمان میں بھی اور زمین میں بھی اور اسکے جملہ مطالب صاف صاف ہیں۔

نمبر شمار	نام سورت	طرز بیان	ترجمہ
۱۰	مریم	کھیعص ٥ ذکر رحمت ربک عبدہ زکریا . . . . واذکر فی الکتاب ابراھیم . . . . واذکر فی الکتب موسی . . . . . . واذکر فی الکتب اسمعیل . . . . . . واذکر فی الکتب ادریس . . . . فانما یسرنٰہ بلسانک لتبشر بہ المتقین وتنذر بہ قوما لدا ـ	"اے نبی یہہ اُس رحمت اور مہربانی کا بیان ہے جو تیرے رب نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی۔ اس مہربانی کے ذکر کے بعد پھر مریم علیہا الصلوٰۃ والسلام و دیگر انبیاءؑ مثلاً ابراہیم۔ اسحاق۔ یعقوب۔ موسیٰ۔ ہارون۔ اسمٰعیل۔ ادریس انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر جو جو مہربانیاں فرمائی ہیں اُن کا ذکر فرمایا اور ان کی نسبت اس طرح پر فرمایا واذکر فی الکتب یعنی ان نبیوں پر جو مہربانیاں اور انعام واکرام اللہ تعالےٰ نے عطا فرمائے ہیں وہ سب اس عظیم الشان اور جلیل القدر کامل صفات و جامع کمالات والے قرآن میں موجود ہیں اور اسے نبی تو اس قرآن میں سے پڑھ پڑھ کر ان کا حال سنا پھر آخیر پر اس طرح پر فرمایا کہ اسے نبی ہم نے اس قرآن کریم کو تیری بولی میں اسلئے آسان اور سہل کر دیا ہے تاکہ تو اُن لوگوں کو جو تقوےٰ کے خواستگار رہیں اور فطرت اللہ اور خلق اللہ کی تغییر و تبدیل سے بچنا چاہتے ہیں خوشخبری سنا دے اور ان لوگوں کو جو تقوےٰ کے خواہاں نہیں ہیں اور فطرت اللہ اور خلق اللہ کی تغییر و تبدیل کرتے رہتے ہیں خدا کے غضب اور قہر کا ڈر سنا دے
۱۱	طٰہٰ	طٰہٰ ٥ ما انزلنا علیک القرآن لتشقی ٥ الا تذکرۃ لمن یخشی ٥ تنزیلا ممن خلق الارض والسموات العلی ٥	"اے نبی (صلعم) اس کامل صفات و جامع کمالات والے قرآن کو تجھ پر اسواسطے تو نہیں اتارا کہ تو خواہ مخواہ تکلیف مالا یطاق پڑا اٹھاوے تا اس اس کو ایک نصیحت کر کے اتارا ہے سو بھی اُن کے لئے جو خدا کا ڈر پیدا کریں یہہ فرمان الٰہی اُس ذات پاک کی پیشگاہ سے نازل شدہ ہے جس نے اونچے اونچے آسمانوں اور زمینوں یعنے تمام اشیاء علوی و سفلی کو پیدا کیا ہے۔
۱۲	الشعراء	طسم ٥ تلک ایت الکتب المبین ٥ لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین ٥	"یہہ آیات ہیں کامل صفات و جامع کمالات والے قرآن کی جو حق اور باطل کو خوب کھول کھول کر بیان کرتا ہے اور ہدایت کے بیان کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑتا یعنے کسی مخاطب کا کوئی عذر باقی نہیں چھوڑتا تو اسے نبی بس تو پھر کس واسطے تکلیف مالا یطاق اٹھاتا ہے اور معاندین کے عناد پر غم کھا کھا کر اپنی ہلاکت چاہتا ہے اس طرح پر تو تو اپنی جان کو آپ ہلاک کر لیگا۔ غرضکہ ایسا نہ کیا کر۔
۱۳	النمل	طسٓ ٥ تلک ایت القرآن وکتاب مبین	یہہ آیات ہیں کامل صفات و جامع کمالات والے قرآن کی اور

نمبر شمار	نام سورت	طرز بیان	ترجمہ
۱۳	النمل	ھدی وبشریٰ للمؤمنین۔	حق و باطل کو کھول کھول کر بیان کرنے والی عظیم الشان جلیل القدر کتاب کی یعنی اس فرمان الٰہی کے دو وصف ہیں کہ آسمان میں بھی یہہ تحریری اور تقریری طور پر استعمال ہوتا ہے اور زمین پر بھی ایسا ہی ہے جو لوگ طالب ایمان ہوتے ہیں اُن کو راہ راست پر لے آتا ہے اور ان کو جنت کی بشارت سناتا ہے۔
۱۴	القصص	طسم تلک آیٰت الکتٰب المبین ٥	"یہہ آیات ہیں کامل صفات و جامع کمالات والے فرمان کی جو کھول کھول کر جملہ مسائل دین بیان کرتا ہے۔"
۱۵	العنکبوت	الٓمٓ احسب الناس ان یترکوا ان یقولو × وکذٰلک انزلنا الیک الکتٰب	"کیا لوگوں نے یہہ سمجھ رکھا ہے کہ بس اتنے زبانی ایمان پر کہ ہم مسلمان ہیں وہ چھوٹ جاویں گے اور ان کو ایسی مصیبت نہ ڈالی جاوے جس سے ان کے زبانی دعووں کا صدق اور کذب عام طور پر سب لوگوں میں ظاہر باہر ہو جاوے اس سورت کے شروع میں طرز بیان بدل گئی ہے اللہ تعالیٰ نے زبانی مدعیان اسلام کو سخت تنبیہہ کی ہے کہ ایسا خیال خام مت رکھو کہ تم زبانی کارروائیوں پر جنت کے وارث بن جاؤگے پھر اس کے بعد یہہ اصول قائم کر کے کہ تم سے پہلی امتوں کے مدعیان ایمان پر بھی مصائب و شدائد آتے رہے ہیں اور ان کے دعووں کے صدق و کذب بھی آپس میں لوگوں میں ظاہر ہوتے رہے ہیں اور رسولوں کے سچے اور مخلصین تابعداروں کو ہم نجات دیتے رہے ہیں اور ان کے مخالفوں کو ہلاک کرتے رہے ہیں پھر اس کے بعد نوح۔ ابراہیم۔ لوط۔ موسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بیانات مناسب موقع پر بیان فرما کر کہہ دیا کہ اے نبی جس طرح مرقوم الصدر انبیاء کے ذریعے اُن کے وقت کے لوگوں کے لئے ہم تحریری پروانے اور فرمان بھیجتے رہے ہیں اسی طرح اس زمانہ آخری میں اس کامل صفات و جامع کمالات والے فرمان کو نازل کیا ہے۔ یعنی اس سورت میں ممثل بہ پہلے مذکور کیا گیا ہے اور ممثل کو پیچھے۔
۱۶	الروم	الٓمٓ غلبت الروم × ولقد ضربنا للناس فی ھذا القرآن من کل مثل۔	رومی نصاریٰ مغلوب ہو گئے۔ . . . . اس سورت میں بھی طرز بیان بدل گئی ہے اللہ تعالیٰ علام الغیوب مالک فتح و شکست کئی سال پیشتر سے خبر دیتا ہے کہ یہی مغلوب نصاریٰ تھوڑے سے عرصہ میں اپنے غالب فاتحین پر غالب ہو جاوینگے

نمبر شمار	نام سورت	طرز بیان	ترجمہ
			اور پھر مومن خوش ہوں گے یہہ اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے اور اللہ اپنے وعدوں کا کبھی خلاف نہیں کرتا مگر عموماً لوگ اس عالم اسباب کے ظاہری اسباب میں پھنسکر اصلی حقیقت کی طرف غور و تدبر کرنے سے رہ جاتے ہیں اور اپنی غلط فہمیوں سے کچھ کا کچھ نتیجہ نکال لیتے ہیں۔ غرضکہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی بھاری پیشگوئی کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہہ پیشگوئی پوری ہو کر رہے گی اس کے بعد ظاہر بینی کی عادت چھوڑ لینے اور ہر ایک واقعہ قدرتی کے اصلی اسباب میں تدبر و تفکر کرنے کی تعلیم فرمائی اور ہر قسم کے بدیہیات کا نقشہ کھینچ کر لوگوں کے سامنے رکھدیا کہ فلاں بدیہی امر کو دیکھو فلاں بدیہی بات میں غور کرو وغیرہ وغیرہ ان سب میں بڑی بڑی دلیل اور واضح نشانیاں ہیں پر ان کے لئے جو تفکر کرتے ہیں جو سمجھ رکھتے ہیں جو دھیان دیکر حکمت کی باتیں سنتے ہیں جو عقل رکھتے ہیں اس کے بعد اور طرح بطرح کے احکام مذہبی و تمدنی و تاکیدی و تہدیدی بیان فرماتے اور کچھ امثلہ بدیہیات بیان فرمائیں آخر کار سب سے پیچھے جا کر فرما دیا کہ ہم نے اس کامل صفات و جامع کمالات والے قرآن میں جو ہمارا فرمان ہے سبھی طرح کی مثالیں بیان کر دی ہیں تاکہ لوگ ان کو پڑھ سنکر خوب غور و فکر کر کے فائدہ اٹھا دیں۔
۱۷	لقمان	الٓمٓ ۝ تلک آیت الکتاب الحکیم هدی و رحمۃ للمحسنین ۝	یہہ آیات ہیں کامل صفات و جامع کمالات والے فرمان کی جو سراسر حکمت سے مالامال ہے اور یہہ فرمان ہدایت نامہ ہے اُن لوگوں کے لئے جو باخلاص نیکوکار بننا چاہیں اور نیز موجب رحمت ہے۔
۱۸	السجدہ	الٓمٓ ۝ تنزیل الکتب لاریب فیه من رب العلمین۔	اسمیں کچھ بھی شک نہیں کہ یہہ کامل صفات و جامع کمالات والا فرمان از پیشگاہ رب العلمین نازل ہوا ہے۔
۱۹	یٰسٓ	یٰسٓ والقرآن الحکیم انک لمن المرسلین تنزیل العزیز الرحیم	یٰسٓ۔ اس اللہ کی قسم جسنے کامل صفات و جامع کمالات والے قرآن کو جس کی سراسر حکمت کی باتیں ہیں نازل فرمایا کہ اے محمد تو سچ مچ بلا شک و شبہ منجملہ اُن رسولوں کی ہے جو اللہ تعالےٰ تجھ سے پہلے دنیا میں بھیج چکا ہے اور تو سیدھے رستہ پر جا رہا ہے یہہ فرمان ہر قسم کے غلبے والے مہربان خدا کا نازل فرمایا ہوا ہے۔
۲۰	صٓ	صٓ والقرآن ذی الذکر	صٓ۔ اُس خدا کی قسم جسنے کامل صفات و جامع کمالات والے قرآن کو جو نصیحت ہی نصیحت ہے نازل فرمایا ہے کہ واقعی یہہ فرمان خدا تعالےٰ کا نازل شدہ

نمبر شمار	نام سورت	طرز بیان	ترجمہ
۲۱	المومن	حٰمٓ ۚ تنزیل الکتٰب من اللہ العزیز العلیم ۙ غافر الذنب وقابل التوب شدید العقاب ذی الطول ۙ لا الٰہ الا ھو الیہ المصیر ۝	حٰمٓ - یہہ کامل صفات وجامع کمالات والا فرمان از پیشگاہ خداوندی نازل ہوتاہے جو ہر قسم کے غلبے اور ہر چیز کے حال اندرونی وبیرونی سے پورا پورا علم رکھنے والا ہے ہر قسم کے قصور کا معاف کرنیوالا اور توبہ قبول کرنے والا سخت سزا دینے والا اور بڑا فضل کرنے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اسی کے پاس سب کو لوٹ کر جانا ہے
۲۲	حٰم السجدۃ	حٰمٓ ۚ تنزیلٌ من الرحمٰن الرحیم ۚ کتٰب فصلت اٰیٰتہ قراٰنا عربیا لقوم یعلمون ۙ بشیرا ونذیرا ۚ	حٰمٓ - خداوند رحمان ورحیم کے حضور سے یہہ فرمان نازل ہوتاہے یہہ فرمان تحریری ہے اور پڑھے جانے کے قابل ہے اس کے جملہ احکام عربی بولی میں اُن لوگوں کے لئے جو علم حاصل کرنا چاہیں اور اس فرمان کو پڑہیں تشریح اور تفصیل کے ساتھ بیان کئے جاچکے ہیں جو اس کی تعمیل کرتے ہیں اُن کو خوشنودی کی بشارت دیتاہے جو نہیں کرتے اُن کو خدا کے عذاب کا ڈر سناتاہے۔
۲۳	الشوریٰ	حٰمٓ ۚ عٓسٓقٓ ۝ کذلک یوحی الیک والی الذین من قبلک اللہ العزیز الحکیم ۝	حٰمٓ - عٓسٓقٓ - اے نبی تیری طرف بھی اور تجھ سے پہلے رسولوں کی طرف بھی اسی طرح اللہ تعالے جو ہر قسم کے غلبے والا اور باحکمت ہے اپنے فرمان نازل فرماتا رہاہے۔
۲۴	الزخرف	حٰمٓ ۚ والکتٰب المبین ۙ انا جعلنٰہ قراٰنا عربیا لعلکم تعقلون ۝ وانہ فی ام الکتٰب لدینا لعلی حکیم ۝ -	حٰمٓ - اُس خدا کی قسم جس نے اس کامل صفات وجامع کمالات والے فرمان کو جو حق وباطل کو کھول کھول کر بیان کرتاہے نازل کیاہے یہہ فرمان اللہ تعالیٰ کاہی نازل شدہ ہے۔ اس قرآن شریف کو ہم نے عربی زبان میں اسواسطے بھیجاہے کہ تم لوگ اسکو بخوبی سمجھ سکو اور یوں تو یہہ قرآن ہماری درگاہ میں لوح محفوظ کے اندر لکھا لکھایا موجود ہے اور بڑی اونچی شان والا اور پراز حکمت ہے۔
۲۵	الدخان	حٰمٓ ۚ والکتٰب المبین ۝	حٰمٓ جس ذات پاک نے اس کامل صفات وجامع کمالات والی فرمان کو جو دین کی بات بات کو خوب کھول کھول کر بیان کرتاہے اُتاراہے اُس کی قسم ہے کہ یہہ اللہ تعالیٰ ہی کا نازل کیا ہواہے۔
۲۶	الجاثیہ	حٰمٓ ۚ تنزیل الکتٰب من اللہ العزیز الحکیم	حٰمٓ یہہ کامل صفات وجامع وکمالات والا فرمان از درگاہ خداوندی نازل ہوتاہے جو ہر قسم کے غلبے والا اور بڑا باحکمت ہے۔
۲۷	الاحقاف	حٰمٓ ۝ تنزیل الکتٰب من اللہ العزیز الحکیم ۝	حٰمٓ - یہہ کامل صفات وجامع کمالات والا فرمان از درگاہ خداوندی

نمبر شمار	نام سورت	طرز بیان	ترجمہ
			نازل ہوتا ہے جو ہر قسم کے غلبے والا اور بڑا باحکمت ہے۔
۲۸	ق	ق ۵ والقرآن المجید۵	ق۔ اُس رب کی قسم جسنے اس کامل صفات وجامع کمالات والے فرمان یعنے قرآن شریف کو نازل فرمایا کہ تو سچا رسول ہے۔
۲۹	القلم	ن والقلم وما یسطرون۵ ما انت بنعمۃ ربک بمجنون × عظیم . . . . وما ھو الا ذکر للعالمین	ن۔ خالق قلم وخالق کتابت کی قسم کہ اے نبی تو اپنے رب کی نعمت یعنے قرآن مجید کے سبب مجنون نہیں ہے جیسا کہ منکروں کا قول ہے اور بلاشک وشبہ تیرے لئے اتنا بڑا اجر ہے کہ جس کا سلسلہ کبھی ٹوٹنے کا ہی نہیں اور بلاشک وشبہ تو خلق عظیم پر ہے یعنے تیرے اوصاف حمیدہ اور خصائل محمودہ ایسے ہیں جو بالکل خبط کے منافی ہیں۔ اس سورت میں بھی طرز بیان بدل گئی ہے اللہ تعالے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ و فطرت سلیم کو بیان کرکے یہ جتاتا ہے کہ مجنون ایسا نہیں ہوا کرتا پھر اسی بات کی تائید وتعریف میں بہت سے مسائل ضمناً بیان کئے مثلاً یہ کہ ہم کو خوب معلوم ہے کہ کون ہمارا مطیع ہے اور کون سرکش ہے پھر ایک عبرتناک اور پرازنصیحت قصہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ ان سرکشوں سے پوچھو کہ تمہارے پاس بھی کوئی فرمان ایزدی ہے جسکے پڑھنے سے تم کو معلوم ہوتا ہے کہ تمکو وہی کچھ ملیگا جو تم چاہوگے پھر صبر وحوصلہ کرنے کی تلقین کے بعد فرمایا کہ منکر لوگ قرآن شریف کو سن سنکر کہہ دیتے ہیں کہ اسکا سنانیوالا یہ ہی پاگل ومجنون ہے اور اللہ تعالی اُس کے جواب میں اسکی پاکی بیان کرکے کیا پاکیزہ فرماتے ہیں کہ ہمارا فرمان جو ہم نے نازل کیا ہے کل عالم کیلئے نصیحت نامہ ہے اس میں جنون یا پاگل پنے کی کوئی بات نہیں ہے

اوپر کی سورتوں میں سے نمبر ۵ ۔ ۱۱ ۔ ۱۸ ۔ ۲۱ ۔ ۲۲ ۔ ۲۶ ۔ ۲۷ ۔ یعنے سات سورتوں میں تو صاف صاف اور بالکل مفصل طور پر طرز جداگانہ اختیار کی گئی ہے اور باقی کی سورتوں میں صرف ربط رکھا ہے۔ پس مفصل طرز جو اختیار کی گئی ہے وہ اسی دستور متعارف کے مطابق اختیار کی گئی ہے جو دنیوی حکام کے پروانوں اور حکمناموں اور فرمانوں کی پیشانی پر لکھی ہوئی پائی جاتی ہے یعنی بحکم یا باجلاس بارگاہ فلاں حاکم بنام فلاں یا فلاں یہ پروانہ بدیں مضمون جاری کیا گیا ہے یا کیا جاتا ہے کہ لوگ اس کے مطابق عملدرآمد کریں سو اوپر کی سورتوں کے عنوانوں اور پیشانیوں کو دیکھو اُن میں برابر یہی الفاظ درج ہیں کہ یہ پروانہ یا حکمنامہ یا فرمان جو تحریر وتقریر دونوں میں آچکا ہے از بارگاہ ۵ رب العالمین۔ از درگاہ خدائے رحمان ورحیم۔ از حضور خدائے عزیز وحکیم وعلیم بنام جملہ عباد اللہ برائے تعمیل احکام مندرجہ پروانہ جاری کیا جاتا ہے۔ یہ طرز قرآنی خود بخود آواز بلند صاف صاف اور صریح لفظوں میں کہہ رہی ہے کہ حروف مقطعات ضرور ضرور اور یقیناً یقیناً ان سورتوں کے اوائل میں ہیں صرف اُس عالم حقیقی کے دستخط ہیں اور بس۔

اور چونکہ دستخط صرف حاکم کا نام ہوتا ہے اور اللہ تعالے حاکم حقیقی کے بہت سے اسمار حسنی ہیں اسواسطے حروف مقطعات سب کے سب اللہ تعالی کے اسما حسنی ہوتے ہیں
اور پس یہہ دستور یعنی پروانوں اور حکمناموں پر دستخط کرنے کا دستور دنیا کے دیگر ممالک کی طرح عرب میں بھی قدیم سے جاری تھا اور یہہ دستور بھی برابر موجود
اور جاری تھا کہ کبھی کبھی ایک حرف بولتے اور اوس سے مراد کوئی خاص مطلب یعنی پورا جملہ ہوتی مثلاً یہہ شعر اس بارہ میں صریح دلیل ہے۔ قُلْتُ لَهَا قِفِي
فَقَالَتْ لِيْ قٓ - لَا تَحْسَبِيْ اِنَّا نَسِيْنَا الْاِيْجَافَ - یعنی پہلے اوس سائل نے سوار عورت سے کہا کہ ذری ٹھیر جا اور یہہ خیال مت کر کہ ہم سانڈھنی ہکانا بھول گئے ہیں تب
اوس نے جواب دیا قٓ (قاف) یعنی قِفْتُ مطلب یہہ ہے کہ میں ٹھیر گئی ہوں۔ سو یہاں صرف حرف قٓ بولا گیا ہے اور مراد اوس سے پورا جملہ قفت ہے اسی طرح تمام
ممالک میں یہاں لکھنا پڑھنا جاری ہے بعض رموز اور علامات بصورت حروف و اشکال ہندسیہ و اجرام فلکیہ وغیرہ وغیرہ ....
خاص خاص ناموں اور کاموں اور کارخانوں اور کتابوں اور دیگر افعال و اسمار و اعداد کے لئے مقرر اور معین کی جاتی ہیں اور ان کا مقرر کرنا از بس ضروری ہوتا ہے
اگر مقرر نہ کی جاویں تو سخت ہرج مرج واقع ہو جاوے اور بہت سے کام الٹ پلٹ ہو جاویں اور اس دستور سے نہ تو یہہ علم خالی ہے اور نہ وہ علم اور نہ یہہ قوم خالی
ہے اور نہ وہ قوم۔ چونکہ ہم حروف کا ذکر کر رہے ہیں اسواسطے دیگر علامات کو چھوڑ کر صرف انہیں رموز حرفیہ کے بعض مثالیں دیتے ہیں علم جبر و مقابلہ میں حروف سے کام لیکر
سے اعداد پر بحث کی جاتی ہے سرکاری خزانوں میں جو نمبر دیئے جاتے ہیں ان میں خاص خاص حرف خاص خاص عددوں کے لئے مقرر ہوتے ہیں علم الجبد
میں خاص خاص حرف سے خاص خاص اعداد مراد ہوتے ہیں اور یہہ دستور کل دنیا میں مسلم اور معمول بہ ہے اور قوموں کو چھوڑو مسلمانوں کو ہی دیکھو اور سب سے پہلے
ان کی دینی کتابوں کی طرف خیال دوڑاؤ خود قراء نے قرآن مجید کے وقفوں کے لئے علامات اور رموز مقرر کئے ہوئے ہیں مثلاً مٓ سے مراد ہے وقف لازم یعنی تم
قرآن شریف کے پڑھنے والے کو یہہ کہہ رہا ہے کہ تم یہاں پر ضرور ضرور وقف کرو اس جگہ کو اگلی کلمات سے مت ملاؤ۔ اسی طرح طٓ سے مراد ہے وقف مطلق جٓ سے مراد
وقف جائز ہے غرضکہ اوقاف کی پندرہ علامتیں ہیں جن میں سے آٹھ علامتیں صرف بذریعہ حروف مقرر کی گئی ہیں اور مراد ان سے پورا کلام ہوتا ہے حدیث
کی کتابوں میں بھی ائمہ حدیث نے بہت سی علامات اور رموز مقرر کی ہوئی ہیں۔ کتب صحاح ستہ میں اسناد کے درمیان ایک نشان حٓ حائے مہملہ کا لکھا ہوا
ہوتا ہے اور اوس سے مراد تحویل ہے یعنے ایک اسناد سے دوسرے اسناد کی طرف چلا جانا۔ ثنا علامت ہے حدثنا کی اور انا علامت ہے اخبرنا کی صحیح البخاری
میں رموزات و علامات مکتوب و مسطور ہیں قرآنی کی علامت حرف ق کشمیہنی کی علامت حرف ہ ہوتا ہے۔ اسی طرح لغت کی کتابوں میں بھی اسی قسم کی
علامات مقرر ہیں۔ کتب اسمار الرجال میں بھی اسی طرح بہت سے رموز اور علامات مقرر ہیں غرضکہ تمام دنیا کا اور پھر ہر طبقے اور ہر قسم کے لوگوں کا یہہ دستور رہا ہے
اسی واسطے جملہ فصحار و بلغار عرب میں بھی یہہ دستور قدیم سے جاری ساری تھا اور اللہ تعالے احکم الحاکمین نے بھی اپنے جملہ بندوں کی تفہیم کے واسطے
یہی دستور برتا اور ہدایت نامہ آسمانی فرمان رحمانی اور قرآن ربانی کی بعض سورتوں کے پہلے اپنے اسمار حسنی بطور اختصار مکتوب و مسطور و ثبت فرمائے اور
اسمار حسنی کی ایک فہرست ہم پہلے لکھ چکے ہیں دیکھو صفحہ ۵۱ پس انہیں اسمار حسنے میں سے کسی نہ کسی نام خداوندی کو حروف مقطعات ظاہر کرتے ہیں اور
چونکہ قرآن شریف میں جمیع اقسام کے مسایل متعلق دین و دنیا موجود ہیں اور اللہ تعالی کی بھی قسم قسم اور گوناگون صفاتی نام ہیں اسواسطے یہی ضرور تھا کہ بطور
اختصار و ایجاز و اقتصار کوئی ایسی علامت یا رمز مقرر کی جاوے جو قرآن شریف کے مختلف قسموں کے مضامین اور مطالب و مقاصد کے لحاظ سے اللہ
تعالے کے بہت سے ناموں کو شامل ہو مثلاً اگر اٌ ایک علامت ہے تو اس میں اللہ تعالے کے وہ تمام نام آجاویں جن میں حرف الف ہے خواہ پہلے خواہ
پیچھے خواہ درمیان میں۔ اور چونکہ قرآن کریم کے مضامین اس طرز پر بیان ہوئے ہیں کہ بعض آیات کے بیان کے بعد اللہ تعالے کے بعض صفاتی
نام آتے ہیں اور بعض آیات کے بیان کے بعد بعض دیگر اسمار حسنے اور کبھی کبھی جوڑا جوڑا ہو کر یہہ اسمار بعد بیان آیات مذکور ہوتے ہیں اور کبھی اوس سے
بھی زیادہ جمع ہو کر اسواسطے یقینی اور لازمی اور ضروری نتیجہ یہہ نکلتا ہے کہ حروف مقطعات میں بالیقین وہ سب کے سب اسمار حسنی داخل اور شامل
ہوتے ہیں جن میں وہ حروف مقطعات آتے ہیں جیسا کہ اوپر الف کی مثال دیکر سمجھا دیا گیا ہے۔ پس سورۃ البقرۃ کے پہلے حروف مقطعات یعنی اٌ
لٌ مٌ یقیناً یقیناً اسمار حسنے خداوندی ہیں اور اسمار بھی وہ ہیں جن میں اٌ اور لٌ اور مٌ موجود ہوتا ہے خواہ لفظ کے اول میں خواہ بعد میں خواہ وسط میں
اور یہہ الٓمّٓ گویا بمنزلہ دستخط احکم الحاکمین ہے اور جس پروانہ پر یہہ دستخط ہیں وہ وہ پروانہ ہے جو سورۃ البقرۃ کے نام سے مشہور ہے پس فہرست اسمار حسنی
کو جو پہلے لکھی جا چکی ہے دیکھو صفحہ ۵۱ اوس کو مدنظر رکھ کر یا قرآن شریف یاد ہو تو اوس میں سے اللہ تعالے کے جملہ اسمار حسنی کو زیر نظر رکھ کر دیکھو کہ
کن کن ناموں میں حروف اٌ - لٌ - مٌ موجود ہیں خواہ اول میں خواہ آخر میں۔ خواہ بیچ میں مثلاً دیکھو لفظ اللہ اور الاحد میں الف آتا ہے۔ اور
الملک - السلام - الخالق - اللطیف - العلیم - الجلیل میں ل آتا ہے۔ اور الملک - السلام - المومن - المہیمن - الحکیم

الرحیم - الحلیم - الکتاب پھر بیہم آتا ہے پس الم ان جملہ اسماء کو شامل ہے - اسی طرح جملہ حروف مقطعات کا حال ہے جو باقی کی سورتوں کے پہلے ہوتے ہیں - دیکھو کتنا بڑا فائدہ اس اختصار اور ایجاز نے دیا ہے اللہ تعالے کے بہت سے نام جنکے ساتھ قرآن شریف کے بہت سے علوم اور مضامین اور مقاصد اور مطالب وابستہ ہیں اس مختصر علامت الم میں آگئے ہیں اگر یہہ مختصر علامت نہ ہوتی تو پھر اللہ تعالے کے وہ سارے اسماء حسنی جنمیں یہہ حروف واقع ہیں الگ الگ طور پر لکھنے پڑتے جو موجب طوالت و ملالت ہوجاتے اور حکیم کی حکمت کو باطل کر دیتے - یا اگر ایک آدھ نام لکھدیئے جاتے تو پھر یہہ مقصود جو مختصر علامت سے حاصل ہوتا ہے ہرگز ہرگز کبھی بھی حاصل نہ ہوتا -

ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ سورۃ فاتحہ ایسی ہے کہ اسکی طرز بیان بھی پہلی قسم کی سورتوں کی طرح ہے یعنی اُن سورتوں کی طرح جنمیں حاکمانہ طرز اختیار کی گئی ہے مگر اس کے شروع میں کوئی حرف مقطعہ یا مقطعات نہیں ہیں اور اس کی بابت ہم کہہ چکے ہیں کہ اس کا کافی شافی جواب دیا جاویگا سو اب اسوقت بتوفیقہٖ تعالے اس کا جواب دیا جاتا ہے - واضح ہو کہ جس طرح قرآن شریف کی آیات میں باہمی ارتباط ہے اسی طرح اس کی جملہ سورتوں میں بھی ارتباط ہے - یعنے اوپر کی سورت کو نیچے کی سورت کے ساتھ ضرور ضرور ارتباط ہوتا ہے کیونکہ سارا قرآن شریف من اولہ الی آخرہ یعنے سورۃ الفاتحہ سے لیکر سورۃ الناس تک اسی ترتیب کے ساتھ نازل ہوا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے روبرو اسی ترتیب کے ساتھ لکھوایا جس ترتیب کے ساتھ یہہ قرآن کریم لوح محفوظ میں لکھا ہوا موجود ہے اور پھر اسی ترتیب کے ساتھ جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عمر بھر دور کرتے رہے - پوری پوری تفصیل پہلے صفحہ ۳۰ میں ہو چکی ہے - پس قرآن کریم کی جملہ سورتیں بلحاظ طرز بیان دو قسم کی ہیں جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے - اور بلحاظ مضمون یا ذکر مسائل تین قسم پر ہیں - اول تو وہ سورتیں ہیں جو اصل ہیں دوم وہ سورتیں ہیں جو اس اصل کی تفصیل اور تفسیر اور اس کے طریق تعمیل کی تبیین کرتی ہیں سوم وہ سورتیں ہیں جو فقط خلاصہ ہوتی ہیں پہلی دونو قسموں کی سورتونکا - چنانچہ خود اللہ تعالے نے سورۃ فاتحہ کو سارے قرآن شریف کا خلاصہ بیان فرماتا ہے اور اسکا نام القرآن العظیم رکھتا ہے حالانکہ یہہ صرف سات آیات ہیں اسی طرح مفسر ثانی کلام ربانی یعنے خود حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانی معلوم ہوتا ہے کہ بعض بعض سورتیں قرآن شریف کا ثلث اور ربع ہوتی ہیں مثلاً سورۃ اخلاص یعنے قل ھو اللہ احد سارے قرآن شریف کا ثلث ہے - حالانکہ بسم اللہ سمیت اس کی پانچ آیات ہیں -

عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ ان رجلا سمع رجلا یقرء قل ھو اللّٰہ احد یرددھا فلما اصبح جاء الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فذکر ذالک لہ وکان الرجل یتقالھا فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ انھا لتعدل ثلث القرآن - (بخاری کتاب فضائل القرآن باب فضل قل ھو اللّٰہ احد)

"ابو سعید خدری رضی اللہ تعالے عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ایک شخص کو قل ھو اللہ پڑھتے اور بار بار دوہراتے سنا جب صبح ہوئی تو خدمت بابرکت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر یہہ واقعہ بیان کیا اور اس کے دل میں اس سورت کی بزرگی اور قدر و منزلت کچھہ کم سی تھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا کہ جس ذات پاک کے ہاتھ میں میری جان ہے اس کی قسم کھا کر میں کہتا ہوں کہ یہہ سورت سارے قرآن مجید کی ایک تہائی کے برابر ہے"

عن انس بن مالک رض ان رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم قال لرجل من اصحابہ ھل تزوجت یا فلان قال لا واللّٰہ یا رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم ولا عندی ما اتزوج قال الیس معک قل ھو اللّٰہ احد قال بلیٰ قال ثلث القرآن قال الیس معک اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح قال بلیٰ قال ربع القرآن قال الیس معک قل یا ایھا الکافرون قال بلیٰ قال ربع القرآن قال الیس معک اذا زلزلت الارض قال بلیٰ قال ربع القرآن قال تزوج ھذا حدیث حسن - (ترمذی کتاب فضائل القرآن باب فی اذا زلزلت)

"انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے پوچھا کہ تم نے شادی کر لی ہے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں نے شادی نہیں کی شادی کرنے کے لئے میرے پاس کچھہ بھی نہیں ہے آپ نے پوچھا کیا تیرے پاس قل ھو اللہ احد نہیں ہے عرض کیا کیوں نہیں یہہ تو ہے فرمایا یہہ قرآن شریف کا تیسرا حصہ ہے - پوچھا گیا تجھے اذا جاء نصر اللہ والفتح یاد نہیں عرض کیا یاد ہے فرمایا یہہ قرآن کریم کی چوتھائی ہے - پوچھا گیا تجھے قل یا ایھا الکافرون یاد ہے عرض کیا یاد ہے فرمایا قرآن شریف کی چوتھائی ہے پوچھا گیا تجھے اذا زلزلت الارض یاد ہے عرض کیا ہاں یاد فرمایا یہہ بھی قرآن کریم کی چوتھائی ہے پھر فرمایا اب جا شادی کر لے شادی کر لے

غرضیکہ تین قسم کی سورتیں ہیں اوّل تو وہ جو اصل ہیں دوّم وہ جو تفسیر و تشریح و تفصیل ہیں۔ سوّم وہ جو خلاصہ ہیں سو ظاہر ہے کہ جو اصل ہیں اُن سب کے پہلے حروف مقطعات کا ہونا ضروری ہے اور باقی دونو قسموں کے لئے ان حروف کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ ان اصلوں کے پہلے دستخط ہو چکے ہیں پس یہی وجہ ہے کہ سورۂ زمر کے پہلے حروف مقطعات کیوں نہیں ہیں اور چونکہ سارے قرآن کریم کی سورتوں کی ترتیب بھی آسمانی ترتیب ہے یعنی لوح محفوظ والی ترتیب ہے اسواسطے ضروری ہے کہ اس کے اوپر نیچے کی سورتوں میں ترتیب ہی ہو دے اور اگر کوئی اصل سورت ہے تو اُس اصل سورت کی تفسیر و تفصیل بھی کہیں موجود ہو سو یہاں سورۂ زمر سورۂ صٓ کے پیچھے ہے اور سورہ صٓ میں صٓ حرف مقطعہ ہے پس یہہ سورت اصل ہے اور سورۂ زمر کے پہلے کوئی بھی حرف مقطعہ نہیں ہے پس وہ سورت اس کی تشریح و تفصیل ہے۔ اب ہم ان دونو کے مضمونوں کو دیکھتے ہیں اور بتوفیقہ تعالیٰ بتاتے ہیں کہ حقیقت میں یہی بات ہے اور یہی حق ہے کہ سورۂ صٓ کے اصل مضمون کی تفصیل سورۂ زمر میں موجود ہے اسی واسطے اس سورت کے پہلے کوئی بھی حرف مقطعہ نہیں ہے اور نہ اس کی ضرورت ہی ہے۔ سورۂ صٓ کا خلاصہ یہہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک معبود واحد کی عبادت کی تعلیم کی اور کفار نے اس تعلیم کو برا جانا اور یہہ کہا کہ ایسی تعلیم بالکل من گھڑت اور نئی ہے کسی پہلے مذہب اور دین میں ایسی تعلیم نہیں ہوئی ہے پھر اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس اعتراض اور اس کے لوازمات کو خلاصہ کے طور پر بیان کر کے ساری سورت میں اس کی تردید کی اول انہیں کے سے اعتقاد اور انکار والی اقوام سابقہ کا مجمل ذکر کیا پھر ان کے اس اعتراض کی کہ پہلے دینوں میں ایسی تعلیم یعنے صرف ایک ہی معبود کی عبادت کرنا موجود نہیں ہے اس طرح پر تردید کی کہ بعض انبیاء سابقین کا کچھ تذکرہ کیا جنکی تعلیم یقیناً وہی تھی جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہے اور حالات بھی وہ بیان کئے جن میں بعض انبیاء رم نے مضطر ہو کر بارگاہ ایزدی عاجزی اور دعا کی اور اللہ تعالےٰ نے ان کی دعاؤں کو قبول فرمایا اور ان کو درجات عالیہ عنایت کئے یعنی ان کے حالات سے یہہ بخوبی جتلا دیا کہ وہ انبیاء معظمین و مقربین خود ایک ہی معبود حقیقی کی عبادت کیا کرتے تھے اور اسی ایک خدا کی عبادت کی طرف لوگوں کو بلاتے تھے اور پھر اس تعلیم کی ابتداء کا شروع آدمؑ تک پہونچا دیا اور سمجھا دیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہہ کہنا کہ تم فقط ایک ہی معبود حقیقی کی عبادت کیا کرو ایسی تعلیم ہے کہ شروع سے لیکر اب تک یہی تعلیم رہی ہے نہ کہ تمہاری تعلیم یعنی بہت سے معبودوں کی عبادت کرنا بلکہ تمہاری تعلیم ہی پس من گھڑت اور افترا پردازی اور شیطانی تعلیم ہے کیونکہ یہہ شیطان کا قول ہے فبعزتك لاغوینهم اجمعین الا عبادك منهم المخلصین یعنے اے الٰہ العالمین مجھے بھی تو اب تیری ہی عزت کی قسم ہے کہ بنی آدم میں سے تیرے ایسے بندوں کو جنکو تو اپنے دین کے لئے خالص کرے گا چھوڑ کر باقی سب کو ضرور ضرور بہکا دوں گا۔

غرضکہ اس ساری سورت کا لب لباب یہہ ہے کہ آدم علیہ السلام سے لیکر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تک جتنے نبی گزر چکے ہیں سب کی یہی تعلیم رہی ہے کہ خداے واحد ہی کو معبود حقیقی جانو اور اس کے سوائے جسقدر مخلوقات ہے کوئی بھی سزاوار عبادت نہیں ہے اور یہہ کہ صرف مخلص لوگ ہی شیطان کے پھندے سے بچیں گے بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت تو کرتے ہیں مگر چونکہ عبادت کو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خالص نہیں کر دیتے اس لئے توحید کی دوسری لازمی شق اخلاص کا ذکر اس کے متصل ہے سورۂ زمر میں فرمایا کہ کوئی یہہ نہ سمجھ لے کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کر چھوڑیں اور ماسوائے اللہ کو چھوڑیں تو تب ہی ہماری نجات ہو جاویگی نہیں نہیں ایسا کبھی وہم و خیال بھی نہ چاہئے کیونکہ جس طرح اللہ تعالےٰ کو واحد جاننا اور اس کی عبادت کرنا فرض ہے اسی طرح جملہ انواع و اقسام عبادات قولیہ فعلیہ قلبیہ مالیہ مرکبہ خاص اسی کے لئے خاص کرنے فرض ہیں جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ

وما یؤمن اکثرهم بالله الا وهم مشركون (پ۱۳ ع۶)

اللہ پر ایمان رکھنے کا دعوے بھی ہے مگر ہیں وہ مشرک!!

لا اكراه فی الدین قد تبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن بالله فقد استمسك بالعروة الوثقی لا انفصام لها (پ۳ ع۲)۔

دین کے کسی معاملہ میں کسی قسم کا جبر مفید نہیں ہے کیونکہ دین کی ہر قسم کی ہدایت اور ہر قسم کی گمراہی ظاہر باہر ہو چکی پس جو کوئی ہر قسم کی طاغوت یعنی معبودان باطلہ کا منکر ہوا اور اللہ تعالےٰ ہی کا مومن ہو تو بس اسی نے کامل درجے کی محکم رسی اور ذریعے کو پکڑ لیا جو ٹوٹنے والا نہیں ہے۔

اس سورت زمر کو تلاوت کرو اور اس کے مضامین پر غور کرو اور دیکھ لو کہ اس میں جا بجا مفصل طور پر اخلاص کی تعلیم موجود ہے کما قال اللہ تعالیٰ فاعبد الله مخلصا له الدین الا لله الدین الخالص ط پ۲۳ ع۱۵ اُے نبی سو تو دین کے ہر ایک کام میں اللہ تعالیٰ ہی کی فرمانبرداری مدنظر رکھکر اخلاص کے ساتھ اسی کی عبادت کیا کر اور سن رکھ کہ دین کے جملہ امور میں خالص فرمانبرداری اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہے۔

قل انی امرت ان اعبد اللہ مخلصا لہ الدین ﴿پ ۲۳ ع ۱۶﴾	"اے نبی لوگوں کو سنادے کہ مجھے تو بس یہی حکم ہوا ہے کہ میں دین کی بات بات میں اللہ تعالیٰ ہی کی فرمانبرداری مدنظر رکھ کر اسی کی خالص عبادت کیا کروں"
قل اللہ اعبد مخلصا لہ دینی ﴿پ ۲۳ ع ۱۶﴾	"اے نبی لوگوں کو کہہ دے کہ میں تو اپنے دین میں اللہ تعالیٰ ہی کی فرمانبرداری مدنظر رکھ کر اسی کی عبادت کیا کرتا ہوں"
قل افغیر اللہ تامرونی اعبد ایہا الجاہلون ۝ ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک لئن اشرکت لیحبطن عملک ولتکونن من الخسرین ۝ بل اللہ فاعبد وکن من الشکرین ۝ ﴿پ ۲۴ ع ۴﴾	"اے نبی لوگوں سے کہہ دے کہ اے نادانو کیا تم مجھے یہ صلاح دیتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی اور کی پرستش کروں۔ اے نبی واقعی تیری طرف اور تجھ سے پہلے رسولوں کی طرف بھی حکم بھیجا گیا ہے کہ اگر تو شرک کرے گا تو تیرے سارے عمل بالکل ملیامیٹ ہو جاویں گے اور تو ضرور گھاٹا کھانے

والوں میں سے ہو جائے گا تو پس اے نبی تو اب کسی کی صلاح مشورہ کا خیال تک نہ کر اور اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کیا کر اور اس کے شکرگذار بندوں کے زمرہ میں رہا کر"

اب تو قطعی اور یقینی طور پر یہ ثابت ہو گیا ہے کہ سورۂ فاتحہ اصل میں سورۂ حٰم کا تتمہ اور ضمیمہ اور تکملہ اور تبصرہ ہے اسواسطے اس کے شروع میں کوئی حرف مقطع نہیں ہے الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب ۔

(۴) ذلک الکتاب لا ریب فیہ۔ کا ترجمہ ہم نے یہ کیا ہے "اس عالی قدر کامل صفات اور جامع کمالات والی کتاب میں کسی قسم کے شبہے اور شک کی گنجائش تک ممکن ہی نہیں" وجہ یہ ہے کہ ذٰلک اسم اشارہ بعید ہے اور بُعد کئی قسم کا ہوتا ہے مثلاً بُعد مکانی۔ بُعد زمانی۔ بُعد ذکری اور بُعد رتبی یہاں بُعد رتبی مراد ہے یعنی قدر و منزلت اور رتبہ اور شان میں اس قدر اعلیٰ اور ارفع اور اعظم ہے کہ ذوی العقول من دون اللہ کی شان اور قدرت سے ہی یہ بات بعید ہے کہ وہ اس جیسا کوئی مضمون بھی بنا سکیں۔ اور الکتاب میں آل استغراقی صفاتی ہے یعنی ایسی کتاب جو کامل صفات اور جامع کمالات اپنے اندر رکھتی ہے ذلک اسم اشارہ بعید اور الکتاب کے آل کا لحاظ رکھ کر ہم نے ذلک الکتاب کا ترجمہ "اس عالی قدر کامل صفات اور جامع کمالات والی کتاب" کیا ہے۔ اور ذلک اسم اشارہ بعید اس معنے میں قرآن شریف میں بہت جگہ وارد ہوا ہے۔

ذلک یوعظ بہ من کان منکم یؤمن باللہ والیوم الاٰخر ﴿پ ۲ ع ۱۴﴾	"اے نبی یہ وہ عظیم الشان احکام ہیں کہ ان کے ساتھ نصیحت دی جاتی ہیں جو تم میں سے اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں"
ذلک علم الغیب والشھادۃ العزیز الرحیم ۝ ﴿پ ۲۱ ع ۱۴﴾	"یہ وہ کبیر متعال ذو الجلال خدا ہے جو ہر قسم کی چھپی اور کھلی باتوں کو جاننے والا اور ہر قسم کے غلبے والا اور مہربان ہے"
ذلکم توعظون بہ ﴿پ ۲۸ ع ۱﴾	"اے مسلمانو یہ وہ عالیشان اور عالی قدر ہدایت ربی ہے جس کے ساتھ تم نصیحت دیئے جاتے ہو"
ذلکم اللہ ربی علیہ توکلت والیہ انیب ۝ ﴿پ ۲۵ ع ۳﴾	"اے بندگان خدا یہ کبیر متعال مالک صفات کمال خدا جس کے صفات اوپر بیان ہوئے ہیں میرا رب ہے اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف بات

بات میں میری توجہ اور میرا رجوع ہے"

الٓر تلک اٰیٰت الکتاب الحکیم ﴿پ ۱۱ ع ۶﴾	الٓر۔ یہ عالی رتبہ اور بلند شان سورت کامل صفات اور جامع کمالات والی باحکمت کی کتاب کی آیات ہیں"

ان سب آیات شریفہ میں ذلک اور تلک اسم اشارہ بعید بعد رتبی کے لئے مذکور ہیں یعنے اللہ تعالیٰ اور اس کے کلام کی عالی شان اور رفعت

منزلت اور عظمت بیان کرتے ہیں کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی شان و عظمت میں لا شریک لہ ہے اسی طرح اسکا پاک کلام بھی اپنی شان و عظمت میں جملہ اقسام کی دوسری کلاموں سے **افضل** اور **اعظم** اور **ارفع** اور **اجل** ہے اور کسی کلام کو اس کے ساتھ کوئی نسبت بھی نہیں ہے۔ لاریب فیہ کے معنے ہم نے کئے ہیں "اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش ممکن ہی نہیں" جس کا مطلب یہہ ہے کہ اس کتاب میں اتنی بات کی بھی گنجائش نہیں ہے کہ تمام مخلوقات میں سے خواہ جن ہو خواہ انس خواہ ملائکہ کسی کو اتنی طاقت بھی ہو کہ اس کتاب کے اندر کہیں انگلی رکھ کر یقینی طور پر ثابت کر دکھاوے کہ یہاں کچھ تردد یا شک یا شبہ یا خیر تیہے یا خیر اتنا ہی کہے کہ یہاں شک کرنے کا کچھ احتمال ہی ہے غرضکہ یہہ جملہ ہر کسی کے عیب کی بالکل نفی کر رہا ہے اور اس کی تفصیل بجا قرآن شریف میں یوں ہے کہ اس کتاب میں حرف حرف اور کلمہ کلمہ تک عین حق عین علم عین یقین موجود ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ

وبالحق انزلنٰه وبالحق نزل (پ۱۵ ع۱۲)	"اس پاک کتاب کو ہمنے پورے پورے حق اور سچ کے ساتھ اتارا ہے اور پورے پورے حق اور سچ کے ساتھ ہی یہہ کتاب اتری ہے"
الم یان للذین اٰمنوا ان تخشع قلوبهم لذکر اللّٰه وما نزل من الحق (پ۲۷ ع۱۷)	"کیا مومنوں کے لئے ابھی تک ایسا وقت نہیں آیا کہ بروقت یاد الٰہی اور بروقت اس چیز کے پڑھنے سننے کے جو کامل حق اترا ہوا ہے ان کے دل نرم اور خوفناک نہیں ہوتے"
وهو الحق مصدقا لما معهم (پ۱ ع۱۱)	"اور وہ قرآن شریف کامل حق ہے جو تصدیق کرتا ہے اوس کتاب آسمانی کی جو ان کے پاس ہے"
تلك اٰیٰت اللّٰه نتلوها علیك بالحق وانك لمن المرسلین (پ۲ ع۱۷)	"اے نبی یہہ عالی رتبہ سورت اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں جو ہم تجھ کو کامل حق اور سچ کے ساتھ پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور بے شک تو ان لوگوں میں سے ہے جو رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔
لکن اللّٰه یشهد بما انزل الیك انزله بعلمه والملٰئکة یشهدون وکفی باللّٰه شهیدا (پ۶ ع۳)	"لیکن اللہ تعالیٰ تو اوس چیز کی جو اس نے تجھ پر نازل کی ہے اور نازل بھی کی ہے تو اپنے علم سے گواہی دیتا ہے اور جملہ فرشتے بھی اس کی گواہی دیتے ہیں اور گواہی کو تو اللہ تنہا ہی بس ہے بغیر اسکی گواہی ہوتے کسی دوسرے کی گواہی کی ضرورت بھی نہیں رہتی"
ولقد جئنٰهم بکتٰب فصلنٰه علی علم هدی ورحمة لقوم یؤمنون (پ۸ ع۱۳)	"اور بیشک ہمنے ان کو بڑی عظیم الشان اور عالی قدر کتاب عطا کی ہے جسکی تفصیل و تفسیر بھی ہمنے آپ ہی علی علم کردی ہے جو ان لوگوں کے لئے جو ایمان کے طالب ہوتے ہیں ہدایت اور رحمت ہے"
قل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل کان زهوقا (پ۱۵ ع۹)	"اے نبی پکار کر سنا دے کہ کامل حق یعنے قرآن مجید آگیا اور ہر قسم کا باطل جو حق کا مخالف ہے نیست و نابود ہو گیا بے شک ہر قسم کے باطل کی شان ہی یہی ہے کہ وہ حق کے سامنے نیست و نابود ہو جایا کرتا ہے"
قل جاء الحق وما یبدئ الباطل وما یعید (پ۲۲ ع۱۱)	"اے نبی پکار کر سنا دے کہ کامل حق آ پہونچا اور حق آئے پیچھے اس کے مقابلہ میں اب کسی قسم کا باطل نہ تو نئے سرے سے پیدا ہوگا اور اگر کوئی پہلے کا رہا سہا باطل ہو تو وہ عود نہیں کر سکیگا"
وانه لحق الیقین (پ۲۹ ع۷)	"اور بے شک یہہ قرآن کریم حق ہے یعنی کامل یقین ہے جس میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں ہو سکتا"
فورب السماء والارض انه لحق مثل ما انکم تنطقون (پ۲۶ ع۱۸)	"زمین و آسمان اور ہر قسم کی سفلی اور علوی چیزوں کے پیدا کرنے والے رب کی قسم ہے کہ یہہ قرآن مجید ٹھیک اسی طرح پکا اور حق اور یقینی ہے جس طرح تمہارا بولنا اور کلام کرنا متحقق اور یقینی ہوتا ہے"

خلاصہ ان آیات کا یہہ ہے کہ جملہ قرآن کریم میں بدرجہ حق الیقین جملہ آیات و کلامات و کلمات و ادوات یعنی حروف کا صرف ایک ہی یقینی اور سچا اور حق اور پکا معنے ہوتا ہے نہ کہ ایسے ایسے معانی اور مطالب جنمیں تردد یا شک یا شبہہ یا ریب کو کچھ بھی دخل ہو یعنے یہہ کہ ایک حروف بھی قرآن کریم میں ایسا نازل نہیں ہوا کہ ایک ہی جگہ میں کم از کم دو معنے بھی ایسے ہوسکتے ہوں جو آپسمیں مختلف یا ایک دوسرے کی ضد ہوں پس یہہ بات صحیح نہیں ہے جو بعض مفسرین رحمہم اللہ اجمعین کسی آیت کے معنے میں یا کسی کلمہ یا حرف کے معنے میں أو (أو) یعنے یا یہہ معنے ہے یا یہہ معنے ہے یا یوں بھی اس کے معنے ہوسکتے ہیں اور یا اس طرح پر اسکے معنے ہوسکتے ہیں وغیرہ وغیرہ لکھ دیتے ہیں۔ لاریب فیہ یا اس کے معنی کی مفصل اور مصدق آیات کو اگر نصب العین رکھا جاوے تو سارے أو بھول جاتے ہیں کیونکہ أو أو کے لکھ دینے سے خواہ مخواہ دل میں خیال گذرتا ہے کہ خداوند تعالے جو صادق القول ہے اور اپنی نسبت ارشاد فرماتا ہے ومن اصدق من اللہ قیلا (پ ۵ ع ۸) ومن اصدق من اللہ حدیثا (پ ۵ ع ۸) یعنے اللہ تعالے سے بڑھکر کون سچ کہنے والا ہے۔ کسی طرح اس کتاب پاک کی شان میں فرماتا ہے کہ لاریب فیہ یعنے اس کتاب میں کسی طرح کے شک و شبہہ کی گنجائش ممکن ہی نہیں ہے پس ہر ایک مومن مسلمان کو صدق دل سے یہہ اعتقاد رکھنا واجبات سے ہے کہ اللہ تعالے سچا ہے اور قرآن شریف میں جو کچھ کہتا ہے سب سچ کہتا ہے اور یقینی اور قطعی طور پر کہتا ہے اس میں کچھ تردد اور شبہہ اور شک ہو ہی نہیں سکتا اور ہمیشہ اسبات سے ڈرتا رہے کہ مبادا قرآن کریم کے لفظوں کی مختلف قسموں کے معنے کر کے اللہ تعالے کے اس کلام کو جسکو وہ ہمیشہ تلاوت کرتا ہے یعنے خواہ اپنی زبان سے اقرار کرتا ہے کہ لاریب فیہ) جھوٹا کر دیوے یعنے یہہ کہ مونہہ سے تو کہے کہ اس کتاب پاک کے کسی حرف اور کلمے میں بھی شک و شبہہ نہیں ہے اور معنے کرنے کے وقت آپ ہی اس کے معانی میں تردد اور شک کرنے لگ جاوے پس اسکا قول اور فعل دونو ہی آپسمیں ایک دوسرے کے مخالف ہوں گے پس اس آیت کو اس بیماری کا تریاق سمجھ کر ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہئیے :-

یایہا الذین امنوا لم تقولون مالا تفعلون ۝ کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا مالا تفعلون ۝ (پ ۲۸ ع ۹)	اے مومنو! تم صرف مونہوں سے کیوں ایسی باتیں کہدیا کرتے ہو جنکو تم عمل میں نہیں لایا کرتے یہہ حرکت کہ مونہہ سے تو بول اٹھنا اور اسکو کر کے نہ دکھا دینا اللہ تعالے کے بڑے بھاری غضب کا موجب ہوتی ہے!!

پس حسب تعلیم ربانی و موافق ہدایت قرآنی ہمارا سچا عین ایمان ہے کہ سارا قرآن مجید من اولہ الی آخرہ بالکل حق اور بالکل سچ اور بالکل یقینی اور بالکل قطعی ہے اس کے ایک حرف میں بھی ریب یا شبہہ یا شک یا تردد یا تحیر بلکہ ان عیبوں کا کسی قسم کا احتمال بھی نہیں ہے اور نہ ہوسکتا ہے کیونکہ یہہ رب العلمین علیم لطیف خبیر کا کلام ہے۔

اس جگہ پر یہہ سوال ہوتا ہے کہ اگر قرآن مجید میں ایسا ہی ہے تو اس میں شک و شبہہ کہ یا تو ورکنار لوگ برسر بازار علی رؤس الاشہاد اس کی تکذیب کر رہے ہیں اسکا جواب کیا ہے سو بتوفیق خداوندی اس کا جواب یہہ ہے کہ رب العلمین نے اس پاک کتاب کو محض اس ارادہ اور حکمت سے نازل فرمایا کہ جملہ معشر الجن والانس اپنی اپنی فطرت کو نگاہ رکھیں پہلے ہم بہ بسط تمام قطعی دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ فطرت اللہ سے مراد اللہ تعالے کی وہ پیدا کردہ حالت ہے جس پر اس نے تمام ذوی العقول کو مجبول و مخلوق کیا ہے اسی فطرت اللہ کا نام خلق اللہ اور نعمت اللہ اور امانت اللہ بھی ہے اور یہہ بھی کہ ان چاروں سے مراد یہہ قوے ثلاثہ یعنے قوت ملکی و قوت بہیمی و قوت سبعی اور قرآن کریم کی بہت سی آیات لکھ کر ثابت کیا ہے کہ فطرت اللہ کی ان تینوں قوتوں کے بحال رکھنے کے لئے قرآن کریم میں دو قسم کی تعلیم موجود ہے ایک تو تعلیم ان امور کی جن کے فعل اور عمل سے تینوں قوتیں اعتدال پر رہ سکتی ہیں اور دوسری تعلیم ان امور کی جن سے اجتناب کرنے پر بھی تینوں قوتیں اپنی اپنی اصلی حالت پر قائم رہ سکتی ہیں (دیکھو صفحہ ۴۳ م) جو نمبر کے مطابق آیہ وافی ہدایہ فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا الایہ قرآن کریم کا یہی حکم ہے کہ اے گروہ ثقلین یعنے اے جنو اور اے انسانو تم سب کے سب اپنی اپنی فطرتوں کو جو پاک اور سلیم پیدا کی گئی ہیں پاک اور سلیم رکھو اور ان تمام امور سے جو تمہاری فطرتوں کی پاکیزگی اور سلامتی کو نقصان پہونچا سکیں بچتے رہو اور ان امور کو جو تمہاری فطرتوں کی پاکیزگی اور سلامتی کو قائم دائم رکھ سکتے ہیں عمل میں لاؤ چنانچہ ان دونو قسموں کی تعلیم سے قرآن کریم بھرا پڑا ہے اور ایسی تعلیم کا ہونا از بس ضروری ہے پس چونکہ اس کتاب کا کلمہ کلمہ اور حرف حرف فطرت اللہ و خلق اللہ کی تربیت کے لئے موجود ہے اسواسطے لا بد ہر ایک کلمہ ہر قسم کے شک و شبہہ اور احتمال سے بری اور مبرا ہے اور ہونا چاہئیے یعنے اس کی جملہ تعلیمات فطرت اللہ و خلق اللہ کو بحال رکھنے کے لئے ہیں اور اس کی تعلیم بھی کوئی اس قسم کی نہیں ہے جس سے فطرت اللہ و خلق اللہ کی تغییر و تبدیل ہو جاوے ولہذا اسکا حرف حرف ہر قسم کے شبہہ و شک و تردد و ریب سے پاک ہے اور فطرت اللہ و خلق اللہ کی تربیت و رعایت و حفاظت و تزکیہ کے لئے مصلح و مربی و محافظ و راعی ہے پس اسکو کوئی تعلیم نہ مل سکیگی جو فطرت اللہ و خلق اللہ کی تربیت کے لئے مفسد و مخل ہو۔ والحمد للہ علی ذالک

باقی رہی یہہ بات کہ منکر لوگ اس کتاب کی تعلیم کو قبول نہیں کرتے بلکہ اس کی تکذیب کرتے ہیں تو اس کا جواب یہہ ہے کہ ان لوگوں نے اس حکم ربی یعنی فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا الآیہ کی قدر نہیں کی اور اپنی پاک کردہ شدہ حالت کو گندہ کر کے اس پاک کتاب کے اون امور کو جو اس کی فطرت کو علی حد اعتدال قائم رکھنے کے لئے ان کو بتائے جاچکے ہیں دیکھا تک نہیں اور اگر کچھ دیکھا ہے تو لاپرواہی اور لاابالی سے دیکھا ہے اور بعض کا تو یہہ حال ہے کہ محض ازراہ عناد و بغض وحسد و بغی و استکبار دیکھ کر اس سے کچھ فایدہ نہیں اٹھایا اور ایسے لوگ فایدہ اُٹھا نہیں سکتے کیونکہ یہہ کتاب ھدی للمتقین ہے یعنے اُن جنوں اور انسانوں کو صراط مستقیم پر لاتے اور ان کی فطرتوں کو حد اعتدال پر رکھتی ہے جن کے دل میں ہدایت کی طلب ہدایت کی تمنا ہدایت کی خواہش اور ہدایت کی آرزو پیدا ہوا اور جن لوگوں کے دل میں ایسا ارادہ پیدا ہی نہیں ہوتا اُن کے لئے ہدایت بھی کوئی نہیں اور اس کتاب سے ان کو خاک فایدہ نہیں ہے پس قرآن کریم پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ میں صراط مستقیم پر چڑھانے کو اور اُسپر مرتے دم تک چلانے کو ہر وقت تیار ہوں بشرطیکہ تم میں سے جس کسی کی اس راہ پر چڑھنے اور چلنے کی خواہش ہو جو کچھ اوپر لکھا جا چکا ہے یعنے یہہ کہ ھدی للمتقین کے یہہ معنے ہیں کہ یہہ کتاب اُن لوگوں کو راہ راست پر لاتی ہے جو طالبان تقوے ہوتے ہیں اس کی تصدیق و تفصیل آیات ذیل سے کی جاتی ہے:—

قل ھو للذین اٰمنوا ھدی وشفاءٌ والذین لا یؤمنون فی اذانھم وقر وھو علیھم عمی ط (پ۲۴ ع۱۹)

"اے نبیؐ کہہ دے کہ یہہ قرآن طالبان ایمان کے لئے تو ہدایت اور جملہ امراض قلبی کے لئے شفا ہے اور جو لوگ ایمان کے طالب نہیں ہوتے ان کے کانوں میں بوجھہ یعنے بہرہ پن ہوتا ہے اور یہہ قرآن شریف ان کے حق میں نابینائی یعنے عدم ہدایت ہے"

وننزل من القراٰن ما ھو شفاءٌ ورحمۃ للمؤمنین ولا یزید الظّٰلمین الا خسارا ٥ (پ۱۵ ع۹)

"اور جو کچھہ بھی ہم نازل کرتے ہیں یعنے یہہ کامل صفات و جامع کمالات والا قرآن شریف وہ طالب ایمان کے لئے تو محض شفا ہی شفا اور نری رحمت ہی رحمت ہوتا ہے اور جو لوگ ظلم اختیار کرتے ہیں یعنے فطر اللہ و خلق اللہ کی حق تلفی کرتے رہتے ہیں وہ بجائے شفا و رحمت حاصل کرنیکے اپنے اس اختیار کئے ہوئے ظلم کے سبب سے اور اُلٹا نقصان اُٹھاتے ہیں"

یاایھا الناس قد جاءتکم موعظۃ من ربکم وشفاءٌ لما فی الصدور وھدی ورحمۃ للمؤمنین ٥ (پ۱۱ ع۱)

"اے جملہ معشر الجن والانس تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس بڑی عالیشان اور کامل نصیحت اور جملہ امراض و اسقام قلبی کی دوا آچکی ہے اور جو لوگ ایمان کے خواہشمند ہوتے ہیں انکو لئے ہدایت اور رحمت ہوتی ہے"

ھذا بیان للناس وھدی وموعظۃ للمتقین (پ۴ ع۵)

"یہہ قرآن کریم جملہ معشر الجن والانس کے لئے کھلا کھلا بیان ہے اور جو لوگ تقوے کے طالب ہوتے ہیں اُن کے لئے تو ہدایت اور پوری نصیحت ہے یعنے خواہش کرکے قبول کرنے والوں کی مرادیں بر لاتا ہے جو خواہش نہیں کرتے وہ اس سے محروم رہ جاتے ہیں"

ولقد جئنٰھم بکتٰب فصلنٰہ علی علم ھدی ورحمۃ لقوم یؤمنون ٥ (پ۸ ع۱۲)

"اور ہم نے ان کو اعلی درجہ اور کامل رتبے والی کتاب دی ہے جس کی تفہیم و تفصیل بھی ہمنے آپ ہی اپنے علم سے کردی ہے اور جو اُن لوگوں کے حق میں جو ایمان کے خواہشمند ہوتے ہیں ہدایت اور رحمت ہے"

ونزلنا علیک الکتٰب تبیانا لکل شیءٍ وھدی ورحمۃ وبشرٰی للمسلمین ٥ (پ۱۴ ع۱۸)

"اور ہمنے اے نبیؐ تجھ پر یہہ کامل صفات و جامع کمالات والی کتاب نازل کی ہے جس میں ہر ایک دینی معاملہ مفصل طور پر مشرح ہے اور جو لوگ اسلام کے خواہشمند ہوتے ہیں اُن کے لئے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے"

"ان آیات سے اتنا ثابت ہے کہ جو لوگ ایمان و اسلام و تقوے کی خواہش اور برضا و رغبت خود بلا اکراہ و اجبار احدی آپ ہی آپ اپنی محبت سے قرآن کریم کی طرف آنا چاہتے ہیں ان کی دستگیری تو خواہ مخواہ ہی اس کتاب نے کرلی ہے اور جنکا اس طرف آنے کو جی ہی نہیں چاہتا ان کو مجبوراً و قہراً و اکراہاً اللہ تعالے اس طرف نہیں لاتا زیادہ توضیح و تشریح و تفسیر و تفصیل کے لئے آیات ذیل قابل غور ہیں۔

قل ان اللہ یضل من یشاء ویھدی الیہ من اناب ٥ (پ۱۳ ع۱۱)

"اے نبی لوگوں کو کہدے کہ جو لوگ گمراہی اختیار کرتے ہیں اور ہدایت

طرف آنا نہیں چاہتے اُن کو تو اللہ تعالے بھی ان کی اس حالت گمراہی پر چھوڑے رکھتا ہے اور خود بخود اپنی طرف نہیں کھینچ لیتا ہاں جو لوگ اللہ کی طرف رجوع کریں اُن کو وہ اپنی طرف پہونچنے کا رستہ دکھاتا ہے "

والذین اجتنبوا الطاغوت ان یعبدوھا وانابوا الی اللہ لھم البشریٰ فبشر عباد ۝ الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولٰئک الذین ھداھم اللہ و اولٰئک ھم اولوا الالباب (پ۲۳ ع ۱۶)

" جو لوگ جملہ اقسام کی طاغوت یعنے معبودانِ باطلہ کی پوجا پاٹ کرنے سے پرہیز کرکے اپنی توجہ اور رجوع اللہ کی طرف کرتے ہیں اُن کے لئے کامل بشارت یعنے جنت ہے پس اے نبی ما ہیرے ان سب بندوں کو خوشخبری سنا دے جو ان جملہ اقوال کو جو قابل شنید ہوتے ہیں یعنے لغو نہیں ہوتے کان لگا کر سنتے ہیں پھر ان میں سے جو حسن کلام ہوتا ہے یعنے خدا کا کلام جو فطرت اللہ وخلق اللہ کی تربیت کرتا ہے اور کبھی اسکے مخالف نہیں ہوتا اور جس کو عقل صحیح و فطرت سلیم معلوم کر لیتی ہے تب اسے قبول کر لیتے ہیں یہی لوگ ہیں جنکو اللہ تعالی ہدایت پر لے آتا ہے اور یہی لوگ کامل فہم اور عقل والے ہوتے ہیں "

وازلفت الجنۃ للمتقین غیر بعید ۝ ھذا ما توعدون لکل اوّاب حفیظ ۝ من خشی الرحمٰن بالغیب وجاء بقلب منیب ۝ (پ۲۶ ع ۱۷)

" جو لوگ تقوی کی حالت میں ہی مر جاتے ہیں جو توجہ اور رجوع خدا کی طرف کرنے والے اور فطرت اللہ وخلق اللہ کی نگہبانی کرنے والے ہوتے ہیں یعنے وہ سب لوگ جو خدائے رحمان کے عذابوں سے ڈرتے رہتے ہیں حالانکہ وہ عذاب انہوں نے کبھی دیکھے بھی نہیں صرف قرآن شریف سے ہی پڑھ سنکر اعتقاد کیا ہے اور توجہ اور رجوع کرنے والے دل سے درگاہ ایزدی میں آتے رہتے ہیں ان سب کے لئے وہ جنت جسکا تذکرہ قرآن مجید میں جا بجا مذکور ہے اس قدر نزدیک کر دی جاویگی اور اس وقت اُن کو کہا جاویگا یہہ ہے وہ جنت جس کا وعدہ قرآن شریف میں تم کو دیا جاتا تھا "

ان فی ذلک لذکری لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شھید ۝ (پ۲۶ ع ۱۶)

" اس میں نصیحت ان دو قسم کے لوگوں کے لئے ہے ایک تو وہ جن کے قلب امراض و مقام شرک وغیرہ سے پاک ہوتے ہیں یعنے جنہوں نے اپنی فطرت سلیم کو گندہ نہیں کیا دوسرے وہ لوگ ہیں جو کان لگا کر دل کے حضور سے اس قرآن کریم کو سن لیتے ہیں یعنے ان کی فطرت میں کچھ تغییر و تبدیل ہو گئی مگر اس کا علاج بھی ساتھ ہی ہو گیا "

وما یتذکر الا من ینیب (پ۲۴ ع ۶)

" صرف وہی لوگ نصیحت قبول کرتے ہیں جو اللہ تعالے کی طرف دلی توجہ اور رجوع کرتے ہیں "

اللہ یجتبی الیہ من یشاء ویھدی الیہ من ینیب ۝ (پ۲۵ ع ۳)

" اللہ تعالے ہی جس کو چاہتا ہے چن کر اپنی طرف کھینچ لیتا ہے مگر قاعدہ یہ ہے کہ وہ ہدایت پر انہیں کو لے آتا ہے جو اُس کی طرف رجوع کرتے ہیں نہ کہ ہر ایک بدسرشت کذاب کو "

ومن جاھد فانما یجاھد لنفسہ ان اللہ لغنی عن العلمین ۝ (پ۲۰ ع ۱۳)

" اور جو کوئی خدا کے لئے محنت اٹھاتا ہے تو اپنے ہی بھلے کے لئے اٹھاتا ہے ورنہ اللہ تعالی کو کسی کی نیکی یا بدی سے کیا پروا ہے وہ تو جملہ مخلوقات سے بے نیاز ہے "

فکیف اذا توفتھم الملئکۃ یضربون وجوھھم وادبارھم ۝ ذلک بانھم اتبعوا ما اسخط اللہ وکرھوا رضوانہ فاحبط اعمالھم ۝ (پ۲۶ ع ۶)

" پھر اسوقت ان منکروں کی کیسی گت بنے گی جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرینگے اور ان کے مونہوں پر اور ان کے چوتڑوں پر مارتے ہونگے ان کے ساتھ یہہ سختی اسواسطے ہوگی کہ یہہ لوگ انہیں باتوں پر چلتے تھے جو خدا کے غضب کا موجب ہوتی ہیں اور خدا کی رضا جوئی کو بُرا جانتے رہے پس اللہ تعالے نے ان کے سبکے سب عمل ملیا میٹ کر دئیے "

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

جو اُن جملہ مغیبات پر جو قرآن مجید اور اُس کی حکمت یعنے حدیث شریف میں آچکی ہیں ایمان لاتے ہیں اور نماز کو جو اللہ نے جبریل امین کی معرفت رسول اللہ صلعم کو تعلیم فرمائی ہے پڑھتے ہیں

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (۴)

اور جو کچھ ہم نے اُن کو دے رکھا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

قد جاءکم من اللہ نور و کتٰب مبین ۝ یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلٰم و یخرجھم من الظلمٰت الی النور باذنہ و یھدیھم الی صراط مستقیم ۝ (پ ۶ ع ۷)

"تمہارے پاس اللہ تعالےٰ کی طرف سے کامل نور یعنے عظیم الشان اور عالی رتبہ کتاب جو حق و باطل کو خوب واضح کرکے بیان کرنے والی ہے آچکی ہے اللہ تعالےٰ اس نور اور کتاب مبین کے ذریعے اُن لوگوں کو جو اُسکی رضامندی کے طلبگار ہوتے ہیں کامل سلامتی کے رستے (متعلق اعتقادات و اعمال) دکھاتا ہے اور اپنی توفیق سے ان کو جملہ اقسام کے شرک وغیرہ کی ظلمتوں اور تاریکیوں سے نکال کر ان کے بالمقابل کامل نور اور روشنی میں لاتا ہے اور پھر عقائد و اخلاق و احوال و اعمال کے جسقدر سلامتی کے رستے اللہ تعالےٰ اُن کو دکھا دیتا ہے اُن میں سے ہر ایک بار ستے پر جو سیدھا خدا کی طرف جاتا ہے چلاتا جاتا ہے"

خلاصہ ان آیات کا یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ بھی جو علیم و لطیف خبیر بصیر ہے جملہ عباد اللہ میں سے صرف انہیں لوگوں کو صراط مستقیم پر چڑھاتا اور چلاتا اور دم مرگ تک قائم رکھتا ہے جو صدق دل سے ظاہراً اور باطناً اپنی توجہ دلی اور محبت قلبی سے کتاب اللہ کی طرف آتے اور رجوع کرتے ہیں ورنہ وہ لاپرواہ ہے غرض الصمد خدا لاپرواہوں بے غرضوں اور اس طرف توجہ نہ کرنے والوں کو صراط مستقیم پر نہیں لاتا اسی طرح پھر جوں جوں کوئی مومن متقی اپنی آیات اللہ تعالےٰ کی کتاب میں تدبر۔ تفکر۔ تذکر۔ تفقہ۔ اور تعقل کرتا ہے توں توں اُس کے تقوے کے مطابق اُس کی ہدایت میں زیادتی ہوتی جاتی ہے یہانتک کہ وہ علی نور من ربہ ہوجاتا ہے اور اوس کا سینہ کھل جاتا ہے اور جس قدر ظلمات شکوک و شبہات وغیرہ پہلے کبھی اُسکو نظر آتے تھے سب کے سب اُٹھجاتے ہیں ۔ وللہ الحمد ۔

(۴) الغیب میں آل استغراقی ہے اور غیب وہ چیز ہوتی ہے جو حواس عشرہ سے باہر ہو یعنے جملہ اسباب حصول علم سے جو چیز باہر ہے وہ غیب ہے پس ایمان بالغیب کے معنے ہیں اُن جملہ امور کی تصدیق کرنی جو علیم و خبیر رب العلمین نے قرآن مجید کی صریح عبارتوں کی حکمت یعنے حدیث شریف میں بیان فرمائی ہیں جو مفسر حقانی حکیم ربانی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانی معلوم ہوئی ہیں اور ذوی العقول کو جو جو اسباب حصول علم و عرفان دئے گئے ہیں اُن میں سے کسی سبب کے ساتھ وہ باتیں معلوم نہیں ہوسکتیں مثلاً خدا کی ذات اور اس کی صفات و وجود جنات و شیاطین و ملائکہ و کتابت اعمال کراماً کاتبین و ملائکہ حفظہ و حالات قبر و احوال آخرت و دوزخ و جنت وغیرہ وغیرہ امور پس اُن جملہ امور پر ایمان لانا یعنے صدق دل سے ان کی تصدیق کرنا متقین کی صفت ہے یعنے یہ کہ حقیقت میں طالب و خواہشمند تقوے وہی لوگ ہیں جن کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ مومن بالغیب ہوتے ہیں ورنہ مونہہ سے تو ہر کوئی مسلمان مومن بن بیٹھتا ہے و مطابق مضمون کل حزب بما لدیھم فرحون اپنے اپنے خیالی اور قیاسی ایمان کو تقوے سمجھ بیٹھتا ہے اس پہلی صفت نے بالکل قطعی طور پر فیصلہ کر دیا ہے کہ حقیقی طالب تقوے وہی لوگ ہوتے ہیں جو ان تمام امور پر ایمان لاتے ہیں جو خدا نے قرآن مجید اور اس کی حکمت یعنے حدیث شریف میں بتا دئے ہیں الغیب اور ایمان بالغیب کا ذکر قرآن شریف میں بہت جگہ ہے ۔ کما قال اللہ تعالیٰ

إلا من تاب وآمن وعمل صالحا فأولئك يدخلون الجنة ولا يظلمون شيئا ○ جنات عدن التي وعد الرحمن عباده بالغيب إنه كان وعده مأتيا ○ (پ۱۶ ع۷)

"مگر جو توبہ کرے اور ایمان لاوے اور نیک عمل کرے تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرہ بھی حق تلفی نہ کی جاویگی اور یہ جنت کیا ہے وہ ہمیشہ کے باغات ہیں جنکا وعدہ خدائے رحمان نے اپنے بندوں سے غیب سے کیا ہے اور بیشک اُسکا وعدہ بالیقین پورا ہوکر رہے گا۔"

فلا تعلم نفس ما أخفي لهم من قرة أعين جزاء بما كانوا يعملون ○ (پ۲۱ ع۱۵)

"کوئی شخص بھی نہیں جانتا کہ ان کے اعمال صالحہ کے بدلے میں ان کے لئے کیسی کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک پردۂ غیب میں موجود ہے۔"

إن الساعة آتية أكاد أخفيها لتجزى كل نفس بما تسعى (پ۱۶ ع۶)

"بیشک وہ گھڑی جسکا ذکر قرآن کریم میں جابجا موجود ہے یعنے قیامت ضرور ضرور آنیوالی ہے اور اسکے وقوع کیوقت کا پتہ اسواسطے نہیں بتاتا اور اس کا علم پردۂ غیب میں رکھتا ہوں تاکہ ہر ایک شخص کو اُسکے اُس عمل کا بدلہ دیا جاوے جو وہ اپنی محبت اور اپنی رضا و رغبت سے بلاخوف و ہراس والی ایمان سے کرے۔"

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ جنت اور جنت کے کل لوازمات جو مومن کی موت کے وقت سے لیکر دیدارِ خدا تک قرآن و حدیث میں وارد ہیں سب کے سب غیب ہیں اور تیسری آیت عام ہے اس میں جنت اور جنت کے لوازمات کے علاوہ اس کی ضد یعنے جہنم اور جہنم کے لوازمات جو غیر مومن کی موت کے وقت سے لیکر جہنم میں پڑے رہنے وغیرہ وغیرہ کے متعلق قرآن و حدیث میں موجود ہیں وہ بھی پردۂ غیب میں موجود ہیں اس دوسری ضد کی تائید و تصدیق کے لئے ذیل کی آیات لکھی جاتی ہیں :—

ليعلم الله من يخافه بالغيب (پ۷ ع۳)

"تاکہ اللہ تعالےٰ ظاہر یا ہر کر دے اُن لوگوں کو جو اللہ تعالےٰ سے بسبب اُس چیز کے جو پردۂ غیب میں ہے یعنے دوزخ وغیرہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔"

الذين يخشون ربهم بالغيب وهم من الساعة مشفقون ○ (پ۱۷ ع۴)

"متقین وہ لوگ ہیں جو اپنے رب سے اور عذاب دارین کے سبب سے جو پردۂ غیب میں ہے ڈرتے رہتے ہیں اور بالخصوص اُس گھڑی یعنی روزِ قیامت سے جسکا مذکور قرآن مجید میں جابجا موجود ہے خوف کرتے رہتے ہیں۔"

إن الذين يخشون ربهم بالغيب لهم مغفرة وأجر كبير (پ۲۹ ع۱)

"جو لوگ اپنے رب سے اُس چیز کے سبب سے جو پردۂ غیب میں ہے یعنی دوزخ وغیرہ کے سبب سے ڈرتے رہتے ہیں اُن کے لئے گناہوں کی معافی ہے اور اجر ہے عظیم الشان۔"

من خشي الرحمن بالغيب وجاء بقلب منيب ادخلوها بسلام (پ۲۶ ع۱۷)

"جو لوگ خدائے رحمن سے بسبب اُس چیز کے جو پردۂ غیب میں ہے یعنی دوزخ اور اس کے لوازمات کے سبب سے ڈرتے رہتے ہیں اور رجوع کنندہ دل کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں اُنکو قیامت کے دن کہا جاویگا کہ تم اُس جنت میں سلامتی کیساتھ داخل ہو جاؤ۔"

إنما تنذر الذين يخشون ربهم بالغيب وأقاموا الصلاة (پ۲۲ ع۱۵)

"اے نبی بس تو تو فقط اُنہیں لوگوں کو ڈرا سکتا ہے جو اپنے رب سے بسبب اُس چیز کے جو پردۂ غیب میں ہے یعنے دوزخ وغیرہ کے سبب سے ڈرتے رہتے ہیں اور نماز پڑھتے رہتے ہیں۔"

عالم الغيب فلا يظهر على غيبه أحدا إلا من ارتضى من رسول فإنه يسلك من بين يديه ومن خلفه رصدا (پ۲۹ ع۱۲)

"ہر قسم کے غیب کا پتہ اللہ ہی کو ہے اپنے کسی قسم کی غیب کی باتیں وہ کسی پر بھی ظاہر نہیں کرتا مگر ہاں اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے تو کچھ بانفسا بتا دیتا ہے سو وہ بھی اس طرح پر کہ اُس رسول کے آگے پیچھے فرشتوں کے پہرے اور چوکیاں تعینات کر دیتا ہے۔"

إنما تنذر من اتبع الذكر وخشي الرحمن بالغيب (پ۲۲ ع۱۸)

"اے نبی تو تو فقط اُنہیں لوگوں کو ڈرا سکتا ہے جو کامل صفات اور جامع کمالات والی نصیحت یعنی قرآن کریم کی تابعداری کرتے ہیں اور خدائے رحمن سے بسبب اُس چیز کے جو پردۂ غیب میں ہے یعنی دوزخ وغیرہ کے سبب سے ڈرتے رہتے ہیں۔"

خلاصہ ان آیات طیبات کا یہہ ہے کہ جنس غیب عموماً و خصوصاً خاصہ اللہ تبارک و تعالےٰ کا ہے آسمانوں اور زمینوں میں ہر قسم کے غیب کو اُس کے سوائے کوئی بھی نہیں جانتا اور نہ جان سکتا ہے البتہ اللہ تعالےٰ اپنے بعض مغیبات اپنے رسولوں پر ظاہر کرتا رہا ہے سو بھی فرشتوں کی چوکی اور پہروں کے ساتھ سو جو جو امور از قبیل مغیبات رب العلمین نے اپنی پاک کتاب میں نازل فرمائی ہیں یا مفسر حقانی حکیم ربانی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بقولائے مضمون وما ینطق عن الھوےٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ (پ۲۷ ع۱) (یعنے ہمارا رسول اپنے پاس سے دین کے معاملہ میں کچھ بھی نہیں بولتا بسبب اُس وحی کے بولتا ہے جو اُس کی طرف نازل کی جاتی ہے) بطور تفصیل و تفسیر کتاب اللہ بیان فرمائی ہیں اُن سب پر ایمان لانا متقین کی صفت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایمان بالغیب کی بھی تفسیر فرمائی ہے چنانچہ صحیح بخاری میں بروایت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ مروی ہے کہ ایک دن رسول خدا صلعم

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال کان النبی صلے اللہ علیہ وسلم بارزاً یوماً للناس فاتاہ رجل فقال ما الایمان قال الایمان ان تؤمن باللہ وملٰئکتہ وبلقائہ ورسلہ وتؤمن بالغیب الحدیث بخاری کتاب الایمان باب سوال جبریل النبیؐ عن الایمان الخ

لوگوں میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپکے پاس ایک شخص آیا اور پوچھا کہ الایمان یعنے وہ ایمان جس کی تعلیم قرآن شریف میں جا بجا مذکور ہے کیا ہے آپنے فرمایا وہ ایمان جسکی قرآن کریم میں تعلیم ہے یہہ ہے کہ تو اللہ کی ذات اور جمیع صفات کمال اور اس کے فرشتوں پر ایمان لاوے اور اسبات پر ایمان لاوے کہ تو نے اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے اور اُس کے رسولوں پر ایمان لاوے اور اسبات پر ایمان لاوے کہ موت کے بعد قیامت کا آنا برحق ہے

اس حدیث میں الایمان میں ا۔ل عہدی ذہنی ہے اس لئے اس کا ترجمہ بھی اسی کے موافق اوپر کر دیا گیا ہے۔ خلاصہ مطلب یہہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یومنون بالغیب کی تفسیر و تفصیل یہہ بیان فرمائی ہے کہ مراد جنس غیب سے ذات و جمیع صفات رب العلمین اور تمام حالات ملائکہ اور جملہ تشریحات لقاء یوم الدین و یوم الحساب ہیں اور نیز جملہ بیانات و حالات جمیع انبیاء و رسل جو قرآن کریم میں اجمالاً و تفصیلاً مذکور ہیں پس ان جملہ امور پر ایمان لانا متقین کی صفت ہے یعنے یہہ کہ یومنون بالغیب کے معنی ہیں کہ وہ متقین لوگ ایسے متعلق نہایت پر جو قرآن کریم میں بعبارۃ النص یا بدلالۃ النص یعنے بہ حکمت قرآنی جو حدیث شریف کہلاتی ہے ثابت شدہ ہیں صدق دل سے اور روشنی ہے یعنے دل سے تصدیق کرتے ہیں اور زبان سے اقرار کرتے ہیں چونکہ مفسر حقانی حکیم ربانی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود یومنون بالغیب کی تفسیر و تفصیل بر وفق وما ینطق عن الھوےٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ فرما دی ہے جو اوپر ذکر ہو چکی ہے اسواسطے اب آپ کی تفسیر کے علاوہ باقی جسقدر تفسیریں ہیں یا کوئی کوئی ہے سب قیاسات و ظنون ہیں اور بسم اور مطابق وان الظن لا یغنی من الحق شیئاً (پ۲۷ ع۴) یعنی ظن اور قیاس کی حق کے روبرو کچھ پیش نہیں چل سکتی اور بات بھی یہی ہے کہ بات ہے تو بس اللہ تعالی کی یا اُس کے رسول صلعم کی جو اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔

یقیمون الصلوٰۃ کا ترجمہ ہم نے یہہ کیا ہے کہ متقین لوگ اُس نماز کو جو اللہ تعالی نے جبریل امین کی معرفت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو تعلیم فرمائی پڑھتے ہیں مطلب یہہ ہے کہ جس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قیام کرنا اور رکوع کرنا اور رکوع میں ٹھیرے رہنا اور قومہ کرنا اور قومہ میں ٹھیرے رہنا اور سجود کرنا اور سجود میں ٹھیرے رہنا اور جلسہ کرنا اور جلسہ میں ٹھیرے رہنا اور پھر دوسرا سجدہ کرنا اور اُس سجدہ میں ٹھیرے رہنا سکھایا ہے اور اُن ہیئات کو اسی کیفیت اور طریقت کے ساتھ بجا لانا جس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی ہے اور اُن کے اندر اُن اذکار کا پڑھنا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں وغیرہ وغیرہ اسی طرح یہہ نماز پڑھتے ہیں اور یہہ عبادت بدنی ہے اور الصلوٰۃ میں ا۔ل عہدی ذکری ہے جس کو عہدی خارجی بھی کہتے ہیں پوری پوری تشریح اور تفصیل اس نماز کے ادا کرنے کی کسی اپنے محل پر بیان ہوگی انشاء اللہ تعالےٰ کیونکہ یہاں فقط ترغیب ہی ہے حکم نہیں ہے اسواسطے اس مسئلے کی بھی اور اُس کے ساتھ اُس مسئلے کی بھی جو اگلی آیت میں درج ہے یعنے زکوٰۃ و صدقات کی تشریح اس جگہ کرنی مناسب نہیں ہے ہم نے لکھا ہے کہ یقیمون الصلوٰۃ میں لفظ الصلوٰۃ کا ا۔ل عہدی خارجی ہے اور مفسر حقانی حکیم ربانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر و تفصیل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہی نماز جو معہود اور معلوم ہے عند اللہ مشروع و مقبول ہوتی ہے۔ ابو مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے

عن ابی مسعود الانصاری رضی اللہ تعالی عنہ ان جبریل نزل فصلی فصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم صلے فصلی رسول اللہ صلعم ثم صلی فصلی رسول اللہ صلعم ثم صلی فصلی رسول اللہ

مروی ہے کہ جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام نازل ہوئے اور نماز پڑھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی پڑھی پھر جبریل امین نے دوسری نماز بھی پڑھی پس رسول اللہ علیہ وسلم نے بھی پڑھی پھر جبریل امین نے تیسری نماز پڑھی

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ

یعنے اُن طالبانِ تقوے کے لئے ہدایت ہے جو اس کتاب پر جو تجھ پر اتاری گئی ہے اور نیز اُن جملہ کتب سماویہ پر جو تجھ سے

قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۵

پہلے اتاری جا چکی ہیں ایمان لاتے ہیں اور اس آخرت پر جو اس دنیا کے پیچھے آنے والی ہے یقین رکھتے ہیں ◆ ◆

ثم صلے فصلی رسول اللہ صلعم ثم قال بھذا امرت الحدیث
کتاب مواقیت الصلوٰۃ (بخاری)

پس آپ نے بھی پڑھی پھر جبریلؑ نے چوتھی نماز پڑھی آپ نے بھی پڑھی پھر انہوں نے پانچویں نماز پڑھی پس آپ نے بھی پڑھی اس تعلیم کے کر چکنے کے بعد پھر جبریل امین نے یہہ ہدایت کی اور کہا کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آپ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ آپ اسی کیفیت و کمیت و حقیقت و ماہیت و طریقت کے ساتھ نمازیں پڑھا کریں بخاری کی اس حدیث کی تفصیل و تفسیر ترمذی اور ابو داؤد میں مفصل طور پر مذکور ہے اُن میں اس طرح ذکر ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں امنی جبرئیل عند البیت مرتین الحدیث (مشکوٰۃ فصل الثانی باب المواقیت) "یعنے جبریل امین نے مجھے بیت اللہ شریف کے پاس دو دفعہ نمازیں پڑھائیں الحدیث"۔ خلاصہ یہہ ہے کہ یقیمون الصلوٰۃ میں لفظ الصلوٰۃ میں ا-ل عہد ی ذکری خارجی ہے یعنے وہ نماز جسکا ذکر قرآن مجید میں اس آیت میں ہے۔

حافظوا علی الصلوٰت والصلوٰۃ الوسطیٰ وقوموا للہ قٰنتین ۝ فان خفتم فرجالاً او رکباناً فاذا امنتم فاذکروا اللہ کما علمکم مالم تکونوا تعلمون ۝ (پ ۲ ع ۱۵)

"تمام نمازوں پر محافظت کرو اور بیچ کی نماز کی محافظت علی الخصوص کرو اور اللہ کے سامنے باادب اور عاجز ہو کر کھڑے ہوؤ اور اگر دیکھو کہ امن نہیں ہے تو پھر پیدل یا سوار جیسی حالت ہو اور جیسی کرتے بن پڑے نماز پڑھ لیا کرو اور پھر جب امن کی حالت ہو جاوے تو پھر نمازمیں اللہ تعالیٰ کو اُسی طریقے سے یاد کیا کرو جس طریقے سے اللہ تعالیٰ نے تم کو تعلیم فرمائی ہے اور جس کو تم خود اپنی عقل سے کبھی بھی سیکھ نہیں سکتے تھے"۔

پس جملہ کتاب اللہ میں جہاں کہیں الصلوٰۃ آتا ہے وہاں یہی نماز مراد ہے جو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تعلیم فرمائی ہے اور جس تعلیم کا بیان رسول اللہ صلعم کی اوپر کی حدیث میں مذکور ہے۔ ہم پہلے بھی لاریب فیہ کی تفسیر کے ضمن میں لکھ چکے ہیں اور اب یہاں پھر ناظرین کو یاد دلاتے ہیں کہ ہر دم اور ہر لحظہ سچے دل اور اخلاص قلب کے ساتھ اس بات پر ایمان رکھو کہ قرآن مجید کا ایک حرف بھی زائد اور فضول اور بے معنے نہیں ہے دیکھا یہاں یقیمون الصلوٰۃ میں ا-ل نے کتنا بڑا فائدہ دیا ہے اور نماز کے اتنے لمبے دفتروں کو جن سے کتب حدیث و کتب فقہ بھری پڑی ہیں صرف ا-ل نے اپنے اندر گھیر لیا ہے۔ مما رزقنٰھم ینفقون میں من تبعیضیہ ہے یعنے جو کچھ بھی ہم نے ان متقین کو دے رکھا ہے یا دیتے رہتے ہیں اُس میں سے صدقات مفروضہ اور صدقات نافلہ بھی نکالتے رہتے ہیں اور یہہ عبادت مالی ہے اس کی شرح کا بھی یہاں محل نہیں ہے اس کا بھی انشاءاللہ تعالیٰ اپنے محل پر بسط تمام بیان ہوگا مگر اتنا یاد رہے کہ مال خرچ کرنا بھی بڑا مشکل اور اس کا خرچ کرنا فی سبیل اللہ نفس پر بڑا شاق ہے اور اس کے ساتھ پیار کرنا اور اپنے نفس سے اس کو جدا نہ کرنا طرح طرح کے زنگار اور ظلمات پیدا کرتا ہے اسواسطے اسکے خرچ کرنے کی تعلیم کرنی بھی بڑی ضروری ہے اور بالخصوص عبادت بدنی کے ساتھ ہے کیونکہ ان دونو عبادتوں سے قوت ملکی کی ٹھیک ٹھیک ترتیب ہو جاتی ہے۔ یہہ بھی متقین کی اک صفت ہے۔

(۵) اس آیت میں ان چیزوں کا ذکر ہے جن پر ایمان لانا متقین کی صفت ہے اول ایمان بما انزل الیک دوم ایمان بما انزل من قبلک سوم ایمان وایقان بالآخرۃ پہلی بات تو قرآن مجید یعنی اولہ الی آخرہ پر دوم وہ جو کتب آسمانی جو قرآن مجید سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ نے مختلف ملکوں اور مختلف زمانوں اور مختلف زبانوں میں مختلف قوموں کی ہدایت کے لئے مختلف نبیوں اور رسولوں پر نازل فرما چکا ہے خواہ وہ کتابیں ہم کو معلوم ہیں خواہ معلوم نہیں ہیں خواہ ان انبیاء سابقین کا ہم کو پتہ ہے خواہ نہیں، خواہ کتب آسمانی سابقہ سب کی سب نیست و نابود اور معدوم اور مفقود ہو چکی ہیں یا نہیں خواہ سب کی سب محرف اور مبدل ہو چکی ہیں یا نہیں خواہ ان میں کچھ باتیں غیر محرف رہ گئی ہیں یا نہیں غرضکہ کوئی ہی آسمانی کتاب ہو اور کوئی سا ہی نبی یا رسول ہو سب کے سب بما انزل من قبلک میں داخل ہیں اور ان سب پر ایمان لانا بایں طور کہ یہہ کتابیں خدا کی کتابیں تھیں اور کہ ان میں نور اور ہدیٰ ہے اور فطرت سلیمہ کے موافق فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا الایۃ اعتدال پر لانے اور رکھنے کی تعلیمات بھری پڑی تھیں اور کہ قرآن مجید میں بھی وہی تعلیمات بلاکم و کاست موجود ہیں جو جو تعلیم اُن پہلی کتابوں میں خاص خاص قوتوں کو ان کی فطرت سلیم کو سلیم رکھنے کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کی معرفت دی تھی وہی تعلیم اب بھی بعینہ اسی طرح بلاکم و کاست اس قرآن مجید میں موجود ہے اور یہہ قرآن مجید انہیں الٰہی تعلیمات کی تصدیق کرتا ہے ان کو منسوخ نہیں کرتا اور نہ بوجہ من الوجوہ ان تعلیمات کی طرح سے بھی مخالفت کرتا ہے بلکہ ان کے مصدق اور موید ہے البتہ جو تعلیم الٰہی تعلیم نہیں ہے اور وہ کسی نہ کسی طرح ان کتابوں میں غلط ملط ہو گئی ہے اُس کی تصدیق نہیں کرتا اس کی سخت تردید کرتا ہے پس جملہ کتب سماوی سابقہ کو صدق دل سے قرآن مجید کی طرح نور اور ہدیٰ سمجھنا عین ایمان ہے کیونکہ سب کتابیں اللہ تعالیٰ کی ہیں اور سب کی سب معشر الجن والانس کی فطرت کی تربیت کے لئے ہیں پس جب کہ خدا تعالیٰ بھی اکیلا ہی ہے اور فطرت الجن والانس بھی ایک ہی ہے تو لابد نتیجہ یہہ نکلا کہ جو جو ہدایت ان کتابوں میں خدا کی طرف سے فطرت اللہ و خلق اللہ کی تربیت کے لئے نازل ہوئی ہے وہ سب کی سب آپس میں ایک دوسری کی موید اور مصدق ہوں نہ کہ ایک دوسرے کے مخالف۔ البتہ حسب ضرورت ان ہدایتوں اور تعلیمات کا دیا جانا عین حکمت کا تقاضا ہے ممکن ہے کہ ایک قوم کو ابھی توحید ہی کا پورا سبق نہ ملا ہو اور دوسرے ملک میں دوسری قوم کو توحید کا سبق پک چکا ہو پہلی قوم کو ابھی توحید سیکھنے کی ضرورت ہے دوسری قوم کو توحید کے علاوہ کچھ اور۔ ایک قوم میں کثرت کے ساتھ لواطت کی بدی ہے دوسری قوم میں ماپ و تول میں کمی کرنے کا گناہ افراط کو پہونچا ہوا ہے پس ضروری ہے کہ جیسی جیسی کسی قوم کو ضرورت ہو ویسی ویسی تعلیم ربی کی جاوے مگر لب لباب سب تعلیمات ربی کا یہی ہوگا کہ فطرت اللہ و خلق اللہ کی تربیت ہو مثلاً نوح علیہ الصلوۃ والسلام کی ساری عمر مسئلہ توحید سکھلانے میں گذر گئی شعیب علیہ الصلوۃ والسلام کے وقت میں معلوم ہوتا ہے کہ نماز کا حکم بھی ہوا تھا اور قوم میں ماپ تول میں کمی کرنے کا گناہ بہت جاری تھا اور لوط علیہ الصلوۃ والسلام کی قوم میں لواطت کا گناہ حد سے بڑھ گیا ہوا تھا غرضکہ خواہ کوئی نبی ہوا ہو اور کہیں ہوا ہو اور اس کی تعلیم خواہ کتنی ہی کیوں نہ ہو وہ سب کی سب قرآن کریم میں بعینہ حرفاً حرفاً اور لفظاً لفظاً موجود ہے وہ منسوخ نہیں ہے اور وہ منسوخ ہو نہیں سکتی کیونکہ خدا کی تعلیم ہے اور ہے بھی فطرت الجن والانس کی تربیت کے لئے اور قیام قیامت تک فطرت اللہ و خلق اللہ کی تربیت کی ضرورت ہے اسواسطے قرآن مجید جا بجا جسقدر پہلی آسمانی کتابیں ہو چکی ہیں ان کی تصدیق کرتا ہے نہ کہ تنسیخ اور اسواسطے جو کچھ ان میں دوسری تعلیم مل جل گئی ہے اُس کی رد کرتا ہے اور اصلی اور سچی تعلیم جو تھی اُس کو بحال اور قائم کرتا ہے یہاں بھی اللہ تعالیٰ مومنین متقین کی صفت میں بیان فرماتا ہے کہ یہہ متقین لوگ قرآن مجید سے جسقدر پہلی کتابیں آسمان سے نازل ہو چکی ہیں اُن سب پر ویسا ہی ایمان رکھتے ہیں جیسا کہ وہ قرآن کریم پر۔ مگر اب دیکھنا یہہ ہے کہ وہ پہلی آسمانی کتابیں ہیں کہاں اور ان کے نام کیا ہیں اور وہ نبی کون تھے اور کس کس ملک میں تھے سو قرآن مجید کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چار کتابوں کا نام قرآن مجید سمیت آتا ہے۔ توریت۔ انجیل۔ زبور اور فرقان یا قرآن اور باقی کتابوں کو عموماً الکتاب یا زبر یا صحف کے نام سے تعبیر کرتا ہے اسی طرح نبیوں اور رسولوں میں سے بعض کے نام قرآن مجید میں مذکور ہیں اور بعض کے مذکور نہیں ہیں پس قرآن کریم کی تعلیم کے رو سے کتب سابقہ آسمانی پر ایمان لانے کے معنے یہہ ہیں کہ جن کتابوں کا نام لیا گیا ہے تم بھی ان کا نام لیکر اُن پر ایمان لاؤ اور جن نبیوں اور رسولوں کا نام مذکور ہے تم ان کو انہیں ناموں سے نبی اور رسول مانو باقی کتابوں کا نام نہ قرآن مجید نے لیا ہے نہ ہم خصوصیت کیساتھ کسی کتاب کو آسمانی کہہ سکتے ہیں اگرچہ ان کی تعلیم مطابق ہدایت نامہ آسمانی ہی کیوں نہ ہو کیونکہ انبیاء و رسل کے بعد ان کے تابعداروں میں سے جو لوگ ان کے قدم بہ قدم چلتے ہیں خواہ مخواہ جو کتاب لکھیں گے نبی کی تعلیم کے موافق لکھیں گے بلکہ خود نبی کی اپنی زبان کے بولے ہوئے کلمات جو بالیقین کتب آسمانی کی تفسیر ہوتے ہیں کتاب آسمانی یا کتاب اللہ یا کلام اللہ نہیں کہہ سکتے پس وہ کتاب آسمانی کتاب نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اُن کتابوں کے مولفوں یا مصنفوں کو نبی کہہ سکتے ہیں۔ پس اس جگہ اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر کتب آسمانی سابقہ پر ایمان لانے کو کہا کہ متقین لوگوں کی صفت یہہ ہے

یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک ۔ جو کچھ اوپر لکھا جا چکا ہے اس کی تائید و تصدیق کے لئے آیات ذیل قابل غور ہیں :۔

فانہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ مصدقا لما بین یدیہ وھدی وبشری للمؤمنین ۵ (پ۱ ع۱۲)

اس فرشتے جبریل نے اللہ کے حکم سے اس قرآن مجید کو تیرے دل پر اتارا ہے جو اُن تمام آسمانی کتابوں کو جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں تصدیق کرتا ہے اور جو لوگ ایمان کے طلبگار ہوتے ہیں اُنکے لئے ہدایت و بشارت ہے"

نزل علیک الکتب بالحق مصدقا لما بین یدیہ (پ۳ ع۹)

" اے پیغمبر اللہ تعالے نے تجھ پر کامل صفات و جامع کمالات والی کتاب کو کامل حق کے ساتھ نازل کیا ہے جو اُن جملہ کتب آسمانی کی جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں تصدیق کرتا ہے"

وھذا کتاب انزلنہ مبارک مصدق الذی بین یدیہ (پ۷ ع۱۸)

اور یہہ قرآن ایسی عظیم الشان اور عالی قدر کتاب ہے کہ اس کو ہم نے اُتارا ہے اور اس میں بڑی بڑی برکات بھری گئی ہیں اور اُن جملہ کتب آسمانی کی جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں تصدیق کرنیوالا ہے"

وما کان ھذا القرآن ان یفتری من دون اللہ ولکن تصدیق الذی بین یدیہ وتفصیل الکتب لاریب فیہ من رب العلمین ۵ (پ۱۱ ع۹)

" اور یہہ کامل صفات و جامع کمالات والا قرآن کوئی ایسی کتاب نہیں ہے کہ خدا تعالے کے سوائے کوئی بھی اس کو اپنی طرف سے بنا سکے بلکہ جتنی کتابیں اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں رب العلمین کی طرف سے اون سب کی تصدیق کرتا ہے اور اُن سب کے جملہ مسائل کی تفصیل کرتا ہے"

وما کان حدیثا یفتری ولکن تصدیق الذی بین یدیہ وتفصیل کل شئ وھدی ورحمۃ لقوم یؤمنون (پ۱۳ ع۷)

" اور یہہ پاک کتاب کوئی ایسی بات تو ہے ہی نہیں کہ اللہ تعالے کے سوائے کوئی اور بھی اس کو بنا سکے بلکہ اس سے پہلے جس قدر آسمانی کتابیں نازل ہو چکی ہیں اُن سب کی تصدیق ہے اور جو لوگ ایمان کے خواہاں ہیں ان کے لئے اس کتاب میں ہر ایک بات کی تفصیل اور ہدایت اور رحمت ہے"

ان آیات کا خلاصہ تو بس اتنا ہی ہے کہ قرآن شریف جملہ کتب سابقہ آسمانی کا مصدق ہے اور موید ہے اور ان کا ناسخ نہیں ہے اور نہ ان کا کسی قسم کا مخالف کرتا ہے یعنے جملہ مسایل اصولیہ و فروعیہ اعتقادیہ و عملیہ عموماً و خصوصاً جتنی جتنی اُن میں اللہ تعالے کی طرف سے نازل ہوئی ہیں اُن کی تصدیق کرتا ہے اور بوجہ من الوجوہ کسی ایک بات میں بھی اُن سے مخالف نہیں کرتا از جو مسایل الٰہی تعلیم کے علاوہ اُن میں مل جل گئی ہیں ولہذا فطرت اللہ و خلق اللہ کی تربیت کے منافی ہیں اُن سب کی تردید کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ جملہ کتب سابقہ کی ہر ایک تعلیم پر جو منجانب اللہ ہے ایمان لانا فرض ہے اور چونکہ کتب سابقہ میں تعلیمات خدا و غیر خدا مل جل گئی ہوئی ہیں اسواسطے لازمی نتیجہ یہہ نکلا کہ محض قرآن کریم ہی ہیمن و حکم و معیار صحیح ہے اور بس اگر کوئی تعلیم بھی اس معیار کے مطابق نہ نکلے تو بس وہ تعلیم یقیناً یقیناً خدا کی تعلیم نہیں ہے اس کی پوری پوری تفسیر و تفصیل انشاء اللہ تعالی کسی اپنے محل مناسب پر کی جاویگی بتوفیقہ تعالے ۔ اب باقی رہی یہہ بات کہ یہہ قرآن کریم جملہ کتب سابقہ کی تعلیمات ربی اور ہدایات کا جامع ہے اور باقی کی کتب اگرچہ اپنے زمانہ اور قوم کی ضرورت کے لحاظ سے بالکل کافی اور جامع اور پورا اور سب ہے اور مکمل اور تمام و مفصل تھیں مگر قرآن کریم کی نسبت مکمل اور تمام اور پوری نہ تھیں اور یہہ کہ قرآن مجید کل دنیا کے لئے ہے اور کل دنیا کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ہر آن ہر زمان ہر مکان ہر شان میں کافی شافی وافی عافی ہے اسی واسطے جابجا قرآن شریف میں ہم کو تعلیم ہے کہ پہلی کتابیں چونکہ قرآن مجید کی اجزا ہیں اسی واسطے ان پر بھی ایمان لانا فرض ہے یہہ باتیں قرآن شریف کی آیات ذیل سے ثابت ہیں :۔

واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ (پ۳ ع۱۷)

" اور اے نبی (صلعم) لوگوں کو وہ وقت بھی یاد دلا کہ جب اللہ تعالے نے تمام نبیوں سے حلفی عہد لیا کہ میں ضرور ضرور تم کو عالیشان کتاب و حکمت یعنی قرآن مجید میں سے کچھ کچھ دینا رہونگا پھر تمہارے پاس عالیشان اور بلند مکان رسول یعنے محمد رسول اللہ صلعم خاتم النبیین آویگا اور اس کی نشانی یہہ ہوگی کہ وہ ان جملہ تعلیمات کی جو تم پاس ہونگی تصدیق کرے گا تو تم ضرور ضرور

اسپر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا ط (پ ۶ ع ۶)

" آج ہم تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر چکے اور اپنی نعمت تم پر پوری کر چکے اور ہم نے اس مکمل و متمم دین اسلام کو تمہارے لئے پسند فرمایا "

امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمؤمنون ط کل امن باللہ و ملئکتہ وکتبہ ورسلہ لانفرق بین احد من رسلہ قف (پ ۳ ع ۸)

" یہہ رسول (محمد صلعم) اور باقی کے سارے مومن بھی اس کتاب پر جو محمد رسول اللہ صلعم پر انکے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئی ہے ایمان لاتے ہیں سب کے سب یعنے نبی بھی اور اسکے امت بھی اللہ تعالے کی ذات وصفات اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالے کے جمیع رسل و انبیاء میں سے کسی کو بھی ہم جدا نہیں سمجھتے یعنے سب کا دین ایک ہی رہا ہے اور سب کے سب فطرت اللہ و خلق اللہ کی تربیت کرتے رہے ہیں "

قولوا امنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم و اسمعیل و اسحق و یعقوب والاسباط وما اوتی موسی و عیسی وما اوتی النبیون من ربہم لا نفرق بین احد منہم ونحن لہ مسلمون ٥ (پ ۱ ع ۱۶)

" اے مسلمانو تم اپنا عقیدہ یوں ظاہر کرو کہ ہم تو اللہ تعالے کی ذات وصفات پر اور اس کتاب پر جو ہم پر یعنے ہمارے نبی صلعم پر نازل کی گئی ہے۔ اور ان صحیفوں پر جو ابراہیمؑ - اسماعیلؑ - اسحاقؑ - یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ پر اتاری گئی تھی اور ان کتابوں پر جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو ملیں اور ان کتابوں پر جو ان کے علاوہ اور اور نبیوں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ملتی رہی ہیں ایمان لاتے ہیں ہم تو جمیع رسولوں میں سے کسی ایک میں بھی کسی طرح کی جدائی نہیں سمجھتے اور ہم اسی اللہ تعالے کے لئے تسلیم ہیں یعنے ایسا ہمارا عقیدہ کسی غرض کے واسطے نہیں ہے صرف غرض یہہ ہے کہ اللہ تعالے خوش ہو "

خلاصہ ان آیات طیبات کا یہہ ہے کہ قرآن کریم ہی الکتاب یعنے پوری پوری کتاب ہے جسمیں سے بعض بعض مسائل بعض بعض انبیاء اور رسل کو اپنی اپنی قوم کی ہدایت کے لئے حسب ضرورت و تقاضائے زمانہ دیئے جاتے رہے تھے اور کہ جب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آیا تو وہی کتاب جسمیں کہ بعض بعض مسائل پہلے بھی دنیا میں آچکے تھے ان کو ۲۳ برس تک عطا کی گئی اور اسپر مہر الیوم اکملت لکم دینکم الایۃ کی لگ گئی پس اللہ تعالے فرماتا ہے کہ متقین وہ لوگ ہیں جو جملہ کتب آسمانی کو ایک دوسری کی مؤید اور مصدق بلا سر مو فرق کرنے کے مانتے ہیں اور ان میں کسی قسم کا تخالف تضاد - تناقض - تناسخ نہیں مانتے اور چونکہ پہلی کتابوں میں بہت کچھہ ادل بدل ہو چکا ہوا ہے اسواسطے وہ قرآن مجید ہی کی تعلیم کو کافی شافی وافی عافی سمجھہ کر باقی کی کتابوں کے مضامین کی پرواہ بھی نہیں کرتے اور اگر ضرورت پڑے تو قرآن کریم کو معیار بنا کر ان کے سقم و صحت کو الگ کر دکھاتے ہیں اور رسول خدا صلعم کی اس حدیث مبارک کو جو ان جملہ آیات کا خلاصہ ہے جنمیں یہہ ذکر ہے کہ قرآن کریم جملہ کتب سابقہ آسمانی کا مصدق ہے۔ زیر نظر اور معمول بہ رکھتے ہیں "۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال کان اھل الکتاب یقرؤن التورٰیۃ بالعبرانیۃ و یفسرونہا بالعربیۃ لاھل الاسلام فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تصدقوا اھل الکتاب ولا تکذبوا ھم وقولوا آمنا باللہ وما انزل الینا الایۃ (رواہ البخاری مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

" ابوہریرہ رضی اللہ تعالے عنہ سے مروی ہے کہ یہودی لوگ عبرانی زبان میں توراۃ پڑھہ پڑھہ کر مسلمانوں کے لئے اس کا ترجمہ اور تفسیر عربی زبان میں کیا کرتے تھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہہ دیکھہ کر حکم دیدیا ان اہل کتاب سے جو کچھہ تم سنو نہ تو تم اس کی تصدیق ہی کیا کرو اور نہ تکذیب بلکہ یوں کہہ دیا کرو کہ ہمارا اعتقاد تو یہہ ہے کہ ہم اللہ تعالی کی ذات وصفات پر اور اس کی کتاب پر جو ہم پر اتری ہے وغیرہ وغیرہ (آیت کے اخیر مضمون تک) پر ایمان لائے ہیں "

تیسری بات جو اس آیت زیر تفسیر میں قابل ایمان و ایقان ہے یہہ ہے وبالآخرۃ ھم یوقنون یعنے اس پچھلے گھر پر جسنے اس دنیا کے فنا ہو جانے کے بعد آنا ہے دل سے یقین کرتے ہیں الآخرۃ میں ا - ل اسمی بمعنی التی اسم موصول مؤنث ہے اور آخرۃ اسم فاعل مؤنث بمعنی مضارع معروف ہے یعنے وہ چیز جو فی الحال نہیں ہے مگر پیچھے آوے گی اور مراد ہے اس عالم سے جو اس عالم عاجل اور فانی اور عارضی کے بعد آنے والا ہے اور جابجا قرآن مجید

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۖ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۶)

اے نبی یہی لوگ اپنے رب کی اتاری ہوئی ہدایت پر قایم ہیں - اور اے نبی یہی لوگ ہیں جنکو نجات اور کامیابی نصیب ہو گی +

الآخرۃ کے نام سے مذکور ہے اور یوقنون سے مراد یہہ ہے کہ یہہ متقین لوگ اول تو آخرۃ کے وجود کے قائل ہیں دوم حشر و نشر حساب - وزن - دوزخ بہشت وغیرہ وغیرہ امور کی دل سے تصدیق کرتے اور زبان سے اپنی دلی تصدیق کی موافقت کرتے ہیں یعنے یہہ کہ قیامت کے متعلق جو جو کچھہ جس جس کیفیت اور کمیت اور ماہیت اور حالت اور طریقت کیساتھہ اول قرآن کریم کی عبارت النص سے دوم قرآن کریم کا حکمت یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف سے ثابت ہے اُس کو اسی کیفیت اور کمیت اور ماہیت اور طریقت اور حالت کے ساتھہ مانتے ہیں - یہانتک اللہ تعالے نے اُن لوگوں کی نشانیاں اور صفات اور علامات بیان فرمائی ہیں جو متقین ہیں یعنے جو لوگ یہہ خواہش اور ارادہ کرتے ہیں کہ ہم کو تقوے اور صراط مستقیم و رضاء اللہ تعالے کی ہدایت نصیب ہو اور ہم دوزخ کے عذابوں سے رہائی پاویں اللہ تعالے فرماتا ہے کہ تم ایسی ایسی صفات والے بنجاؤ پس پھر تم ہی صراط مستقیم پر چڑھ جاؤ گے اور میں تم کو اسپر ثابت رکھوں اور دوزخ سے بچاؤنگا چنانچہ ان صفات کے بعد اللہ تعالے فرماتا ہے - اولئك علی ھدی الخ

(۶) اصول نمبر ۲ کے مطابق چونکہ قرآن مجید کا کوئی حرف بھی زائد اور بے معنے نہیں ہے اسواسطے اولٓئك کے کاف کا ترجمہ "اے نبی" کر دیا ہے تاکر لك کا مفہوم ادا ہو جائے - اولٓئك اسم اشارہ بعید ہے اور یہاں بھی ذلك الکتاب کی طرح بُعد رتبی ہی مراد ہے اور بس اس لفظ کے لانے میں حکمت یہہ ہے کہ متقین لوگ جن کی صفات اوپر مرقوم ہو چکی ہیں بڑے اعلے رتبہ اور اعظم شان و بلند مرتبہ ہیں اور ان کی نسبت فرمایا کہ بس یہی لوگ اس ھدی پر ہیں جو اللہ تعالے کی بتائی ہوئی اور مقرر کی ہوئی اور نازل کی ہوئی ہے ھدی سے مراد نور و بیان و بصیرت و استقامت علی الصراط المستقیم ہے - المفلحون میں ا - ل اسمی ہے بمعنے الذین اور مفلحون صیغہ اسم فاعل بمعنے مضارع ہے - پس اولٓئك ھم المفلحون کے معنے یہہ ہوئے کہ بس یہی لوگ فلاح پاوینگے یعنے نجات پاوینگے اور اپنے جملہ معلومات و مقصودات کو حسب دلخواہ حاصل کرینگے - فلاح کے معنے ہیں یہہ دو تو باتیں شامل ہیں یعنے عذاب دوزخ سے نجات اور فوز عظیم یعنے ثواب اور اجر کا ملنا خلاصہ یہہ ہے کہ دوزخ کی آنچ تک ان کو نہ لگنے پاویگی اور جنت میں داخل کئے جاوینگے - اس کی تصدیق کے لئے بہت سی آیات قرآن مجید میں موجود ہیں از انجملہ آیات ذیل پر کفایت کی جاتی ہے -

قد افلح المؤمنون ۙ الذین ھم فی صلاتھم خاشعون ۙ الایۃ

"بیشک وہ مومن جن کی صفات ذیل ہیں ......"

....

...... اولٓئك ھم الوارثون ۙ الذین یرثون الفردوس ھم فیھا خالدون ۝ (پ ۱۸ ع ۱)

"... نجات اور کامیابی پا چکے .... اے نبی یہہ لوگ ہی وہ وارث ہیں جو جنت الفردوس کی وراثت لینگے وہ اس میں سدا رہینگے"

قد افلح من تزکی ۝ وذکر اسم ربه فصلی ۝ بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا ۝ والاٰخرۃ خیر و ابقی ۝ (پ ۳۰ ع ۱۲)

"جو کوئی اپنے دل کی خوشی اور محبت خدا کی کتاب کے موافق پاک بناتا ہے اور اپنے رب کے نام کا ذکر اور بیان کرتا ہے اور عملی ذکر یعنے نماز پڑھتا ہے تو وہ بیشک نجات اور کامیابی پا چکا پہر تم ان اخروی کاموں پر اس موجودہ زندگی یعنے دنیوی ظاہری اور عارضی کاموں کو مقدم رکھتے ہو حالانکہ وہ جہان جو اس کے بعد آنے والا ہے بہتر ہے اور ہمیشہ قایم رہنے والا ہے"

قد افلح من زکٰھا ۝ وقد خاب من دسّٰھا ۝ (پ ۳۰ ع ۱۶)

"جو کوئی اپنے نفس کو پاک رکھیگا بیشک وہ نجات اور کامیابی پا چکا اور جو کوئی اپنے نفس کو ناپاک رکھیگا بیشک وہ خسارہ میں پڑ چکا یعنے پہلی قسم کے لوگ جنت میں دوسری قسم کے لوگ جہنم میں جاوینگے مطابق فریق فی الجنۃ وفریق فی السعیر کے یعنے کچھہ لوگ جنت میں جاوینگے اور کچھہ لوگ دوزخ میں"

لکن الرسول والذین اٰمنوا معه جاھدوا باموالھم وانفسھم ط واولٓئك لھم

"مگر رسول اللہ صلعم نے اور ان لوگوں نے جو ان کے ساتھہ اللہ پر ایمان لا..."

الخیرات و اولٰئک ھم المفلحون ○ اعد اللہ لھم جنّٰت تجری من تحتھا الانھر خٰلدین فیھا ؕ ذٰلک الفوز العظیم (پ۱۰ ع۱۷)	لائے ہیں اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کئے اور یہی لوگ ہیں جنکے لئے دنیا و آخرت کی سب قسم کی خوبیاں اور برکات ہیں اور یہی لوگ نجات اور

کامیابی پانے والے ہیں ان کے لئے اللہ تعالےٰ نے بہشت تیار کر رکھے ہیں جن کے تلے وہ نہریں جنکا ذکر قرآن مجید میں آچکا ہے بہ رہی ہوں گی۔ اسے نبی صلعم یہہ بڑی بھاری کامیابی ہے "

خلاصہ ان آیات کریمہ کا یہہ ہے کہ دوزخ کے عذاب سے نجات اور جنت کی نعمت عظمیٰ فقط انہیں لوگوں کو ملیگی جو اللہ تعالےٰ کی اتاری ہوئی کتاب پر ایمان لاتے ہیں اپنے نفس کو پاک کرتے ہیں اور اپنی فطرت کو جسے اللہ تعالےٰ نے سلیم اور پاک پیدا کیا ہوا ہے بچاتے رہتے ہیں اور اس میں کسی قسم کی تغییر و تبدیل نہیں کرتے اور الدین القیم یعنے الصراط المستقیم پر سدا قائم رہتے ہیں۔

سوال ۔ اولٰئک علیٰ ھدًی من ربھم و اولٰئک ھم المفلحون ○ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت ماقبل کے امور پر ایمان لانا ہی وارث جنت بنا دیتا ہے حالانکہ ان میں نہ ماہ رمضان کے روزوں کا ذکر اور نہ حج کا بیان ہے اور نہ اور بہت سے محرمات و مشروعات کا ۔ سو اسکا جواب یہہ ہے کہ قرآن مجید میں صنعت تخصیص بعد تعمیم اور تعمیم بعد تخصیص بہت مستعمل ہے یعنے بعض جگہ اللہ تعالےٰ کچھ خاص خاص امور ذکر فرماتا ہے اور پھر اس کے پیچھے عام حکم بیان کر دیتا ہے اسی طرح بعض جگہ اس کے عکس چند آیات ذیل میں بطور استشہاد لکھی جاتی ہیں:—

حافظوا علی الصلوٰت و الصلوٰۃ الوسطیٰ و قوموا للہ قٰنتین (پ۲ ع۱۵)	"جملہ نمازوں کا عموماً اور بیچ والی نماز کا خصوصاً تقید رکھو اور نماز میں اللہ تعالےٰ کے روبرو سیدھے باادب عاجزانہ صورت بنائے کھڑے ہوؤ "
من کان عدوًّا للہ و ملٰئکتہ و رسلہ و جبریل و میکال الاٰیہ (پ۱ ع۱۲)	"جو کوئی اللہ تعالےٰ کا اور اس کے فرشتوں کا اور جبریل و میکائیل کا دشمن ہوگا اللہ تعالےٰ اس کا دشمن ہوگا "
فان اللہ ھو مولٰہ و جبریل و صالح المؤمنین و الملٰئکۃ بعد ذٰلک ظھیر ○ (پ۲۸ ع۱۹)	"رسول صلعم کا حامی ہے اللہ اور جبریل فرشتہ اور تمام صلحاء مومنین اور علاوہ برآں باقی کے جملہ فرشتے بھی رسول اللہ صلعم کے حامی ہیں "
تؤمنون باللہ و رسولہ و تجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم و انفسکم (پ۲۸ ع۱۰)	"دوزخ سے بچانے والا بیوپار یہہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی ذات اور صفات اور اس کے رسول محمد رسول اللہ صلعم پر ایمان لاؤ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرو "
انا اوحینا الیک کما اوحینا الیٰ نوح و النبیین پ۶ ع۳	"ہم نے تیری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح ہم نے نوح اور اور نبیوں کی طرف بھیجی تھی "
یٰاھل الکتٰب لا تغلوا فی دینکم و لا تقولوا علی اللہ الا الحق (پ۶ ع۳)	"اے اہل کتاب اپنے دین کی کسی بات میں بھی افراط و تفریط نہ کیا کرو اور اللہ تعالےٰ کی نسبت نرا حق ہی حق بولا کرو محض حق کے سوائے ایک بات بھی نہ بولا کرو "
ولو انھم اٰمنوا و اتقوا لمثوبۃ من عند اللہ خیر . . پ۱ ع۱۲	"اور اگر یہہ لوگ ایمان لاتے اور تقوے اختیار کرتے تو اس کا اجر اور ثواب جو اُن کو اللہ تعالےٰ کے ہاں سے ملتا اور ان کے حق میں ان کے اس دنیائے دون سے کہیں بہتر ہوتا "
یٰایھا الذین اٰمنوا اٰمنوا باللہ و رسولہ و الکتٰب الذی نزل علیٰ رسولہ (پ۵ ع۱۷)	"اے ایمان والو اللہ تعالےٰ کی ذات اور صفات اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کامل صفات و جامع کمالات والی کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے "

پہلی چار آیات میں تخصیص بعد تعمیم ہے اور پچھلی چار آیات میں اُس کے عکس یعنے تعمیم بعد تخصیص ہے ۔ اسی طرح آیات مسئولہ عنہا میں یہہ دو صفتیں موجود ہیں المتقین کی پہلی صفت الذین یؤمنون بالغیب میں جملہ احکام و نواہی جملہ اصول و فروع ۔ جملہ اعتقادیات و عملیات ضمناً

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْ

اے نبی بیشک وہ لوگ جو اس ہدایت نامہ ربانی کو قبول کرنیکے بجائے اسکے انکار پر مستمر مستقر اور مصر ہوئے رہتے ہیں تیرا ڈرانا اور نہ ڈرانا انکے حق میں یکساں ہے یعنی مفید نہیں

هُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

وہ تو اصرار و استمرار و انکار کی وجہ سے ایمان نہیں لائینگے۔

ہیں پھر اس کے بعد از روئے صفت تخصیص بعد تعمیم اقامت صلوٰۃ و انفاق اموال کا ذکر فرمایا پھر اسکے بعد ایمان بالقرآن - ایمان بما انزل من قبل القرآن اور ایمان بالآخرۃ کا ذکر بطور تعمیم بعد تخصیص فرمایا۔ پس ان آیات میں ضمنی طور پر ان تمام امور معاد و معاش کا ذکر ہے جنکی پیروی کرنے والے اس آیت کی بشارت کے مستحق ہیں اللھم ارزقنا ھذہ النعمۃ واجعلنا من اھلھا۔

یہانتک تو اللہ تعالے نے متقین کے اوصاف بیان فرمائے ہیں اول ایمان بالغیب بعد ازاں اعمال صالحہ میں اعظم و اشرف و اجل عمل یعنے نماز کا ذکر کیا ہے جو عبادت بدنی ہے بعد ازاں اخلاق فاضلہ میں سے خیرات کرنے کا ذکر کیا ہے کیونکہ خیرات اور صدقات کرنا سب اخلاق حسنہ کا رائس رئیس ہے اس کے بعد ایمان بالغیب کی تشریح و تفسیر کے لئے ایمان بالقرآن و ایمان بالکتب السماویہ الاولی کا بیان فرمایا اور سب سے آخر آخرت پر ایمان لانے کا ذکر کیا کیونکہ سب سے آخر آخرت کو ہی ایمان و اعمال و اخلاق کا اجر اور بدلہ ملتا ہے۔ متقین کے بیان کے بعد اب ان کے ضد اور نقیض کا بیان کرنا شروع کیا اور فرمایا:۔

(۵) لغت میں کفر کے معنے ہیں تغطیہ و ستر حق یعنے ڈھانک دینا اور حق پوشی کرنا۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ عمداً جان بوجھ کر دیدہ و دانستہ حق پوشی کر رہے ہیں اور ہدایت نامہ ربانی کو قبول نہیں کرنا چاہتے ان کے لئے یہ ہدایت نامہ کچھ کارگر نہیں ہے کیونکہ اگر ان کو سمجھایا جاوے تو بھی انہوں نے انکار کرنا ہے اور اگر سمجھانا چھوڑ دیا جاوے تو ان کے انکار سے یوں بھی ان کے دلوں سے انکار نہ ہوا تو معلوم ہوا کہ سمجھانا اور نہ سمجھانا گویا بلحاظ مآل و نتیجہ برابر ہوئے قرآن مجید میں بہت سی آیات ہیں جو صاف صاف باآواز بلند پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ اللہ الصمد بے نیاز و بے غرض ہے اس کو کسی کی ہدایت یا ضلالت سے نہ کچھ فایدہ ہے اور نہ کچھ نقصان ہے اگر ہدایت کو کوئی قبول کریگا تو محض اپنے فایدے کے لئے اور اگر قبول نہ کریگا تو اسکا وبال اس کی اپنی گردن پر ہے اور یہ بھی کثرت وارد ہے کہ اللہ تعالے ہرگز ہرگز اس ایمان کو پسند نہیں کرتا جو جبر و اکراہ کے ساتھ قبول کیا جاوے وہ صرف اس ایمان پر راضی ہے اور فقط اسی ایمان کو قبول فرماتا ہے جو اپنی خوشی اور محبت قلبی اور رضا و رغبت سے قبول کیا جاوے پس جو لوگ ایمان اور ہدایت کی طرف رخ ہی نہیں کرتے اور اپنی گمراہی اور بدراہی میں مبتلا رہتے ہیں اللہ تعالے بھی ان کو جبراً و قہراً ان کا ہاتھ پکڑ کر ہدایت پر نہیں لاتا اور نہ لانا چاہتا ہے اور جو ذرہ سی بھی ہدایت کے قبول کرنے کے لئے ذری بھی توجہ کرتے ہیں ان کو اپنی مہربانی سے راہ راست پر چڑھا دیتا ہے اور نہ صرف چڑھا ہی دیتا ہے بلکہ مرنے دم تک اس پر انکو چلاتا اور قائم رکھتا ہے اللھم ارزقنا ھذہ النعمۃ واجعلنا من اھلھا۔ ذیل کی چند آیات بطور استشہاد لکھی جاتی ہیں۔

لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی لا انفصام لھا واللہ سمیع علیم ۝ (پ ۳ ع ۲)

"اس کامل صفات و جامع کمالات والے دین میں کسی مسئلہ میں بھی زبردستی مفید نہیں ہے بیشک ہر قسم کی ہدایت ہر قسم کی گمراہی سے الگ کھل کر ہو چکی ہے سو جو کوئی ہر قسم کے باطل پیشواؤں اور معبودوں کا انکار کرے اور اللہ کی ذات و صفات پر ایمان لاوے تو پس ایسا آدمی کامل اور پورے و پکے مضبوط رسی کو چنگل مار چکا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ تعالے سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

ولو شاء ربك لآمن من في الارض كلهم جميعا افانت تكره الناس حتى يكونوا مؤمنين ۰ (پ۱۱ ع۱۵)	"اے نبی صلعم اگر تیرا رب چاہتا تو اس دھرتی پر جسقدر لوگ ہیں سب کے سب ایمان لے آتے مگر تیرا رب اکراہ اور جبر سے کسی شخص سے ایمان قبول کروانا چاہتا ہی نہیں کیا تو ایسا چاہتا ہے؟ تو پھر تو ان پر جبر کرتا ہے تاکہ وہ مومن بن جاویں یعنی اکراہ و اجبار والے ایمان کی دل میں خواہش ہی نہ کیا کر"
ما انزلنا عليك القرآن لتشقى ۰ الا تذكرة لمن يخشى ۰ (پ۱۶ ع۱)	"اے نبی اس کامل صفات وجامع کمالات والے قرآن مجید کو ہم نے تجھ پر اس واسطے تو نہیں اتارا کہ تو بڑا مصیبت جھیلے بلکہ اس واسطے کہ جو لوگ خدا کا خوف پیدا کرنا چاہیں اُن کے لئے نصیحت نامہ ہو"
لعلك باخع نفسك الا يكونوا مؤمنين ۰ (پ۱۹ ع۵)	"اے نبی اس بات پر کہ لوگ ایمان قبول نہیں کرتے تو تو اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے یعنے تیرا کام محض تبلیغ ہے لوگوں کی اپنی مرضی ہے چاہیں تو ایمان لاویں چاہیں تو نہ لاویں"
فلعلك باخع نفسك على آثارهم ان لم يؤمنوا بهذا الحديث اسفا ۰ (پ۱۵ ع۱۳)	"اے نبی اگر یہ لوگ اس کامل صفات اور جامع کمالات والے کلام یعنی قرآن کریم پر ایمان نہ لاویں تو تو تو مارے افسوس کے کہ ہائے یہ لوگ کیوں مومن نہیں ہوتے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دیگا یعنے یہ کہ اے نبی صلعم ایسا مت کر۔ ایمان لانا یا نہ لانا لوگوں کا اختیاری امر ہے"
وقل الحق من ربكم فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر ط (پ۱۵ ع۱۶)	"اور اے نبی لوگوں کو کہدے کہ یہ کامل صفات اور جامع کمالات والا قرآن مجید جو سراسر حق ہی حق ہے تمہارے رب کی طرف سے تمہاری روحانی اور جسمانی بہتری کیلئے نازل ہوا ہے سو اب تمہاری مرضی ہے جسکی مرضی ہو وہ اُسکو قبول کر لیوے اور جو کوئی قبول نہ کرنا چاہے نہ کرے"
كلا انها تذكرة ۰ فمن شاء ذكره ۰ (پ۳۰ ع۵)	"سنو جی جو شخص ہدایت قبول کرنا ہی نہیں چاہتا اُسکے پیچھے پڑ پڑ کر ایمان لانے کیلئے اسکو مجبور نہ کیا کرو کیونکہ قرآن مجید تو سراسر نصیحت نامہ ہے اب جس کا جی چاہے اسکو نصیحت نامہ مان کر قبول کرے"
انا هديناه السبيل اما شاكرا واما كفورا ۰ (پ۲۹ ع۱۹)	"ہم نے تو انسان کو اپنا صراط مستقیم دکھا دیا ہے یعنے آسمانی کتاب میں بیان کر دیا ہے اب آگے لوگ دو قسم کے ہو جاتے ہیں کوئی تو اسکو قبول کر لیتے ہیں اور شاکرین کے زمرہ میں داخل اور کوئی قبول نہیں کرتے اور کافروں کی مد میں شامل ہو جاتے ہیں"
ان هذه تذكرة فمن شاء اتخذ الى ربه سبيلا ۰ وما تشاؤن الا ان يشاء الله ان الله كان عليما حكيما ۰ يدخل من يشاء في رحمته والظالمين اعد لهم عذابا اليما ۰ (پ۲۹ ع۱۹)	"یقیناً یہ آیات سراسر نصیحت ہیں جسکا جی چاہے اپنے رب کی رضامندی تک پہنچانے والی عظیم الشان راہ کو اختیار کر کے اور اللہ کی چاہی ہوئی پسندیدہ مرضیہ راہ اسلام کے سوائے ہرگز ہرگز کوئی اور راہ اختیار نہ کرنا بیشک اللہ ہی عالم جزئیات اور بڑی حکمت والا ہے اپنی رحمت میں جسکو چاہتا ہے داخل کرتا ہے مگر ظالم لوگ اسکی رحمت کے مستحق نہیں ہوا کرتے ان کیلئے اسنے عذاب دردناک تیار کر رکھا ہے"
ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى ونصله جهنم وساءت مصيرا ۰ (پ۵ ع۱۴)	"اور جو شخص کامل صفات اور جامع کمالات والی ہدایت یعنے قرآن مجید کے ظاہر ہونے کے پیچھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر اڑا رہے اور مومنوں کی راہ کے سوائے کوئی اور رستہ اختیار کر بیٹھے تو پھر جو رستہ اُس نے خود اختیار کر لیا ہے ہم بھی اُسی کے اپنے اختیار کئے ہوئے رستے پر اُس کو چھوڑے رکھتے ہیں اور اُس کو جہنم میں جھونک دینگے اور وہ جگہ بہت بُری ہے"
ونذرهم في طغيانهم يعمهون ۰ (پ۷ ع۱۹)	"اور ہم اُن کو اُن کی گمراہی میں جو انہوں نے خود اختیار کر لی ہوئی ہے اور اسپر اڑے بیٹھے ہیں چھوڑے رکھتے ہیں کہ پڑے اندھا دھند میں بھٹکا کریں"

قل فللّٰہ الحجۃ البالغۃ فلو شاء لھدٰکم اجمعین ۝ (پ۸ ع ۶)

"کہہ دے نبی ان کفار کو جو ایسے ایسے اعتراض کرتے ہیں جواب دو کہ پس اللہ تعالےٰ کی ہی حجت زبردست ٹھہری اور تم سب ہار گئے پھر اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک راہ راست پر لے آتا"

وعلی اللّٰہ قصد السبیل ومنھا جائر ولو شاء لھدٰکم اجمعین ۝ (پ۱۴ ع ۷)

"خدا کی طرف فقط وہی سیدھی راہ پہونچا سکتی ہے جو خدا نے بیان کردی ہے اور اس راہ سے بہت ہیں اور بھی سبل متفرقہ ہیں جو ٹیڑھی ہیں اور خدا کو منظور نہیں ہیں اور اگر خدا چاہتا تو تم سب کو سیدھی راہ پر چلا دیتا مگر یہ اکراہ اور اجبار ہے جو خدا کو منظور نہیں ہے"

خلاصہ ان جملہ آیات طیبات کا یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے ہاں ایمان مقبول و منظور ہے جو برضا و رغبت خود بلا اجبار و اکراہ اختیار قبول کیا جاتا ہے خداوند تعالےٰ کو کوئی خواہش یا ضرورت یا ذاتی غرض نہیں ہے کہ وہ جبراً و قہراً سب لوگوں کو ایک دین حق پر لے آوے ورنہ وہ چاہتا یا اب چاہے تو ایک آن واحد میں ایسا کر سکتا ہے پس ایک تو اس کو کوئی غرض نہیں ہے دوسرے یہ کہ ایسا کرنے میں اکراہ و جبر پایا جاتا ہے جو اللہ تعالےٰ کو منظور نہیں ہے ہاں اگر کوئی شخص ہدایت کی طرف اپنی دلی خواہش سے آنا چاہتا ہی نہیں تو وہ یہ امید ہرگز ہرگز نہ کرے کہ اللہ تعالےٰ جو خدا و بے عیب اور بے سبوح اور قدوس ہے اور ہر قسم کے اجبار و اکراہ کو جو دین میں کیا جاوے پسند نہیں فرماتا اسکا ہاتھ پکڑ کر اسکو راہ راست پر لے آئیگا بلکہ جو لوگ خود بخود اپنی مرضی سے اس طرف نہیں آنا چاہتے خداوند تعالےٰ جو نہایت ہی غیور ہے ان لوگوں کو جبراً و قہراً دین حق پر نہیں لاتا اور جب تک ایسے لوگ اپنے کفر اور فسق اور انکار پر جمے رہتے ہیں اور اپنی ہٹ دھرمی اور اصرار پر قائم رہتے ہیں تب تک ہدایت کا دروازہ بھی ان پر بند رہتا ہے آیات ذیل پر غور کرو۔

ان اللّٰہ لا یھدی من ھو مسرف کذاب ۝ (پ۲۴ ع ۹)

"بیشک اللہ تعالےٰ ان لوگوں کو جو اعتدال سے بڑھے ہوئے ہیں اور جھوٹ موٹ کے دعوے کر کر اللہ پر افترا پرداز ہی کیئے رہتے ہیں راہ راست پر نہیں لاتا۔"

کذٰلک یضل اللّٰہ من ھو مسرف مرتاب ۝ (پ۲۴ ع ۱)

"اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اعتدال سے بڑھے ہوئے اور شکوک اور شبہات میں پڑے ہوئے رہتے ہیں انکی اس گمراہی پر ایسا ہی چھوڑ رکھتا ہے جیسا کہ (قوم فرعون کو جسکا اوپر کی آیات میں ذکر ہے)"

کذٰلک یطبع اللّٰہ علی کل قلب متکبر جبار ۝ (پ۲۴ ع ۹)

"جو لوگ حق کو ماننے کے لئے حق سے نہ وہ سے اکڑتے رہتے اور نا فرمانی کرتے رہتے ہیں ان میں سے ہر ایک جو کہ سارے کا سارا دل ہے اللہ تعالےٰ اسی طرح کی مہر لگا دیتے ہیں کہ وہ خود اللہ تعالےٰ کی آیات سے ناخدا ترسی کیا کرتے اکرتے رہتے ہیں جسکا اوپر کی آیت میں ذکر ہے"

وخاب کل جبار عنید ۝ (پ۱۳ ع ۱۴)

"اور ہر ایک سرکش بازی کرنے والا جو اپنے عناد اور انکار پر جبار نامراد ہی رہا بیشک اپنے انکار کے سبب ایمان نہ لایا اور ہلاک ہوا"

واذا تتلٰی علیہ اٰیٰتنا ولّٰی مستکبرا کان لم یسمعھا کان فی اذنیہ وقرا فبشرہ بعذاب الیم ۝ (پ۲۱ ع ۱۰)

"اور جب اسکو ہماری آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو اکڑتا ہوا منہ پھیر کر چل دیتا ہے جیسے اس نے ہماری آیات کو سنا ہی نہیں گویا اسکے کانوں میں بوجھ ہے تو ایسے لوگوں کو عذاب دردناک کی خبر سنا دے"

ویل لکل افاک اثیم ۝ یسمع اٰیٰت اللّٰہ تتلٰی علیہ ثم یصر مستکبرا کان لم یسمعھا فبشرہ بعذاب الیم ۝ واذا علم من اٰیٰتنا شیئا اتخذھا ھزوا اولٰئک لھم عذاب مھین ۝ (پ۲۵ ع ۱۴)

"پھر ایسے شخص کے لئے جو ان باتوں کو جو خدا نے نہیں کہی ہیں خدا کے ذمہ لگاتا رہتا ہے اور گناہوں میں ڈوبا رہتا ہے ہلاکت ہے اس کا یہ حال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جو اسکو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں سنتا ہے اور پھر بھی سرکشی اور تکبر کے ساتھ اپنے ہی گناہوں اور افتراؤں پر اڑا رہتا ہے گویا کہ اس نے ان آیات کو سنا ہی نہیں پس ایسے شخص کو دردناک عذاب کی خبر سنا دے اور جب سننے کے بعد اس میں تدبر کرے ہماری کسی آیت کو سمجھ بھی جاتا ہے تو پھر اس کی ہنسی بناتا ہے ایسے لوگوں کے لئے اس قرآن مجید کے سبب سے فقط وہ ہیں لوگوں کو ان کی گمراہی پر چھوڑ دینا سے یہ حکم ہے ولی کرتے رہتے ہیں"

واللّٰہ لا یھدی القوم الفاسقین (پ۶ ع ۸، پ۱۰ ع ۶، پ۲۸ ع ۹)

"اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو فسق یا حکم عدولی اختیار کر لیتے ہیں راہ راست پر نہیں لاتا"

ان اللہ لا یھدی القوم الکافرین (پ۶ ع۱۴)

"بیشک اللہ تعالے اُن لوگوں کو جو کفر اختیار کر بیٹھتے ہیں اُن کا کفر چھوڑوا کر راہ راست پر نہیں لاتا"

واللہ لا یھدی القوم الظلمین - پ۳ ع۳ پ۱۰ ع پ۲ ع -
ان اللہ لا یھدی القوم الظلمین - پ۶ ع۱۲)

"اللہ تعالے اُن لوگوں کو جو ظلم اختیار کر بیٹھتے ہیں راہ راست پر نہیں لاتا"
"بیشک اللہ تعالے اُن لوگوں کو جو ظلم اختیار کر بیٹھتے ہیں اور اسی پر اڑے رہتے ہیں راہ راست پر نہیں لاتا"

ان الذین اٰمنوا ثم کفروا ثم اٰمنوا ثم کفروا ثم ازدادوا کفرًا لم یکن اللہ لیغفر لھم ولا لیھدیھم سبیلا ۵ پ۵ ع۱)

"بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے پھر ایمان چھوڑ کر کفر اختیار کر بیٹھے پھر ایمان قبول کیا پھر اسکے پیچھے کفر اختیار کر لیا پھر ایمان اختیار کر لیا پھر کفر اختیار کر لیا پس پھر ایمان اختیار نہ کیا اور اپنے اس پچھلے اختیار کئے ہوئے کفر میں ترقی ہی کرتے ہوئے چلے گئے تو بس خدا تو ایسا ہے نہیں کہ وہ ایسے لوگوں کو جو کفر پر اڑے رہیں اور ایمان اختیار نہ کریں خود بخود اُن کے گناہوں کو معاف کر دے اور نہ ایسا کہ اُن کو خواہ مخواہ راہ راست پر لے آوے"

ان الذین لا یؤمنون بایٰت اللہ لا یھدیھم اللہ ولھم عذاب الیم ۵ (پ۱۴ ع۲۰)

"بیشک وہ لوگ جو اللہ تعالے کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اللہ تعالے خود بخود اُن کا ہاتھ پکڑ کر راہ راست پر نہیں لے آویگا اور چونکہ وہ خود بخود ایمان قبول نہیں کرتے اُنکے لئے عذاب دردناک ہے"

صم بکم عمی فھم لا یرجعون ۵ (پ۱ ع۲)

"یہہ لوگ خود بخود اسباب ہدایت کو ہاتھ سے دے بیٹھے اور بہرے بن بیٹھے اور گونگے بن بیٹھے اور اندھے بن بیٹھے بس یہی تو اسباب تھے جو وہ گم کر بیٹھے اب کسی اور تدبیر سے راہ راست پر نہیں آنے کے یعنے جب یہہ حالت چھوڑ دیں گے تو اسوقت پر راہ راست پر آ سکتے ہیں"

ان شر الدواب عند اللہ الصم البکم الذین لا یعقلون ۵ (پ۹ ع۱۷)

"بیشک اللہ تعالی کے نزدیک سب سے بدتر حیوان وہ لوگ ہیں جو اسباب ہدایت کو کھو کر بہرے اور گونگے بن بیٹھے ہیں اور عقل سے کام نہیں لیتے"

ومثل الذین کفروا کمثل الذی ینعق بما لا یسمع الا دعاء ونداء صم بکم عمی فھم لا یعقلون ۵ (پ۲ ع۵)

"اور اُن لوگوں کی مثال جو کفر کرتے ہیں اور جنکے اتباع سے ان کے تابعین اور چیلے قرآن مجید کے احکام پر نہیں چلتے اُس گڈریئے یا چرواہے کی طرح ہے جو اُن چارپایوں اور ڈنگروں کو بلاتا ہے جو سوائے اُسکے اُن الفاظ کے جن سے وہ اُن کو اپنی طرف آنے کے لئے بلاتا ہے یا جن سے اُن کو ہنکاتا اور چلاتا ہے اور کچھ بھی سنتے سمجھتے نہیں یعنے لا یعقل تابعین حیوانوں کی طرح ہیں جس طرح چرواہا اپنی جانور (مثلاً بندر) سے جس طرح چاہتا ہے اُسی طرح سلام کروالیتا ہے یا اٹھا بٹھا سکتا ہے اور بیچارا جانور نہیں سمجھتا کہ کیوں ایسا ہو رہا ہے۔ اسیطرح قرآن مجید کو چھوڑ کر اپنے پیرومرشد کے اتباع کرنیوالوں کا حال ہے اور اُنکا یہ حال کیوں ہے تو یہ اسلئے تو نہیں کہ اللہ تعالی نے انکو اسباب ہدایت عطا نہیں کئے۔ نہیں ہرگز نہیں بلکہ وجہ یہہ ہے کہ وہ خود بخود اپنے اسباب ہدایت کو موقوف و معطل کرکے بہرے اور گونگے اور اندھے بن بیٹھے ہیں پس جب حال یہ ہے تو اب اس حال میں وہ نہیں سمجھ سکتے"

ومنھم من یستمعون الیک افانت تسمع الصم ولو کانوا لا یعقلون ۵ ومنھم من ینظر الیک افانت تھدی العمی ولو کانوا لا یبصرون ۵ ان اللہ لا یظلم الناس شیئًا ولکن الناس انفسھم یظلمون ۵ (پ۱۱ ع۱۰)

"اور ان لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو تجھ پر گرفت کرنے اور عیب نکالنے کیلئے تیری باتوں کی طرف کان لگاتے ہیں کیا تو ایسی نیت والوں کو جو نکتہ چینی کیلئے آ کر سنتے ہیں اور جان بوجھ کر بہرے بن بیٹھے ہیں سنا سکتا ہے جو کہ تو قرآن کریم سے وعظ کہہ رہا ہے - گو وہ سن کر انہیں تدبر کرنیکے لئے اپنی عقل سے کام نہ بھی لیویں - اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو تیری عیب جوئی کے لئے تیری طرف ٹکٹکی باندھے رکھتے ہیں کیا ایسے بدنیتوں کو جو باوجود دیکھنے کے پھر اندھے بن بیٹھے ہیں تو رستہ دکھا سکتا ہے گو وہ دیکھ کر بھی اپنی آنکھوں سے کام نہ لیویں۔ غرضیکہ یہہ لوگ جو باوجودیکہ اُن کے پاس اسباب ہدایت موجود ہیں اور وہ اُن سے کام نہیں لیتے آپ ہی اپنی جانوں پر ظلم ڈھا رہے ہیں اللہ تعالے کسی پر بھی ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا۔ بلکہ ایسے لوگ آپ اپنے ارادہ

خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ ۚ وَعَلٰٓی اَبْصَارِهِمْ

اوران لوگوں کے ایمان قبول نہ کرنیکی وجہ یہہ ہے کہ دل اور کان اور آنکھ ان کو دیکھنے اور سننے اور سمجھنے کیلئے دیئے گئے تھے وہ انکو معطل اور بیکار محض کرڈالتے ہیں پس اسواسطے اللہ تعالیٰ

غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿﷽﴾ ع ۱

بھی اُن کے دلوں اور کانوں پر ہدایت کرنا بند کر دیتا ہے۔ اور ان کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوتے ہیں۔ اور ان کے لئے بڑا ہی عذاب ہے

سے دین و ایمان و اسلام سے محروم ہوگئے ہیں خدا تعالیٰ کسی شخص کو محروم کرنا نہیں چاہتا"

وانی کلما دعوتهم لتغفر لهم جعلوا اصابعهم فی اذانهم واستغشوا ثیابهم واصروا واستکبروا استکبارا (پ ۲۹ ع ۹)

" اور میں نے جب جب اُن کو دین حق کی طرف بلایا کہ وہ دین کو قبول کریں اور تو اُن کے گناہوں کو معاف فرمائے تو انہوں نے بجائے اسکے کہ میری بات سنیں اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس ٹھونس لیں اور بجائے اسکے کہ میری شکل کو دیکھیں الٹے اپنے چہروں کو کپڑوں سے ڈھانپ ڈھانپ کر چھپایا اور اپنے کفر پر اصرار کرتے رہے اور اپنی شیخی میں آکر اکڑتے رہے "

خلاصہ ان آیات طیبات کا یہہ ہے کہ فاسق۔ کافر۔ ظالم۔ منکر۔ مصر۔ مسرف۔ مرتاب۔ عنید۔ جبار۔ کاتم حق یعنے وہ تمام لوگ جو دیدہ دانستہ یا اپنی بے اتفاقی آویزش خصی سے خود بخود اپنے اختیار اور ارادہ سے قبول حق سے روگردانی اور نفرت کرتے رہتے ہیں اور اس طرف آنے کو ان کا جی چاہتا ہی نہیں اللہ تعالیٰ بھی اُن سے جبراً و قہراً ایمان قبول نہیں کرواتا وہ سخت غیور خدا ہے اور یہی ساری باتیں یعنے۔ فسق۔ کفر۔ ظلم۔ تکبر۔ عناد۔ کتمان حق۔ اصرار۔ اسراف۔ ریب وغیرہ وغیرہ امور ہیں جنکی وجہ سے لوگ خود بخود ہدایت سے محروم رہتے ہیں اور جبتک یہہ باتیں یا ان میں سے کوئی بھی کسی میں جمی رہینگی ہدایت اس کے پاس تک نہ پھٹکے گی اور اگر کوئی ان کو چھوڑ دیوے اور اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی ہدایت کا طالب ہووے تو اللہ تعالیٰ بھی اُس شخص کو ہدایت دیدیتا ہے پھر ایسے شخص کے حق میں اللہ تعالیٰ کی کتاب نہایت ہی مفید اور نافع ہوجاتی ہے کیونکہ یہہ طالبان تقویٰ کے زمرہ میں جا ملا اور ان الذین کفروا کی جماعت سے نکل گیا۔ ورنہ اس کفر کا اصرار اور استمرار اور استقرار اس کو جہنم میں پہونچا دیگا اور اسی کفر کے اصرار و استمرار کے باعث کبھی اللہ تعالیٰ نے الفاظ۔ وقر۔ عمی۔ غلاف۔ اکنہ۔ غشاوہ وغیرہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور ان کے نتیجہ کو ختم۔ طبع۔ اغفال۔ اقفال سے تعبیر فرمایا ہے یعنے خلاصہ یہہ کہ کفار کے ترک و تعطیل اسباب ہدایت کو ختم و طبع وغیرہ الفاظ سے یاد فرماتا ہے۔ اس اگلی آیت ختم اللہ الآیۃ اور اس قسم کی دیگر آیات میں انہیں باتوں کا ذکر ہے۔ تفسیر و تشریح ابھی ہوتی ہے بتوفیقہ تعالیٰ ؛

(﷽) مطلب اس عجیب و غریب اور نہایت ہی پراز دہشت و عید آیت کا یہہ ہے کہ جس طرح مرقوم الصدر معاندین نے ہدایت کی خواستگاری کے لئے تدبر و تفکر و تفقہ کرنا چھوڑ دیا اور اپنے دلوں کو اس طرف سے بند کر رکھا اسی طرح ہدایت ربانی بھی اُن سے پرے پرے ہٹی رہتی ہے یہی حال اُن کے کانوں اور آنکھوں کا ہے غرضکہ جو اسباب حصول ہدایت اللہ تعالیٰ نے دے رکھے ہیں ان کو اگر برمحل برتا جاوے تو ہدایت بھی اُن کے پاس دوڑ کر آویگی اور اگر ان کو معطل اور بیکار کر کے ہدایت کی خواہش نہ کی جاوے تو یہہ سارے اسباب محض بیکار ہوگئے اللہ تعالیٰ خود بخود کسی کو جبراً و قہراً ہدایت نہیں دیدیتا لوگ ہدایت قبول کرنا نہیں چاہتے اللہ بھی ہدایت نہیں دیتا یعنے لوگ بے غرض ہوتے ہیں تو اللہ الصمد بھی بے غرض اور بے نیاز ہو کر اُن سے اُن کی خواہش کے مطابق معاملہ کرتا ہے۔ اس آیت کے معنے کے سمجھنے کے لئے اوپر جسقدر آیات لکھی جاچکی ہیں ان کو پھر بار بار پڑھو اور اللہ تعالیٰ کے ذمے یہہ عیب مت لگاؤ کہ وہ لوگوں کے دلوں پر پہلے ہی سے کفر کا مادہ پیدا کر کے اُن پر مہر لگا دیتا ہے اور پھر ان کے پاس رسول اور نبی اُن کی ہدایت کیلئے بھیج دیتا ہے ادھر خود ہی دلوں پر

کفر کی مہر لگا دی اُدھر نبی کو اُس مہر کے توڑنے کے واسطے بھیجا آخر کار خدا کی لگائی ہوئی مہر کو نہ تو نبی ہی اپنے زور سے توڑ سکا اور نہ وہ آسمانی کتاب ہی اپنے دلائل سے توڑ سکی وہ کافر غالب رہا کیونکہ خدا کی مہر لگ چکی ہوئی تھی (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ نقل کفر کفر نہ باشد) آخر کار اسی غالب کافر کو جس کی طرفداری خدا نے کی ہوئی تھی آپ ہی طرفدار اور حامی خدا دوزخ میں ڈالتا ہے اور اسپر الزام یہہ لگاتا ہے کہ تو نے میرے نبی کا کہا نہیں مانا اور میری کتاب کی فرمانبرداری نہیں کی۔ اور میری لگائی ہوئی مہر کو تو نے نہیں توڑا۔ اس قسم کے بیہودہ بیہودہ اعتراض اور لغو اور بے سر و پا سوال اسوقت پیدا ہوتے ہیں جب اللہ تعالے کی کتاب کی مجمل آیات پر جو اس کی مفصل اور مفسر اور مبین ہیں غور نہ کی جاوے۔ جو آیات ہم پہلے لکھ چکے ہیں کیا ان کو پڑھنے کے بعد بھی تم اس آیت کے سمجھنے میں کوئی دقت پیش آسکتی ہے ہرگز نہیں۔ قرآن کریم میں اور بھی بہت سی آیات ہیں جو اس آیت کی تفصیل و تفسیر ہیں اُن میں سے چند ایک اس مقام پر لکھی جاتی ہیں اور ان کو بھی اور اُن آیات کو بھی جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں ملا کر خوب غور اور تدبر کے ساتھ پڑھو اور اللہ تعالے سے یہہ دعا مانگو رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی۔ رب اشرح لی صدری للاسلام۔ خداوند تعالے تمہارے سینوں کو انشاء اللہ کھول دیگا۔

وقالوا قلوبنا غلف بل لعنھم اللہ بکفرھم فقلیلا ما یؤمنون (پ۱ ع ۱۱)

"اور کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں غلاف ولاف کوئی نہیں ہیں بات یہہ ہے کہ ان کے اپنے کفر کی وجہ سے اللہ تعالے نے اُن کو اپنی رحمت سے محروم کیا ہے بس کوئی کوئی بات ہی مانتے ہیں (مگر اس سے کچھ فایدہ نہیں ہے)"

وقالوا قلوبنا فی اکنۃ مما تدعونا الیہ وفی اذاننا وقر و من بیننا وبینک حجاب فاعمل اننا عاملون ○ (پ ۲۴ ع ۱۵)

"اور کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف تو ہم کو بلاتا ہے اُس سے تو ہمارے دل پردوں میں پڑے ہیں یعنے تیری بات ہم کو بھاتی نہیں اور نہ ہمارے دل لگتی ہے اور ہمارے کانوں میں بوجھ پڑا ہوا ہے یعنے ہم سنتے ہی نہیں اور ہمارے اور تیرے درمیان ایک بڑا بھاری پردہ حائل ہے سو تیرے وعظ سنانے کا کیا فایدہ تو اپنے طور پر عمل کئے جا اور ہم اپنے طور پر کئے جاتے ہیں"

فلما زاغوا ازاغ اللہ قلوبھم واللہ لا یھدی القوم الفسقین (پ۲۸ ع ۹)

"پس جب یہہ لوگ اپنی خوشی سے ٹیڑھے چل پڑے اور کجروی اختیار کر بیٹھے تو اللہ الصمد بھی اُن کو انکی کجروی پر چھوڑ دیتا ہے اور ایسے لوگوں کو جو حکم عدولی کرتے رہتے ہیں اللہ تعالے بھی جبراً و قہراً راہ راست پر نہیں لایا کرتا"

ونقلب افئدتھم وابصارھم کما لم یؤمنوا بہ اول مرۃ ونذرھم فی طغیانھم یعمھون ○ (پ۸ ع ۱۹)

"جس طرح یہہ لوگ خود اپنی رضا و رغبت سے اس کتاب پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے اُسی طرح ہم بھی اُن کے ایمان نہ لانے کی طرح ان کے دلوں اور آنکھوں کو سمجھنے اور دیکھنے سے الٹا کے رکھتے ہیں اور جو سرکشی وہ اختیار کر بیٹھے ہیں اسی میں ہم اُن کو چھوڑ دیتے ہیں کہ اندھوں کی طرح پڑے بھٹکا کریں"

کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون ○ (پ۳۰ ع ۶)

اس آیت کے اوپر اللہ تعالے نے فرمایا ہے کہ قیامت کے نہ ماننے والوں کے لئے ہلاکت ہے اور اس کو نہ ماننے والے ہوتے بھی وہی ہیں جو حد اعتدال سے نکل گیا ہو اور بدی اُسکے اندر گھر کر گئی ہو پھر اسکا حال یہہ ہو جاتا ہے کہ جب اسکو اللہ تعالی کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو بلا سوچے سمجھے جھٹ کہہ اٹھتا ہے کہ یہہ اگلے لوگوں کے ڈھکوسلے ہیں ہرگز نہیں یہہ باتیں ڈھکوسلے نہیں ہیں بلکہ بات یہہ ہے کہ ان کہنے والوں کے دل ہی بدیاں کر کر زنگ آلودہ ہو گئے ہیں"

افرءیت من اتخذ الھہ ھوىہ واضلہ اللہ علی علم وختم علی سمعہ وقلبہ وجعل علی بصرہ غشوۃ فمن یھدیہ من بعد اللہ افلا تذکرون ○ (پ۲۵ ع ۱۹)

"اے نبی کیا تو نے اُس شخص کے حال پر غور کی ہے جو اپنی نفسانی خواہشوں کو اپنا معبود ٹھہرا کر راہ راست چھوڑ کر گمراہ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالے اپنے علم سے اس گمراہ کو اُس کی گمراہی پر چھوڑ دیتا ہے اور اس کے کانوں اور دل پر ہدایت کرنا بند کر دیتا ہے اور آنکھ پر گمراہی کی جھلی جو وہ خود ڈال لیتا ہے اُسکو ویسا ہی رہنے دیتا ہے پس اب بتاؤ کہ جب اُس گمراہی کو جو اس طرح پر گمراہی اختیار کر لیتا ہے اور اللہ تعالے جبراً و قہراً اُس کو ہدایت پر نہیں لاتا اور کون ہے جو ہدایت پر لا سکے یعنے کوئی نہیں کیا تم ان کو ایمان پر مجبور کرنے ہو پس تم نصیحت اختیار نہیں کرتے"

بل طبع اللہ علیھا بکفرھم (پ۶ ع ۱)

"ہدایت کے قبول نہ کرنے کے جو سبب وہ بیان کرتے ہیں وہ درست

بلکہ بات یہہ ہے کہ ان کے اپنے اختیار کئے ہوئے کفر کے سبب سے اللہ تعالےٰ ہی ان کے دلوں پر ہدایت کا دروازہ بند کئے رکھتا ہے"

ولکن من شرح بالکفر صدرا فعلیھم غضب من اللہ ولھم عذاب عظیم ۝ ذلک بانھم استحبوا الحیوۃ الدنیا علی الاخرۃ وان اللہ لا یھدی القوم الکفرین ۝ اولئک الذین طبع اللہ علی قلوبھم وسمعھم وابصارھم واولئک ھم الغفلون ۝ (پ ۱۴ ع ۲۰)

" مگر جو لوگ برضا و رغبت خود بلا اکراہ و اجبار احدی کفر کے لئے خواہ وہ کفر کسی قسم کا کیوں نہو اپنا سینہ کھول دیتے ہیں تو ان پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے اور اُن کے لئے بڑا عذاب ہے۔ اور اس غضب اور عذاب کی وجہ یہہ ہے کہ یہہ لوگ اس دنیوی زندگی کو اُس آنے والی زندگی یعنے آخرت پر ترجیح دیکر عزیز رکھتے ہیں اور اللہ تعالےٰ کی سنت جاری ہے کہ وہ کبھی جبراً و قہراً ایسے کفر اختیار کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا یہی لوگ ہیں کہ اللہ الصمد ان کے دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر ہدایت کا دروازہ بند کئے رکھتا ہے اور یہی لوگ ہیں جو غفلت کی وجہ سے اپنے اسباب حصول ہدایت یعنے دل۔ کان۔ آنکھ کو معطل اور بیکار کر بیٹھے ہیں"

اولئک الذین طبع اللہ علی قلوبھم واتبعوا اھواءھم پ ۲۶ ع ۶

" یہی لوگ ہیں جو سُن سُنکر بھی منحرف ہو بیٹھتے ہیں اور اپنی ہوائے نفسانی کے پیچھے چلتے ہیں اس قسم کے ہیں کہ اللہ تعالےٰ ان کے دلوں پر سے ہدایت کا دروازہ بند کئے رکھتا ہے"

قل ھو للذین امنوا ھدی وشفاء والذین لا یؤمنون فی اذانھم وقر وھو علیھم عمی اولئک ینادون من مکان بعید ۝ (پ ۲۴ ع ۱۹)

" ایسے ہی لوگوں کو سنا دے کہ یہہ قرآن کریم اُن لوگوں کے لئے تو کامل ہدایت اور پوری پوری شفا ہے۔ جو خواہان ایمان ہوتے ہیں۔ اور جو لوگ طالب ایمان نہیں ہوتے اُن کے لئے شفا نہیں ہے جس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ حقیقت میں یہہ شفا نہیں ہے بلکہ وجہ یہہ ہے کہ ان لوگوں کے کانوں میں بوجھ ہے وہ اسکو سنتے نہیں ہیں اور ان کی آنکھوں کے حق میں نابینائی ہے کیونکہ یہہ دیکھتے نہیں گویا کہ اُن کو اتنی دور دراز سے بلایا جاتا ہے کہ جہاں سے کچھ سنائی نہیں دیتا"

کذلک یطبع اللہ علی قلوب الکافرین (پ ۹ ع ۳)

" جس طرح پہلے لوگ اپنے رسولوں کی تکذیب کر کر ایمان سے محروم ہوتے رہے ہیں اسی طرح اللہ تعالےٰ جو صمد ہے ان کافروں کے دلوں پر بھی ہدایت کا دروازہ بند کئے رکھتا ہے"

ہم پہلے اھدنا الصراط المستقیم کی تفسیر کے ضمن میں لکھ آئے ہیں کہ فعل کی ایک ابتدا ہوتی ہے اور ایک انتہا تو ان آیتوں میں بلکہ تمام آیات میں جہاں کہیں قرآن مجید میں ختم اور طبع وغیرہ کا کوئی مشتق آیا ہے اور اللہ تعالےٰ کی طرف اُس فعل کی نسبت بطور استعارہ کی ہوئی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آپ ہی آپ اپنی طرف سے ابتداءً و ابداعاً و تحکماً لوگوں کے دلوں پر مہریں لگا رکھی ہیں یعنے ان کے دلوں کو ہدایت کی طرف سے بند کر رکھا ہوا ہے حاشا و کلا ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ سب جگہ یہی مراد ہے کہ اللہ تعالےٰ بھی اُن کو ان کی اپنی حالت کفر و فسق و بیدینی و ظلم و تکبر و تعدی و انقیاد [illegible] وغیرہ وغیرہ پر بدستور بحال و برقرار چھوڑ دیتا ہے جس طرف کو وہ خود بخود اپنی دلی خواہش اور قلبی رغبت کے ساتھ جا رہے ہیں جبراً و قہراً اللہ تعالےٰ بھی اُس طرف سے ان کو بند نہیں کرتا اور اسوقت تک وہ ان کو ایسی حالت پر رہنے دیتا ہے جب تک وہ خود رہنا چاہیں یعنے یہہ ختم اور طبع صرف معلق اور عارضی ہوتا ہے اگر لوگ ہدایت کی طرف نہیں آتے تو اللہ تعالےٰ بھی ان کو ہدایت نہیں دیتا اور اگر وہ اپنے عناد اور فسق و کفر کو چھوڑ دیویں تو اللہ تعالےٰ بھی ان کو ہدایت دیدیتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کو کسی سے کوئی ضد اور دشمنی نہیں ہے۔ (اھدنا الصراط المستقیم کی تفسیر کے ضمن میں جو مضمون متعلق ہدایت لکھا جا چکا ہے اسکو بھی پھر پڑھ لو) اور یہہ معاملہ سوقت تک ایسا ہی رہتا ہے پس جبوقت کوئی شخص اس طرف آنا چاہتا ہے تو اسوقت اللہ تعالےٰ بھی جملہ ذنوب ماتقدم معاف کر دیتا اور آئندہ کے لئے رحمت کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔

فان تابا واصلحا فاعرضوا عنھما ان اللہ کان توابا رحیما ۝ پ ۴ ع ۱۳

" پس اگر وہ توبہ کریں اور اپنی حالت بد کو چھوڑ کر اس کی اصلاح کر لیں تو پھر ان کو اور کچھ نہ کہو اور درگذر کرو کیونکہ اللہ تعالےٰ کی یہہ صفتیں ہیں کہ جو کوئی اپنے گناہوں سے رجوع کر کے اسکی طرف آتا ہے تو وہ بھی اپنے غضب کو چھوڑ کر رحمت کی طرف رجوع کرتا ہے اور پھر ایسے رجوع کرنے والے اپنے گناہوں کو چھوڑ دیتے

بے شک بندے پر مہربانی کرتا ہے"۔

ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاءوک فاستغفروا اللہ واستغفر لہم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما (پ۵ ع۶)

"اور اگر وہ لوگ جب کہ انہوں نے اپنے اوپر آپ ظلم کیا تھا تیرے پاس آ کر خداوند تعالیٰ سے اپنے ظلم کی معافی مانگتے اور رسول اللہ صلعم بھی (یعنے اے نبیؐ تو بھی) ان کے لئے معافی مانگتا تو دیکھ لیتے کہ اللہ تعالےٰ بھی ان لوگوں پر جو گناہ چھوڑ کر معافی مانگتے ہیں اپنا غضب چھوڑ کر رحمت کرتا ہے اور پھر ان پر اپنی مہربانیاں عطا فرماتا ہے"۔

الم یعلموا ان اللہ ہو یقبل التوبۃ عن عبادہ ویاخذ الصدقٰت وان اللہ ہو التواب الرحیم ٥ (پ۱۱ ع۲)

"کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالےٰ ہی فقط اپنے بندوں کی ہر قسم کی توبہ قبول فرماتا ہے اور ہر قسم کے صدقے منظور فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ تعالےٰ ہی فقط اُن تمام لوگوں پر جو اپنے گناہ ترک کر کے اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اپنا غضب ترک کر کے رجوع برحمت کرتا اور پھر ایسے نیکوں پر مہربانی کرتا ہے"۔

ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینٰت والہدیٰ من بعد ما بینٰہ للناس فی الکتٰب اولٰئک یلعنہم اللہ ویلعنہم اللٰعنون ٥ الا الذین تابوا واصلحوا وبینوا فاولٰئک اتوب علیہم وانا التواب الرحیم ٥ (پ۲ ع۳)

"بیشک وہ لوگ جو اون باتوں کو جو ہمنے اتاریں یعنے جلی کھلے ہوئے روشن دلائل اور کامل ہدایت اور پھر اُن کو کامل صفات وجامع کمالات والی کتاب میں جامع مختصر الجن والانس کے لئے بیان بھی کر دیا چھپاتے ہیں تو یہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالےٰ اُن پر لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں ہاں جو لوگ ایسا برا کام چھوڑ کر اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اپنی بد حالت کی اصلاح کرتے ہیں اور جن جن باتوں کو چھپایا کرتے تھے اُن کو کھول کھول بیان کرتے ہیں تو بس یہی لوگ ہیں کہ میں بھی اپنا غضب چھوڑ کر رحمت کی طرف رجوع کرتا ہوں اور ان کے گناہ معاف کرتا ہوں اور میں ہی ایسی ذات پاک ہوں کہ جو لوگ گناہ ترک کر کے میری طرف رجوع کرتے ہیں اُنپر اپنا غضب چھوڑ کر رجوع برحمت کرتا ہوں اور پھر ایسے نیکوں پر مہربانی کرتا ہوں"۔

واذ قال موسیٰ لقومہ یٰقوم انکم ظلمتم انفسکم باتخاذکم العجل فتوبوا الیٰ بارئکم فاقتلوا انفسکم ذٰلکم خیر لکم عند بارئکم فتاب علیکم انہ ہو التواب الرحیم ٥ (پ۱ ع۶)

"اور جب موسٰیؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم نے اس بچھڑے کی پوجا اختیار کرنے کی وجہ سے اپنے اوپر بڑا ظلم ڈھایا ہے سو تم اس کی معافی کے لئے اپنے خالق کی طرف رجوع کرو اور اپنے آپ کو قتل کرو تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے حق میں یہی عمل بہتر ہے سو جب تم نے توبہ کی تو اللہ تعالےٰ نے بھی توبہ منظور کر لی کیونکہ وہ اللہ ہی ایسا ہے جو گناہ کو چھوڑ کر اس کی طرف رجوع کرنے والوں کے گناہوں کو معاف کرتا ہے اور پھر اُن پر مہربانی کرتا ہے"۔

وانی لغفار لمن تاب وامن وعمل صالحا ثم اہتدیٰ ٥ (پ۱۶ ع۱۳)

"اور میں بیشک ضرور ضرور سب کے سب گناہ معاف کر ڈالنے والا ہوں مگر انہیں لوگوں کے جو اپنے گناہ چھوڑ کر میری طرف رجوع کرتے ہیں اور میری نازل کی ہوئی آسمانی کتاب پر ایمان لے آتے ہیں اور پھر اس پر ایمان کے ساتھ نیک عمل کرتے ہیں پھر اسی صراط مستقیم پر چلتے رہتے ہیں"۔

فقلت استغفروا ربکم انہ کان غفارا ٥ (پ۲۹ ع۹)

"پس میں نے اپنی قوم سے کہا کہ اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو وہ ضرور معاف کر دیگا کیونکہ یہ اسکا کام ہے کہ وہ توبہ کرنیوالوں کے گناہوں کو بخشدیا کرتا ہے"۔

ومن یعمل سوءا او یظلم نفسہ ثم یستغفر اللہ یجد اللہ غفورا رحیما ٥ (پ۵ ع۱۴)

"اور جو لوگ اوروں کو برائی پہونچاویں یا اپنے اوپر ظلم ڈھائیں یعنے اُن کا گناہ خواہ ان کی اپنی ذات تک محدود ہو خواہ فساد فی الارض کی حد میں داخل ہو پھر وہ اللہ تعالےٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں تو دیکھیں گے کہ اللہ تعالےٰ توبہ کرنے والوں کے گناہوں کو معاف کر ڈالتا اور پھر ایسے نیکوں پر مہربانی کیا کرتا ہے"۔

کیف یہدی اللہ قوما کفروا بعد ایمانہم وشہدوا ان الرسول حق وجاءہم البینٰت واللہ لا یہدی القوم الظٰلمین ٥ اولٰئک

"اللہ تعالےٰ ایسے لوگوں کو کیونکر ہدایت دینے لگا جو پہلے سے اس بات پر ایمان رکھتے چلے آئے ہوں اور پھر اپنے اس ایمان کی شہادت بھی دیتے

جزاؤھم ان علیھم لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین ۝ خالدین فیھا لا یخفف عنھم العذاب ولا ھم ینظرون ۝ الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا فان اللہ غفور رحیم

چلے آئے ہوں کہ محمد رسول اللہ نبی آخر الزمان کا آنا برحق ہے اور پھر ان کے اس ایمان قدیم کی تصدیق کے لئے ان کے پاس جملہ انسام کی روشن دلائل بھی آچکے ہیں اور پھر وہ اس ایمان کو چھوڑ کر کفر اختیار کر بیٹھیں یعنے اللہ تعالی ایسا نہیں کرنے کا کیونکہ یہہ اس کی عادت ہے کہ وہ ان لوگوں کو جو آپ اپنے اوپر ظلم اختیار کر لیتے ہیں جبرًا و قہرًا ہدایت نہیں کیا کرتا ان لوگوں کی سزا یہہ ہے کہ ان پر اللہ تعالے کی اور سب فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے اور اسی لعنت میں وہ ہمیشہ رہینگے اُن سے نہ تو وہ عذاب ہی جو اللہ تعالے انپر ڈالیگا تخفیف کیا جاوے گا اور نہ اُن کو کچھہ وقفہ دیا جاویگا کہ جسمیں وہ کچھہ آرام لے سکیں ہاں وہ سب لوگ مستثنے ہیں جو ایسا کام کرنے کے بعد اپنی اس حالت بد کو چھوڑ کر کے اللہ کی طرف رجوع کریں اور اپنی اصلاح کرلیں تو بس پھر اللہ تعالے بھی ان کے گناہوں کو معاف کر ڈالیگا اور پھر انپر اپنی مہربانی کریگا!!

الا من تاب وآمن وعمل عملا صالحا فاولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنات وکان اللہ غفورا رحیما ۝ ومن تاب وعمل صالحا فانہ یتوب الی اللہ متابا (رپ ۱۹ ع ۴)

اللہ تعالے گناہ کرنے والوں کی سزا کا ذکر کرکے فرماتا ہے کہ ”اُن گناہ گاروں میں وہ گناہگار داخل نہیں ہیں جو اپنے گناہوں کو ترک کرکے اللہ کی طرف رجوع کریں اور آسمانی کتاب کے مطابق ایمان قبول کریں اور نیک اعمال کریں ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالے نیکیوں سے بدل ڈالتا ہے اور اللہ تعالی کی یہہ سنت جاری ہے کہ وہ توبہ کرنے والوں کے گناہوں کو معاف کردیا کرتا ہے اور پھر انپر اپنی مہربانیاں نازل فرمایا کرتا ہے اور یاد رہے کہ جو کوئی اپنے گناہ ترک کرکے اعمال صالحہ کرتا ہے حقیقت میں سچی توبہ اسی کی ہے اور وہی اللہ کی طرف سچا تائب ہوتا ہے“!

ان سب آیات کا خلاصہ یہہ ہے کہ ختم اور طبع غشاوہ اور وقر اور عمی اور غلافت اور اکنہ اور قساوت وزین یہہ ساری باتیں بندہ کے خود اپنے ہی اختیار کئے ہوئے کفر و عناد کا ثمرہ اور نتیجہ ہیں اور ان سب کا وجود بھی عارضی اور معلق ہوتا ہے - اگر انسان اپنے کفر وغیرہ گناہوں کو چھوڑ کر اللہ کی طرف انابت اور اخلاص کے ساتھ آنا چاہے تو اللہ تعالے اُس کے دل اور کان اور آنکھہ اور زبان سب کے سب ہدایت کے لئے کھول دیتا ہے اور اللہ تعالے اُسکو توفیق اعمال حسنہ دیدیتا ہے اور اسکے سارے پچھلے گناہ معاف کردیتا ہے اور اگر اس طرف توجہ نہیں کرتا اور اس ہدایت ربانی کو حاصل کرنا نہیں چاہتا تو پھر اللہ تعالے بھی اس کو اپنی اُسی حالت میں بدستور سابق چھوڑ دیتا ہے حتی کہ وہ اسی حالت میں مرجاتا ہے اور جہنم کا ایندھن بنجاتا ہے - اللہ تعالی کی طرف سے توبہ کا دروازہ موت تک کھلا ہے یعنے یہہ کہ اگر کوئی شخص اپنی ساری عمر ہدایت کی طرف نہ کرے اور اس کا دل اور کان اور آنکھہ سب کے سب ہدایت کی طرف سے بند رہیں تو اللہ تعالے بھی ایک منٹ بھر کے لئے بھی اُس کے دل اور آنکھہ اور کان کو نہیں کھولتا اور اگر ایسے شخص کو یقین ہوجاوے کہ میں مرچلا ہوں اور اب میری موت آگئی ہے اور پھر اسوقت وہ توبہ کرے اور اللہ تعالے کی ہدایت کا طالب ہووے تو اسوقت اللہ تعالے اُس کی توبہ قبول نہیں کرتا اور اس کے دل کی بندش اور اس کے کان اور آنکھہ کے پردے نہیں کھولتا - کما قال اللہ تعالی

ولیست التوبۃ للذین یعملون السیات حتی اذا حضر احدھم الموت قال انی تبت الئن ولا الذین یموتون وھم کفار اولئک اعتدنا لھم عذابا الیما (رپ ۴ ع ۱۴)

جو توبہ مقبولہ و مرضیہ اللہ تعالے نے قرآن مجید میں بیان کردی ہے نہ تو اس کے مستحق وہ لوگ ہیں جو طرح طرح کے گناہ عمر بھر کرتے رہتے ہیں یہانتک کہ ان میں سے جب کسی کے سامنے اس کی موت آکھڑی ہو تو لگے کہنے اب اسوقت میں اپنے گناہوں کو چھوڑ کر توبہ کرتا ہوں اور نہ وہ لوگ جو کافر ہی مرگئے ہی لوگ ہیں جنکے واسطے ہم نے عذاب دردناک تیار کر رکھا ہے!!

وجاوزنا ببنی اسرائیل البحر فاتبعھم فرعون وجنودہ بغیا وعدوا حتی اذا ادرکہ الغرق قال آمنت انہ لا الہ الا الذی آمنت بہ بنوا اسرائیل وانا من المسلمین ۝ الئن وقد عصیت قبل وکنت من المفسدین ۝ (رپ ۱۱ ع ۱۴)

اور بنی اسرائیل کو ہمنے اُس دریا (نیل) سے پار اتار دیا پھر فرعون اور اس کا لشکر خدا کے احکام کی سرکشی اور بنی اسرائیل کے ساتھ ظلم کرنے کی نیت سے ان کو جا لیتے تھی کہ جب فرعون کے سر پر دریا کا پانی آپہونچا تو لگا کہنے کہ اب میں اسبات پر ایمان لے آیا کہ جس خدا پر بنی اسرائیل کا ایمان ہے اس کے سوائے اور کوئی معبود نہیں ہوسکتا اور اب میں بھی اوس امت میں سے ہوں جو اوس خدا کو مانتے ہیں اسکو جواب ملا کہ تو اب ایمان لاتا ہے اور تیرا حال یہہ تھا کہ اسر

سے پہلے تو ہمیشہ نافرمانی کرتا رہا اور ہمیشہ مفسدین کے زمرہ میں رہا۔"

فلولا کانت قریۃ اٰمنت فنفعہا ایمانہا الا قوم یونس لما اٰمنوا کشفنا عنہم عذاب الخزی فی الحیوٰۃ الدنیا ومتعنٰہم الیٰ حین ۝ (پ۱۱ ع ۱۵)

"پس قوم یونس کے سوائے باقی اور بستیوں کے لوگ نزول عذاب سے پہلے پہلے کیوں ایمان نہ لے آئے کہ ان کو بھی یونس کی قوم کی طرح اُن کا ایمان مفید پڑتا یونس کی قوم کا یہہ حال تھا کہ جب وہ ایمان لے آئے تو پھر اُس کامل درجے کی رسوائی کا عذاب جو ہم اسی دنیا میں اُن کے ایمان نہ لانے کی صورت میں نازل کرنے نازل نہ کیا اور ان کے ایمان کا فائدہ یہہ ہوا کہ ہمنے ان کو ایک وقت مقررہ تک رسایا بسایا یعنے اسی قوم کے لوگ پھر اپنی اپنی طبعی موت سے مرے عذاب کی موت سے نہ مرے

خلاصہ ان آیات کا یہی ہے کہ موت کا علم حاصل ہونے پر پھر کوئی توبہ و استغفار و انابت و عجزی و ایمان و اسلام و فرمانبرداری منظور نہیں ہے۔ اللّٰھم انا نعوذ بك من غضبك۔ لب لباب ما تقدم یہہ ہے۔ اول یہہ کہ خدا جبراً و قہراً نہ خود کسی کو ایمان دیتا ہے اور نہ کسی نبی کو حکم دیتا ہے کہ تم جبراً کسی کو مسلمان کرو۔ دوئم یہہ کہ اللہ تعالےٰ طالبان ہدایت کو یقیناً یقیناً ہدایت نصیب کرتا ہے خواہ وہ اپنی عمر کے کسی حصہ میں ہدایت کے طالب بنیں بشرطیکہ وہ وقت نہ ہو جب ان کو اپنے مرنے کا علم حاصل ہو چکا ہو۔ سوئم یہہ کہ اللہ تعالےٰ خود بخود آپ ہی آپ کسی کے دل یا کان یا آنکھ پر پردہ نہیں ڈال دیتا بلکہ لوگ خود ہی سلیم اور پاک فطرت کو بگاڑ کر ایسے بنجاتے ہیں۔ چہارم یہہ کہ جو لوگ آپ ہی آپ طلب ہدایت نہ کریں خدا بھی ان کو مجبور نہیں کرتا۔ الحمد للّٰہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللّٰہ۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنك رحمۃ انك انت الوھاب ✦

سوال واولٰئك ھم المفلحون تک متقین کا ذکر ہے اور اس سے بعد کی آیات میں کفار کا ذکر ہے ان دونوں میں آپس میں کیا مناسبت ہے اور ان کا باہمی ربط کیا ہے۔

جواب شروع تفسیر میں آیہ ربانی ہدایہ فطرۃ اللّٰہ التی فطر الناس علیھا الایہ لکھی جا چکی ہے اور اس کی پوری پوری تشریح اور تفسیر اور تفصیل کی جا چکی ہے اس میں دو حکم ہیں ایک تو یہہ کہ تم جن وانس سب کے سب اپنی اُس پاک اور سلیم فطرت کو جسپر تم کو اللہ تعالےٰ نے پیدا کیا ہے نگاہ رکھو اور دوسرا حکم یہہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی اس فطرت اور خلق کو تبدیل نہ کرنا۔ پس جہاں کہیں قرآن کریم میں شق اول کا ذکر ہوتا ہے وہاں خواہ مخواہ دوسری شق اُس کی نقیض کا ذکر ضرور ہوتا ہے یہاں بھی پہلے مومنین متقین کا ذکر فرمایا جو اپنی فطرت سلیمہ کو نگاہ رکھتے ہیں پھر ان کی نقیض یعنے دوسری شق کافرین کا ذکر فرمایا جو اپنی فطرت کو تبدیل و تغییر کرتے رہتے ہیں قرآن کریم میں یہہ صفت عام طور پر مذکور رہتی ہے کہ ایک چیز کو بیان کر کے اُسکے ساتھ ہی اُس کی نقیض کو بھی بیان کر دیتا ہے کیونکہ اس سے بات کی کماحقہ تبیین و تفسیر و تفصیل و توضیح ہو جاتی ہے اور مخاطب کے ذہن میں اصل مراد اور مطلب خوب ذہن نشین ہو جاتا ہے اللہ تعالےٰ خود اپنے پاک کلام کی صفت میں فرماتا ہے۔

اللّٰہ نزل احسن الحدیث کتٰباً متشابھاً مثانی الایہ (پ۲۳ ع۱۶)

"اللہ تعالےٰ نے جملہ اقسام کی کلاموں میں سے سب سے بہتر کلام اتارا ہے یعنے ایسی عظمت والی کتاب نازل کی ہے کہ جس کی آیات آپس میں ایک دوسری سے ملتی جلتی اور مصدق اور مویّد ہوتی ہیں اور اس میں دو دو قسم کی باتوں کا جو آپس میں ضدیں اور نقیضیں ہوتی ہیں مفصل ذکر ہے"

یعنے قرآن کریم کی جملہ آیات کی یہہ دو وصف ہیں اول یہہ کہ وہ آپس میں متشابہ ہیں یعنے ایک دوسری کے مطابق اور موافق اور مصدق اور مویّد اور مفسر اور مفصل اور مکمل اور متمم ہیں یعنے ان میں کہیں بھی سرمو فرق اور اختلاف نہیں ہے (اس کی تشریح پہلے لاریب فیہ کی تفسیر میں ہو چکی ہے) دوسرا وصف یہہ ہے کہ اس کی آیات مثانی یعنے اس قسم کی ہیں کہ ان میں دو دو ضدیں اور نقیضیں بیان ہوتی ہیں مثلاً جہاں مومنین کا ذکر ہوا ہے اس کے ساتھ ہی کافرین کا جنت کی صفات کے ساتھ ہی جہنم کی صفات کا بیان چند آیات بطور استشہاد بیان کی جاتی ہیں۔

ومن یؤمن باللّٰہ ویعمل صالحاً یکفر عنہ سیاٰتہ ویدخلہ جنٰت تجری من تحتہا الانہٰر خٰلدین فیہا ابداً ذٰلك الفوز العظیم والذین کفروا وکذبوا باٰیٰتنا اولٰئك اصحٰب النار خٰلدین فیہا وبئس المصیر ۝ (پ۲۸ ع۱۵)

"جو کوئی اللہ کی ذات اور صفات پر ایمان لاتا اور نیک کام کرتا ہے اللہ تعالےٰ اُس کے گناہ اُس سے دور کرے گا اور ان عظیم الشان جنتوں میں جا داخل کرے گا جنکے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی اور ان میں وہ سدا رہیں گے یہ بڑی بھاری کامیابی ہے اور جو لوگ کفر کرتے اور ہماری آیات کو جھٹلاتے رہتے ہیں یہی لوگ دوزخی ہیں دوزخ میں سدا رہیں گے اور وہ بہت بری جگہ ہے"

وان للمتقین لحسن مآب . الی آخر من نفاد - ھذا وان للطٰغین لشر مآب ○ جھنم یصلونھا فبئس المھاد ○ (پ۲۳ ع۱۳)

"بیشک اُن لوگوں کے لئے جو خدا سے ڈر کر تقویٰ اختیار کرتے ہیں واقعی اچھا ٹھکانا ہے یعنے ہمیشہ رہنے کے لئے جنت ہیں . . . . اور بیشک اُن لوگوں کے لئے جو سرکشی اختیار کر بیٹھتے ہیں ضرور ضرور بُرا ٹھکانا ہے - یعنے جہنم جنہیں ان لوگوں کو داخل ہونا پڑے گا پس وہ بہت بُری جگہ ہے"

ضرب اللہ مثلاً للذین کفروا امرات نوح وامرات لوط الی الداخلین وضرب اللہ مثلاً للذین اٰمنوا امرات فرعون (پ۲۸ ع۲۰)

"جو لوگ کفر اختیار کر بیٹھتے ہیں ان کے سمجھانے اور عبرت پکڑنے کے لئے اللہ تعالیٰ نوح اور لوط کی بیبیوں کی مثالیں دیتا ہے . . . . اور جو لوگ کفر کو ترک کر کے ایمان کو قبول کرتے ہیں ان کی دلجوئی اور تشفی کے لئے ایک تو فرعون کی بی بی کی مثال دیتا ہے . . . . اور دوسری عمران کی بیٹی مریم کی مثال دیتا ہے"

انا اعتدنا للکٰفرین سلٰسلا واغلالا وسعیرا ○ ان الابرار یشربون من کاس کان مزاجھا کافورا ○ (پ۲۹ ع۱۹)

"ہمارا رستہ دکھانے پیچھے جو لوگ کفر اختیار کر بیٹھتے ہیں ان کے اس کفر کی سزا کے لئے ہم نے زنجیریں اور طوق اور جلتی آگ تیار کر رکھی ہے اور جو لوگ کفر تو اختیار نہیں کرتے بلکہ ان کا شیوہ نیکو کاری ہے وہ سب کے سب دوزخیوں کی آگ کے مقابلہ میں ایسے جام پئیں گے جن میں کافور ملا ہوگا"

ان الابرار لفی نعیم وان الفجار لفی جحیم ○ (پ۳۰ ع)

"بیشک جملہ نیکو کاران یقیناً یقیناً بڑی بڑی نعمتوں میں ہوں گے اور بیشک تمامی فاجران یقیناً یقیناً دوزخ میں جاویں گے"

ان کتٰب الفجار لفی سجین . . . . وان کتٰب الابرار لفی علیین ○ (پ۳۰ ع)

"بیشک تمامی فاجروں کے اعمال قیدیوں کے رجسٹر میں درج کئے جاتے ہیں . . . . اور تمامی نیکو کاروں کے اعمال عالی مرتبہ لوگوں کے رجسٹر میں درج کئے جاتے ہیں"

فاصحٰب المیمنۃ ما اصحٰب المیمنۃ واصحٰب المشئمۃ ما اصحٰب المشئمۃ پ۲۷ - ع ۱۵-۱۴

"پس ایک گروہ تو وہ ہے جو داہنے ہاتھ والے ہیں سو داہنے ہاتھ والوں کی کیسی اونچی شان ہوگی دوسرا گروہ وہ ہے جو بائیں ہاتھ والے ہیں سو بائیں ہاتھ والوں کی کیا بُری گت بنے گی"

وجوہ یومئذ خاشعۃ ○ عاملۃ ناصبۃ ○ تصلٰی نارا حامیۃ ○ تسقٰی من عین اٰنیۃ ○ لیس لھم طعام الا من ضریع ○ لایسمن ولایغنی من جوع ○ وجوہ یومئذ ناعمۃ ○ لسعیھا راضیۃ ○ فی جنۃ عالیۃ ○ لاتسمع فیھا لاغیۃ ○ فیھا عین جاریۃ ○ فیھا سرر مرفوعۃ ○ واکواب موضوعۃ ○ ونمارق مصفوفۃ ○ وزرابی مبثوثۃ ○ (پ۳۰ ع۱۳)

"اُس روز کچھ چہرے تو اُترے ہوئے ہوں گے اور اُنپر کچھ بھی رونق نظر نہ آوے گی طرح طرح کی مشقتیں کر رہے ہوں گے اور اُنہیں مشقتوں کی وجہ سے تھک کر چور چور ہو رہے ہوں گے سخت جلتی ہوئی آگ میں پڑیں گے ایک کھولتے ہوئے چشمے سے ان کو پانی پینے کو دیا جائیگا اور کھانے کا یہ حال ہوگا کہ سوائے ضریع کے اور کچھ بھی اُن کو کھانے کو نہ ملیگا (ضریع ایک قسم کی گھاس ہوتی ہے جو خشک ہو جانے کے بعد کانٹے کانٹے ہو جاتی ہے اور جانور بھی اسکو نہیں کھاتے) اور اس کھانے سے نہ تو اُن کا بدن ہی موٹا ہوگا اور نہ بھوک ہی بند ہوگی اور بعض چہرے اس روز ہشاش اور بشاش اور بارونق ہوں گے دنیا میں جو نیک اعمال کرتے رہے تھے اپنے ثمرے دیکھ دیکھ کر بہت خوش ہوں گے اونچی جنت میں اُن کو جگہ ملیگی کسی قسم کی بھی لغویات ان کے کانوں میں نہ پڑے گی اُس میں چشمے بہ رہے ہونگے اونچے اونچے تخت بچھے ہونگے اور گلاس اور جام رکھے ہوئے ہوں گے اور گاؤ تکئے ایک قطار میں لگے ہوئے ہوں گے - اور نفیس مسندیں بچھی ہوں گی"

اما الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت فلھم جنّٰت المأوٰی نزلا بما کانوا یعملون ○ واما الذین فسقوا فماوٰھم النار ۱۰ (پ۲۱ ع۱۵)

"تو جو لوگ فسق سے نفرت کر کے ایمان کو قبول کرتے ہیں اور اعمال صالحہ کرتے رہتے ہیں ان کے رہنے کے لئے جنتیں ہیں یہ بہشت ان اعمال کے بدلہ میں جو دنیا میں کرتے رہے مہمانی کے طور پر ان کو عطا کی جاویں گی

اور جو لوگ ایمان کی پرواہ نہ کر کے نافرمانی میں پڑے رہتے ہیں تو اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے۔"

من کان یرید حرث الاٰخرۃ نزد لہ فی حرثہ ومن کان یرید حرث الدنیا نؤتہ منہا ومالہ فی الاٰخرۃ من نصیب ٥ (پ۲۵ ع۴)

"جو کوئی آخرت کی کھیتی کا طالب ہو ہم اس کی کھیتی میں اس کے لئے برکت دینگے اور جو کوئی دنیا کی کھیتی کا طالب ہو تو برکت تو رہی درکنار پوری دنیا بھی نہیں دینگے بلکہ بقدر مناسب جتنی چاہینگے اُسکو دینگے مگر پھر آخرت میں اسکا کچھ حصہ نہیں ہے۔"

ویمح اللہ الباطل ویحق الحق بکلمٰتہ پ۲۵ ع۴)

"اور اللہ تعالیٰ اپنے کلام سے ہر قسم کے باطل کو مٹاتا اور اس کے مقابلہ میں ہر قسم کے حق کو جماتا ہے۔"

وما یستوی الاعمیٰ والبصیر ٥ ولا الظلمٰت ولا النور ٥ ولا الظل ولا الحرور ٥ وما یستوی الاحیاء ولا الاموات پ۲۲ ع۱۵

"اندھا خواہ کسی قسم کا ہو اور اُس کے مقابلہ میں سوجاکھا خواہ کسی قسم کا ہو آپس میں برابر نہیں ہو سکتے اور نہ ہی اندھیرے خواہ کسی قسم کے ہوں اور نہ نور ہی خواہ کسی قسم کا ہو اور نہ چھاؤں ہی خواہ کسی قسم کی ہو اور نہ دھوپ ہی خواہ کسی جنس کی ہو آپس میں برابر ہو سکتی ہیں اور نہ زندگی خواہ کسی قسم کے زندگی والے ہوں اور نہ مردے خواہ کسی قسم کے موت والے ہوں آپس میں برابر ہو سکتے ہیں۔"

وجعلنا الیل لباسا وجعلنا النہار معاشا (پ۳۰ ع۱)

"اور ہم نے ہی رات کو خواہ وہ کسی قسم اور جنس کی ہو پردہ پوشی بنایا ہے اور اسی طرح اسکے مقابلہ میں دن کو بھی خواہ وہ کسی قسم اور جنس کا ہو روزی کمانے کا وقت بنایا"

خلاصہ ان سب آیات طیبات کا یہ ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے ایک حصہ کا ذکر کیا ہے وہاں دوسرے حصہ کا بھی ضرور بیان فرما دیا اسی طرز بیان کو اس رکوع میں بھی اختیار کیا گیا ہے تاکہ فوراً ایمان کی قدر معلوم ہو جاوے اور کفر سے نفرت پیدا ہو جاوے اور چونکہ کفر اور فسق وغیرہ تو آپ انسان اپنے ارادہ اور دلی خواہش سے کرتا ہے اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی جو بے نیاز و بے غرض اور بے پرواہ ہے اسکو اس کے اپنے اختیار کی ہوئی حالت پر اسی کو چھوڑ دیتا ہے اور آخر کار وہ اپنے اصرار و استمرار علی الکفر میں ہی مرجاتا ہے پس ضرور ہوا کہ وہ اپنے اس کفر کی سزا بھگتے اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولہم عذاب عظیم یعنی ایسے کافرین کے لئے بڑا بھاری عذاب ہے۔"

سوال متقین کی فلاح یعنی کامیابی حاصل کرنے اور جنت میں جانے اور کافرین کے عذاب یعنی دوزخ میں جانے کی کیا وجہ ہے؟

جواب چونکہ ہم ایک مضمون شروع میں فطرت اللہ و خلق اللہ کی نسبت لکھ چکے ہیں اس کا ایک دفعہ پھر مطالعہ کرو یا اگر یاد ہو تو اس کو ذہن نشین کر لو اور دیکھو پہلی قسم کے لوگ فطرت اللہ و خلق اللہ و نعمت اللہ و امانت اللہ کی محافظت اور نگہبانی کرتے ہیں اور انہیں سے کسی قسم کی تغیر و تبدیل و خیانت نہیں کرتے پس وہ کامیاب ہوں گے اور دوسری قسم کے لوگوں نے فطرت اللہ و خلق اللہ وغیرہ کی کچھ قدر نہیں کی ان کی کچھ محافظت نہیں کی بلکہ ناقدری اور ناشکری کر کے اس کی تغیر و تبدیل و خیانت میں لگے رہے سو اسی وجہ سے اس ناقدری اور ناشکری اور تغیر و تبدیل و خیانت کی سزا یعنی جہنم کے مستحق ہو گئے ورنہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا یعنی یہ کہ ایسے ناقدر شناسوں اور ناشکروں کی سزا کا موجب خود ان کی اپنی ناقدر شناسی اور ناشکری و تغیر و تبدیل و خیانت و عدم دیانت ہی ہو سکے وجہ کا جرم ہے اگرچہ اس امر کی تفہیم کے لئے وہ بہت آیات جو پہلے لکھی جا چکی ہیں کافی ہیں اور خوب زور شور سے ثابت کر رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص پر رتی بھر ظلم بھی روا نہیں رکھتا بلکہ خود ظالم انسان کا اپنا ظلم اُس کو دوزخ کا مستوجب بنا دیتا ہے مگر ناظرین کی تسلی کے لئے چند ایک آیات پھر لکھی جاتی ہیں۔

الم تر الی الذین بدلوا نعمت اللہ کفرا واحلوا قومہم دار البوار ٥ جہنم یصلونہا وبئس القرار ٥ (پ۱۳ ع۱۶)

"اے نبی کیا تو نے اُن لوگوں کے حال پر نظر نہیں کی جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت یعنی فطرت اللہ و خلق اللہ کو ازراہ ناشکری تبدیل کر ڈالتے ہیں اور اپنے تابعداروں کو ہلاکت کے گھر یعنی دوزخ میں جا اتارتے ہیں یعنی جس میں وہ سب کے سب مل ملا کر داخل ہوں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔"

ومن یبدل نعمۃ اللہ من بعد ما جاءتہ فان اللہ شدید العقاب ٥ (پ۲ ع۱۰)

"اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت یعنی فطرت اللہ و خلق اللہ کو اپنے پاس آئے پیچھے تبدیل کر ڈالتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی ہر قسم کے عذاب دینے میں بڑی سختی کرے گا۔"

إن الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بأنفسهم وإذا أراد الله بقوم سوءً فلا مرد له وما لهم من دونه من وال ٥ (پ ۱۳ ع ۲)

بیشک اللہ تعالیٰ اُس نعمت بخشش کو جو اُس نے کسی قوم کے اوپر کی ہوئی ہے تغیر و تبدیل نہیں کرتا جب تک کہ وہ قوم خود اُس نعمت کی ناشکری کر کے اس کی تغیر و تبدیل نہیں کر ڈالتی اور پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کو ایسی حالت پر چھوڑ دینا ہے حتیٰ کہ ان کی ہلاکت کا وقت آ جاتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی ایسی قوم کو ہلاک کرنے کی ٹھان لیتے تو پھر کسی کے ٹالے وہ ہلاکت نہیں ٹل سکتی اور اللہ کے سوائے کوئی ان کا حامی و محافظ نہیں ہو سکتا "

ذلك بأن الله لم يك مغيراً نعمة أنعمها على قوم حتى يغيروا ما بأنفسهم وأن الله سميع عليم ٥ (پ ۱۰ ع ۳)

" کفار کو اُن کے گناہوں کے سبب سے ہلاک کرنے کا سبب اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ سزا ان کو اس سبب سے دی گئی کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عادت نہیں ہے کہ وہ اُس نعمت کو جو اُس نے کسی قوم کو عطا کی ہوئی ہے ہی آپ تغیر و تبدیل کر ڈالے جب تک کہ وہ قوم خود اُس نعمت کو جو اُن کو ملی ہوئی ہے بدل نہ ڈالے اور نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے "

ولآمرنهم فليغيرن خلق الله - (پ ۵ ع ۱۵)

" شیطان نے کہا کہ یا اللہ میں اُن کو سمجھاؤں گا پس پھر وہ جو اللہ نے پیدا کیا خلق اللہ و نعمت اللہ کو بدلا ڈالا کریں گے "

إن الله يدافع عن الذين آمنوا إن الله لا يحب كل خوان كفور ٥ (پ ۱۷ ع ۱۳)

" بیشک اللہ تعالیٰ اُن لوگوں سے جو ایمان قبول کرتے ہیں امانت اللہ کی خیانت اور نعمت اللہ کی ناشکری اور فطرت اللہ و خلق اللہ کی تغیر و تبدیل دور کرتا رہتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ ایسے تمام لوگوں کو جو امانت اللہ میں خیانت اور نعمت اللہ کی ناشکری اور فطرت اللہ و خلق اللہ میں تغیر و تبدیل کرتے رہتے ہیں پسند نہیں کرتا "

إن الإنسان لكفور (پ ۱۷ ع ۱۸)

" بیشک ایسا انسان جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کا اپنے اوپر ذکر کرتا ہے جیسا کہ قدر کرنے کا ذکر کرنا ہے ہیں جا پڑتے ہیں نعمت کا فر ہیں جو اللہ کی دی ہوئی نعمت کی ناشکری کرتے

وما يجحد بآياتنا إلا كل ختار كفور ٥ (پ ۲۱ ع ۱۳)

اللہ تعالیٰ لوگوں کی اس آپس کی غداری حالت کا ذکر کرتا ہے جو بعد ازاں خائن اور غدار ہو جاتے ہیں بیان کرتا ہے کہ ان کی مصیبت کو دور کر دینے کے بعد ان کی دو قسمیں ہو جاتی ہیں ایک تو اپنی خالص توبہ پر قائم رہتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرتے رہتے ہیں اور دوسرے وہ جو ان کے برعکس ہو جاتے ہیں اس دوسری قسم کی بابت فرمایا ہے کہ ہماری آیات کا انکار بس وہی لوگ کرتے ہیں جو پہلے درجے کے بدعہد و بے شکرے اور کافر نعمت ہوتے ہیں "

ذلك جزيناهم بما كفروا وهل نجازي إلا الكفور ٥ (پ ۲۲ ع ۸)

" ان لوگوں کو جن کا اوپر ذکر ہوا ہے یہ سزا اُن کے اپنے کفر اور ناشکری کے سبب دی اور ہماری سنت ہے کہ ایسی سزا ہم نہیں دیا کرتے ہیں مگر ناشکر و کافر کو

والذين كفروا لهم نار جهنم لا يقضى عليهم فيموتوا ولا يخفف عنهم من عذابها كذلك نجزي كل كفور ٥ (پ ۲۲ ع ۱۶)

اور جو لوگ کتاب اللہ کا انکار کرتے رہتے ہیں اور پھر اسی پر مر جاتے ہیں اُن کے لئے دوزخ کی آگ تیار ہے نہ تو ان کے لئے موت ہی کا حکم جاری کیا جا دیگا کہ وہ مر جاویں اور نہ دوزخ کا عذاب اُن پر سے کچھ ہلکا ہی کیا جاویگا "

إن الله لا يظلم مثقال ذرة (پ ۵ ع ۳)

" بیشک اللہ تعالیٰ ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا "

وما كان الله ليظلمهم ولكن كانوا أنفسهم يظلمون ٥ (پ ۲۰ ع ۱۱)

" اور اللہ تعالیٰ تو ایسا نہیں ہے کہ ان قوموں پر جو اوپر مذکور ہو چکی ہیں ظلم کرتا بلکہ یہ لوگ خود آپ ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے "

ان سب آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ فطرت اللہ، خلق اللہ، نعمت اللہ، امانت اللہ میں تبدیل و تغیر و خیانت کرنے والے سب کے سب کافر اور خائن اور کفور اور خوان ہیں اور ان سب کی سزا دوزخ ہے بشرطیکہ مرنے سے پہلے پہلے توبہ قبول نہ کر لیں جیسا کہ پہلے بسط تمام بیان ہو چکا ہے اور یہ سزا ان کے اپنے اعمال کا معاوضہ ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اس بات سے کہ مثقال ذرہ کسی پر ظلم روا رکھے - چونکہ شروع سے تین قسم کے ہی لوگ ہوتے چلے آئے ہیں جن پر خواہ آدمی تین قسموں کے ہوتے رہیں گے اسواسطے قرآن مجید نے ان ہی تین قسم کے لوگوں کی تقسیم کو مد نظر رکھ کر تعلیم کرتا ہے اور فطرت اللہ، خلق اللہ کی محافظت اور حد اعتدال پر رکھنے کے قواعد اور تغیر و تبدیل کردہ شدہ فطرت اللہ و خلق اللہ کے نتائج بد اور پھر اس کی اصلاح کے قوانین بیان کرتا

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ

جملہ معشر الجن والانس میں سے بعض ایسے بھی جن اور آدمی ہوتے ہیں جو صرف مونہہ سے ہی کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور اس دن پر جو اس دنیا کے

الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹﴾

بعد آنے والا ہے یعنے قیامت پر ایمان لاتے ہوئے ہیں حالانکہ اس زبانی دعوی کے وقت بھی ہرگز ہرگز ان کا کوئی ایمان نہیں ہے۔

اور وہ تین قسم کے گروہ ہیں۔ اوّل وہ لوگ جو دل اور زبان اور دیگر جوارح سے اسلام یعنی فطرت اللہ وخلق اللہ کی محافظت کرتے ہیں اور مومنین اور متقین کے لقب سے ملقب ہیں۔ دوم وہ لوگ جو نہ دل اور نہ زبان و دیگر جوارح سے فطرت اللہ وخلق اللہ کی محافظت کرتے ہیں وہ کافرین کے خطاب سے مخاطب ہیں سوم وہ لوگ ہیں جو نہ تو من کل الوجوہ قسم اول میں آتے ہیں اور نہ من کل الوجوہ قسم دوم میں بلکہ ان دونوں قسموں کے بین بین ہوتے ہیں اس گروہ کی دو شقیں ہیں ایک شق تو وہ ہے جو زبان اور کبھی کبھی دیگر جوارح سے تو ظاہر کرتے ہیں کہ فطرت اللہ وخلق اللہ یعنے اسلام کی محافظت کرتے ہیں مگر دل سے قائل نہیں ہوتے پس اس صورت میں بظاہر مومن ہیں اور وہ باطن میں کافر ہیں۔ دوسری شق وہ ہے جو دل سے تو قائل ہیں مگر ان کے اعمال بتا رہے ہیں کہ وہ کافر ہیں پس اس صورت میں در باطن وہ مومنین سے ملتے ہیں مگر اعمال کے لحاظ سے وہ کافر ہیں اگرچہ ان دونو شقوں میں فرق تو ہے مگر حقیقت میں کافر دونو شقیں ہیں ایمان بلا عمل دوزخ سے آخر کار نکلوا لیگا۔ اور عمل بلا ایمان تو کسی کام کا ہی نہیں ہوتا۔ سو اس تیسرے گروہ کا نام قرآن مجید میں منافقین آیا ہے اس وقت تک پہلے دو گروہوں یعنے متقین اور کافرین کا ذکر ہو چکا ہے اب اس جگہ سے منافقین کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ جس طرح متقین کی صفات پہلے بیان ہو چکی ہیں اور پھر ان کا انجام یعنے جنت مذکور ہوا ہے اور جس طرح کافرین اور ان کے اوصاف اور پھر ان کے نتیجے یعنی عذاب عظیم کا بیان ہے اب اسی طرح اس تیسرے گروہ کا ذکر ہوتا ہے اور چونکہ پہلے دو گروہوں کا حال تو ظاہر باہر ہوتا ہے اسواسطے ان دونو کا حال مختصر الفاظ میں بیان کر کے کوزہ میں دریا بھر دیا اور چونکہ منافقین کی دلی خباثتوں اور اندرونی حالات کا معلوم کر جانا بڑا سخت مشکل ہے کیونکہ یہہ لوگ دونو قسموں کے بین بین ہوتے ہیں اور ان سے دونو قسموں کے لوگوں کو سخت نقصان پہونچتا ہے اور ان کے وجود سے دنیا کے بڑے بڑے ضروری انتظامات میں فتور پڑتا ہے اسواسطے ان کا ذکر ذرا طوالت کے ساتھ کیا اور ان کے اوصاف اور ان کی علامات اور ان کے نتایج اور ان کی اصلی حقیقت اور ماہیت و کیفیت و طرفیت کا بیان فرمایا پھر ان کے حالات تمثیلی طور پر بیان فرمائے تاکہ ہر قسم کی استعداد و لیاقت والا شخص ان کی معنوی بیماری سے بچا رہے۔ اور فطرت اللہ وخلق اللہ کی کما حقہ محافظت کر سکے پس اب اس گروہ کے بیان کرنے کے لئے فرمایا۔ ومن الناس من یقول الخ

(۹) اس آیت کا منشا یہہ ہے کہ نرے زبانی دعووں اور اقراروں اور اعترافوں اور محض زبان سے ایمان کی صفتوں آمنا باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ وبالیوم الآخر پڑھ دینے سے کچھ فایدہ نہیں ہے تاوقتیکہ اس دعوے اور اقرار اور اعتراف کے مطابق تعمیل و عملدرآمد کیا جاوے کچھ پرواہ نہیں کہ ایسا زبانی اعتراف اور اقرار اور اسلام دلی ہی ہو اگر یہہ اعتراف دل کی تصدیق کے ساتھ ہے مگر اسکے موافق عملدرآمد نہیں ہوتا تو ایسا اعتراف بھی بمنزلہ انکار کے ہوتا ہے اور ایسے زبانی مدعیان اسلام کے حق میں قرآن مجید میں بڑی سخت سخت وعید بیان ہوئی ہیں اور ایسے زبانی اعتراف بلا عمل پر خداوند تعالے نے اپنا غضب اور مقت اور غصہ ظاہر فرمایا ہے۔ چند آیات اس کی تصدیق وتفصیل وتفسیر کے لئے لکھی جاتی ہیں۔

یا ایہا الذین آمنوا لم تقولون ما لا تفعلون ۰ کبر مقتا عند اللہ الخ — "اے لوگو جنکا دعوے ہے کہ ہم مومن ہیں تم مومن ہو تو پھر تم کیوں

تقولوا مالا تفعلون ۝ (پ۲۸ ع)

ایسے زبانی دعوے کر دیتے ہو جنکو کر کے تم ثابت نہیں کرتے یہہ بات کہ تم ایسے زبانی دعوے بڑے کرو اور ان کو عملی طور پر ثابت نہ کرو اللہ تعالےٰ کے نہایت ہی بڑے درجہ کے غضب کا باعث ہوتی ہے ۔"

اذا جاءک المنٰفقون قالوا نشھد انک لرسول اللہ واللہ یعلم انک لرسولہ ۔ واللہ یشھد ان المنٰفقین لکٰذبون ۝ (پ۲۸ ع)

"جسوقت تیرے پاس وہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق ہے آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ تو واقعی اللہ کا رسول ہے اور اللہ کو تو معلوم ہے کہ تو سچ مچ اللہ کا رسول ہے مگر اللہ تعالےٰ یہہ بھی بتائے دیتا ہے کہ یہ منافق دل سے یہ بات نہیں کہتے صرف زبانی زبانی ایمان کا اظہار کر رہے ہیں اصل میں بیشک یہہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں ۔"

قالوا لو نعلم قتالاً لاتبعنٰکم ھم للکفر یومئذٍ اقرب منھم للایمان یقولون بافواھھم ما لیس فی قلوبھم واللہ اعلم بما یکتمون ۝ (پ۴ ع)

" اور جب منافقون کو کہا گیا کہ تم اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کو آؤ تو جواب میں بولے اگر لڑائی جانتے ہوتے تو ہم ضروری تمہارے ساتھ ہو لیتے یہہ منافق آج ایمان جملہ اقسام کی نسبت کفر کی جملہ اقسام کی طرف نزدیک تر ہیں کیونکہ اپنے موہوں سے ایسے ایسے زبانی دعوے کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتے اور اللہ تعالی اس اندرونی خباثت کو جو ان کے دلوں میں موجود ہے اور جسے وہ لوگوں سے چھپاتے رہتے ہیں خوب اچھی طرح سے جانتا ہے ۔"

یا ایھا الرسول لا یحزنک الذین یسارعون فی الکفر . . . .
. . . .
. . . . لھم
فی الدنیا خزیٌ ولھم فی الاٰخرۃ عذاب عظیم ۝ (پ۶ ع۱۰)

"یا رسول اللہ جو لوگ ہر قسم کے کفر پر نکلتے ہیں یعنے وہ تمام منافق جو اپنے موہوں سے تو ایمان کا دعوے کرتے ہیں اور ان کے دلوں میں ایمان کا نام و نشان بھی نہیں ہوتا . . . .
. . . اس دنیا میں ان لوگوں کے لئے بڑی بھاری رسوائی ہے اور اس جہان میں بھی جو اسکے بعد آنیوالا ہے ان کے لئے بڑا سخت عذاب ہے ۔"

کیف وان یظھروا علیکم لا یرقبوا فیکم الاً ولا ذمۃ یرضونکم بافواھھم وتابٰی قلوبھم واکثرھم فٰسقون ۝ (پ۱۰ ع)

" ان لوگوں کے زبانی دعووں اور قولوں اور اقراروں اور عہد و پیمان کا اعتقاد کیسے کیا جاوے حالانکہ ان کا یہہ حال ہے کہ اگر تم پر قابو پا جاویں تو تمہارے بارے میں نہ تو قرابت کا ہی لحاظ رکھیں اور نہ کسی عہد و پیمان کا وہ تم مسلمانوں کو اپنی زبانی گپوں اور موہنہ کی باتوں سے خوش کر لیتے ہیں اور ان کے دلوں کا یہہ حال ہے کہ وہ ان زبانی باتوں کی تعمیل کو بُرا جانتے ہیں اور انکار کرتے ہیں ۔"

لیدخل المؤمنین والمؤمنٰت جنٰت . . . .
. . . . . ویعذب المنٰفقین والمنٰفقٰت والمشرکین والمشرکٰت
. . . .
. . . وغضب اللہ علیھم ولعنھم واعد لھم جھنم ۔ وساءت مصیرا ۝ (پ۲۶ ع)

" تاکہ اللہ تعالےٰ جملہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بہشتوں میں داخل کرے . . . .
. . . . اور جملہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور جملہ مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو . . . . عذاب دیوے ایسے لوگوں پر خدا کا غضب نازل ہوا اور ان کو پھٹکار دیا اور ان کے لئے جہنم تیار کر رکھا ہے اور وہ بہت بُری جگہ ہے ۔"

ان المنٰفقین یخٰدعون اللہ وھو خادعھم ۔ واذا قاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالٰی یراءون الناس ولا یذکرون اللہ الا قلیلاً ۝ مذبذبین بین ذٰلک لا الٰی ھٰؤلاء ولا الٰی ھٰؤلاء ۔ ومن یضلل اللہ فلن تجد لہ سبیلاً ۝ (پ۶ ع۱۶)

" بیشک وہ لوگ جو منافق ہوتے ہیں اللہ تعالی کی مخالفت کرتے ہیں اور اللہ تعالےٰ کو چھوڑ دیتے ہیں اور اللہ تعالےٰ بھی ان کو چھوڑ دیتا ہے یعنی ان کی حالت نفاق پر ہی چھوڑ رکھتا ہے اور ان کا ظاہری حال یہہ ہے کہ یہہ لوگ جب بھی نماز متعارف و مشہور کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو محض بے دلی اور بیدلی سے کھڑے ہوتے ہیں باقی کے جملہ لوگوں کو دکھاوے کے طور پر اپنی نماز دکھاتے ہیں اور اللہ کا اصلی اور سچی یاد کا یہہ حال ہے کہ وہ کبھی ہی مجبور و مقہور ہو کر بحالت اضطراری ولاچاری و بیقراری اللہ کی کچھ یاد کر لیتے ہیں کفر اور ایمان کے درمیان متردد ہوتے ہیں نہ تو ان مسلمانوں کی طرف اور نہ اُن کافروں کی طرف اور جس شخص کو اپنے اختیار کئے نفاق و کفر کی گمراہی پر اللہ تعالےٰ چھوڑ دیتا ہے تو پھر ایسے گمراہ کے لئے تو ہرگز ہرگز کوئی ہدایت کا رستہ نہ ڈھونڈ سکے گا ۔"

ان المنٰفقین فی الدرک الاسفل من النار ۚ ولن تجد لہم نصیرا ۝

(پ ۵ ع ۱۸)

یوم تری المؤمنین والمؤمنٰت یسعٰی نورہم بین ایدیہم وبایمانہم

. . . .

. . . . یوم یقول المنٰفقون والمنٰفقٰت

للذین اٰمنوا انظرونا نقتبس من نورکم قیل ارجعوا وراءکم

فالتمسوا نورا فضرب بینہم بسور لہ باب باطنہ فیہ الرحمۃ

وظاہرہ من قبلہ العذاب ینادونہم الم نکن معکم قالوا بلٰی

ولکنکم فتنتم انفسکم وتربصتم وارتبتم وغرتکم الامانی

حتٰی جاء امر اللہ وغرکم باللہ الغرور ۝ فالیوم لا یؤخذ منکم فدیۃ

ولا من الذین کفروا ماوٰکم النار ہی مولٰکم وبئس المصیر ۝

(پ ۲۷ ع ۱۸)

"بیشک جو لوگ نفاق اختیار کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ اسپر مرجاتے ہیں دوزخ کے اس طبقہ میں ڈالے جاوینگے جو سب سے نیچے ہے اور ان کے لئے تو ہرگز کوئی مددگار نہ پاسکیگا"

"اے پیغمبر خدا قیامت کے دن تو دیکھیگا کہ جملہ مومن مردوں اور عورتوں کے ایمان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے داہنے طرف کو چل رہا ہوگا . . . .

. . . . اس روز وہ مرد اور عورتیں جو اس دنیا میں نفاق کو اختیار کرکے اسی پر مرگئے ایمان والوں کو کہیں گے کہ بھائیو ذرا ٹھیر جاؤ کہ ہم بھی تمہارے نور میں سے کچھ لے لیں ان کو جواب ملیگا کہ نہیں اپنے پیچھے واپس چلے جاؤ اور نور ڈھونڈلاؤ پس اسکے بعد دونو فریقوں کے درمیان ایک بڑی بھاری دیوار کھڑی کی جاویگی جس میں ایک دروازہ ہوگا اس دروازے کے اندر کی طرف جدھر مسلمان ہوں گے اللہ تعالیٰ کی وہ خاص رحمت ہوگی جو مسلمانوں کے لئے ہے اور اسکے باہر کی طرف کو جدھر منافق ہوں گے اللہ کا وہ عذاب جو منافقوں کے لئے ہے موجود ہوگا منافق مسلمانوں سے پکار پکار کر کہیں گے کیا ہم دنیا میں بھی تمہارے ساتھ نہ تھے وہ کہیں گے بیشک تم ضرور ہمارے ساتھ تھے مگر تم نے خود اپنی جان کو گمراہی میں ڈال رکھا تھا اور مسلمانوں کی انتظاری کرتے رہتے کہ ان کو فراخی ملے تو ہم بھی فراخی کے دنوں میں جا ملیں اور اگر دکھ کے دن ہوتے تو پرے پرے ہٹتے رہتے۔ اور تم اسلام کی حقیقت میں شک میں پڑے رہے اور اپنی اسی قسم کی لایعنی آرزوؤں کے دھوکہ میں پڑے رہے حتےٰ کہ خدا کا حکم یعنے تمہاری موت آگئی اور ہر قسم کے دھوکہ باز شیطان من الجنۃ والناس بھی تم کو دھوکا دیتے رہے کہ اللہ کو دوزخ میں ڈالنے سے کیا فائدہ ہے اللہ غفور رحیم ہے وہ اپنے فضل وکرم سے تم کو بخشدیگا وغیرہ وغیرہ سو آج نہ تم سے ہی کچھ فدیہ لیکر دوزخ سے بچایا جاویگا اور نہ ان لوگوں سے جو کفر اختیار کرکے آخر کار اسی پر مرگئے تم سب کا ٹھکانا یہی دوزخ ہے یہی تمہارا مناسب حال جگہ ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے"

ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ گروہ مومنین متقین اور گروہ کافرین فاسقین کے علاوہ ایک گروہ مذبذبین یعنے منافقین بھی ہمیشہ دنیا میں موجود رہتا ہے اور ان منافقین کے لئے جو جو وعید اوپر ذکر ہوچکی ہیں وہ وعید وہی ہیں جو مشرکین اور کافرین کے لئے ہیں اور اس نفاق کی وجہ بھی وہی ہے جو کفر کی وجہ ہے یعنی عناد وعنت جسکے معنے ہیں مخالفت اور ترک یعنے یہ لوگ کتاب اللہ کی پرواہ نہیں کرتے اور اس کی مخالفت کرکے اس کو بالکل ترک کردیتے ہیں یعنے یہ کہ دونو قسم کے لوگ فطرۃ اللہ، خلق اللہ، نعمۃ اللہ، وامانۃ اللہ کی محافظت ورعایت نہیں کرتے اور ان میں تغییر وتبدیل اور خیانت اور عدم دیانت کرتے رہتے ہیں البتہ کفر اور نفاق میں فرق صرف اتنا ہے کہ یہ زبانی گپوں اور منہ کی باتوں سے حسب وقت مطلب نکال لیتے ہیں اور منہ سے مومن بنے رہتے ہیں اور کافرین صرف ایک طرف پڑے رہتے ہیں مگر مآل ان دونو فرقوں کا ایک ہی ہے یعنے دوزخ پھر چونکہ گروہ منافقین کی دو قسمیں ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے یعنے ایک وہ شخص جو دل سے کافر اور زبان سے مومن بلکہ کبھی کبھی اعمال بھی مومنوں کے سے کرتے ہیں اور دوسرے وہ جو دل اور زبان سے مومن مگر ترک اعمال صالحہ یا ارتکاب اعمال بد سے کافر ہیں یہ دونو قسمیں بھی دوزخی ہیں پہلی شق تو کافرین کی طرح سدا سدا دوزخ میں رہیگی اور ان کی سزا کفار کی سزا سے بدتر ہوگی اور دوسری شق سدا سدا دوزخ میں نہیں رہیگی اپنے اس دلی اور زبانی ایمان کے سبب سے آخر کار جنت میں داخل کی جاویگی اور ان کی سزا کفار کی سزا سے کمتر ہوگی ان ساری باتوں کی تفصیل اپنے اپنے مقاموں پر انشاء اللہ تعالےٰ ہوتی رہیگی اور اوپر کی آیات میں بھی یہ ساری باتیں موجود ہیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مفسر حقانی حکیم ربانی کے کلام پاک میں ان ساری باتوں کی تفصیل وتفسیر بسط تام موجود ہے غرضکہ مومنین متقین کے سوائے باقی کے دونو گروہ دوزخی ہیں اللہ تعالےٰ ان سے بچاوے اور منافقین کے زبانی دعووں اور ایمانوں کا کچھ اعتبار نہیں ہے خواہ وہ منافق مدعیان ایمان واسلام ہی کیوں نہوں۔

تحقیق لفظ ناس قرآن مجید میں سب سے پہلے یہی جگہ ہے جہاں لفظ الناس آیا ہے اسواسطے اصول تفسیر ہٰذا کے پندرھویں اصول کے مطابق اس لفظ کی تحقیق ضروری ہے۔ پس واضح رہے کہ لفظ ناس زبان عرب میں بنی آدم اور بنی جان یعنے آدمی اور جن دونو کے لئے موضوع ہے۔ قرآن کریم میں جہاں کہیں الناس کا لفظ آیا ہے تو وہاں مراد ہوتی ہے جملہ معشر الجن والانس سے جو قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔

قاموس، مفتاح المنیر، صراح و مجمع بحار الانوار، منتہی الارب وغیرہ وغیرہ کتب لغت میں بھی تحقیق لکھی ہے غرضکہ تمام قرآن کریم میں جہاں کہیں الناس کا لفظ آیا ہے تو وہاں اوس سے مراد الثقلین ہی ہے یعنے آدمی بھی اور جن بھی اس کی وجہ بھی ظاہری ہے اور وہ یہہ ہے کہ سارے قرآن مجید میں بالاستقلال و بالاصالت خاص جنوں کو اوامر و نواہی کے لیئے کوئی بھی خطاب نہیں ہے اور پھر امر و نہی کی تعمیل یا عدم تعمیل پر جنت اور دوزخ میں جانے کے لیئے آدمیوں کی طرح ان کا بھی الگ اور خاص نام ذکر کیا گیا ہے جب عذاب و ثواب کے وقت ان کا الگ نام ذکر کیا گیا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ الناس کے خطاب میں دونو قسم کی مخلوق یعنے جن و انس دونو شامل ہیں جیسے امر و نواہی و معروفات و منکرات کے کرنے اور نہ کرنے کا حکم آدمیوں کو ہے ویسا ہی جنوں کو ہے اور چونکہ مخاطب دونو فریقوں کو کرنا تھا اور لفظ ناس دونو فریقوں کے لیئے زبان عرب میں موضوع اور مستعمل ہوتا ہے اسواسطے اللہ تعالے نے دو قسم کی مخلوق کو مخاطب کرنے کے واسطے لفظ ناس بیان فرمایا اسواسطے ترجمہ میں ہمنے اسکا ترجمہ معشر الجن و الانس کیا ہے اور آیندہ بھی جہاں کہیں یہہ لفظ آویگا وہاں اسکا ترجمہ یہی کیا جاویگا۔ اور آل اس النّاس میں استغراقی ہے اور من تبعیضیہ ہے یعنے جماعہ معشر الجن والانس میں سے بعض ہی بعض ایسے انسان اور بعض ایسے جن بھی ہوتے رہتے ہیں جو منافق ہوتے ہیں اور الیوم میں آل عہدی ذکری ہے یعنے وہ دن جسکا ذکر قرآن مجید میں جابجا تفصیلاً و اجمالاً ہو چکا ہے۔

تحقیق شان نزول تفسیروں میں عموماً آیات کی تفسیر کرتے وقت کوئی خاص باعث یا سبب یا محل یا شان نزول قرار دے لیتے ہیں جس سے نہ صرف عوام الناس ہی بلکہ خود مفسرین بھی کبھی کبھی لغزش کھا جاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ فلاں آیت فلاں قوم یا فرقہ یا شخص کے حق میں ہے اور فلاں آیت فلاں و فلاں کے حق میں ہے یا ایسی آیت یا سورت کے نزول کا یہہ باعث ہے یا فلاں سبب ہے اسواسطے مطابق اصول چہارم تفسیر القرآن یعنے التفسیر بہذا اس جگہ شان نزول کی نسبت تحقیق کرنا ازبس ضروری معلوم ہوتا ہے سو واضح ہو کہ یہہ ساری باتیں بالکل بے سند اور بلا حجت و برہان ہیں قرآن مجید من اوّلہ الی آخرہ جملہ معشر الجن والانس کی محض تربیت جسمانی و روحانی کے لئے نازل ہوا ہے اور بس اسکا کوئی حکم بھی ایسا نہیں ہے جسکا کوئی خاص شان نزول ہو یعنے یہہ کہ وہ حکم کسی خاص مقام یا مکان یا زمان یا آن یا شان یا انسان کے ساتھ مختص ہو۔ کتاب و سنت دونو ہی علی رؤس الاشہاد اور بآواز بلند پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ قرآن مجید اسواسطے اتارا گیا ہے کہ اس کی ضرورت تھی اور رب العالمین کی ربوبیت تامہ کا مقتضا ہے کہ وہ آپ ہی آپ خود بخود انسان کی فطرت و حالت کے موافق اس کی مناسب تربیت کرے اور چونکہ اس کی ضرورت شروع سے لیکر اخیر تک ہے پس اسکے نزول کی وجہ یہی ہے کہ جب تک انسان اور جنات موجود ہیں تب تک ان کو اپنی جسمانی اور روحانی تربیت کرنے کے لئے اس پاک کتاب کی ضرورت ہے۔ بس یہی ایک وجہ ہے اس پاک کتاب کے اترنے کی اور بس سخت تعجب آتا ہے جب بعض مفسرین رحمہم اللہ اجمعین کی تفسیروں میں بعض ایسی ایسی باتیں موجود پاتے ہیں کہ فلاں شخص نے یہہ کام کیا تو اسوقت یہہ آیت نازل ہوئی یا فلاں قوم نے یہہ کام کیا تو اسوقت یہہ سورت یا آیت نازل ہوئی۔ اصل بات یہہ ہے کہ جملہ معشر الجن والانس کی تربیت رب العالمین کو منظور ہے اسواسطے تربیت جسمانی و روحانی کے واسطے اس نے پاک کتاب بطور دستور العمل دنیا میں بھیجی اور اسی پاک کتاب میں سے کچھ نہ کچھ اجزا (بطور دستور العمل کل دنیا کی قوموں میں مختلف زبانوں) میں مختلف رسولوں کی معرفت بھیجتا رہا ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ اس رب العالمین علیم و حکیم علی الاطلاق کا کوئی کام بلا علم و بلا حکمت نہیں ہوتا اسواسطے قرآن کریم جو تیئیس قریباً ٢٣ سال کے عرصہ میں نازل ہوا ہے ضرور ضرور اور یقیناً یقیناً اتارا اسوقت ہے جب اُس خاص حصہ قرآن کریم کے اترنے کا وقت اللہ تعالی علیم و حکیم کو مناسب معلوم ہوتا تھا اور یہہ ظاہر ہے کہ مناسب وقت وہی ہوتا ہے کہ جسمیں مادے قابل ہو جاویں اور آوازسنتے ہی اسکو قبول کرلیں اور پھر ایسی حالت کے وقت میں کبھی کبھی ایسے اتفاق بھی ہو سکتے ہیں جنسے وہ بات جو اسوقت کہی جاوے اور بھی زیادہ دلنشین ہو جاوے پس دنیا میں آسمانی کتابوں کے بھیجنے کی اصلی وجہ اور حکمت محض اقتضاء ربوبیت تامہ رب العالمین ہے اور بس اور چونکہ رب العالمین حکیم و علیم و خبیر کی ربوبیت کا تقاضا ہے کہ وہ آسمانی کتاب جن و انس کی تربیت جسمانی و روحانی کے لئے دنیا میں نازل کرے اسواسطے اس کی حکیمانہ ربوبیت کا یہہ بھی تقاضا ہے کہ وہ مناسب مناسب وقتوں میں مناسب مناسب احکام و نواہی بیان فرماوے پس یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالے مختلف قوموں میں مختلف نبیوں اور رسولوں کو مختلف زمانوں اور مختلف زبانوں میں اسی قرآن مجید کے بعض بعض احکام و نواہی نازل فرماتا رہا ہے اور پھر مناسب وقت پر کل دنیا کی تربیت جسمانی و روحانی کے لئے اس ساری کامل کتاب کو نازل فرمایا۔ پھر اب چونکہ اس کی ربوبیت تقاضا کرتی ہے کہ یہہ ساری کتاب یکدم دنیا میں نازل نہ فرمائی جاوے بلکہ بتدریج آہستہ آہستہ صرف وہی حصہ قرآن مجید نازل کیا جاوے جس کی سردست ضرورت ہو اور جس کی قبولیت کے لئے مادے تیار رہوں اسواسطے خواہ مخواہ بھی اس پاک اور کامل کتاب کو حسب اقتضاء علم و حکمت و ربوبیت رب العالمین کسی مدت مدید میں اترنا تھا اور اسواسطے یہہ بھی قدرتی اور طبعی نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ خواہ مخواہ بھی ضرور ضرور اثناء زمان نزول میں کوئی خاص خاص واقعات بھی محض اتفاقی طور پر وقوع میں آویں کیونکہ ایسے ولتوں میں ایسے ایسے واقعات اتفاقیہ سے جو جو معاملہ ہووے سہہتا ہی

زیادہ دلنشین اور پائیدار اور مستحکم ہو جاتا ہے پس یہی باعث تھا اور حقیقت میں اُس حکیم و علیم رب العلمین کی اس طرز کی ربوبیت کا یہہ قدرتی اور لابد اور یقینی نتیجہ تھا کہ اس قسم کے بعض بعض واقعات اتفاقیہ قدرتی طور پر پیدا ہوں جو ایک قسم کی تربیت کے بعد دوسری قسم کی تربیت کے طلبگار ہوں پس انہیں اتفاقی واقعات کو مفسرین رحمہم اللہ اجمعین نے شان نزول قرار دیدیا ہے جسکا ہرگز ہرگز یہہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ اگر یہہ واقعہ پیش نہ آتا تو اُس واقعہ کے متعلق اوس رب العلمین سے حسب اقتضائے ربوبیت خود جو تربیت جسمانی و روحانی معشر الجن والانس کی کرنی منظور تھی وہ نہ کی جاتی حاشا وکلا۔ ایسا خیال محال اُس رب العلمین کی ربوبیت کے تقاضا کے خلاف اور منشاء قرآنی کے برخلاف ہے اور ایسے ایسے واقعات ہمیشہ سے وقوع میں آتے رہے ہیں اور آرہے ہیں اور آتے رہینگے یہہ نہیں کہ زمانہ نبوت میں ہی ضرور واقع ہو کر پھر نہیں ہوتے ہاں بیشک بعض ایسے امور ضرور ہوں گے جو محض اُس ذات سراپا برکات کے عہدہ رسالت اور شان نبوت سے ساتھ مختص اور غیر منفک ہوں اور جب نبوت اور رسالت کا دروازہ بند ہو جاوے یا جب تک وہ نبوت اور رسالت قائم رہے تو کسی غیر نبی کو ان میں اختیار نہ ہو کہ خاصہ رسول میں کسی طرح کی کچھ بھی شراکت یا مشارکت کر سکے گر جس بات کے لکھنے کے لیے ہم نے اس جگہ بیڑا اوٹھایا ہے وہ یہہ ہے کہ اس مسئلہ شان نزول پر جو بے سند باتیں تفسیروں میں لکھی جا چکی ہیں اور جن سے خود قرآن مجید کی شان پر حرف آتا ہے اور اس کی بعض آیات اور بعض احکام اور بعض نواہی کو بعض بعض قوموں یا فرقوں یا شخصوں کے ساتھ مختص کرنے سے اس کے ہادی کافۃ للناس ہونے پر نقص لازم آتا ہے اس کو دور کیا جاوے۔ سو سب سے پہلے تو یہہ کہا جاتا ہے کہ سوائے چند واقعات کے جو خود قرآن مجید میں موجود ہیں باقی جسقدر شان نزول لکھے گئے ہیں سب کے سب اپنی طبعیات و قیاسات ہیں نہ تو ان کا کوئی اشارہ کتاب اللہ میں موجود ہے اور نہ ان کا کوئی ذکر اس کی تفسیر حقانی یعنے حدیث شریف میں موجود ہے مثلاً اس قسم کا کہنا کہ یہہ آیات خاص مشرکین مکہ کے حق میں ہیں اور یا مطلق مشرکین کے حق میں ہیں یا یہہ آیات خاص **بنی قریظہ۔ بنی نضیر** کے حق میں ہیں یا یہہ آیات **یہود** کے حق میں ہیں اور یہہ آیات **نصاریٰ** کے حق میں ہیں یا یہہ واقعات خاص **ابوجہل** کے حق میں ہیں۔ اور یہہ واقعہ **ابوطالب** یا **ولید** وغیرہ کے حق میں ہیں وغیرہ وغیرہ من الرجال والنساء یہہ ساری باتیں از سرتا پا خلاف منشائے کتاب اللہ اور محض بلا سند برہان و بلا حجت و سلطان ہیں بلکہ جملہ آیات کتاب اللہ عموماً و خصوصاً کل دنیا کے لئے ہیں۔ کل دنیا کی قوموں۔ کل دنیا کے طبقوں۔ کل دنیا کے ہر زمانے اور ہر شان و حال کے لئے ہے۔ آیات ذیل بطور تائید و تصدیق دعوے مذکور لکھی جاتی ہیں۔

وھذا کتٰب انزلنٰہ مبٰرک مصدق الذی بین یدیہ ولتنذر ام القرٰی ومن حولھا (پ ۷ ع ۱۷)

" اور یہہ قرآن عظیم الشان کتاب ہے اسکو ہمنے اتارا ہے بڑی بڑی برکتیں اس میں رکھی گئی ہیں جو جو آسمانی کتابیں اس سے پہلے اتاری جا چکی ہیں ان سب کی تصدیق کرتی ہے اور اس کتاب کے اتارنے کی غرض یہہ ہے کہ تو ساری بستیوں کی ماں یعنے مکہ والوں کو اور ان تمام لوگوں کو جو اس کے چاروں طرف کو رہتے ہیں یعنے کل دنیا کو ڈرا دے "

وکذٰلک اوحینا الیک قرانا عربیا لتنذر ام القرٰی ومن حولھا (پ ۲۵ ع ۲)

" اور اسی طرح ہم نے عربی زبان کا قرآن مجید تیری طرف بذریعہ جبریل امین نازل کیا ہے اور اس کے اتارنے کی وجہ یہہ ہے کہ تو تمام بستیوں کی ماں یعنے مکہ والوں اور ان تمام لوگوں کو جو اسکے چاروں طرف بستے ہیں ڈراوے یعنے کل دنیا کو "

واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم (پ ۲۸ ع ۱۱)

" اللہ تعالے نے امی لوگوں میں انہیں میں کا بڑی شرف و قدر منزلت والا رسول بھیجا اور نیز اُن لوگوں میں جو ابھی تک ان میں نہیں ملے یعنے قیامت تک جو لوگ ہوتے رہینگے اُن سب کے لئے یہ رسول اللہ صلعم آئے ہیں "

ھٰذا بیان للناس وھدی وموعظۃ للمتقین ○ (پ ۴ ع ۵)

" یہہ قرآن مجید کل دنیا جہان کے لوگوں کے لئے خواہ جن ہوں خواہ انسان کامل درجہ کا پورا پورا بیان ہے اور اُن تمام لوگوں کے لئے جو تقوے کے خواہاں ہیں کامل درجہ کی ہدایت اور پوری پوری نصیحت ہے۔

الرٰ ۚ کتٰب انزلنٰہ الیک لتخرج الناس من الظلمٰت الی النور ۵ (پ ۱۳ ع ۱۳)

" ا ل ر ۔ یہہ بڑی اعلی درجہ اور بلند شان کی کتاب ہے تیری طرف اس کو ہم نے اس لئے نازل کیا ہے کہ تو دنیا جہان کے کل لوگوں کو خواہ جن ہوں خواہ انسان ہر قسم کے شبہات و شکوک کے اندھیروں سے نکال کر اُن کے بالکل مقابل ہر قسم کے نور میں لیجاوے "

قل یا یہا الناس قد جاءکم الحق من ربکم فمن اھتدی فانما یھتدی لنفسہ ومن ضل فانما یضل علیھا وما انا علیکم بوکیل ۝ (پ ۱۱ ع ۱۷)	"تو کہہ کل دنیا جہان کے جنو اور انسانو اب تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تمہاری جسمانی و روحانی تربیت کے واسطے کامل صفات و جامع کمالات والا حق آچکا ہے یعنے قرآن مجید پس جو کوئی اس قرآن کریم کو اپنا رہنما سمجھ کر اپنی خوشی سے راہ راست اختیار کرے گا تو کسی کے سر اس کا احسان نہیں ہے محض اپنے ہی فائدے کے لئے راہ راست اختیار کرے گا اور جو اپنی مرضی سے بھٹکے گا تو کسی کا زیان نہیں کرتا اپنا ہی کچھ کھوتا ہے اور میں ہرگز ہرگز تمہارے ماننے یا نہ ماننے کا ذمہ وار نہیں ہوں"۔
قل یا یہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا (پ ۹ ع ۱۰)	"تو کہہ کہ دنیا جہان کے جنو اور انسانو میں تم سب کی طرف اللہ تعالے کا بھیجا ہوا رسول آیا ہوں"
وما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیرا و نذیرا و لکن اکثر الناس لا یعلمون ۝ (پ ۲۲ ع ۹)	"اور اے نبی تجھ کو تو ہم نے کل دنیا جہان کے جنوں انسانوں کے عام رسول کر کے بھیجا ہے کہ ایمان لانے والوں کو خوشخبری سنا دے اور نہ ایمان لانے والوں کو عذاب سے ڈرا دے مگر اکثر جن اور انسان ہماری ان باتوں کو سمجھنا نہیں چاہتے"
ان ھو الا ذکر للعالمین ۝ (پ ۲۳ ع ۱۴ پ ۳۰ ع ۶)	"یہ قرآن مجید بس یہ ہی سراسر کامل درجہ کی نصیحت اور ہے بھی کل دنیا جہان کے لوگوں کے لئے"
وما ھو الا ذکر للعالمین ۝ (پ ۲۹ ع ۴)	"یہ قرآن مجید کامل درجہ کی نصیحت ہی نصیحت ہے اور ہے بھی کل دنیا جہان کے لوگوں کے لئے"
ان ھو الا ذکری للعالمین ۝ (پ ۷ ع ۱۶)	"یہ قرآن مجید بس یہ ہی سراسر نصیحت ہی نصیحت اور ہے بھی کل دنیا جہان کے لوگوں کے لئے"
ھذا بلٰغ للناس الآیۃ .... (پ ۱۳ ع ۱۹)	"کل دنیا جہان کے جنوں اور انسانوں کے لئے یہ قرآن مجید پورا پورا اور کامل درجہ کا نوٹس اطلاع نامہ ہے جس کے پہنچنے کے بعد اب کوئی حیلہ یا بہانہ یا عذر پیش نہیں چل سکتا"
انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون ۝ (پ ۱۴ ع ۱)	"بلا شک و شبہ ہم ہی نے اس کامل درجہ کی نصیحت کو یعنے قرآن مجید کو اتارا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہم ہی اس کی نگہبانی بھی کرتے رہیں گے یعنے جب تک دنیا قائم اور دنیا میں رہنے والوں کو اس کی ضرورت ہے تب تک کسی کی مجال نہیں ہوگی کہ اس میں ادل بدل کر سکے پس قیامت تک جس قدر جن اور انسان ہوتے رہیں گے ان کے لئے یہ قرآن کریم ویسا ہی رہے گا جیسا کہ لوح محفوظ پر ہے"

آیات اگرچہ بہت سی ہیں مگر ہم نے صرف ناظرین کی سہولت کے لئے چند ایک آیات لکھدی ہیں ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی کل آیات کل دنیا کے لئے ہیں اور کل زمانوں کے لئے ہیں کسی خاص زمانے یا فرقے یا قوم یا شہر کے ساتھ مختص نہیں ہیں اور نیز آپ کی آیات سے ثابت ہے کہ اس قرآن کریم کے نزول کا باعث کوئی خاص حادثہ یا واقعہ یا شخص یا قوم نہیں ہے بلکہ جا بجا وجہ نزول یعنے شان نزول یہی بیان کی گئی ہے کہ ان کل لوگوں کے ہر زمان - ہر آن - ہر شان اور ہر کام جسمانی و روحانی تربیت ربانی منظور اور مقصود ہے اور خود رب العلمین کی ربوبیت کا یہ تقاضا کرتی ہے کہ وہ ایسا کرے -

اوپر ہم لکھ چکے ہیں کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ عہدہ رسالت و نبوت کے شان کے مطابق بعض بعض امور ذاتی سے ضرور ضرور مختص اور غیر منفک ہوتے ہیں اور ہونے چاہئیں اور یہ بات عقلاً اور نقلاً دونوں طرح قابل پذیرائی ہے اللہ تعالے کے جو خاصے ہیں ان میں مشارکت ہو ہی نہیں ہو سکتی - اور شراکت کرنی ہی ناجائز اور ممنوع ہے عقل فطرت اور نقل سلیم اس کو تسلیم کرتی ہے اور مقرب سے مقرب فرشتہ اور افضل سے افضل رسول بھی اللہ تعالے کے خاصوں میں کسی قسم کی شراکت نہیں کر سکتا اسی طرح تمام ملائکہ میں سے بھی بعض بعض ملائکہ کے لئے اللہ تعالے نے کچھ خواص رکھے ہیں دوسروں کو ان میں کچھ شراکت نہیں ہوتی - مثلاً جبریل امین فرشتے علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ خاص کام ہے کہ وہ رسالات ربی پوری پوری امانت اور حفاظت کے ساتھ پہونچا دے علی ہذا القیاس دیگر

ملائکہ کے بھی بعض بعض کام تفویض ہیں ان میں دوسروں کو شراکت نہیں ہوتی اسی طرح بنی آدم و بنی جان میں جس زمانہ میں جو نبی یا رسول ہوا ہے وہ ہر طرح سے اپنے زمانہ کے لوگوں سے اعلم و افضل رہا ہے اور صرف اسی کا خاصہ رہا ہے کہ وحی اسی کی طرف نازل ہو نہ کہ کسی اور کی طرف بھی پس عہدہ نبوت و رسالت میں کسی دوسرے بشر کی طاقت نہیں ہے کہ کسی قسم کی بھی مشارکت کر سکے اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی بعض بعض امور جو ان کے اس عہدہ رسالت کے ساتھ مختص اور اس کے عہدہ کے لحاظ سے غیر منفک تھے اللہ تعالیٰ نے بطور خاصہ نبوت قرآن مجید میں بیان فرمائی ہیں جن میں کوئی غیر نبی حتیٰ کہ ابوبکر صدیق بھی شراکت کرنے کے مجاز نہیں ہیں ایسے ایسے امور جو محض بلحاظ نبوت خاصہ نبوت ہوتے ہیں صرف ایک آدھ ہی ہوتے ہیں ہم انشاء اللہ العزیز اپنے اپنے محل پر جہاں جہاں قرآن مجید میں ایسا کوئی خاصہ آگیا ذکر کرتے جاوینگے مگر اتنا اب بھی کہہ دیتے ہیں کہ ایسے ایسے خواص نبوت میں بڑی بڑی عمیق حکم پائی جاتی ہیں اور رب العلمین کی ربوبیت حکیمانہ کا علم حاصل ہوتا ہے۔

شان نزول کے متعلق ہم نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ مفسرین رحمہم اللہ اجمعین نے بعض اتفاقیہ واقعات یا حادثات کو جو اثنائے نزول قرآن میں قدرتی اور طبعی طور پر پیدا ہوتے تھے شان نزول قرار دیدیا ہے حالانکہ حقیقت میں کوئی اتفاقی واقعہ یا حادثہ باعث و سبب و شان نزول قرآن مجید نہیں ہوتا اور باعث نزول قرآن مجید ہو بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ سارا قرآن مجید من اولہ الی آخرہ حرفاً حرفاً اور لفظاً لفظاً کیا بلحاظ ترتیب آیات اور کیا بلحاظ ترتیب سورتیں بعینہٖ وہی ہے جو لوح محفوظ میں مرقوم و مسطور ہے اور ساتھ ہی بلا کم و کاست اور بلا زیادت و نقص حرف واحد ہمارے پاس محفوظ و مصئون و مامون چلا آیا ہے (دیکھو مضمون جمع قرآن صفحات [illegible]) قرآن مجید تو ازل سے ہی لوح محفوظ میں لکھا ہوا موجود ہے اور یہ واقعات اور حوادث اتفاقیہ تو محض اب مخلوق اور وقوع پذیر ہوتے ہیں [illegible] ان واقعات اتفاقیہ کا ہونا اور قرآن مجید کا ان واقعات پر نازل ہونے کے لئے وابستہ ہونا کبھی ازلی ہے وہ واقعات صرف زمانہ نبوت میں ہی نہیں ہوتے [illegible] زمانوں میں ہوتے رہتے تھے اور اب بھی قیامت تک ہوتے رہیں گے مقصود خداوندی فقط ان مسائل کا بیان کرنا ہے جو ان واقعات کے [illegible] وہ واقعات ہی فقط باعث نزول بعض آیات قرآن ہوئے ہیں اب ہم قرآن مجید میں سے یہی چند واقعات لکھتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ یہ واقعات باعث نزول قرآن مجید نہیں ہیں بلکہ ان واقعات کے متعلق جو جو احکام و نواہی و دیگر مسائل ہیں ان کا بیان اور اجرا مقصود خداوندی ہے۔

قد سمع اللہ قول التی تجادلک فی زوجھا و تشتکی الی اللہ واللہ یسمع تحاورکما ان اللہ سمیع بصیر (مجادلہ پ ۲۸ ع ۱)

"اللہ تعالیٰ نے بیشک اس عورت کی بات سن لی جو اپنے خاوند کے بارے میں تجھ سے جھگڑتی اور خدا سے فریاد کرتی تھی اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا اور سب کچھ دیکھتا ہے"

اس آیۃ اور اس کے متعلق آیات کا شان نزول (یعنی) باعث یہ بتلاتے ہیں کہ خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے اپنے خاوند کی بابت شکایت کی بلکہ اصلی باعث محض رب العلمین کی ربوبیت کا مقتضیٰ ہے اور اس اتفاقی واقعہ کے وقوع کے ساتھ ہی ان آیات کا اترنا لوح محفوظ میں ازل سے لکھا ہوا تھا [illegible] ان کے سوائے باقی سب کچھ [illegible] ایسا خیال کرنا یا اعتقاد رکھنا کہ اگر خولہ شکایت نہ کرتی تو مسئلہ ظہار کے لئے اللہ تعالیٰ آیات نازل نہ فرماتا قرآن مجید اور اللہ تعالیٰ رب العالمین کا ناقص [illegible] اور نامکمل اور ناتمام ہونا تسلیم کرنا ہے حالانکہ قرآن مجید بھی اس سے پاک ہے اور اللہ تعالیٰ سبوح و قدوس بھی اس سے پاک ہے۔ مسئلہ ظہار کا اسلام میں اتنا بڑا ضروری ہے کہ اگر اسلام میں یہ نہ ہوتا تو بیشک اسلام ناتمام رہ جاتا ظہار اصل میں اس زمانہ کی طلاق کا نام ہے جو عوام کا [illegible] کہ تو میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے [illegible] خواہ خاوند [illegible] وغیرہ وغیرہ اللہ تعالیٰ نے اس ظالمانہ کاروائی کا [illegible] ہمیشہ ہوتی رہتی ہیں اور قیامت تک ہوتی [illegible] اللہ تعالیٰ کی ربوبیت [illegible] اور اس واقعہ کا اتفاقی وقوع [illegible] اسی قرآن کریم [illegible] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے [illegible] یہ آیات نازل [illegible]

ربوبیت رب العلمین نازل ہوتی تھی مثلاً حرمت شراب و حرمت جوا و حرمت سود۔ فرضیت نماز جمعہ زکوٰۃ حج وغیرہ وغیرہ یہہ ساری باتیں یکدم اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں فرمائیں بلکہ حسب اقتضائے علم وحکمت و خبر و ربوبیت خود اپنے اپنے وقت مناسب پر نازل فرمائیں اسی طرح مسئلہ ظہار کے نزول کا وقت مناسب خاص وہی دن تھا جس دن خولہ رض نے اپنے طور پر محض بطور قضیہ اتفاقیہ و واقعہ نادرہ و حادثہ شاذہ یہہ مسئلہ پوچھا تھا اسی طرح باقی کے اور چند واقعات بھی جو قرآن مجید میں وارد ہیں سمجھنے ضروری ہیں مثلاً عبداللہ بن ابی منافق کا جنازہ بھی ہوا اور اس عام مسئلہ کے بتانے کے واسطے کہ منافقوں کافروں کا جنازہ نہ پڑھا جایا کرے اللہ تعالیٰ نے محض اپنے بندوں کی تربیت جسمانی و روحانی کے واسطے یہہ آیت بھی نازل فرمادی ولا تصل علی احد منہم مات ابدا ولا تقم علی قبرہ الایہ یعنی ان منافقوں کافروں میں سے اگر کوئی مرجاوے تو اس کا جنازہ کبھی مت پڑھنا اور اس کی قبر پر بھی اسکے لئے دعاء مغفرت کے لئے کھڑا نہ ہونا

اسی طرح رب العلمین کی ربوبیت کا مقتضیٰ ہے کہ وہ اسلام میں اس مسئلہ ضروریہ کا بیان فرماوے کہ اگر کوئی مومن بلا عذر محض از راہ غفلت و سستی و کاہلی جہاد میں شریک نہ ہووے تو وہ اپنے بادشاہ کا باغی اور مستوجب سزا لیکن قتل نہیں ہوتا البتہ سخت ناراضگی اور خفگی کا محل ہوجاتا ہے اور تا وقتیکہ امیر کو اپنی اصلاح حال سے راضی نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کو خالص توبہ سے خوش نہ کرے مورد غضب ہی رہتا ہے اور ادھر کعب وغیرہ میں صحابہ کبار سے اتفاقاً یہی حرکت سرزد ہوگئی کئی دن تک خدا کے غضب اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عتاب میں رہے آخرکار ان کی توبہ قبول ہوئی اور ادھر یہہ آیت نازل ہوئی

وعلی الثلثۃ الذین خلفوا الایہ پ ع ۳ ۔

یعنے ان تین شخصوں کی توبہ بھی قبول فرمائی گئی جو خدا کے فیصلے کے لئے لوگوں سے علیحدہ اٹکا رکھنے اور دیگر کاموں سے ہٹائے گئے تھے الخ

چونکہ مسئلہ مذکورہ کا بیان کرنا اسلام کے کمال و اتمام کے لئے اشد ضروری ہے اسواسطے کعب وغیرہ تین اشخاص سے یہہ واقعہ سرزد نہ بھی ہوتا تو اللہ تعالیٰ پھر بھی تو اس مسئلے کو ضرور ضرور بیان کرنا تھا ان تین شخصوں کو محض سبب و باعث نزول سمجھنا اور یہہ اعتقاد رکھنا کہ اگر ان تین شخصوں سے یہہ حرکت سرزد نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ یہہ مسئلہ نازل نہ فرماتا۔ اس رب العلمین کی ربوبیت پر حرف لانا اور قرآن کریم کے کمال پر دھبا لگانا ہے۔ اسی طرح رب العلمین کی ربوبیت کا اقتضا ہے کہ جو شخص اہل الذکر و القرآن ہو اور احکام و نواہی قرآن مجید کی تبلیغ کرتا ہو اس کا فرض ہے کہ وہ متخلق باخلاق اللہ ہو کر ان لوگوں کو بشوق جو رغبت اور دل [illegible] سے اسلام کو قبول کرلیں اور اسلامی تعلیم کو سیکھنا چاہیں دل و جان سے رغبت کرے اور ان کے حال پر کمال درجہ کی التفات اور توجہ کرے اور اگر کبھی ایسا اتفاق ہو کہ ایک طرف تو کوئی عاجز اور مسکین اور ناتوان مومن ہو جو رغبت سے دین سیکھنا چاہیے اور دوسری طرف بے رغبت متکبر و مغرور ایمان و اسلام کی پرواہ نہ کرنیوالا ہو اور [illegible] عالم ربانی کو دونو طرف توجہ کرنا اور دین سکھانا مقصود ہو تو سب سے پہلے مومن با رغبت کے حال پر نظر کرے [illegible] اور مومن با رغبت کو چھوڑ کر متکبر بے رغبت لاپرواہ کی طرف متوجہ نہ ہووے۔ خلاصہ یہہ ہے کہ ایک طرف تو دین کے اکمال و اتمام کے لئے اس مسئلہ کا بیان کرنا ضروری ہوا اور اتفاقی طور پر [illegible] طرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بعض متکبر [illegible] لوگوں کو اس غرض سے کہ وہ اسلام قبول کرینگے دین کی باتیں سنا رہے تھے کہ اس اثنا میں عبداللہ بن ام مکتوم صحابی جو نابینا تھے آکر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مجھے یہہ مسئلہ بتایئے وغیرہ وغیرہ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہہ بات ناگوار معلوم ہوئی۔ چونکہ مسئلہ مذکور الصدر کا بیان کرنا ضروری تھا اور ادھر یہہ واقعہ اتفاقی وقوع میں آگیا اسواسطے اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کے بیان کرنے کے ضمن میں سورۃ عبس میں الاعمی یعنے نابینا کا ذکر بھی فرمادیا اگر بالفرض والتقدیر یہہ حادثہ اس روز پیش نہ ہوتا تو کبھی نہ کبھی اسی دن یہی تعلیم مقتضائے ربوبیت رب العلمین ضروری نازل ہوتی یہہ حادثہ اور واقعہ اتفاقیہ اس تعلیم ربانی کا باعث و سبب نہیں ہے اور نہ ہوسکتا ہے بلکہ اس تعلیم ربانی کا باعث محض مقتضائے ربوبیت رب العلمین ہے اور بس۔ اسی طرح جملہ آیات کتاب اللہ میں کوئی واقعہ یا حادثہ عموماً و خصوصاً کسی آیت کے نزول کا باعث اور سبب نہیں ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔

خلاصہ ان عبارات کا یہہ ہے کہ اس قسم کے چند ایک واقعات جو قرآن مجید میں مذکور ہیں اور جن کو شان نزول قرار دیا گیا ہے حقیقت میں قضیہ اتفاقیہ کی طرح ہیں جنکو اصل بات کے ساتھ کچھ تعلق واسطہ نہیں ہوتا جیسے علم منطق کی کتابوں میں اتفاقیہ قضیہ کی یہہ مثال لکھا کرتے ہیں اذا کان الانسان ناطقا فالحمار ناہق یعنے جب انسان بولتا ہے تو اسوقت گدھا بھی بولتا ہے حالانکہ گدھے اور انسان کے رینکنے اور بولنے میں کسی طرح کا کوئی علاقہ نہیں ہوتا صرف اتفاقی طور پر ان کا اجتماع ہوجاتا ہے پس اس آیہ کریمہ زیر تفسیر یعنے ومن الناس من یقول الایہ کا مطلب یہہ ہے کہ بعضے جن اور انسان شروع سے لیکے چلے آتے ہیں جو زبانی گپ شپ اور جھوٹے دعوے اور اقرار ایمان جتلاتے چلے آئے ہیں اور اسی طرح قیامت تک کرتے چلے جائیں گے کوئی خاص انسان یا مکان یا زمان یا شان اس آیت کے نزول کا باعث و سبب نہیں ہے صرف اسکے نزول کا سبب [illegible] مقتضائے ربوبیت ربانی ہے اور بس حالانکہ

یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَمَا یَخْدَعُوْنَ

ان کا یہہ حال ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اور ان لوگوں کو جو ایماندار ہوتے ہیں چھوڑ چھاڑ دیتے ہیں اور ان کی مخالفت کرتے رہتے ہیں حالانکہ اپنی ہی جانوں کی مخالفت کرتے ہیں

اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ۹

اور اس ترک و مخالفت کے ضرر و زیان اور وبال و نقصان کا شعور تک نہیں کرتے۔

ہیں اُن کے دلوں میں ایمان کی بو تک نہیں ہوتی دوسری بات یہہ ہے کہ اگر ایمان دل میں ہے اور اقرار اور ایمان اور اعتراف زبان ہے مگر اعمال اس زبان یا ایمان کے مطابق نہیں ہیں تو اس صورت میں بھی اس قسم کے دعوے کرنے والے جھوٹے مومن ہوتے ہیں کسی مصرف کے نہیں ہوتے تاوقتیکہ اپنے زبانی دعووں کا ثبوت عملی طور پر پیش نہ کریں۔ اسکے بعد اللہ تعالیٰ منافقین کی دونوں شقوں کا جو اوپر مذکور ہو چکی ہیں ذمیمہ اور ردیہ اور معاملہ اور مآل اس اگلی آیت سے شروع کر کے اخیر رکوع تک بیان فرماتا ہے۔ یخدعون اللہ والذین آمنوا وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون۔

لغت میں خدع کے معنے ہیں ترک اور اختلاف۔ خدع الامور کے معنے ہیں اختلفت الامور یعنے امور آپس میں مختلف ہو گئے۔ الطریق الخیدع یعنے جس راستہ کی طرف جانا ہو اُس کو چھوڑ کر اس کے الٹ کوئی دوسرا مخالف رستہ اور خادع باب مفاعلہ بمعنے ترک بھی لغت میں ہے (قاموس) یہاں ترجمہ میں بھی خداع اور مخادعت کے دونوں معنے یعنے ترک اور مخالفت کے گئے ہیں مطلب اس آیت کا یہہ ہے کہ منافقین کی دونوں فرقہ الصدر قسمیں اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب کے موافق فطرت اللہ وخلق اللہ کی تربیت نہیں کرتے اور جس طریق پر مسلمان ایماندار تصدیق قلبی اور لسانی اور اعمال سے چل رہے ہیں اُس کے مخالف اپنی جُدی راہ نکال بیٹھے ہیں پھر ان میں سے بعض زبان کے ذریعے اور کبھی کبھی اعمال کے ذریعے مسلمانوں میں آملتے ہیں مگر چونکہ ایمان مدار ہے اسواسطے فطرت اللہ وخلق اللہ کی تغییر و تبدیل کے لحاظ سے کافروں کی طرح مبدل۔ باغی۔ کفور۔ مجرم و خائن ہوتے ہیں اور بعض کو ایمان اور تصدیق قلبی و اقرار زبانی تو ہوتا ہے مگر اس کے مطابق اور موافق مسلمانوں ایمانداروں کے سے اعمال نہیں کرتے اور یوں پکے کافروں سے ظاہری صورت میں ملتے جلتے ہیں مومنوں کے ایمان اور اعمال اور زبانیں سب کی سب آپس میں موافق اور موید اور مصدق اور مطابق ہوتے ہیں مگر منافقین کے ان دو گروہوں کے تینوں امور آپس میں مختلف ایک دوسرے کے متضاد اور باہمی متناقض ہوتے ہیں جب تک یہہ دو گروہ اپنی اس قسم کی مخالفت اور مخادعت اور ترک کتاب اللہ اور ترک طریق مومنین کو اپنا شیوہ بنائے رکھیں گے کبھی بھی امید نہ رکھیں کہ وہ فلاح پا سکیں گے اور اس قسم کے طریق بود و باش اور معاش کو وہ طریقہ اصلاح و خیر خواہی سمجھ رہے ہیں حالانکہ اس طریق سے وہ اس پاک فطرت اللہ اور خلق اللہ اور نعمت اللہ اور امانت اللہ کو جو اللہ تعالیٰ نے اُن کو عطا کر رکھا ہے اور جس کی محافظت اور مراعات اور اعتدال کے لئے ان کو حکم دیا جا چکا ہے تغییر اور تبدیل اور کفران اور خیانت کرتے رہتے ہیں اور اس طریق سے وہ کسی کا کچھ بھی زیان و نقصان نہیں کر سکتے محض اپنی ہی جانوں کو تلف اور ہلاک کر رہے ہیں کیونکہ اگر ایسے اصرار اور استمرار نفاق پر مر گئے تو سوائے جہنم کے اور کوئی ان کا ٹھکانا نہیں ہوگا یہہ ہے مطلب وما یخدعون الا انفسھم کا۔ وما یشعرون سے یہہ مراد ہے کہ اپنے اس نفاق اور مخالفت اور مخادعت اور ترک سبیل مومنین کی وجہ سے انہوں نے اسباب حصول ہدایت کو یہاں تک مردہ اور معطل اور بیکار کر دیا ہے کہ وہ اب ان کے وبال اور ضرر و زیان کو محسوس ہی نہیں کرتے۔

اس کے آگے اللہ تعالیٰ نے ان کی اس قسم کے مخالفانہ اور منافقانہ کارروائیوں کو ایک بڑے بھاری روگ اور مرض کے ساتھ تشبیہ دیکر فرمایا ہے۔ فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا ولھم عذاب الیم بما کانوا یکذبون۔

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

اُن لوگوں کے دلوں میں جو اللہ تعالیٰ نے پاک اور سلیم و تندرست پیدا کئے ہیں نفاق کا بڑا بھاری روگ پیدا ہو جاتا ہے پس جوں جوں وہ نفاق میں بڑھتے جاتے ہیں توں توں اللہ

بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۱۰﴾

تعالیٰ بھی جو الصمد ہے اُن کے روگ کو بڑھنے کی حالت پر چھوڑ دیتا ہے اور انکو جھوٹ موٹ دعوےٰ کرنے اور انکو عمداً در آمد کرنے کی سبب سے اُن کو بڑا بھاری سخت دردناک عذاب ہوگا

(۱۰) اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جملہ عباد اللہ کو خواہ جن ہوں خواہ انسان پاک فطرت ہر قسم کے شک و شبہ اور زیغ اور کفر و شرک وغیرہ وغیرہ کی آلائش اور عدم الاستقامت سے بالکل بے لوث اور پاک اور سلیم اور صحیح اور قوی عطا فرمائی ہے پھر بعض لوگ اس پاک اور صحیح اور قوی اور سلیم فطرت کو کفر و شرک و نفاق وغیرہ کی لوث سے ناپاک اور کمزور اور ضعیف اور بیمار کر دیتے ہیں۔ سو اس آیت میں منافقوں کی طینت جو ہمیشہ جن و انس میں سے قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے خود اپنے پاک اور سلیم اور تندرست اور قوی دلوں کو نفاق کی بیماری سے ناپاک اور بیمار اور ضعیف کر دیا ہے۔ باوجود اسکے اللہ تعالیٰ نے پھر ان پر اسقدر مہربانی اور رحمت فرمائی کہ اس بیمار اور کمزور اور ناپاک دل کے روگوں کو دور کرنے کیواسطے آسمانی کتاب یعنی قرآن مجید جیسا نسخہ جو محض شفا ہی شفا ہے نازل فرمایا مگر یہ لوگ ہیں کہ اس سے نفرت کرتے اور اپنے نفاق کی وجہ سے اس کے فرمودہ کے مطابق اس پر عمل نہیں کرتے ہیں ایک تو بیماری لگی ہی تھی پھر اسپر اور کبھی بد پرہیزی کر بیٹھے یعنی اپنی بیماری کو اور بھی زیادہ بڑھا لیا اور نسخہ کیمیائے قرآن مجید سے استفادہ کرنا نہ چاہا پس اللہ تعالیٰ بھی جو الصمد اور بے غرض ہے ایسے منافقوں کو ان کی اس خود اختیار کردہ حالت پر چھوڑ دیتا ہے اور جبراً اور قہراً ان کو ہدایت پر نہیں لاتا۔ اور فزادھم اللہ مرضا میں فعل زاد کے معنی ہیں ابتداء زیادت منجانب اللہ مراد نہیں ہے بلکہ بقاء و استمرار مراد ہے جیسا کہ پہلے اھدنا الصراط المستقیم میں فعل کی ابتداء و بقاء پر بحث ہو چکی ہے اور سبابت کی دلیل کے لئے کہ کیوں بقاء مراد لی گئی ہے وہ تمام آیات ہیں جو اوپر ختم اللہ علی قلوبھم کی تفسیر میں لکھی جا چکی ہیں۔ اور چونکہ یہ لوگ خود اپنی شقاوت اور مخالفت اور بے ایمانی کی وجہ سے اسلام کو چھوڑ بیٹھے ہیں اور جھوٹ موٹ زبانی دعوےٰ سے پڑا کرتے ہیں اٰمنا باللہ یعنی ہم مومن ہیں اور عملدرآمد کچھ نہیں کرتے یا اگر کسی دباؤ یا کسی دیگر لالچ وغیرہ سے ایک آدھ عمل کر بھی لیا تو دل میں کچھ تصدیق نہیں ہوتی اسواسطے ضروری ہوا کہ یہ لوگ اپنے اس نفاق کی سزا پاویں پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ولھم عذاب الیم بما کانوا یکذبون یعنے اُن لوگوں کو ان کے نفاق کے سبب سے بڑا بھاری سخت دردناک عذاب ہوگا۔ اس آیت کی مصدق اور مؤید بہت سی آیات قرآن کریم میں موجود ہیں ان میں سے یہ ہیں:—

فترى الذين فى قلوبهم مرض يسارعون فيهم يقولون نخشى ان تصيبنا دائرة ط (پ ۶ ع ۱۲)

"پس تو اُن لوگوں کو جنکے دلوں میں نفاق وغیرہ کا روگ ہے دیکھیگا کہ وہ دوڑ دوڑ کر جنس یہود اور جنس نصاریٰ سے ملتے ہیں یعنی جا قسم کے مخالفان اسلام سے جو اسلام کے بدخواہ ہوتے ہیں ملتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان لوگوں سے محض اس لئے ملتے ہیں کہ ہم کو اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں ہم پر کوئی مصیبت نہ آپڑے۔"

فاذا انزلت سورة محكمة وذكر فيها القتال رايت الذين فى قلوبهم مرض ينظرون اليك نظر المغشى عليه من الموت ط (پ ۲۶ ع ۷)

"پس جب کوئی سورہ محکمہ اتاری جاتی ہے اور اس میں قتال کی جنس کے مسائل بیان کئے جاویں یعنے جہاں جہاد اور جہاد کے متعلقات مثلاً مال کا خرچ کرنا وغیرہ وغیرہ بیان کیا جاوے تو اُن لوگوں کو جن کے دلوں میں نفاق وغیرہ کا روگ ہے دیکھے گا کہ وہ تیری طرف اس قریب المرگ کی طرح ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے ہیں جس پر موت کی بے ہوشی طاری ہو۔"

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ

اور جب ان دونو فرقوں کو کہا جاتا ہے کہ تم لوگ اس سرزمین میں فساد نہ پھیلاؤ یعنی کتاب اللہ کی تعلیم کے مخالف کوئی بھی معاملہ اور کوئی بھی اور عبادت نہ کرو تو جواب میں

مُصْلِحُوْنَ ⑪

کہہ دیتے ہیں کہ تم فساد کہتے ہو جی ہم تو ہیں محض اصلاح کرنیوالے یعنے اپنی بھی اور سارے ملک کی بھی۔

وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ۝ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ۭ بَلْ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (پ۱۸ ع ۱۲)

"اور جب منافق لوگ اللہ اور رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ اللہ کا رسول اُن کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کر دے تو پس اچانک اُن میں سے کچھ لوگ روگردانی کر دیتے ہیں کیونکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ حق بجانب اُن کے نہیں ہے اور اگر کسی قسم کا بھی حق بجانب اُن کے ہو تو دوڑے دوڑے اس کی طرف مطیع اور فرمانبردار بنکر آتے ہیں کیا اُن کے دلوں میں حب مال و دولت کا مرض ہے کہ وہ اس کے سبب سے اپنا مال جدا نہیں کر سکتے اگر ڈگری انپر ہو یا سرے سے رسول اللہ صلعم کی عدالت پر اُن کو شک و شبہ ہے یا ان کو اس بات کا اندیشہ ہے کہ اللہ تعالے اور اسکا رسول انپر کوئی ظلم روا رکھیں گے۔ بلکہ بات یہہ ہے کہ یہہ منافق خود ہی ظالم ہیں جو اللہ اور رسول کے فیصلہ پر سر تسلیم خم نہیں کرتے"

وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ (پ۱۱ ع ۵)

"قرآن کے نزول پر طالبان ایمان کا ایمان بڑھتا پھیلتا ہے مگر جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے یعنے خدا تعالے کی پاک اور سلیم پیدا کئے ہوئے دلوں پر نفاق کا مرض لگ جاتا ہے تو ان کے اس نفاق کی مرض کی وجہ سے ان کی خباثت میں اور زیادتی ہوتی ہے بعدہ وہ کفر ہی کی حالت میں مرجاتے ہیں"

خلاصہ یہہ ہے کہ جس طرح بدنی مرض سے ضعف ہو جاتا ہے اور پھر مریض سے قوی اور تندرست آدمی کی طرح افعال و اعمال نہیں ہوتے اور نہ ہو سکتے ہیں اسی طرح وہ لوگ بھی جنکے دلوں میں مرض قلبی سے ضعف پیدا ہو جاتا ہے اپنی اپنی مرض کی نرمی اور سختی کے مطابق فطرت اللہ خلق اللہ کو تبدیل و تغییر کرتے رہتے ہیں اور رب العلمین کے ارشاد کے موافق مومنین مسلمین کی طرح کوئی عمل و فعل نہیں کرتے اور نہ کر سکتے ہیں جس طرح بدنی بیماری کے سبب سے بیمار کے قوے میں خلل اور فرق واقع ہو جاتا ہے اسی طرح قلبی بیماری کے سبب سے روحانی قوت پر اثر پڑتا ہے آنکھ کے سامنے اندھیرا آجاتا ہے اور اگر علاج نہ کیا جاوے اور بیماری بڑھتی جاوے تو آخر کار نتیجہ یہہ نکلتا ہے کہ آنکھ بند ہو جاتی ہے اسی طرح کان اور ناک اور ہاتھ پاؤں وغیرہ کا حال ہے سو جس کے دل پر قلبی بیماری عارض ہو جاتی ہے اور پھر وہ اس بیماری کا علاج موافق نسخہ کیمیائے شفا رب العلمین نہیں کرتا تو یقینی طور پر وہ مرض بڑھتا جاویگا اور آخر کار ہدایت کی آنکھوں پر گمراہی کے پردے اور ہدایت کے کانوں میں گمراہی کے بوجھ پڑ جاوینگے اور دل سمجھنے سے رہ جاوے گا آیہ وافی ہدایہ ختم اللّٰہ علٰی قلوبہم الایۃ کی تفسیر میں مفصل بحث ہو چکی ہے۔ غرض یہہ ہے کہ اللہ تعالے کسی شخص کو گمراہ نہیں کرتا اور گمراہ کرنا برا کام ہے اور شیطان کا کام ہے اللہ تعالے اس سے پاک ہے لوگ خود گمراہی اختیار کر بیٹھتے ہیں اللہ تعالے بھی جو سب غرضوں سے پاک ہے ان کو جبراً و قہراً ہدایت پر نہیں لاتا اور ان کی ہدایت خود ان کی اپنی مشیت اور اختیار پر چھوڑ رکھی ہے اور رسولوں اور نبیوں اور آسمانی کتابوں کو دنیا میں اسواسطے بھیجتا رہا ہے کہ لوگ فطرت اللہ خلق اللہ کی تعلیم ربی کے مطابق تربیت کرتے رہیں اور اگر کوئی ان میں تغییر و تبدیل کر بھی دیوے تو پھر اس کی اصلاح اس کے مطابق کر لیوے مگر منافقین کی دونو قسموں کا یہہ حال ہے کہ وہ فقط زبان سے آمنا باللہ کہہ دیتے ہیں مگر اس کے مطابق ایک فریق تو دل سے بھی تصدیق

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ

اے مومنو! خبردار رہنا بیشک یہی لوگ ہیں جو فساد کرتے ہیں یعنی کتاب اللہ کی مخالف تربیت جسمانی و روحانی کرتے ہیں لیکن یہ اس فساد کی وجہ سے الیسے ہو گئے ہیں مریض و ضعیف القویٰ کہ اپنے نقصان اور فساد کو محسوس اور ادراک بھی نہیں کر سکتے

نہیں کرتا اور دوسرا فریق اعمال و افعال کے ذریعہ سے تصدیق نہیں کرتا غرضکہ دونوں فریق ہی فطرت اللہ و خلق اللہ کی تغییر و تبدیل کرتے رہتے ہیں اور جھوٹ موٹ کے زبانی دعوے کرنے کی وجہ سے الیسے مستحق عذاب الیم ہوتے رہتے ہیں ان کی حالت اللہ تعالےٰ یوں بیان کرتا ہے ۔ واذا قیل لھم لا تفسدوا الخ

(فائدہ) اس آیت میں الارض کا آل عہدی حضوری ہے یعنی یہہ ملک یہہ وطن یہہ شہر یہہ سرزمین جس میں کوئی شخص نہ صرف بود و باش ہی رکھتا ہو بلکہ جس کے اندر وہ اپنا کوئی اثر یا عمل پیدا کر سکتا ہو خواہ تقریراً خواہ تحریراً خواہ عملاً فساد فی الارض یعنی اپنی سرزمین میں فساد پھیلانے سے مراد ہے کتاب اللہ کے مخالف اور سبیل مومنین کے الٹ کوئی اور رستہ اختیار کرنا فساد فی الارض کی پوری پوری تشریح انشاء اللہ تعالےٰ بتوفیقہ تعالیٰ اس اگلی آیت میں کی جاویگی کتاب اللہ چونکہ جسمانی اور روحانی دونو قسم کی تربیت بدرجہ اتم و اکمل کرتی ہے اسواسطے اس کے مخالف جو شخص اپنے جسم یا روح کی تربیت کرے گا تو خواہ مخواہ دونو کو ہلاک کر ڈالیگا پہلے اپنے نفس کو ہلاک کریگا پھر اگر یہہ کسی کو ترغیب یا تعلیم نہ بھی کرے تو بس کم از کم اس کے دیکھا دیکھی دوسرے لوگ بھی ایسا ہی کرینگے تو وہ بھی اپنے جسموں اور روحوں کو ہلاک کر دینگے تو ایسے بیدینوں یا بیدینی کی تعلیم کرنے والوں نام کے مسلمانوں اندر دل سے کافرون یا دل اور زبان کے مومنوں مگر اعمال کے کافروں کو جنکا مشترک نام منافقین ہے کہا جاتا ہے کہ تم یہہ کام چھوڑ دو زبان اور اعمال اور دل غرضکہ کسی کو بھی کتاب اللہ کے مخالف نہ بناؤ ۔ تو دونو قسم کے لوگ یہی جواب دیتے ہیں کہ ہم فساد یعنے بیدینی نہیں کرتے بلکہ اپنے نفس کی بلکہ ملک کی بھی اصلاح کرتے ہیں ۔ جو لوگ دل سے کافر اور زبان اور اعمال دونو سے بظاہر زبان سے مومن بنتے ہیں اُن کے کہنے کا مطلب تو یہہ ہے کہ ہم تو خدا اور رسول کے تابعدار ہیں کسی نوع سے بھی ہم کو خدا اور رسول کے ماننے میں انکار نہیں ہے اور اسلام کے پھیلانے والے اور کتاب اللہ کے موافق اپنی بھی اور اپنے بھائی بندوں اور ملک والوں کی اصلاح کرتے ہیں ہرگز فساد نہیں کرتے ۔ تو غرضکہ اس قسم کی باتوں سے وہ مسلمان بنے رہتے ہیں اور جو لوگ دل سے مومن اور زبان سے اقراری ہوتے ہیں مگر اعمال کے لحاظ سے کافر ان کے اس کہنے سے مطلب یہہ ہے کہ اے ہمارے نصیحت کرنے اور دل و زبان اور اعمال کے موافق اور مطابق کرنے والو مومنو! تم سچ جانو کہ ہم دل سے پکے اور سچے مومن ہیں اعمال میں جو قصور ہے تو وہ بھی انشاء اللہ تعالےٰ جاتا رہیگا تم بھی دعا کرنا ۔ غرضکہ دونو قسم کے منافق یہی جواب دیتے ہیں کہ انما نحن مصلحون ہم لوگ ہیں ہی اصلاح کرنے والے اور پس پکے دیندار اور مسلمان ہیں خدا اور رسول صلعم کے فرمانبردار اور تابعدار ہیں ۔ چونکہ یہہ دونو فریق زبانی دعووں سے کام نکالتے ہیں اور اللہ تعالےٰ کی تعلیم کے مطابق فساد اور اصلاح میں تمیز نہیں کرتے اور اصلاح کو فساد اور فساد کو اصلاح سمجھے بیٹھے ہیں اسواسطے اللہ تعالےٰ نے فرمایا الا انھم ھم المفسدون الخ

(فائدہ) اوپر کی دونو آیتوں میں فساد فی الارض کا لفظ آیا ہے اور دونو جگہ یعنے اسکا ترجمہ تعلیم کتاب اللہ کے مخالف روحانی و جسمانی تربیت کرنا کیا ہے اسواسطے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُس لفظ کی کچھ تشریح اس مقام پر کیجاوے سو واضح ہو کہ فساد ضد صُلح و اصلاح ہے فساد کہتے ہیں کسی چیز کے اپنی حالت استقامت و نافعیت سے نکل جانے کو اور صلاح اس کی ضد ہے ۔ اور ان کا باب افعال افساد و اصلاح ہے پس اصلاح کے معنے ہیں فطرت اللہ و خلق اللہ کو اس کی حالت استقامت و نافعیت پر رکھنے کو اور اس میں سے کسی قسم کی تغییر و تبدیل نہ کرنے کو اور اس میں اگر کچھ فتور اور خلل واقع ہو جاوے تو اس کو دور کرکے اس کی اپنی حالت استقامت و اعتدال پر لانے کو اور افساد اسکے الٹ ہے ۔ پس مفسدون قرآن کریم میں وہ لوگ ہیں جو فطرت اللہ و خلق اللہ کی تغییر و تبدیل اور نعمت اللہ کا کفران اور امانت اللہ میں خیانت کرتے رہتے ہیں ۔ اور مفسد فی الارض کے معنے ہیں جو نہ صرف اپنی ہی فطرت اللہ و خلق اللہ کو جادہ اعتدال پر سے اتارتا ہے بلکہ دوسروں کی گمراہی کا بھی باعث بنتا ہے ۔ اور مصلحون وہ لوگ ہیں جو فطرت اللہ و خلق اللہ میں کسی قسم کی تغییر و تبدیل و نعمت اللہ میں کسی قسم کا کفران اور امانت اللہ میں کسی قسم کی خیانت نہیں کرتے بلکہ ان کو اعتدال پر رکھتے ہیں نہ صرف اپنی ہی فطرت اللہ و خلق اللہ کو بلکہ دوسروں کی ہدایت کا بھی موجب بنتے ہیں پس فساد فی الارض میں تمام معاصی اور ذنوب کیا اعتقادی اور کیا عملی اور کیا اخلاقی سب کے سب داخل ہیں جو جسم اور روح دونو کے لئے زہر قاتل ہیں پھر ان میں سے بعض اقسام فساد ایسی ہیں کہ ان کے سبب سے امن خلائق میں تفرقہ اور فتور پڑتا ہے اور آخر کار نتیجہ قتل و قتال ہوتا ہے جن سے خود حسب استطاعت تمدن اور انتظام

گورنمنٹ یعنے حکام وقت درہم برہم ہوتا ہے اور بعض اقسام ایسی ہیں کہ اُن سے نہ عافیت وامن خلائق پر اور نہ سیاست بدن پر کچھ برا اثر پڑتا ہے پس فساد کی پہلی قسموں کے لئے قرآن مجید نے حدود اور تعزیرات مقرر فرمائی ہیں مثلاً شراب نوشی۔ قذف۔ زنا۔ لواطت۔ سرقہ۔ قطع الطریق یا سرقہ بالجبر و رہزنی و ڈکیتی۔ قتل ضرر شدید مثلاً جسم کے کسی عضو کا نقصان پہونچانا وغیرہ وغیرہ علے ہذالقیاس ارتداد۔ بغاوت سود خوری۔

چند آیات بطور استشہاد و تائید و تصدیق و تفسیر و تفصیل ذیل میں لکھی جاتی ہیں:۔

فان تولوا فان اللہ علیم بالمفسدین ۝ (پ ۳ ع ۱٤)

"پس اگر اہل کتاب مباہلے سے گریز کر جاویں تو اللہ ایسے مفسدوں کو خوب جانتا ہے"

کلما اوقدوا نارا للحرب اطفأھا اللہ ویسعون فی الارض فساداً واللہ لا یحب المفسدین۔ (پ ۶ ع ۱۳)

"جب جب ہر قسم کے گناہ پر لپک پڑنے والے اور زیادتی کرنے والے اور ہر قسم کا حرام کھانے والے لوگ جن کو ان کے ہادی مرشد ربانی اور احبار لوگ ان کی اس قسم کی بے ایمانیوں سے منع نہیں کرتے ہر قسم کی لڑائی کے لئے بڑی بڑی آگ بھڑکاتے ہیں تو اللہ تعالےٰ اس کو بجھا دیتا ہے اور یہہ لوگ اپنی سرزمین میں نرے فساد مچاتے اور پھیلاتے پھرتے ہیں اور اللہ تعالےٰ ہے کہ وہ اُن لوگوں کو جو فساد کرتے رہتے ہیں دوست نہیں رکھتا"

وانظروا کیف کان عاقبۃ المفسدین ۝ (پ ۸ ع ۱۸)

"اور خوب غور و فکر کر کے دیکھو کہ ان مفسدوں کا جنکا اوپر ذکر ہوا ہے کیسا برا انجام ہوا یعنے اُن فساد کرنیوالوں کا اور جنہوں نے یہہ نصیحتیں نہ مانیں کہ اللہ کی عبادت کرو ہر قسم کے ناپ تول پورے کیا کرو کسی کو نہ تول میں نہ ناپ میں اور نہ کسی اور طرح پر کم دیا کرو اور اپنی سرزمین میں فساد نہ پھیلاؤ جب اُس میں اصلاح آچکی ہے۔ (یعنے اللہ کی کتاب اور اس کتاب کی تعلیم کرنے والے) اور اپنے اس دستور کو کہ جس طرح بن پڑے دبا کر دھمکا کر الٹی سیدھی باتیں بنا کر وغیرہ وغیرہ اُن لوگوں کو جو ایمان کے طالب ہیں راہ خدا سے ہٹانا چھوڑ دو"

فانظر کیف کان عاقبۃ المفسدین (پ ۹ ع ۳ پ ۱۹ ع ۱۶)

"پس خوب غور و فکر کر کے دیکھ کہ ان مفسدوں کا جنہوں نے موسٰی کو نہ مانا اور اللہ کی تعلیم کی قدر شناسی نہ کی کیسا برا انجام ہوا"

ومنھم من یؤمن بہ ومنھم من لا یؤمن بہ وربک اعلم بالمفسدین ۝ (پ ۱۱ ع ۹)

"اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو اس قرآن کریم پر ایمان لاتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو اسپر ایمان نہیں لاتے اور تیرے رب کو خوب معلوم ہے کہ کون کون مفسد ہیں جو اس روحانی اور جسمانی تربیت کرنے والی کتاب کو نہیں مانتے"

واحسن کما احسن اللہ الیک ولا تبغ الفساد فی الارض ان اللہ لا یحب المفسدین ۝ (پ ۲۰ ع ۱۱)

"اور قارون کو اس کی قوم نے جو جو نصیحتیں کیں اُن میں سے یہہ دو نصیحتیں بھی ہیں (۱) جس طرح اللہ تعالےٰ نے تجھپر احسان کیا ہے اسی طرح تو بھی لوگوں پر احسان کیا کر اور کسی قسم کا فساد اپنے ملک میں نہ پھیلا کیونکہ اللہ تعالےٰ اُن لوگوں کو جو فساد کرتے ہیں دوست نہیں رکھتا"

ام نجعل الذین امنوا وعملوا الصلحت کالمفسدین فی الارض ام نجعل المتقین کالفجار ۝ (پ ۲۳ ع ۱۲)

"کیا ہم اُن لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور ہر قسم کی نیکی اور نیک عمل کرتے ہیں اُن لوگوں جیسا ہی سلوک اور معاملہ کرینگے جو اس زمین میں فساد کرتے اور پھیلاتے رہتے ہیں یا اُن لوگوں کو جو تقوے اختیار کرتے ہیں اُن جیسا کر دینگے جو فسق و فجور کو اختیار و پسند کر بیٹھتے ہیں"

تلک الدار الاخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا والعاقبۃ للمتقین ۝ (پ ۲۰ ع ۱۱)

"وہ اعلیٰ درجہ کا گھر جو اس دنیا کے بعد آنے والا ہے اس دنیا کی طرح نہیں ہے کہ جس میں نیک و بد اور خیر و شر سب کے سب گھی کھچڑی ہوئے ہوئے ہیں وہ گھر ہم اُنہیں لوگوں کے لئے خاص کرینگے اور فقط انہیں کو عطا کرینگے جو نہ تو اس جہان میں اپنے لئے کسی قسم کی بڑائی اور تکبر چاہتے ہیں اور نہ کسی قسم کا فساد۔ اور وہ عافیت جو بخیر ہے یعنی جنت انہیں لوگوں کے لئے ہے جو مطابق کتاب اللہ تقوے اختیار کرتے ہیں"

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ

اور جب انکو کہا جاتا ہے کہ جس طرح لوگ صدق دل سے ایمان لائے اور زبان اور اعمال کو اُسکے مطابق کرتے ہیں اُسی طرح تم بھی شرط انسانیت بجا لا کر صدق دل سے ایمان لاؤ اور پھر اُس ایمان کے مطابق زبان سے اعتراف کرو اور اعمال کی تصدیق

ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لفسدت الارض ولكن الله ذو فضل على العلمين ○ (پ۲ ع ۱۷)

"اور اگر اللہ تعالےٰ بعض لوگوں کو جو ظالم ہوتے ہیں بعض لوگوں کے ہاتھ سے جو عادل ہوتے ہیں نہ ہٹاتا رہتا تو پھر تو یہ زمین اور اس کا انتظام درہم برہم ہو جاوے لیکن اللہ تعالےٰ کل عالم پر فضل کرتا رہتا ہے۔

ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبيع وصلوت ومسجد يذكر فيها اسم الله كثيرا پ۱۷ ع ۱۳۔

"اور اگر اللہ تعالےٰ بعض لوگوں کو جو ظالم ہوتے ہیں بعض لوگوں کے ہاتھوں سے جو عادل ہوتے ہیں نہ ہٹاتا رہتا تو درویشوں اور مشائخوں کی خلوت گاہیں جہاں پر گوشہ نشینی کرتے ہیں اور گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جنہیں کثرت کے ساتھ اللہ کا نام لیا جاتا ہے کبھی کے ڈھائے جا چکے ہوتے"

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ فساد اور فساد فی الارض ہر قسم کے گناہ کو شامل ہے خواہ جسم کے متعلق ہے خواہ روح کے متعلق، خواہ وہ گناہ لازمی اور ذاتی ہے خواہ متعدی۔ خواہ اُس سے سیاست مدن میں خلل واقع ہوتا ہے خواہ امن خلائق میں نقص اور فتور واقع ہوتا ہے مگر چونکہ جیسا اوپر ذکر ہو چکا ہے بعض معاصی اور گناہ اس قسم کے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے اگر سرِدست فوری اور دنیوی سزا اور تعزیر مقرر نہ کی جاوے تو انتظام عام درہم برہم ہو جاوے اور پھر نہ کوئی عبادت اور نہ کوئی معاملہ امن و امان اور دل کے اطمینان سے ہو سکے اس واسطے قرآن مجید نے جو تعزیر اور سزا ایسے شرعی حد مقرر کی ہے تو فقط انہیں معاصی اور جرائم کے لئے مقرر کی ہے جو نقض امن خلائق و فتور انتظام حکام کا موجب ہوتے ہیں مثلاً زنا۔ لواطت وغیرہ۔ ان جرائم کے لکھنے کا یہ محل نہیں ہے اس واسطے انشاء اللہ تعالےٰ جو قبیح فعل ان میں سے ہر ایک کی تشریح کامل طور پر اپنے اپنے محل پر بیان ہو گی اور بتایا جاویگا کہ رب العالمین نے جو جو حد یا تعزیر کسی جرم کے لئے مقرر کی ہے وہ اُس جرم کے عین مطابق اور مناسب حال ہے۔ اور یہی حد اور تعزیر ہونی چاہئے تھی اور ایسی ہی سزا سے اُس جرم کا انسداد ہو سکتا ہے نہ کسی اور تجویز سے بھی اور ایسے ایسے جرائم اور معاصی کی اگر دنیوی حد اور تعزیر یعنی شرعی سزا مقرر نہ کی جاوے اور فقط ترہیب اور تخدیر ہی کی تعلیم کی جاوے تو اندھیر مچ جاوے البتہ جو فساد اس قسم کا ہو کہ اُس سے خلق خدا کے امن اور انتظام گورنمنٹ (حکام وقت) میں خلل واقع نہ ہوتا ہو تو اُس کے لئے کوئی دنیوی سزا مقرر نہیں ہے بلکہ ایسے مفسدوں کو صاف تحذیر اور ترہیب ہے کہ اگر ایسا فساد خواہ روحانی ہے خواہ جسمانی ترک نہ کرو گے اور ایسکے بجائے صلاح جو جسم اور روح دونو کے لئے خود رب العلمین نے مقرر فرمائی ہے اختیار نہ کرو گے اور اپنے پسند و اختیار کردہ فساد پر مر جاؤ گے تو تمہارے لئے ہیچ دوزخ تیار ہے مثلاً کفر۔ شرک۔ بدعت۔ بدعملی حرام خوری وغیرہ غرضکہ آیت زیر تفسیر میں جو فساد فی الارض کا ذکر آیا ہے تو اس سے یہاں مراد ہے فقط تخذیر و ترہیب منافقین جو اپنے روحانی اور جسمانی فساد اور اصلاح میں بوجہ نفاق تمیز نہیں کرتے بلکہ تمیز تو رہی درکنار ان میں شعور یعنی حِس تک بھی باقی نہیں رہی کہ وہ فساد اور صلاح میں تمیز کر سکیں اُن کو حکم ہوتا ہے کہ تم اپنے نفاق کو چھوڑ کر اپنے نفس اور اپنے بھائی بندوں کی اصلاح کرو تو جواب میں کہتے ہیں کہ ہم تو پہلے ہی مصلح یا اصلاح کرنے والے ہیں اللہ تعالےٰ ان کی رد کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ ان لوگوں کا یہ کہنا محض از راہ عدم شعور وادراک فساد و نفاق ان کے دلوں میں اسقدر جاگیر ہو گیا ہے کہ اب اس کے ہوتے ان کو شعور ہو ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب ان سے (ﷺ) کہا جاتا ہے کہ تم اگر مفسد نہیں ہو اور اپنے دعوے کے مطابق مصلح ہو تو پھر اصلی اور حقیقی امر واقعی اصلاح تو یہ ہے کہ تم اُن لوگوں کی طرح جنکا دل اور زبان اور اعمال سب کے سب آپس میں موافق اور مطابق اور ایک دوسری کی مصدق اور مؤید ہیں اپنے ایمان اور جملہ جوارح اور اپنے دل اور زبان اور اعمال کو آپس میں مطابق کر دو تو جواب میں کہتے ہیں اس طرح کے ایمان سے بڑے سے بڑے سخت نقصان پیدا ہوتے ہیں عزت برباد ہوتی ہے سوسائیٹی اور برادری سے خارج ہونا پڑتا ہے ہر شخص کی انگشت نمائی ہوتی ہے پھر وہ مطالب جو ہوتے برادری وغیرہ میں رہ کر نکالنا تھا فوت ہو جاتا ہے اس سے تو بلکہ الٹا دین کا ہی نقصان ہوتا ہے اس طرح کے ایمان کو ہم تو کوئی دانائی اور عقلمندی ہی نہیں سمجھتے بلکہ سراسر نادانی اور جہالت اور سفاہت اور بیوقوفی ہے

اَمَنَ السُّفَهَاۗءُ ۭ اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ السُّفَهَاۗءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ

تو جواب میں کہتے ہیں کیا جسطرح یہ بے سمجھ لوگ ایمان قبول کر بیٹھتے ہیں اُسی طرح کا ایمان لاکر ہم بھی بیوقوف بن بیٹھیں خبردار رہنا بیشک یہی لوگ ہیں جو بے سمجھ اور بیوقوف ہیں ولیکن انکی بے سمجھی یہانتک اُنمیں سرایت کئے ہوئے ہے کہ اب اسکے ہوتے وہ مومنوں کے سے ظاہر یا ایمان کی حقیقت کو جان ہی نہیں سکتے

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ چونکہ یہہ لوگ حقیقت میں مصلح نہیں ہیں اور ان کا یہہ کہنا انما نحن مصلحون اُن کے اس کہنے امنا باللہ وبالیوم الآخر کیطرح محض جھوٹا ہی جھوٹ ہے اسواسطے وہ اس ایمان کو جو خدا کو پسند اور خدا کے ہاں مقبول ہے یعنے **ایمان باعمل** یا **اعمال باایمان** کی کچھ قدر نہیں کرتے اور قدر نہ کرنے کی وجہ یہہ ہے کہ وہ اپنی دنیوی اغراض اور نفسانی شہوات اور ہوائی پالیسیوں میں اسقدر غرق ہو گئے ہیں کہ ایمان باعمل او عمل باایمان کے سچے اور پائیدار او نافع نتیجے کو اور ایمان بلا عمل یا عمل بلا ایمان کے یقینی اور لابدی ضرر اور نقصان کو کچھ ہی نہیں سکتے پس جب یہہ حال ہے تو ان سے بڑھکر پاگل اور احمق اور نادان اور جاہل اور نا عاقبت اندیش اور کون ہوگا۔

امن الناس میں الناس کا ۔ آل ۔ عہدی حضوری ہے یعنی ہر زمانہ میں بمقابلہ منافقین جو لوگ سچے مخلص مومن موجود ہوتے ہیں خواہ زمانہ نبوت ہو خواہ اس کے بعد کا جس وقت، جس ملک اور جس مکان اور جس آن میں مخلص مومن ہوں اور دوسری طرف منافق تو اسوقت کے مومن اس الناس میں داخل ہیں اور اسکے مقابلہ میں لفظ السفہاء انہیں موجودہ الناس کو بزبان منافقین کہا گیا ہے

خلاصہ یہہ ہے کہ منافقین کے دو گروہوں کا یہی حال ہے کہ وہ اپنی پالیسی اور غرض کو دینی مصلحت کے پیرایہ میں بیان کر کے مصلح بن جاتے ہیں اور کہلاتے ہیں حالانکہ وہ دین کے منشا کے خلاف کاروائیاں کرتے ہیں دنیوی عزت او دنیوی جاہ وجلال اور دنیوی اغراض کے پیچھے دین کے چور ہو جاتے ہیں ۔ نماز روزہ ۔ حج ۔ زکوٰۃ سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اور پوچھو تو صاف صاف انکا سا جواب دیتے ہیں کہ مجھے یہہ عذر ہے وہ عذر ہے وغیرہ وغیرہ حالانکہ یہہ عذر سب کے سب عذر گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ہوتے ہیں اسکو بڑی بھاری دانائی اور عقلمندی سمجھتے ہیں اور اسکے خلاف کرنے کو بیوقوفی اور نادانی تصور کرتے ہیں اسی طرح جو گناہ ان سے سرزد ہو رہا ہے خواہ متعلق رواج و رسم خواہ متعلق اعتقاد و اخلاق ۔ غرضکہ کوئی سی بات ہو جو کتاب اللہ کے خلاف ہو اور اس کا ارتکاب ان سے ہوتا ہو تو اسپر جمے رہیں گے اور سمجھانے والوں کو بیوقوف بنائیں گے ۔ اور ایسی ایسی بے ایمانیوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے صرف اُن لوگوں کا فطرت اللہ وخلق اللہ کی تغییر و تبدیل کرنا اور امانت اللہ میں خیانت کرنا اور نعمت اللہ کا کفران کرنا ہے کتاب اللہ کی تعلیم کے مخالف جو لوگ اپنے جسمانی و روحانی تربیت کرتے ہیں وہ سب کے سب سفیہہ اور سفہاء ہیں قرآن مجید میں یہہ لفظ اور بھی بہت جگہ آیا ہے بعض جگہ تو فقط اس شخص کے حق میں آیا ہے جسکو اصلاً عقل اور سمجھ نہ ہو جس وہ اپنے ذاتی نفع یا نقصان کو پہچان سکے سوا ایسے لوگ تو مخاطب بھی نہیں ہیں اور بعض جگہ ایسے شخصوں کے حق میں آیا ہے جو باعقل و باسمجھ ہوتے ہیں مگر اپنی سمجھہ اور پالیسی کو مقدم رکھتے ہیں اور کتاب اللہ کی تعلیم کو مؤخر اور اس کام کو وہ عین دانائی سمجھتے ہیں اور ان لوگوں کو جو کتاب اللہ کی تعلیم کو مقدم اور اپنی غرضوں اور سمجھوں اور عقلوں کے لئے اسکو رہنما بناتے ہیں احمق اور بیوقوف سمجھتے ہیں ۔ کما قال اللہ تعالیٰ ۔

فان کان الذی علیہ الحق سفیہا او ضعیفا او لا یستطیع ان یمل ھو فلیملل ولیہ بالعدل ط (پ۳ ع۷)	”پھر اگر وہ شخص جسکے ذمہ قرضہ ہے بے سمجھ اور کم عقل ہو یا ایسا ہو مگر کسی دیگر عارضہ کی وجہ سے معذور ہو یا ایسا بھی نہ ہو مگر خود اپنا مطلب نہیں لکھوا سکتا تو ایسی صورتوں میں اُسکا ولی پورے پورے انصاف کے ساتھ مطلب لکھوا دیو“
ولا تؤتوا السفہاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاما وارزقوھم فیہا واکسوھم وقولوا لھم قولا معروفا (پ۴ ع۱۲)	”اپنے یہہ مال جنکو اللہ تعالےٰ نے تمہارے لئے بڑا بھاری سہارا بنایا ہے اُن لوگوں کے حوالہ نہ کرو جو کم عقل اور بے سمجھ ہیں ہاں اُس مال میں سے انکے کھانے اور پہننے میں صرف کرو اور ان کو ایسی ایسی باتوں سے سمجھاؤ جو شرعاً درست اور جائز ہیں ۔ مثلاً یہہ کہ مال تو تمہارا ہی ہے ہم جو کچھ کر رہے ہیں تمہارے ہی فائدہ کے لئے کر رہے ہیں وغیرہ وغیرہ“
اتھلکنا بما فعل السفہاء منا (پ۹ ع۹)	”جب زلزلہ سے موسیٰ اسکے بلاش ساتھی مر گئے تو انہوں نے عرض کی

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی

اور جس وقت ان لوگوں سے ملتے ہیں جو سچے مومن ہوتے ہیں تو اُن کو تو یہ کہتے ہیں ہم نے بھی ایمان قبول کیا ہوا ہے اور جس وقت اپنے شیطانوں یعنے اُن جھوٹے عالموں اور رہبروں یا مرشدوں

شَیٰطِیْنِہِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَکُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَہْزِءُوْنَ (۴)

کے پاس جنکو نیچریوں یا وہ بھیڑیے سمجھتے ہوتے ہیں جاتے ہیں تو یہ کہتے ہیں ہم تو آپ ہی کے ساتھ ہیں مسلمانوں کو تو ہم خفیف اور کم عقل اور حقیر و ذلیل سمجھتے ہیں

اللہ کیا ہم ہیں سے احمقوں کو گناہ کی سبب جنہوں نے گستاخی کرکے کلمہ ارنا اللہ جہرۃً (ہم کو خدا آمنے سامنے کرکے دکھا دے) کہا ہے ہم کو ہلاک کرتا ہے"

ومن یرغب عن ملۃ ابراھیم الا من سفہ نفسہ ۵ (پ ۱ ع ۱۶)	اور ابراہیم کے طریقے سے کوئی شخص بھی انحراف نہیں کرتا مگر وہی جو اپنے تئیں بیوقوف بناڈالتا ہے"
قد خسر الذین قتلوا اولادھم سفہا بغیر علم وحرموا ما رزقھم اللہ افتراء علی اللہ قد ضلوا وما کانوا مھتدین ۵ (پ ۸ ع ۴)	"بیشک وہ لوگ بڑے زیان کار ہیں جو اپنے بچوں کو بے عقلی اور بیوقوفی سے بلا دلیل کتاب خدا اللہ تعالےٰ کے ذمے جھوٹ موٹ کا افترا باندھ کر قتل کر ڈالتے ہیں اور جو حلال طیب چیزیں اللہ تعالےٰ نے اُن کے لئے پیدا کر رکھی ہیں اُنکو اپنے اوپر حرام کر بیٹھتے ہیں بیشک ان لوگوں نے گمراہی کو آپ ہی اختیار اور پسند کر لیا ہے اور پھر اس خود اختیار کردہ و پسندیدہ گمراہی کے ہوتے ہوا ہدایت کو قبول کر ہی نہیں سکتے"
وانہ کان یقول سفیھنا علی اللہ شططا ۵ (پ ۲۹ ع ۱۱)	"اور ہم میں سے وہ لوگ جو بے سمجھ اور کم عقل ہوا کرتے تھے اللہ کے ذمہ حد سے بڑھ بڑھ کر افترا پردازی کی باتیں لگایا کرتے تھے"

خلاصہ ان آیات کا یہہ ہے کہ سفہا درحقیقت وہی لوگ ہوتے ہیں جو کتاب اللہ کے خلاف اپنے جسم و روح کی تربیت کرتے ہیں اور فطرت اللہ وخلق اللہ میں تغییر و تبدیل اور امانت اللہ میں خیانت اور نعمت اللہ کی کفران کرتے رہتے ہیں اور کافرین متمردین معاندین کی طرح یہہ منافقین بھی سفہا ہی ہوتے ہیں ان کے قول و فعل اور ایمان میں مطابقت نہیں ہوتی۔ اور اگرچہ وہ من کل الوجوہ پکے سچے مخلص مومنین کا سا ایمان باعمل یا اعمال یا ایمان نہیں رکھتے مگر تاہم زبانی طور پر ان کا یہہ حال ہوتا کہ

(۴) جب کہ سچے مخلص مومنین سے ملتے ہیں تو باوجود سمجھانے کے کہ وہ اُن کے ایمان کو محض سفاہت سمجھتے ہیں یہہ اظہار کرتے ہیں کہ ہم بھی تمہارے ہی بھائی ہیں تم بھی مسلمان ہو ہم بھی مسلمان ہیں اصل میں ہم میں اور تم میں کچھ فرق نہیں ہے اور جب ان لوگوں سے ملتے ہیں جو اُن لوگوں کے ہوتے ہیں پیر و مرشد یا گرو۔ یا پنڈت۔ یا پادری یا عالم یا سجادہ نشین یا گدی نشین اور وہ اُن کو جھڑکتے ہیں اور لعن طعن کرتے ہیں کہ تم لوگ کیوں اسلام اور ایمان کی طرف مائل ہو تو اُن کو خوش کرنے کے واسطے یہہ جواب دیتے ہیں جی صاحب ہم کہاں مسلمان ہیں ہم تو بلکہ مسلمانوں کو محض ذلیل۔ حقیر۔ خفیف۔ احمق۔ یعنے بے عزت اور ذلیل اور خوار اور پاگل اور کم عقل سمجھتے ہیں ہمارا دین و ایمان ہمارا دھرم ہمارا قول و فعل ہمارا رسم و رواج سب کا سب وہی ہے جو آپ صاحبان کا بتایا ہوا اور تعلیم کیا ہوا ہے۔۔

واذا قیل لھم اٰمنوا الآیۃ اور اس آیت میں فرق یہہ ہے کہ پہلی آیت میں وہ ایمان کی کیفیت و ماہیت و حقیقت و طریقت سے جو سچے مومنوں میں ہوتی ہے موافقت و مشابہت پیدا کرنے سے انکار کرتے ہیں جس سے اشارۃً وضمناً معلوم ہوتا ہے کہ ان کو مطلق ایمان سے خواہ زبانی ہو خواہ دلی ہو خواہ ایمان بالعمل؟

خواہ عمل بلا ایمان ہو انکار نہیں ہے مگر اس آیت میں اُن کے مطلق ایمان کا اقرار صریح اور صاف طور پر مذکور ہے اور وہ یوں ہے کہ مسلمانوں سے ملتے ہیں تو علانیہ اپنے ایمان کا اظہار کر دیتے ہیں اور جب اپنے شیطانوں کے پاس جاتے ہیں تو ان کی ہاں میں ہاں ملا دیتے ہیں شیاطین سے مراد ہیں وہ جملہ مدعیان ادیان و اقوال باطلہ جنکے پنجہ میں خلق خدا پھنسی ہوئی ہوتی ہے اور جنکے مقرر کئے ہوئے یا بتائے ہوئے دین یا قول کو اُن کے تابعدار لوگ خدا کا بتایا ہوا اور فرمایا ہوا قول یا دین سمجھتے ہیں اور کیونکہ شیطان کا بھی یہی کام ہے کہ جس طرح بن پڑے خلق خدا کو دھوکا دے دلا کر راہ خدا سے روکتا ہے اور اپنے افترا و اختراع کو خدا کا کرکے بنا کر اور طرح طرح کے شکوک و شبہات دین خدا میں ڈلوا کر سچے دین سے محروم رکھتا ہے اور ان لوگوں کا بھی یہی حال ہے کہ خدا کی راہ سے لوگوں کو ہٹاتے ہیں جیسا کہ اس آیت سے مفہوم ہوتا ہے اسواسطے ان کا نام شیاطین رکھنا نہایت ہی مناسب ہے

یاایہا الذین اٰمنوا ان کثیراً من الاحبار والرہبان لیاکلون اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ ۔ (پ۱۰ ع)	"اے ایمان والو جتنے احبار اور جتنے رہبان ہیں یعنے جس جس دین یا جس جس طریقے کا کوئی عالم ہے اور صوفی یا شیخ یا گدی نشین ہے اُن میں سے بہتسے عالم اور بہتسے مشائخ (یہود۔ عیسائی۔ ہندو پارسی مسلمان وغیرہ وغیرہ) سب

قسم کے لوگوں سے اُن کا مال ہر قسم کے ناجائز طریقے سے لے لے کر کھاتے رہتے ہیں اور لوگوں کو خدا کی راہ سے ہٹاتے رہتے ہیں"۔

جس طرح ان کا نام اللہ تعالیٰ نے شیاطین رکھا ہے اُسی طرح اُن کے اور بھی بہتسے مناسب مناسب نام قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں ۔ مثلاً طاغوت جبت ۔ اہل الکتاب ۔ اہل الزیغ ۔ الاحبار ۔ الرہبان ۔ چنانچہ ان سب ناموں کی تشریح غیر المغضوب علیہم و لا الضالین کی تفسیر کے ذیل میں بحوالہ آیات قرآنیہ پچھے صفحہ سے لیکر صفحہ تک ہو چکی ہے۔

مُستہزِءُون کا ترجمہ ہم نے یہہ کیا ہے" ذلیل و حقیر و خفیف و کم عقل جاننے والے" اس لفظ کی کسی قدر تشریح کرنی ضروری معلوم ہوتی ہے اس لفظ کا مادہ ہے ہُزْءًا ۔ ہُزُؤًا ۔ مَہْزَءَۃً جس کے معنے ہیں تمسخر و مسخری و تمسخر و ضحک یعنے دوسرے شخص کی ہنسی اڑانا اور اس کو خفیف و ذلیل و کم عقل جاننا اس کی ماضی بروزن سمع و منع دو نو طرح پر آتی ہے اور صلہ بھی مِنْ اور بِ دو نو ہی آتے ہیں استہزاء باب استفعال ہے چونکہ استہزاء و سخریہ و ضحک باہم مترادف ہیں اور سب کے حقیقی معنوں کو حقارت و ذلت و ہوان و حماقت لازم ہے ۔ اسی واسطے قرآن مجید میں کہیں لفظ استہزاء اور کہیں لفظ ضحک اور کہیں لفظ سخر واقع ہوا ہے مگر کسی کی ہنسی اڑانے کا موقع فقط وہی ہوتا ہے جہاں ہنسی کرنے والا غالب اور بارعب ہو اور جس شخص کی ہنسی اڑائی جاوے وہ مغلوب اور بحالت غربت وضعیف ہو ورنہ ممکن نہیں کہ بصورت عکس ہنسی کا وجود بھی ہو اسواسطے ضروری ہوا کہ ان الفاظ کے حقیقی اور اصلی معنے صرف انہیں جگہوں پر لئے جاویں جہاں ہنسی کرنے والے لوگ غالب اور بارعب ہوں ورنہ مطابق اصول علماء تفسیر القرآن انکے لازمی معنے لئے جاوینگے کیونکہ مغلوب لوگ اپنے غالبوں کی ہنسی نہیں اڑا سکتے البتہ اپنے جی میں اپنی مجلسوں میں اپنے گھروں میں اپنے غالبوں کی پس پشت اپنے غالبوں کو ذلیل و خوار حقیر بے غیرت بے وقوف خفیف بے دین بے عقل وغیرہ وغیرہ سمجھ سکتے ہیں ۔ چونکہ منافقین ہمیشہ گیدڑ رہا کرتے ہیں ان کی مجال نہیں کہ وہ غیروں کی مجلسوں میں جا کر اپنے غالبوں کے ساتھ ہنسی ٹھٹھا اور تمسخر کر سکیں البتہ وہ اپنے جی میں اپنے غالبوں کو جو چاہیں سمجھ سکتے ہیں اور اس آیت میں انہیں منافقوں کا ذکر ہے اسواسطے مستہزءون کا ترجمہ کیا گیا ہے "مسلمانوں کو حقیر و ذلیل ۔ بے عزت و بے وقوف سمجھنے والے" پس اب کلیہ قاعدہ یاد رکھنا چاہئے کہ سارے قرآن مجید میں من اولہ الی آخرہ جہاں کہیں ان لفظوں میں سے کوئی لفظ بھی آوے تو وہاں اگر ان لفظوں کے بولنے والے بارعب اور غالب کفار ہیں ۔ تو حقیقی اور لازمی دونو معنے مراد ہیں اور اگر بولنے والے منافق ہیں تو صرف لازمی معنے یعنے حقارت وغیرہ مراد ہیں اور اگر اللہ کی طرف ان میں سے کوئی فعل منسوب ہے تو اُس سے مراد ہے اُس فعل کی انتشار و اختراع کرنے والے کو اپنے اس فعل بیہودہ سے نفور سابق چھوڑ دینا ہے ۔ بطور استشہاد چند آیات جن میں استہزاء و سخر و ضحک کی مشتقات وارد ہیں نقل کرتے ہیں :۔

ولقد استہزئ برسل من قبلک فحاق بالذین سخروا منہم ما کانوا بہ یستہزءون (پ۷ ع پ۱۷ ع)	"اور بیشک تجھ سے پہلے کئی رسولوں کی ہنسی اڑائی جا چکی ہے اور ان کو حقیر و ذلیل سمجھا گیا ہے تو پھر وہی وہی عذاب جس کے آنے کا وعید ہنسی کرنیوالوں کو سنایا جاتا تھا اور وہ اس کی ہنسی سے باز نہ آیا کرتے تھے ہنسی اڑانیوالوں پر نازل ہو جاتا تھا"۔
وما یاتیہم من رسول الا کانوا بہ یستہزءون ۔ (پ۱۴ ع)	"پہلی قوموں کے لوگوں کے پاس جب کبھی کوئی رسول بھی آتا رہا ہے تو وہ اُسکی ہنسی اڑانے اور ان سے ٹھٹھا کرتے رہے ہیں"۔
فاصابہم سیاٰت ما عملوا وحاق بہم ما کانوا بہ یستہزءون ہ (پ۱۴ ع)	"پس ان لوگوں کو ان کی کرتوتوں اور کرداروں کا ویسا ہی بدلہ ملتا رہا جیساکہ

وہ عمل کرتے رہے اور جس طرح وہ عذاب کی ہنسی بنایا کرتے تھے وہی عذاب انپر نازل ہو کر رہا

ثم کان عاقبۃ الذین اساءوا السوآی ان کذبوا بآیٰت اللہ وکانوا بہا یستہزءون ٥ (پ۲۱ ع۴)

"پھر آخرش اُن لوگوں کا جو بُرائیاں کرتے رہے انجام برا ہی ہوا کیونکہ وہ اللہ کی آیات کو جھٹلاتے اور ان کی ہنسی اڑاتے اور ان کو حقیر و ذلیل سمجھتے رہے"

قالوا اتتخذنا ھزوا قال اعوذ باللہ ان اکون من الجٰھلین (پ۱ ع)

"بنی اسرائیل بولے کیا تو ہم کو مسخرے سمجھتا ہے کہ ہم سے تمسخر کرتا ہے موسیٰ نے کہا جاہل ہونے سے پناہ بخدا"

یاایہا الذین اٰمنوا لا یسخر قوم من قوم عسٰی ان یکونوا خیراً منہم ولا نساء من نساء عسٰی ان یکن خیراً منہن ۔ (پ۲۶ ع۱۴)

"اے ایمان والو کوئی مرد مردوں کے ساتھ ہنسی ٹھٹھا نہ کرے قریب ہے کہ وہی لوگ جنسے تم ہنسی کرتے ہو تم سے بہتر ہو جاویں اور کوئی عورت عورتوں کے ساتھ ہنسی ٹھٹھا نہ کرے قریب ہے کہ وہی عورتیں جنسے تم ہنسی کرتی ہو تم سے بہتر ہو جاویں"

ویصنع الفلک وکلما مر علیہ ملاٌ من قومہ سخروا منہ ۔ قال ان تسخروا منا فانا نسخر منکم کما تسخرون ٥ (پ۱۲ ع)

"نوح نے کشتی بنانی شروع کی اور جب اس کی قوم کے لوگ اُس کے پاس سے گزرتے تو اُس سے تمسخر کرتے نوح نے جواب دیتے تم اگر ہم سے تمسخر کرتے رہو گے اور اس سے باز نہ آؤگے تو پھر یاد رکھنا جس طرح تم ہم سے تمسخر کرتے ہو ضرور ضرور اسی طرح ہم تم سے تمسخر کرینگے اور تمہاری حالت زار اور حقیر و ذلیل دیکھینگے"

زین للذین کفروا الحیٰوۃ الدنیا ویسخرون من الذین اٰمنوا (پ۲ ع۹)

"جو لوگ دین اسلام سے انکار کرتے ہیں اُن کی یہہ دنیوی زندگی جو محض عارضی اور فانی ہے مزین کر دکھائی گئی ہے اور ان لوگوں سے جو ایمان کو قبول کر کے اُسکے مطابق عمل کرتے ہیں تمسخر کرتے ہیں"

فاتخذتموھم سخریا حتٰی انسوکم ذکری وکنتم منہم تضحکون (پ۱۸ ع)

"پس تم ان بندوں سے (جو میرے فرماں بردار تھے) تمسخر کرتے تھے حتیٰ کہ انہوں نے تم سے میری یاد بھی بھلا دی یعنی ان سے تمسخر کرنے میں تم اسقدر مصروف ہوئے اور اس کو یہاں تک اپنا پیشہ بنا لیا کہ تم نے ہماری یاد ہی چھوڑ دی اور مشغول میں ترقی اور زیادتی کرنے کرتے یہاں تک نوبت پہونچا دی کہ ان مومن بندوں کو اپنے مضحکہ کا تختۂ مشق ہی بنا ڈالا"

فلما جاءھم بآیٰتنا اذا ھم منہا یضحکون ٥ (پ۲۵ ع)

"پس جب موسیٰ ہماری آیات لیکر یعنی معجزے اور دیگر دلائل کتاب آسمانی و احکام وغیرہ فرعون اور فرعونیوں کے پاس آیا تو بس آنے کے ساتھ ہی لگے وہ ان آیات کی ہنسی بنانے"

افمن ھذا الحدیث تعجبون ۙ وتضحکون ولا تبکون ٥ (پ۲۷ ع)

"کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو اور قیامت کے احوال و اہوال سن سنکر اُلٹے اُن کی ہنسی بناتے ہو اور روتے نہیں ہو"

ان الذین اجرموا کانوا من الذین اٰمنوا یضحکون ٥ . . . .

"بیشک مجرم لوگ دنیا میں ایمان والوں کے ساتھ ہنسی مخول کیا کرتے تھے . . . . .

. . . .

فالیوم الذین اٰمنوا من الکفار یضحکون ٥ علی الارآئک ینظرون ٥ ھل ثوب الکفار ما کانوا یفعلون ٥ (پ۳۰ ع)

پس آج (قیامت کو) ایمان والے اُن تمام کفار پر جو ہنسی کیا کرتے تھے ہنسیں گے اور ان تختوں پر جو بہشت میں اُن کے لئے بچھے ہوں گے اور جنکا ذکر قرآن کریم میں آچکا ہے بیٹھے بیٹھے سب کچھ دیکھ رہے ہونگے اور کہیں گے ان تمام کفار نے اپنے کئے کا بدلہ واقعی آج پالیا"

ان سب آیات کا خلاصہ یہہ ہے کہ ہر زمانہ اور ہر آن اور ہر زبان اور ہر مکان میں اہل حق کے ساتھ منکران اسلام ہمیشہ ٹھٹھا کرتے چلے آئے ہیں اور کرتے رہیں گے اگر ان کا مطلب اور مدعا یہہ ہے کہ ... ایسا کام کرتے ہیں ... [illegible]

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾

اللہ تعالےٰ اُن کو اِن کے اِس خود اختیار کردہ ناپسندیدہ طریق پر یعنے مسلمانوں کو حقیر و ذلیل و بیوقوف سمجھنے کی حالت پر ویسا ہی بدستور سابق چھوڑ دیتا ہے اور انکو ڈھیل دیتا ہے اور حال یہہ ہے کہ وہ اپنی خود اختیار کردہ ناپسندیدہ گمراہی میں اندھوں کی طرح کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر ٹکر کھاتے پھرتے ہیں ۔

کا زور ہوا اور کفار اہل کتاب دب گئے تو انہوں نے یہہ مخالفت اور ٹھٹھا ہنسی علانیہ کرنی توبند کردی مگر خفیہ طور پر کوئی کسر باقی نہیں چھوڑتے تھے اور اس قسم کے مخالف ہمیشہ ہی دنیا میں موجود رہتے ہیں۔ چونکہ ان آیات زیر تفسیر میں اُن ہنسی کرنیوالوں کا ذکر ہے جو مغلوب ہوتے ہیں اور اپنی مغلوبیت کی وجہ سے اُن کو امنا باللّٰہ کہنا پڑتا ہے یا دل میں ایمان ہوتا ہے مگر اعمال ندارد اور اگر بعض اعمال کرتے ہیں تو باقی دوسرے ندارد غرضکہ یہاں منافقوں کی دو نوں شقیں مذکور ہیں اور دونو ہی کفار کی طرح کھلم کھلی ہنسی نہیں کر سکتے اسواسطے ہم نے مستھزءون کا ترجمہ کھلم کھلا طور پر ہنسی اور ٹھٹھا کرنے والے نہیں کیا صرف اُسکا لازمی معنے حقیر و ذلیل اور بے عقل وغیرہ سمجھنے والے کیا ہے کیونکہ منافقین کی دونوں شقوں میں سے کسی کی یہہ شان نہیں ہے کہ وہ ان لوگوں کی مجلسوں میں جا جا کر جن سے وہ دبے ہوئے ہوتے ہیں یا جنکی طرح اپنے دلوں میں ایمان رکھتے ہیں ان کی ہنسی اڑا سکیں ۔ اب چونکہ منافقین خواہ کسی شق کے ہوں مسلمانوں کو اُن کے پکے اور سچے اسلام کے قبول کرنے اور اس کے مطابق بات بات میں عمل کرنے کی وجہ سے خفیف اور حقیر اور ذلیل اور بے عزت اور بے وقوف سمجھتے ہیں اور اپنے نفاق کو اعلےٰ درجہ کی اصلاح اور پرلے درجہ کی حکمت اور دانائی سمجھتے اسواسطے

(۱۵) اللہ تعالےٰ بھی جو الصمد ہے اور بے غرض اور بے نیاز ہے ایسے لوگوں کو ان کی خود اختیار کردہ ناپسندیدہ حالت پر یعنے مسلمانوں کو حقیر و ذلیل اور بیوقوف سمجھنے کی حالت پر ویسے کا ویسا ہی بدستور سابق چھوڑ دیتا ہے اور ان کو فی الفور عذاب نہیں کرتا نہ آسمانی عذاب اور نہ کوئی دنیوی تعزیر ۔ مثلاً قتل ، حبس ، جرمانہ ، بید وغیرہ وغیرہ بلکہ ان کو اور مہلت دیتا ہے کہ وہ مرنے سے پہلے پہلے توبہ کر کے پکے سچے مخلص مومن بنجاویں مگر ان لوگوں کا اپنا یہہ حال ہے کہ جو طریق بد انہوں نے اختیار کر لیا ہے اسپر اصرار و استمرار و استقرار کر کے جھونپڑا ڈال لیتے ہیں اور توبہ کی طرف مائل ہی نہیں ہوتے اسواسطے اللہ تعالےٰ بھی اُن کو اُن کی اسی حالت پر چھوڑ دیتا ہے ۔

یستھزئ بھم کا ترجمہ جیسے یہہ نہیں کیا کہ اللہ تعالےٰ ان ٹھٹھا کرنیوالوں سے ٹھٹھا کرے گا اور نہ ہی اس کا ترجمہ "ٹھٹھے کی سزا دیگا" کیا ہے جو بعض لوگوں نے جزاء سیئۃ سیئۃ کا غلط مفہوم سمجھ کر کیا ہے بلکہ فعل کا نفاذ اور دوام مراد ہیں کیونکہ اوپر کی آیت کو پڑھ چکے ہو کہ ٹھٹھا کرنے والے کیسے کیسے مغلوب ہوتے ہیں اور اس عام حکم کو بھی جو مسلمانوں کو ہے پڑھ چکے ہو کہ خواہ مرد ہوں خواہ عورتیں کوئی بھی کسی کو تمسخر نہ کرے جسمیں دوسرے شخص کی حقارت اور ذلت اور اہانت ہوتی ہے اور موسٰے کا یہہ قول بھی پڑھ چکے ہو اعوذ باللہ ان اکون من الجٰھلین یعنے کسی سے مخول کرنا جاہلوں اور ناعاقبت اندیشوں اور بے خبروں کا کام ہے اور بعض آیات میں جو پڑھ چکے ہو کہ مومنین کی طرف تمسخر کو منسوب کیا گیا ہے تو وہاں اس کا مطلب یہہ نہیں ہے کہ وہ اپنی نفسانیت سے اور نفس امارہ سے مغلوب ہوکر ان لوگوں کی ذلت اور بے عزتی اور بے حرمتی کرینگے بلکہ مطلب یہہ ہے کہ مومن لوگ اُن کو ان کی بدکرداری اور استہزاء کی سزا میں مبتلا ہوتے ہوئے دیکھیں گے اور پھر اسوقت ان کی حالت زار کو دیکھ دیکھ کر ازروئے تحسر و افسوس اگر موقع اس دنیا میں مل گیا تو اس دنیا میں بھی ورنہ اُس جہان میں اس قسم کے کلمات کہیں گے جیسا کہ اللہ تعالےٰ اُس شخص کا حال بیان کرتا ہے جسکو ایمان کے پیچھے اُس کی قوم نے قتل کر ڈالا تھا اور جسکا قصہ سورۃ یٰس میں مذکور ہے کہ جب قوم کے ہاتھ سے شہید ہوگیا اور خدا کی رحمت و غفران میں داخل ہوگیا تو پھر اپنی قوم کی حالت بد پر جب انپر عذاب نازل ہوا بدیں الفاظ افسوس کھانے لگا :۔

یٰحسرۃً علی العباد ما یاتیھم من رسولٍ الا کانوا بہ یستھزءون (پ۲۳ ع)	"ان بندوں کے حال پر افسوس ہے یعنے نافرمانبرداروں پر۔ ان کے پاس کوئی ایسا رسول نہیں آیا کہ اس کی ہنسی انہوں نے نہ اُڑائی ہو"
ونادٰی اصحٰب الجنۃ اصحٰب النار ان قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا (پ۸ ع ۱۲)	اسی طرح اہل الجنۃ کے کلمات ذیل اللہ تعالےٰ نقل کرتا ہے جو دوزخیوں سے بطور تحسر کہینگے "اور بہشتی لوگ دوزخیوں سے پوچھیں گے کہ ہم نے تو اس وعدہ کو جو ہم سے ہمارے رب نے کیا تھا پورا اور سچا پالیا ہے تم بتاؤ تم سے جو جو وعدے وعید تمہارے

رہے گئے تھے تم نے سچے اور پورے پاتے ہیں یا نہیں "

علی الارائك ینظرون هل ثوب الکفار ما کانوا یفعلون (پ ۳۰ ع ۶)

اسی طرح یہہ کلمات بھی ہیں جو پہلے بھی لکھے جا چکے ہیں " جنتی لوگ جن کی ہنسی اس دنیا میں اڑائی جاتی ہے اپنے تختوں پر بیٹھ کر سب کچھ دیکھتے ہوں گے اور ہنسی کرنے والے کفار کو بھی دیکھتے ہوں گے پس اسوقت کہیں گے بیشک ان کفار نے اپنے کئے کا بدلہ پا لیا ہے "

اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کلمات ذیل بدر کے جنگ کے بعد اُن کفار سرداروں کو بطور تحسر و افسوس کہے جنہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کیا اور خدا کی طرف سے جو جو وعید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کو سنائے کہ فتح اللہ تعالے مومنین ہی کو دے گا تم لوگ باز آجاؤ ورنہ پہلی قوموں کی طرح ہلاک ہو جاؤ گے اُن کی انہوں نے ہنسی اڑائی اور کچھ پرواہ نہ کی آخر کار مارے گئے اور اللہ تعالے نے فتح مومنین کو دی۔ کلمات یہہ ہیں :—

عن انس بن مالك رضی الله تعالی عنه عن ابی طلحة رضی الله تعالی عنه ان نبی الله صلعم امر یوم بدر باربعة وعشرین رجلا من صنادید قریش فقذفوا فی طوی من اطواء بدر خبیث مخبث وکان اذا ظهر علی قوم اقام بالعرصة ثلاث لیال فلما کان ببدر الیوم الثالث امر براحلته فشد علیها رحلها ثم مشی واتبعه اصحابه وقالوا ما نری ینطلق الا لبعض حاجته حتی قام علی شفة الرکی فجعل ینادیهم باسمائهم واسماء ابائهم یا فلان بن فلان ویا فلان بن فلان ایسرکم انکم اطعتم الله ورسوله فانا قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا فهل وجدتم ما وعد ربکم حقا قال فقال عمر رضی الله تعالی عنه یا رسول الله صلعم ما تکلم من اجساد لا ارواح لها فقال رسول الله صلے الله علیه وسلم والذی نفس محمد بیده ما انتم باسمع لما اقول منهم۔ (بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب قتل ابی جہل)

" انس بن مالک رضی اللہ تعالے عنہ بروایت ابوطلحہ رضی اللہ تعالے عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اراکین قریش میں سے چوبیس لاشیں جنگ بدر میں بدر کے ایک اجڑے ہوئے کنوئیں میں جو بہت ہی گندا تھا بلکہ جو چیز اس میں پڑتی تھی اس کو بھی گندہ کر ڈالتا تھا پھینکی گئیں اور عادت مبارک تھی کہ فتح پانے پر آپ میدان فتح میں تین شب تک اقامت فرمایا کرتے تھے سو اسی عادت کے مطابق جب بدر میں تیسرا دن ہوا تو حکم دیا کہ سواری لائی جاوے چنانچہ سواری کسی گئی پھر آپ پیدل ہو لئے اور پیچھے پیچھے صحابہ رض بھی ہو لئے اور کہتے تھے کہ ہم کو تو اور تو کوئی بھی گمان نہیں ہوتا مگر یہی کہ آپ کسی کام کے لئے پیدل چل پڑے ہیں غرضکہ چلتے چلتے آپ اُس اجڑے ہوئے کنوئیں کے کنارے پر جا کھڑے ہوئے اور لگے اُن لاشوں اور ان لاشوں کے باپوں کے نام لے لیکر پکارنے کہ اب تو تم کو یہہ بات پسند آتی ہے نا کہ تم اللہ اور اللہ کے رسول صلعم کی اطاعت قبول کر لئے ہوتے ہم نے تو اس وعدہ کو جو ہمارے رب نے ہم سے کیا تھا پورا اور سچا پا لیا ہے اب تم بتلاؤ تم نے بھی وہ وعید جو تم سے تمہارا رب کرتا تھا پورا اور سچا پا لیا ہے یا نہیں۔ اس پر عمر رضی اللہ تعالے عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آپ لاشوں کے ساتھ جن میں روحیں بھی نہیں ہیں یعنے وہ تو سنتے ہی نہیں ہیں اور آپ اُن سے باتیں کر رہے ہیں تو اس میں حکمت کیا ہے پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا جس ذات پاک کے ہاتھ میں محمد صلعم کی جان ہے اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو باتیں میں کہہ رہا ہوں اُن کی تصدیق اور ان کو منظور و مقبول تم سے بڑھکر یہہ لوگ کر رہے ہیں۔ مطلب یہہ ہے کہ تم لوگ تو ہونہ ہو تم میری نبوت پر ایمان لا کر میری باتیں قبول کرتے ہو یعنے محض ایمان بالغیب سے اور یہہ لوگ مرنے کے بعد اب اپنی آنکھوں سے اپنی حالت بد کو دیکھ رہے ہیں اور اللہ تعالے کی وعیدوں کی تصدیق کر رہے ہیں "

خلاصہ یہہ ہے کہ مومنین کا تمسخر اور استہزا و فقط یہی ہے کہ وہ دنیا میں بھی اور عاقبت میں بھی کفار نابکار اور مشرکین بدکردار کو ان کی ذلیل و حقیر و بدحالت میں دیکھ کر بطور تحسر و افسوس و صغار و ہوان و ندامت اسی قسم کے کلمات کہیں گے جو اوپر بیان ہو چکے ہیں۔

و یمدهم کا ترجمہ کیا گیا ہے " ان کو ڈھیل دیتا ہے " یعنے اُن کو مہلت اور موقع دیتا رہتا ہے کہ وہ توبہ کر لیں اور یعمهون عمہ سے مشتق ہے جس طرح عمی آنکھ کی نابینائی کو کہتے ہیں اسی طرح دل کی نابینائی کو عمہ کہتے ہیں مراد یہہ ہے کہ یہہ منافق لوگ دل کے اندھے ہیں جیسے طرح ظاہری آنکھ کا اندھا اپنی اٹکل سے چلتا ہے اور کبھی اس طرف گر پڑتا ہے کبھی اُس طرف اسی طرح ان دل کے اندھوں یعنے منافقوں کا حال ہے۔ کہ اندھا دھند کبھی کوئی عذر بتراز گناہ کر دیتے ہیں کبھی کوئی عذر ہم سے کچھ کہہ دیتے ہیں اور ان سے کچھ۔ غرضکہ اس آیت میں اور اس قسم کی جملہ آیات میں جہاں عوام الناس کو بادی النظر میں یہہ مغالطہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالے نے کوئی فعل از قبیل شر اپنی طرف منسوب کیا ہے مثلاً اضلال۔ ختم۔ طبع۔ استہزا وغیرہ وغیرہ تو وہاں ہرگز ہرگز اس فعل کا ابداع و انشاء و اختراع منجانب اللہ مراد نہیں ہوتا بلکہ ابداع و انشاء و ابتداء و اختراع انسان کی اپنی ذات سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالے کی ذات سے محض ترک و ابقا لوگوں کا اُس فعل

پر مراد ہوتی ہے سو وہ بھی عارضی اور معلق بر توبہ۔ اس کی پوری پوری تشریح پہلی آیت اھدنا الصراط المستقیم اور ختم اللہ علی قلوبھم الآیہ کی تفسیر کے ذیل میں ہو چکی ہے پس یہ مہلت دینا محض اُس الرحمٰن اور رب العالمین کی ربوبیت اور رحمانیت کا تقاضا ہے کہ لوگ حق اور اہل حق کے ساتھ مخالفت کرنا چھوڑ دیں اور توبہ کر کے اپنی جان کو ہلاکت سے بچا لیں۔ اس قسم کی مہلت دینے کے واسطے بہت سی آیات قرآن مجید میں موجود ہیں ازاں جملہ بعض اس جگہ لکھی جاتی ہیں:

قل من کان فی الضللۃ فلیمدد لہ الرحمٰن مدا ۚ حتی اذا راوا ما یوعدون اما العذاب واما الساعۃ فسیعلمون من ھو شر مکانا واضعف جندا ۝ (پ۱۶ ع۷)

"کہہ جو کوئی گمراہی میں پڑ جاتا ہے خواہ وہ کیسی ہی گمراہی کیوں نہ ہو تو الرحمٰن کی رحمانیت کا تقاضا ہے کہ وہ ضرور اسکو مہلت دلوے اور مہلت بھی اچھی خاصی جس میں کوئی حد باقی نہ رہے یہانتک کہ جب یہ گمراہ اُس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعید کیا جاتا ہے یعنی خواہ تو دنیوی عذاب اور خواہ وہ گھڑی جو انکی موت کے لئے مقرر ہے تو پھر اسوقت معلوم کرینگے کہ اب کس کا ٹھکانا برا ہے اور کس کے ساتھ کمزوری ہے یعنے کس کے ہم مشرب و ہم خیال و ہم مذہب کم اور کمزور ہیں"

ایحسبون انما نمدھم بہ من مال وبنین ۝ نسارع لھم فی الخیرٰت ط بل لا یشعرون ۝ (پ۱۸ ع۴)

"کیا یہ لوگ جو اپنی اپنی جدی جدی راہ نکال کر اُسی پر خوش ہو بیٹھے ہیں اور دین اسلام کو قبول نہیں کرتے یہ گمان کر رہے ہیں کہ مال و دولت جو کچھ ہم اُن کو دیئے جاتے ہیں اسکے معنے یہ ہیں کہ ہم اُن سے راضی ہو کر اُن کے حق میں مہربانیاں کر رہے ہیں اُن کا ایسا خیال کرنا صرف اُن کا خبط ہے دنیا میں مال و دولت وغیرہ کا دینا محض رحمانیت کا تقاضا ہے مگر یہ لوگ ایسے گمراہ ہو گئے ہیں کہ اب ان کو اتنی بات کے سمجھنے کا شعور بھی نہیں رہا کہ تقاضائے رحمانیت اور شئی ہے اور رضائے الٰہی اور شئی ہے جو تقاضائے رحیمیت ہے"

والذین کذبوا بایٰتنا سنستدرجھم من حیث لا یعلمون ۝ و املی لھم ان کیدی متین ۝ (پ۹ ع۱۳، پ۲۹ ع۲)

"اور جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں ہم اُن کو ایسی حکمت اور ایسی وجہ سے ان کی جاہ و حشمت و مال و دولت کی حالت ترقی و زیادتی پر رکھے چلے جاتے ہیں کہ وہ ہماری اس حکمت اور تقاضائے رحمانیت کو سمجھتے نہیں وہ اس ترقی اور زیادتی کو رضائے الٰہی جو تقاضائے رحیمیت ہے سمجھ رہے ہیں حالانکہ میں بہ تقاضائے رحمانیت خود اُن کو مہلت اور موقع دیئے جا رہا ہوں اور ان کو یکدم عذاب میں گرفتار نہیں کر لیتا کیونکہ میری تدبیریں جنکے اسباب مخلوقات سے مخفی ہوتے ہیں بڑی پکی اور پختہ ہوتی ہیں"

کلا نمد ھؤلاء وھؤلاء من عطاء ربک وما کان عطاء ربک محظورا ۝ (پ۱۵ ع۲)

"تیرے رب کی بخشش سے یعنے اپنی بخشش سے ان دنیا کے طالبوں کو بھی اور ان آخرت کے طالبوں کو بھی ہم اس دنیا میں مال و دولت وغیرہ دیتے رہتے ہیں اور تیرے رب کی بخشش عام ہے کسی پر خواہ مومن ہو خواہ کافر بند نہیں ہے"

من یضلل اللہ فلا ھادی لہ ویذرھم فی طغیانھم یعمھون ۝ (پ۹ ع۱۳)

"جس شخص کو اللہ تعالےٰ اوس کے اختیار اور پسندیدہ کی ہوئی گمراہی پر چھوڑ دیوے تو پھر ایسے شخص کو کوئی بھی راہ راست پر نہیں لا سکتا یعنے ایسے شخصوں کو اللہ تعالےٰ اس حال میں چھوڑ دیتا ہے کہ وہ اپنی خود اختیار و پسند کردہ گمراہی میں اندھوں کی طرح کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر گر گر پڑتے ہیں"

ولو یعجل اللہ للناس الشر استعجالھم بالخیر لقضی الیھم اجلھم فنذر الذین لا یرجون لقاءنا فی طغیانھم یعمھون ۝ (پ۱۱ ع۷)

"جس طرح جلد جن اور آدمی اپنے اپنے فائدوں کے لئے خواہ وہ کسی قسم کے کیوں نہ ہوں جلدی کیا کرتے ہیں اُسی طرح اگر اللہ تعالےٰ بھی اُن کو اُن کے گناہوں کے بدلہ میں جلد جلد پکڑا کرتا تو ان کی موت کبھی کی آچکی ہوتی پس ہم اُن لوگوں کو جنکو ہمارے سامنے پیش ہونے کا دل میں کچھ بھی ڈر نہیں ہے اُن کو اس حال پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ اپنی خود اختیار و پسند کردہ گمراہی میں اندھوں کی طرح کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر گر گر پڑتے ہیں"

ولا یحسبن الذین کفروا انما نملی لھم خیر لانفسھم انما نملی لھم لیزدادوا اثما ج ولھم عذاب مھین ۝ (پ۴ ع۸)

"جو لوگ کفر اختیار و پسندیدہ کر کے اُسپر جمے رہتے ہیں اور ہم اُن کو مہلت اور موقع دیتے رہتے ہیں تو اس سے یہ لوگ یہ گمان نہ کر بیٹھیں کہ ہماری مہلت دینے سے یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے کفر پر ہم راضی ہیں اور ان کی اس حالت اصرار کفر میں وہ مہلت دینا ان کے حق میں مفید ہے۔ ہماری شان تو یہ ہی ہے کہ ہم

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت

یہہ ایسے لوگ ہیں جو اُسی ہدایت کو جو اُن کے پاس موجود اور خود اُنکی ملک ہے یعنی فطرت اللہ و خلق اللہ کو دیکر اُس کے بدلے میں وہ گمراہی جو نفاق یعنے تغیر و تبدیل فطرت اللہ ہے

تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ (۱۶)

خریدتے ہیں سو اُن کے اِس سودے نے انکو کچھ نفع نہیں دیا اور ان لوگوں نے خود ہی اس سودے میں نفع اٹھانے کے طریقے سے واقفیت اور مہارت پیدا کرنی نہ چاہی۔

اپنی رحمانیت و ربوبیت کے تقاضے سے انکو مہلت دیتے رہیں اور جلد نہ پکڑا کریں تاکہ وہ توبہ کرکے ہدایت قبول کرلیں مگر ہماری اس مہلت دینے کا الٹا نتیجہ یہہ نکل رہا ہے کہ یہہ کافر بجائے توبہ کرنے کے بلکہ اور گناہ پر گناہ کرتے جاتے ہیں "

ان سب آیات کا خلاصہ یہہ ہے کہ اللہ تعالے کی سنت مستمرہ محض بتقاضائے ربوبیت و رحمانیت جاری ہے کہ وہ ہر قسم کے کفر و شرک و بدعت و فسق و فجور و نفاق وغیرہ کرنیوالوں کو مہلت دیتا رہتا ہے اور ان کے مال و اعمال و اولاد اور جاہ و حشمت میں ترقیاں دیتا رہتا ہے تاکہ وہ اپنے بد عقیدوں اور بد عملیوں سے توبہ کرکے مطابق ہدایت رب العالمین فطرت اللہ و خلق اللہ کو پاک کرلیں اور اللہ تعالی کا یہہ مہلت دینا اسلئے نہیں ہے کہ وہ ان کے کفر و فسق وغیرہ پر خوش ہے بلکہ محض اس کی رحمانیت و ربوبیت کا تقاضا ہے۔ لوگ خود اپنی بے عقلی۔ ضلالت۔ جہالت اور سفاہت سے اس مہلت سے یہہ نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ چونکہ ہماری بادشاہی ہمارے مال و دولت میں ترقی ہے اسواسطے اللہ تعالے ہمارے مذہب اور خیال و مقال پر خوش ہے مذہب و خیال و مقال کی صحت و سقم کا مدار اللہ تعالے کی اس سنت مستمرہ پر نہیں ہے بلکہ یہہ مہلت دینا تو یہہ ہی کچھ اور بات جو اوپر لکھی گئی ہے سو ان آیات کے مطابق آیت زیر تفسیر یعنے ویمدهم فی طغیانهم یعمهون کے معنے یہی ہیں کہ اللہ تعالے ان منافقین کو جبراً و قہراً ہدایت پر نہیں لاتا بلکہ انکو اپنے حال پر بدستور چھوڑ دیتا ہے اُن کی مرضی ہو تو ایمان کو قبول کریں مرضی نہ ہو تو نہ کریں پھر چونکہ وہ اپنی ضلالت و جہالت و عمہ و گمراہی کو نہیں چھوڑتے بلکہ اسی کو خدا تعالے کی رضامندی و مہربانی سمجھ کر محض ہدایت ربانی سمجھ بیٹھے ہیں اور جس بیوپار و تجارت کیواسطے اس عالم میں آئے ہوئے ہیں اس میں بجائے نفع کے الٹا نقصان اٹھا رہے ہیں بلکہ کل سرمایہ برباد کر رہے ہیں اور پھر بھی یا یہی سمجھے بیٹھے ہیں کہ وہ نفع اٹھا رہے ہیں اسواسطے اللہ تعالے ان کی اس غباوت و سفاہت و جہالت و ضلالت وغیرہ کی تردید کرکے فرماتا ہے۔ (۱۶) کہ یہہ لوگ بڑے ہی زیان کار ہیں نفع اٹھانا تو در کنار انہوں نے بلکہ اپنا راس المال بھی کھو دیا ہے۔ راس المال ہے وہ پاک فطرت اللہ و خلق اللہ جو ہر ایک جن و انس کو عطا کی گئی ہے اور جسکا مالک و قابض ہر ایک جن و انس ہے تجارت اور بیوپار اور سودا یہہ ہے کہ اس فطرت اللہ و خلق اللہ کی تربیت کریں اور اعتدال پر رکھیں اور اس میں کبھی بھی تغیر و تبدیل نہ کریں اور اگر غفلت یا سستی یا جہالت یا کسی طرح سے اس میں تغیر و تبدیل راہ پا جاوے تو اس کی اصلاح کریں۔ ربح یعنے نفع اس سودے کا یہہ ہے کہ اُس فطرت اللہ و خلق اللہ کو اصلاح و اعتدال پر رکھکر جو جو مراتب عالیہ اور جو جو ثمرات نافعہ مترتب ہونے تھے وہ مترتب ہوں یعنے جنت۔ نعیم۔ رضاء الٰہی وغیرہ وغیرہ اور اس تجارت میں نفع اٹھانے کے طریقے وہ ہیں جو رب العالمین نے اپنی پاک کتاب قرآن کریم میں بیان فرمادیے ہیں اور جس میں سے وقتاً فوقتاً رب العالمین حسب اقتضائے ربوبیت خود بھیجا آسمانی کتابوں میں تمام روئے زمین کی قوموں میں اپنے نبیوں اور رسولوں کی معرفت نازل فرماتا رہا ہے۔ الهدى اور الضلالة میں ا-ل عہدی ذکری ہے جسے عہدی خارجی بھی کہتے ہیں اور چونکہ اس آیت میں اشتراء (خریدنا) اور ربح (نفع) اور تجارت (سودا-بیوپار) اور الهدى اور الضلالة کے الفاظ آئے ہیں اور خریدنے کے معنے ہوتے ہیں اپنی مملوکہ مقبوضہ شی دیکر اسکے عوض و بدلہ میں کسی دوسری چیز کا لینا۔ اور اس آیت میں منافقین کو خریدار بیان کیا گیا ہے اور ثمن کو الهدى سے اور چیز خریدکردہ کو الضلالة سے تعبیر کیا گیا ہے اور چونکہ منافقین نے الضلالة کو خریدا ہے اور اس کے عوض میں الهدى کو دیا

اسواسطے اب دیکھنا یہہ ہے کہ وہ ھدیٰ جو منافقوں نے دیدی ہے کیا ہے اگر قرآن کہیں تو وہ اسے مانتے ہی نہیں یہہ ان کے پاس موجود ہی نہیں ہے اور اگر منافقوں کی دوسری شق لیں یعنے وہ لوگ جو دل اور زبان سے مومن ہوتے ہیں مگر اعمال اُس ایمان کے مطابق نہیں ہیں تو پھر اگر یہاں الھدیٰ سے مراد اُن کے وہ اعمال لیئے جاویں جو وہ نہیں کرتے ۔ مثلاً نماز نہ پڑھنا ۔ روزہ نہ رکھنا ۔ یا یہہ اعمال تو سب کرتے ہیں مگر قبر پرستی نہیں چھوڑتے یا کوئی بدعت ترک نہیں کرتے وغیرہ وغیرہ تو یہہ مراد بھی غلط ہے کیونکہ جو اعمال وہ نہیں کرتے ان کے مالک تو وہ ہیں ہی نہیں ان کو دے کیونکر سکتے ہیں اور چونکہ یہاں لفظ اشتروا ظاہر کر رہا ہے کہ منافقین نے الھدیٰ کو دیدیا تو معلوم ہوا کہ الھدیٰ کے وہ مالک تھے اور الھدیٰ انؐ کے قبضہ میں تھی سو اب قرآن مجید کو ڈھونڈنا پڑا تاکہ معلوم کریں کہ وہ کون سی چیز ہے جو منافقوں کے پاس ہوتی ہے اور جسے دیکر وہ الضللۃ مول لیتے ہیں وہ الھدیٰ فقط وہ فطرت اللہ وخلق اللہ ہے جس کی تشریح پہلے بہ بسط تمام شروع تفسیر میں ہو چکی ہے جو ہر ایک جن وانس کو عطا کی گئی ہے اور اس آیتؐ میں اُس کی حفاظت اور اس کو حد اعتدال پر رکھنے کا حکم ہے فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا الآیہ ۔ اس واسطے ہم نے الھدیٰ کا ترجمہ فطرت اللہ وخلق اللہ کیا ہے ۔ جب الھدیٰ سے مراد فطرت اللہ وخلق اللہ کی محافظت ٹھیری تو الضللۃ جو اس کی ضد ہے اُس کے معنے یقیناً یقیناً اُس فطرت اللہ وخلق اللہ کی تغییر وتبدیل ہوئے چنانچہ ترجمہ میں بھی معنی لکھا گیا ہے چونکہ **فطرت اللہ وخلق اللہ** اصل سرمایہ ہوتا ہے جو منافقین دے بیٹھتے ہیں اور اس کے بدلہ میں سراسر زیان اور نقصان لیئے بیٹھے ہیں اسواسطے اس صورت میں نفع کہاں کا اور منافع کیسا یہاں تو راس المال یعنے سرمایہ ہی سارا لٹا بیٹھے ہیں ۔ وما کانوا مھتدین کے معنے یہہ ہیں کہ یہہ لوگ جو اپنا سرمایہ بھی کھو بیٹھے ہیں تو اس کی وجہ یہہ ہوتی ہے کہ یہہ لوگ چاہتے ہی نہیں کہ وہ اس تجارتؐ کے ڈھنگ اور طریقوں کو کامل استادوں اور تجربہ کار سوداگروں کی شاگردی اختیار کر کے سیکھیں جب وہ خود ایسا کرنا نہیں چاہتے تو اللہ تعالےٰ جو الصمد ہے ان کو جبراً وقہراً اس تجارتؐ کے فایدہ حاصل کرنے کے طریقے نہیں بتاتا ۔

یہاں تک منافقین کا حال ناگفتہ بہ بیان ہو چکا ہے اس کے بعد انہیں لوگوں کی اندرونی وبیرونی خباثتوں کی اور بھی زیادہ قلعی کھولنے کے لیئے اللہ تعالیٰ نے دو تمثیلیں بیان فرمائی ہیں کیونکہ تمثیل سے جو تاثیر دل پر ہوتی ہے وہ محض کسی چیز کے بیان اور ذکر کر دینے سے نہیں ہو سکتی اور اس کی وجہ ظاہر ہے یعنے یہہ کہ مثال اور تمثیل خفی چیزوں کی تشبیہہ جلی اور ظاہر باہر چیزوں سے دی جاتی ہے جن کی اصلیت اور ماہیت اور حقیقت سب کو معلوم ہوتی ہے پس اس سے ان خفی چیزوں کی حقیقت اور اصلیت اور ماہیت بھی خوب ذہن نشین ہو جاتی ہے ۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ منافقین کی دو شقیں ہیں ایک تو وہ جو صرف زبان اور گاہ گاہ بعض اعمال سے ہی ایماندار ہونا ظاہر کرتے ہیں مگر اُن کے دل میں کچھ بھی ایمان نہیں ہوتا دوسرے وہ جو دل سے تو ایمان رکھتے ہیں اور زبان سے اس کا اعتراف بھی کرتے ہیں مگر اعمال اسلامیہ ندارد ۔ یہہ بھی ادہر بیان ہو چکا ہے کہ واذا خلوا الی شیٰطینہم میں لفظ شیاطین سے مراد ہیں وہ جملہ احبار ورہبان شیطان یعنے وہ عالم اور صوفی لوگ جو اصل میں تو ہوتے ہیں دین الٰہی کے دشمن مگر جتلاتے ہیں ایسا کہ گویا وہ دین الٰہی کے بڑے بھاری حامی اور دلدادہ عاشق ہوتے ہیں ۔ اور ان کے پنجوں میں عوام الناس پھنسے ہوئے ہوتے ہیں ۔ اور یہہ بھی ذکر ہو چکا ہے کہ ہر ایک مذہب میں خواہ کیسا ہی سچا کیوں نہو اور خواہ کیسا ہی باطل کیوں نہ ہو اس مذہبؐ کے حامی اور محافظ اور طرفدار بھی دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں یعنے ایک تو وہ جو اس دین کے اصول وفروع کو سمجھتے اور جانتے ہیں اور اس مذہب کی کتابؐ سے واقف ہوتے ہیں یعنے پڑھے لوگ جنکو قرآن کریم میں الاحبار کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے اور دوسرے وہ لوگ ہوتے ہیں جو مدعیان صفائی قلب اور علوم باطنی ہوتے ہیں اور پیری مریدی کا سلسلہ جاری کرتے ہیں اس فرقے کو قرآن کریم میں الرھبان کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے ان دو لفظوں اور ان کے ہم معنے الفاظ ۔ مثلاً طاغوت ۔ جبت ۔ شیاطین وغیرہ کی تشریح پہلے آیتؐ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کی تفسیر کے ذیل میں ہو چکی ہے ۔ پس ہر ایک مذہبؐ کا حامی اور پیشوا اور مقتدا دو قسم کے ہوتے ہیں اسواسطے عوام الناس کی بھی دو ہی قسمیں ٹھیریں ایک تو وہ جو الاحبار یعنے دین کے علماء کے مقلد ہوتے ہیں جو بلا تدبر و تفکر و تعقل و تفقہ ان کے قرار دادہ حلال کو حلال اور حرام کو حرام قرار دیتے ہیں اگرچہ حقیقت میں اس کے عکس ہی کیوں نہو ۔ دوسرے وہ جو الرھبان یعنے اپنے دین کے مشایخ اور صوفیہ کی مریدی اور بیعتؐ کے سلسلہ میں داخل ہو کر اپنے زعم میں اپنے باطن کی صفائی کے لیئے کوشاں ہوتے ہیں اور یہی دو گروہ ہیں جن میں سے اکثروں کی نسبت اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ۔

یا یہا الذین اٰمنوا ان کثیراً من الاحبار والرھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ (پ۱۰ ع ۱۱)	اے ایمان والو! بہتؐ سے پڑھے ہوئے لوگ (مولوی ۔ پادری ۔ حبر ۔ پنڈت ۔ سوامی وغیرہ وغیرہ) اور بہتؐ سے صوفی لوگ (مشایخ ۔ گدی نشین ۔ سجادہ نشین ۔ فقرا ۔ زاہد ۔ جوگی ۔ سادھو ۔ سنیاسی ۔ راہب ۔ گرجوں میں

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا ۝

ان کا حال اُن لوگوں کا سا ہے جو بڑی بھاری آگ جلاکر روشنی کرتے ہیں، پھر جب وہ آگ ان چیزوں کو جو اُن آگ جلانیوالوں کے اردگرد ۔

رہنے والے مجرد مرد اور مجرد عورتیں مثلاً نن اور مس صاحبات وغیرہ وغیرہ) لوگوں کے مال قسم قسم اور گوناں گوں باطل اور ناجائز طریقوں سے کھاتے رہتے ہیں اور اپنے اپنے تابعداروں اور مریدوں اور مخلصوں کو اللہ تعالےٰ کے راہ سے روکے رکھتے ہیں"۔

قرآن مجید کی اوپر کی آیت اور دیگر آیات سے جو پہلے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کی تفسیر کے ذیل میں لکھی جاچکی ہے یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہے کہ کل دنیا میں ہر زمانہ میں ہر آن میں ہر دین کے اندر دو قسم کے لوگ ہوتے چلے آئے ہیں ایک احبار اور دوسرے رہبان۔ نیز ان کے تابعدار بھی دو قسم کے ہی ہوتے ہیں۔ چونکہ پہلے لوگ یعنی الاحبار پڑھے ہوئے ہوتے ہیں اور علوم ظاہری کے ماہر کہلاتے ہیں خشک اور محجوب مُلّا اگرچہ اپنے علم کو طمع نفسانی کی وجہ سے چھپاتے رہتے ہیں مگر پھر بھی علم علم ہی ہوتا ہے اسواسطے کبھی نہ کبھی اپنا جلوہ دکھانے سے نہیں رک سکتے ان کو اگر سمجھایا جاوے تو سمجھ سکتے ہیں اسواسطے علم کے نور کی وجہ سے وہ اپنے تعصب کو چھوڑ سکتے ہیں ان کے تابعداروں کا بھی یہی حال ہے۔ اور دوسرے لوگ الرہبان جو علوم ظاہری کے دشمن اور علوم باطنی کے مدعی ہوتے ہیں اور اگر پہلے کبھی علوم ظاہری پڑھ بھی چکے ہوں تو ان کو علوم باطنی ہونے کے بعد محض گمراہی اور ضلالت اور حجاب اکبر سمجھ بیٹھتے ہیں اور علوم شریعت سے یہ لوگ عموماً واقف نہیں ہوتے اسواسطے جہالت کی وجہ سے جو جو اعتقاد و جو جو عمل ان کے دل میں جم گیا ہے اسکو وہ کبھی بھی چھوڑ نہیں سکتے ان کے مریدوں کا بھی یہی حال ہے! اور یہی لوگ ہیں جو پہلی قسم کے لوگوں کو محض خشک ملا اور محجوب سمجھتے ہیں اور اپنے تئیں مزکی اور نور علی نور سمجھتے ہیں پس ان دو گروہوں اور ان کے تابعداروں اور مریدوں میں جتنے منافق ہوں گے اُن سب کا حال بھی اپنے اپنے متبوعوں کے حالوں کے موافق ہوگا۔ جو منافق احبار کے تابعدار ہوں گے وہ اسقدر ظالم اور متعصب اور اندھے اور بہرے اور گونگے نہ ہوں گے جتنے وہ منافق ہوں گے جو رہبان کے مرید اور تابعدار ہوں گے اسواسطے ذیل کی دو مثالیں انہیں دو قسم کے منافقوں کے لئے الگ الگ اور جدا جدا بیان کی گئی ہیں ایک ناری اور دوسری آبی۔ پہلی مثال یعنے ناری مثال تو اُن منافقوں کے لئے ہے جو احبار شیاطین کے تابعدار ہوتے ہیں یعنے خشک ملاؤں کے حال کے مطابق خشکی کی مثال دی ہے اور دوسری مثال یعنے آبی مثال اُن منافقوں کے لئے ہے جو رہبان شیاطین کے تابعدار ہوتے ہیں جو اپنے تئیں تر سمجھتے ہیں پس یہ مثال آبی ان کے حال کے موافق ہے۔ زیادہ تشریح خود ان مثالوں کی تفسیر کے وقت کی جاویگی انشاء اللہ تعالےٰ۔ پس منافقین احبار اور ان کے منافقین تابعداروں

۝ کی مثال اُن راہیوں اور مسافروں کے حال کے ساتھ دی گئی ہے جنکو کبھی کبھی اتفاق سے بوقت شب کسی ایسے جنگل بیابان یا کسی ایسے پہاڑ پر اترنا پڑا ہو جہاں درندے مثلاً شیر چیتے وغیرہ بود و باش رکھتے اور مسافروں کے مال و مویشی پر حملہ کرکے ان کو پھاڑ ڈالا کرتے ہوں اور پھر ان مسافروں کو اس دستور متعارف کے مطابق کہ جنگل یا پہاڑ میں اگر رات کو روشنی کردی جاوے تو پھر درندے اُس روشنی کے پاس تک نہیں پہنچتے بلکہ اُس سے دہشت زدہ اور خوف زدہ ہو کر دور تک بھاگ جاتے ہیں۔ وہاں درندوں کی اذیت سے بچنے کے لئے بڑی بھاری روشنی کرنی پڑے یہاں تک کہ وہ روشنی کرچکے ہیں اور اُس روشنی کے سبب سے بالکل امن اور بے خوف ہوجاویں یہانتک کہ کھٹکا باقی نہ رہے اور اس جنگل کی جسقدر تاریکیاں اُن کے اردگرد تھیں سب کی سب جاتی رہیں اور بالکل دن چڑھ جاوے اور ساری چیزیں نظر آنے لگ پڑیں۔ غرضکہ جب ایسا بڑا اُجالا ہو پڑے اور وہ حالت امن میں ہوجاویں تو اسوقت ناگاہ کوئی ایسی آفت آپڑے کہ وہ ساری کی ساری روشنی یکدم جاتی رہے اور وہ سب کی سب تاریکیاں جو پہلے تھیں پھر آموجود ہوں اور پھر تاریکی کا بھی یہ حال ہو کہ اپنا ہاتھ تک نظر نہ آسکے اور پھر اتفاقاً جہانتک سخت سے سخت اندھیرے جمع ہوسکتے ہوں وہ سب کے سب اُس رات کو اسی وقت جمع ہوجاویں مثلاً ایک تو خود رات کا اندھیرا دوسرے یہ کہ وہ رات بھی اُن راتوں میں سے ہو جن میں چاند نہیں ہوا کرتا یعنے رات بھی قدرتی طور پر تاریک ہو تیسرے یہ کہ اس وقت بادل وغیرہ بھی ہو چوتھے یہ کہ بادل بھی ہو تو کالی گھٹا ہو سفید بادل نہ ہو پانچویں یہ کہ وہ مکان بھی تنگ و تار ہو یعنے جنگل یا پہاڑ کے درختوں کے انبوہ کثیر بھی وہاں موجود ہوں یا پہاڑ کا دامن ہو یا اس سے بڑھ کر یہ کہ پہاڑ کا کوئی گوشہ یا غار ہو غرضکہ روشنی رہنے کے بعد پھر یکدم ایسا سخت اندھیرا چھا جاوے کہ اُس سے بڑھ کر اندھیرا نہ ہوسکتا ہو تو پھر ایسی صورت میں جو حال ان بے وطنوں شیر کے مونہہ میں پھنسے ہوئے راہیوں کا ہوتا ہے وہی حال اُن منافقوں کا ہوتا ہے پھر اللہ تعالےٰ ان دہشت زدہ مسافروں کی طرح دہانت کا نقشہ بتانے کے لئے فرماتا ہے۔ صُمٌّ بُكْمٌ

أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ

ہوتی ہیں اپنی روشنی سے ظاہر کر چکے تو اللہ تعالےٰ ان کی اس روشنی کو دور کر دیوے اور ان کو ایسے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں چھوڑ دیوے کہ کچھ بھی دیکھ نہ سکیں

فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ

پس ایسی صورت میں ایسے لوگ بہرے گونگے اندھے ہو جاتے ہیں جسکا انجام یہہ ہوتا ہے کہ وہ واپس بھی نہیں آسکتے چہ جائیکہ آگے بڑھ سکیں۔

عمیٌ فھم لا یرجعون۔ یعنی پھر ایسی نازک حالت میں ان مسافروں کے ہوش باختہ ہو جاتے ہیں باوجود آنکھوں کے ہونے کے محض اندھے اور باوجود زبان کے ہونے کے محض گونگے یا کم از کم ہکلے (جن کی زبان پر لکنت ہو) اور باوجود کان کے ہونے محض بہرے ہو جاتے ہیں یعنے اس دہشت کے سبب سے کہ ابھی کوئی شیر آکر کھا جاویگا ابھی کوئی چیتا آکر پھاڑ ڈالے گا۔ پس اس طرف سے وہ شیر آیا اُس طرف سے وہ چیتا آیا وہ بھیڑیا آرہا ہے غرضکہ اسی دہشت وحیرت میں بالکل اندھے اور بہرے اور گونگے ہو جاتے ہیں بول وہ نہیں سکتے کہ کسی سے مدد ہی لے سکیں دیکھ وہ نہیں سکتے کہ امن کی جگہ میں جاکر امن حاصل کر سکیں بلکہ ایسی دہشت وحیرت کے وقت اگر کوئی آواز بھی ویسے تو وہ اس آواز کو بسبب استغراق دہشت وحیرت سن بھی نہیں سکتے اور یہہ حالت ایسے گھبرے ہوئے مسافروں کی واقعی اور بالکل واقعی ہوتی ہے پھر ایسی صورت میں اُن کے لئے ممکن نہیں کہ وہ اپنے اُس گھر کو بھی جہاں سے وہ آچکے تھے واپس جا سکیں چہ جائیکہ وہ کوئی قدم آگے بھی بڑھا سکیں۔ پس بعینہٖ یہی حال ہے منافقین کی دو قسموں کا۔ شق اول تو بذریعہ زبانی دعوے ایمان اور بعض وقت بذریعہ بعض اعمال اسلامیہ۔ اور شق دوم بذریعہ دلی ایمان و زبانی اعتراف بلا عمل اس دنیا میں مسلمان بنے رہتے ہیں اور مسلمانوں کے باہمی حقوق میں ایک دوسرے کے حقدار بنے رہتے ہیں گو یا دنیا کے لق ودق جنگل کے ان مسافروں کی آگ اور روشنی ان کا وہ زبانی ایمان ہے جو اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اور جس کو یہہ لوگ اپنے امن ومحفوظ رہنے کا باعث سمجھے ہوئے ہیں شق اول تو محض دنیوی اغراض کے لئے سمجھی ہے اور شق دوم اپنے تئیں علاوہ دنیوی حقوق کے اخروی حقوق کے مستحق بھی جانتے ہیں غرضکہ دونو شقیں اسی حال میں ہوتی ہیں کہ اچانک ان کی موت آجاتی ہے اور یہہ سارے جھوٹے دعوے یا جھوٹے ایمان محض بیکار رہ جاتے ہیں اور جو ظلمات اور تاریکیاں اور اندھیرے اس جھوٹے دعوے ایمان کے پہلے بھی موجود تھے اور جب تک وہ زندہ رہے اس کی لوث اور آلایش سے پاک نہ ہوسکے وہی ظلمات اور تاریکیاں اب بعد مرگ ان کے گرداگرد جمع ہو کر انکو گھیر لیتی ہیں یعنے انہیں ظلمات کے ثمرات کا مزہ اب اُن کو چکھنا پڑتا ہے جو مطابق ایمان وعمل نزع کے وقت سے لیکر اُنپر جزا وسزا قریب ہوتی شروع ہو جاتی رہتی ہے۔ قبل اس کے کہ ہم یہہ بتاویں کہ یہہ پہلی مثال یعنے ناری مثال احبار اور احبار کے تابعداروں منافقین کے حال کے لئے ہے اسباب کا جتلانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہ کون سے ظلمات ہوتے ہیں جو منافقین کے اردگرد رہتے ہیں۔ اور جنکا ثمرہ اور نتیجہ بعد مرگ اُنپر روپیش ہو جاتا ہے عذاب آ ظاہر ہوتے ہیں سوان ظلمات کا پتہ ان آیات سے ملتا ہے :۔

اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابًا من دون اللّٰہ الاٰیۃ	"ان لوگوں نے اللہ تعالےٰ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور گدی نشینوں کو رب مقرر کیا ہے"
یٰایھا الذین اٰمنوا ان کثیرًا من الاحبار والرھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللّٰہ (رب ع)	"اے ایمان والو! بہت سے احبار لوگ (مولوی۔ عالم وغیرہ ہر مذہب وملت کا) اور بہت سے رہبان لوگ (صوفی۔ سادھو۔ وغیرہ ہر مذہب وملت کے) لوگوں کے مال ہر قسم کے باطل اور وجہ حرام سے کھاتے رہتے ہیں اور اللہ کی راہ سے اپنے اپنے تابعداروں اور مریدوں کو ہٹاتے رہتے ہیں"
واذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللّٰہ قالوا بل نتبع ما الفینا	"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ تعالےٰ نے نازل فرمایا ہے تم

علیہ اٰباءنا اولوکان آباؤھم لا یعقلون شیئًا ولا یھتدون
(پ۲ ع۵)

اسپر چلو تو جواب میں کہتے ہیں ہم تو بھی اسی پر چلیں گے جسپر ہم اپنے آباؤ اجداد (جسمانی
خواہ روحانی) کو چلتے دیکھتے چلے آئے ہیں کیا یہہ لوگ اپنے بزرگوں کی پیروی
نہیں چھوڑینگے اگرچہ ان کے بزرگ کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں اور نہ ہدایت کو قبول کرنا چاہتے
ہوں"

واذا فعلوا فاحشۃً قالوا وجدنا علیھا اٰباءنا واللہ امرنا بھا
قل ان اللہ لا یامر بالفحشاء اتقولون علی اللہ ما لا تعلمون
(پ۸ ع۱)

" اور جب یہہ کسی فاحشہ کے مرتکب ہوتے ہیں تو اس کے جواز کی دلیل یہہ پیش
کرتے ہیں کہ ہم اسی طریق پر اپنے بزرگوں کو چلتے دیکھتے چلے آئے ہیں اور اللہ
تعالےٰ نے اسکے کرنے کا حکم بھی دے رکھا ہے ۔ کہہ کہ اللہ تعالےٰ نے تو کسی قسم کے
فاحشہ کے ارتکاب کا حکم نہیں دیا کرتا کیا تم لوگ اللہ تعالےٰ کے ذمے ایسے ایسے
جھوٹ بولتے ہو جنکا تم کو مطلقًا علم تک بھی نہیں ہے یعنے بے سوچے سمجھے تم ایسا کام کرتے ہو"

ومن الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم ولا ھدًی ولا
کتٰب منیر ۰ ثانی عطفہ لیضل عن سبیل اللہ ۔ (پ۱۷ ع۹)

" اور بعض لوگ جن ہوں خواہ انسان ایسے ہی ہوتے ہیں کہ جنکے پاس نہ تو فطرت
سلیمہ و عقل صحیحہ ہوتی ہے اور نہ کسی قسم کی ہدایت ہی ہے جو انکو کسی عالم ربانی حکیم
حقانی سے حاصل ہوئی ہو ہدایت اور نہ اس کے پاس کتاب نورانی منزل آسمانی
ہے جسکا کام ہوتا ہے کہ وہ حق و باطل میں تمیز کردیتی ہے اللہ تعالےٰ کے بارے میں جھگڑا کرتا رہتا ہے تاکہ اللہ تعالےٰ کی راہ سے گمراہ کرتا ہے اور اسکا اپنا حال یہہ
ہے کہ باوجود اسقدر متکبر ہے کہ اپنا پہلو مروڑتا رہتا ہے یعنے اسکو کوئی سمجھائے تو حق سے روگردانی کر جاتا ہے"

ما سمعنا بھٰذا فی الملۃ الاٰخرۃ ان ھٰذا الا اختلاق ۰ (پ۲۳ ع۱۰)

" یہہ بات تو ہم نے کبھی بھی دوسرے مذہب میں سنی نہیں پس یہہ بات تو سب ہی
سراسر من گھڑت "

قال فما بال القرون الاولٰی ۰ قال علمھا عند ربی فی کتٰب
لا یضل ربی ولا ینسٰی ۰ (پ۱۶ ع۱۱)

" فرعون نے پوچھا کہ اچھا بتاؤ تو سہی کہ پہلے لوگوں کا کیا حال ہے موسیٰ نے جواب دیا
کہ ان لوگوں کا علم میرے رب کے پاس اس عظیم الشان کتاب کے اندر موجود ہے
میرا رب ایسا نہیں ہے کہ وہ کبھی بہک جاوے اور ایسا بھی نہیں ہے کہ اس کی
یاد سے کچھ جاتا رہے "

خلاصہ ان آیات کا یہہ ہے کہ انسان کے اردگرد جو ظلمات اور تاریکیاں جمع رہتی ہیں اور جن کی وجہ سے انسان روشنی اور اجالا نہیں دیکھ سکتا یہی ہیں
اوّل ظلمت شیاطین احبار دوم ظلمت شیاطین رہبان سوم ظلمت آبائی یعنے تمام رسومات و رواج متعلق بدین و دنیا ۔ چہارم خودسری و اصرار بجہالت
خود بلا علم و بلا ہدیٰ و بلا کتاب منیر پنجم ظلمت انحصار ہدایت ہدایت آخری و لہذا قبول دین بشرط وجدان در پیشینیان یعنے یہہ سمجھنا بھی ظلمت ہے کہ پہلے لوگ جو گزر چکے
ہیں پس آسمانی کتاب کے سمجھنے کا مدار اور انحصار انہیں پر تھا اب ہم بالکل تدبر و تفکر سے عاری ہیں اگر یہہ باتیں جو تم اب بتا رہے ہو پہلے لوگوں میں پائی جاوینگی تو ہم مانینگے
ورنہ نہیں ۔ پس جسقدر کتابیں یا جسقدر منافقین ہیں یا جسقدر سید عمل مسلمان ہیں وہ سب کے سب حالات خود انہیں ظلمات کے اندر پھنسے ہوئے ہیں پس اگر وہ قرآن مجید
کی تعلیم کی روشنی سے پورے پورے مفید نہیں ہوتے یا بالکل ہوتے ہی نہیں تو اپنی اپنی حالت کفر یا نفاق یا ایمان کے موافق بعد مرگ جزا و سزا پائیں گے
پس ان منافقین کا حال ویسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے آگ جلانیوالوں مسافروں کا حال بیان فرمایا ہے اپنی طرح طرح کے ظلمات کے اندر اسقدر ایمانی وحشتوں
اور خوفوں میں مبتلا ہوتے ہیں کہ آنکھ اور کان اور زبان سب کے سب معطل بیکار کر ڈالتے ہیں ان کو یہہ وہم ہوتا ہے کہ اگر کسی عالم ربانی سے یہہ مسئلہ پوچھیں
تو ایسا نہو کہ وہ ہم کو پھیرے اور ہم کو کافر کرسے ۔ وہ سچی اور پکی اور کامل ہدایت کو آنکھ سے دیکھتے نہیں کہ مبادا یہہ کتاب ہم کو کافر نہ کر ڈالے اور ہمارے ایمان سابقہ پر پانی
نہ پھیر ڈالے علی ہذا القیاس وہ ایسی ربانی کتاب اور ایسے ربانی علماء کی بات تک سنتے نہیں کہ مبادا یہہ اسکا کلام اثر نہ کر ڈالے ۔ پس جب ان لوگوں نے اپنا حال آپ
ایسا بنا رکھا ہے تو پھر ان لوگوں کے کفر و نفاق کے چھوڑنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ۔ اب ہم یہہ بتاتے ہیں کہ کیوں یہہ مثال نار ہی فقط احبار یعنے مولوی لوگوں
اور ان کے تابعدار منافقین کے لئے مختص ہے اور رہبان اور ان کے تابعدار منافقین کے لئے اگلی مثال یعنے آبی مثال مختص ہے سو واضح ہو کہ اس مثال
میں مثلھم مثل ہے اور مثل الذی استوقد نارًا مثل بہ ہے اور وجہ شبہ روشنی اور بچاؤ اور امن و امان ہے اور مثل کی

آگ اور روشنی اور امن سے مراد نور علم ظاہری ہے گو وہ علم کیسی ہی گمراہی کا علم کیوں نہ ہو جیسا کہ اوپر کی مسافروں کی آگ کا حال ہے کہ اس سے وہ مسافر اپنے تئیں محفوظ و مامون عن الآفات والبلیات سمجھ بیٹھتے ہیں۔ اور اپنی اس جگہ کو جہاں آگ جلاتے ہیں اپنا مقام امن و امان بنا بیٹھتے ہیں ویسے ہی ہر ایک مذہب و ملت کے عالم شیطانی کا حال ہے کہ وہ اپنے علم پر مغرور ہو کر اور قرآن مجید کی روشنی سے محروم رہ کر یہی سمجھ بیٹھتا ہے کہ وہ ہر ایک قسم کی آفت و بلا سے محفوظ اور مامون ہے اور ان کے تابعداروں کا بھی یہی حال ہوتا ہے کہ وہ اپنے عالموں اور مولویوں کے علم کی آڑ میں انہیں کے علموں کے کھیر میں پڑے ہوئے اپنے تئیں بالکل محفوظ و مامون سمجھ بیٹھتے ہیں اور کتاب الٰہی کے سمجھنے اور سننے یا دریافت کرنے اور اس کی نسبت اہل حق اور اہل ذکر کے ساتھ گفتگو کرنے کے لئے زبان تک نہیں ہلاتے اور ہلانے کی پرواہ نہیں کرتے اور جب کبھی اپنے عالموں اور مولویوں سے دریافت کرتے بھی ہیں تو وہ ان کی طفل تسلی کر دیتے ہیں کہ ہمارا دین بڑا پرانا دین ہے ایک ارب اور کئی کروڑ برس سے یہی پیغمبر کا ہے ہم ہی حق پر ہیں اور باقی کے سب لوگ گمراہ ہیں مگر چونکہ ہوتے ہیں یہ لوگ صرف پڑھے ہوئے علوم ظاہری اور کہلاتے بھی ہیں محض ظاہری اور خشک اور محجوب علما اور باطنی علوم کا دعوے ان کو ہوتا نہیں اور نہ ان کے تابعداروں کو ان کے باطنی علوم کے جاننے یا دعوے کرنے کا وہم و گمان ہوتا ہے اسواسطے اگر اہل الحق اور اہل الذکر کے ساتھ ان کو خود یا ان کے تابعداروں کو صحبت کا اتفاق ہو جاوے تو قوی امید ہے کہ ان کو اُن کی صحبت سے فائدہ عظیم حاصل ہو مگر جو لوگ مدعیان علوم باطنی ہوتے ہیں اور اپنے مریدوں میں بھی اسی طرح مشہور ہوتے ہیں گو وہ کیسے ہی پڑھے ہوئے بھی کیوں نہ ہوں وہ اپنے علم کو خاک میں ملا کر بلکہ اس کی سخت حقارت کر کے اپنے باطنی علوم کی ترویج اور اشاعت میں رات دن مصروف رہتے ہیں اور علمائے حقانی اور حکمائے ربانی کو محض محجوب اور خشک اور ظاہری علما مشہور کر کے نہ خود ان کے پاس تک پہنچتے ہیں اور نہ اپنے مریدوں کو وہاں تک پہونچنے دیتے ہیں بلکہ اگر بالاتفاق کا اتفاق ہو بھی جاوے تو اتنا کہہ کر کہ علمائے ظاہری کو ان باطنی منازل اور مسالک کا پتہ نہیں ہوتا اسواسطے وہ جو کچھ بھی کہتے ہیں جو ان کے منزل و مسلک کے خلاف ہوتا ہے سب کا سب برا اور گناہ اور خلاف ایمان بلکہ موجب گمراہی و ہلاکت ہوتا ہے تو ایسے لوگوں کا سمجھنا پہلی قسم کے لوگوں سے بڑھ کر کہیں سخت ہوتا ہے بلکہ قریب قریب محال کے ہوتا ہے اور سب سے بڑھکر ان لوگوں کا دعوے یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو حسب استعداد مریدین بڑے بڑے روحانی سیر کراتے ہیں اور ملکوت اور جبروت اور لاہوت کی واقفیت کراتے ہیں اور جو جو منازل سلوک ان کے ہاں مقرر ہیں ان کو اپنی دلی توجہ سے طے کراتے رہتے ہیں اور کسی منزل پر بھی اُن کو ٹھہرنے نہیں دیتے بلکہ خواہ کیسے ہی مضایق اور سخت رستے میں آویں سب اتر واتے اور پھند واتے جاتے ہیں اور مریدوں کو بھی ایسا ہی خیال ہوتا ہے کہ ہمارے مرشد اور گرو واقعی اسی قسم کے ہیں اسواسطے ضروری ہوا کہ اللہ تعالےٰ دونو قسم کے لوگوں کی الگ الگ مثالیں بیان فرماوے پس یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے پہلی مثال ناری مختصر الفاظ میں بیان فرمائی ہے اور اسکو جلد ختم کر دیا ہے اور دوسری مثال بہت لمبی بیان فرمائی ہے اور اس میں کئی قسم کے وعید اور خطرے بیان فرمائے ہیں۔

واضح ہو کہ جس قدر لمبے چوڑے دعوے یہ رہبان کرتے رہتے ہیں وہ سب کے سب طومار طومار باطیل ہوتے ہیں جو اللہ کے بندے ہوتے ہیں اللہ تعالےٰ اُن کے سینے آپ کھولتا ہے پھر وہ علی نور من ربہم ہو جاتے ہیں اور ان کے اپنے اپنے اخلاص کے موافق اللہ تعالےٰ ان کا نور اور شرح صدر کرتا رہتا ہے اور ایسے لوگ ہی حقیقت میں علمائے ربانی اور حکمائے حقانی ہوتے ہیں اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضو کی چال اُن میں پائی جاتی ہے ہم یہاں شیاطین احبار اور شیاطین رہبان کا ذکر کر رہے ہیں انشاء اللہ تعالےٰ کسی محل مناسب پر بسط کے ساتھ ان شیاطین رہبان کی قلعی کھولی جاوے گی۔ غرضکہ پہلی مثال میں اُن مسافروں کا ذکر فرمایا جو خشکی میں سیر کرتے کرتے رات کے وقت ایک جگہ پر بیٹھ جاتے ہیں اور آگے چلنا بالکل بند کر دیتے ہیں۔ کیونکہ ظاہری علوم والے بچارے صرف درس تدریس اور مسئلہ مسایل کی تعلیم میں ہی مصروف رہتے ہیں۔ وہ منازل طے نہیں کراتے۔ اور دوسری مثال میں اُن مسافروں کا ذکر فرمایا جو عین حالت بارش میں چل رہے ہوں اور دم بھر کے لئے کسی جگہ نہ ٹھیریں اور نہ ٹھیرنا چاہیں۔ بلکہ خواہ کچھ ہی ہو وہ رستہ چلنا نہیں چھوڑتے اور برابر متواتر لگاتار چلتے رہتے ہیں کیونکہ مدعیان علوم باطنی کا دعوے بھی یہی ہے۔ کہ وہ نہ تو خود ہی کسی منزل پر ٹھیرتے ہیں۔ اور نہ اپنے مریدوں کو کسی جگہ ٹھیرا سکتے ہیں بلکہ برابر دعوے پر دعوی کرتے چلے جاتے ہیں اور مرید بھی یہی مانتے اور کہتے چلے جاتے ہیں کہ۔

اے برادر بے نہایت درگہیست هرچه بروے می رسی بروے مایست

پس اب ہم وہ مثال لکھتے ہیں جو اللہ تعالےٰ نے ان رہبان کے حال کے مناسب حال بیان فرمائی ہے جنکا دعوے ہے کہ وہ برابر منزلیں طے کرتے چلے جا رہے ہیں اور اپنے مریدوں کو بھی آسمان کی سیر کرا رہے ہیں اور کہیں نہیں ٹھیرتے۔

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ

یا اُن کا حال اُن مسافروں کے حال کا سا ہو جاتا ہے جو ایسی سخت بارش میں جو آسمان سے برس رہی ہو عین حالت بارش میں چلے جا رہے ہوں جس کے اندر سخت سخت گھٹا ٹوپ اندھیرا اور سخت گرج[1] اور سخت چمک ہو

يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ

پھر ایسی صورت میں ایسے مسافروں کا یہہ حال ہو جاتا ہے کہ وہ اُن طرح بطرح اور گوناں گون کڑکوں[2] کی وجہ سے جو اُن کے سامنے گر رہی ہوتی ہیں اُس موت کے ڈر کے مارے جو اُن کو اس نازک حالت

ف اس مثال میں صیب ۔ ظلمت ۔ رعد ۔ برق ۔ کی تنوین تعظیم کے لئے ہے اسواسطے اس تنوین کا ترجمہ جا بجا سخت کیا گیا ہے ۔ اصابع کا ترجمہ انگلیاں ہے یہہ لفظ خود بتا رہا ہے کہ ایسے مسافروں کی حالت نہایت ہی نازک ہوتی ہے کہ بجائے انگلیوں کے سروں کے اُن کو ساری انگلیاں کانوں میں ٹھونسنی پڑتی ہیں ۔ من الصواعق میں ا ل عہدی حضوری ہے ۔ اور صواعق جمع صاعقہ ہے اسواسطے اسکا ترجمہ یہہ کیا گیا ہے کہ "ان طرح بطرح اور گوناگون کڑکوں کی وجہ سے جو اس حال میں زمین پر گر رہی ہوں"۔ الموت میں ا ل عہدی حضوری ہے ۔ اسواسطے اسکے مطابق اسکا ترجمہ بھی کیا گیا ہے ۔ اَوْ عطف ہے ۔ الذی استوقد نارا پر یعنی اصل عبارت یوں ہوئی او مثلھم کمثل ذوی صیب یعنی یا ان کا حال اُن بارش کے اندر چلنے والوں کے حال کا سا ہوتا ہے نیز خود اگلا لفظ یجعلون اصابعھم بتا رہا ہے کہ مشبہ بہ اس مثال میں ذوی العقول ہیں نہ کہ صیب یعنی بارش اور صیب اس بارش کو کہتے ہیں جو برس رہی ہو اور چلنے والے مسافر اسواسطے ترجمہ کیا گیا ہے کہ اسی مثل میں آگے الفاظ مشوا فیه اور قاموا یعنے چل پڑتے ہیں اور کھڑے رہ جاتے ہیں مذکور ہیں ۔ لفظ اَوْ زیادہ تر قابل تشریح ہے ۔ واضح ہو کہ کلمہ اَوْ عربی زبان میں کئی معنوں کے لئے آتا ہے ۔ اوّل اَوْ تشکیکیہ جو شک کے واسطے آتا ہے اسوقت متکلم کو معطوف علیہ یا معطوف میں شک ہوتا ہے ۔ دوم اَوْ تخییریہ یہہ وہاں بولا جاتا ہے جہاں متکلم مخاطب کو اختیار دیدیتا ہے کہ دو یا دو سے زیادہ چیزوں میں سے جو چاہے اختیار کرے سوم ۔ اَوْ تنویعیہ یہہ وہاں بولا جاتا ہے جہاں متکلم کو انواع و اقسام کی چیزیں بیان کرنا منظور ہوتا ہے تاکہ مخاطب کو معلوم ہو جاوے کہ متکلم قسم قسم کی چیزیں بیان کر رہا ہے ۔ چہارم ۔ اَوْ اضرابیہ یہہ وہاں بولا جاتا ہے جہاں اَوْ بمعنے بَلْ ہوتا ہے اور مقصود اس سے متکلم کا یہہ ہوتا ہے کہ معطوف کے معنوں میں معطوف علیہ کے معنوں میں زیادتی اور ترقی ہے اَوْ کے یہہ مختلف معانی قرآن مجید میں کئی جگہ پر آئے ہیں ۔ اول تردیدیہ کے لئے چند آیات بطور استشہاد لکھی جاتی ہیں ۔

اکرمی مثوٰہ عسیٰ ان ینفعنا او نتخذہ ولدا ٥ (پ۱۲ ع ۱۲)	عزیز مصر نے اپنی عورت سے کہا کہ اس کی (یوسف کی) خوب اچھی طرح پرورش کرنا امید پڑتی ہے کہ ہم کو یہہ کچھ فائدہ پہونچاوے یا شاید اس کو ہم متبنّٰی ہی بنا لیں"
لا تقتلوہ عسیٰ ان ینفعنا او نتخذہ ولدا الآیہ (پ۲۰ ع ۴)	"فرعون کی عورت نے کہا کہ تم لوگ اسکو (موسیٰ کو) قتل نہ کرنا امید پڑتی ہے کہ یہہ ہم کو نفع پہونچاوے یا شاید ہم اسکو متبنّٰی ہی بنا لیں"
قل هل تربصون بنا الا احدی الحسنیین ونحن نتربص بکم ان یصیبکم الله بعذاب من عنده او بایدینا فتربصوا انا معکم متربصون ٥ (پ۱۰ ع ۱۳)	"تو کہہ اے دین کے دشمنو تم ہمارے حق میں اُن دو بھلائیوں میں سے جنکا ذکر قرآن مجید میں آچکا ہے (یعنے مومن جہاد میں شہید ہو جاوے تو بھی جنت اور اگر فتح پاوے تو بھی جنت کا مستحق ہوتا ہے) ایک بھلائی کا تو انتظار کرتے ہی ہو اور ہم

[1] گرج وہ سخت آواز ہے جو بادلوں سے نکلتی ہے ۔ [2] کڑک اُس بجلی کو کہتے ہیں جو زمین پر گرتی ہے جسکے اندر آگ ہوتی ہے جسپر یہہ گرتی ہے اسکو جلا کر راکھ کر دیتی ہے ۔ ۱۲ ۔

حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ بِالْكٰفِرِيْنَ

میں اپنے سامنے نظر آرہی ہوتی ہے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالےٰ ایسے لوگوں کو جو کفر کرتے رہتے ہیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔

بھی اسی طرح تمہارے حق میں دو برائیوں میں سے ایک کے منتظر ہیں یعنی یہہ کہ یا تو اللہ تعالےٰ تم پر اپنے ہاں کا بڑا بھاری عذاب نازل کرے گا یا ہمارے ہاتھوں سے تم کو شکست دلاوے سو خیر تم اس انتظار میں رہو۔ اور ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہے ہیں"۔

كذلك ما اتى الذين من قبلهم من رسول الا قالوا ساحر او مجنون ٥ (پ۲۶ ع۲)

"اسی طرح جب کبھی کوئی رسول بھی اُن لوگوں کے پاس جو پہلے ہو گزرے ہیں آتا رہا ہے تو وہ یہی کہتے رہے ہیں کہ یہہ رسول تو کوئی جادوگر ہے یا یہہ تو کوئی دیوانہ ہے"۔

ان آیات میں آو تشکیہ ہے۔ اب آو تخییریہ کے لئے چند آیات لکھی جاتی ہیں۔

وقيل لهم تعالوا قاتلوا فى سبيل الله او ادفعوا الاية (پ۴ ع۶)

"ان لوگوں (منافقوں) کو کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کے رستہ میں جہاد کرو یعنی اپنے پرے ہی دشمنوں کو ہٹا دو یعنی اگر جہاد کو خدا کا کام نہیں سمجھتے ہو تو پھر اپنے مال و جان ہی کی حفاظت کا خیال کر کے دشمنوں کو ہٹاؤ"۔

يا يها الذين امنوا خذوا حذركم فانفروا ثبات او انفروا جميعا ٥ (پ۵ ع۷)

"اے ایمان والو! اپنے بچاؤ کے سامان یعنی سامانِ جنگ ساتھ لیکر جہاد کو جایا کرو بس باہر نکلتے وقت تم کو اختیار ہے کہ یا تو کمپنی کمپنی ہو کر نکلا کرو یا سب کے سب ایک ساتھ نکل کھڑے ہوا کرو یعنی حسبِ اقتضائے وقت مناسب کیا کرو"۔

واذ قالوا اللهم ان كان هذا هو الحق من عندك فامطر علينا حجارة من السماء او ائتنا بعذاب اليم (پ۹ ع۱۸)

"اور وہ وقت بھی یاد کرو کہ جب کفار نے یہہ بددعا مانگی اے الٰہی اگر یہہ دینِ اسلام ہی برحق ہے اور تیری طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور بڑا عذاب دردناک نازل کر"۔

وقال الذين كفروا لرسلهم لنخرجنكم من ارضنا او لتعودن فى ملتنا (پ۱۳ ع۱۴)

"اور کافر لوگ اپنے اپنے رسولوں کو کہتے رہے ہیں کہ ضرور ضرور اپنے ملک سے نکال دینا پڑے گا نہیں تو تم کو خواہ مخواہ ہمارے مذہب میں پھر آنا پڑے گا"۔

ان آیات میں آو تخییریہ ہے یعنی یہہ کام کرو خواہ یہہ کام۔ اب آو تنویعیہ کے لئے چند آیات لکھی جاتی ہیں۔

واذ يمكر بك الذين كفروا ليثبتوك او يقتلوك او يخرجوك ويمكرون ويمكر الله والله خير الماكرين ٥ (پ۹ ع۱۸)

"اور اُس وقت کو یاد کر جب کافر لوگ تیرے خلاف منصوبے باندھ رہے تھے تاکہ تجھے قید کر رکھیں یا تجھے قتل کر ڈالیں یا تجھے جلاوطن کر ڈالیں اور وہ اپنی اپنی تدبیریں کرتے اور منصوبے باندھ رہے تھے اور اللہ تعالےٰ جو مدبرِ حقیقی ہے اور سارے جہان کے انتظام کی تدابیر کرتا ہے کل عالم کی تدبیر کرتا تھا جس میں ان کافروں کے بندوبست کی بھی تدبیر تھی اور اللہ تعالےٰ سب سے بہتر اور سب سے بہتر مدبر ہے"۔

وان كنتم مرضى او على سفر او جاء احد منكم من الغائط او لامستم النساء فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا طيبا (پ۵ ع۴)

"اور اگر تم بیمار ہو جاؤ یا سفر کر رہے ہو یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے ہو کر آوے یا اپنی عورتوں سے ہم بستر ہو غرضیکہ ان میں سے کوئی بھی صورت ہو اور تم کو پانی پر قدرت نہ ہو تو پھر کوئی سی پاک مٹی لیکر تیمم کر لو"۔

ومن يقاتل فى سبيل الله فيقتل او يغلب فسوف نؤتيه اجرا عظيما ٥ (پ۵ ع۷)

"اور جو کوئی اللہ کی راہ میں جہاد کرے تو پھر دو باتوں میں سے کوئی سی بات ہو جاوے یعنی یا وہ شہید ہو جاوے یا غلبہ پاوے تو جلد اسکو ہم بڑا بھاری اجر دینگے"۔

افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ط (پ۴ ع ۶)

"کیا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) پہلے رسولوں سے کوئی نرالا رسول ہے اگر وہ فوت ہو جاوے یا مارڈالا جاوے تو کیا تم پھر الٹے پاؤں کفر کی طرف لوٹ جاؤ گے؟"

اق آیات میں او تنویعیہ ہے اب ہم آؤ اضرابیہ کے لئے چند آیات لکھتے ہیں۔

ثم قست قلوبکم من بعد ذلک فھی کالحجارة او اشد قسوة ط (پ۱ ع ۹)

"اس کے بعد تمہارے دل پھر سخت ہوگئے پس وہ سختی کے لحاظ سے گویا کہ پتھروں کی طرح ہوگئے بلکہ ان سے بھی سخت تر۔"

فلما کتب علیھم القتال اذا فریق منھم یخشون الناس کخشیة اللہ او اشد خشیة ج (پ۵ ع ۱)

"پس جو ہیں ان پر جنس قتال (یعنے مال وجان وغیرہ کا خرچ کرنا) فرض ہوتا ہے تو ان میں سے کچھ لوگ تو ایسے نکل پڑتے ہیں جو اپنے ابنائے جنس سے یوں ڈرتے اور خوف کھانے لگتے ہیں کہ جیسے خدا سے ڈرنا چاہئے تھا بلکہ خدا سے ڈرنے سے بھی بڑھ کر اپنے ابنائے جنس سے ڈرتے ہیں۔"

وارسلنٰہ الی مائة الف او یزیدون ۰ (پ۲۳ ع ۹)

"اور ہم نے اس (یونس) کو لاکھ آدمی کی طرف بھیجا بلکہ لاکھ سے بھی زیادہ تھے یعنے جب حاضرین موجود کے ساتھ وہ لوگ بھی جو اس وقت غیر حاضر تھے مگر پیچھے آملنے تھے ملائے جاویں تو لاکھ سے بھی بڑھ جاویں"

ارءیت الذی ینھی ۰ عبدا اذا صلی ۰ ارءیت ان کان علی الھدی او امر بالتقوی ۰ ارءیت ان کذب وتولی ۰ الم یعلم بان اللہ یری ۰ (پ۳۰ ع ۲۱)

"کیا تو اس شخص کو دیکھتا ہے جو عظیم الشان بندے کو روکتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے کیا تو اس بات کو دیکھتا ہے کہ وہ عظیم الشان بندہ جسکو روکا جارہا ہے یقینی طور پر کامل صفات وجامع کمالات والی ہدایت کے اوپر چل رہا ہے اور نہ صرف خود ہی چل رہا ہے بلکہ ہر قسم کا تقوے اختیار کرنے کے لئے اوروں کو بھی ہدایت کرتا ہے کیا تو اس بات کو دیکھتا ہے کہ وہ روکنے والا بیشک یقینا یقینا کامل ہدایت کی تکذیب اور اس کے قبول کرنے سے روگردانی کر رہا ہے کیا اس روکنے والے شخص کو اتنی بھی خبر نہیں کہ اللہ تعالے اس کے ہر حال کو دیکھ رہا ہے۔"

ان آیات میں آؤ اضراب یعنے بل آیا ہے پس یہاں او اضرابیہ ہے غرضکہ آؤ قرآن مجید میں کئی معنوں کے لئے آیا ہے سو آیت زیر تفسیر میں آؤ تنویعیہ ہے باقی تینوں معنوں میں سے کوئی معنے اس جگہ مراد نہیں ہوسکتا یعنے یہ کہ کلمہ آؤ یہاں یہ بتا رہا ہے کہ ایک قسم کے منافقوں کی مثال اوپر مذکور ہوچکی ہے اب دوسری قسم یا نوع کے منافقوں کی مثال بیان کی جاتی ہے۔ اور وہ مثال یہ ہے کہ پہلی مثال کی طرح یہاں بھی فرض کرو کہ کسی لق ودق جنگل میں کچھ مسافر عین اس حالت میں سفر کر رہے ہوں کہ اتفاق سے وقت بھی رات کا ہو اور رات بھی کالی سیاہ یعنے چاند کی راتوں میں سے کوئی رات نہ ہو اور پھر بادل بھی کالی گھٹا ہو اور مکان بھی اتفاق سے ایسا ہو کہ وہاں کسی قسم کی روشنی کا امکان بھی نہ ہو حتی کہ فرض کرو کہ وہ جنگل کا رستہ اسی قسم کا ہو کہ وہاں درختوں کا انبوہ کثیر ہو اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ رستہ پہاڑی ہو اور پہاڑ بھی ایسے ہوں کہ جن کی چوٹیوں کے اوپر سے جا کے جا کر مل جانے سے رستہ بالکل تاریک ہو گویا وہاں دن کو بھی رات ہو۔ پھر ایسے مکان سے مکان سخت اور پرلے درجے کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ایسی ہی وہ بارش بھی ہو جو موسلا دھار ہو اور جس میں نہایت سخت مہیب اور ہیبتناک گرجیں اور نہایت ہی سخت اور تیز چمک ہو تو پھر ایسے جنگل میں ایسے وقت میں ایسی حالت میں اپنے مسافروں کا جو واقعی اور طبعی اور قدرتی حال ہوتا ہے وہی حال ہوتا ہے دوسری قسم کے منافقوں کا یعنے ان منافقوں کا جو شیاطین رہبان اور ان کے نابکاروں میں سے ہوتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان مسافروں کی اس واقعی نازک حالت کو جو ایسے نازک وقت میں ہوتی ہے ذہن نشین کرانے کے واسطے فرمایا ہے یجعلون اصابعھم الایہ یعنے ایسے مسافروں کا ایسے وقت میں یقینی اور اضطراری اور لفظی الادی حال اس طرح پر ہوجاتا ہے کہ گرجوں میں سے جو خاص قسم کی کڑکیں نکل کر کبھی اس طرف اور کبھی اس طرف گر پڑتی ہیں ان کے ڈر کے مارے کہ مبادا یہ کڑکیں ہم پر گر کر ہمیں جلا کر راکھ نہ کر ڈالیں۔ انھوں نے ڈر ویشتہ کو قدرتی طور پر اپنے کانوں میں اپنی انگلیاں ٹھونس رکھی ہیں کہ ان کڑکوں اور گرجوں کی آواز ہمارے کانوں تک نہ پہونچ سکے۔ غرضکہ یعنیہ یہی مثال رہبان شیاطین اور ان کے نابکاروں منافقین کی ہے اب ہم اس کی کچھ تشریح کرتے ہیں۔ بتوفیقہ تعالے۔ رب اشرح لی صدری ویسرلی امری واحلل عقدة من لسانی یفقھوا قولی واجعل لی وزیرا من اھلی۔ رب زدنی علما اٰمین۔۔

اس مثال میں بارش سے مراد قرآن مجید ہے اور نیز انبیاء سابقین علیھم السلام کی جملہ سماوی کتابیں جو اصل میں بعض بعض اجزا قرآن مجید ہی کے ہیں اور اس

بارش میں چلنے والے مسافروں سے مراد ہے فرقہ منافقین رہبان اوران کے تابعدار منافقین کیونکہ اُن کا بھی دعوے ہے کہ ہم مومن ہیں دیکھو ان کے یہہ قول جو پہلے تفسیر میں مذکور ہوچکے ہیں (امنا باللہ وبالیوم الاخر . . . . انما نحن مصلحون . . . . انؤمن کما امن السفہاء . . . . واذا لقوا الذین امنوا قالوا امنا . . . .) اور دعوے بھی وہ ہے جس سے اوپر ہو ہی نہیں سکتا یعنے یہہ کہ باقی کے مسلمان (جو حقیقت میں صاف صاف اور سچے مخلص مومن ہوتے ہیں) محض خشک مسلمان ہیں مغز قرآن سے واقفیت نہیں رکھتے محض استخوان قرآن پر گرے پڑتے ہیں حقیقی اصلاح اور عملی ایمان جو دنیا سازی کی پالیسی اور دنیا داری کی مصلحت پر مبنی ہے وہ تو ہم میں باقی رہا پاگل پنا اور دیوانہ پنا سو ان مسلمانوں میں ہے جو عامل بالقرآن کہلا کر صرف خشکی ہی خشکی چھانٹ رہے ہیں باطن کی اُن کو کچھ خبر ہی نہیں۔ طریقت معرفت۔ اور حقیقت کی حقیقت سے محض ناآشنا ہیں سو کبھی شریعت کا لٹھہ کبھی اسکے سر پر اور کبھی اسکے سر پر پڑ رہے مارے جا رہے ہیں انما نحن مصلحون اور انؤمن کما امن السفہاء کا یہی مفہوم ہے کہ بعض باطل مدعیان نصاری باطنی اپنے ایمان و اصلاح کو حقیقی ایمان تصور کرتے ہیں اور سچے خالص مومنین کو محض خشک ملا اور مولوی خشک والے سمجھتے ہیں اللہ تعالےٰ ان تصوف کے مکاروں اور باطل مدعیان کو اس مثال میں منافق بیان کرتا ہے قرآن مجید حقیقت میں باران رحمت ہے جس کی پیروی کا ان لوگوں کو اقرار اور دعوے ہے مگر یہہ ایسی بارش ہے کہ اسکے ساتھ ہی قسم کے اندھیرے اور بڑی بڑی سخت گرجیں اور بڑی سخت چمکیں اور بڑی بڑی مہلک کڑکیں ہیں جب چمک دیکھ پاتے ہیں تو کچھ آگے کو ایک دو قدم بڑھ نکلتے ہیں جب برق ہٹ جاتی ہے تو پھر وہیں کے وہیں کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں اور کڑکوں کا یہہ حال ہے کہ ان کی وجہ سے موت ان کو سامنے نظر آرہی ہے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونسے لیتے ہیں کہ مبادا مر نہ جاویں اب ہم بتاتے ہیں کہ کیوں بارش سے مراد قرآن مجید ہے اور بارش کے متعلقات یعنے ظلمات و گرج و کڑک و چمک کیا کیا مراد ہے اور ان چلنے والے مسافروں کے ساتھ کیوں منافقین رہبان اور ان کے تابعداروں کو مشابہت دی گئی ہے۔ قرآن مجید کے باران رحمت ہونے کے بارہ میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

وجعلنا من الماء کل شیء حی (پ ۱۷ ع ۳)	"اور ہم نے جنس ماء سے ہر ذی حیات چیز پیدا کی ہے"
ونزلنا من السماء ماء مبارکا فانبتنا به جنت وحب الحصید . . . . واحیینا به بلدۃ میتا (پ ۲۶ ع ۱۵)	"اور ہم اس آسمان سے بڑی عمدہ بارش اتارتے ہیں جس میں برکت رکھی گئی ہے پھر اس مبارک بارش سے بڑے بڑے بھاری اور طرح طرح کے باغات اگاتے ہیں اور کھیتوں کے اناج جو کاٹے جاتے ہیں . . . . اور اس مبارک بارش سے ہم بالکل مرگئی ہوئی بستی کو زندہ کر دیتے ہیں"

غرضکہ جس طرح پانی کی وجہ سے اس زمین کی ساری چیزیں اپنی اپنی حیات پاتی ہیں اور اگر پانی نہ ہو تو مر جاتی ہیں اسی طرح قرآن مجید سے جملہ ذوی العقول کو حیات روحانی حاصل ہوتی ہے اور چونکہ پانی اصل میں آسمان کی طرف سے اترتا ہے اور زمین کو حیات بخشتا ہے اسی طرح روحانی بارش بھی آسمان سے ہی اترتی ہے اور جملہ معشر الجن والانس کی حیات اسی پر ہے کہ واسطے ادیان نافع اور ان پر ضروری ہے اس کی نسبت اللہ تعالےٰ خود ارشاد فرماتا ہے :-

یا یها الذین امنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم (پ ۹ ع ۱۷)	"اے ایمان والو تم اللہ اور اسکے رسول کی بات صدق دل سے قبول کرو جب وہ تم کو ایسی بات کی طرف بلاتا ہے۔ جو تمہارے مردہ دلوں کو زندہ کر دے"
وهو الذی یرسل الریح بشرا بین یدی رحمته حتی اذا اقلت سحابا ثقالا سقنه لبلد میت فانزلنا به الماء فاخرجنا به من کل الثمرت کذلک نخرج الموتی لعلکم تذکرون ٥ والبلد الطیب یخرج نباته باذن ربه والذی خبث لا یخرج الا نکدا کذلک نصرف الایت لقوم یشکرون ٥ (پ ۸)	"اور اللہ تعالےٰ ایسی ذات پاک ہے کہ وہ اپنی باران رحمت کے آگے آگے کئی قسم کی ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ لوگوں کو خوشخبری سناویں کہ بارش آئی حتی کہ جب وہ ہوائیں تو بہت بوجھل بادل کو لے اُڑتی ہیں تو ہم اُس بادل کو کسی ایسی بستی کی طرف جو مرگئی ہوتی ہے ہانک دیتے ہیں پس اس جگہ اُس بادل کا پانی نازل کرتے ہیں پھر اس سے ہر طرح کے پھل زمین میں سے نکالتے ہیں اسی طرح ہم قیامت کو تمام موتی کو یعنے ہر قسم کے مردوں کو (خواہ قبر میں گاڑے گئے ہوں خواہ شیر کھا گیا ہو خواہ جلا دیا گیا ہو خواہ اس کے ذرات کہیں کے کہیں چلے گئے ہوں وغیرہ وغیرہ) زندہ کھڑا کر دینگے اور یہہ ساری باتیں اس لئے ہیں کہ تم ان سے نصیحت حاصل کرو اکہ جس طرح دنیا میں مردہ زمین ہری بھری ہو رہی ہے اسی طرح قیامت کو بھی زندے کئے جاوینگے اور جس طرح جسمانی زمین کے مردہ کی قیامت کے لئے

آسمانی بارش کی ضرورت ہے اسی طرح روحانی زمین مردہ یعنے قلوبِ مردہ کی حیات کے لئے آسمانی بارش یعنے آسمانی کتاب کی ضرورت ہے اخیر جب بارش آسمان سے نازل ہوتی ہے تو گو وہ محض رحمت ہی رحمت ہوتی ہے مگر وہ تمام بستیاں جنکی زمین محض پاک ہی پاک رہتی ہے اور کسی قسم کے نقصان کی لوث سے ناقص نہیں ہوجاتی ان کی انگوریاں بھی اپنی پاک زمین کے مطابق اپنے رب کے علم کے موافق پاک ہی پیدا ہوتی ہیں اور جو زمین اپنی پاکیزگی چھوڑ کر ناپاک اور ناقص ہوجاتی ہے اس کی پیداوار بھی اس کی اپنی خباثت کے مطابق ناقص ہی پیدا ہوتی ہے اسی طرح ہم اپنی آیات طرح طرح کی مثالیں دیکر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو شکر گذاری کریں؟

اسی طرح مضمون قرآنی کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس طرح سمجھایا ہے جو بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث ذیل میں موجود ہے۔

عن ابی موسی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل ما بعثنی اللہ بہ من الھدی والعلم کمثل الغیث الکثیر اصاب ارضاً فکانت منہا طائفۃ طیبۃ قبلت الماء فانبتت الکلأ والعشب الکثیر وکانت منہا اجادب امسکت الماء فنفع اللہ بہا الناس فشربوا وسقوا وزرعوا واصاب منہا طائفۃ اخری انما ہی قیعان لا تمسک ماء ولا تنبت کلاء فذلک مثل من فقہ فی دین اللہ ونفعہ ما بعثنی اللہ بہ فعلم وعلم ومثل من لم یرفع بذلک راساً ولم یقبل ھدی اللہ الذی ارسلت بہ متفق علیہ (مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ الفصل الاول)

ابو موسی رضی اللہ تعالے عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چیز یعنے دیکر اللہ تعالے نے بھیجا ہے یعنے کامل صداقت وجامع کمالات والی ہدایت یعنے قرآن کریم اور کامل درجہ کا علم یعنے قرآن مجید کی حکمت اسکی مثال اس طرح سے نافع اور کثیر بارش کی طرح ہے جو کسی زمین پر پڑے پھر اس زمین میں سے کوئی قطعہ تو ایسا ہوتا ہے جو پاکیزہ اور زرخیز ہوتا ہے اور اس بارش کو قبول کر لیتا ہے یعنے اپنے اندر جذب کر لیتا ہے پھر وہ قطعہ ہر قسم کی انگوریاں اور ہر قسم کی نباتات کثیر اگاتا ہے یعنے ہر قسم کی روزی خواہ حیوانوں کے لئے خواہ انسانوں کے لئے اور بعض ایسے قطعات ہوتے ہیں جو سنگلاخ ہوتے ہیں اور اس بارش کے پانی کو بند کر رکھتے ہیں جس سے اللہ تعالے ان تمام لوگوں کو جو اس پانی کو برتنا چاہیں نفع دیتا ہے پس وہ خود بھی پیتے اور پلاتے ہیں اور کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ اور وہ بارش اس زمین کے بعض ایسے قطعات پر بھی پڑتی ہے جو محض ہموار چٹیل میدان ہوتے ہیں جو نہ تو پانی کی بوندیں بند کر سکتے ہیں اور نہ کسی قسم کی کوئی گھاس اگا سکتے ہیں پس یہ مثال ہے اس شخص کی جو اللہ کے دین میں فقاہت پیدا کرتا ہے یعنے دین کے اصول و فروع کو سمجھتا اور بجوہ کا عالم ہوتا ہے اور ایسے شخص کو وہ چیز جو اللہ تعالے نے دیکر بھیجا ہے نفع دیتی ہے پس وہ شخص اسکو سیکھتا ہے اور اوروں کو سکھاتا ہے اور نیز یہ مثال اس شخص کی ہے جو اس کی طرف سر بھی نہیں اٹھاتا اور اللہ تعالے کی ہدایت کو جو میں دیکر بھیجا گیا ہوں قبول ہی نہیں کرتا؟

غرضکہ قرآن مجید باران رحمت ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے اور اس مثال میں بھی لفظ صیب (بارش) ہی آیا ہے اور چونکہ اس مثال میں ان لوگوں کے ساتھ مثال بیان دی گئی ہے جو چل رہے ہوں اور ان رہبران منافقین کا بھی ذکر ہے جو بظاہر مسلمان ہوتے ہیں اور سلوک کی منازل طے کر رہے ہیں اور کرا رہے ہیں اور قرآن کریم کے گویا پڑے ماننے والے ہیں اور رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم ان رہبران منافقین اور ان کے تابعداروں کی مثال ان چلنے والے مسافروں کے ساتھ دی ہے جو عین نزول بارش کے اندر چل رہے ہوں اور ظلمات سے مراد وہی ظلمات ہیں جو پہلی مثال کی تفسیر میں بیان ہو چکی ہیں اور رعد سے یہ لوگ خوف زدہ ہوتے ہیں مثلاً ظلمت احبار و ظلمت رہبان و ظلمت آبائی رسم و رواج کی ظلمت سرکشی بوجہ اصرار بر جہالت و ظلمت اتحاد راہ و رسم جاہلانہ و سالفہ مگر چونکہ یہ لوگ احبار کے دشمن ہوتے ہیں اور ان کو خشک ملانوں کی طرح ان کو قرآن شریف کی آیات سے وحشت ہے اس واسطے بجائے ظلمت احبار کے ان کے لئے ظلمت نفرت از احبار یا انہی پیدا ہوجاتی ہے پس یہ لوگ اپنی چند در چند ظلمات کی وجہ سے باران رحمت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ ان لوگوں نے اپنے قلوب کی زمین کو بالکل ناقص اور شور ناک کر ڈالا ہے جب تک نفاق وغیرہ کے ظلمات کو دور نہ کریں اور اپنے دل کی زمین کو پاکیزہ نہ کریں قرآن کریم جیسی باران رحمت ان کے لئے مفید نہیں ہو سکتی۔

بارش سے بڑھ کر ممکن نہیں کہ کوئی اور پانی بھی لطیف ہو سکے مگر اس پانی کی کسی بوند کا بھی جز و نہ تو کسی قسم کا اندھیرا ہی ہوتا ہے نہ کسی قسم کی رعد ہی ہوتی ہے نہ کسی قسم کی برق ہی ہوتی ہے اور نہ کسی قسم کی صاعقہ ہی ہوتی ہے بارش بجائے خود فی نفسہ بالطبع لطیف چیز ہوتی ہے اس کی ذات میں کوئی نقص اور عیب اور لوث اور کثافت نہیں ہوتی مگر جب کبھی بارش ہوتی ہے تو اسکے ساتھ ہی انہیں چار چیزوں میں سے کوئی نہ کوئی چیز ضرور ہوتی ہے اور اگر کوئی مسافر لق و دق جنگل بیابان میں بارش کے اندر چل رہا ہو اور اتفاق سے یہ چاروں چیزیں اکٹھی جمع ہوگئی ہوں اور بھر اتفاق سے ہوں بھی نہایت درجہ کی سخت سے سخت تو اب بتاؤ کہ وہ لطیف بارش ایسی مہلک چیزوں کے ہونے اس کو کسی طرح بچا سکتی ہے پس قرآن مجید بذاتہ فی نفسہ بالطبع محض رحمت ہی رحمت ہے پھر اگر کوئی شخص مدعی ہو قرآن پر چلنے کا اور گھرا ہوا ان خارجی اندھیروں سے جا پڑ کر ہو چکی ہیں تو قرآن کریم سے تو اسنے نفع اٹھانا چاہا ہی نہیں قرآن کریم اس کے حق میں ایسی حالت میں نافع نہیں

ہو سکتا یہاں تک تو قرآن کریم ہی سے ثابت کیا گیا ہے کہ صیب سے مراد ہے قرآن کریم اور ظلمات سے مراد ہیں وہ سب تاریکیاں جنکا پہلے مفصل ذکر ہو چکا ہے اب **رعد برق وصواعق** کی مرادیں بتائی جاتی ہیں۔ **رعد** سے مراد وہ آیات بینات ہیں جن میں بڑے زور شور کے ساتھ توحید اور رد شرک کا بیان ہوتا ہے پیغ ہیں اس قسم کی آیات انکے کانوں میں پڑتی ہیں یہہ لوگ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں اور جس جگہ ان کا ذکر کوئی عالم ربانی کرتا ہو وہاں سے یوں بھاگتے ہیں جیسے جنگلی گدھا شیر سے کیونکہ قرآن مجید میں جہاں توحید کا ذکر ہوتا ہے تو وہاں محض اللہ تعالے ہی کا اپنی ذات اور صفات میں واحد لاشریک لہ ہونا بیان ہوتا ہے۔ اور ماسوے اللہ سے خواہ وہ کیسے ہی مقرب ہی مقرب بارگاہ الٰہی کیوں نہ ہوں ان تمام صفات کی جو خاصہ خدا ہوتی ہیں نفی مذکور ہوتی ہے اور جملہ ماسوے اللہ کا ان تمام صفات میں جو اللہ تعالے کا خاصہ ہوتی ہیں بے اختیار محض ہونا بیان ہوتا ہے پس ایسی آیات کے سننے اور دیکھنے سے رہبان اور رہبان کے تابعدار آگ بگولا ہو جاتے ہیں اور یوں سمجھنے لگتے ہیں کہ ان پر الصواعق (گوناگون بجلیاں) گر پڑی ہیں اور کہ ان کے مزعوم و موہوم ایمان پر آگ لگ گئی ہے پس ایسی صورت اور حالت میں وہ لوگ قرآن کریم جیسی باران رحمت سے مستفید نہیں ہوتے رعد کی قسم کی آیات قرآن مجید میں بہت سی ہیں چنانچہ ابھی انشاء اللہ تعالے چند ایک لکھی جاوینگی پہلے برق کی مراد لکھی جاتی ہے۔ اور **برق** سے مراد وہ جملہ آیات بینات فرقانیہ ہیں جو اول اول تو اس فرقہ اور ان کے تابعداروں کو اپنے زعم فاسد کے مطابق اپنے خیال کی مؤید اور مصدق معلوم ہوتی ہیں مگر بغور تمام تامل اور غور کے بعد وہی آیات ان کو اپنے حق میں صواعق ثابت ہو جاتی ہیں پہلے وہ خیال کرتے ہیں کہ اس آیت کے رو سے رہبان شیاطین یعنے ہادی مرشد جوگی سادھو سنیاسی وغیرہ وغیرہ فلاں خاصہ خداوندی میں بھی تصرف رکھتے ہیں فلاں امر کے کر لینے کی بھی ان کو قدرت ہے وہ آسمانی خزانوں کے مالک ہوتے ہیں جسے چاہیں دو جہان کی بادشاہی عطا کر سکتے ہیں جس پر ناراض ہوں اس کی جڑھ اکھاڑ دیتے ہیں اور بعض لوگ جو زمانہ کے حال سے کچھ واقف ہوتے ہیں وہ ایسے لوگوں کو اس قسم کا متصرف اور مالک تو سمجھتے نہیں البتہ یہی تاویلات کر کے انکو وسیلہ۔ زلفی۔ قربان۔ شفعاء سمجھ بیٹھتے ہیں۔ (دیکھو ظلمات) پھر جب اس آیت پر غور کرتے ہیں یا ان سے کوئی عالم ربانی غور کرواتا ہے تو معلوم کرتے ہیں کہ اس آیت سے تو بلکہ ان کے ہر قسم کے تصرف مزعومہ کی نفی ہوتی ہے اور ایسی ایسی باتوں میں جنکا کرنے کے اسباب ان کو نہیں دیئے گئے ہیں ان سے اختیار محض ہیں تو بس اسی وقت وہ ایسے بھاگنے لگتے ہیں جیسے شیر سے جنگلی گدھا بھاگتا ہے اور کبھی اس کے الٹ یوں بھی ہوتا ہے کہ اول اول تو ان کو کمال درجہ کی نفرت ہوتی ہے مگر جب کبھی کوئی بات ان کو اپنے ڈھب کی ملجاتی ہے تو استطراد مباحث کر کے تشریح کرتے ہیں مگر پھر جو کسی وقت ایسی بات سن یا دیکھ پاتے ہیں جو ان کے خیال باطل کی مؤید نہیں ہوتی تو پھر وہی نفرت اور وہی ضد اور وہی مخالفت شروع کر بیٹھتے ہیں جو پہلے ہی سے ان کے سینوں میں بیٹھی ہوئی تھی۔ کیونکہ **برق** کا یہی خاصہ ہوتا ہے کہ لوگ اس سے طمع نور و بارش بھی رکھتے ہیں اور اس سے خوف بھی کھاتے ہیں اور ان دونو حالتوں میں سے کبھی خوف پہلے ہوتا ہے اور طمع پیچھے اور کبھی طمع پہلے اور خوف پیچھے۔ کما قال اللہ تعالے۔

ومن ایٰتہ یریکم البرق خوفا وطمعًا الایۃ (پ۲۱ ع۴)	"اور اللہ تعالے کی قدرت کاملہ کی نشانیوں میں سے یہہ نشانی بھی ہے کہ تم کو وہ چمک جسکو تم بارش کے دنوں میں دیکھا کرتے ہو دکھاتا رہتا ہے جسمیں یہہ حکمت ہے کہ تم کو اس سے ڈر بھی لگے اور اسی سے پھر اسقدر بڑی بھاری امید بھی بندھے"
ھو الذی یریکم البرق خوفًا وطمعًا وینشیٔ السحاب الثقال (پ۱۳ ع۸)	"اللہ وہ ذات پاک ہے جو تم کو وہ برق جسے تم ہمیشہ بارش کے وقت دیکھا کرتے ہو دکھاتا رہتا ہے تاکہ تم کو اس سے بڑا بھاری خوف بھی پیدا ہو اور بڑی بھاری امید بھی"

یعنے برق سے خوف تو ہلاکت کا ہوتا ہے ایسا نہو کہ بجلی گر کر بھسم کر ڈالے اور طمع ہوتی ہے نور اور بارش کی۔ رعد کی طرح برق کی قسم کی بھی بہت سی آیات قرآن مجید میں مذکور ہیں پس حسب وعدہ وترتیب قرآنی اول ہم رعدی آیات لکھتے ہیں۔ اور اسکے بعد برقی آیات لکھتے ہیں۔ بتوفیقہ تعالے"

رعدی آیات

واذا ذکر اللہ وحدہ اشمأزت قلوب الذین لا یؤمنون بالاٰخرۃ واذا ذکر الذین من دونہ اذا ھم یستبشرون ۝ (پ۲۴ ع۲)	"اور جب اللہ تعالے کا ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی ذات وصفات کمال میں یکتا ہے تو جو لوگ اس جہان پر جو اس دنیا کے بعد آنے والا ہے یقین نہیں رکھتے ان کے دل اس سے منقبض ہو جاتے ہیں اور جب اللہ کو چھوڑ کر اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو بس اسی وقت یہہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں"
مثل الذین اتخذوا من دون اللہ اولیاء کمثل العنکبوت ۔	"جن لوگوں نے اللہ تعالے کو چھوڑ کر اور اور لوگوں کو اپنا کارساز بنا رکھا ہے

اتخذت بیتاؤان اوھن البیوت لبیت العنکبوت لوکانوا یعلمون ٥ (رپ ۲۰ع)

ان کی مثال مکڑی کی سی ہے جو گھر بنا وے اور کچھ شک نہیں کہ گھروں میں بودے سے بودا گھر مکڑی کا گھر ہوتا ہے کاش یہہ لوگ اتنی موٹی مثال سمجھتے"

ان الذین تدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعوا لہ وان یسلبھم الذباب شیئا لا یستنقذوہ منہ ضعف الطالب والمطلوب ٥ ما قدروا اللہ حق قدرہ ان اللہ لقوی عزیز ٥ (رپ ۱۷ع)

"اللہ تعالے کو چھوڑ کر جن لوگوں کو تم پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگر اسکے پیدا کرنے کے لئے سب کے سب اکٹھے ہی کیوں نہ ہو جاویں پیدا کرنا تو در کنار خدا کی پیدا کی ہوئی مکھی اگر ان سے کچھ چھین لیجاوے تو اس سے بھی اس چیز کو چھڑا نہیں سکتے کیسے بودے ہیں یہ معبود جو مکھی سے کچھ چھڑا نہیں سکتے اور اسکو پکڑ نہ سکیں اور کیسی بودی وہ بیچاری ننھی سی مکھی جسکا پیچھا کیا جاوے اور پھر بھی ہاتھ نہ آئے ان مشرکوں نے اللہ تعالے کی جیسی قدر جاننی چاہئے تھی نہیں جانی وہ ان کے معبودوں کی طرح بودا نہیں ہے وہ بڑا زبردست اور سب پر غالب ہے"

ان الذین تدعون من دون اللہ عباد امثالکم فادعوھم فلیستجیبوا لکم ان کنتم صادقین ٥ الھم ارجل یمشون بھا ام لھم اید یبطشون بھا ام لھم اعین یبصرون بھا ام لھم آذان یسمعون بھا قل ادعوا شرکاءکم ثم کیدون فلا تنظرون ٥ (رپ ۹ع۱۳)

"اللہ تعالے کو چھوڑ کر جن معبودوں کو تم اپنی مدد کے لئے پکارتے ہو وہ بھی تم جیسے بندے ہیں تو ان کو بلا دیکھو تو سہی اگر تم سچے ہو تو وہ تمہاری سنیں اور تمہاری مدد کریں کیا ان معبودوں کے ایسے پاؤں ہیں کہ وہ ان سے چل کر تمہارے کسی کام کو کر سکیں یا ان کو ایسے ہاتھ ہیں کہ جن سے پکڑنے کا کام لے سکیں اور اسی طرح تمہاری کوئی مدد کر سکیں یا ان کی ایسی آنکھیں ہیں کہ جنسے دیکھنے کا کام لے سکیں اور اسی طرح پر تمہاری کوئی مدد کر سکیں یا ان کے ایسے کان ہیں جنسے سننے کا کام لے سکیں اور اسی طرح پر تمہاری کوئی دستگیری کر سکیں تو کہہ کہ اے مشرکو اگر تم باز نہیں آتے تو پھر اپنے معبودوں کو مدد کے لئے بلاؤ پھر سب مل جل کر مجھپر جسطرح تم داؤ کرنا چاہو کر چلو اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو"

غرضکہ اسی قسم کی آیات جن میں شرک اور ماسوے اللہ کی عظمت ناجایز کی رد مذکور ہے اور اسکے مقابلہ میں خدائے یگانہ ہی کا اپنی ذات وصفات میں منفرد یکتا اور وحدہ لاشریک لہ ہونے کا بیان ہے سب کی سب اُن کو رعد معلوم ہوتی ہیں ایسے ایسے مشرکوں اور منافقین رہبان اور ان کے تابعداروں کے حق میں ان کے فہم ناقص وزعم باطل میں الصواعق ہو جاتی ہیں یعنے یہہ لوگ ان آیات کو بجلیوں سمجھنے لگتے ہیں کہ گویا ان کے ایمان اور دین پر بجلی پڑ گئی ہے اب ہم برقی آیات لکھتے ہیں ان کے بعد ہم ان مشرکوں اور منافقوں کی اُس اصلی حالت کا فوٹو جو اللہ تعالے نے قرآن مجید میں کھینچا ہے بتا دینگے انشاء اللہ تعالے۔

برقی آیات

انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم انتم لھا واردون ٥ لوکان ھؤلاء آلھۃ ما وردوھا وکل فیھا خالدون ٥ لھم فیھا زفیر وھم فیھا لا یسمعون ٥ ان الذین سبقت لھم منا الحسنیٰ اولئک عنھا مبعدون (رپ ۱۷ع۷)

"تم بھی اور وہ بھی جنکی پوجا کرتے تم لوگ اللہ تعالے کو چھوڑ کر کیا کرتے تھے جہنم کا ایندھن ہو تم سب کو اسی دوزخ میں جانا ہے اگر یہ لوگوں کے معبود سچے معبود ہوتے تو آج دوزخ میں نہ جاتے سب کے سب ہمیشہ ہمیشہ کو یہیں رہیں گے اس دوزخ کے اندر ان کو رونا اور چلانا ہوگا اور ایسے چلانے کی حالت میں کسی دوسرے کی آواز بھی نہ سن سکیں گے ہاں جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے اچھی جنت کا وعدہ ہو چکا وعدہ قرآن مجید میں صالحین کے لئے مذکور ہے وہ سب دوزخ سے دور ہی دور رکھے جائیں گے"

یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون ٥ (رپ ۶ع۱)

"اے ایمان والو اللہ تعالے سے ڈرتے رہو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے رہو اور اس کی راہ میں جہاد کرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ"

قل ادعوا الذین زعمتم من دونہ فلا یملکون کشف الضر عنکم ولا تحویلا ٥ اولئک الذین یدعون یبتغون الیٰ ربھم الوسیلۃ ایھم اقرب ویرجون رحمتہ ویخافون عذابہ ان عذاب ربک کان محذورا ٥ (رپ ۱۵ع۶)

"لوگوں سے کہہ کہ جن کو تم لوگ اللہ تعالے کے سوا معبود سمجھتے ہو ان کو بلا دیکھو وہ تم سے کسی تکلیف کو دور کرنے کا اختیار نہیں رکھتے اور نہ اس کو ایک سے دوسرے کی طرف پھیر سکتے ہیں جن لوگوں کو ان کے پجاری پکارتے ہیں خود ان کا اپنا یہ حال ہے کہ ان میں سے وہ بھی جو آپس میں ایک دوسرے کی نسبت اللہ تعالے کی درگاہ سے زیادہ مقرب ہیں اس چیز کی ترتیب اور طلب میں لگے رہتے ہیں

جوان کو ان کے رب کے اور زیادہ نزدیک کرے اور اس کی رحمت کے امیدوار اور اسکے عذاب سے خائف رہتے ہیں بیشک تیرے رب کا عذاب ہے ہی ایسا کہ اس سے سب ڈرتے ہیں"

الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیہم ولاھم یحزنون ٥ (پ۱۱ ع ۱۲)

"اے مومنو! خوب یاد رکھو کہ اللہ تعالے کے برگزیدہ بندوں کو کسی طرح کا بھی ڈر نہیں ہوگا (یعنی قیامت کو) اور نہ ان کو کسی طرح کا غم بھی ہوگا"

واللہ یعدکم مغفرۃ منہ وفضلا واللہ واسع علیم (پ۳ ع ۵)

"اور اللہ تعالے تم کو اپنی طرف سے بڑی بھاری بخشش اور بڑے فضل کا وعدہ فرماتا ہے اور اللہ تعالے بڑی کشائیش والا ہے۔ اور سب کچھ اور سب کو جانتا ہے"

واذا جاءھم امر من الامن او الخوف اذاعوا بہ ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منہم لعلمہ الذین یستنبطونہ منہم (پ۵ ع)

"اور جب ان کے پاس کسی قسم کے امن یا کسی قسم کے خوف کی کوئی خبر آتی ہے تو اسکو اڑا اور چاروں طرف شائع کر دیتے ہیں اور اگر اس بات کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ان لوگوں کی طرف جو ان میں سے سرکردے ہیں یعنے ان کی طرف جو ان میں سے اولوالالباب اور اولوالابصار ہوتے ہیں لیجاتے اور انہیں کے سپرد کر دیتے ہیں تو پھر ان میں سے وہ لوگ جو بال کی کھال اتارنیوالے اور باریک بین ہوتے ہیں اس بات کی اصلی حقیقت کو معلوم کر جاتے ہیں"

یاایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاٰخر ذلک خیر واحسن تاویلا ٥ (پ۵ ع ۵)

"اے ایمان والو اللہ کی فرمانبرداری کرو۔ اور رسول اللہ صلعم کی اور ان لوگوں کی فرمانبرداری کرو جو تم میں سے صاحب حکومت ہوں خواہ وہ کسی قسم کی ہی حکومت کیوں نہ ہو پس اگر تم لوگ یعنے حکومت والے خواہ کسی قسم کی حکومت ہو اور تم جو اس کے ماتحت ہو آپس کی ہی بات میں بھی خواہ وہ کیسی ہی چھوٹی سی چھوٹی کیوں نہ ہو جھگڑ پڑو تو پھر اگر تم کو اللہ تعالے پر اور اس دن پر جو اس دنیا کے بعد آنے والا ہے پکا ایمان ہے تو اس بات متنازع کو اللہ تعالے اور اسکے رسول کے حکم کی طرف پھیر دو یہہ بات تمہارے حق میں انجام کے لحاظ سے سب سے بہتر اور سب سے عمدہ ہے"

خلاصہ ان آیات کا یہہ ہے کہ منافقین رہبان اور ان کے مرید سب کا یہی حال ہوتا ہے کہ اگر ان کے حسب پسند اور خاطر خواہ ان کو کوئی بات مل جاتی ہے تو بس فوراً کتاب اللہ کو مقبول ومنظور کر لیتے ہیں ورنہ دوسری صورت میں متنفر ہو جاتے ہیں مثلاً ۱۔ کی پہلی آیات بیعت کا سن کے نفرت اور پھر اس سے آگے کے مضمون کو دل سے قبول کرتے ہیں۔ اسی طرح ع ۵ ۲۳۲ کو بافہم وتدبر پڑھ کر بڑے خوش ہوتے ہیں اور جب ان آیات کا مطلب قرآن مجید کے سباق وسیاق اور دیگر آیات مفصلات سے سمجھایا جاتا ہے تو پھر رونا اور چلانا اور نفرت کرنا شروع ہو جاتا ہے اسی طرح منبر کو دیکھو بڑی محبت سے قرآن مجید کو بطور سند پیش کرتے ہیں اور جب اسکا مطلب سمجھایا جاتا ہے اور اس کی تفصیل جو نمبر میں مذکور ہے بیان کی جاتی ہے تو اسی وقت انپر موت طاری ہو جاتی ہے یعنے یہ سمجھ لوگ جھٹ پٹ بلا سوچے سمجھے کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالے اولوالامر کو بھی اختیار دیتا ہے کہ وہ بھی جو سوچ سمجھ کر اپنے اجتہاد سے یا اپنے قیاس سے کہہ دیں اسکو بھی اسی طرح قبول ومنظور کر لو جس طرح اللہ تعالے اور اسکے رسول کی بات کو قبول کرتے ہو۔ حالانکہ نہ اس آیت کا یہہ مطلب ہے اور نہ اسکو اس مطلب سے سروکار ہے اس آیت کے باقی سیاق کو دیکھو اس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ جنگ کے موقع پر جاسوسوں اور منافقوں اور کافروں کو جو اسلام کی مخالفت پر جنگ کے لئے تیار ہوں اپنے گھر کی کوئی بات نہ بتائی جاوے بلکہ اگر کوئی ایسی بات ہو تو وہ اسکا چرچا مطلقاً کریں ہی نہیں اور اپنے افسروں اور سمجھ والوں کے سپرد ہی کر کے رکھیں یا اگر باہر سے کوئی بات سن پاویں تو ادھر ادھر اپنے کھانوں میں بھی اسکا چرچا عام طور پر نہ کریں بلکہ خاص انہیں کے پاس ہی ذکر کریں جو سمجھدار اور ہر قسم کی پالسی سے واقف کار ہوں۔ اور اس آیت میں جو یہہ مظنہ یا وہم پیدا ہوتا تھا کہ اولوالامر کو بھی اختیار دیا گیا ہے تو اسکو دوسری آیت میں فرما دیا فان تنازعتم الایہ۔ یعنے بصورت تنازع اولوالامر اور دوسرے لوگ سبکا سب اپنا فیصلہ اللہ اور رسول سے کرائیں اور فیصلہ کرانے کے لئے اسقدر ضروری حکم دیا کہ اسکو شرط ایمان قرار دیدیا۔

اسوقت تک ہمنے دونو قسم کی آیات یعنے (حالی) اور (بـرقی) لکھی ہیں اب ہم قرآن مجید سے ہی بتاتے ہیں بتوفیقہ تعالے کہ جب منافقین رہبان اور ان کے تابعداروں کے کانوں میں رعدی آیات یا برقی آیات میں سے وہ آیات جو ان کی ہوا کے موافق نہیں ہوتیں پڑتی ہیں تو اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں اور چہروں کو کپڑوں سے چھپا لیتے ہیں اور مجلس ذکر و وعظ سے کوسوں بھاگنا چاہتے ہیں اور قابو لگے ایسی ایسی مجالس میں آتے ہی نہیں۔ کما قال اللہ تعالی۔

فما لہم عن التذکرۃ معرضین ٥ کانہم حمر مستنفرۃ ٥ فرت من قسورۃ ٥ (پ۲۹ ع ۱۶)

"پس ان لوگوں کو کونسی مشکل پیش آگئی ہے کہ وہ کامل صفات وجامع کمالات والی نصیحت یعنے قرآن مجید سے روگردانی کرتے ہیں گویا یہہ لوگ اس جنگلی گدھے

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ

وہ بجلی جو اس بارش میں چمکتی ہی ہے یوں معلوم ہوتی ہے کہ انکی آنکھوں کو بس اچک لینے کو ہے جب جب وہ بجلی انکو چمک کر روشنی دیتی ہے تب وہ بھی اس کی چمک کے اندر چل پڑتے ہیں

کی طرح ہیں جسکی شان ہی نفرت سے بھاگ جانا ہوتی ہے اور جو شیر کو دیکھ کر بھاگ اٹھتا ہے"

بل لجوا فی عتو ونفور (پ ۲۹ ع ۲)	"بلکہ منکر لوگ سرکشی اور نفرت میں اور بھی زیادہ دراز ہی کرتے گئے"
قال رب انی دعوت قومی لیلا ونهارا فلم یزدهم دعائی الا فرارا (پ ۲۹ ع ۹)	"نوح نے عرض کی اے میرے رب میں تو اپنی قوم کو شب و روز دعوت کرتا رہا ہوں

پر میری دعوت کا اثر یہ ہوا کہ بجائے اسکے کہ اس سے کچھ فائدہ حاصل کرتے میری دعوت سے اور بھی زیادہ بھاگے"

وانی کلما دعوتهم لتغفر لهم جعلوا اصابعهم ...... استکبارا (پ ۲۹ ع ۹)	"اور جب جب ان کو دین حق کی طرف بلایا کہ وہ توبہ کریں اور تو ان کے گناہوں کو معاف کرے تو انہوں نے میری بات سننے کے بجائے اپنے کانوں میں اپنی انگلیاں ٹھونس لیں اور بجائے میری صورت دیکھنے کے اپنے چہروں کو اپنے کپڑوں سے چھپا

چھپا رکھا اور اپنی بے ایمانی پر اڑے رہے اور اپنی شیخی اور بڑائی میں آکر اکڑتے رہے"

الا انهم یثنون صدورهم لیستخفوا منه الا حین یستغشون ثیابهم یعلم ما یسرون وما یعلنون انه علیم بذات الصدور (پ ۱۱ ع ۱)	"مسلمانو! یاد رکھو کہ بیشک یہ لوگ اپنے سینوں کو دوہرا کر کر ڈالتے ہیں یعنے جھک کر پاس سے گزر جاتے ہیں تاکہ داعی الی اللہ کی نظروں سے چھپے رہیں مسلمانو سن رکھو کہ جب یہ لوگ اپنے کپڑوں سے اپنی صورتوں کو ڈھانپ لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی تمام باتوں

کو خوب جانتا ہے خواہ چھپا کر کرتے ہیں یا خواہ کھلم کھلا کرتے ہیں بیشک اللہ تعالیٰ تو سینوں کے بھیدوں کو بھی اچھی طرح جانتا ہے"

پس ٹھیک یہی حال ہے یہاں منافقین اور ان کے ناہموار دین کا۔ اسکے بعد اللہ تعالیٰ منافقین کو زجر و توبیخ کے طور پر فرماتا ہے واللّٰہ محیط بالکافرین یعنی اور اللہ سب قسم کے کافروں کو جنمیں منافقین بھی شامل ہیں گھیرے ہوئے ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان منافقین کے پیچ در پیچ اور نہ در نہ نفاقوں اور بد باطنیوں اور باطل خیالات اور فاسد توہمات غرضکہ ان کے جملہ اقسام کے حالات سے بخوبی واقف ہے اور نہ صرف واقف ہی ہے بلکہ ان کو ہلاک کرنے پر بھی قادر ہے اسکے احاطہ علم و قدرت سے یہ کہیں بھی کسی ذریعہ اور وسیلہ سے نہ مخفی ہو سکتے ہیں اور نہ بچ سکتے ہیں۔ اس جملہ میں الکافرین ممثل ہیں نہ کہ ممثل لہ کیونکہ بیچارے مسافروں نے کیا گناہ کیا ہے کہ انکو یہ دھمکی دیجاوے۔ اس مثال میں چار باتیں جمع ہیں ایک تو ظلمات دوم رعد سوم برق چہارم صواعق۔ سو ظلمات کی وجہ سے جس طرح مسافرین کی آنکھیں بیکار ہو جاتی ہیں اسی طرح پانچ قسم کی ظلمات مذکورۃ الصدر کے سبب سے منافقین بھی اندھے ہو جاتے ہیں اور جس طرح مسافرین رعد و صواعق کی وجہ سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں موت کے ڈر کے مارے ٹھونس لیتے ہیں اسی طرح منافقین بھی رعدی آیات جنکو وہ صواعق سمجھتے ہیں سنکر اس خیال سے کہ مبادا ہم بے ایمان نہ ہو جاویں (اپنے باطل خیالات و فاسد توہمات کو وہ عین ایمان سمجھتے ہیں) اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں۔ باقی رہ گئی تھی چوتھی بات یعنے برق سو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یکاد البرق یخطف الاٰیۃ۔

وہ یعنے اس بارش کے اندر کی برق کی بھی ایسی سخت چمک ہے کہ اگرچہ اس چمک سے اتنا فائدہ تو ان مسافروں کو ہو جاتا ہے کہ روشنی ہو جاتی ہے اور ظلمات ثلاثہ جنکے سبب سے ان مسافروں کی آنکھیں بیکار ہو گئی ہوئی تھیں عارضی طور پر یکلخت دور ہو جاتی ہیں مگر چمک کی شدت کا یہ حال ہے کہ گویا وہ بجلی ان کی ان آنکھوں کو بھی جو اس چمک کی وجہ سے کچھ روشن ہو ئی ہیں ایک دم اچک لیجانے کو ہے پس جب یہ لوگ برقی آیات میں سے اس قسم کو سنتے ہیں جو ان کو اپنے زعم اور خیال خام میں اپنے باطل خیالات اور نفاقات کی موید معلوم ہوتی ہیں تب تو وہ بھی چلنے لگتے ہیں یعنی خوش ہو جاتے ہیں اور اہل الذکر و القرآن کی طرف توجہ کرتے ہیں اور سمجھنے لگتے ہیں کہ اب قرآن کریم کے موافق عمل کر رہے ہیں اور ناجی ہیں مگر جو ہیں برقی آیات کی دوسری قسم کو سنتے یا دیکھتے یا پڑھتے ہیں تو بس اسی وقت جہاں پہنچے رہے تھے وہیں کھڑے رہ جاتے ہیں اسکے متعلق اوپر برقی آیات کی دو قسمیں لکھی جا چکی ہیں۔ یہاں تک مسافروں کی تمثیل کا تتمہ بالتفسیر بھی ختم ہو چکا ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے ظلمات اور رعد اور صواعق کے خاتمہ کے بعد منافقین کافرین کی نسبت یہ زجر اور توبیخ فرمائی ہے واللّٰہ محیط بالکافرین اسی طرح یہاں بھی تتمہ تمثیل کے بعد ...

مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ

اور جس وقت ان پر اندھیرا کرتی ہے تو بس وہیں ٹھہر جاتے ہیں جس طرح یہہ منافق خود دیدہ دانستہ اپنی روحانی آنکھیں اور روحانی کان بند کر بیٹھتے ہیں۔ اسی طرح

بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

خدا بھی اگر انکے ظاہری کان اور ظاہری آنکھوں کی سننے اور دیکھنے کی قوتیں دور کرنا چاہتا تو دور کر دیتا کیونکہ اللہ تعالےٰ جو کچھ کرنا چاہے کر سکتا ہے۔

پوری تمثیل کے خاتمہ کے بعد انہیں ممثل منافقین کے حق میں فرمایا ہے ولو شاء اللہ الآیہ اس جملہ میں بھی ممثل منافقین کی توبیخ و تہدید ہے نہ کہ ممثل بہم یعنے مسافرین کی کیونکہ یہاں پر لفظ منافقین ہی کو ہو رہی ہے نہ کہ مسافرین کو یعنے یہہ منافق خود بارش سے مستفید نہیں ہوئے انہوں نے خود اپنے قلب کی زمین کو گندہ اور شورناک کر دیا ہے اور اپنی اندرونی آنکھیں اور اندرونی کان بند کر دیئے ہیں اسی طرح اگر اللہ تعالےٰ بھی چاہتا کہ ان کے ان ظاہری کانوں اور آنکھوں کے سننے اور دیکھنے کی قوتیں سلب کر دیتا تو کر ہی دیتا کیونکہ وہ جو کچھ کرنا چاہے کر سکتا ہے مگر وہ ایسا کرتا نہیں کیونکہ یہہ جبر اور قہر ہو جاتا ہے اور جبر و قہر سے اللہ تعالےٰ کسی کو مسلمان کرنا چاہتا ہی نہیں۔ اس میں عجیب لطیفہ اور لطیف اشارہ یہہ ہے کہ جس طرح باوجود خاصہ اندھیروں میں پڑنے کے مسافروں کی ظاہری آنکھیں وغیرہ اللہ تعالےٰ سلب نہیں کرتا چنانچہ جب وہ خارجی ظلمات دور ہو جاتی ہیں تو یہہ لوگ فوراً اپنے اسباب معطل و بیکار شدہ سے کام لینے لگ جاتے ہیں آنکھوں سے دیکھنے پاؤں سے چلنے اور کانوں سے سننے اور زبانوں سے بولنے لگ جاتے ہیں کیونکہ روشنی ہو جاتی ہے اور وہ دہشت و حیرت جو ان پر طاری تھی دور ہو جاتی ہے پس منافقین اگر اب بھی توبہ اور رجوع الی اللہ کریں یعنے ان ظلمات سے جنکا ذکر اوپر ہو چکا ہے کنارہ کش ہو کر نور ربانی سے فیضیاب ہوویں تو جو اسباب ہدایت وہ معطل کر چکے ہوئے ہیں اللہ تعالےٰ ان میں ہدایت پر چلنے اور مستقیم رہنے کی توفیق دیدیتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ سب کر سکتا ہے اور اسکو کرنے اور کر لینے کی پوری پوری قدرت حاصل ہے الخ تمام امور کو جنکو وہ کرنا چاہے۔

ان اللہ علی کل شی قدیر کے کیا معنے ہیں؟

قرآن مجید میں بہت جگہ اللہ تعالےٰ محض اپنی ہی قدرت کاملہ کا اثبات اور ماسوے اللہ کی قدرت کاملہ کی نفی کا بیان کئی طرح پر کرتا ہے ان میں سے ایک طریق بیان یہی ہے جو عنوان میں لکھا گیا ہے اسکے معنے بیان کرنے اور سمجھانے میں بہت سے لوگ ... لفظ شی کے معنے ... کا دھوکا کھا جاتے ہیں وہ اسکے معنے یوں کرتے ہیں کہ بیشک اللہ تعالےٰ ہر چیز پر قادر ہے ... اس معنے پر خود آپ ہی اعتراض کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اعتراض کرنے کا موقع دیتے ہیں کیونکہ معترض کہہ اٹھتا ہے کہ جب اللہ تعالےٰ ہر چیز پر قادر ہے اور چیز مراد ہر ایک ایسی بات ہے جو موجود ہے یا ہو سکتی ہے یا ہو چکی ہے یا ہونے والی ہے خواہ جسمانی خواہ روحانی خواہ لطیف خواہ کثیف تو بس پھر اس آیت کے حکم سے اللہ تعالےٰ اسبات پر بھی قادر ہے کہ وہ اپنے جیسا یا اپنے سے بڑھ کر کوئی دوسرا خدا بھی پیدا کر لے یا خاتم النبیین کی نظیر پیدا کر دے۔ یا شرک کرنے یا کوئی فسق و فجور کا کام کر لینے وغیرہ وغیرہ پر بھی قادر ہے یا نہیں پھر ایسا ترجمہ کرنیوالے جو کچھ کسی کی سمجھ میں آتا ہے جواب بھی دیتے ہیں مگر یہہ جواب سب کے سب ایسے ہی ہوتے ہیں کہ ناگفتہ بہ۔ اللہ تعالی کا پاک کلام اسی طرح ہر قسم کے اعتراض سے پاک اور مبرا ہے جس طرح وہ سبوح و قدوس خدا خود پاک ہے یہہ صرف ہمارے اپنے ہی ترجمے ہوتے ہیں جو محل اعتراض ہونے کی وجہ سے معترضوں کو کلام اللہ پر اعتراض کرنے کا موقع دیتے ہیں پس ضروری ہوا کہ ہم اسکا صحیح صحیح ترجمہ کریں چنانچہ متن میں کیا گیا ہے اور وہ یہہ ہے کہ لفظ شیٔ عربی زبان میں مصدر بھی ہے اور اسم مفرد بھی جسکی جمع ہیں اشیاء۔ اشیاوات۔ اشاوات۔ اشاوے (قاموس) اور قرآن مجید میں بھی دونو طرح پر مستعمل ہوا ہے جہاں ان اللہ علی کل شی قدیر یا اسی قسم کی آیات آ جاتی ہیں یعنے اللہ کی قدرت علی کل شی قدیر کا بیان ہوتا ہے تو وہاں سب جگہ سارے قرآن مجید میں شی مصدر ہے اور باقی سب جگہ اسم ہے مثلاً فان اللہ کان بکل شی علیما اور ان اللہ کان علی کل شی شہیدا اور وکان اللہ علی کل شی رقیبا وکان اللہ بکل شی محیطا وغیرہ وغیرہ میں شی اسم ہی ہے۔ باقی رہی یہہ بات کہ جہاں اللہ تعالےٰ نے اپنی ذات کو علی کل شی قدیر ہونا بیان فرمایا ہے۔ تو

ہاں شئی کے مصدر ہونے سے مراد کیا ہے اور اس کے مصدر ہونے کا ثبوت کیا ہے۔ سو واضح ہو کہ قاموس میں ہے کہ شئی مصدر ہے اور اس کا ماضی

شِئْتُہٗ اَشَاءُہٗ شَیْئًا وَمَشِیْئَۃً وَمَشَاءَۃً وَمَشَائِیَۃً اَرَدْتُّہٗ۔ (قاموس)

شاء اور مضارع یشاء ہے اور عربی زبان میں چونکہ مصدر معروف اور مصدر مجہول دونوں کے لئے ایک ہی لفظ بولا جاتا ہے صرف معنی میں وہ مصدر کبھی معروف اور کبھی مجہول ہوتا ہے جیساکہ تمام صرف کے جاننے والے صرف صغیر کے

پڑھتے یا پڑھانے وقت کہتے ہیں ضَرَبَ یَضْرِبُ ضَرْبًا فَھُوَ ضَارِبٌ وضُرِبَ یُضْرَبُ ضَرْبًا فَذَاکَ مَضْرُوْبٌ۔ اسواسطے یہاں شئی مصدر مجہول بمعنے اسم مفعول ہے اور عربی زبان میں مصدر کے معنے اسم مفعول آنا عام ہے پس اس لفظ کے معنے ہوئے چاہی ہوئی چیز اور ان اللہ علی کل شئی قدیر کے معنے ہوئے کہ "بیشک اللہ تعالےٰ ہر ایک کام کے کرنے پر جسے وہ کرنا چاہتا ہے قادر ہے" پس اب ترجمہ صاف ہوگیا اور اسپر کوئی اعتراض بھی وارد نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ تعالےٰ جو کرنا چاہتا ہے اس کے کرسکنے اور کرلینے کی قدرت اُس میں موجود ہوتی ہے اور اصل میں ایسی ایسی آیات کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے سوائے باقی جسقدر مخلوقات ہے کسی میں بھی یہ قدرت نہیں ہے کہ وہ اپنے ارادے سے کچھ بھی کرسکیں یعنے جو کچھ چاہیں کرسکیں البتہ فقط ذات باری ہی ایسی ذات قادر وقدیر ہے جو اپنے ارادہ اور مایرید اور مشیت اور مایشاء پر قادر ہے حتےٰ کہ کلمہ کن کے کہنے کا بھی وہ محتاج نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں جہاں کہیں کن (ہوجا) کے کہنے کا ذکر ہوا ہے تو وہاں اس کے کہنے کا مطلب صرف یہی ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے ارادے سے ہی تمام کام کرتا اور کرلیتا اور کرسکتا ہے۔ مفصل تشریح کے لئے دیکھو صفحہ ۱۳۵ یہاں تو وہی آیات لکھی جاتی ہیں جو لفظ شئی کی مفصل ہیں یعنے جن میں شئی کا ترجمہ مایشاء اور مایرید کیا گیا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔

ان بطش ربک لشدید ٥ انہ ھو یبدئ ویعید ٥ وھو الغفور الودود ٥ ذو العرش المجید ٥ فعال لما یرید ٥ (پ۳۰ ع۱۰)

"بیشک تیرے رب کی پکڑ بہت ہی سخت ہے تحقیق وہی پہلی دفعہ بھی پیدا کرتا ہے اور وہی کہ مرجانے کے بعد زندہ بھی کرے گا اور وہی گناہوں کا بخشنے والا اور وہی محبت کرنے والا ہے۔ اور عرش کا مالک ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں مذکور ہے اور وہی صاحب مجد و بزرگی ہے جس چیز کے کرنیکا ارادہ کرتا ہے اسکو بس کرہی لیتا ہے"

ان ربک فعال لما یرید ٥ (پ۱۲ ع۹)

"بیشک تیرا رب جس کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے بس اُس کو کرہی لیتا ہے یعنے اس کے ارادے اور کام کے ہونے کے درمیان وقفہ کچھ نہیں ہوتا بس ارادہ کیا نہیں اور کام ہوا نہیں اور کسی قسم کے اسباب کا وہ محتاج نہیں"

وربک یخلق ما یشاء ویختار (پ۲۰ ع۱۰)

"اور تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا رہتا ہے اور کچھ بھی نہیں ہے جسکو چاہتا ہے منتخب کرتا رہتا ہے"

قال کذالک اللہ یخلق ما یشاء اذا قضی امرا فانما یقول لہ کن فیکون (پ۳ ع۱۳)

"خدا نے جواب دیا کہ اے مریم تیرے اس اعتقاد کی وجہ کہ مس بشر سے ہی بچہ پیدا ہوتا ہے اللہ تعالےٰ جو جامع جمیع صفات کمال ہے اور جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرلیتا ہے یعنے اللہ تعالےٰ کے کسی چیز کو پیدا کرنے کا حصر اسی بات پر نہیں ہے جو تو کہتی ہے بلکہ وہ ایسا قادر وقدیر ہے کہ جس وقت کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرلیتا ہے تو بس اس کام کے کرنے کا تیرا ارادہ ہی ارادہ کرتا ہے اور کسی سبب کی احتیاج نہیں کرتا تو بس ارادہ ہوتے ہی وہ کام ہوجاتا ہے۔ (کلمہ کن کے کہنے سے مراد صرف ارادہ ہی ہے دیکھو صفحہ ۱۳۵)

اس قسم کی بہت سی آیات قرآن مجید میں مذکور ہیں بخوف طوالت و ملالت ناظرین ہم نے صرف اسی پر اکتفا کی ہے تو اصل غرض یہ ہے کہ ان اللہ علی کل شئی قدیر کا مطلب صرف یہی ہے کہ اللہ تعالےٰ جو چاہتا ہے کرلیتا ہے بلا کسی قسم کے اسباب کے اور مخلوقات اپنے اسباب سے کام کرتے ہیں مگر اللہ تعالےٰ ہی فقط واحد لاشریک ایسا ہے کہ محض اپنے ارادے سے ہی کام کرلیتا ہے جو خاص خداوندی ہے کلمہ کن جو قرآن مجید میں مذکور ہے اس کی مراد فقط ارادہ خداوندی ہی ہے اور بس کیونکہ اللہ تعالےٰ نے خود اس لفظ کی مراد قرآن مجید میں آیہ انما قولنا لشئی اذا اردناہ الایۃ میں بیان فرمائی ہے پوری تشریح کیلئے دیکھو صفحہ ۱۳۵ سوقت کاسہ یا معشر الجن والانس کی تینوں قسموں کے حالات بیان ہوچکے ہیں یعنے مؤمنین و کافرین و منافقین کے بعض احوال بمع اعمال فقط عالباً

ع ٢ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ

اے او سب کے سب جنو! اور آدمیو! خبردار جس فطرت اللہ و خلق اللہ پر تم پیدا کئے گئے ہو اس کی ہمیشہ ہمیشہ محافظت کرتے رہنا اور کبھی اس سے غافل نہ ہونا اور اس محافظت

وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿٢١﴾

کا طریق یہہ ہے کہ تم سب کے سب اپنے رب کی عبادت کرتے رہو جس نے تم کو اور اون لوگوں کو جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں پیدا کیا تاکہ تم عذاب سے بچ جاؤ۔

طور پہ بیان ہو چکے ہیں اب اس اگلے رکوع میں تینوں قسم کے لوگوں کو مخاطب کر کے حکم دیا جاتا ہے کہ یا ایہا الناس اعبدوا الایہ یعنے اے مومنین جو حالات تمہارے بیان ہو چکے ہیں تم ان کو اعتقاداً اور قولاً اور فعلاً اپنی اپنی وسع اور استطاعت کے موافق عمل میں لاتے رہو حتے کہ اسلام پر ہی تمہاری زندگی گزرے اور ایمان پر ہی تمہارا خاتمہ ہو جاوے اور اے کافرین تم اپنے کفر کو اور اے منافقین تم اپنے نفاق کو چھوڑ چھاڑ دو اور مومنین کی طرح ان کے زمرہ میں داخل ہو کر اسلام کو قبول کر کے ایمان پر ہی مرجاؤ جسکا نتیجہ یہہ ہوگا کہ مومنین کی طرح تمہاری اپنی فطرت اللہ و خلق اللہ بھی پاک ہو جاوینگی اور تم طیب بنکر جنت میں داخل کیے جاؤ گے اب ہم اس آیت کے لفظوں کی کچھ تشریح کرتے ہیں۔

چونکہ تفسیر ہذا کے اصول ہفتم کے مطابق قرآن مجید کا کوئی حرف تک بھی زائد اور بے معنے نہیں ہے اسواسطے ضروری ہوا کہ ہم یہاں یا ایہا الناس میں کلمہ یا اور کلمہ ای اور کلمہ ھا کے معنے بتائیں. یا حرف ندا ہے اور یہہ عام ہے لفظ ای اسم مبہم ہے اور ایسے کلمہ کا محتاج ہے جو اسکے ابہام کو دور کرے پس ضروری ہوا کہ اسکے پیچھے کوئی اسم جنس یا کوئی اسکا قایم مقام اسم ہو اس کی صفت ہو جسے کہ ندا کا مقصود حاصل ہو اور ھا کلمہ تنبیہ ہے پس یا کا ترجمہ ہے ای - او - ارے - اے - ہوت - اور ای کا ترجمہ ہے - آنانکہ - ہرکہ - وہ کہ - وہ جو - ھا کے معنے ہیں ہیں تم کو متنبہ اور آگاہ کرتا ہوں یا تم آگاہ ہو جاؤ اور الناس ای کی صفت واقع ہے پس اسکے معنے یہہ ہوئے کہ اے وہ جنکی صفت الناس ہے یا اے وہ جو جملہ مخلوقات میں سے الناس کے لقب سے نامزد ہیں تم سب کے سب متنبہ ہو جاؤ ہوش میں آ جاؤ - الناس کی تشریح پہلے ومن الناس من یقول الایہ کی تفسیر کے ضمن میں ہو چکی ہے - الناس کا لفظ خود ہی اس آیت کے مضمون کو بتارہا ہے کہ فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا الایہ یعنے اے جملہ معشر الجن والانس جنکے پاس فطرت اللہ و خلق اللہ و امانت اللہ و نعمت اللہ موجود ہے اور جسکی حفاظت کرنے اور اس میں کسی قسم کی تغیر و تبدیل اور ضیاع اور کفران نہ کرنے کا تم کو حکم دیا جا چکا ہے تم الناس ہو کر اپنی فطرت اللہ و خلق اللہ کو نگاہ رکھو اور قوت ملکی اور سبعی اور بہیمی کی تربیت مطابق تعلیم کتاب اللہ کے کیا کرو سو سب سے پہلی سب سے بزرگ تر یعنے قوت ملکی کی تربیت یہہ ہے کہ تم اُس رب کی عبادت کرو جس نے تمکو پیدا کیا تمہاری مادوں کو پیدا کیا تمہاری روحوں کو پیدا کیا اور کرتا رہتا ہے۔ اس عبادت ربی کا فایدہ یہہ ہے کہ تم اُن تمام عذابوں سے بچ جاؤ گے جو تمکو عبادت الٰہی نہ کرنے کی صورت میں دیئے جاوینگے اور جنکا تذکرہ بجا بجا قرآن مجید میں آچکا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالے نے فقط اپنی ہی ذات پاک کے مستحق عبادت ہونے کی چار دلائل بیان فرمائی ہیں اول خود لفظ الناس ہے - یعنے انسان و جن کی خود فطرت سلیم متقاضی ہے کہ وہ فقط اللہ تعالے ہی کو معبود سمجھے دوم لفظ رب ہے اسکا ذکر پیچھے ہو گا سوم الذی خلقکم یعنے تمہارا خالق چہارم والذین من قبلکم یعنے تمہارے پہلوں کا خالق - اور عبادت کا ثمرہ یہہ ہے لعلکم تتقون یعنے تم عذاب الٰہی سے بچ جاؤ گے - وہ ہر شئی کا خالق ہے خواہ وہ بالفعل موجود ہیں خواہ وہ جن سے یہہ چیزیں پیدا کی گئی ہیں حتے کہ سلسلہ اسباب کا خاتمہ مادہ تک پہونچ جاتا ہے پھر اللہ تعالے اُس مادہ کی نسبت بھی فرماتا ہے کہ مادہ بھی خود بخود اپنے تصرف اور اختیار سے پیدا نہیں ہوا اسکا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے اور پھر اُسمیں روح بھی وہی پیدا کرتا ہے والذین من قبلکم سے تمام مذاہب مخترعہ کا استیصال ہو جاتا ہے جنکا یہہ خیال ہے کہ مادہ اور روح ویسے ہی قدیم ہیں جیسے کہ خود اللہ تعالے اور یہہ کہ اللہ تعالے خالق نہیں ہے صرف مادہ اور روح کو کسی حکمت بالغہ سے ترکیب دیکر ان میں ایک تعلق اور جوڑ پیدا کر دیتا ہے اور بس یعنے ان کے نزدیک اللہ تعالے کمہار کی طرح ہے جو صرف اسی صورت میں برتن بنا سکتا ہے جب اُس کے پاس مٹی اور پانی اور دیگر اسباب موجود ہوں ورنہ نہیں بنا سکتا تعالی اللہ عما یصفون اگر اس قسم کے اسباب کا اللہ تعالے کو بھی محتاج سمجھا جاوے تو وہ کوئی

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً

جس نے تمہارے لئے اس زمین کو بڑا وسیع فرش اور اس آسمان کو بڑا عالیشان چھت بنایا

خدا نہیں ہو سکتا اسباب کا کیا ذکر ہے اگر اللہ تعالیٰ کسی ادنے سے ادنے اور حقیر سے حقیر سبب کا محتاج ہو تو پھر وہ السبوح القدوس الصمد الفرد الاحد الواحد لاشریک لہ نہیں رہ سکتا اور صاحب صفات کمال نہیں بن سکتا پس جب جملہ مخلوقات کو اللہ تعالیٰ ہی محض عدم اور نیستی سے ہستی اور موجود اور تخلیق کرتا ہے اور باقی جملہ مخلوقات محض مخلوق ہی مخلوق ہیں تو پھر صاف ظاہر ہے کہ عبادت کا مستحق اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا سب سے پہلے دلیل ہر ایک جن و انس کی اپنی قدرت معلوم ہے کیونکہ یہ ہر ایک میں موجود ہے اسواسطے سب سے پہلے ہر ایک جن و انس کو اس کی اپنی موجود اور مقصود دلیل کی طرف متوجہ کرنا مناسب سمجھا ہے۔ دلائل انفسی ہیں یعنی ہر ایک جن و انس کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہ تو میرا مخلوق ہے تو اپنے نفس کا علم حاصل کر تو سب سے بڑھ کر اشرف ہے تجھ کو پہلے امانت اللہ کی حفاظت کرنے والا امین یعنی عقل عطا کی ہے اسکے بعد دلائل آفاقی ہیں یعنی اپنی ذات کے علاوہ باقی جتنی مخلوقات ہیں خواہ علوی اور خواہ سفلی خواہ بسائط خواہ مرکبات خواہ مواد خواہ ارواح اور چونکہ اس صفت خالقیت ہر شئی کا موصوف وہ ذات پاک ہے جسکی صفات (ربیا) ہے اور جب تک صفات کا علم نہ ہو موصوف کی ذات کا علم نہیں ہو سکتا۔ اسواسطے سمجھ لو (ربیا) کی دلیل کو پہلے ذکر کیا ہے یہ لفظ (رب) مشعر ہے کہ جملہ مخلوقات کو پیدا کر کے اب اللہ تعالیٰ ان سے بے تعلق نہیں ہو گیا بلکہ ہر وقت اور ہر آن اور ہر شان میں اپنی جملہ مخلوقات کی جسمانی اور روحانی تربیت علی وفق استعداد انکا کر رہا ہے اپنے لطف ذات اور صفات کی برکات کا اثر ڈال رہا ہے اب جب جملہ معشر الجن والانس کو مخاطب کر کے سمجھا دیا کہ تم الناس ہو اور تمہارا فرض ہے کہ تم اپنی فطرت اور خلق کو نگاہ رکھو یعنی یہ کہ اپنے رب کی عبادت کرو جسکا فائدہ یہ ہے کہ تم عذاب الہی سے بچ جاؤ گے اور عبادت کے لئے اللہ تعالیٰ ہی فقط مستحق ہے کیونکہ وہ ماسوائے اللہ کا خالق ہے ایسا ہی تم سے پہلوں کو اور زیادہ وضاحت دینے کے لئے یہ بیانات کو جملہ معشر الجن والانس کے سامنے پیش کر کے فقط اپنی ذات پاک ہی کا مستحق عبادت ہونا ثابت کرتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿الذی جعل لکم الارض﴾ الایۃ یعنی وہ اللہ جو خالق ہر شئی ہے جو رب ہر شئی ہے اسی کی قدرت کاملہ کا یہ اظہار ہے کہ اس زمین کو جس پر تم رہتے سہتے ہو کہ اٹھتے بیٹھتے بول و براز کرتے اور تمام امور معاش کے اسباب مہیا کرتے ہو اس نے تمہارے آرام کے واسطے فرش یعنی تمہاری قرارگاہ آرام گاہ بنایا اور اس آسمان کو جس کے نیچے تم زمین کے اوپر سب کچھ کر رہے ہو بطور چھت بنا دیا ہے پھر آسمان سے بارش نازل کرتا ہے اور اسکے نزول کے بعد اسی بارش سے طرح طرح اور بے انتہا جمادات کے پھل اور اناج پیدا کرتا ہے۔ جو تمہاری اپنی ذات اور متعلقات کے لئے روزی کا کام دیتے ہیں چونکہ تم کو ان تمام امور کا پورا پورا علم حاصل ہے جس سے کچھ تم آگے تدبر و تفکر کر کے اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہو کہ یہ سارا کارخانہ خود بخود نہیں چل رہا۔ خود بخود بخارات اٹھ کر بادل بنکر یہاں وہاں جس طرح چاہا نہیں برس پڑتے بلکہ ان سب امور کا انتظام و انصرام اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے جو مدبر حقیقی ہے پھر تم کو کیا ہو گیا کہ تم سمجھتے بھی ہو اور پھر دوسری کاموں میں بھی حسن انتظام اور حسن تدبیر کا ہونا اور یہ بات کہ کوئی مدبر ہو وہ کام چل نہیں سکتا تو پھر اس عظیم الشان کارخانہ زمین و آسمان کیوں کوئی مدبر نہ ہو جو علیم و حکیم مدبر متصرف و مالک ذات ہو۔ اور اگر تم ایسے مدبر کے وجود کے قائل بھی ہو تو پھر آگے تم کو یہ کیا ہو گیا کہ اس ذات پاک کو چھوڑ کر جس کی صفات اوپر بیان ہو چکی ہیں کبھی اسطرف اور کبھی اسطرف کبھی اس مخلوق کی طرف اور کبھی اس مخلوق کی طرف دوڑ دوڑ کر جاتے ہو اور ان کو خدا کا شریک اقرار کر بیٹھتے ہو اور تم کو خود بھی یقینی علم ہے کہ جن جن بزرگوں یا ولیوں نبیوں یا دیوتاؤں یا سورج یا چاند دریاؤں یا پہاڑوں یا بتوں یا آگ جنوں وغیرہ وغیرہ کو تم معبود بنا بیٹھے ہو اور یہ یقین کرتے ہو کہ ان کی برکت اور ان کی طفیل سے اللہ تعالیٰ تم کو نفع دیتا ہے اور تمہاری تکلیفیں دور کرتا ہے تم ان کو پکارتے ہو تو وہ آگے خدا کی جناب میں عرض معروض کرتے ہیں تم ان کی پوجا کرتے ہو تو وہ تمہاری بندگی سے خوش ہو کر تم پر بڑی بڑی عنایات کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ سب کے سب معبود سوائے محض عدم میں تھے جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور تم کو سب کو معلوم ہے کہ تمہارے اور تمہارے معبودوں کے پیدا ہونے سے پیشتر یہ سارا کارخانہ اسی طرح چل رہا تھا جیسا کہ اب چل رہا ہے اور جب یہ سب کچھ تم کو معلوم ہے تو پھر تم اپنے علم یقینی کے برخلاف کیوں کسی کو بھی کسی بات میں بھی اللہ تعالیٰ کا شریک بنا بیٹھے ہو بس خالص مخلص ہو کر اسی مدبر حقیقی کے بندے بنجاؤ اور ہر قسم کی عبادت کو اسی کے لئے مختص کرو۔ اپنی دہریت اور شرک کو چھوڑ چھاڑ دو۔ (اولاد اور قربانی اور نذر اور وسیلہ ناجائز وغیرہ کے واسطے دیکھو آیات مندرجہ صفحہ ۶۲ ۔)

وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ

اور اس آسمان سے بڑی مفید اور مبارک بارش برساتا ہے اور اس بارش سے تمہارے واسطے مختلف اقسام کے پھلوں اور اناجوں میں سے بعض بھانت بھانت کے پھل

رِزْقًا لَّكُمْۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

اور اناج بطور روزی با فراط زمین میں سے نکالتا رہتا ہے بس اللہ کا کوئی شریک بھی نہ بناؤ حالانکہ تم تدبر و تفکر کرو تو سب کچھ جان سکتے ہو

اللہ تعالیٰ نے الناس کو مخاطب کر کے پہلے اُن کو اپنی خلقت پر پھر اپنے باپ دادوں پڑدادوں وغیرہ وغیرہ کی خلقت پر و لہذا مادہ کی خلقت پر غور و فکر کرنے کے لئے فرمایا کہ میں ہی سب کا خالق ہوں اور چونکہ الناس اشرف المخلوقات ہیں اور آسمان اور زمین اور تمام غیر ذوی العقول چیزوں سے جن و انس میں سب سے بڑھ کر آیات بینات کمال قدرت الٰہی موجود ہیں اسواسطے سب سے پہلے انہیں کا ذکر فرمایا اور چونکہ ان میں حیات۔ قدرت۔ ارادہ۔ علم۔ وغیرہ وغیرہ صفات موجود ہیں اور انہیں صفات کی وجہ سے یہ تمام زمین و آسمان و مافیہا کی سیر کر سکتا یعنے ان کے اندر غور و تدبر کر کے ان سے بیشمار فوائد اٹھا سکتا ہے اسواسطے ان کے بعد ہی جھٹ آسمان اور زمین کا ذکر کر دیا اور یہہ بدیہی بات کہ بارش ہمیشہ اوپر سے ہوتی ہے اور زمین پر پڑ کر اُسکو سرسبز کرتی ہے اسکے پیش نظر کر دی اور اس کو اس طرف غور کرنے کے لئے کہ آسمانی فیض اگر زمین پر نہ ہو تو زمین کسی کام کی نہیں ہے تمام قسم کے غلات اور میوجات کا ذکر فرمایا یعنے آسمان اور زمین کے ملنے کا عمدہ پھل اور نتیجہ بیان فرما دیا اور یہہ بھی سمجھا دیا کہ یہہ سارے ثمرات محض تمہاری نفع رسانی کے لئے ہوتے ہیں اور بس اور ان سے یہہ نتیجہ کا لنے کے لئے ایک راہ صاف کر دی کہ جسم اور جسم کے متعلقات کی خاطر اس رب العلمین نے اتنا بڑا انتظام کر رکھا ہے کہ آسمان سے بارش بھیجتا ہے اور زمین سے جملہ ضروریات از قبیل ثمرات وغیرہ پیدا کرتا ہے تو روح کے لئے جو اشرف اور الطف اور افضل اور غیر فانی چیز ہے ضرور ضرور رب العلمین نے اس کارخانے سے بھی بڑھکر کارخانہ قائم کر رکھا ہوگا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت کے ساتھ تشبیہہ دی ہے یعنے اس مثال کو یوں سمجھو کہ کسی مالک نے کسی شخص کو ایک بڑی بھاری کوٹھی بنوا دی ہو اس کوٹھی کا فرش بھی عمدہ اس قسم کا ہو کہ اوس سے کسی قسم کی تکلیف نہ ہو سونے آرام کرنے چلنے بیٹھنے وغیرہ وغیرہ میں کوئی دقت نہ ہوتی ہو اسکے اندر ہر قسم کی ضرورت کے رفع کرنے کے اسباب با فراط موجود ہوں دیواریں سب کی سب مضبوط ہوں چھت میں کسی قسم کا نقص نہ ہو بلکہ جب ضرورت پڑے تو اسی چھت کی طرف سے عجیب و غریب نالوں سے عمدہ عمدہ فواروں کی شکل میں نہایت ہی مصفا بارش اتر پڑتی ہو اور جس چیز کی ضرورت پڑے اس کوٹھی میں سے اُسی وقت نکل پڑتی ہو حتٰے کہ بول و براز تک کے لئے کہیں اُس کوٹھی میں سے باہر جانے کی بھی ضرورت نہ پڑ سکتی ہو پس جو شخص ایسی کوٹھی میں رہتا ہو اور اس کو یہہ سارے اسباب معلوم بھی ہوں کہ فلاں آقا نے مہربان نے یہہ کوٹھی مجھے دی ہوئی ہے اور وہ اپنی حماقت اور بیوقوفی اور ناشکری سے کبھی باورچی کو آقا نے مہربان سمجھنے لگ پڑے اسلئے کہ وہ روٹی پکا کر دیتا ہے یا دھوبی کو کہ وہ کپڑے صاف کر کے دیتا ہے یا مہترانی کو اسلئے کہ وہ پاخانہ صاف کرتی ہے یا اپنے کسی نوکر کو اسلئے کہ وہ کام کاج کرتا ہے یا یہہ سمجھ بیٹھے کہ آقا کس کا اور مالک کہاں کا۔ یہہ کوٹھی ایسی ہی چلی آئی ہے اور میرے بعد ایسی ہی چلی جاویگی تو یہہ دہریہ یا وہ مشرک وہ تو ہی آقائے مہربان کی ناشکر بنتا ہے ہیں اور دونو ہی ایسی سزا کے مستوجب ہیں جو ان کے حال کے مطابق ہو۔

اس مثال سے دہریوں اور تمام قسم کے مشرکوں کی سخت تردید ہوتی ہے اور نیز نبوت کی اشد ضرورت معلوم ہوتی ہے کیونکہ زمین کو اگر آسمانی بارش سیراب نہ کرے تو زمین جو قابل ہوتی ہے بصورت عدم سیرابی سرسبز نہیں ہو سکتی اور اسکا مادہ قابلیت ضایع ہو جاتا ہے اور وہ زمین بالکل مردہ ہو جاتی ہے اسی طرح آسمانی کتابیں اور آسمانی تعلیمات اگر رب العلمین کی طرف سے نہ ہوں تو الناس یعنے جملہ معشر الجن والانس کے قابل مادے بالکل مردے اور بنجر ہو جاویں سو رب العلمین

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ

اور جو کچھ ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے اگر تم کو اس میں سے کسی بات میں بھی کسی قسم کا شبہ ہو تو پھر اگر تم صادق ہو تو شہادت صداقت یہ ہے کہ اس کا

مِنْ مِثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ

مثل پیش کرنا تو در کنار اس کے مثل میں سے ہی کوئی ادنیٰ سی اور ذرا سی سورۃ پیش کرو جو اسی جیسی ہو اور اس کام میں اپنے حامیوں اور مددگاروں کو من دون اللہ یعنی خدا کے سوا بلا لو

کی ربوبیت کا تقاضا ہے کہ وہ تمام بنی آدم و بنی جان کے قلوب کی زمینوں کو سیراب کرنے کے واسطے اسی بارش کی طرح وقتاً فوقتاً مختلف شہروں اور بستیوں اور قوموں میں حسب ضرورت آسمانی کتابیں نازل فرمائے اور جس طرح ایک دفعہ کی بارش کتنی ہی ہو تاہم دوسری بارش نہیں برساتا اور پھر جب دوسری بارش کی ضرورت پڑتی ہے تو اپنی ربوبیت کے تقاضے سے بارش برساتا ہے حتیٰ کہ آخر کار موسم برسات میں اپنے وقت پر ایسی کثرت کے ساتھ بارش برساتا ہے کہ پھر اس موسم کے اختتام تک کسی دوسری بارش کی ضرورت ہی نہیں رہتی اور وہ موسم بالکل نیست و نابود ہو جاتا ہے اور نیا موسم شروع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سلسلہ نزول کتب آسمانی کو ختم فرما کر پھر ایسی کتاب نازل فرمائی جو اس دنیا کے اختتام تک کافی وافی شافی اور عافی رہے اور قیامت تک پائیدار رہے اور اس مثال سے یہ بھی سمجھایا کہ جس طرح اس حقیقی رب العالمین کا کوئی بھی کسی بات میں بھی کسی قسم کا شریک نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے اور نہ کسی کو بھی کسی میں قدرت نہیں ہے کہ اس کی بنائی ہوئی چیز کی طرح کچھ بھی بنا سکے ایک مخلوق کا کیا ذکر ہے تمام سوائے اللہ کے سب کے سب مل کر بھی ایک ادنیٰ سی ادنیٰ چیز بھی بنانے پر قادر نہیں ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح جو آسمانی کتاب اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کے تقاضے سے الناس یعنی جملہ معشر الجن والانس کی تربیت جسمانی و روحانی کے واسطے نازل فرمائی کسی شخص کو قدرت نہیں ہے ایک کا کیا ذکر ہے جملہ مخلوقات اگر مل کر بھی کرنا چاہیں تو اس کے برابر یا اس کی طرح یا اس کے کسی حصہ کے برابر یا اس کی طرح ایک چھوٹی سی چھوٹی تعلیم بھی تجویز کر سکیں چنانچہ اس مثال کے فہم کو نہایت ہی عام فہم کر دینے کے واسطے فرمایا ہے وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ الآیۃ یعنی تم کو ان باتوں میں تو کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ جو زمین کو سیراب کرنے کے واسطے بارش کا ہونا ضروری ہے اور یہ کہ بارش آتی بھی ہے آسمان سے اگرچہ بخارات اخلاط اٹھ کر بادل کیوں نہ بن جاتے ہوں اور جو کہ مینہ برسانے اور پھر بارش کے بعد زمین سے کسی چیز کے اگانے میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک بھی نہیں اور نہ ہو سکتا ہے اور نہ کسی میں قدرت ہے کہ اس کی بنائی ہوئی چیز کی طرح کوئی چیز بھی بنا سکے اور یہ بھی تم کو یقینی اور قطعی دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ اسی طرح روحانی بارش کا ہونا بھی ضروری ہے۔ پھر قرآن کریم جو تم کو دیا گیا ہے اور تم کو سمجھایا گیا ہے کہ اس کو تمہاری روحانی اور جسمانی تربیت کے واسطے رب العالمین نے آسمان سے نازل کیا ہے۔ پس اگر تم کو اس کے الہی کلام ہونے میں شک ہے تو پہلے اس شک کو دور کرنے اور اپنے اس زعم کو کہ یہ پیغمبر خدا کا کلام ہے پختہ اور مستحکم کرنے کے واسطے اس معیار کو کام میں لاؤ جو انداز کا معیار ہے جس سے اپنے حامیوں اور مددگاروں کو ساتھ لے کر لو اور مل کر قرآن جیسا کوئی قرآن بنا لاؤ یہ ناممکن بلکہ محال ہے کیونکہ تم یہ تو یقینی طور پر مان چکے ہو کہ خدا کی چیز کی طرح کوئی چیز بھی نہیں بن سکتی اگرچہ خدا کے سوائے باقی جتنے مخلوقات ہیں سب کے سب مل کر بھی اس چیز جیسی بنانی چاہیں۔ پس اگر تم اس قرآن کریم جیسی کوئی کتاب بنا ڈالو ایک سے ہو سکے تو ایک ہی دو سے ہو سکے تو دو ہی مل کر بنا ڈالو نہ ہو سکے تو جملہ مخلوقات کو اپنے ساتھ ملا لو اور ایک دوسری کی یاری اور مدد کر لو۔ اور پھر سب اکٹھے ہو کر اور جس طرح چاہو رد و بدل اور تنقیح و ترمیم کر کرا کر ایک قرآن کریم جیسی کتاب تیار کر ڈالو پھر اسی جیسی کامل صفات اور جامع کمالات والی کتاب اگر تم نے بنا ڈالی تو بس پھر آپ ہی معلوم ہو جاوے گا کہ تمہارا زعم بالکل حق اور یقین ہے اور یہ قرآن کریم خدا کا کلام نہیں ہے اور دیکھو اگر پورا قرآن کریم نہیں بنا سکتے ہو تو اس جیسے دس ٹکڑے ہی کوئی چار پانچ ہی بنا لو دو ایک کسی ایک ادنیٰ سے ادنیٰ ٹکڑے جیسا کوئی ایک ہی مسئلہ تجویز کر کے پیش کرو پس اس کے بعد اور ثابت ہو جائے گا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی دیگر چیزوں کی طرح کوئی چیز بھی نہیں بنائی جا سکتی اگرچہ تمام آسمان و زمین اور ان کے اندر رہنے والے مل جل کر بھی بنانا کیوں نہ چاہیں اسی طرح چونکہ قرآن کریم بھی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے کسی اور کو اس میں شراکت نہیں ہے محض اللہ تعالیٰ ہی کا پاک کلام ہے اس واسطے فرشتے بھی جن بھی انسان بھی اور باقی تمام مخلوقات بھی اگر سب کے سب مل کر بھی اس کلام کے چھوٹے سے چھوٹے مضمون کی طرح کوئی مضمون بنانا چاہیں تو ہرگز نہیں بنا سکتے اور پھر بھی اگر یہ لوگ اس مبارک کلام کے کلام الہی ہونے میں شک کریں تو اپنا ہی نقصان کریں گے کیونکہ ایسے دہریوں اور منکروں اور کافروں کے واسطے جہنم تیار کیا گیا ہے جس کے اندر اسی طرح

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ

پھر جو تم اتنا بھی نہ کر سکو اور یاد رکھو کہ ہرگز ہرگز تم کر بھی نہیں سکو گے تو اس آگ سے بچو جسکے ایندھن وہ تمام جن اور انسان ہیں جنکا مذکور قرآن مجید میں آچکا ہے اور وہ تمام

وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝

چیزیں ہیں جو پتھروں اور پتھروں کی جنس کی بعض غیر ذی روح ہیں اور جنکی پوجا کئے جانیکا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے مثلاً آگ ۔ پانی وغیرہ وہ آگ تیار کیجا چکی ہے اُن لوگوں کے لئے جو کفر پر مر جاتے ہیں

۹۰ جھونکے جاوینگے جس طرح چولھوں اور تنوروں میں ایندھن اور اُپلے جھونکے جاتے ہیں گویا یہہ لوگ حقیقت میں ذوی العقول ہی نہیں ہیں ذوی العقول کا کیا ذکر یہہ تو بلکہ ذی روح بھی نہیں ہیں کہ پتھروں اور لکڑیوں کی طرح دوزخ میں جھونکے جاوینگے ۔ ان دونو آیتوں یعنے وان کنتم فی ریب الآیہ اور فان لم تفعلوا الآیہ کا مطلب بخوبی سمجھایا جا چکا ہے اب ہم اسکے الفاظ کی کچھ تشریح کرنا چاہتے ہیں ۔ اول ریب کی تنوین تنکیر کے لئے ہے یعنے ایسا شک جس سے چھوٹا اور کمزور اور بودا اور حقیر شبہ نہ ہو سکتا ہو یعنے ممکن سے ممکن ادنے شک بھی تم کو ہو تو اسکا علاج یہہ ہے کہ تم اس قرآن مجید کے کسی چھوٹے سے چھوٹے نسخے یا قانون جیسا کوئی نسخہ یا قانون بنا لاؤ مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ کی تشریح پیچھے ہو گی انشاء اللہ تعالے اور شہداء سے مراد ہیں وہ تمام جن اور انس جو ریب و شک کرنیوالے لوگوں کے ہم خیال ۔ ہم مشرب اور ہم مذاق جن اور انس ہوتے ہیں اور من دون اللہ میں من بیانیہ ہے یعنے شہداء کم کا بیان من دون اللہ ہے ۔ مطلب یہہ ہے کہ تم اپنے مشہدا کو بلا لو اور اگر کوئی پوچھے کہ وہ شہدا اور مددگار کون ہیں تو اس کا جواب یہہ ہے کہ وہ من دون اللہ ہیں یعنے جملہ مخلوقات ۔ پس مخالفین کو حکم ہوتا ہے کہ اس معارضہ کے لئے تم کل مخلوقات کو اکٹھا کر سکتے ہو تو کر لو تمام فرشتے اور تمام رسول اور تمام صلحا اور تمام اولیا اور تمام شیاطین اور تمام کفار اور فساق اور اشرار اور تمام آسمان اور تمام زمینیں اور تمام چیزیں ذوی العقول اور غیر ذوی العقول کو ملا کر بھی قرآن کریم کے ایک چھوٹے سے چھوٹے مضمون جیسا کوئی مضمون بھی نہیں بنا سکتے ہو ۔ ان کنتم صادقین سے مراد یہہ ہے کہ فی الواقع تمہارے دل میں اگر قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے میں شک ہے تو تم کو اس معیار سے جو کہ کلام الٰہی کی صحت و سقم کے پرکھنے کے لئے بنایا گیا ہے فایدہ بھی ہوگا اور تم سمجھ بھی جاؤ گے اور اگر تم اپنے کلام میں صادق نہیں ہو اور جھوٹ موٹ ناحق محض ازراہ تعصب اور کجروی ایسے ایسے اعتراض اور ریب اور شکوک کرتے ہو تو پھر اسکا علاج ہی کیا ہے ۔ لن تفعلوا کے معنے ہیں کہ جہاں تک تمہاری طاقتیں اور جہاں تک علم اور عقل اور تجربہ اور مشاہدہ اور ایک دوسری کی مدد اور یاری سے تم کچھ کر سکتے ہو تو کر لو مگر یہہ یاد رکھو کہ اس تحدی اور مقابلہ اور معارضہ میں سارے آسمان اور ساری زمینیں ہار جائیں گی اور تم قرآن کریم کے ایک چھوٹے سے چھوٹے مسئلے (مثلاً آداب قضائے حاجت ہی کی) جیسا مسئلہ نہیں بنا سکو گے اور ہرگز نہیں بنا سکو گے ۔ یہہ جملہ کمال درجہ کے یقین کو ظاہر کرتا ہے اور بشر کی طاقت نہیں ہے اسکی جرأت نہیں ہے کہ اس قسم کی تحدی کر سکے ۔ الناس والحجارۃ میں الناس سے مراد وہ تمام جن اور آدمی ہیں جو آسمانی کتابوں کے منکر ہوتے ہیں اور ان کی پیروی نہیں کرتے اور قرآن کریم میں ان کا ذکر مذکور ہے اور الحجارۃ سے مراد ہیں وہ تمام مورتیں اور بت اور تماثیل اور ٹھاکر اور ٹھاکرانیاں اور قبروں کی عمارتیں جو بت پرست لوگ فرشتوں ۔ دیوتاؤں ۔ رسولوں ۔ نبیوں ۔ ولیوں ۔ بزرگوں کی صورتیں بنا کر پوجتے ہیں یا مقبرے بنا کر ان کو مساجد کی طرح کام میں لاتے ہیں اور وہاں طواف کرتے اور ان کو بوسہ دیتے اور وہاں اعتکاف اور مجاورت کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ فرشتوں اور رسولوں نبیوں اور صلحاء اور بزرگوں اور اولیاء اللہ علیہم صلوات اللہ و رضوانہ کی مورتیں اور بت انہیں مورتوں اور بتوں کے پوجاری سمیت جہنمی ہیں یا اور اگر ان کے معبود کوئی مشرک اور کافر اور بت پرست ہوں تو وہ اپنے پوجاریوں سمیت جہنمی ہیں ۔ کما قال اللہ تعالٰی

انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم انتم لہا واردون ۝ لو کان ہؤلاء الہۃ ما وردوہا وکل فیہا خالدون ۝	بیشک تم اور وہ بھی جنکی اللہ کے سوائے تم پرستش کرتے ہو دوزخ کا ایندھن ہو تم سب کو اس میں داخل ہونا ہے ۔ اگر تمہارے یہہ جواب دوزخ میں ہمیشہ

فیہا زفیر و ھم فیہا لا یسمعون ۰ ان الذین سبقت لھم منا الحسنی اولٓئک عنھا مبعدون ۰ (رپ ۱۷ ع ۷)

کچھ بھی معبود ہوتے تو دوزخ میں نہ جاتے یہہ سب کے سب پوجاری بھی اور ان کے معبود بھی دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہینگے ان کو دوزخ میں سخت رونا اور چلانا ہوگا اور ایک دوسرے کی کچھ بھی نہ سن سکیں گے بیشک جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے اس پہلے درجہ کی نیکی یعنے جنت کی بشارت ہو چکی ہے وہ سب کے سب اس دوزخ سے دور ہی دور رکھے جاوینگے ۔"

ولما ضرب ابن مریم مثلا اذا قومک منہ یصدون ۰ وقالوا ءالھتنا خیر ام ھو ما ضربوہ لک الا جدلا بل ھم قوم خصمون ۰ ان ھو الا عبد انعمنا علیہ وجعلنہ مثلا لبنی اسرائیل ۰ (رپ ۲۵ ع ۶)

" اور جب ابن مریم کو کفار لوگ بطور حجت پیش کرتے ہیں تو بس وہیں تیری قوم کے لوگ یعنی تو بس وہیں یہی کفار اس سے کھل کھلا اٹھتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ بتاؤ ہمارے معبود اچھے ہیں یا ابن مریم یہہ لوگ نفس کٹ حجتی اور مجادلہ کی راہ سے تجھ سے یہہ مجادلہ کرتے ہیں اور ابن مریم کو بطور حجت پیش کرتے ہیں اور یہہ نہ سمجھو کہ صرف اسی ایک بات میں وہ ایسا کرتے ہیں بلکہ اُن کا کام اور شیوہ ہی یہی ہے کہ وہ ہمیشہ ناحق جھگڑتے رہتے ہیں ابن مریم کو یہہ لوگ بطور حجت پیش کرتے ہیں ان کے زعم کے مطابق تمہیں معبود یہی ہے وہ تو ہمارے دیگر مقبول بندوں کی طرح ایک بڑا عالی قدر بندہ ہے جسکو ہمنے نعمت نبوت وغیرہ عطا کی بنی اسرائیل جنھوں نے مسیح کو ابن اللہ قرار دیکر معبود مقرر کر لیا اور جن کی وجہ سے کفار کے ہاتھ میں یہہ ایک بہانہ آگیا سو ان کے لئے مسیح کو ہمنے معبود مقرر نہیں کیا تھا بلکہ اسکو تو ان کے لئے بطور ایک بڑی بھاری نصیحت اور عبرت کے گردانا تھا (اسکے بعد اخیر رکوع تک مسیح کی تعلیم توحید اور عیسائیوں کے اختراعی مذہب کی تردید کا بیان ہے)

قل ادعوا الذین زعمتم من دونہ فلا یملکون کشف الضر عنکم ولا تحویلا ۰ اولٓئک الذین یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلۃ ایھم اقرب ویرجون رحمتہ ویخافون عذابہ ان عذاب ربک کان محذورا ۰ (رپ ۱۵ ع ۶)

" تو کہہ جنکو اللہ کے سوائے تم کچھ سمجھ بیٹھے ہو اُن کو پکار کر دیکھو تو ان کو تو اتنا اختیار نہیں ہے کہ وہ اس تکلیف کو جو تم کو پہونچے تم سے دور کر سکیں یا تم سے دور کرکے کسی دوسرے کے گلے ڈالدیں یہہ لوگ جن کو یہہ پوجاری پکار رہے ہیں تو ان کا اپنا حال یہہ ہے کہ ان میں سے وہ بھی جو خدا کے زیادہ مقرب ہیں اور زیادہ قرب ڈھونڈتے کے لئے اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں اور اس کی رحمت کے خواہاں ہیں اور اسکے عذاب سے خائف رہتے ہیں بیشک تیرے رب کا عذاب ہے ہی ڈر کی چیز ۔"

وقالوا اتخذ الرحمن ولدا سبحنہ بل عباد مکرمون ۰ لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون ۰ (رپ ۱۷ ع ۲)

" اور کہتے ہیں کہ الرحمن اولاد رکھتا ہے اس سے وہ پاک ہے جنکو یہہ خدا کی اولاد بناتے ہیں وہ بڑے عالیشان بڑی عزت اور بزرگی والے بندے ہیں اس کو کسی قسم کی بات بھی آگے بڑھکر نہیں کر سکتے اور اسکے حکم کے مطابق تعمیل کرتے ہیں ۔"

خلاصہ یہہ ہے کہ اللہ کے بندے خواہ رسول خواہ ان کے اماد جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد تعلیم نبوت کے موافق تعلیم دیتے دیتے مر جاتے ہیں اور ان کو اور ان لوگ معبود بنا لیتے ہیں یا خود ملائکۃ اللہ جنکی پوجا ہوتی ہے وہ سب کے سب بری اور پاک ہوتے ہیں اور سب کے سب بہشتی البتہ ان کے بت اور تماثیل مشرکوں کے ساتھ ہی دوزخ میں جھونکے جاوینگے ۔

الحجارۃ کو دوزخ میں ڈالنے سے کیا فائدہ

پتھروں اور بتوں کو تو کچھ عذاب ہو نہیں سکتا ان کو بعض مشرکین کی زیادہ تفضیح اور تفضیحاً اور تبکیت و توبیخ کے لئے ڈالا جاویگا ۔

پانی ۔ وایو ۔ اگنی وغیرہ معبودوں کا کیا حال ہے ۔

" اوپر کی پہلی آیت میں انکم وما تعبدون حصب جھنم سے معلوم ہوتا ہے کہ ما تعبدون میں ہر ایک چیز جسکی عبادت کی جاوے داخل ہے خواہ انسان ہو خواہ حیوان خواہ کوئی جماد ہو خواہ کوئی نباتات ۔ اور دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ وایو (ہوا) اگنی (آگ) جل (پانی) وغیرہ کی پوجا کرتے ہیں تو کیا پانی ۔ کنوئیں ۔ دریا ۔ سمندر ۔ جھیلیں اور ہوا اور آگ سب کے سب دوزخ میں ڈالے جاوینگے ۔ سو اس کا جواب یہہ ہے کہ واقعی جس جس چیز کی پوجا دنیا میں ہوتی ہے ۔ سوائے ان پاکوں اور محبوبان خدا کے جو جنتی ہیں اور لوگ خواہ مخواہ ان کو معبود بنا بیٹھتے ہیں ۔ خواہ ہوا کی خواہ پانی کی خواہ آگ کی خواہ پتھر کی خواہ کسی کا فر کی خواہ کسی ایسے شخص کی جو آپ اپنی پوجا کرانی چاہے سب کے سب دوزخ میں ڈالے جاوینگے دوزخ کا کھولتا پانی اور گرم ہوائیں اور دھوئیں وغیرہ وغیرہ سب کے سب عذاب الٰہی ہیں اور قرآن مجید میں ان سب کا ذکر آتا ہے اور یہہ ساری چیزیں پوجاریوں کی تبکیت و توبیخ اور زیادتی عذاب کا موجب ہوں گی اور دیگر کفار کے لئے محض زیادتی عذاب ہی عذاب اور عذاب ہی عذاب ہوتے ہیں ورنہ بذات خود ان چیزوں کو

دوزخ کے عذاب کچھ متاثر نہیں ہوتے کیونکہ یہ ساری چیزیں غیر ذی روح ہیں

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورة من مثله کی تشریح پیچھے کرینگے سو واضح ہو کہ ما نزلنا علی عبدنا کے معنے ہیں "جو کچھ ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے" یعنے قرآن مجید اور یہ ظاہر ہے کہ جو کچھ نازل کیا گیا ہے وہ الٰہی قوانین ہیں وہ ربانی قواعد ہیں اور امراض قلبی کے دور کرنے کے لئے عجیب و غریب نسخے ہیں اور وہ لکھے گئے بھی الفاظ عربی میں ہیں اور سورة کے معنے ہیں "ٹکڑا، جزء، حصہ" اور یہاں سورة سے مراد ہے کوئی ایک قاعدہ کلیہ، قانون کلی، نسخہ کاملہ خواہ وہ ایک آیت میں بیان ہو خواہ بہت سی آیات ہیں اور چونکہ قرآن کریم اور جملہ آسمانی کتابیں محض فطرت اللہ کی حفاظت و رعایت و اصلاح و تربیت کے لئے مخصوص ہوتی ہیں اسواسطے ان کا ایک ایک مسئلہ متعلقہ فطرت اللہ کی تینوں قولوں میں سے کسی نہ کسی کی یا تو حفاظت و رعایت کرتا ہے یا اس کی اصلاح اور وہ ایک ایک مسئلہ بجائے خود ایک ایک ٹکڑہ یا جزء یا سورة ہے پس معارضہ کے واسطے کل دنیا کی تحدی کے لئے دعوت کی جاتی ہے کہ فطرت اللہ کی رعایت و تربیت کرنے والا ایک مسئلہ ہی تم اپنی تجویز اور عقل سے پیش کرو جو قرآن مجید کے مسئلہ جیسا ہو۔ اب ہم اس کی کچھ تشریح زیادہ کرنا چاہتے ہیں واضح ہو کہ جتنی آسمانی کتابیں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہیں وہ سب کی سب یہی دعوے اور تحدی اور معارضہ اور مقابلہ کرتی چلی آئی ہیں کہ ہم خدا کا کلام ہیں ہم جیسا کوئی دوسرا کلام نہیں بنایا جا سکتا یہی دعوے اب قرآن کریم کا ہے چونکہ یہ کلام یعنے قرآن کریم پوری مکمل اور جامع کتاب ہے جس میں وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ نے بعض بعض مسائل حسب ضرورت زمانہ و قوم و ملک عطا فرمائے ہیں اسواسطے جو تحدی اس کی ہے وہی تحدی سب کتابوں کی تھی سو اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ تحدی فقط الفاظ اور عبارت کے لحاظ سے ہے یا مضمون کے لحاظ سے یا عبارت اور مضمون دونو کے لحاظ سے سو ہم کہتے ہیں کہ تحدی عبارت اور مضمون دونو باتوں کے لحاظ سے ہے اور ہر ایک آسمانی کتاب کی تحدی ان ہی دونوں باتوں میں رہی ہے البتہ عبارت اور مضمون دونوں کے معارضہ کے لئے خود وہ قوم جو اس کتاب آسمانی کی زبان کی ماہر ہے مخاطب ہوتی ہے اور باقی کی ساری دنیا محض مضمون کتاب کے معارضہ کے لئے۔ یعنے یہ کہ جس طرح سے کوئی شخص معارضہ کر سکتا ہے اسی طرح لکھ کر پیش کرے۔

یہ بات بالکل سچ اور فی الفور تسلیم کر لینے کے قابل ہے کہ جن حروف تہجی سے الفاظ دنیا کے لوگ بناتے ہیں انہیں حروف تہجی سے کتاب الٰہی کے الفاظ بنتے ہیں مگر خدا کے موضوع لہ اور مفہوم اور مدلول کی وسعت ہمیشہ متکلم کے اپنے علم اور عقل اور تجربہ اور مشاہدہ کے مطابق ہوا کرتی ہے مثلاً ایک عام شخص بھی کہتا ہے گلاب کا پھول اور ایک طبیب بھی کہتا ہے گلاب کا پھول اب الفاظ گلاب کا پھول کا منشا اور مفہوم جو طبیب کے ذہن میں ہے وہ اس عامی شخص کے ذہن میں آ ہی نہیں سکتا۔ علی ہذا القیاس تار کا لفظ ایک دہقان بھی بولتا ہے اور ایک تار کا بابو بھی بولتا ہے اب لفظ تو وہی ہے جو حروف ت اور الف اور ر سے بنتا ہے مگر تار بابو کے نزدیک تار اور عامی شخص کے لفظ تار کے مفہوم کی وسعت میں بڑا بھاری فرق ہے۔ غرضکہ متکلم کے کلام کا مفہوم ہمیشہ متکلم کے اپنے علم و عقل وغیرہ کے موافق ہوتا ہے اب ظاہر ہے کہ رسول سے بڑھکر اپنے وقت میں کوئی شخص بھی اعلم نہیں ہو سکتا مگر اسکے علم کو بھی الٰہی علم سے کچھ بھی نسبت نہیں ہوتی ولا یحیطون بشیء من علمه الا بما شاء (پ ۳ ع ۲) ایک لفظ اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام میں بولتا ہے اسی لفظ کو انسان بولتا ہے ظاہری شکل اور ظاہری ترکیب حروف تو دونو لفظوں کی ایک ہی ہے مگر اس لفظ کے مفہوم کی وسعت اپنے اپنے علم کی وسعت کے موافق ہوگی اور یہ ظاہر ہے کہ الٰہی علم الٰہی علم ہی ہے اور انسانی علم انسانی علم ہی ہے علاوہ بریں جو فصاحت و بلاغت اس علیم و حکیم خدا کے کلام میں ہو سکتی ہے اس کا غیر خدا کے کلام میں ہونا محال ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ لفظ کی صورت اور شکل میں تو مشابہت اور مماثلت ضرور ہوتی ہے مگر اس لفظ کے مفہوم اور وسعت معانی میں کوئی بھی مماثلت نہیں ہو سکتی باقی رہی ترکیب الفاظ یعنے عبارت و جملے تو اس میں بھی فصاحت و بلاغت میں کوئی مماثلت نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ یقینی بات ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی ابنائے جنس میں سے سب سے بڑھکر اعلم اور کسی مضمون کے مطالب کا سب سے زیادہ عارف ہو تو وہ اس مضمون کی تقریر اور تحریر کے لئے فصیح و بلیغ الفاظ اور پھر ان الفاظ کی ایسی ترتیب حکیمانہ اور ایسی ترتیب مضمون بنا ہی رکھیگا کہ اس سے بڑھکر کیا اسکے برابر بھی دوسرا شخص ایسا نہیں کر سکتا تو پھر اللہ تعالیٰ کا تو پوچھنا ہی کوئی نہیں ہے اس کے کلام کی فصاحت و بلاغت کی برابری کیونکر کسی غیر خدا کا کلام کر سکتا ہے اس کی مثال یعنے گلاب کے قدرتی پھول اور گلاب کے مصنوعی یا کاغذی پھول کی ہے قدرتی پھول اور کاغذی پھول دونو کی شکل اور صورت بظاہر تو ایک جیسی معلوم ہوتی ہے اور بعض وقت تو ایسی صنعت اور مہارت سے بنایا جاتا ہے کہ نزدیک سے دیکھ کر بھی دھوکا لگ جاتا ہے اور دونو شکلوں میں آنکھ سے تمیز نہیں کر سکتا مگر در اصل ان دونو شکلوں میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے وہ طراوت اور وہ جان وہ روح وہ ذاتی خواص اور وہ طبی فوائد جو قدرتی پھول میں ہوتے ہیں کاغذی پھول میں ممکن نہیں کہ کبھی بھی پیدا ہو سکیں اگرچہ تمام فرشتے اور تمام رسول اور تمام مخلوقات من دون اللہ اکٹھے مل کر بھی قدرتی پھول کی طرح پھول بنانا چاہیں مگر یہ تو سب پاک ہوتے ہیں انہوں نے کبھی ایسا ارادہ نہیں کیا تھا مگر چونکہ وہ بھی من دون اللہ میں داخل ہیں اور باقی کی مخلوقات سے افضل اور اشرف اور اعلم اور اعرف ہوتے ہیں اسواسطے وہ بھی اگر ایسا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے اسی طرح جس جس زبان میں کوئی بھی آسمانی کتاب نازل ہوئی ہے تو وہ سارے کا سارا ملک بھی جس کی وہ زبان

تھی اپنی زبان میں بھی اس آسمانی کتاب کا مقابلہ نہیں کر سکے، اور اسکے ایک مسئلہ کے برابر بھی کوئی مسئلہ نہ لفظاً نہ معناً بنا سکے کیونکہ ان علوم کو الٰہی علوم سے کچھ بھی نسبت نہیں ہے اور الفاظ علم کی وسعت کے موافق اپنے اندر معانی رکھتے ہیں نہ سب الفاظ ایک سے ہم شکل ہوں جیسے کاغذی اور قدرتی پھول دونوں بظاہر ہم شکل ہوتے ہیں جب وہ ہم معنے اور ہم مرتبہ نہ ہوں تو کیا فائدہ قدرتی پھول سے کاغذی پھول کی تمیز کرنے کے لئے ذوق ہی تمیز کرتی درکار ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو صاحب جوامع الکلم ہیں ان کی طرح دیکھو کیسی موضوعہ احادیث بنائی گئی ہیں الفاظ کی چونکہ اشکال آپس میں ایک جیسی ہوتی ہیں اسواسطے بلحاظ الفاظ سینکڑوں احادیث موضوع بن گئیں حالانکہ بلحاظ معنے یہہ ساری موضوع احادیث بالکل ہیچ اور محض تردہ وطومار بفوات ہیں۔ یہاں تک یہہ توفیقی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ جہاں کہیں اور جب کبھی کوئی آسمانی کتاب بھی کسی زبان میں بھی نازل ہوتی رہی ہے تو مضمون کتاب چونکہ الٰہی ہوتا ہے اسواسطے اس مضمون کے ادا کرنیوالے الفاظ کی فصاحت اور بلاغت بھی الٰہی ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جس جس زبان میں کوئی آسمانی کتاب نازل ہوتی رہی ہے اس زبان کے جاننے والے بھی اسکے مقابلہ سے عاجز آتے رہے ہیں اسواسطے اسکے مقابلہ میں باقی کی ساری دنیا جو زبان نہیں جانتی بدرجہ اولیٰ عاجز ہو جاتی ہے۔ اسی طرح قرآن کریم کا حال ہے خود اہل زبان خود مدعیان فصاحت و بلاغت خود عرب جو باقی کی دنیا کو عجم یعنی گنگ زبان سمجھتے ہیں اس کی تحدی اور معارضہ کے آگے سرنگوں ہیں پس باقی کی دنیا جو ان کے نزدیک بیوں بھی گونگی تھی بطریق اولیٰ قرآن کریم کے مقابلہ کے لئے عاجز ہے۔ مگر ساری دنیا کان کھول کر سنے اور آنکھیں کھول کر دیکھے کہ ہر زمانہ کی آسمانی کتابیں کا مقابلہ اور تحدی ہیں ساری مخلوقات کو عاجز ثابت کرنے کے واسطے کسی خاص زبان کی کتاب کی خاص زبان کو بلحاظ زبان پیش نہیں کیا جا سکتا اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ الٰہی زبان کی تیری زبان بھی معجزہ ہوتی ہے مگر تیری زبان صرف تو اہل زبانوں کو ساکت کر سکتی ہے نہ کہ غیر زبان والوں کو بھی جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے بلکہ حق یہہ ہے کہ غیر زبان والوں کو اس کے لئے مقابلہ کرنے کے لئے مخاطب کرنا خلاف حکمت تحکم ہے بلکہ ظلم ہے اور ان کو اسی قسم کا تحکم کرنے کے لئے موقع دینا ہے کہ ایک شخص سنسکرت یا جرمن میں کوئی کتاب لکھ کر ایک عرب کو اسی طرح پر کہہ سکتا ہے البتہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے لفظ لفظ کے معانی دقیقہ و مطالب رقیقہ و مقاصد علیہ اور پھر الفاظ کی ترتیب عجیب اور کچھ آیتوں آیتوں کے باہمی ارتباط اور اسرار اور حکم اور کوزہ میں دریا کی طرح بند ہونے اور نشر وپیہہ معاد و معاش اور رشتہ ہے جو بہ منفعت فطرت انسانی و دیگر علوم و معارف وحقائق الٰہیہ کے لحاظ سے تمام روئے زمین کے جنوں اور انسانوں اور تمام زمینوں اور تمام آسمانوں اور تمام فرشتوں غرضکہ ساری مخلوقات کو جو من دون اللہ ہیں داخل ہے تحدی کے طور پر مخاطب کیا جا سکتا ہے جو جو آسمانی کتاب کبھی بھی ہوتی ہے سب کا مضمون اور ماحصل یہی ہے یعنی یہہ کہ تمام معشر الجن والانس اس فطرت اللہ و خلق اللہ کی جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے محافظت کریں اور اس میں کچھ بھی تغیر و تبدیل نہ کریں اور اس امانت اللہ اور نعمت اللہ میں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دی ہے خیانت اور کفران نہ کریں جیسا کہ پہلے تفسیر فاتحہ کے صفحہ ۳۰-۱۰ میں تشریح ہو چکی ہے۔ سو اب جو جو مسئلہ فطرت اللہ و خلق اللہ کی رعایت اور محافظت کرنے کے لئے ضروری تھے وہ کیا بلکہ مباح تک بھی ہیں وہ تو سب کے سب اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب میں موجود ہیں اور جو جو مسئلہ جس جس حکمت کیواسطے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے اس حکمت کے لئے ویسا مسئلہ سارا جہان بھی ملکر بنانا چاہے تو نہیں بنا سکتا۔ پس فطرت اللہ و خلق اللہ کی رعایت اور اصلاح اور محافظت اور تربیت کرنے کے واسطے یعنی یہہ کہ معاد اور معاش کے متعلق جو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے بس وہی بالکل حق اور راست اور عین حکمت الٰہی کے موافق ہے مثلاً اگر فطرت اللہ کی محافظت وغیرہ کے واسطے منجملہ دیگر محافظات کے بدنی عبادتوں میں سے نماز ہے تو نماز سے بڑھکر کیا نماز کے برابر بھی اور تجویز کا ہونا ممکن ہے۔ اسی طرح از قسم منکرات سوائے اور کوئی قطعنا ایسا ہو ہی نہیں سکتا جو ان کی برابری کر سکے علیٰ ہذا القیاس سرقہ کی تعزیر یعنی قطع ید کے سوائے کوئی اور تعزیر ممکن ہی نہیں ہے کہ فساد فی الارض کا انسداد کر سکے علیٰ ہذا القیاس جو جو بات قرآن مجید میں جس جس مطلب کے واسطے بیان ہوئی ہے اس مطلب کو پورا کرنے کے لئے اس بات کے سوائے اور بات ممکن ہی نہیں کہ وجود میں آ سکے پس

فاتوا بسورۃ من مثلہ کا مطلب یہہ ہے کہ اے معترضین و مخالفین یہہ قرآن مجید کل کا کل معشر الجن والانس کی فطرت اللہ و خلق اللہ کی حفاظت و رعایت و اصلاح و تربیت کے لئے رب العلمین نے نازل فرمایا ہے سو اگر تم کو اسکے کلام اللہ ہونے میں معشر الجن والانس کے مربی اور مصلح ہونے میں کسی قسم کا بھی تردد ہو تو تم بھی ویسا ہی کوئی مسئلہ پیش کرو جو فطرت اللہ و خلق اللہ کی حفاظت وغیرہ اسی طرح پر کر سکے جس طرح یہ اسکے مقابلہ میں آ الٰہی مسئلہ کر سکتا ہے کیونکہ اسکے آگے اللہ تعالیٰ جو علیم خبیر ہے اور جسکا ہر ایک نازل فرمایا ہوا مسئلہ اس قسم کا ہے کہ جو ہر انسان اور ہر مکان اور ہر زمان اور ہر شان پر تا مال الوجود حادی اور پیدا ہوتا ہے کلی طور پر کل دنیا کی تحدی اور مقابلہ اور معارضہ کی نفی کر کے فرماتا ہے ولن تفعلوا یعنی ہرگز ہرگز تم کسی ایک ادنیٰ سے ادنیٰ مسئلہ کے پیش کرنے پر بھی قادر نہیں ہو سکتے نہ ہو سکو گے۔

اب فرض کرو کہ کوئی شخص فطرت اللہ و خلق اللہ کی حفاظت وغیرہ کرنے کے لئے کوئی مسئلہ پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ لو یہہ مسئلہ ایسا ہے جیسے تم مانگتے ہو تو یہہ وہ مسئلہ دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو وہ نفی یہہ مسئلہ فطرت اللہ و خلق اللہ کی حفاظت وغیرہ کے لئے مفید ہے یا مفید نہیں ہے۔ اگر مفید ہے تو الٰہی کتاب میں خواہ مخواہ

اور قطعی و یقینی طور پر موجود ہوگا اسواسطے پیش کرنے والا وہی مسئلہ پیش کرتا ہے جو آگے ہی کتاب اللہ میں موجود ہے اور وہ اس کی مثل نہیں لاسکا اور اگر وہ مفید نہیں ہے تو اس صورت میں بھی پیش کنندہ عاجز محض رہتا ہے۔ کیونکہ قرآنی مسئلے کی مثل وہ پیش نہیں کرسکا۔

الحمد للہ کہ اس آیت کا مطلب یہاں تک بخوبی لکھا جا چکا ہے جسکا خلاصہ یہہ ہے کہ اللہ تعالے کل دنیا کو چیلنج (تحدی) کرتا ہے کہ فطرت اللہ و خلق اللہ کی حفاظت و رعایت و اصلاح و تربیت کے لیئے جو جو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے وہ ایسا ہے کہ جملہ مخلوقات بھی اگر ملکر اس کے کسی ایک مسئلے کے برابر بھی کوئی مسئلہ تجویز کرنا چاہیں تو تجویز نہ کرسکیں گے۔ اور اگر کوئی اس عبارت کی فصاحت و بلاغت کا بھی معارضہ کرنا چاہے تو وہ بھی ناممکن ہے اب ہم بتاتے ہیں کہ تفسیر ہذا کے اصول ششم کے مطابق چونکہ قرآن مجید میں تکرار نہیں ہے اسواسطے اسی قسم کی آیات جو جو بعض بعض جگہ قرآن کریم میں مذکور ہیں اُن کا بیان کرنا اور اُن کے موارد و مواقع و مفادات جداگانہ کا بتانا از بس ضروری ہے ایک جگہ یوں ہے۔

قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا ۝ (پ۱۵ ع۱)

"تو کہہ کہ جو کوئی جنس انس و جن ہے یعنے جسقدر ذوی العقول ہیں جنمیں ملائکہ بھی داخل ہیں اگر سب کے سب اس بات پر متفق قائم کرلیں کہ اس کامل صفات و جامع کمالات والے قرآن کا مثل تجویز کرلیں تو اسکا مثل نہیں لاسکیں گے اور اگرچہ آپسمیں ایک دوسرے کے مددگار بھی بنجادیں"

اس آیت میں قرآن مجید کی اصلیت کا حال بیان کیا گیا ہے کہ وہ کیسی مبارک اور کامل صفات و جامع کمالات والی کتاب ہے اور اس میں یہہ بیان کیا گیا ہے کہ اسکے اندر اسقدر نامتناہی حقائق و معارف بھرے پڑے ہیں کہ جملہ ذوی العقول جنکے معلومات ناقص اور محدود اور متناہی ہوتے ہیں ان کو اُن معلومات کا جو الٰہی معلومات ہیں انتہا تک بھی نہیں ہوسکتا پھر وہ قرآن کا مثل قرآن کس طرح بنا سکتے ہیں۔ پھر اس میں یہہ بھی بیان ہے کہ یہہ قرآن بھی روح ہی ہے جو حیات ابدی بخشتا ہے اور امر ربی ہے جو تمام ذوی العقول کے جسمانی اور روحانی تربیت کرتا ہے جسب انکے تمام غیر متناہی حقائق اور معارف کے سمجھنے سے تم قاصر ہو اور جو کچھ بھی علم تم کو ہم نے عطا کیا ہے گو وہ ہمارے علم کی نسبت کچھ بھی نہیں ہے اور محض قلیل ہی قلیل مگر تمہاری بساط اور استعداد کے موافق کافی و افی شافی اور عالی ہے اسکو اگر درست طور پر حسب تعلیم الٰہی استعمال میں لاؤ تو قرآن کریم کے غوامض اور حقائق اور معارف جو حیات ابدی بخشتے ہیں اپنے علم کی بساط کے موافق سمجھ سکتے ہو تو جس روح کی بابت تم سوال کر رہے ہو وہ بھی امر ربی ہے۔ اور ایسی لطیف اور پاکیزہ چیز ہے کہ جسکو بلا واسطہ مادہ اللہ تعالے پیدا کرتا ہے چونکہ وہ مادی چیز نہیں ہے اسواسطے اسکی نہ تو کوئی شکل و صورت ہے نہ اس کی کچھ مقدار ہی ہے نہ وہ بدن کا کوئی جزو ہی ہے نہ وہ اس ترکیب عنصری کا کوئی حصہ ہوسکتا ہے وہ مادی اور مادی چیزوں کی طرح حادث تو ہے مگر اسلئے نہیں کہ وہ کوئی مادی چیز ہے بلکہ اس وجہ سے کہ وہ امر ربی یعنے محض ارادہ الٰہی سے بلا واسطہ مادہ پیدا کیا جاتا ہے ولہذا بدن کی طرح وہ محل عوارض تغیر و تبدل و فنا نہیں ہوسکتا بلکہ بدن سے جدا ہونے کے بعد وہ ویسا ہی رہتا ہے جیسا کہ وہ پہلے موجود تھا البتہ مطابق کل شئی ھالک الا وجھہ (پ۲۰ ع۱۲) و نیز کل نفس ذائقۃ الموت (پ۴ ع۱۰) اللہ تعالے تمام ارواح کو بھی معدوم و ہلاک کر ڈالیگا اور پھر زندہ کرکے پھر باقی رکھیگا اسکے سمجھنے کے لئے بڑا بھاری تبحر علم درکار ہے اور تبحر اسی شخص کو حاصل ہوسکتا ہے جو حقائق و معارف کے جاننے میں مہارت تامہ رکھتا ہو اور چونکہ قرآن مجید حقائق و معارف نامتناہیہ پر حاوی ہے اسواسطے اس روح کی ماہیت اور حقیقت اور علت غائی وہ شخص معلوم کرسکتا ہے جو قرآن مجید کے حقائق اور معارف کے جاننے میں متبحر ہو۔ غرضکہ یہاں قرآن مجید کی مثل ہونے کا محض بیان ہی بیان ہے کہ جس طرح غیر فانی ارواح اس فانی جسم کو حیات بخشتا ہے اس سے بڑھکر یہہ قرآن کریم ہے جو جسم اور روح دونو کی تربیت اور حفاظت کرتا ہے اور خود روح کو ابدی حیات طیبہ بخشتا ہے یہاں معارضہ اور مقابلہ و تحدی کا کچھہ ذکر نہیں ہے۔ دوسری جگہ اللہ تعالے احبار کفار کا قول اور اس کا جواب یوں نقل فرماتا ہے۔

ام یقولون تقولہ بل لا یؤمنون ۝ فلیاتوا بحدیث مثلہ ان کانوا صٰدقین ۝ (پ۲۷ ع۳)

"کیا یہہ کہتے ہیں کہ اس نے خود قرآن کو گھڑ لیا ہے گھڑا وڑا تو کچھہ نہیں ہے بات یہہ ہے کہ یہہ لوگ اصل میں ماننا چاہتے ہی نہیں اچھا اگر یہہ لوگ سچ کہہ رہے ہیں تو پھر کوئی ایسا کلام پیش کریں جو اس قرآن جیسا ہو"

اس آیت سے اوپر کی آیات میں یہہ ذکر ہے کہ بعض منکر لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کاہن اور بعض لوگ مجنون اور بعض لوگ شاعر کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ اللہ تعالے پوچھتا ہے کیا یہہ لوگ اپنی عقلوں سے ایسی ایسی باتیں کہہ رہے ہیں اور جواب میں ارشاد فرماتا ہے کہ عقل ایسا فتویٰ ہرگز نہیں دیتی یہہ ساری باتیں محض اُن کے طغیان و ضلالت اور شرارت کی وجہ سے ہیں۔ پھر اس کی بابت اللہ تعالے پوچھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو عاقبت

اور ضلالت اور شرارت سے یہ لوگ کاہن وغیرہ کہتے ہیں اب خود قرآن کریم کی نسبت اُن کا مقولہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ہوائے نفس سے جعلسازی اور مصنوعیت سے گھڑت مضامین بنا لیتے ہیں اس قرآن کو بنا لیا ہے یہ سارے اعتراضات وال ہیں اس بات پر کہ معترض لوگ پڑھے لکھے ہوئے عالم فاضل مولوی پنڈت پادری وغیرہ وغیرہ لوگ ہیں کیونکہ جہلا یا فرقہ رہبان یا صوفی سادھو مشائخ وغیرہ کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ کسی کلام یا مضمون پر اس قسم کے اعتراض کریں پس اس آیت میں تحدی ہے خاصکر فرقہ احبار سے اور ان کو حکم ہو رہا ہے کہ تم لوگ جو اسکو من گھڑت کہہ رہے ہو تم ہی بڑے بڑے پڑھے لکھے ہوئے ہو قرآن کریم کے کسی مثل اور نظیر سے اور نسخے اور قانون مستمرہ و مستقیمہ وائمہ جیسا کوئی سامنا لے آؤ جو فطرت اللہ و خلق اللہ کی حفاظت و رعایت و تربیت و اصلاح کے لئے ویسا ہی مفید ہو جیسے کہ قرآن کریم کا مسئلہ ہے۔ اسی طرح رہبان مشائخین کے مقولے اور ان کے جواب اللہ تعالے یوں بیان فرماتا ہے۔۔

فلما جاءھم الحق من عندنا قالوا لولا اوتی مثل ما اوتی موسی اولم یکفروا بما اوتی موسی من قبل قالوا سحرٰن تظاھرا وقالوا انا بکل کٰفرون ۵ قل فاتوا بکتٰب من عند اللہ ھو اھدٰی منھما اتبعه ان کنتم صٰدقین ۵ (پ ۲۰ ع)

" پھر جب ان کے پاس ہماری جانب سے کامل صداقت و جامع کمالات والا حق یعنے قرآن مجید آتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ اسکو کیوں موسے کی جیسے معجزات وغیرہ نہیں دیئے گئے کیا یہ لوگ پہلے ہی سے اُسکا انکار نہیں کر چکے جو موسے کو دیئے گئے تھے اور اُن کا یہ قول ہے کہ یہ دونو کتابیں یعنے کامل حق جو ان کے پاس آ چکا ہے اور وہ کتاب جو موسی کو دی گئی تھی اور جسکے مضامین الوہیہ کی تصدیق یہ کامل حق کرتا ہے دونوں کی دونوں سحر جادو ہی جادو ہیں جو ایک دوسری کی مد و مددگار رہیں اور ان کا یہ قول ہے کہ ہم تو اس کو بھی نہیں مانتے اور اسکو بھی نہیں مانتے یعنے ان دونو کتابوں کے ہم منکر ہیں تو کہہ کہ اگر تم سچ جانتے ہو اور یہ کہہ رہے ہو تو اپنی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے پیدا اللہ کی جانب سے کوئی ہی کتاب لے آؤ جو ان دونو کتابوں سے بڑھکر راہ راست پر لانے والی ہو اگر تم لے آؤ گے تو پھر اسی کی پیروی کر لوں گا "

اس سے صاف ظاہر ہے کہ فرقہ رہبان جو کشف و شہود اور کرامات و معجزات اور خوارق عادات کے طالب اور دلدادہ ہوتے ہیں اور اس اصلی منشاء کتاب آسمانی یعنے حفاظت و رعایت و اصلاح و تربیت فطرت اللہ و خلق اللہ سے ناواقف ہوتے ہیں ان کو بطور تحدی کہا گیا ہے کہ آسمانی کتابوں کے مسائل اور قوانین جو عین اصلاح و تربیت فطرت اللہ و خلق اللہ ہوتے ہیں اگر تم کو [اھدٰی] یعنے ساری دنیا کی تجاویز و تعلیمات سے بڑھکر جاوی معلوم نہیں ہوتی تو کچھ تم ہی کوئی ایسے مسائل پیش کرو جو آسمانی تعلیمات کو مات کر سکیں۔ اس آیت میں اللہ تعالے نے [اھدٰی] کتاب لانے کو کہا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ [illegible] کو چھوڑکر دوسری چیز کی طرف اسی وقت رغبت کیا جاتا ہے جب دوسری چیز پہلی چیز سے بڑھکر ہو [illegible] اس آیت میں بھی تحدی کی گئی ہے کہ مسلمان کو حکم ہو رہا ہے کہ تم جملہ مخالفین فرقہ رہبان وغیرہ جو اوروں پر [illegible] کا دم بھرتے ہیں کہہ دو کہ جو تمہاری کتاب ہے پہلے کو بتا دو [illegible] تم ہماری کتاب سے بڑھکر ہادی کتاب پیش کرو۔ اور اگر وہی مسئلہ پیش کرو جو اسکی ہیں تو تم اپنے کام رہنے دو [illegible] اس آیت سے اللہ تعالے فرماتا ہے کہ یہ فرقہ مشائخین رہبان محض ہوا پرست ہوتا ہے ان کو ایمان سے کیا واسطہ اور ہدایت کیا غرض یہ تو نفس پرستی میں مصروف ہیں۔ ایک اور جگہ اللہ تعالے فرماتا ہے ان لوگوں کی اصلاح کے لئے جو محض ظن ہی ظن اور قیاسی ڈھکوسلوں کے پیچھے چلتے ہیں اور بلا علم اور بلا تدبر کے [illegible] کہہ دیتے ہیں کہ یہ قرآن خدا کا کلام نہیں ہے صرف محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا من گھڑت اور خانہ ساز مجموعہ اقوال ہے اللہ تعالے ان لوگوں کا حال نقل کر کے فرماتا ہے

وما کان ھٰذا القرآن ان یفتری من دون اللہ ولکن تصدیق الذی بین یدیه وتفصیل الکتٰب لا ریب فیه من رب العٰلمین ۵ ام یقولون افترٰه قل فاتوا بسورۃ مثله وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صٰدقین ۵ (پ ۱۱ ع)

" اور یہ کامل صداقت و جامع کمالات والا قرآن ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالے کے سوا اس کی سارے کی مخلوقات میں سے کسی کی بھی طاقت ہو کہ اسکو اپنی جانب سے بنا لے یہ قرآن تو رب العالمین کی جانب سے ان تمام آسمانی کتابوں کی جو اس سے پہلے بھیجی جا چکی ہیں تصدیق کرتا ہے اور جو آسمانی کتاب کہ پہلے دی گئی ہے ان سب کی تفصیل کرتا ہے اسکے اندر کسی قسم کے [illegible] [illegible] قرآن [illegible] کی [illegible] نہیں ہے بلکہ اسکو محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے خود گھڑ لیا ہے [illegible] کا مثل ہی لاؤ اور دیکھو کہ اس کلام میں [illegible] [illegible] صداقت [illegible] [illegible] "

وبشر الذین امنوا وعملوا الصلحت ان لهم جنت

اور ان لوگوں کو جو صدق دل سے قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے پر ایمان لاتے اور اسکی تعلیم کے مطابق وہ وہ نیک کام کرتے ہیں جو اس کتاب میں مذکور ہیں یہ خوشخبری سنا دے کہ انکے لئے بڑے عظیم الشان

اس کے بعد اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اس تکذیب اور اس قسم کے تمام اعتراضات کیوجہ انکی اپنی بے اتفاقی اور عدم احاطہ علم ہے ۔ اس آیت میں ان تمام فلاسفروں اور حکماؤں کی اصلاح کا ذکر ہے جو سلسلہ نزول کتب آسمانی سے ناواقف ہوتے ہیں اور اس سلسلہ کی تعلیم پر دھیان نہیں کرتے ۔ انکو ایک تو اس سلسلہ نبوت پر غور کرنے اور دوسرے اس ضمن میں یہ بات یقین کر لینے کی تعلیم ہے کہ آسمانی تعلیم کا ہم پلہ کوئی تعلیم بھی نہیں ہو سکتی خواہ ہزاروں تم حکمائے الٰہی بن بن بیٹھو ۔

اسی طرح اللہ تعالےٰ دنیا پرستوں اور دنیا داروں کا جو روپے پیسے کے بندے اور دنیا کے جاہ و جلال اور حشمت و شوکت کے خواہاں ہوتے ہیں اور قرآن کریم کی تعلیم ان کی نفسانی خواہشوں کے برخلاف ہوتی ہے اسواسطے انکو وہ بھلی معلوم نہیں ہوتی تو بجائے اسکے کہ اپنی تن پرستی اور دنیا داری کو چھوڑ کر قرآن کریم کے مطابق اپنی فطرت اللہ و خلق اللہ کی اصلاح کریں اور اسکے مطابق اس کی تربیت کریں لگتے ہیں الٹے قرآن کریم پر آوازیں کسنے اور اس قسم کی باتیں بنانے کہ یہ قرآن ہے یہ ملانوں کا بنایا ہوا ۔ خدا نے دنیا پیدا ہی کیوں کیا ہے جو ہم کو دنیا کی عیاشیوں اور دنیا کی لذتوں سے منع کرتا ہے اللہ تعالےٰ ان کا قول نقل کرتا ہے

ام یقولون افترٰىه قل فاتوا بعشر سور مثله مفتریٰت وادعوا من استطعتم من دون اللّٰه ان کنتم صٰدقین ٥ (پ۱۲ ع)	وہ کیا یہ کہتے ہیں کہ اسکو محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے خود بخود اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے تو کہہ اگر تم سچ کہہ رہے ہو تو تم صرف کوئی سے دس مسئلے ہی من گھڑت پیش کر دو جو

اس قرآن کے مسئلوں کا مثل ہوں اور تمام مخلوقات کو جو اللہ تعالےٰ کے سوا ہے بلا دیکھو جنکو تم بلا سکتے ہو ۔

اس آیت سے اوپر بھی کنتم اور تحتہا کے الفاظ ہیں کنز سے مراد ہیں دنیوی تعارفات غیرہ قبیہ مثلاً باغ کھیتیاں ۔ حویلیاں ۔ لاؤ لشکر جیسا کہ قرآن مجید میں اور جگہ ایسا آیا ہے اور ملائکہ سے مراد ملائک ظاہر ہے کہ دوسری جگہ قرآن مجید میں آیا ہے یعنے ہمارے منوانے کے دو ہی طریق ہیں یا تو نبی کے پاس ظاہری دنیوی جاہ و جلال ہو ورنہ پھر عذاب اور قہر الٰہی نازل ہو ۔ جس طرح پہلی قوموں پر فرشتے عذاب لیکر اترتے رہے ہیں ہم پر بھی اتریں ۔ خیر اسکے بعد کی آیت میں ان مختصروں کے مجملہ بیان کرنے کے بعد پھر فرمایا کہ جو کوئی اس فانی اور عارضی دنیا اور اسی کی زینتوں کا ہی خواہاں ہوگا وہ آخرت میں نامراد رہیگا ۔ ان لوگوں کو صرف یہی کہا گیا ہے کہ جس طرح پہلی آسمانی کتابوں میں عموماً اور توریت میں خصوصاً بالتعیین (خروج باب ۲۰) احکام عشرہ اللہ تعالےٰ نے بیان فرمائے اور جنکی تصدیق و تفصیل مع دیگر مسائل الٰہیہ قرآن مجید میں موجود ہے اور جو تمام دنیا پرستوں و دنیا داروں کی دنیا پرستی کے منافی ہیں تم صرف احکام عشرہ ہی اس قسم کے پیش کر دو جو قرآن کریم کے دس مسئلوں کے برابر ہوں خواہ دس مسئلے کیسے ہی سہل سے سہل کیوں نہ ہوں نہ بہت مجموعی اگر دیکھا جاوے تو قرآن کریم میں بدلائل منزل تین طرح پر تحدی کی گئی ہے ۔ اول کل قرآن کے مثل کی تحدی ۔ دوم لوگوں کی تقریع اور توبیخ اور تبکیت اور تنقیح اور تذلیل اور تعجیز کے لئے صرف دس مسئلوں کی مثل کی تحدی ۔ سوم کل مخلوقات کی تعجیز اور تبکیت اور توبیخ اور تقریع اور تذلیل اور تنقیح کے لئے صرف ایک ہی مسئلہ قرآن کریم کے مثل کی تحدی کی گئی ہے ۔ ان آیات کو نقل کرنے کے بعد اب ہم قرآن کریم کو کل مخالف دنیا کے سامنے بطور تحدی پیش کرتے ہیں اور ان سے درخواست کرتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو اور تمکو قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے میں شک ہے تو تمکو ہم نہ سارے قرآن مجید کا مثل لانیکو کہتے ہیں اور نہ صرف دس مسئلے ہی لانیکو کہتے ہیں بلکہ ہر طرح کا تنزل اختیار کر کے صرف تم سے ایک ہی مسئلہ طلب کرتے ہیں جو قرآن کریم کے کسی مسئلہ کا مثل ہو جسکے بجائے تم اپنا مسئلہ پیش کرنا چاہتے ہو ۔ اور یاد رکھو کہ تم ہرگز ہرگز پیش نہ کر سکوگے اور اگر تم اسی شک پر مر گئے تو تمہارے لئے دوزخ تیار ہے ۔ اللھم انا نعوذ بک منہا ۔

خلاصہ اب اس آیت میں اللہ تعالےٰ ان لوگوں کا حال بیان فرماتا ہے جو کتاب اللہ کے کسی کلمہ پر بھی کسی قسم کا تردد بغیر کلام الٰہی ہونے کا نہیں کرتے بلکہ صدق دل سے اسکے حرف حرف کو منجانب اللہ ہونا یقین کرتے ہیں اور اس کی تعلیم کو تعلیم ربانی یقین کر کے اسکے مطابق اپنے اعتقادات اور عبادات اور معاملات کو درست کرتے رہتے ہیں جس طرح منکرین کے لئے دوزخ تیار ہے اسی طرح ان مومنین کے لئے جنت تیار ہے ۔

الصلحت میں آل عہدی ذکری ہے یعنے وہ نیکیاں جو قرآن مجید میں مذکور ہیں جو تعلیم ربانی سے فطرت اللہ و خلق اللہ کی حفاظت و رعایت و تربیت کرتے ہیں ۔ الانہار میں بھی آل عہدی ذکری ہے یعنے وہ چار نہریں جو قرآن مجید میں مذکور ہیں ۔ کما قال اللہ تعالیٰ ۔	تشریح البعض کلماتنا آیت

تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِن ثَمَرَةٍ

بہشت ہیں جنکے باغوں کے درختوں کے تلے وہ ندیاں بہ رہی ہیں جنکا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ ان بہشتوں میں سے جب جب ان بہشتیوں کو کوئی میوہ کھانے کو دیا جاویگا تو

رِّزْقًا قَالُوا هَٰذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِن قَبْلُ وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا

کہیں گے یہہ میوہ تو وہی ہے جو ہم کو اس سے پہلے مل چکا ہے۔ اور ان کا یہہ کہنا اس سبب سے ہوگا کہ ان کو یہہ میوے ایک ہی صورت شکل کے دیئے جاوینگے

مثل الجنة التي وعد المتقون فيها انهار من ماء غير اسن وانهار من لبن لم يتغير طعمه وانهار من خمر لذة للشاربين وانهار من عسل مصفى ۔ رکوع ۲ ع

درجس جنت کا وعدہ ان لوگوں کو جو متقی ہوتے ہیں دیا گیا ہے اسکا وصف یہہ ہے کہ اس میں ان لوگوں کے لئے جو جنت میں داخل ہوکر بیٹھیں گے اچھے عمدہ اوصاف والے پانی کے عالیشان نہریں ہیں کہ جنہیں کبھی بو پیدا نہیں ہوسکتی اور ایسے عالی نہر دودھ کی عالیشان نہریں ہیں کہ جسکا ذائقہ کبھی بھی نہیں بدلتا اور عالیشان لذیذ شراب کی نہریں ہیں اور بڑے عالی شان بالکل پاک صاف شفاف شہد کی نہریں ہیں۔

اسی طرح مفسر حقانی حکیم ربانی منظر رحمانی صاحب اپنے معراج جسمانی کے ذکر میں فرماتے ہیں اور جنت کی باتوں کے انہیں چار نہروں کے دیکھنے کا ذکر فرماتے ہیں جیسا کہ مشکوٰۃ کے باب فی المعراج کی فصل اول کی حدیث اول میں جو متفق علیہ حدیث ہے مذکور ہے کہ جب میں سدرۃ المنتہیٰ میں پہونچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں چار نہریں ہیں دو نہریں تو اندر کی طرف کو جارہی ہیں اور دو باہر کی طرف کو آرہی ہیں میں نے پوچھا کہ اے جبرئیل یہہ نہریں کیسی ہیں جبرئیل نے فرمایا کہ وہ دو نہریں جو اندر کی طرف جارہی ہیں سو وہ تو جنت میں جارہی ہیں اور دوسری دو نہریں زمین کی طرف جارہی ہیں اور النیل اور الفرات انہیں دو نہروں سے پانی لیتی ہیں خلاصہ یہہ ہے کہ روئے زمین کے کل دریا اور کل سمندر انہیں دو نہروں سے بہتے ہیں جنت کی تاثیر چونکہ تغیر و تبدیل وغیرہ سے بری ہے اسواسطے وہاں یہہ پانی ایسے ہی رہتے ہیں اور دنیا چونکہ محل تغیر و تبدل و فنا ہے اسواسطے اسکی تاثیر سے یہاں پر وہ پانی بھی محل تغیر و تبدل بنا رہتا ہے کیونکہ النیل اور الفرات میں آب جنتی ہے چنانچہ مسلم کی حدیث میں سیحون اور جیحون کی آپکا بہت تو مراد اسی جنس پانی سے جو دنیا میں موجود ہے۔ اسی طرح اسی کتاب کے باب مناقب عمر کی فصل اول کی حدیث ثالث مروی از جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جنت میں داخل ہوا تو وہاں جنت کے صحن میں ایک بڑا بھاری محل دیکھا اور اسمیں ایک عورت تھی میں نے پوچھا کہ یہہ کس کے متعلق ہے جبرئیل ہو نے کہا کہ یہہ محل اور یہہ عورت عمر رضہ کی ہیں میں نے چاہا کہ میں اس محل میں داخل ہو کر اس محل کی سیر کروں پھر مجھے عمر کی غیرت یاد آگئی۔ اسپر عمر رضہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے والدین آپ پر فدا ہوں اتنا ان میں کبھی ہو سکتا ہے کہ میں آپ اور آپ پر غیرت کروں۔

اسی طرح ایک دفعہ نماز خسوف پڑھاتے پڑھاتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ گئے اور کچھ اس طرح پیچھے ہٹ گئے جب نماز سے فارغ ہوئے تو تمام نمازیوں کو خطبہ سنایا اور یہہ بھی فرمایا کہ نماز پڑھتے پڑھتے جنت اور دوزخ اور جنت اور دوزخ کی وہ نعمتیں جنکا وعدہ و وعید قرآن مجید میں دیا گیا ہے مجھکو سب کا سب دکھایا گیا ہے تم نے جب مجھے آگے بڑھتے دیکھا تھا تو اس کی وجہ یہہ تھی کہ جنت نظر آئی اور میں نے چاہا کہ اس کا پھل لوں اور جب تم نے مجھے پیچھے ہٹتے دیکھا تھا تو اس کی وجہ یہہ تھی کہ میں نے جہنم کو دیکھا کہ اس کی آگ اور اسکے شعلے آپس میں ایک دوسرے کو توڑ رہے ہیں (مشکوٰۃ باب صلوٰۃ الخسوف اذا انخسفت الا باب صفة الصلوٰۃ)

اسی طرح بخاری میں باب کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہہ بھی مروی ہے کہ میں جنت میں داخل کیا گیا کیا دیکھتا ہوں کہ اسکے اندر حبائل لولو (موتیوں کے ہار اور موتیوں کے خیمہ اور محل) ہیں اور اس کی مٹی سب کی سب کستوری کی ہے

وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّهُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ

اور ان کے لئے ان بہشتوں میں بڑی عالی قدر بیبیاں ہونگی جو ہر طرح کی جسمانی اور روحانی پلیدیوں اور آلائشوں سے بالکل پاک ہونگی اور یہہ بہشتی لوگ انہیں سدا اسمیں رہینگے

جنت - ازواج کی تنوین تعظیم کے لئے ہے یعنے بڑے عظیم الشان اور عالی رتبہ بہشت اور بیبیاں - مطہرۃ سے مراد ہے ہر قسم کی قذر اور نجاست بدنی اور روحانی سے بالکل اعلے درجہ کی پاک صاف - من ثمرۃ رزقا سے پہلے چونکہ جنات کا ذکر ہے اسواسطے یہہ ثمرات اور میوجات حقیقی اور حسی ہیں نہ کہ محض خیالی اور عقلی اور حقیقی اور حسی اسی طرح ہیں جس طرح یہہاں اشیا حقیقی اور حسی اس دنیا کے اندر موجود ہیں - دوئم یہہ کہ یہہ دوزخ اور جنت اسوقت بھی موجود ہیں دوزخ اور جنت اور ان کے آلام و نعما کو بعض لوگ محض خیالی اور عقلی ہی خیال کرتے ہیں اور دوزخ اور جنت اور ان کے عذابوں اور نعمتوں کی حقیقت کے منکر ہیں ان کے نزدیک جنت اور جنت کے نعما رضا اعلی درجہ کی راحت اور عقلی خوشی کا نام ہے اور دوزخ اور دوزخ کے عذاب محض پرلے درجہ کے عقلی غم اور رنج کا نام ہے - غرضکہ ان کا جنت بھی محض خشکی ہی خشکی ہے اور دوزخ بھی ایسا ہی ہے جن لوگوں کا جنت دوزخ کی نسبت ایسا خیال ہو تو پھر اعمال صالحہ کرنے اور منکرات سے بچنے کی انسے توقع رکھنا قریب قریب ناممکن کے ہے یہہ ان کی سخت غلطی ہے - قرآن کریم بالکل صاف صاف اور باآواز بلند پکار پکار کران ساری چیزوں کی حقیقت کو بیان کر رہا ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مفسر حقانی اور حکیم ربانی بہ تعلیم رحمانی قرآن کریم کی ہی ان آیات کی تفسیر و تفصیل جنمیں جنت دوزخ اور ان کے لوازمات کا ذکر ہے بہ بسط تمام بیان فرما چکے ہیں - اوپر کی آیت میں تم پڑھ چکے ہو کہ ایسے پانی اور ایسے دودھ اور ایسے خمر اور ایسے شہد کی نہریں ہیں کہ ان میں اس دنیا کی ان چیزوں کی طرح تغیر و تبدل و بو کا نشان نہیں - کیا یہہ نہریں محض خیالی ہی خیالی ہیں اور کیا معاذ اللہ اللہ تعالے دنیا میں اپنے بندوں کو خواہ مخواہ ایسی ایسی باتوں سے ٹھگتا ہے - جیسے ماں یا باپ کسی مٹھائی کے لالچ سے اپنے بچے سے کوئی کام نکلوا لیتا ہے ما قدروا اللہ حق قدرہ اور کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم محض خیالی تکیں چلا رہے ہیں اور کیا وہ مومنین کو معاذ اللہ صرف دھوکا ہی دھوکا دے رہے ہیں - اوپر کی احادیث سب کی سب صحیح ہیں خدا سے ڈرنا چاہئے ایسے ایسے خیالات سے نہ قرآن کریم ہی صادق رہ سکتا ہے اور نہ اس کلام کا مالک یعنے اللہ تعالے ہی بلکہ دو تو ہی بالکل دھوکا باز بنجاتے ہیں معاذ اللہ ان نکون من قائلی ھذہ الھفوات فطرت صحیح اور عقل سلیم دونو ہی اس بات پر متفق ہو کر فتوے دیتے ہیں کہ انسان جس حیثیت اور کیفیت اور حالت پر مرتا ہے اس کی وہ حالت اسکے ساتھ ہی رہتی ہے اور پھر جب اس کو اللہ تعالے اسی جسم اور اسی روح کے ساتھ اٹھاویگا تو یقینی طور پر انسان تو وہی ہوگا جو مرا تھا اور اسی حالت پر اٹھیگا جس حالت پر مرے گا اسکے اندر وہی تینوں قوتیں ہوں گی جو اب ہیں یعنے سبعی بہیمی - ملکی - اور جس جس حالت پر یہہ تینوں قوتیں تھیں اسی حالت پر حشر کے وقت بھی ہونگی پھر ضروری ہوا کہ جس جس قوت کی کوئی غذا ہے یا جس جس قوت کی کوئی اصلاح ہے یعنے تعزیر و تعذیب عارضی یا ابدی وہ اسکو دیجاویگی پس جنتی جنت میں قوت ملکی کی بھی اور قوت سبعی کی بھی اور قوت بہیمی کی بھی تربیت کریں گے اور ان کی تربیت کے سارے سامان اور لوازمات موجود ہوں گے پس وہاں دیدار خدا اور حور عین اور نعماء دیگر کا ہونا از بس ضروری ہے اسی طرح دوزخ میں بھی ان تینوں بگڑی ہوئی اور بگاڑی ہوئی قوتوں کے لئے عذاب الیم کا ہونا ضروری ہے - بعض کے لئے عارضی اور بعض کے لئے ابدی یعنے اپنے اپنے اعمال کی حیثیت کے مطابق - قرآن مجید میں جنتیوں کی تینوں قوتوں اور دوزخیوں کی تینوں قوتوں کا بیان بہت جگہ مذکور ہے ہم بخوف طوالت آیات چھوڑ دیتے ہیں اور صرف اشارے کے طور پر اتنا لکھ دیتے ہیں کہ جنتیوں کی قوت ملکی کی تربیت یہہ ہے کہ وہ وہاں دیدار خدا کرینگے ان کی بول چال سب کی سب سلاماً سلاماً ہوگی الحمد للہ رب العالمین ان کا وردزبان عموماً ہوگا بطور شکریہ یہہ دعا پڑھا کرینگے - الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ وغیرہ وغیرہ قوت سبعی کی یہہ تربیت ہوگی کہ جب دوزخی ان سے جنت کے نعما وغیرہ مانگیں گے وہ اس غیرت ایمانی میں آکر کہیں گے کہ ان چیزوں کو اللہ تعالے نے تم پر حرام کیا ہے وغیرہ وغیرہ اور قوت بہیمی کی تربیت یہہ ہوگی کہ سب قسم کی نعمتیں کھانے - پینے پہننے - اور ازواج مطہرات ان کو ملیں گے وغیرہ وغیرہ -

اسی طرح دوزخیوں کا حال ہے کہ ان کی قوت سبعی تقاضا کرے گی کہ وہ اپنے جھوٹے پیروں اور جھوٹے مرشدوں - اور جھوٹے اماموں اور جھوٹے مجددوں اور جھوٹے ملہموں اور جھوٹے مصلحوں اور جھوٹے نبیوں اور جھوٹے پیغمبروں اور جھوٹے گروؤں وغیرہم کی نسبت کہیں گے کہ الٰہی یہہ ہمارے بگاڑنے والے ذرا ہمارے سامنے کر کہ ان کو پاؤں تلے لتاڑیں اور ان کو لعنت وغیرہ وغیرہ کرینگے اور تخاصم اہل النار ضرور ہوگا یعنے ایک دوسرے کو بمقتضائے قوت سبعیہ برا بھلا کہیں گے اسی طرح قوت بہیمی کی غذا زقوم - کھولتا ہوا پانی - یا پیپ وغیرہ وغیرہ کھانے پینے کو اور آگ کے کپڑے اور گندھک وغیرہ پہننے کو دیئے جاوینگے - اسی طرح انکی

قوت ملکی اگرچہ بالکل مرگئی ہوئی ہے مگر پھر بھی وہ مردہ قوت بول اٹھیگی اور کہیگی الٰہی اس دوزخ سے ہم کو نکال پھر ہم ایسا نہ کرینگے اور چونکہ یہاں بھی نرلفظ اور قربان اور وسیلہ کی عادت تھی وہاں بھی دوزخ کے داروغہ کو وسیلہ بنائینگے مگر وہ کہاں ان کی ماننے لگا ہے وہ سخت غلیظ القلب ہے اور اپنی قوت سبعی کی وجہ سے ایسا سخت جواب دیگا کہ دوزخی اپنا سا منہ لیکر رہ جاوینگے وہ صاف کہدیگا کہ بس تم کو اب یہیں رہنا ہوگا ۔غرضکہ کتاب اللہ میں اور اسکی حقانی تفسیر یعنے حدیث میں اسقدر حالات اور اوصاف جنت اور دوزخ کے بیان ہوئے ہیں کہ کوئی غیر قوم کا بھی منصف مزاج ان کی حقیقت اور اصلیت سے انکار نہیں کر سکتا چہ جائیکہ مومنین متقین ۔غرضکہ دوزخ کے عذاب بھی جو کتاب وسنت میں وارد ہیں سب کے سب حق اور حقیقی اور حسی ہیں اور جنت کی نعمتیں بھی جو کتاب وسنت میں وارد ہیں سب کی سب حق اور حقیقی اور حسی ہیں ان اشیاء کے حقیقی اور حسی ہونے کو عقل اور نقل دونو مانتی ہیں ۔ اسکے بعد اللہ تعالےٰ نے جنت کے میوہ جات کا ذکر فرمایا ہے واتوا بہ متشابہا جس کا مطلب یہ ہے کہ میوہ ہوگا تو ایک ہی جنس کا اور صورت شکل بھی ملتی جلتی ہوگی مگر وہ ہر حال اور ہر آن میں ایک ہی ذائقے اور مزے کا نہ ہوگا کہ اس سے نفرت پیدا ہو جاتی ہو اور جنت کی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے نفرت پیدا ہوسکے بلکہ اسکا ذائقہ اور مزہ ہر دفعہ ہی کچھ اور کا اور ہوگا مثلاً فرض کرو کہ پہلی دفعہ انار ملا ہے اور پھر دوسری دفعہ جب اسکی ضرورت پڑی پھر انار ملا تو یہ انار بحیثیت انار ہونے کے شکل وصورت میں تو پہلی دفعہ کے انار سے ملتا جلتا ہوگا مگر اس دفعہ اور اس دفعہ کے مزے میں اختلاف ہوگا چونکہ شکل دونو کی ملتی جلتی ہوگی اسواسطے کہیں گے ھذا الذی رزقنا من قبل اور چونکہ جنت اور اسکے لذائذ محض جزاؤ ثواب ایمانیات واعمال صالحہ ہی ہیں جیسا کہ اسی آیت میں پہلے ایمان صحیح اور اعمال صالحہ کی قید لگا دی ہے اور پھر جنت اور جنت کے نعماء کا ذکر بطور ان کے ثمرے اور نتیجے کے بیان فرمایا ہے اسواسطے جیسا جیسا صحیح اعتقاد اور جیسا جیسا عمل صالح ہوگا اسی صحت واخلاص کے مطابق ثمرات بھی ہوں گے ۔ انس دنیا میں بھی عمل تو ہر دفعہ ایک ہی ہوتا ہے مگر اس عمل کی ہر دفعہ کی لذت بسا اوقات جدا ہوتی ہے ۔اور بسا اوقات ایک جیسی ہی ہوتی ہے ۔مثلاً نماز ہی کو دیکھو کہ آج اگر فرض کرو صبح کی نماز کی لذت کی مقدار ایک سیر ہے تو کل اسی نماز کی لذت کی مقدار دو سیر ہوگئی ہے یا سیر سے بھی کم ہوگئی ہے یا صبح کے وقت کی نماز پڑھی گئی ہے اسکی لذت ایک سیر ہے مگر ظہر کے وقت جو نماز پڑھی گئی ہے اس کی لذت یا تو اس سیر سے بڑھ گئی ہے یا کم ہوگئی ہے یا اسکے برابر ہی رہی ہے اسی طرح ہر ایک عمل کا حال ہے حتیٰ کہ سات سو درجے سے بھی زیادہ تک ایک ایک عمل کا اجر بڑھ سکتا ہے دنیا کے پھلوں کا بھی یہی حال ہے مثلاً اناروں کو دیکھو سب کے سب ایک ہی صورت وشکل کے ہوتے ہیں مگر بعض کے ذائقے اور مزے جدا گانہ ہی ہوتے ہیں اور بعض کے ایک جیسے بھی ہوتے ہیں کما قال اللہ تعالےٰ ۔

وھو الذی انشأ جنٰت معروشٰت وغیر معروشٰت والنخل والزرع مختلفا اکلہ والزیتون والرمان متشابھا وغیر متشابہ (پ ۸ ع ۲) ۔

یہ اور اللہ وہ ذات پاک ہے جو بڑے وسیع اور قسم قسم کے باغات پیدا کرتا رہتا ہے ۔ جن میں سے بعض تو ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے ہوتے ہیں اور بعض نہیں چڑھائے ہوئے ہوتے اور کھجوروں اور کھجوروں کی جنس کے کل درخت اور کھیتیاں اور کھیتیوں کی جنس کے کل زراعتیں جنکے پھل مختلف قسم کے ہوتے ہیں پیدا کرتا رہتا ہے ۔اور زیتون اور زیتون کی جنس کے درختوں اور انار اور انار کی جنس کے درختوں کو پیدا کرتا رہتا ہے ان میں سے بعض تو متشابہ یعنے صورت وشکل ومزے میں یعنے ہر طرح سے آپس میں ملتے جلتے ہیں اور بعض ایسے نہیں ہوتے "

وھم فیھا خٰلدون سے مراد یہ ہے کہ بہشتی لوگ کبھی بھی جنت سے باہر نکر دیئے جاوینگے اور نہ ان کو موت آویگی یعنے نہ تو جنت اور جنت کے نعماء کو فنا ہے اور نہ انہیں کی ہوگی ۔ اور نہ ان بہشتیوں کو ہی کسی قسم کی فنا ہوگی ۔

اسکے بعد اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید کے معجزہ اور مومنین کے مستحق نعماء جنت اور کافرین کے مستحق عذاب جہنم ہونے اور ایک ہی امر ہدایت سے بعض کے راہ راست پر آجانے اور بعض کے راہ راست سے نفرت کرنے کی وجوہات متضمنہ فوائد ومسائل وغیرہ بیان فرمایا ہے ۔ اسکے اوپر تم پڑھ چکے ہو کہ اللہ تعالےٰ نے شیاطین احبار اور شیاطین رھبان کے نارِی اور آبی مثالیں بیان کی ہیں اور ان میں ان شیاطین کی چالاکیوں اور سفاہتوں اور نامرادیوں اور نہایت ہی قابل عبرت حالتوں کا بیان فرمایا کہ یہ لوگ اندھے بہرے گونگے ہوتے ہیں اور چونکہ یہی لوگ تو دین میں سرکردہ اور قرآن کریم کا مقابلہ کرنے والے ہوتے ہیں اور یہی لوگ خواہ زندہ ہوں خواہ مردہ مشرک لوگوں کے پیشوا بنے ہوئے ہوتے ہیں اور انہیں لوگوں کی مورتیں اور تصویریں پوجا پاٹ کیلئے اپنے اپنے مشرک مکانوں میں رکھی رہتی ہیں اور انہیں لوگوں کو اللہ تعالےٰ وقود النار اور حصب جہنم یعنے دوزخ کا ایندھن گردانتا ہے جیسا کہ اوپر وقودھا الناس والحجارۃ کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے ۔غرضکہ جہاں تمہاں دیکھو قرآن مجید میں ان کی سخت مذمت بیان ہوئی ہے اور کہیں نحل (شہد کی مکھی) کا ذکر فرمایا ہے کہ شہد اس مکھی کی فطرت میں یہ بات رکھدی ہے کہ وہ مختلف جنسوں اور قسموں کے پھولوں اور درختوں میں سے اچھی جبلی اور قدرتی رس پا اور نال سے عرق نکال نکال کر ان کو اپنے قدرتی ترکیب دی کہ وہ شہد

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖۤ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَۃً

بیشک اللہ تعالے تو کوئی سی حقیر سے حقیر اور ادنے سے ادنے مثال کیوں نہو اسکے بیان کرنے سے نہیں رکتا خواہ چھوٹا سا مچھر کا دانہ کیوں نہو تو پھر جو چیز مچھر سے بڑی ہو یعنی مکھی

فَمَا فَوْقَہَا فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّہُ الْحَقُّ

اور عنکبوت جنکی مثال قرآن مجید میں مذکور ہے اور جس سے تمام مشرکین آگ ببولا ہو جاتے ہیں اور دہریوں کے دہر اور نیچر کو عاجز ثابت کیا جاتا ہے) اسکی مثال بیان کرنا کیوں موجب عار ہو یعنی واقعی امر کا بیان کر دینا کوئی بھی موجب عار نہیں ہوتا جب مچھر اور مچھر سے بھی کمتر کے پیدا کرنے سے ساری مخلوقات عاجز ہے تو مکھی تو اس سے بڑی ہے اس کی مثال سے کیسی عار ہوتی ہے۔ سو جو لوگ تو مومن ہوتے ہیں وہ تو صدق دل سے یقین کر لیتے ہیں کہ یہہ مسئلہ کامل حق ہے۔

بنجاوے اور بڑے سے بڑے نامی عقلا اور حکما اور اطبا اس قسم کی چیزیں بنانے سے محض عاجز اور لاچار ہو جاویں اور بلکہ اس مکھی کے محتاج ہو کر اسکے دست نگر ہو جاویں اور اس کی چھینی کی عجیب وغریب مسدسی شکلوں سے سبق حاصل کر کے اپنے علم ریاضی کو ترقی دیں اسمیں بھی کمال قدرت الٰہی و کمال عظمت و علو کبریائی و خدائی معلوم ہوتا ہے اور اس سے یہہ بات بخوبی ثابت ہو جاتی ہے کہ خود بخود یہہ سارے امور پیدا نہیں ہو جاتے بلکہ ایک نہایت ہی اعلی سے اعلی درجہ کے حکیم و علیم و خبیر و لطیف ذات پاک کے تصرفات کے نتیجے ہیں اس سے بھی دہریوں اور مشرکوں کے خیالات باطلہ کی سخت تردید ہوتی ہے دوسری جگہ ذباب اور عنکبوت (مکھی، مکڑا) کی مثال بیان فرمائی ہے اور بالکل بدیہی مشاہدہ کیا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالے کی کتاب کو چھوڑ کر اپنے اپنے خشک تخیلوں اور ہیزم خیالات، مقالات و ظنوں وغیرہ جو بعض حکما اپنے قیاس سے تجویز کرتے ہیں اور انکو علمی طور پر صحیح سمجھ بیٹھتے ہیں حالانکہ علمی طور پر اسکا کوئی ثبوت نہیں ہوتا) پر لٹو ہو رہے ہیں اور اس معبود حقیقی کو چھوڑ کر اور اور مخلوقات کی عبادت میں مصروف ہیں وہ انہی معبودان اور حامیوں اور فاضلوں اور فلاسفروں اور حکماؤں کی ہمت اور طاقت کا ذرا موازنہ مکھی سے تو کر دیکھیں کہ یہہ حقیر اور ذلیل اور نہایت ہی عاجز چیز بھی ان سے اگر کوئی چیز چھین لیجاوے تو یہہ ان کے سب بھی ملکر اس سے چھوڑا نہیں سکتے اپنے اپنے ظنون فاسدہ اور قیاسات باطلہ اور خیالات عاطلہ کو یہہ لوگ بڑا مضبوط جائے پناہ اور حصن حصین سمجھے بیٹھے ہیں حالانکہ ان کی یہہ جا پناہیں عنکبوت کے گھر سے بھی بودی اور ضعیف ہوتی ہیں۔ اسی طرح کہیں انہیں دہریوں فلاسفروں اور بڑے چھوٹے گروؤں کو جو مخلوق خدا کو گمراہ کرتے رہتے ہیں کہیں اس گدھے سے مثال دی ہے جو پر کتابوں کے دفتر لدے ہوں اور کہیں کتے سے مثال دی ہے اور کہیں یہہ ذکر فرمایا ہے کہ اگر جملہ معبودان ملکر ایک ننھی سی مکھی کو پیدا کرنا چاہیں تو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ پیدا کرنا تو رہا درکنار اگر مکھی ان سے کچھ چھین کر بھی لیجاوے تو اس سے وہ چیز چھوٹا نہیں سکتے غرضکہ ایسے ایسی مثالوں سے مشرک لوگ سخت جلتے بھنتے ہیں اور اپنی نادانی اور بے عقلی سے یہہ کہہ بیٹھتے ہیں کہ صاحب القرآن ہمارے بزرگوں اور پیغمبروں اور ولیوں کو مکھیوں سے بھی ذلیل و حقیر سمجھتا ہے اور کتوں اور گدھوں کے ساتھ ان کی تشبیہہ دیتا ہے۔ پس جو شخص اس قسم کی باتیں سناتا ہے یقیناً وہ خدا کی باتیں نہیں ہوتیں بلکہ خود کسی نفس پرست اور متکبر جبار خود سر کی اپنی من گھڑت ہوتی ہیں ایسا شخص سخت بے ادب اور گستاخ اور حیا اور ننگ و ناموس کا دشمن ہوتا ہے اسواسطے قرآن کریم خدا کا کلام نہیں ہے اللہ تعالے ان کی تردید میں فرماتا ہے۔ ان اللہ لا یستحیی الایہ یعنے واقعی امور کا بیان کرنا جن سے روحانی تربیت بدرجہ غایت ہوتی ہو موجب بے حیائی اور بے شرمی نہیں ہوتا یہہ بات بالکل حق اور واقعی بالکل سچ ہے کہ جس طرح تمام مخلوقات ایک مکھی کے بنانے سے عاجز ہے اسی طرح تمام مخلوقات اس بات سے بھی عاجز ہے کہ قرآن کریم کے کسی چھوٹے سے چھوٹے مسئلے کا مثل بھی تجویز کر سکے اور تم تو ایک مکھی کا نام سنکر ہائے ہائے مچا رہے ہو اور قرآن کریم کو بدنام کر رہے ہو اور کہہ رہے ہو کہ قرآن مجید فرشتوں اور پیغمبروں اور نبیوں اور ولیوں اور اولیاؤں کو مکھیوں سے بھی زیادہ حقیر اور ذلیل بیان کر رہا ہے اور تم آپس میں ایک دوسرے کو کہتے پھرتے ہو کہ ماذا اراد اللہ بھذا مثلا کہ ایسی مثالیں جیسے بزرگوں کا مکھیوں سے بھی زیادہ حقیر ہونا سمجھا جاتا ہے خدا بیان نہیں کیا کرتا۔ حالانکہ قرآن کریم نہ کسی فرشتے کو نہ کسی پیغمبر کو اور نہ کسی اور مومن کو مکھی سے زیادہ حقیر اور ذلیل کہتا ہے بلکہ وہ تو یہہ کہتا ہے کہ جیسی بحیثیت مخلوق و مربوب ہونے کے ایک مکھی بھی محتاج خدا ہی ہوتی ہے اسی طرح بلحاظ مخلوق

مِن رَّبِّهِمۡۖ وَأَمَّا ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ فَيَقُولُونَ مَاذَآ

یعنے فی الواقع بات یوں ہی ہے اور ہے بھی ان کے رب کی طرف سے اور جو کفر اختیار کئے ہوتے ہیں سو صدق دل سے خدا کی بتائی ہوئی بات کا ماننا تو درکنار وہ یہہ کہتے لگ پڑتے

أَرَادَ ٱللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلٗاۘ يُضِلُّ بِهِۦ كَثِيرٗا وَيَهۡدِي

ہیں کہ ایسی بات کی مثال بیان کرنے میں خدا کا مطلب ہی کونسا ہے یعنے وہ سمجھتے ہیں کہ خدا ایسی ایسی باتیں بیان ہی نہیں کیا کرتا جس سے بزرگوں کی حقارت ہوتی ہو اس مسئلے کے بیان کرنے پر بہتیرے گمراہی اختیار کر بیٹھتے ہیں اور بہتیرے ہدایت

ومربوب ہونے کے کل مخلوقات سماوی بھی اللہ تعالےٰ کی محتاج ہیں اور رب اور خالق فقط خداوند تعالےٰ ہی ہے اور بس پس مومن لوگ اس بات کو سن سمجھ کر فوراً یقین کر لیتے ہیں انہ الحق من ربہم کو یہہ بات واقعی حق ہے پس یہہ لوگ تو ہدایت یاب ہو جاتے ہیں اور بیہودہ فہم کے لوگ اسی مثال کو الٹا سمجھ کر گمراہ ہو جاتے ہیں یہی ہے مطلب یضل بہ کثیرا ویہدی بہ کثیرا کا اور زیادہ تفصیل دیکھنی ہو تو پیچھے تفسیر ختم اللہ علی قلوبہم کو پڑھ لو پس اللہ تعالےٰ ایسے جاہلوں کو سمجھانے کے لئے فرماتا ہے۔ ان اللہ لا یستحیی ان یضرب الآیۃ کہ تم ایک مکھی کی مثال سمجھ کر ایسی ایسی جاہلانہ باتیں کہہ رہے ہو کہ ایسی مثالوں کا بیان کرنے والا حیا اور شرم سے خالی ہوتا ہے ایک مکھی کا کیا ذکر ہے بلکہ اللہ تعالےٰ مکھی سے بھی کمتر چیزوں مثلاً مچھر ہی سہی کی مثال دینے کو بے حیائی اور بے شرمی نہیں جانتا کیونکہ یہہ واقعی امر ہے کہ تمام مخلوقات ایک مچھر بھی پیدا نہیں کر سکتی بلکہ کوئی بے جان چیز بھی پیدا نہیں کر سکتی جب جملہ مخلوقات کا علم و قدرت کا یہہ حال ہے تو پھر کلام خدا کا مثل بنا سکنا کس طرح ممکن ہے پس جہاں تک تم سے ہو سکتا ہو اور جس جس طرح ہو سکتا ہو تو اس پاک کتاب کی کسی ایک چھوٹے سے چھوٹے سے مسئلے کا مثل ہی ذرا بنا دکھاؤ مگر یاد رکھو کہ یہہ محال ہے۔

تشریح بعض کلمات تفسیر ہذا کے اصول ہفتم کے مطابق چونکہ قرآن کریم کا ایک حرف بھی زائد اور بے معنے نہیں ہے اسواسطے مثلاً ما میں ما زائد نہیں ہے بلکہ یہہ اسم نکرہ ہے جو پہلے اسم نکرہ کی تنکیر در تنکیر کر دیتا ہے اور مثلاً کی تنوین بھی تنکیر کے واسطے ہے پس مثلاً ما کے معنے ہوئے کوئی سی حقیر سے حقیر اور ادنے سے ادنے مثال۔ اور چونکہ قرآن مجید میں اور کسی جگہ بھی بعوضۃ کی مثال بیان نہیں ہوئی ہے جس سے معلوم ہو کہ مچھر کی مثال ہی فاسقین منافقین اور معترضین نے قرآن کریم کو بے ادب اور گستاخ اور بے حیا اور بے شرم قرار دیا ہو اسواسطے اسکا ترجمہ اس طرح پر نہیں کیا جا سکتا کہ جس سے بعوضۃ مچھر کے کسی اور جگہ پر بیان ہونے کی طرف اشارہ پایا جاوے البتہ مکھی کی مثال کا ضرور قرآن کریم میں بیان ہوا ہے جو مشرکوں اور دہریوں کو ان کو اپنی سفاہت جانکاہ عذاب دیتی ہے۔ اسواسطے ہمنے ترجمہ اس طور سے کر دیا ہے کہ جس سے صاف سمجھ میں آجاوے کہ مکھی کا ضرور ہی کہیں قرآن کریم میں بیان موجود ہے۔ اور مچھر کا بس اسی موقعہ پر بیان ہوا ہے۔

عہد اللہ سے مراد ہے جملہ اوامر و نواہی جو اللہ تعالےٰ نے اپنے رسولوں کی معرفت فطرت اللہ و خلق اللہ کی تربیت و اصلاح کے لئے آسمانی کتاب میں بیان فرما دی ہیں من بعد میثاقہ کے معنے ہیں اللہ تعالےٰ کے اپنے احکام کو پکا اور مستحکم بدلائل عقلیہ و نقلیہ و آفاقیہ کرنے کے پیچھے یہہ معنے نہیں ہیں کہ لوگ اپنے قول و اقرار خدا سے کر کے پھر کافر ہو جاتے ہیں۔ الذین ینقضون عہد اللہ من بعد میثاقہ میں چونکہ اوامر و نواہی دونو شامل ہیں اسواسطے اگلے دو لو جملے اس کی تفسیر ہیں۔ اور ویقطعون . . . میں واو تفسیر کے لئے ہے جسکا ترجمہ ہمنے یعنے کیا ہے۔ پس ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل میں جملہ اوامر اور ویفسدون فی الارض میں جملہ نواہی داخل ہیں اور انمیں معنی بھی کوئی تکرار نہیں ہے جس قدر اوامر آلہی ہیں خواہ متعلق عبادات مثلاً نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ صدقات اور معاملات لین دین وغیرہ وہ سب کے وصل اور جوڑ پیدا کرنے والے ہوتے ہیں پس مومن رحموں کا صلہ بھی اسی میں داخل ہے اور جس قدر نواہی آلہی ہوتے ہیں وہ سب کے سب فساد فی الارض ہوتے ہیں خواہ وہ متعلق عبادات ہوں خواہ معاملات۔ واولئک ہم الخسرون کا مطلب یہہ ہے کہ اس قسم کے لوگ جنکا

بِهٖ كَثِيْرًا وَّمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ

سوا اللہ تعالے بھی گمراہوں کو ان کی گمراہی پر چھوڑ دیتا ہے اور ہدایت والوں کو ہدایت پر ثابت قدم رکھتا ہے اور جن کو گمراہی پر چھوڑ دیتا ہے وہی لوگ ہوتے

يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ

ہیں جن کی عادت حکم عدولی کرنے کی ہوتی ہے جنکا یہہ حال ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالے کے اوامر و نواہی کو توڑتے رہتے ہیں باوجودیکہ اللہ تعالے نے

اوپر ذکر ہو چکا ہے اپنا راس المال بھی برباد کر رہے ہیں چہ جائیکہ کچھ فایدہ حاصل کر رہے ہوں کیونکہ فطرت اللہ و خلق اللہ کی تغییر و تبدیل کر رہے ہیں اور امانت اللہ و نعمت اللہ میں خیانت اور کفران کر رہے ہیں

رجم - لواطت - سود خوری - قطع الطریق یا ڈکیتی وغیرہ کی سزائیں قرآن مجید میں مذکور ہیں۔

فساد فی الارض کی جو تفسیر پہلے صفحہ ۱۴۲-۱۴۵ میں ہو چکی ہے اسکو پہلے ضرور پڑھ لینا چاہئے اسکا لب لباب یہہ ہے کہ فساد فی الارض میں تمام معاصی اور ذنوب کیا اعتقادی اور کیا عملی اور کیا اخلاقی کیا صغایر اور کیا کبایر سب کے سب داخل ہیں جو جسم اور روح دونوں کے لئے زہر قاتل ہیں پھر ان تمام معاصی کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ قسم ہے کہ جس سے امن خلایق میں نقص اور فتور پڑتا ہے اور نتیجہ قتل و قتال ہوتا ہے بلکہ خود سیاست مدن اور انتظام گورنمنٹ یعنے حکام وقت درہم برہم ہو جاتا ہے دوسری وہ قسم ہے کہ اس سے نہ تو امن خلایق میں ہی نقص و فتور پڑتا ہے اور نہ گورنمنٹ پر کچھ اثر پڑتا ہے پس قیام انتظام اور تربیت عباد اللہ کے لئے رب العالمین نے خود ان کی سزاؤں کی تحدید اور تعیین کر دی اور اس قسم کی سزائیں جو مقرر اور محدود اور معین ہو چکی ہیں حدود کہلاتی ہیں مثلاً سزا ہائے سرقہ - قطع الطریق یا ڈکیتی - لواطت زنا خواہ کنوارے کریں خواہ شادی شدگان - وغیرہ وغیرہ حدود ہیں - قسم دوم کے لئے کوئی حد یعنے مقررہ و محدودہ و معینہ سزا نہیں ہے بلکہ اسکی تعیین خود حاکم وقت کی رائے پر چھوڑ دی گئی ہے اس قسم کی سزائیں جو اللہ تعالے نے خود مقرر نہیں فرمائیں بلکہ حاکم کی رائے پر چھوڑ دیں ہیں تعزیرات کہلاتی ہیں

ہم پہلے صفحہ ۱۴۵ میں لکھ چکے ہیں کہ لواطت وغیرہ کے حدود اور دیگر تعزیر کا مفصل بیان کسی محل مناسب پر کرینگے سو محل تو یہہ ہے اگرچہ بظاہر چنداں مناسب معلوم نہیں ہوتا مگر یہہ دیکھ کر کہ حیات مستعار کا کچھ اعتبار نہیں ہے اور ان مسایل کا بیان کرنا اشد ضروری ہے اور اس محل کو بھی ان مسایل کے ساتھ کچھ مناسبت ہے کیونکہ یفسدون فی الارض میں یہہ جملہ جرایم شامل ہیں اسواسطے ہم یہاں ان مسایل کے بیان کرنے کو اشد ضروری سمجھتے ہیں -

پس واضح ہو کہ جملہ معاصی اور جملہ ذنوب کیا صغایر اور کیا کبایر خواہ امن خلایق اور سیاست مدن میں خلل اور فتور اور نقص پیدا کرنے والے ہوں اور خواہ نہ ہوں سب کے سب شر اور فساد پیدا کرنے والے ہوتے ہیں اور سب کے سب اپنی اپنی حالت اور کیفیت اور کمیت اور تاثیر اور نتیجہ کے مطابق مستوجب سزا ہیں اور چونکہ فساد فی الارض یعنی گناہوں کا اندازہ اور احاطہ کرنا خود احاطہ انسانی سے باہر ہے اسواسطے کوئی بڑے سے بڑا بادشاہ بھی کوئی ایسی کتاب یا مجموعہ تعزیرات تجویز نہیں کر سکتا جو جمیع اقسام جرایم کے لئے حاوی ہو سکے اسواسطے قرآن کریم نے جمیع اقسام کے جرایم کو مستوجب تعزیر مثلی یعنے قابل سزا قرار دیا ہے پھر ان جرایم میں سے صرف انہیں جرایم کی تعزیر کو مقرر اور محدود اور معین کر دیا ہے جو باعث نقص امن خلایق و سیاست مدن اور انتظام اور انتظام حکام ہوتے ہیں اور جنکی سزا اگر مقرر نہ کی جاتی - تو سخت ابتری واقع ہو جاتی اور باقی سب تعزیر کی تعیین خود امام وقت یعنے امیر اور بادشاہ کے اختیار پر چھوڑ دی ہیں پس جن جرایم کی تعزیرات کی تعیین اور تحدید ہو چکی ہے ان میں سے جرایم ذیل ہیں یعنے - زنا - قذف - سرقہ - قطع الطریق - خون اور ضرب ہائے شدید مثلاً آنکھ دانت وغیرہ کی ضرب ہائے شدیدہ کی سزائیں قرآن کریم میں الگ الگ بیان ہیں اور سود خوری - شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت کے زنا لواطت اور قطع الطریق یا ڈکیتی کی سزائیں ایک آیت کے اندر مذکور و مسطور ہیں - گویا تین قسم کی آیات ہیں جو تعزیرات و حدود سے متعلق ہیں - اول وہ آیات جنہیں مطلق طور پر ہر ایک بدی اور جرم کو قابل تعزیر یعنے مستوجب سزا قرار دیا ہے

مَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ أَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي

نے اپنے اوامر و نواہی کو ہر طرح کے دلائل اور تفصیل اور تفسیر سے پکا اور محکم کر دیا ہوا ہے یعنی جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم خدا نے دیا ہے انکو توڑتے رہتے ہیں اور اس سرزمین میں

الْأَرْضِ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

جہاں بود و باش رکھتے ہیں فساد پھیلاتے رہتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو ٹوٹے میں پڑتے ہیں اور نقصان اٹھا رہے ہیں۔

مگر اس کی سزا خود حاکم کے اختیار پر چھوڑی ہے۔ دوم وہ آیات جنمیں جرم اور جرم کی سزا مقرر کی گئی ہے یعنے حد مقرر ہے۔ سوم وہ ایک ہی آیت جسمیں چار جرموں سود خوری وغیرہ کی سزائیں مقرر ہیں۔ اب ہم اسی ترتیب اور تقسیم کے مطابق آیات قرآنیہ لکھتے ہیں۔

آیات قسم اول جنمیں حاکم کو اختیار تجویز سزا کے تئیں دیا گیا ہے:—

(۱) وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ ؕ ولئن صبرتم لھو خیر للصّٰبرین ۝ (پ ۱۴ ع ۲۲)

(۱) اور اگر سزا دینی چاہو تو جس قسم کی سختی تم سے کی گئی ہے اس کے مقابلہ میں اور اسی مناسبت کے ساتھ اتنی ہی سزا دینا۔ اور اگر صبر کرو تو یقیناً یقیناً صبر کرنے والوں کے حق میں صبر کرنا سب سے بڑھ کر بہتر ہے۔

(۲) والذین اذآ اصابھم البغی ھم ینتصرون ۝ وجزاؤا سیئۃ سیئۃ مثلھا ۚ فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللّٰہ انہ لا یحب الظّٰلمین ۝ ولمن انتصر بعد ظلمہ فاولئک ما علیھم من سبیل ۝ انما السبیل علی الذین یظلمون الناس ویبغون فی الارض بغیر الحق ؕ اولئک لھم عذاب الیم ۝ ولمن صبر وغفر ان ذلک لمن عزم الامور ۝ (پ ۲۵ ع ۵)

(۲) مومنوں کی جہاں اور صفات ہیں ان میں سے یہ بھی ایک بڑی صفت ہے کہ جب انکو کسی طرف سے کسی قسم کی بھی زیادتی پہونچتی ہے تو وہ اس زیادتی کے بدلہ لینے میں بازی نہیں کرتے بلکہ اپنا واجبی بدلہ لے لیتے ہیں کیونکہ برائی خواہ کیسی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو اسکا بدلہ بھی برائی ہی ہوتا ہے مگر یہ اصل برائی سے کم اور نہ اس سے زیادہ بلکہ اسکے برابر ہو۔ ہماری اس اجازت انتقام لینے کے ہوتے بھی جو شخص درگذر کر دیوے اور اس سے بڑھکر یہ کہ باہمی صلح صفائی کر لیوے تو اسکا ثواب اللہ پر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ اُن لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو زیادتی اور ظلم کرتے ہیں اور بیشک جن لوگوں پر ظلم ہوا اور وہ اس ظلم کا واجبی بدلہ لے لیویں تو ایسے لوگوں پر کسی قسم کا کوئی حرف یا الزام نہیں لگ سکتا یہ الزام اور حرف فقط انہیں لوگوں پر لگ سکتا ہے جو لوگوں پر بلا وجہ پہلے ظلم کرتے ہیں اور نیز ان لوگوں پر جو اپنے واجبی حق کے علاوہ اپنے اس وطن میں جہاں امن و امان چاہئے تھا بدلہ لینے میں زیادتی کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے بڑا بھاری اور سخت دردناک عذاب ہے۔ اور بیشک جو کوئی بجائے واجبی بدلہ لینے کے حوصلہ کر جاتا ہے اور زیادتی کرنے والے کا قصور معاف کر دیتا ہے تو واقعی ایسا کام کرنا ان کاموں سے ہے جو بڑے حوصلے کے کام و دستور ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کے قبول ہوتے ہیں۔

(۳) وکتبنا علیھم فیھآ ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص ؕ (پ ۶ ع ۱۱)

(۳) اور ہم نے اُس کتاب (توراۃ) میں ان پر فرض کر دیا کہ جنس نفس کے بدلے جنس نفس (بشرطیکہ قاتل اور مقتول کی حیثیت ایک سی ہو) اور جنس عین کے بدلے جنس عین (بشرطیکہ دونو آنکھوں میں حیثیت ہو) اور جنس ناک کے بدلے جنس ناک (بشرطیکہ دونو میں حیثیت ہو) اور جنس کان کے بدلے جنس کان اور جنس دانت کے بدلے جنس دانت اور تمام اقسام کے زخموں کے لئے اور ہر ایک جنس زخم کے لئے پورا پورا بدلہ اللہ کے ہاں مقرر ہے جو اُس زخم اور جنس زخم کے مناسب ہو۔

والحرمٰت قصاص فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدیٰ علیکم واتقوا الله واعلموا ان الله مع المتقین ۰ (رکوع)

"اور جملہ اقسام کی حرمتوں کا اُس حرمت کے مطابق پورا پورا بدلہ ہے پس جو کوئی تمہاری کسی قسم کی حرمت کو توڑنے میں زیادتی کرے تو تم بھی اُسپر اُس زیادتی کے مقابلہ میں جو اس نے تمپر کی ہے ویسی ہی زیادتی اسکے مطابق حال کر یو ہاں یاد رکھو کہ بدلہ لینے میں زیادتی نہ کر بیٹھنا بلکہ اللہ سے ڈرتے رہنا اور اس بات پر صدق دل سے یقین کرنا کہ اللہ تعالےٰ اُنہیں لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو اس سے ڈرتے رہتے ہیں۔"

اوپر کی آیات میں تصریح ہے اس امر کی کہ ہر ایک سیئہ یعنے برائی خواہ کیسی ہی چھوٹی سی چھوٹی کیوں نہو (کیونکہ تنوین تنکیر کے لئے ہے) اور ہر ایک بغی یعنی زیادتی خواہ کسی قسم کی کیوں نہو کیونکہ ا۔ ل جنسی ہے اور ہر ایک حرمت اور عزت اور امر جسکی محافظت اور رعایت دوسروں پر واجب ہے اور وہ اس کی بے حرمتی اور ہتک اور عدم رعایت کریں اور ہر ایک جراحت اور زخم خواہ کسی قسم کے آلہ سے پہونچایا جاوے یعنے زبان† سے یا کسی اور مادی چیز مثلاً تلوار نیزہ چھری لکڑی وغیرہ وغیرہ سے (کیونکہ الحرمات اور الجروح میں بھی ا۔ ل جنسی ہی ہے) تو ان سب کی سزا افعال کے ان مقررہے پر وہ سزا بمثل الذنب یا بقدر الذنب ہے یعنے اُس بدی کو دیکھا جاویگا اور اسکے اثر کا اندازہ کیا جاویگا اور مظلوم اور ظالم کے حالات کا خیال کیا جاویگا پھر اسکے موافق سزا تجویز ہوگی مگر چونکہ شر کی ذریات اسقدر لاتعداد ہیں کہ ان کا تفصیل وار احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے اسواسطے قرآن کریم نے اس قسم کے جرائم کے واسطے کلیہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ جیسی برائی ہو ویسی ہی اس کی سزا دیجاوے اور سزا لینے میں زیادتی نہ کی جاوے ورنہ زیادتی کرنیوالا ظالم ہوگا پس قیامت تک جو جو صورت بدی کی پیدا ہوسکتی ہے وہ بھی اور اس کی مثلی سزا اور تعزیر بھی ان آیتوں کے اندر موجود ہے اور حاکم فیصلہ کنندہ پر واجب ہے کہ واقعی جرم کی سزا دیوے اور اس جرم کی حیثیت کے مطابق سزا دیوے اور مظلوم اپنے استغاثہ میں تقویٰ کا خیال کر کے حق اور واقعی بیان لکھاوے یا بیان کرے وغیرہ وغیرہ۔

انہیں آیات کی تعمیل میں یہہ تعلیم ربانی حسب قولہٖ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ حکیم حقانی مفسر ربانی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے

عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالےٰ عنه عن رسول الله صلی الله علیه وسلم من رای منکم منکرا فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه وذلک اضعف الایمان (رواہ مسلم کتاب الایمان باب کون النهی عن المنکر من الایمان۔)

ہر ایک جرم کے لئے خواہ کیسا ہی ادنے سے ادنے کیوں نہو عام حکم دیدیا ہے کہ تم میں سے جو کوئی کسی دوسرے سے کسی قسم کی برائی بھی خواہ وہ کیسی ہی ادنے کیوں نہو دیکھے تو اسکو مٹا دے (۱) اپنے ہاتھ سے (۲) ہاتھ سے نہ مٹ سکتا ہو تو اپنی زبان سے (۳) اتنی طاقت بھی نہ ہو تو اپنے دل سے اور یہہ تیسری بات مراتب ایمان میں سے ادنے تر ہے۔"

پس یہہ عام حکم ہے اور حکام جو انسداد جرائم کر سکتے ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ تغییر منکر کریں اور دوسرے لوگ بھی لا یکلف الله نفسا الا وسعها کے مطابق اپنے اپنے اختیار اور طاقت کے مطابق ایسا کریں۔ جن جرائم کی سزا اللہ تعالےٰ نے مقرر فرما دی ہے ان جرائم کے علاوہ جسقدر باقی جرائم ہیں ان کی سزا لئے مثلی حکام کی رائے پر چھوڑ دی گئی ہے البتہ اگر حاکم کی رائے میں کسی ایسے جرم کی سزا صرف تازیانہ ہی مناسب معلوم ہو تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہہ تعلیم رحمانی فرما دی

عن ابی بردة رضی الله تعالی عنه قال کان النبی صلعم یقول لا یجلد فوق عشر جلدات الا فی حد من حدود الله (بخاری کتاب المحاربین من اهل الکفر والردة باب کم التعزیر والادب)

"اُن حدود یعنے سزاؤں کے سوائے جو اللہ تعالےٰ نے مقرر فرما دی ہیں باقی کوئی سزا دس جلدوں یعنے کوڑوں یا تازیانوں سے زیادہ نہ دیجاوے۔"

اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تعزیرات جرائم لگائی جایا کرتی تھیں مثلاً نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کسی تہمت میں ایک دن اور ایک رات یعنے ۲۴ گھنٹے حوالات میں دیدیا (احمد۔ ابو داؤد۔ ترمذی۔ نسائی) اور بعض بعض جرائم پر مار کٹائی بھی ہوا کرتی تھی عموماً جوتوں اور چھڑیوں سے اور کپڑوں کو بٹ دیکر اور کوڑوں کی طرح بنا کر ان سے بھی مارا کرتے تھے اور اگر خاص طور پر جلدہ یعنے تازیانہ کی سزا دینی منظور ہو تو حکم مبارک تھا جیسا اوپر لکھا جا چکا ہے کہ دس سے زیادہ نہ ماریں۔ بخاری میں اسی جگہ جہاں سے اوپر کی حدیث لکھی گئی ہے یہہ بھی ہے کہ حکم نبوی سے ان لوگوں کو زدوکوب ہوا کرتی تھی جو تخمینی طور پر بلا ماپ تول کے اٹکل پچو اشیاء خوردنی کی خرید فروخت کرتے تھے اور اسکے ساتھ ہی کی حدیث میں عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے اپنی

---

† زبان کی جراحت بلکہ زیادہ سخت ہوتی ہے۔ کما قیل۔ جراحات السنان لها التیام۔ ولا یلتام ما جرح اللسان۔ یعنے نیزہ وغیرہ کے زخم تو درست ہو کر مل جاتے ہیں اور جو زخم کہ زبان کر دیوے وہ نہیں ملتا۔

ذات خاص کے لئے کسی بات میں بھی انتقام نہیں فرمایا کرتے تھے اگرچہ وہ بات آپ کے روبرو پیش بھی کی جاتی تھی ہاں جب کوئی اللہ تعالے کے حرمات کو توڑتا تھا تو کچھ جھنونہیں ہوتا تھا بلکہ محض اللہ تعالے کے دین کے اجرا اور خوشنودی خدا کے لئے سزا دیتے تھے۔ اسی طرح زبان مبارک سے بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تعزیر کے طور پر بعض ایسے ایسے کلمات فرمایا کرتے تھے جو کسی سے نہ ہوتے تھے (آپ کی ذات مبارک اس سے پاک ہے کہ ان سے کسی قسم کا کلمہ یا فعل ایسا سرزد ہو جو روحانی اور ایمانی تربیت کے خلاف ہو) مثلاً خفا ہو کر معاذ رضی اللہ تعالے عنہ کو کہا کہ تو فتّان ہے۔ ابوذر رضی اللہ تعالے عنہ ایک عورت کو گالی نکال رہے تھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ایسا مرد ہے کہ تجھ میں جاہلیت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک متکبر مینکرری بائیں ہاتھ سے کھاتے دیکھا آپ نے فرمایا کہ داہنے ہاتھ سے کھا اس نے تکبر میں آ کر کہا کہ میں نہیں کھا سکتا آپ نے فرمایا کہ خدا کرے کہ تو نہ کھا سکے پھر آخر کار ایسا ہی ہو گیا وہ اپنے داہنے ہاتھ سے نہ ہی کھا سکا یعنی شل ہو گیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خطیب کو فرمایا کہ تو بہت برا خطیب ہے جیسا کہ مسلم میں ہے۔ خود قرآن شریف میں اللہ تعالے یوسف نبی اللہ کا کلام نقل فرماتا ہے کہ جب ان کے بھائیوں نے یوسفؑ کے سامنے سرقہ کی نسبت ان کی طرف کی تو آپ نے فرمایا انتم شرٌ مکانا، واللہ اعلم بما تصفون (پ ۱۳ ع ۳) یعنی تم ہی خراب ہو اور جو کچھ بھی کہہ رہے ہو اسکو اللہ تعالے خوب جانتا ہے۔ (الروضۃ الندیہ۔ باب حد الشرب فصل اخیرا)۔

خلاصہ یہ ہے کہ کوئی بھی جرم خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا سا کیوں نہ ہو سنو جب سزا ہوتی ہے اگر انسداد حاکم کے متعلق ہے تو حاکم انسداد کرے اگر دوسرے لوگ بلا واسطہ حاکم انسداد کر سکتے ہیں تو وہ خود کر لیں۔ پس وہ جرائم جنکی وجہ سے انتظام عالم درہم برہم ہوتا ہے اور ان کی سزا خود رب العلمین نے قرآن مجید میں اور اسکی حکمت یعنی تفسیر حقانی و تفصیل ربانی یعنی حدیث شریف میں بتعلیم رحمانی مفسر حقانی صلعم نے بیان فرما دی ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) ان جرائم میں سے جو انسان کے جسم و جان پر مؤثر ہیں۔ خون اور ضربات شدیدہ۔

(۲) ان جرائم میں سے جو انسان کے مال و جان پر مؤثر ہیں۔ سود خوری۔ سرقہ۔ اور قطع الطریق۔

(۳) ان جرائم میں سے جو انسان کی عفت اور حیا اور پاکدامنی پر مؤثر ہیں۔ زنا۔ لواطت۔ قذف۔ شراب خوری۔

اب ہم تینوں قسموں کے جرموں اور ان کی حدود کا ذکر کرتے ہیں۔

آیات متضمنہ جرائم قسم اول و حدود آں ہا

یاایها الذین امنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی ط الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی ط فمن عفی له من اخیه شیٔ فاتباع بالمعروف واداء الیه باحسان ط ذلك تخفیف من ربكم ورحمة ط فمن اعتدی بعد ذلك فله عذاب الیم ۰ ولكم فی القصاص حیوة یااولی الالباب لعلكم تتقون ۰ (پ ۲ ع ۶)

(۱) اے ایمان والو تم پر ان لوگوں کے بارے میں جو قتل کئے جاویں جنس قصاص مقرر کیا گیا ہے جنس حر کے بدلے جنس حر اور جنس عبد کے بدلے جنس عبد اور جنس عورت کے بدلے جنس عورت پھر جس قاتل کو اسکے بھائی یعنی وارث مقتول کی طرف سے کچھ بھی چھوٹ کی جاوے تو پھر وارث مقتول پر واجب ہے کہ جو بات قانون شرعی سے اب مقرر ہو چکی ہے اسپر عمل کرے اور قاتل پر واجب ہے کہ وارث مقتول کو اب جو کچھ خون بہا مقرر ہو چکا ہے نہایت عمدگی اور خوش معاملگی کے ساتھ ادا کر دے یہ تمہارے رب کی طرف سے یہ قاعدہ تمہارے حق میں بڑی بھاری سہولت اور بڑی مہربانی ہے پھر اس فیصلہ کے بعد فریقین میں سے جو کوئی زیادتی کرے گا تو اس کے لئے بڑا بھاری دردناک عذاب ہوگا۔ اے عقل و ہوش والو جنس قصاص کے قانون مقرر کرنے میں تمہارے لئے بڑی بھاری زندگی ہے۔ اس میں نصیحت یہ ہے کہ تم خونریزی وغیرہ سے بچتے رہو"۔

وکتبنا علیهم فیها ان النفس بالنفس لا والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص ط فمن تصدق به فهو كفارة له ۰ (پ ۶ ع ۱۱)

(۲) اور ہم نے اس کتاب (تورات) میں انپر مقرر کر دیا کہ جنس نفس کے بدلے جنس نفس اور جنس عین کے بدلے جنس عین اور جنس ناک کے بدلے جنس ناک اور جنس کان کے بدلے جنس کان اور جنس دانت کے بدلے جنس دانت اور جملہ اقسام کے زخموں کے لئے اور پھر جنس زخم کے لئے اللہ کے ہاں پورا پورا بدلہ مقرر ہے جو ان زخموں اور جنس زخم کے لئے مناسب ہو پس جو کوئی مظلوم اپنا بدلہ یا جو کوئی وارث مقتول اپنے مقتول کا بدلہ معاف کر دیوے تو ایسا عفو کرنا عفو کرنیوالے کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

ان آیتوں میں خون اور خون سے نیچے جسقدر جروح اور ضربات و ضربات شدیدہ و خفیفہ ہو سکتی ہیں ان سب کے لئے قصاص لینے کا حکم ہے جن چیزوں کا قصاص پورا پورا بلا کمی بیشی کے لئے لیا جا سکتا ممکن ہے ان میں تو قصاص ہی ہے اور جن میں ایسا قصاص لینا ممکن نہیں ہے وہاں فقط دیت ہی ہے مثلاً آنکھ کے بدلے

آنکھ تو نکالی جا سکتی ہے مگر اگر کسی صدمہ سے مظلوم کی آنکھ کی بینائی میں کچھ فرق آگیا ہے تو ظالم کی آنکھ میں سے بدلہ میں اسی قدر بینائی کا نکال دینا ناممکن ہے اسی طرح مثلاً اگر فرض کرو کہ کسی مظلوم کو کسی ظالم نے کوئی ایسا صدمہ پہونچایا ہے کہ اس کی وجہ سے اسکے حافظے میں فرق آگیا ہے تو ظالم سے بدلہ لینے وقت مظلوم کے حافظے کے نقصان کے برابر ظالم کے حافظے کو نقصان پہونچانا ناممکن ہے تو ایسی ساری باتوں میں فقط دیت ہی ہوتی ہے ۔نیز ان آیتوں میں یہہ بھی اجازت دی گئی ہے ۔بلکہ بڑی ترغیب کہ خون اور جرح چونکہ حق مظلوم ہوتا ہے اسواسطے خود مظلوم یا وارث مظلوم مقتول کا اختیار ہے کہ قصاص کو معاف کردے اسکو یہہ بھی اختیار ہے کہ سارے کا سارا معاف کردے یا اس میں سے کچھ ۔پھران آیتوں میں یہہ بھی حکم ہے کہ فساد فی الارض کا انسداد منظور ہے اور وہ قصاص اور دیت اور عفو سے بھی ہو سکتا ہے تو پھر جب فساد فی الارض عفو سے ہی بند ہو جاوے تو اسکے بعد فریقین میں سے کوئی بھی فساد فی الارض کا ارتکاب نہ کرے ۔عافی (عفو کنندہ) اپنی شرط عفو میں کمی بیشی نہ کرے اور جانی اُس شرط کے ایفا میں کسی قسم کی پہلو تہی نہ کرے ۔

مفسر حقانی حکیم ربانی صاحب نے انہیں آیات کی تفسیر و تفصیل بہ تعلیم ربانی فرمائی جو کتب حدیث میں مرقوم ہے ۔بعض مسائل یا تفاصیل کو جو احادیث صحیحہ میں آچکی ہیں مثلاً یہہ کہ مسلم کافر حربی کے بدلے نہ قتل کیا جاوے (بخاری) یہہ کہنا کہ قرآن شریف میں موجود نہیں ہے بلکہ قرآن کریم کے حکم عام کی تخصیص سنت نے کردی ہے ٹھیک نہیں اس تفسیر کا یہہ دعوے ہے اور جو تفسیر کے اصول ۱۹-۲۰ میں درج ہے کہ جو حدیث صحیح ہے وہ عین قرآن مجید کی عبارت کا ترجمہ یا اسکی تفصیل ہوتی ہے وہ کبھی خود قرآن مجید سے الگ اور علیحدہ نہیں ہوتی ۔سو یہاں بھی الحر بالحر یا النفس بالنفس کے ا۔ل کا ترجمہ میں وہ تمام تفاصیل بھی جو احادیث صحیحہ میں بیان ہو چکی ہیں ا۔ل یہاں جنسی ہے اور چونکہ اصل غرض قصاص جیسا کہ آیت من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض میں موجود ہے یعنے انسداد فساد فی الارض اور کافر حربی مفسد فی الارض ہوتا ہے اسواسطے نفس مسلم اور نفس کافر حربی دونوں میں کوئی مجانست نہیں ہے کیونکہ ایک مصلح ہے دوسرا مفسد ہے اور چونکہ محض اسلام و ایمان اور کفر و طغیان ہی باعث قتل و قتال نہیں ہوتا بلکہ فساد فی الارض موجب قتل و قتال ہوتا ہے خواہ دو مسلمان فساد فی الارض کریں خواہ دو ذمی خواہ ایک مسلم اور ایک ذمی خواہ معاہدین ایسا کریں اسواسطے مسلم اور ذمی اور معاہد دونوں ذمی سب کے سب ایک ہی جنس کے ہیں اسواسطے ان میں سے قاتل سے قصاص لیا جاویگا اگرچہ مسلم کافر ذمی کو مار ڈالے یعنے قاتل اگر مسلمان ہوگا اور مقتول کوئی ذمی یا معاہد تو مسلمان قاتل قتل کیا جاویگا پس اس قسم کے سارے مسائل جو صحیح حدیثوں میں آچکے ہیں بعض ان آیات کے ا۔ل جنسی کا ترجمہ ہیں اور بس نہ کہ قرآن کریم سے الگ ۔ اسی طرح العین بالعین وغیرہ کے ا۔ل کا حال ہے ۔اگر کسی اندھے کی آنکھ کسی صحیح العین ظالم نے نکال ڈالی ہے تو ظالم کی آنکھ نکالی نہیں جاویگی بلکہ فقط جرح کی دیت انصاف اور عدل کے ساتھ مقرر کی جاویگی اور اگر ظالم بھی اندھا ہی ہے تو اس کی آنکھ بھی نکالی جاویگی کیونکہ دونوں کی آنکھیں آپس میں ایک ہی جنس کی ہیں اور اگر اندھا کسی سنوکھے یعنے صحیح العین کی آنکھ نکال ڈالے تو اس سے دیت لی جاویگی ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آیت النفس بالنفس ناسخ آیت الحر بالحر ہے اور بعض اسکے عکس کہتے ہیں ۔حالانکہ دونوں آیتیں محکم اور معمول بہا تمام شرائع سابقہ میں رہی ہیں اور قیامت تک ایسی ہی رہیں گی ۔ النفس بالنفس کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہہ مسئلہ قصاص اور دیت اور عفو والا پہلی شریعتوں میں بھی جاری تھا اور دوسری آیت الحر بالحر میں اسی آیت کی تفصیل کرکے مومنین کو حکم ہوتا ہے کہ تم بھی انہیں احکام کے پابند ہو جو پہلے امم سابقہ کو دیئے گئے تھے ۔

آیات متضمنہ جرائم قسم دوم وحد وداُن ۔

جرائم قسم دوم میں سے جو انسان کے مال و جان پر مؤثر ہیں ۔سود خوری اور سرقہ اور قطع الطریق کی حدود کتاب اللہ المجید میں مقرر ہیں ۔سود خوری اور قطع الطریق کی حدود قسم سوم میں رجم وغیرہ کے ساتھ بیان کی جاوینگی انشاء اللہ العزیز سرقہ کے لئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما جزاء بما کسبا نکالا من اللہ ط واللہ عزیز حکیم ۰ (ر ۶ پ غ)	" اور جو مرد چوری کریں اور جو عورتیں چوری کریں تو اُن کی اس کرتوت کے بدلے اُن کے ہاتھ کاٹ ڈالو یہہ اللہ کی طرف سے اُن کے لئے سزا ہے اور دوسروں کے لئے بھی ہماری عبرت ہے اور اللہ بڑے غلبہ والا اور اسکے ہر ایک حکم میں حکمت بڑی پڑی ہوئی ہے "

زنا کی تین قسمیں ہیں ۔اوّل بکر یعنے کنوارے مرد یا عورت کا زنا ۔دوم بیاہے ہوئے مرد یا بیاہی ہوئی عورت کا زنا ۔سوم لواطت ۔	زنا کرنے والے لوگ یا تو شادی شدہ ہوں گے یا غیر شادی شدہ ۔قرآنی اصطلاح میں شادی شدہ زنا کرنیوالوں یعنے محض مردوں اور محض عورتوں کو جو زنا کا ارتکاب کریں مفسد فی الارض میں شامل کیا گیا ہے اور غیر شادی شدہ زنا کرنیوالے مردوں اور زنا کرنے والی عورتوں کو یعنے بکر مردوں اور بکر عورتوں کو جو زنا کے مرتکب ہوں الزانی والزانیہ کہا گیا ہے ۔ پھر یہہ زنا اگر مرد مرد کے ساتھ کرے تو اسکو لواطت کہتے ہیں ۔خواہ

لوطی شادی شدہ ہو خواہ نہو پس زنا کی تین قسمیں ہوئیں اول بکر یعنے کنوارے مرد یا کنواری عورت کا زنا ۔دوم محصن مرد یا محصن عورت کا زنا ۔سوم لواطت

قرآن کریم میں بکر یعنے کنوارے مرد اور کنواری عورت کے زنا کی سزا سو درے ہیں اور کنوارے مرد کے لئے علاوہ اسکے ایک سال کی جلا وطنی بھی اور محصن اور محصن زانیہ کی سزا رجم اور لوطی کی سزا پھانسی مقرر ہے۔ کما قال اللہ تعالے۔

الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منہما مأۃ جلدۃ (پ ۱۸ ع ۷)

"جو کنواری عورت زنا کرے اور جو کنوارا مرد زنا کرے تو اُن میں سے ہر ایک کو سو سو دُرّے مارو۔"

اس آیت میں کنوارے مرد اور کنواری عورت کی مشترکہ سزا بتائی گئی ہے اور کنوارے مرد کی سزا جلا وطنی کا ذکر ایک دوسری آیت میں ہے جسمیں رجم وغیرہ چار سزائیں بیان کی گئی ہیں اور جداگانہ بیان ہوں گی ان شاء اللہ تعالے۔

واضح ہو کہ ہم نے اوپر کی آیت میں الزانیۃ اور الزانی کا ترجمہ کیا ہے "وہ کنوارے مرد اور کنواری عورتیں جو مرتکب زنا ہوں"۔ سو یہ ترجمہ خود مفسر حقانی حکیم ربانی پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بہ تعلیم ربانی حکمت قرآنی سے کیا ہے جیساکہ بخاری اور مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالے عنہ اور زید بن خالد رضی اللہ تعالی عنہ

عن ابی ھریرۃ وزید بن خالد رضی اللہ تعالی عنہما ان رجلین اختصما الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال احدھما اقض بیننا بکتاب اللہ وقال الاخر اجل یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فاقض بیننا بکتاب اللہ واذن لی ان اتکلم قال تکلم ان ابنی کان عسیفا علے ھذا فزنی بامرأتہ فاخبرونی ان علے ابنی الرجم فافتدیت منہ بمائۃ شاۃ وبجاریۃ لی ثم انی سألت اھل العلم فاخبرونی ان علے ابنی جلد مائۃ وتغریب عام وانما الرجم علے امرأتہ فقال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اما والذی نفسی بیدہ لاقضین بینکما بکتاب اللہ اما غنمک وجاریتک فرد علیک واما ابنک فعلیہ جلد مائۃ وتغریب عام واما انت یا انیس فاغد الی امرأۃ ھذا فان اعترفت فارجمھا فاعترفت فرجمھا (متفق علیہ مشکوۃ فصل اول کتاب الحدود)

سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخص جو جھگڑا فیصلہ کرانے آئے ایک نے کہا کہ ہمارا فیصلہ مطابق کتاب اللہ کیجیو دوسرے نے کہا کہ ہاں یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مطابق کتاب اللہ ہمارا فیصلہ فرما دیں اور مجھے حالات مقدمہ بیان کرنے کی اجازت فرما دیں آپ نے فرمایا بیان کر اس نے عرض کی کہ میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدور رکھا تھا اسکی بیوی سے زنا کر بیٹھا ہے لوگوں نے مجھے کہا کہ میرے بیٹے پر رجم کا حکم ہے سو بیٹے رجم کے معاوضہ میں اپنی سو بکریاں اور ایک لونڈی بطور فدیہ دے چکا ہوں پھر میں نے عالموں سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میرے بیٹے کا حکم سو درّے ہیں اور ایک سال کا دیس نکالا اور رجم فقط اس شخص کی عورت پر ہے پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سن رکھو جس ذات پاک کے ہاتھ میں میری جان ہے اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ضرور میں تم میں اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا سن تو فیصلہ یہ ہے کہ بکریاں اور لونڈی جو تو نے دیے تھے وہ تو تیرا مال ہے تجھے واپس دیا جائیگا اور تیرے بیٹے کا حکم یہ ہے کہ اسکو سو درّے لگینگے اور ایک سال جلا وطن کیا جاویگا اور اے انیس تو اس شخص کی بیوی کے پاس جا اگر وہ زنا کا اقبال کر لیوے تو اسکو رجم کر پھر انیس اس عورت کے پاس گئے اور اس سے دریافت کیا اس نے اقبال کر لیا پس انہوں نے اس کو سنگسار کر دیا"

عن زید بن خالد رضی اللہ تعالی عنہ قال سمعت النبی صلے اللہ علیہ وسلم یامر فیمن زنی ولم یحصن جلد مائۃ وتغریب عام (رواہ البخاری مشکوۃ کتاب الحدود)

"زید بن خالد رضی اللہ تعالے عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا آپ حکم فرماتے تھے غیر محصن زانی کے حق میں سو درّے اور ایک سال کی جلا وطنی کا"

ان حدیثوں میں سو درّے اور ایک سال کی جلا وطنی کا حکم فقط غیر محصن زانی یعنے کنوارے مرد کے لئے ہے اور اسی آیت میں بھی مشترکہ سزا سو درّے ہے تو معلوم ہوا کہ الزانیۃ اور الزانی کا ترجمہ مفسر حقانی کو بہ تعلیم ربانی یہی بتایا گیا ہے اور حدیث شریف میں جو ایک سال کی سزا سے جلا وطنی کا ذکر ہے تو وہ بھی ایک اور آیت کا ترجمہ ہے جسکا ذکر عنقریب ہو گا ان شاء اللہ العزیز۔ اور یہ ترجمہ ہمارا [illegible] صلعم موافق لغت بھی ہے کیونکہ لغت میں ہے زَنَا وَزَنَاءً یزنی فھو زانٍ [illegible] [illegible] زنا [illegible] کے اصل میں زنا کے لغوی معنے ہیں تنگی [illegible] [illegible] برتن تنگ ہے۔

پس اس آیت میں بھی الزانیۃ والزانی کا ترجمہ یہی ہوا وہ مرد اور وہ عورت جو [illegible] [illegible] ناچار ہو کر مرتکب زنا ہو جاویں تو ان کی سزا سو درّے ہے [illegible]

لاحق ہوسکتی ہے نہ کہ محصن یعنے شادی شدہ مرد عورت کو۔ اور چونکہ ایسے مضطر کنوارے زنا بھی معنی فی الارض ہی ہوتے ہیں اسواسطے مرد زانی مضطر یعنے کنوارے مرد زانی کی وہ سزا جو فساد فی الارض کے نمبر میں شامل ہے یعنی یکسالہ جلا وطنی وہ اس آیت میں موجود نہیں ہے کیونکہ اسمیں فقط مردوں کی مضطرانہ حالت کا بیان ہے اور اسی حالت کے موافق سزا بھی وہی بیان کی گئی ہے جو دونو کے لئے مشترک ہے یکسالہ جلا وطنی کی سزا رجم وغیرہ چار سزاؤں میں موجود ہے۔

پس زانی قسم اول یعنے کنوارے مرد اور کنواری عورت کی سزا ئے زنا تو بیان ہو چکی ہے یعنے سو درّے جو دونو کے لئے مشترکہ سزا ہے اور یکسالہ جلا وطنی جو فقط مرد کے لئے ہے علاوہ سزائے سو درّہ۔ اس کا کچھہ بیان رجم کی آیت میں دیا جاویگا۔ ایساہی قسم دوم و سوم یعنے محصن مرد اور محصن عورت کی سزائے زنا و لواطت یعنے رجم و پھانسی و سولی سو اسکا حال ہم پیچھے بیان کرینگے انشاء اللہ العزیز۔ اس سے پیشتر قذف و شراب خوری کی حد اور سزا کا ذکر کیا جاتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔

حد قذف یعنی تہمت زنا	والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یأتوا باربعۃ شہدآء فاجلدوھم ثمٰنین جلدۃ ولا تقبلوا لھم شہادۃ ابدا و اولٰئک ھم الفٰسقون ○ الا الذین تابوا من بعد ذالک و اصلحوا فان اللہ غفور رحیم ○ (رپ ۱۸ ع ۸)	”اور وہ لوگ جو ان عورتوں کو جو پاکدامن ہوتی ہیں زنا کی تہمت لگائیں پھر اپنے اس دعوے کے ثبوت میں چار گواہ نہ لاسکیں تو پھر ان تہمت لگانیوالوں کو اسی درّے تو اسی وقت لگا دو اور باقی کی سار ی عمر کے لئے ان کی کسی قسم کی گواہی بھی قبول مت کرو اور یہہ لوگ حکم عدول ہیں۔ مگر وہ لوگ جو اس حرکت کے بعد تائب ہو جاویں اور اپنی اصلاح حال کر لیں کیونکہ پھر ایسی صورت

میں اللہ تعالےٰ بھی گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور اپنی مہربانی کرنے لگ جاتا ہے“۔

نکتہ عجیبہ در بارہ مشابہت سزائے زنا بکر و سزائے قذف	اوپر پڑھ چکے ہو کہ کم از کم سزائے زنا سو درّے ہے اور زیادہ سے زیادہ رجم ہے اور قاذف یعنے زنا کی تہمت لگانے والا خود تو مرتکب زنا نہیں ہوتا البتہ بر طبق ثبوت موجب اجرائے سزائے زنا ضرور ہوتا ہے پھر اگر مقذوف محصن مرد ہے یا محصن عورت تو تو اس کی سزا رجم ہے اور اگر مقذوف بکر ہے تو پھر سزا سو درّے ہے تو گویا کم از کم جو سزا قاذف کے باعث مل سکتی ہے وہ

سو درّے ہے مگر یہہ سزا اس صورت میں مل سکیگی جب قاذف (خواہ ایک مرد واحد ہو خواہ ایک سے زیادہ جماعت قاذفین ہو) اپنے علاوہ چار گواہ اور پیش کرے گویا پانچ گواہ کہ بیانات اگر ایک دوسرے کے موید اور مصدق اور موافق ہوں تو مقذوف کی سزا سو درّے ہے ورنہ مقذوف بری ہے پس جب پانچ گواہ مساوی ہیں سو درّے کے تو معلوم ہوا کہ بحساب فی گواہ بیس درّے ہیں اور چونکہ قاذف مدعی جو حقیقت میں اصلی اور سب سے پہلا گواہ ہے استغاثہ بھی اپنے دعوے کے ثبوت میں قاصر رہا ہے مگر اسکے اپنے حق میں کئی قسم کے اختیارات بھی ہیں مثلاً یہہ کہ شاید وہ سچا ہی ہو اور اسکے سوائے کسی اور نے اس فعل کو بچشم خود نہ دیکھا ہو۔ بس اس لحاظ سے حقیقت میں سچی گواہی پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ دوم یہہ کہ وہ تو ارتکاب زنا سے مامون و محفوظ ہے کیونکہ نفس کے قتل کے ارتکاب اور اس کی تہمت میں بڑا فرق ہے اسواسطے اس کی اپنی گواہی کی مقدار یعنے بیس کوڑوں کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور جو چار گواہان اس نے پیش کرنے تھے نہ کر سکنے کی وجہ سے چار بیس یعنی اسّی دروں کی سزا کا مستوجب ہو گیا۔

شراب خوری کی حد	اس و خنزیر اور ام الخبائث کے مفسد فی الارض ہونے میں کسی عقل مند کو کلام نہیں یہہ سب سے پہلے تو عقل انسانی کو زائل کر دیتی ہے اور حیوانات لایعقل سے بھی بدتر اور اضل بنا دیتی ہے اس سے خونریزیاں اور زنا اور طرح طرح کے فساد پیدا ہوتے ہیں اسواسطے اس کی سزا بھی ضرور ضرور کچھ نہ کچھ ایسی ہی ہونی چاہئے جو اسکے موافق ہو۔ اللہ تعالےٰ اسکی نسبت ارشاد فرماتا ہے۔

یا یہا الذین اٰمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطٰن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون ○ انما یرید الشیطٰن ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ فھل انتم منتھون ○ (رپ ۷ ع ۲)	”اے ایمان والو سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ شراب اور شراب کی جنس جو چیز ہے اور جوا اور جوا کی جنس جو چیز ہے (لاٹری وغیرہ) اور تھان اور تھان کی جنس کی جو چیز ہے مثلاً بت ٹھاکر یا متبرک معظم جگہیں جو شعائر اللہ نہیں ہیں اور نیز پیروں مرشدوں اور گدی نشینوں کی وہ چیزیں جنکو مرید متبرک خیال کرتے ہیں مثلاً ان کے بال۔ کپڑے۔ کنگھیاں۔ کوزے۔ وغیرہ وغیرہ اور نیز پانسے

اور پانسوں کی جنس کی جو چیزیں ہیں اور فالیں جن سے نحس و سعد ساعات معلوم کرتے ہیں مثلاً قرآن پر دیوان حافظ پر اور کتابوں پر فالیں نکالتے ہیں یہہ سب کی سب باتیں پلیدیاں اور شیطانی کام ہوتے ہیں سو تمہارے ایمان کا تقاضا یہہ ہے کہ تم ان شیطانی کاموں سے بچتے رہو تا کہ تم دین و دنیا میں فلاح پاؤ شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ الخمر اور المیسر (شراب اور جنس شراب اور جوئے اور جنس جوئے) کی وجہ سے تمہاری آپس میں جنس عداوت اور جنس بغض ڈلوادے

(یعنی دشمنی اور بغض ڈلوا دے خواہ وہ کیسی ہی کیوں نہو اور کسی قسم کی کیوں نہو) اور تم کو اللہ کی یاد سے جو ہر وقت کثرت سے ہونی چاہئے اور اس نماز سے جسکے لئے اوقات خمسہ مقرر ہیں روکے رکھے ایسے برے کاموں کی ایسی برائیاں سننے کے بعد بھی تم باز آؤ گے یا نہیں "

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت مہد میں اول اول اس دشمن عقل کی سزا عموماً یہی ہوا کرتی تھی کہ شرابی کو جوتے اور قمچیاں اور کپڑوں کے بٹے ہوئے کوڑے پڑا کرتے تھے اور اس کی سخت ذلت اور رسوائی عموماً علی رؤس الاشہاد کی جاتی تھی اور کبھی شرابخور کو خود اسکے مکان پر اسکے گھر والوں کے سامنے سزا دلوائی جاتی تھی مگر آخر کار اسکی حد یعنے چالیس کوڑے یا درے مقرر کر دیئے گئے جیسا کہ مسلم میں ذیل کی دو حدیثوں سے ثابت ہے ۔

عن انس رضی اللہ تعالے عنہ ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم کان یضرب فی الخمر بالنعال والجرید اربعین الحدیث (مسلم باب حد الخمر)

عن حضین بن المنذر ابی ساسان قال شهدت عثمان بن عفان اتی بالولید فقد صلی الصبح رکعتین ثم قال ازیدکم فشهد علیہ رجلان احدهما حمران انه شرب الخمر وشهد آخر انه راٰه یتقیأ فقال عثمان انه لم یتقیأ حتی شربها فقال یا علی قم فاجلده فقال علی قم یا حسن فاجلده فقال الحسن ول حارها من تولی قارها فکانه وجد علیہ فقال یا عبد اللہ بن جعفر قم فاجلده فجلده وعلی یعد حتی بلغ اربعین فقال امسك ثم قال جلد النبی ص اربعین وابو بکر اربعین وعمر ثمانین وکل سنة وهذا احب الی (مسلم باب حد الخمر)

" انس رضی اللہ تعالے عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم شرابخوری میں چالیس درے اور جوتے لگوایا کرتے تھے "

" حضین بن منذر ابو ساسان رضی اللہ تعالے عنہ کہتے ہیں کہ میں عثمان بن عفان رضی اللہ تعالے عنہ کی مجلس میں موجود تھا جب ان کے پاس ولید بن عقبہ کا مقدمہ شراب خوری پیش ہوا اور وہ صبح کی نماز پڑھ چکے ہوئے تھے کہ لوگوں کو کہا کہ میں کچھ اور سناتا ہوں پس دو شخصوں نے ولید کے خلاف شہادت دی ایک گواہ تو حمران تھا اسنے یہہ گواہی دی کہ ولید نے شراب پی ہے اور دوسرے گواہ نے کہا کہ مینے بچشم خود اسکو قے کرتے دیکھا ہے عثمان رضی اللہ تعالے عنہ نے فرمایا اس نے شراب پی ہے تب ہی تو اسنے قے کی ہے خیر آپنے علی رضی اللہ تعالے عنہ کو حکم فرمایا کہ آپ جس شخص کو مناسب سمجھیں اسکے ہاتھ سے اسکو درے لگوا دیں علی رضی اللہ تعالے عنہ نے حسن رضی اللہ تعالے عنہ کو فرمایا کہ آپ اٹھکر درے لگائیں (حسن رضی اللہ تعالے عنہ بڑے بھاری زاہد اور صوفی تھے ۔ اور جلادوں کے کام سے محض ناواقف تھے) انکو یہہ کام ناگوار معلوم ہوا اور فرمایا جو لوگ جلادی پر مقرر ہیں اور سرکار سے مواجب پاتے ہیں وہی یہہ کام کریں اسپر علی رضی اللہ تعالے عنہ نے عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالے عنہ کو فرمایا کہ تو اٹھکر درے لگا چنانچہ وہ اٹھے اور درے لگانے لگے اور علی رضی اللہ تعالے عنہ گنتے جاتے تھے یہانتک کہ جب چالیس تک پہونچا تو آپنے فرمایا بس کر پھر فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ تعالے عنہ چالیس چالیس درے لگوایا کرتے تھے اور عمر رضی اللہ تعالے عنہ اسی لگواتے تھے اور یہ دونو ہی سنت اور یہہ عمل یعنے چالیس دروں کی حد کو میں زیادہ پسند کرتا ہوں "

ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالے عنہ کے عہد میں جب ایک شارب الخمر کو سزا دینے کا موقع آگیا تو انہوں نے ان تمام لوگوں کو اکٹھا کیا جنکے روبرو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہہ سزا دی تھی پھر آخر کار تحقیقات کے بعد معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے چالیس درے اس کی حد مقرر فرمائی ہے ۔ چنانچہ پھر ساری عمر جب کبھی شرابخوری کا ارتکاب ثابت ہوتا رہا ہے تو چالیس درے ہی سزا دیتے رہے بخاری میں فقط اجمالی طور پر مستند رہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالے عنہ چالیس درے لگوایا کرتے تھے اور ابو داؤد اور نسائی میں اس اجمال کی تفصیل ہے کہ آپنے ان صحابہ کو جمع کیا جو زمانہ نبوی میں درے لگایا کرتے تھے یا شراب کی سزا کو جاری کیا کرتے تھے پھر بعد تحقیقات چالیس درے لگوانے شروع کر دئے عمر رضی اللہ تعالے عنہ بھی اپنے اوائل خلافت میں ایسا ہی کرتے تھے آخر جب اس جرم کا ارتکاب اور بھی زیادہ بڑھ گیا اور چالیس دروں کی سزا کو شرابخور لوگ کچھہ خفیف سا سمجھنے لگے تو آپنے بھی شوریٰ قائم کیا اور شرابخوروں کے اس جرم کی سزا کو تا ایں خفیف سمجھنے کے علاج کے لئے صلاح و مشورہ کی ۔ آخر کار چالیس درے اصلی حد اور پہلے ہیں اور پھر چالیس درے اس حد کی تکمیل و استخفاف کے بدلے لگوانے شروع کر دیئے گویا آخری فیصلہ آپکا حد اور تعزیر دونوں کو جمع کر کے اسی درے ہوتا ہے ۔ اخرجه عبد الرزاق بسند صحیح وایضا اخرجه الطبرانی والطحاوی والبیهقی (فتح الباری) اور اصل اسکا بخاری میں موجود ہے کہ عمر رضی اللہ تعالے عنہ نے لوگوں کے فسق اور سرکشی کی وجہ سے اسی دروں تک نوبت پہونچا دی ۔ علی رضی اللہ تعالے عنہ بھی اس شوریٰ میں موجود تھے انہوں نے بھی یہی صلاح دی بلکہ حد اور تعزیر دونوں کی میزان یعنے اسی دروں کو پکا اور مستند کرنے کے لئے ایک قسم سند بھی قرآن مجید سے استنباط کر کے پیش کی یعنے یہہ کہ شرابخور نشے میں آکر ہذیان اور بیہودہ گوئی کرنے لگ جاتا ہے اور جب بیہودہ بکنے لگ جاتا ہے تو افترا کرتا ہے اور مفتری کی سزا قرآن مجید میں اسی درے ہے خیر کچھہ ہو اصل میں حد صرف چالیس درے ہے اور تعزیر کے طور پر محض بوجہ استخفاف کے بجرم شراب خوری چالیس سے زیادہ بھی سزا دی جا سکتی ہے

اور یہہ سزا اسلئے مزید حد شراب میں شامل نہیں ہوتی کیونکہ حد کو کوئی توڑ نہیں سکتا یعنے اسمیں افراط و تفریط کرنے کا کسی کو بھی اختیار نہیں ہوتا ہے۔ چنانچہ انس رضی اللہ تعالے عنہ۔ اور علی رضی اللہ تعالے عنہ کی حدیثیں جو پہلے لکھی جاچکی ہیں اسپر شاہد ناطق ہیں اور نیز علی رضی اللہ تعالے عنہ کا یہہ فیصلہ جو بخاری میں موجود ہے:۔

ماکنت لاقیم حداً علی احدٍ فیموت فاجد فی نفسی الا صاحب الخمر فانہ لومات ودیتہ وذلک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یسنہ (بخاری باب الضرب بالجرید والنعال کتاب الحدود)

میں ہرگز کسی شخص کو کوئی ایسی حد یعنے شرعی مقررہ سزا نہیں دونگا کہ جس سے وہ شخص مرجاوے اور اس سے میرے دل میں کچھ قلق اور رنج پیدا ہووے سوائے شراب خور کے کیونکہ اگر شرابخور مرجاوے تو میں اسکے وارث کو دیت دونگا اور یہہ میرا کہنا اسواسطے ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہہ حد جو اتنی دُرّے لگائے جانے کی مقرر ہوچکی ہے اتنی درّے مقرر نہیں کی تھی (بلکہ یہہ ہماری اپنی تجویز ہے جیسا کہ اور روایتوں سے معلوم ہے (فتح الباری)

غرضکہ چالیس دُرّے سزائے شرابخوری ہے اور بس اور باقی رہی یہہ بات کہ استخفاف اور استخفا ریا عدم اشتباہ سزائے شرابخوری پر اگر قاضی بطور تعزیر کچھ سزا بڑھانی چاہے تو سوائے دس درّوں کے نہیں بڑھا سکتا جیسا کہ پہلے بخاری کی حدیث سے لکھا جاچکا ہے البتہ دس درّوں کی ضرب میں تخفیف و تشدید کرانا اُسکا اختیار ہے عمر رضی اللہ تعالے عنہ نے جو دس دروں سے زیادہ تعزیر لگائی تھے کہ اصل حد کی مساوی کردی تو یقیناً سمجھہ لینا چاہئے کہ عمر رضی اللہ تعالے عنہ کو یہہ حدیث صحیح بخاری معلوم نہ تھی ورنہ ہرگز ہرگز خلاف حدیث نبوی نہیں کرسکتے تھے ان کی جناب اس سے پاک ہے۔ وہ قدم بقدم ہیں نبی صلعم کے اور آپ پر یہہ جان فدا کرنے کو تیار تھے اور باقی کے قولوں اور آثاروں کا جو بخاری کی اس حدیث صحیح کے معارض ہیں اور ان کے اسنادوں میں بھی کلام ہے جیسا کہ شرح کتب حدیث میں مفصل ہے کچھ اعتبار نہیں ہے۔

جوا

چونکہ شراب خوری اور قمار بازی کو اللہ تعالے نے ایک جرم قرار دیا ہے جیسا کہ اوپر کی آیتے ثابت ہوتا ہے اسواسطے جوے کی حد بھی یقیناً یقیناً وہی ہے جو شراب خوری کی ہے اگرچہ ایسا جرم زمانہ نبوی میں وقوع میں نہیں آیا جس طرح لواطت کا جرم بھی زمانہ نبوی میں وقوع میں نہیں آیا مگر کتاب اللہ کمل ہے اسواسطے ہر قسم کے جرایم کی سزا اسمیں موجود ہے جو قیامت تک پیدا ہوسکتی ہیں۔

سود خوری۔ قطع الطریق۔ لواطت اور محصن مرد اور محصن عورت کے زنا کی حدود

اب ہم ان جرایم کا ذکر کرتے ہیں جنکا وعدہ پہلے دیتے چلے آئے ہیں یعنے سود خوری۔ قطع الطریق۔ لواطت اور محصن مرد اور محصن عورت کے زنا اور ان کی حدود کا بیان کرتے ہیں۔ سود خوری کی سزا دیس نکالا ہے۔ قطع الطریق کی سزا ہاتھہ پاؤں کا الٹی طرف سے کاٹ ڈالنا ہے۔ لواطت کی سزا پھانسی ہے اور شادی شدہ کے زنا کی سزا رجم ہے

اور یہہ چاروں اس آیت میں ہیں:۔

انما جزآؤ الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فساداً ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیہم وارجلہم من خلاف او ینفوا من الارض ذلک لہم خزی فی الدنیا ولہم فی الاخرۃ عذاب عظیم ۰ الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیہم فاعلموا ان اللہ غفور رحیم ۰ رپ ع ۹

"جو لوگ اللہ اور اسکے رسولؐ کے ساتھ لڑائی کرتے ہیں اور اپنے دیس میں لڑائی پھیلانے کے کوشاں رہتے ہیں اُن کی سزا ان کے جرموں کی حیثیت و حالات کے مطابق البس یہی ہے کہ کوئی تو قتل کئے جاویں اور کوئی سولی چڑھائے جاویں اور کوئی ایسے کہ ان کے ہاتھہ پاؤں الٹی طرف سے کاٹ ڈالے جاویں اور کوئی اپنے ملک سے جلاوطن کئے جاویں مختلف قسم کے جرموں کی یہہ مختلف سزائیں تو ان جرایم کے مرتکبوں کے لئے اس دنیا کی رسوائی ہے اور اس جہان میں جو اس موت کے بعد آنے والا ہے ان کے لئے بہت ہی بڑا عذاب ہوگا ہاں جو لوگ قبل اسکے کہ تم ان پر قابو پاؤ اپنے جرم سے تائب ہوجاویں تو پھر وہ ان سزاؤں سے مستثنیٰ ہیں پس یقین کرلو کہ اللہ تعالے توبہ کرنے والوں کے گناہ معاف کردیا کرتا ہے۔ اور معافی کے علاوہ اُن پر اپنی مہربانی کیا کرتا ہے۔"

اس آیت میں دو قسم کے لوگوں کی سزا کا بیان ہے۔ ایک محاربین خدا و رسول۔ دوسرے مفسدین فی الارض۔ اب ہم دیکھتے یہہ ہیں کہ محاربین کی تفصیل و تشریح کہیں خداوند تعالے نے کی بھی ہے؟ اگر کتاب اللہ کے ان الفاظ کو دیکھا جاوے تبیاناً لکل شیٔ و تفصیلاً لکل شیٔ۔ ثم فصلت آیاتہ ولقد جئنٰہم بکتاب فصلناہ علی علم (ان ساری آیات اور اس مضمون کے متعلق کی کل آیات کے لئے دیکھو صفحہ ۳۴ م) تو ثوابیان فی القول الحسنیٰ کہ قرآن کریم میں کوئی بات مہمل اور غیر مفصل اور غیر مفسر نہیں ہے پس یہی ایمان ہم کو قرآن کریم کے بار بار پڑھنے اور اسمیں سے امر مجمل کی تفصیل و تشریح

اور تفسیر تلاش کرنے کے لئے مجبور کریگا اور اللہ تعالے اپنے سچے وعدے کو پورا کرکے شرح صدر اور توفیق عطا فرمائیگا اور جو باتیں پہلے مجمل اور غیر مفصل تھیں اسکو مفصل اور شرح کرویگا ۔ رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقہوا قولی واجعل لی وزیرا من اھلی ۔ آمین یا رب العلمین ہے ۔ سو واضح ہو کہ محاربین خدا و رسول سے مراد ہے گروہ سودخواراں ۔ اور مفسدین فی الارض سے جنکی سزا اس آیت میں موجود ہے مراد ہے گروہ قطاع الطریق ۔ گروہ لوطیاں ۔ گروہ زانیان شادی شدگان ۔ اب ہم اسی ترتیب سے ان چار گروہوں کا ثبوت قرآن مجید سے دیتے ہیں ۔

سود کیوں حرام ہے ۔ اللہ تعالے نے جسقدر آسمانی کتابیں نازل فرمائی ہیں اُن میں اگر اس مسئلے کے بیان کرنے کی ضرورت واقعی ہوتی ہے تو ضرور ضرور بالیقین سود کو حرام کردیا اور بیع کو حلال کردیا اور ان میں سے بیع اور بیع کی آمدنی میں سے جو صدقات دیئے جاویں اُن کی برکات اور سود کی بے برکتی بیان فرمائی اس کامل کمل کتاب میں بھی اسکی برائی اور وجہ برائی بیان فرمائی ہے کہ اس کو محاربہ خدا و رسول سے یاد فرمایا ۔ سود کے متعلق جسقدر آیات قرآن مجید میں آئی ہیں وہ اپنے محل پر بیان ہونگی ۔ انشاء اللہ تعالے ۔ یہاں فقط امر متعلقہ کی صراحت کے لئے اتنا کہنا کافی ہے کہ رب العلمین کو منظور یہ ہے کہ دنیا میں دنیا والوں کی تربیت روحانی و جسمانی کے مطابق تعلیم ربانی کی جاوے اور ایک کی تربیت سے دوسرے کی حق تلفی نہ ہو جاوے ۔ بیع میں چونکہ جانبین کی تربیت ہوتی ہے یعنے یہ کہ کبھی مشتری کو فائدہ اور کبھی نقصان ہوتا ہے اسی طرح دوسری طرف کبھی بائع کو نقصان اور کبھی فائدہ ہوتا ہے پس لیل و نہار کی گردش کی طرح بیع کی گردش بھی ہوتی رہتی ہے اور اسی پر دنیا کی تربیت کا مدار ہے پس ضروری ہوا کہ رب العلمین اہل الارض کی تربیت کیلئے بیع کو حلال کرے اور سود میں چونکہ فقط ایک ہی جانب میں فائدہ ہوتا ہے اور فائدہ بھی ایسا کہ یوماً فیوماً بڑھتا رہتا ہے حتی کہ اضعافاً مضاعفۃ تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور جانب ثانی بالکل تباہ اور برباد ہو جاتی ہے پس اسکی حرمت اور برائیاں بیان کرنا قرآن کریم کا فرض اعلے ہے ۔ پس سود خواہ کتنا ہی تھوڑا کیوں نہ ہو حرام ہے اور مقروض خواہ کیسا ہی امیر اور غنی اور کیسا ہی کافر اور مشرک کیوں نہ ہو اُس سے سود کا لینا حرام ہے ۔ عربی زبان میں خود لفظ ربا کے معنے ہیں بڑھوتی ۔ زیادتی ۔ کما قال اللہ تعالے ۔

واحل اللہ البیع وحرم الربوا (پ ۳ ع ۶)

”اور اللہ تعالے نے جنس بیع کو حلال کیا اور جنس ربا کو خواہ کیسا ہی ہو اور کتنا ہی ہو اور کسی قسم کا ہو حرام کردیا ہے“

یایھا الذین امنوا لا تاکلوا الربوا اضعافا مضعفۃ ص واتقوا اللہ لعلکم تفلحون ۚ واتقوا النار التی اعدت للکفرین ۝ (پ ۴ ع ۴)

”اے مومنو ! جنس ربا یعنے سود نہ کھانا خواہ وہ کیسا ہی ہو اور کتنا ہی ہو اور کسی قسم کا ہی ہو کیونکہ یہ ایک طرح میں بڑھتے بڑھتے کئی چند ہو کر دو چند اور چند در چند بنتا جاتا ہے اور اللہ تعالے سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ اور اس دوزخ سے ڈرتے رہو جو ان لوگوں کے واسطے تیار کی گئی ہے جو انکار کرتے رہتے ہیں“

پہلی آیت میں اللہ تعالے نے حلت جنس بیع اور حرمت جنس ربا کی خبر دی ہے اور اس دوسری آیت میں اسی جنس ربا کو لینے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی نہی بیان فرمائی ہے ۔ پھر پہلی آیت میں اجمالی طور پر علت حرمت بیان فرمائی ہے جو خود لفظ ربا سے سمجھی جاتی ہے یعنے متواتر زیادتی جانب سودخوار اور متواتر نقصان جانب مدیون و مقروض ۔ مگر اس اجمال کی تفصیل اس دوسری آیت میں موجود ہے ۔ جو الفاظ اضعافاً مضاعفۃ سے معلوم ہوتی ہے یعنے اللہ تعالے نے سود کی برائی کو ذہن نشین کرنے کے واسطے اُس کی اصلی اور تدریجی صفت کو بیان کیا ہے کہ سود ایسی چیز ہے کہ وہ ہر روز بڑھتے بڑھتے اصل قرض سے بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے گویا عبارت یوں ہے لا تاکلوا الربوا لانہ یبلغ اضعافا مضعفۃ یعنی کسی قسم کا سود نہ کھاؤ نہ نقدی نہ جنسی نہ تھوڑا نہ بہت جسکی شان غیر منفک یہ ہے کہ وہ کئی گنے ہو کر پھر اور چند در چند ہو جاتا ہے اضعافاً چونکہ جمع قلت ہوتی ہے اور یہاں مقصود ہے سود کی کثرت کے بیان کرنے کا اسواسطے اسکے بعد ہی اس کی صفت مضاعفۃ بیان فرمائی پس معلوم ہوا کہ سود سے جانب ثانی کی بربادی ہو جاتی ہے اور شاہی سلطنتیں اسی سود کی وجہ سے الٹ پلٹ ہو جاتی ہیں پس یہ بہت ہی بڑا بھاری فساد فی الارض ہے اور اس کا نام اللہ تعالے حرب رکھتا ہے ۔ اور ایسے لوگوں کو اللہ تعالے جنگ کا نوٹس دیتا ہے ۔

یایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین ۝ فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ وان تبتم فلکم رءوس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون ۝ (پ ۳ ع ۶)

”اے مومنو ! اللہ تعالے سے ڈرتے رہو اور تمہارا جو کچھ سود بھی لوگوں کے ذمے رہ گیا ہے تو وہ چھوڑ بیٹھو اگر تم مومن ہو پس اس حکم کے بعد تم اگر ایسا نہ کروگے تو پھر اللہ اور اسکے رسول کی طرف سے تم کو بڑی سخت جنگ کا نوٹس ہے اور اگر تم توبہ کروگے تو پھر تم کو اپنی اصلی رقم لینے کا حق حاصل ہوگا اس طرح کرنے سے نہ تو تم ہی ظالم بنتے ہو اور نہ تم پر کوئی ظلم کیا جاتا ہے“

پس اس آیت سے ثابت ہوا کہ سود خواروں کا نام قرآن مجید میں محارب من خدا و رسول ہے۔ اور لوط ؑ کا حال پڑھو جب اسنے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ تو یہہ

آیات متعلق قطاع الطریق و لوطیاں و زانیاں شادی شدگان

ولوطا اذ قال لقومه انكم لتأتون الفاحشة ما سبقكم بها من احد من العلمين ○ ائنكم لتأتون الرجال و تقطعون السبيل ۵ وتأتون في ناديكم المنكر ۵ فما كان جواب قومه الا ان قالوا ائتنا بعذاب الله ان كنت من الصدقين ○ قال رب انصرني على القوم المفسدين ○ (پ۲۰ ع ۱۵)

ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے یہہ برا کام دنیا کی ساری مخلوقات (گدھے۔ خنزیر وغیرہ وغیرہ اور آدمی) میں سے کسی نے نہیں کیا۔ کیا اس بُرے کام کو تم بُرا نہیں سمجھتے ؟ تم تو مردوں کے ساتھ جو بغرض فاعلیت پیدا کئے گئے ہیں یہہ بُرا کام کرتے ہو اور راہزنی کرتے اور ڈاکے مارتے ہو اور اپنی مجلسوں میں طرح طرح کے بُرے کام کرتے ہو تو لوط ؑ کی قوم کا کوئی جواب نہ تھا۔ بجز اسکے کہ لوط ؑ کو کہنے لگے اگر تو سچا ہے تو خدا کا عذاب ہم پر نازل کرا۔ لوط ؑ نے دعا کی اے میرے رب میری اس قوم کے مقابلہ میں جو مفسدین ہیں میری مدد کر۔"

ولا تقعدوا بكل صراط توعدون وتصدون عن سبيل الله من امن به وتبغونها عوجا ۔ واذكروا اذ كنتم قليلا فكثركم وانظروا كيف كان عاقبة المفسدين ○ (پ۸ ع ۱۸)

"اور ہر شارع عام پر گھات لگا کر لوگوں کو ڈراتے اور دھمکاتے نہ بیٹھا کرو اور جو لوگ اللہ پر ایمان لاتے ہیں ان کو خدا کی راہ سے روکتے ہو اور خدا کی سیدھی راہ میں کجی پیدا کرتے ہو اور اسوقت کو یاد کرو کہ جب تم تھوڑے سے تھے تو اُس نے تم کو بہت بنا دیا اور سوچو کہ اُن لوگوں کا جو فساد فی الارض کرتے رہے کیسا انجام ہوا۔"

پہلی آیت میں لوطیوں اور قطاع الطریق دونو کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں معاندین اسلام و قطاع الطریق کا۔ اور ان سب کا نام اللہ تعالے مفسدین فی الارض رکھتا ہے اور ان کا حلیہ یہہ بیان کرتا ہے کہ وہ خلاف وضع فطری لونڈوں اور لڑکوں سے مفعولیت کا کام لیتے ہیں حالانکہ وہ خود فاعلیت کیلئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اور راہزنی اور لوٹ گھسوٹ کرتے رہتے اور ڈاکہ مارتے رہتے ہیں خواہ پہاڑوں میں خواہ جنگلوں میں۔ لواطت کا بیان اُس پہلی آیت کے علاوہ اس آیت میں بھی موجود ہے نیز اس میں محصن اور محصنہ کے زنا کا ذکر ہے۔

ومن الناس من يعجبك قوله في الحيوة الدنيا ويشهد الله على ما في قلبه وهو الد الخصام ○ واذا تولى سعى في الارض ليفسد فيها ويهلك الحرث والنسل ۵ والله لا يحب الفساد ○ (پ۲ ع ۹)

"اور بعض جن اور انسان ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے زبانی ایمانی دعوے اور ایمانی قول تجھے اس دنیوی زندگی میں تو بھلے لگتے ہیں اور وہ اپنے دعووں کو پکا کرنے کے لئے اپنے دلی اعتقادوں اور قلبی ارادت پر اللہ تعالے کو گواہ ٹھہراتے ہیں حالانکہ وہ تیرے مخالفوں میں سے سب سے زیادہ خصومت کرنے والے ہوتے ہیں اور جب وہ کچھ قدرت پاتے ہیں تو پھر قابو لگتے اس امر کے کوشاں رہتے ہیں کہ اپنی سرزمین میں فساد پھیلا دیں اور بالخصوص اس کھیتی اور اس نسل کو جسکا ذکر قرآن کریم میں دوسری جگہ ہے اجاڑیں اور ہلاک کریں اور اللہ تعالے فساد کو خواہ کسی قسم کا ہو پسند نہیں کرتا۔"

اس آیت میں لوطیوں خواہ بکر ہوں خواہ شادی شدہ اور نیز اُن زانیوں کا ذکر ہے جو شادی شدہ ہوتے زنا کا ارتکاب کرتے ہیں۔ خلاصہ یہہ ہے کہ بعض جن اور بعض انسان اس قسم کے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے اعمال اُن کے اقوال اور زبانی دعوے ایمان اور لمبے چوڑے اور فصیح و بلیغ لکچروں کے مطابق نہیں ہوتے اور کچھ منجملہ دیگر قباحتوں اور گناہوں کے یہہ بھی کرتے ہیں کہ جب ان کو کچھ بھی قدرت ملجاتی ہے یا کچھ بھی قابو پاتے ہیں یا کچھ بھی داؤ لگ جاتا ہے تو وہ فساد فی الارض شروع کر بیٹھتے ہیں اور بالخصوص اُس حرث کو اور اس نسل کو جسکا بیان قرآن مجید میں مذکور ہے اجاڑتے ہیں کیونکہ الحرث اور النسل میں ال عہدی ذکری ہے۔ جسکو عہد فی الخارج بھی کہتے ہیں اور چونکہ لیفسد فیہا میں سب قسم کے معاصی صغائر اور کبائر داخل ہیں و لہذا ہلاکت حرث اور ہلاکت نسل بھی اسکے اندر شامل ہیں اسواسطے و یہلک الحرث و النسل بطور تخصیص بعد تعمیم بیان ہوا ہے۔ حرث کا بیان قرآن مجید میں دوسری جگہ اسطرح مذکور ہے۔

نساؤكم حرث لكم ۵ فأتوا حرثكم انى شئتم وقدموا لانفسكم واتقوا الله واعلموا انكم ملقوه ۵ وبشر المؤمنين ○ (پ۲ ع ۱۲)

"تمہاری بیبیاں تمہاری کھیتیاں ہیں تو اپنی کھیتیوں میں جس کیفیت سے چاہو آؤ اور اپنے لئے کچھ آگے بھیجو یعنی کھیتی سے عمدہ پیداوار جو اولاد صالحہ ہوں پیدا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یقین کر رکھو کہ تم کو اسکے سامنے جانا ہے"

اور جو لوگ ہماری تعلیم کو مانتے اور اسپر عمل کرتے ہیں یعنے کھیتی کو نہیں اجاڑتے اور اس کھیتی سے کھیتی کا ہی کام لیتے ہیں انکو خوشخبری جنت سنا دے۔"

پس اس آیت سے معلوم ہوا کہ حرث عورت ہے اور اس حرث کا اجاڑ دینا یہہ ہے کہ رحم سے حمل کا گرا دینا یا بچہ پیدا شدہ کو بدکاری اور فاحشہ سازی سے مار ڈالنا یا کوئی ایسی دوا کھانے رہنا کہ جس سے حمل ٹھیر ہی نہ سکے اور نطفہ قرار پا ہی نہ سکے اور یہہ تمام مخفی بدکار عورتوں کا حال ہوتا ہے کہ وہ ایسا ایسا کرتی رہتی ہیں تاکہ پہچانی نہ جاویں کہ وہ زناکار ہیں اور تمام بازاری بدکار عورتوں کا بھی یہی حال ہے کہ وہ حمل گرانی رہتی ہیں تاکہ ان کے اس پیشہ زنا میں کوئی حرج واقع نہو اور طبی قواعد کے رو سے حمل گرا دینے والی عورت کا رحم قابل تولید نہیں رہتا		پس اس سے دو قسم کے خون ہونے لگتے ہیں ایک تو خود حمل کا قرار نہ پکڑ سکنا اور قرار پکڑنے بھی تو اسکو گرا دینا اور اگر گرنے نہ بھی اور بچہ پیدا ہو جاوے تو اس کو یوں مار ڈالنا دوسرے یہہ کہ اگر عورت کے والی کے وارثوں کو معلوم ہو جاوے تو فتنہ عظیم پیدا ہو جاتا ہے اور قتل و قتال تک نوبت پہنچ جاتی ہے پس اس فتنہ کے فرو کرنے کے لئے گورنمنٹ کی ضرورت ہے اور ایسے سب لوگوں کو اللہ تعالےٰ مفسدین فی الارض کہتا ہے اور واللہ لا یحب الفساد میں اپنی ناراضگی ظاہر فرماتا ہے اور النسل بھی قرآن مجید میں دوسری جگہ یوں مذکور ہے

ذٰلک علم الغیب والشھادۃ العزیز الرحیم الذی احسن کل شئ خلقہ وبدأ خلق الانسان من طین ثم جعل نسلہ من سللۃ من ماء مھین (پ ۲۱ ع ۱۴)

"یہہ کیفیت حال مدبر الامر خدا سب قسم کے غیب اور ظاہر کو جانتا ہے جو کامل غلبہ والا اور بڑی رحمت والا ہے جو ہر شئے کو جسے وہ پیدا کرتا ہے من کل الوجوہ عمدہ اور اسکی فطرت کے عین مناسب پیدا کرتا ہے اور تمام مخلوقات میں سے انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا پھر اس پیدائش کے بعد اس کی نسل کو ایک نچوڑ سے جو نہایت ہی ضعیف پانی ہے چلایا۔"

پس یہاں الحرث والنسل میں الحرث سے مراد ہے عورت اور النسل سے مراد ہے غیر عورت خواہ آدمزاد میں سے ذکور یعنے لڑکے اور لونڈے ہوں اور خواہ کوئی حیوان ہو اور حرث اور نسل میں فرق مذکور الصدر کرنے کی وجہ خود آیت نساءکم حرث لکم میں موجود ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالےٰ حکم کرتا ہے کہ عورتیں تمہارے لئے محل پیداوار ہیں سو دیکھنا اور خدا سے ڈرتے رہنا کہ اس کھیتی کو اجاڑ نہ دینا بلکہ اولاد صالحہ حاصل کرنا جو قیامت میں تمہارے اعمال صالحہ و باقیات صالحہ میں لکھا رہو دے اور لواطت میں اولاد صالحہ کا پیدا کرنا تو درکنار اس میں تو بلکہ بچہ پیدا ہونے کا وہم و خیال تک بھی نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے مطلب یہ کہ اس میں فعل شنیع خلاف وضع فطری کا ارتکاب کبھی کسی لایعقل حیوان سے بھی نہیں ہوتا حتٰے کہ گدہے اور سور بھی اس فعل بد سے پاک ہیں پس ہلاکت نسل یہی مراد ہے فقط فعل خلاف وضع فطری اور پس خواہ لونڈوں کے ساتھ کیا جاوے خواہ عورتوں کے ساتھ خواہ حیوانات کے ساتھ خواہ عورت کرے خواہ مشت زنی ہو خواہ لبہ یا کنوں سے ایسا فعل کریں خواہ کسی آلہ مصنوعی سے جیسا کہ آجکل یورپ و امریکہ میں ہو رہا ہے کہ ان گناہوں میں سے سب بد تر بلا خوف و خطر نقض امن و قتل و قتال وہ ہلاکت نسل ہے جو لونڈوں اور لڑکوں کے ساتھ کی جاتی ہے اسواسطے اس کی سزا یہی ہے وہی جو خود رب العالمین نے مقرر فرما دی پس اس آیت میں مفسدین فی الارض کے دو گروہوں کا ذکر ہے یعنے شادی شدہ زانیوں کا اور لوطیوں کا خواہ شادی شدہ ہوں خواہ کنوارے ہوں۔

اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ آیت انما جزاء الذین یحاربون اللہ الایہ میں دو قسم کے گروہوں کی سزا کا بیان ہے ایک تو محاربین خدا و رسول کی سزا کا بیان اور دوسرے مفسدین فی الارض کی سزا کا۔ اور یہہ بھی لکھ آئے ہیں کہ ان کی تفسیر قرآن مجید میں موجود ہے چنانچہ آیات مذکورۃ الصدر سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ سود خوار اہل محاربین خدا و رسول ہیں اور قطاع الطریق اور لوطیاں اور زانیان شادی شدگان تینوں قسم کے لوگ مفسدین فی الارض ہیں اب ان چاروں گروہوں کی سزا جو اس آیت انما جزاء الذین یحاربون اللہ الایہ میں مذکور ہے بیان کی جاتی ہے اور بتایا جاتا ہے کہ جیسی جیسی کرتوت ہوتی ہے ویسی ہی اس کی سزا مقرر ہے گویا جزاء و فاقا پورا پورا اللہ رب العالمین نے ان کی سزاؤں کے مقرر کر دینے سے کھینچکر سامنے رکھدیا ہے ہم اس آیت کو پھر دوبارہ لکھ دیتے ہیں:-

انما جزؤا الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض ذٰلک لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الاخرۃ عذاب عظیم الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیھم فاعلموا

"جو لوگ اللہ اور اسکے رسول کے ساتھ لڑائی کرتے ہیں اور اپنی سرزمین میں فساد پھیلاتے ہیں کو شاں رہتے ہیں ان کی سزا ان کے جرموں کی نسبت اور حالات کے موافق یہی ہے کہ کوئی تو قتل کئے جاویں اور کوئی سولی چڑھائے جاویں اور کسی کے ہاتھ پاؤں ان کے کاٹ ڈالے جاویں الٹے سیدھے یا ان کو

ان اللہ غفور رحیم (رکوع)	ڈالے جاویں اور کوئی اپنے ملک سے جلاوطن کئے جاویں مختلف قسم کے جرموں کی یہہ مختلف سزائیں ہیں تو ان جرموں کے مرتکبوں کے لئے اس دنیا کی رسوائی اور

اس جہان میں ہو ۔ اور آخرت میں اس کے لئے بہت ہی بڑا عذاب ہوگا ۔ ہاں جو لوگ قبل اسکے کہ تم ان پر قابو پاؤ اپنے جرم سے تائب ہوجاویں تو پھر وہ ان سزاؤں سے بچ جاتے ہیں پس یقین کرلو کہ اللہ تعالےٰ توبہ کرنے والوں کے گناہ معاف کردیا کرتا ہے اور معافی کے علاوہ انپر اپنی مہربانی بھی کرتا ہے ۔

اب ہم بتاتے ہیں کہ کس طرح اس آیت سے سمجھا جاتا ہے کہ سود خوروں یعنے محاربین خدا و رسول کی سزا ینفوا من الارض سے نفی من الارض یعنے دیس نکالا ہے اور مفسدین فی الارض میں سے شادی شدہ زانیان کی سزا یقتلوا سے رجم ثابت ہے اور لوطی کی سزا یصلبوا سے سولی چڑہانا ثابت ہے اور قطاع الطریق کی سزا تقطع ایدیہم وارجلہم من خلاف سے ہاتھ پاؤں کا الٹی طرف سے کاٹ ڈالنا ہے اور غیر بکر مرد زانی کی سزا بھی ینفوا من الارض سے تغریب عام یعنے ایک سال کا دیس نکالا ہے ۔ اللّٰہم ایدنا بروح القدس ۔

پہلے ہم اس مضمون کے شروع میں اس عنوان سے کہ آیات قسم اول جنمیں حاکم کو اختیار تجویز سزا دیا گیا ہے لکھ چکے ہیں دیکھو صفحہ ١٨٧ اس مضمون کو زیر نگاہ رکھکر اور نیز اس قاعدہ کلیہ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا پر کاربند ہوکر ہم کہتے ہیں کہ جیسا جیسا جرم ہوتا ہے ویسی ہی اس کی سزا اس جرم کے مطابق ہوتی ہے پس سود خواران چونکہ فقط اپنی جانب کے فائدہ کو مد نظر رکھتے ہیں اور اس سے جانب ثانی کی ہلاکت اور بربادی ہوتی ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے اور سود بڑہتے بڑہتے یہانتک بڑہ جاتا ہے کہ مقروض کے کوٹھے اور زمین اور ہر قسم کی جائداد منقولہ و غیر منقولہ سود خوار کے قبضہ میں آجاتی ہے اور مقروض کو مجبور و مقہور ہوکر جلاوطن ہونا پڑتا ہے پس ایسے مفسد فی الارض کی سزا بھی مطابق جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا اللہ تعالےٰ نے نفی من الارض یعنے جلاوطنی مقرر فرمادی ہے تاکہ جیسی کرنی ویسی بھرنی کا مصداق ہوجاوے ۔ اسی طرح بکر زانی مرد بھی چونکہ فی الجملہ مفسد فی الارض ہے اسواسطے علاوہ اس جسمانی سزا یعنے سو درے کے جو اس کی استطاعت حالت کے مطابق اسکو دی گئی ہے سزائے دیس نکالا بھی اس کے لئے ضروری ہے تاکہ عورت کے ورثہ دیکھ کر نوبت خون تک نہ پہنچاویں اور نیز یہہ منظور بھی ہے کہ پھر بھی مرد عورت بکر ایسے ہیں بلکہ زنا کا ارتکاب کرتے رہیں اور عورت کا جلاوطن کرنا اور بھی زیادہ فساد کا پھیلانا ہے کیونکہ عورت تو ناقص عقل ناقص دین ہوتی ہے اسی طرح غلاموں اور لونڈیوں کا جلاوطن کرنا مخالف حکمت قرآنی ہے کہ اس سے نقصان اصل مالکوں کو پہنچتا ہے جو بے گناہ ہیں پس ینفوا من الارض سے حکمت قرآنی سے بتعلیم رحمانی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مرد زانی بکر حر کی سزا جو فساد فی الارض کے متعلق ہے تغریب عام یعنے ایک سال کا دیس نکالا مقرر فرمادی جیسا کہ پہلے اوپر کی حدیث بخاری سے ثابت ہوچکا ہے اور سود خواروں کی اس سزا کو قرآن مجید کی اس آیت سے بھی سمجھا جاتا ہے جو پہلے لکھی جاچکی ہے یعنے فان تبتم فلکم رؤس اموالکم یعنے اگر تم باز آجاؤ اور سود کا لینا چھوڑ چھاڑ دو تو پھر اپنا اصلی راس المال لینے کا حق تم کو حاصل ہے یعنے سود خواران کو جلاوطن کردیا جاوے اور جب تک وہ توبہ نہ کریں تب تک جلاوطن ہی رہیں اور اگر توبہ کرلیں تو انپر کوئی تعرض نہیں ہے لا تظلمون ولا تظلمون کا مضمون بھی اسی سزا کو چاہتا ہے کیونکہ دار کا بدلہ ہوتا ہے پس ثابت ہوا کہ سود خواروں کی سزا نفی من الارض ہے اور غیر بکر زانی کی سزا علاوہ سزائے سو درے کے ایک سال کی جلاوطنی ہے اور یہہ دونو سزائیں ینفوا من الارض میں داخل ہیں ۔

اسی طرح رب العالمین نے بقولہ تعالے قاعدہ کلیہ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا شادی شدہ مرد و شادی شدہ عورت کے زنا کی سزا رجم مقرر فرمائی ہے کیونکہ اسمیں کئی کئی خون ہوتے رہتے ہیں اور علاوہ ان خونوں کے (جیسا پہلے بیان ہوچکا ہے) عورت کے ورثہ مرد زناکار کا خون کرینگے اور اسکے لواحقین پھر عورت کے ورثہ کا خون کرینگے پس ضرور ہوا کہ خون کا بدلہ خون ہو اور یہہ خون بھی ایسی رسوائی اور بری طرح کا ہو کہ اس سے خلق اللہ میں پوری پوری عبرت پیدا ہو اور یہہ سزا یقتلوا کے لفظ سے مفہوم ہوتی ہے اور خود مفسر حقانی حکیم ربانی صلعم کو بتعلیم ربانی اس لفظ کے معنے رجم کے بتلائے گئے اور وہ ساری عمر اسی معنے کے مطابق شادی شدہ زانیوں کو رجم کی سزا دیتے رہے اور ان کے بعد قیامت تک یہی سزا ایسے بدکاروں کے لئے جاری ہے ۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ بھی یہی سزا دیتے رہے اور عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے منبر نبوی پر خطبہ کرکے لوگوں کو فرمایا کہ یہہ کتاب اللہ کا حکم ہے اور چاروں طرف سوار دوڑائے کہ لوگوں میں اس حکم کی عام اشاعت کریں اور اس خیال سے کہ کتاب اللہ میں اس حکم کے لئے کوئی آیت موجود نہیں ہے اس حکم کو ترک نہ کر بیٹھیں چنانچہ پورا قصہ آگے بیان ہوگا انشاء اللہ العزیز ۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جو قتل کے معنے رجم تعلیم فرمائی گئی اور آیت میں لفظ رجم کا نہ لایا گیا تو اس میں کیا حکمت ہے ۔ سو واضح ہو کہ لفظ رجم بہت سے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے ان میں سے ایک معنے قتل کا بھی ہے اور جہاں شادی شدہ زناکاروں کی سزا کے لئے لفظ رجم آیا ہے تو وہاں اپنے اسی معنے قتل یعنے کشتن میں ہی آیا ہے ۔ اور رجم کے مختلف معانی

قرآن کریم میں جابجا مذکور ہیں لغت میں بھی اسکے اسی قسم کے بہت سے معانی ہیں مثلاً رجم کا معنی تخمینہ اور ظن اور قیاس بھی آیا ہے جیسے ویقولون خمسۃ سادسھم کلبھم رجماً بالغیب (پ۱۵ ع ۱۶) یعنے کہتے ہیں کہ اصحاب کہف پانچ شخص تھے اور ان میں کا چھٹا ان کا کتا تھا یہہ سب اٹکل پچو قیاس ہیں غیب کی باتوں میں اسی طرح رجم کرنا یعنی نکالدینا ہیں جیسے وماھو بقول شیطان رجیم (پ۳۰ ع ۱) یعنے یہہ قرآن کریم شیطان مردود کی بنائی ہوئی باتیں نہیں ہیں [illegible] لرجمناک (پ۱۲ ع ۸) ای شعیب اگر تیرے بھائی بند نہ ہوتے تو ہم تجھے مار ڈالتے ہوتے [illegible] گالی گلوچ [illegible] اگر تو نہ [illegible] تو میں تجھے سنگسار کرونگا [illegible] اور گالی گلوچ لغت میں اس لفظ کے کئی معنے ہیں مثلاً کشتن (مار ڈالنا) سنگسار کردن (پتھراؤ کرنا) وبفاحشہ نسبت کردن کسے را (کسی کو زنا کی تہمت لگانا) رگمان سخن گفتن (اٹکل پچو بات کہہ دینا) راندن (نکال دینا) دور کردن (دور کرنا) دشنام دادن (گالی دینا) جدائی کردن (جدا کرنا) دیکھئے عیب ولعنت آمدہ (دیکھو منتہی الارب مادہ رجم) قاموس میں بھی یہی ہے۔ مجمع بحار الانوار میں بھی علاوہ دیگر معانی کے گالی گلوچ کرنا لکھا ہے غرضکہ رجم کے بہت سے معانی ہیں اگر لفظ [illegible] بجائے لفظ یقتلوا کے ہوتا تو وہ لوگ جنکے دلوں میں کجی اور زیغ ہوتا ہے شادی شدہ زانیوں کی سزا فقط لعن طعن اور شب وشتم پر محصر کردیتے یا گھر سے نکال دیتے اور اصل مقصود خداوندی یعنے قتل کو برباد کردیتے اسواسطے حکمت ربانی اور مصلحت حقانی علیم وخبیر لطیف نے تقاضا کیا کہ اس مشترک المعانی لفظ کو چھوڑ کر لفظ یقتلوا فرمایا جاوے تاکہ کسی صاحب زیغ کو بھی اس کے اول بدل کرنے کی گنجایش باقی نہ رہے پس ثابت ہوا کہ یقتلوا بمعنے یرجموا ہے از روئے لغت بھی اور از روئے حکمت قرآنی وتعلیم ربانی وعمل حکیم حقانی صلعم بھی پس قرآن مجید سے من کل الوجوہ ثابت ہوگیا کہ محصن مرد یا محصن عورت اگر زنا کے مرتکب ہوں تو ان کی سزا رجم ہے اور بس۔

اس وقت تک محاربین خدا ورسول کی سزا نفی من الارض اور مفسدین فی الارض کے ایک گروہ یعنے محصن زانی یا محصن زانیہ کی سزا یعنے رجم کا بیان ہوچکا ہے باقی رہ گئے مفسدین فی الارض کے دو اور گروہ یعنے گروہ قطاع الطریق اور گروہ لوطیان۔ سو قطاع الطریق کی سزا ہے ان کے ہاتھ پاؤں کو الٹی طرف سے کاٹ ڈالنا یعنے داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ ڈالا جاوے کیونکہ ان کا سرقہ بالجبر ہوتا ہے اور یہی ڈاکہ ہے زبردستی لوگوں کا مال چھینتے ہیں اور چھین کر پھر بھاگ جاتے ہیں پس ان کی سزا بھی ان کے حال کے موافق دی گئی کہ جس ہاتھ سے مال زبردستی چھینا جو سرقہ کی طرح ہے اسواسطے ہاتھ کاٹا گیا اور چھیننے کے بعد جن پاؤں سے دوڑتے اور بھاگتے تھے وہ بھی کاٹ ڈالے گئے۔ اب رہ گیا صرف ایک گروہ لوطیان اور سزاؤں میں سے بھی فقط ایک ہی سزا یعنے صلبوا باقی رہ گئی پس لفظ یصلبوا یہہ سزا لوطیان کیواسطے ہے اور بس کیونکہ نہ تو سود خواروں کو نہ محصن زانی یا زانیہ کو نہ قطاع الطریق کو پھانسی دیا جا سکتا ہے جیسا اوپر ذکر ہوچکا ہے۔ کیونکہ ان کی سزائیں مقرر ہیں پس سوائے لوطیوں کے باقی اور کوئی ایسا گروہ مفسدین فی الارض نہیں ہے جسکی سزا پھانسی ہو اور لوطیوں کی اس سزا کو مناسبت بھی ان کے اس فعل بد کے ساتھ ہے چونکہ یہہ فعل بد بھی زنا ہوتا ہے اور زنا ہوتا ہے کئی جانوں کے خون کا باعث اور خون کا بدلہ بھی خون ہے یعنے موت سو اسواسطے اس فعل بد کی سزا تو ضرور موت ہی ہے۔ مگر چونکہ یہہ فعل خلاف وضع فطری ہے اور دونوں کہ مرد کی خود اپنی ذات سے فاعلیت کی اور اس فعل میں اس غور [illegible] فاعلیت کو مفعولیت سے مبدل کیا جاتا ہے اگر فاعل ہے تو اپنے دوسرے فاعل کی فاعلیت کو برباد کرکے اسے فقط مفعولیت کا کام لیا اور اگر مفعول ہے تو اپنے خود اپنی فاعلیت کو برباد کرکے مفعول بنا دیا۔ اور یہہ ایسا برا فعل ہے کہ کتوں اور گدھوں اور خنزیروں تک کو اس فعل کا پتہ نہیں ہے۔ اسواسطے محصن زانیہ کی سزا سے موت اور انکی سزا سے موت کی کیفیت میں فرق رکھا گیا ہے پس محصن زانی کو بغیر سولی چڑھانے کے رجم کیا جاویگا بلکہ زمین میں گاڑ کر رجم کیا جاویگا اور ان لوطی کو پھانسی پر چڑھا کر رجم کیا جاویگا۔ پس لوطی فاعل اور مفعول دونوں کو سولی پر چڑھا کر رجم کرینگے ہیں ان کے جرم قبیح وشنیع کے مطابق ان کی سزا بھی اشنع اور اقبح اور اخزیٰ ہوجاتی ہے۔

چونکہ قرآن مجید جملہ شرائع سابقہ وجملہ ادیان ماضیہ وجملہ کتب سماویہ کا مصدق ہے اور خود اپنی تفسیر اور تفصیل جابجا کرتا رہتا ہے اسواسطے ایجمال [illegible] تفصیل دیگر لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کی بربادی کے حال میں مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فلما جاء امرنا جعلنا عالیہا سافلہا وامطرنا علیہا حجارۃ من سجیل منضود۔ مسومۃ عند ربک وما ھی من الظالمین ببعید (پ۱۲ ع ۷)

پس جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے اس بستی کے اوپر کو اس بستی کے نیچے کا حصہ کر دیا یعنے اس بستی کو الٹ کر [illegible] اور اس پر [illegible] پتھر برسائے [illegible] تیرے رب کے پاس سے نشان کئے ہوئے تھے [illegible] اور وہ [illegible] ظالموں سے دور نہیں۔

یہہ پتھروں کی سزا ایسے لوگوں سے جو ظلم کرتے ہیں [illegible] مخالفت کرتے رہتے ہیں کچھ بھی بعید نہیں ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قوم لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جرم لواطت کی سزا کا بیان فرمایا ہے اور اگرچہ یہہ سزا [illegible] کسی خاص فرد یا شخص کو نہیں ہوئی تھی بلکہ عام جرم کی سبب عام سزا دی گئی [illegible] ان کو اوپر اٹھایا گیا بعد ان کے [illegible] مثال اور [illegible]

اور پھر ان کو الٹا سر کے بل نیچے دے پٹکا اور اس اثنا میں آسمان سے ان پر پتھروں کی بارش برسائی گئی پتھر بھی اُس مٹی کے جو دوزخ کی آگ سے پکائے گئے تھے۔ چونکہ اس قوم کے افعال خلاف وضع فطری تھے یعنے فاعلیت کو مفعولیت یا مرد کو عورت کر دینا اسواسطے ان کی سزا بھی ایسی ہی الٹی ہوئی اور الٹے سر کے بل زمین پر گرائے گئے اور پتھر برسائے گئے گو یا وہ قوم کی قوم دار پر چڑھائی گئی اور دار پر چڑھا کر ان کو پتھروں سے سنگسار کیا گیا۔ اس آیت انما جزآء الذین یحاربون اللہ الایہ میں اللہ تعالیٰ نے لوط کی قوم کی سزائے مفصل کو اجمالی طور پر یصلبوا کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے پس قرآن کریم کے رو سے جلاوطن ساتھ اور اس دین میں بھی سزائے لواطت پھانسی اور پھر پھانسی پر چڑھا کر رجم کرنا ہے اور بس۔

اس آیت کے متعلق ہم کو اب فقط اتنا ذکر کرنا باقی رہ گیا ہے (۱) یہہ کہ اس آیت میں چار سزاؤں کے درمیان لفظ اَوْ کس قسم کا ہے (۲) یہہ کہ الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادًا میں پہلے محاربین خدا و رسول کا ذکر آیا ہے اور ان کے بعد مفسدین فی الارض کا مگر ان یقتلوا اویصلبوا اوتقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف اوینفوا من الارض میں پہلے سزا مفسدین فی الارض کی ہے اور پیچھے سزا محاربین خدا و رسول ہے یعنی اسمیں لف و نشر مرتب نہیں ہے بلکہ غیر مرتب ہے (۳) اس امت مرحومہ میں یہہ خیال کہاں سے پیدا ہو گیا اور کیوں پیدا ہو گیا کہ رجم کی آیت قرآن مجید میں مذکور نہیں ہے۔ سو پہلی بات کا جواب یہہ ہے کہ اَوْ اس جگہ فقط تنویع کے واسطے ہے یعنے حروف اَوْ کے لانے سے مقصود خداوندی فقط مختلف انواع و اقسام کی سزاؤں کا بیان ہے یعنے کوئی لوگ تو اس قسم کی سزا کے مستوجب ہیں اور کوئی لوگ اس قسم کی سزا کے مستحق۔ زیادہ تفصیل حرف اَوْ صفحہ ۱۵۹ و ۱۶۰ میں گزر چکی ہے۔

لف و نشر غیر مرتب ہونے کی وجہ

جس کلام میں پہلے کچھ چیزیں کسی ترتیب سے بیان ہوں اور پھر اوسی ترتیب کے ساتھ اسی قدر اور چیزیں بیان ہوں کہ ہر ایک چیز کو ترتیب وار پہلی چیزوں کے ساتھ علاقہ ہو تو کہتے ہیں کہ اس کلام میں صنعت لف و نشر مرتب ہے ورنہ غیر مرتب ایسے کلام کا پہلا حصہ لف دوسرا نشر کہلاتا ہے پھر اگر جس چیز کو پہلے بیان کرنے کا حق ہو اسکو پیچھے اور جسکو پیچھے بیان کرنے کا حق ہو اسکو پہلے بیان کیا جاوے تو اسوقت پچھلی چیز کو پہلے بیان کرنے میں یہہ سمجھا جاتا ہے کہ اُس چیز کا بیان کرنا اشد ضروری تھا پس بموجب اصول التقدیم ما حقہ التاخیر یفید الحصر والاہتمام بالشان الذین یحاربون اللہ ورسولہ لف میں پہلے ہیں اور نشر میں سب سے پیچھے یعنی ان کی سزا کا بیان ینفوا من الارض سب سے پیچھے بیان ہوا ہے اور یسعون فی الارض فسادًا لف میں الذین یحاربون اللہ ورسولہ سے پیچھے مذکور ہیں اور نشر میں ینفوا من الارض سے پہلے یعنے یقتلوا۔ یصلبوا۔ تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف مفسدین فی الارض کی سزائیں پہلے بیان ہوئی ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ مفسدین فی الارض یعنے محصن زانی۔ لوطی۔ قطاع الطریق تینوں گروہ محاربین خدا و رسول یعنے سود خواروں کے گروہ سے بدتر اور خطرناک تر اور فتنہ انگیز تر ہوتے ہیں اور حقیقت میں بات بھی یہی ہے کہ سود خواروں کی نسبت یہہ تینوں فرقے زیادہ تر مہلک اور فتان ہوتے ہیں۔

اگر کوئی یہہ سوال کرے کہ لف و نشر غیر مرتب کی کیا ضرورت تھی کیونکہ لف و نشر مرتب یوں ٹھیک ہو سکتا تھا انما جزآء الذین یسعون فی الارض فسادًا ویحاربون اللہ ورسولہ ان یقتلوا اویصلبوا اوتقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف وینفوا من الارض تو اسکا جواب یہہ ہے کہ واقعی یہہ تمہارا کہنا درست ہے مگر اس میں نقص یہہ ہے کہ اس سے تقدیم ما حقہ التاخیر یفید الحصر والاہتمام بالشان کے مطابق مفسدین فی الارض کے متعلق [illegible] حصر ہونے کا فایدہ حاصل نہیں ہو سکتا تھا اسواسطے لف و نشر مرتب اسی جگہ بالکل بے سود ہو جاتی [illegible] فی الارض کے تینوں گروہوں کی سزائیں پہلے بیان ہوئی ہیں کیونکہ یہہ خطرناک تر ہیں ان کا پتا لینا سب سے زیادہ ضروری [illegible] پیچھے بیان ہوئی ہے کیونکہ یہہ مفسدین فی الارض کی نسبت چنداں خطرناک نہیں ہوتے۔ اب [illegible] فی الارض یعنے محصن زانی لوطی اور قاطع الطریق کی سزاؤں میں بھی حسب کیف وکم فساد فی الارض ترقی و تنزل کا لحاظ [illegible] فساد فی الارض ہونے کے زیادہ تر موجب قتل و قتال ہوتا ہے [illegible] اگر کوئی [illegible] ان کی بدنیتی کا نہیں ہو سکتا تا وقتیکہ کوئی قرینہ [illegible] موجود نہ ہو اگر وہ بدنیتی ہی سے [illegible] سے باتیں کچھ نہ کر رہا ہو قدرتی طور پر یہی نتیجہ نکالا جاتا ہے [illegible] معلوم ہوا کہ فساد فی الارض [illegible] چونکہ خلاف وضع فطری ہے اسواسطے [illegible] فساد فی الارض کے [illegible] اسواسطے اسکا بیان اور اس کی سزا [illegible] قطاع الطریق تو ان کا بیان [illegible]

بھی سب سے پیچھے۔ کما قال اللہ تعالے ۔

واذا تولٰی سعٰی فی الارض لیفسد فیھا ویھلک الحرث والنسل واللہ لا یحب الفساد ٥ (پ۲ ع۹)

" اور جب کچھ قدرت پاتا ہے تو پھر اس امر میں کوشاں رہتا ہے کہ اپنے ملک میں فساد پھیلاوے اور بالخصوص اس کھیتی اور اس نسل کو جسکا ذکر قرآن کریم میں دوسری جگہ آتا ہے اجاڑ اور ہلاک کر دیوے اور اللہ تعالے فساد کو خواہ وہ کسی قسم کا ہو پسند نہیں کرتا "

اس آیت میں پہلے یہلک الحرث یعنے محض زانیوں کا بیان ہے اور پھر یہلک النسل یعنے لوطیوں کا بیان ہے۔ پس اسی لحاظ سے ویسعون فی الارض فسادا میں مفسدین فی الارض کی ترتیب یعنی اول محصن زانی پھر لوطی۔ اب صاف ظاہر ہے کہ تیسری قسم قطاع الطریق سب سے پیچھے ہے پر اس کی تفصیل بھی اللہ تعالے نے دوسری جگہ بیان فرمادی ہے۔ کما قال اللہ تعالے ۔

ائنکم لتاتون الرجال وتقطعون السبیل ٥ (پ۲ ع۱۵)

" کیا تم اس برے کام کو برا نہیں سمجھتے تم تو مردوں کے ساتھ جو بغرض رجولیت ومردی وفاعلیت پیدا کئے گئے ہیں یہہ برا کام کرتے ہو اور ڈاکے مارتے ہو "

اس آیت میں پہلے لوطیوں کا ذکر ہے۔ پھر قطاع الطریق کا۔ اور پہلے پہلی آیت میں بیان ہو چکا ہے کہ اول محصن زانیوں کا بیان ہے پھر لوطیوں کا۔ تو پس یسعون فی الارض فسادا میں مفسدین کے ہر سہ گروہوں کی ترتیب یہہ ہوئی (۱) محصن زانی (۲) لوطی لوگ (۳) قطاع الطریق اور ان کی ترتیب وار سزا یہہ ہے۔ گروہ اول رجم کئے جاویں۔ گروہ دوم صلیب پر چڑہا کر رجم کئے جاویں۔ گروہ سوم کے ہاتھ پاؤں اس طرح کاٹے جاویں کہ دہنے ہاتھ کے ساتھ بایاں پاؤں کاٹا جاوے یہہ ترتیب سزا نہایت ہی موزون اور مناسب حالت جرم ہے۔ سودخواری سے بدتر قطع الطریق ہے اور قطع الطریق سے بدتر لواطت ہے اور لواطت سے بدتر زنا ہے اسواسطے اول زنا کی سزا بعدہٗ لواطت کی سزا بعدہٗ قطع الطریق کی سزا اور بعدہٗ سودخوری کی سزا کا بیان کیا گیا ہے۔ الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ ۔ لقد جاءت رسل ربنا بالحق۔ واضح ہو کہ ان سب احکام میں عورتیں اور مرد اس داخل ہیں جیسا کہ پیچھے مفصل ذکر کیا گیا ہے۔

اب باقی صرف تیسری بات رہ گئی ہے جسکا بیان کرنا نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے یعنے یہہ کہ یہہ خیال اس امت مرحومہ میں کیوں پیدا ہوا اور کب سے پیدا ہوا کہ آیت رجم قرآن کریم میں پہلے زمانہ نبوی میں موجود تھی پھر پیچھے نہ رہی اور آسمان پر اٹھ گئی مگر اس کا حکم اب تک باقی ہے۔ رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی واجعل لی وزیرا من اھلی رب زدنی علما ۔

اس تفسیر کے صفحات ۱۵ لغایت ۲۵ میں اسماء حسنیٰ الٰہی لکھے گئے ہیں ان میں یہہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ صفات کمال کا مالک بجز اللہ تعالے کے اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا حتے کہ من دون اللہ یعنے اللہ تعالے کے سوائے باقی جتنی مخلوقات ہیں ملاء اعلیٰ کے مقرب سے مقرب فرشتہ سے لیکر تحت الثریٰ کی ادنیٰ سی ادنیٰ مخلوق تک سب کے سب ایسی ہیں کہ ان میں کوئی بھی صفت کمال بالاستقلال موجود نہیں ہے کم از کم موت ہی کو دیکھو کہ اسنے ملک الموت کو بھی نہیں چھوڑا اور اللہ تعالے کی ذات سبوح قدوس کے سوائے کسی کو بھی بقا نہیں ہے مقرب سے مقرب رسولوں کا یہہ حال ہے کہ اللہ تعالے اپنے دین کو دخل شیطانی سے پاک رکھنے کے لیئے فرشتوں کی چوکی پہرے لگا دیتا رہا ہے اور اگر دین کی ترویج و اشاعت کی تجاویز میں سے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی اجتہادی قوت سے کرنی پڑتی رہتی ہیں کسی تجویز میں کوئی غلطی ہوتی رہی ہے اور اس میں شیطان کا نزغ اور مس ہوتا رہا ہے تو اسوقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کیا جاتا رہا ہے۔ اور دین کی اشاعت اور ترقی کی بابت اور واقعی تجویز بتاتا رہا ہے غرضکہ اپنی سبوحیت اور قدوسیت کو ہر طرح اپنے لئے ہی مخصوص رکھتا ہے اور فرشتوں اور رسولوں کو گو وہ کیسے ہی مقبول ومقرب اور پاک اور فرمانبردار ہوتے ہیں بتا دیتا ہے کہ تم میری طرح منزہ اور مقدس نہیں ہو۔

اس مضمون کو غور سے پھر پڑھنا چاہئیے اور اسپر ایمان رکھنا چاہئیے کہ من دون اللہ میں سے کسی مقرب سے مقرب کو بھی خداوند تعالے کی صفات کمال میں سے کوئی صفت کمال نہیں دی گئی البتہ اپنی اپنی دایرہ استعداد کے موافق فرشتے اپنی خلقت کے مطابق اور رسول اور انبیاء اپنے اپنے مرتبے کے مطابق پاک اور معصوم اور فرمانبردار اور مقبول ومنظور الٰہی ہوتے ہیں اور ان کی رسالت ونبوت کے عہدہ کو اللہ تعالے یہاں تک معصوم اور پاک رکھتا ہے کہ اگر کبھی اجرائے دین میں ان کی کسی اجتہادی تجویز یا صواب نہ بھی ہوئی ہو تو اللہ تعالے اسکو بذریعہ وحی باصواب کر دیتا رہا ہے۔ اور تمام رسول اور انبیاء رفقاء اللہ تعالے ہی کے احکام اوامر ونواہی بلا کم وبیش پہنچاتے رہے ہیں ان کی اتنی مجال نہیں کہ وہ اپنی طرف سے کوئی بھی اپنی تجویز دین الٰہی میں داخل کر سکتے۔ ان الحکم الا للہ الایۃ (اللہ کے حکم کے سوا کسی کا حکم نہیں ہے) الا لہ الحکم الایۃ (خبردار ہر قسم کا حکم اللہ ہی کے لئے خاص ہے) وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحٰی (رسول اللہ صلعم جو کچھ دین کے بارہ میں کہتا ہے وہ سب کچھ ہماری ہی طرف سے وحی کیا گیا ہے)۔ غرضکہ اللہ تعالے ہی فقط سبوح وقدوس ہے اور بس اور انبیاء ورسل میں سے جیسا

جب کبھی کوئی ذلہ بھی (اگرچہ ان کا ذلہ بھی اسلئے کہ جسکے غیر نبی مومنین کی اعلےٰ نیکی کے برابر ہوتا ہے) سرزد ہوا ہے تو اسی وقت اصلاح ہو جاتی رہی ہے۔ رسولوں کے بعد کسی کا یہہ حق نہیں ہے کہ وہ رسولوں کی طرح بھی معصوم اور پاک مانا جاوے چہ جائیکہ اللہ تعالےٰ کی طرح سبوح و قدوس سمجھا جاوے۔ ایسا اعتقاد واقعی شرک ہے۔ رسولوں کے بعد ان کے حواری اور اصحاب محض دین کے اجرا کے لئے ہی اپنی جانیں دیتے رہتے ہیں اور دنیا کی کچھ پرواہ نہیں کرتے رہے اور وہ سب کے سب اللہ تعالےٰ کے برگزیدہ اور پسندیدہ اور مقبول اور جنتی ہوتے رہے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی جا بجا تعریف قرآن کریم میں مذکور ہے انہوں نے خدا کی راہ میں اپنے مال و دولت عزت و حشمت حتیٰ کہ جان تک فدا کر دیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پسینے کی جگہ وہ اپنا خون بہانے کو تیار ہو جاتے تھے جسکا نتیجہ یہہ ہے کہ اللہ تعالےٰ ان سے راضی اور وہ اپنے اللہ سے خوش ہو گئے اور جنت کی بشارتیں دنیا میں ہی ان کو مل چکیں رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ صحابہ ہی کی تعریف ہے اور جو ان صحابہ کے نقش قدم پر چلنے والے مومن قیامت تک ہوتے رہیں گے سب کے سب رضی اللہ عنہم میں داخل ہیں کیونکہ وہ بھی دین کے اجرا میں صحابہ رضی کی طرح اللہ اور اسکے رسول کے قول و فعل کے تابع ہوتے ہیں اور اپنی عزت اور دولت و حشمت اور اپنی جانیں انہیں کی طرح فی سبیل اللہ خرچ کرتے ہیں مگر باوجود ان کے مقبول و مسلم ہونے کے ان میں سے کسی کا یہہ حق نہیں ہے کہ وہ کوئی بات دین الٰہی میں داخل کر دیں یا دین الٰہی میں سے نکال ڈالیں بلکہ اگر ایسا ہو تو گویا خود گمراہ ہو جاتا ہے اور نہ ان کا یہہ حق ہے کہ ان کے اپنی ذاتی سمجھ یا شخصی فہم کو بدون کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سمجھا جاوے بلکہ ان کی سمجھ اور فہم کو صرف کتاب و سنت پر پرکھنے کا حق ہر ایک مومن کو ہے جو کہ مسلمانوں کو حاصل ہے اور اگر پرکھنے کے بعد کسی مومن کو باوجود حق الیقین صحابہ رضی کی کوئی بات بھی ایسی معلوم ہو کہ کتاب و سنت سے منافی ہو یا مصدق نہ ہو تو اسکو حرام ہے صحابہ رضی کی اس بات پر چلنا اسکو حرام ہے لوگوں کی لعن و طعن اور لومۃ لائم کے خوف سے اس حق الیقین امر کو ترک کر دینا۔ در کتب احادیث میں جو کثرت مختلف بیانات و روایات صحابہ رضی سے مرقوم و مسطور ہیں اور جنکو عالم و متشبہ ورد و پڑھتے پڑھاتے رہتے ہیں اور از انجملہ عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے بعض روایات میں سے یہہ روایت ہے جو مسلم میں موجود ہے۔

> عن عائشۃ رضی اللہ تعالےٰ عنہا انہا قالت کان فیما انزل من القرآن عشر رضعات معلومات یحرمن ثم نسخن بخمس معلومات فتوفی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وھی فیما یقرء من القرآن (مسلم کتاب الرضاع)

"عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں کہ قرآن مجید میں جو کچھ نازل کیا گیا ہے اس میں سے یہہ بھی تھا کہ دس رضعات معلومات لینے بچہ کا کسی عورت کا دودھ دس دفعہ تک چوسنا) حرام کر دیتی ہیں پھر یہہ دس رضعات پانچ رضعات معلومات سے منسوخ کی گئیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے اور یہہ پانچ رضعات معلومات کی عبارت برابر قرآن مجید میں سے ہی پڑھی جاتی تھی۔"

عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے یہہ مسئلہ سنا تھا اور چونکہ عبارت عربی تھی انہوں نے اس مسئلہ کو زبانی یاد کر رکھا اور وہ اپنے دل میں بھی رہیں کہ یہہ کوئی قرآن کریم کی آیت ہے حالانکہ اس قرآن مجید سے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا تھا یہہ کوئی آیت موجود نہ تھی اسی طرح نسخ کے متعلق اور بھی کئی ایک روایات دیگر اصحاب رضی سے موجود و مسطور فی کتب الحدیث ہیں۔ از انجملہ عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے یہہ چند روایات ہیں جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

مسلم باب التیمم میں ہے کہ عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں ایک شخص نے آکر مسئلہ پوچھا کہ میں جنبی ہو گیا اور مجھے پانی نہیں ملتا فرمایا نماز نہ پڑھ۔ عمار رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا اے امیر المومنین کیا آپ کو یاد نہیں ہے کہ جب میں اور آپ ایک لشکر میں تھے اور دونوں جنبی ہو گئے تھے اور ہمکو پانی نہیں ملا تھا تو آپ نے نماز نہیں پڑھی تھی اور میں نے مٹی میں لیٹ کر نماز ادا کر لی تھی اور نبی صلعم سے یہہ مسئلہ پوچھنے پر حکم ہوا تھا کہ زمین پر دونوں ہاتھوں کا مارنا پھر ان میں پھونک مار کر منہ اور ہاتھوں کو مل لینا کافی تھا۔ عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے یہہ بات سنکر فرمایا اتق اللہ یا عمار یعنی اے عمار رض تو خدا سے ڈر۔ پھر عمار رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا اگر آپ چاہتے ہیں تو میں یہہ حدیث بیان ہی نہیں کرونگا۔ عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا نولیک ما تولیت یعنی جس چیز کا تو مالک ہے اسی کا مالک ہم بھی تجھے بناتے ہیں یعنے جس حدیث کا تجھے علم ہے تو بیشک بڑا بیان کر ہم کو اس میں کچھ تعرض نہیں۔ اصل اس حدیث کا بخاری میں موجود ہے اسی طرح ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ بھی تیمم کے قائل نہ تھے جیسا کہ بخاری میں باب التیمم میں مناظرہ ابوموسےٰ اشعری رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے معلوم ہوتا ہے۔

عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ حج تمتع کے قائل نہ تھے بخاری باب من اھل فی زمن النبی صلعم کاھلال النبی صلعم میں ابوموسیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب وہ یمن سے حج کرنے کو آئے تو نبی صلعم نے ان سے پوچھا کہ کس طرح کا تو نے احرام باندھا ہے یعنے آیا افراد کا یا تمتع کا یا قران کا۔

تو انہوں نے عرض کی کہ میں نے اس طرح پر نیت کر کے یہ احرام باندھا ہے کہ آپ جو احرام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے وہی احرام میرا ہے آپ نے فرمایا کیا تو اپنے ساتھ قربانی لایا ہے انہوں نے عرض کی کہ نہیں پس حکم دیا کہ بیت اللہ شریف اور صفا و مروہ کا طواف کر کے حلال ہو جا یعنے احرام کھولدے چنانچہ میں نے احرام کھولدیا پھر میں اپنی قوم کی ایک عورت کے پاس آیا اس نے مجھے کنگھی کی اور سر دھویا۔ اب عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ آتے ہیں یعنے ان کی خلافت کا وقت آیا ہے اور مجھکو

ان ناخذ بکتاب اللہ فانہ یامرنا بالتمام قال اللہ تعالیٰ واتموا الحج والعمرۃ للہ وان ناخذ بسنۃ النبی صلعم فانہ لم یحل حتی نحر الھدی۔

یہ مسئلہ بتاتے ہیں کہ اگر کتاب اللہ کے کاربند ہوں تو اس میں تو ہم کو یہ حکم ہے کہ ہم حج اور عمرہ کو تمام کریں یعنے ان میں حلال نہ ہوویں جب پہلی دفعہ احرام باندہ لیا تو بس پھر کھولیں تاوقتیکہ عمرے کے ساتھ ہی اسی ایک احرام سے ساتھ حج منا سک بھی پورے کریں پھر یوم النحر کو دوسرے صاحبوں کی طرح حلال ہوویں اور اگر سنت نبوی پر عمل کریں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی مطابق تعلیم حکم قرآن احرام نہیں کھولا تھا وقتیکہ آپ اپنی قربانی ذبح نہ کر چکے تھے۔

اس اوپر کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ تمتع کے قائل نہ تھے بلکہ وہ تمتع کو قرآن اور سنت دونوں کے مخالف سمجھتے تھے چنانچہ قرآن کی یہ آیت واتموا الحج والعمرۃ للہ۔ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل عدم احلال اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کرتے تھے حالانکہ کتاب وسنت دونوں سے تمتع ثابت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو ایک غلطی لگ گئی اور کسی سے انکی وہ غلطی نکل نہ سکی اسواسطے وہ اپنے دعوے میں سچے تھے مگر دوسرے اصحابؓ جو تمتع کے قائل تھے وہ فقط اسواسطے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے احرام کھلوائے تھے۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ غلطی کس طرح لگ گئی۔ اول قرآن میں دو مقام سنت نبوی میں۔ قرآن مجید میں بحالت امن حج کرنے والوں میں سے اُن لوگوں کو جو حج تک عمرہ کا تمتع اٹھاتا چاہیں حکم ہے کہ پھر اسوقت جو کچھ قربانی میسر ہو سکے وہی دیں کما قال اللہ تعالےٰ۔

فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج فما استیسر من الھدی (پ۲ ع۸)

یعنے پھر جو کوئی عمرہ پورا کر کے حلال ہو جاوے اور دوسرے حلال ہونے کی طرح فائدہ اٹھاوے یہانتک کہ حج کے دن آجاویں تو نیا احرام باندھ کر مناسک حج پورے کرے تو پھر جو کچھ قربانی بھی میسر آسکے دیوے"

اب صاف ظاہر ہے کہ اس میں ان لوگوں کا بیان ہے جو اپنے ساتھ قربانی نہ لاویں کیونکہ اگر قربانی ساتھ لاویں تو پھر فما استیسر من الھدی کے کچھ معنے نہیں رہتے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اُن لوگوں کے احرام کھلوائے جو اپنے ساتھ قربانی نہ لائے تھے تو اسی آیت کے مطابق کھلوائے تھے پس اتموا الحج والعمرۃ للہ کے یہ معنے نہیں ہیں کہ تمتع کی صورت میں تم احرام نہ کھولو جیسا عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے سمجھ لیا تھا بلکہ اتمام حج اور اتمام عمرہ کے یا یہ معنی ہیں جو مفسر قرآنی ہوئے ہیں۔ صحابہ کو قربانی کے ساتھ لانے یا نہ لانے کے اعتبار سے سمجھا گئے تھے یعنے جو قربانی ساتھ نہ لائے تھے انکو احرام کھلوا دیئے اور جو ساتھ لائے تھے اُن کے احرام نہ کھلوائے چنانچہ خود حضرت بھی انہیں میں سے تھے جو قربانی ساتھ لائے تھے۔ اور خود اپنی نسبت ارشاد فرمایا کہ اگر میرے ساتھ میری قربانی نہ ہوتی تو میں بھی اسوقت حلال ہو جاتا یعنے احرام کھولدیتا جیسا کہ بخاری کے اسی باب میں علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یمن سے حج کو آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تو نے کس قسم کے حج کا احرام باندھا ہے میں نے عرض کی کہ جس قسم کے حج کا احرام رسول اللہ صلعم نے باندھا ہے پھر

لولا ان معی الھدی لاحللت۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میرے ساتھ میری قربانی نہ ہوتی تو میں حلال ہو جاتا یعنے احرام کھولدیتا"

الغرض اسی قسم کی بہت سی باتیں کتب احادیث میں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ایسا ہی کیا اور اس سے جو استنباط کیا گیا تھا کبھی وہ غلط بھی ہوتا تھا اور ان کے لیئے قیاس سنت کی پابندی باقی رہتی تھی چنانچہ عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا اسی طرح ہم جو تمتع کو اس طرح بعض وہ منع کیا کرتے تھے۔

تمتعنا علی عہد رسول اللہ صلعم قال رجل برایہ (بخاری باب التمتع)

اگر عمر یا کوئی اور قیاس سے یہ کہے کہ تمتع جائز نہیں تو ہم کیا کریں ہم نے تو رسول اللہ کے زمانہ میں تمتع کیا ہے۔ حتیٰ کہ خود ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت کا حکم قابل تعمیل ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ ترمذی باب ما جاء فی التمتع۔

اسی طرح بخاری کتاب البیوع باب الخروج فی التجارۃ میں ہے کہ ابوموسیٰ اشعری عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس ملنے کو گئے اور اس نے اجازت مانگی اور آنے کے لیئے چاہی وہ مشغول تھے اجازت نہ ملی تو آپ واپس چلے آئے پھر جو عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فراغت پائی تو کہا کہ معلوم ہوا کہ وہ چلے گئے ہیں آپ نے

ان کو بلا بھیجا اور پوچھا کہ آپ کیوں چلے گئے انہوں نے جواب دیا کہ ہم کو ایسا ہی حکم تھا آپ نے پوچھا کہ اس کی کوئی شہادت پیش کرو اور ان کو انصاریوں سے فقط ایک ہی چھوٹی عمر کا لڑکا ابو سعید خدری ملا اور ابو موسی اشعری کی رہائی ہوئی اسپر عمر رضی اللہ تعالے عنہ اس مسئلے کے مخفی رہنے پر بڑا افسوس کھایا اور فرمایا الھانی الصفق بالاسواق یعنے سودے سلفوں نے مجھے روک رکھا۔ صحابہ کے کسی مسئلے کے سمجھنے میں غلطی کھا جانے کو ضلالت یا گمراہی قرار دینا یا ان کے کسی قیاس کو عین کتاب و سنت سمجھ بیٹھنا یا ان کی کسی غلطی کو جو معلوم ہو جاوے کتاب و سنت سمجھ کر اسپر عمل کرنا یا وہ لوگ جو اس غلطی کو سمجھ کر اس کو غلطی قرار دیں ان کو گمراہ یا ضال سمجھ لینا یہہ سب کی سب ایسی باتیں ہیں کہ دل میں زیغ پیدا کرتی ہیں اور علم کی بو تک ان باتوں میں نہیں ہے اور کتاب و سنت کا اثر تک ان میں موجود نہیں ہے۔

اسی قسم کے زلات یا مغالطات میں سے آیت رجم ہے۔ عمر رضی اللہ تعالے عنہ کو کتاب و سنت سے خود وہ صحابہ رض بھی جو جواز تمتع کے قائل تھے نہ سمجھا سکے اور ان کی غلطی کی درستی نہ کر سکے اسواسطے وہ اپنی سمجھ میں عدم جواز تمتع کو مطابق قرآن و سنت سمجھتے رہے اسی طرح رجم کی بابت عمر رضی اللہ تعالے عنہ نے مدینہ میں جمعہ کو خطبہ کیا اور بعد حمد خدا بیان کیا کہ اللہ تعالے نے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول کر کے بھیجا اور اسپر کامل صفات اور جامع کمالات والی کتاب نازل فرمائی۔ اللہ تعالے نے جو کچھ اتارا ہوا ہے اس میں رجم کی آیت بھی موجود تھی ہم نے اس آیت کو پڑھا اور اسکو سمجھا اور اسکو نگاہ رکھا اور اسی آیت کے بموجب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی رجم کیا کرتے تھے اور ہم بھی رجم کرتے چلے آئے ہیں مجھے اندیشہ ہے کہ اگر زمانہ دراز ہوتا گیا تو کوئی کہنے والا یہہ بات کہدے کہ بخدا ہم کو تو آیت رجم کتاب اللہ میں نظر نہیں آتی تو لوگ ایک ایسے حکم کے ترک سے جسکو خدا نے اتارا ہے گمراہ ہو جاویں اور رجم اللہ تعالے کی کتاب میں حق اور ثابت ہے اس شخص کے لئے جو زنا کرے خواہ مرد ہو خواہ عورت ہو بشرطیکہ وہ شادی شدہ ہو اور اس کی زنا پر شہادت قایم ہو جاوے یا حمل ہو جاوے یا زانی خود اقبال کر لیوے ایک اور بات بھی سنو کہ ہم قرآن مجید میں یہہ بھی پڑہا کرتے تھے لا ترغبوا عن آبائکم فانہ کفر بکم ان ترغبوا عن آبائکم الخ (بخاری کتاب الحدود باب رجم الحبلی من الزنا اذا احصنت) بس یہی بیان عمر رضی اللہ تعالے عنہ کا ہے جسپر اس امت مرحومہ کے اس مسئلہ کا مدار ہے کہ بعض آیات منسوخ التلاوت ہیں مگر حکم ان کا باقی ہے نہ کہیں خدا نے نہ اسکے رسول نے بیان کیا ہے کہ آیت رجم قرآن مجید میں اتاری گئی پھر پیچھے اسکے الفاظ نکال لئے گئے اور اسکا حکم قیامت تک باقی رکھا گیا۔ صرف عمر رضی اللہ تعالے عنہ کا اپنا یہہ خیال ہے کیونکہ حقیقت میں اس طرح کے صاف اور صریح الفاظ قرآن مجید میں موجود نہیں ہے۔ مثلاً المحصن والمحصنۃ اذا زنیا فارجموا فلواخذ منہا یعنے شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت اگر کوئی زنا کر بیٹھیں تو ہر ایک کو رجم کرو بلکہ جیسا اوپر ثابت ہو چکا ہے ایسے لوگوں کو اللہ تعالے مفسدین فی الارض شمار کرتا ہے۔ عمر رضی اللہ تعالے عنہ کو فقط مسئلہ معلوم تھا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا ہوا تھا اور چونکہ وہ لب لباب یا گویا خلاصہ اصلی الفاظ قرآن کریم کا اور نہایت زبان عربی میں عمر رضی اللہ تعالے عنہ ان الفاظ کو قرآن کریم کے عین الفاظ سمجھتے رہے۔ مگر جب قرآن شریف جو ایک جگہ ایک جلد میں لکھا گیا اور اسمیں وہ الفاظ جو عمر رضی اللہ تعالے عنہ کو یاد تھے اور جو حقیقت میں الفاظ قرآنیہ تھے بھی نہیں اور اسی واسطے قرآن کریم میں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لکھوا گئے تھے وہ درج بھی نہیں تھے نہ ملے تو ان کی اتنی مجال نہ ہوئی کہ وہ ان الفاظ کو اور حفاظ سے سیکھ یا تحقیقات کر کے قرآن مجید میں داخل کر دیتے بلکہ کہا کہ اللہ تعالے کا یہہ حکم منزل من اللہ ہے جو قرآن کریم میں ہے۔ اب وہ عبارت ہم کو اس قرآن مجید میں نہیں ملتی مگر حکم ضرور اللہ تعالے نے اتارا ہے اسواسطے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ہم اسکے مطابق عمل کرتے رہے ہیں اور سب لوگ اس مسئلے کو یاد رکھیں اور یقین کریں کہ یہہ مسئلہ حق ہے اور ہے بھی کتاب اللہ کا۔ اسی طرح انہوں نے ایک اور مسئلہ بیان کیا جس کی عبارت اوپر ذکر ہو چکی ہے اور جسکا مطلب یہہ ہے کہ اپنے باپوں کو چھوڑ کر اوروں کی طرف اپنی نسبت منسوب نہ کیا کرو کیونکہ دوسرے لوگوں کی طرف اپنے بیٹا ہونے کی نسبت کرنا کفر ہے۔

حقیقت میں یہہ عمر رضی اللہ تعالے عنہ کو دھوکا لگ گیا ہے کیونکہ نہ تو آیت رجم ان الفاظ سے قرآن مجید میں مذکور ہے جو الفاظ بطور خلاصہ و اصل مسئلہ عمر رضی اللہ تعالے عنہ نے یاد کر رکھے ہوئے تھے اور نہ اس دوسرے مسئلے کے الفاظ کسی آیت قرآنی کی عبارت ہیں بلکہ یہہ بھی فقط دین کا ایک مسئلہ ہے جو عمر رض نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنا تھا اور بس۔ اور جو لوگ سمجھدار ہیں اور فطرت سلیم رکھتے ہیں اس بات کو ہرگز تعجب کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتے بلکہ بشریت کا تقاضا ہے اور سمجھ کر اور قرآن مجید کی پاکی کو مد نظر رکھ کر عمر رضی اللہ تعالے عنہ کی غلطی کو مان لینگے انشاء اللہ العزیز جس طرح ان کی اور کئی غلطیاں کتب حدیث میں مرقوم ہیں اور ان میں سے چند ایک اوپر لکھی جا چکی ہیں۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ یہہ تو کسی مومن کو وہم و گمان نہیں ہو سکتا کہ عمر رضی اللہ تعالے عنہ کی نسبت کوئی برا خیال پیدا کر سکیں یہہ فقط ان کی اپنی سمجھ تھی جو انہوں نے ایک بڑی بھری مجلس میں بیان

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ

تم کیونکر اللہ کے ساتھ کفر کرسکتے ہو حالانکہ تم محض بے روح تھے تو اس نے تم میں روح ڈالی پھر اس

کردی اور دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم کو بھی ان کی اس غلطی کے پکڑنے کا موقع نہیں مل سکا جیسا کہ تمتع کے مسئلہ میں بھی ان کو کوئی قائل نہ کرسکا پس جب عمر رضی اللہ تعالے عنہ نے اپنا یہہ قیاس سنایا اور اس کی تردید وہیں نہ ہوسکی تو وہیں سے یہہ قیاس مبدل بہ اعتقاد ہوگیا کہ رجم کی آیت قرآن مجید میں سے اٹھ گئی ہے اور اس کا حکم باقی رہ گیا ہے۔

مؤلف تفسیر ہذا کے دل میں یہہ خیال کیونکر پیدا ہوا کہ آیت رجم قرآن مجید میں مذکور ہے

راقم مؤلف کے دل میں آیت رجم کے موجود فی القرآن ہونے کا خیال کتاب و سنت نے دلایا ہے۔ **اول** تو قرآن کریم کی اس آیت سے یہہ خیال پیدا ہوا کہ الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منہما مائۃ جلدۃ یعنے جو کنوارا مرد زنا کرے یا جو کنواری عورت زنا کرے تو ہر ایک کو سو سو درّے لگاؤ۔ **دوم** صحیح بخاری کی وہ حدیث جو پہلے بہ بسط تمام لکھی جاچکی ہے کہ آپکے پاس شادی شدہ عورت اور کنوارے مرد کا جنہوں نے آپس میں زنا کیا تھا مقدمہ پیش ہوا تو مستغیث (مدعی) علیہ کے وکیل دونوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کتاب اللہ کے موافق ہم میں فیصلہ کر دیجئے۔ آپنے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ میں اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کرونگا چنانچہ الفاظ مبارک یہہ ہیں والذی نفسی بیدہ لاقضین بینکما بکتاب اللہ جل ذکرہ بخاری کتاب المحاربین الخ باب الاعتراف بالزنا **سوم** بخاری کی وہ حدیث جسمیں ایک یہودی اور یہودن کے زنا کا جھگڑا پیش ہوا اور توریت لائی گئی اور یہودی جبرتے شرارت اس جگہ پر ہاتھ رکھکر آگے پیچھے کی عبارت پڑھ سنائی اسپر عبداللہ بن سلام نے اسکو کہا کہ اپنا ہاتھ اس جگہ سے اٹھا چنانچہ اسکے ہاتھ کے نیچے رجم کی آیت لکھی ہوئی موجود تھی پس رسول اللہ صلعم نے رجم کروایا۔ (بخاری کتاب المحاربین الخ باب الرجم فی البلاط) آیت قرآنی سے تو وجہ استدلال یہہ ہوئی کہ کنوارے کنواری کے زنا کا حال تو قرآن مجید میں مذکور ہو جسکی سزا فقط تازیانے ہے اور وہ جرم جسکی سزا خون ہے قرآن مجید میں مذکور نہو۔ دوسرے یہہ کہ جیسا پہلے بیان ہوچکا ہے کہ لغوی معنے الزانیۃ والزانی کے مضطر و ناچار و تنگ کے ہیں اور وہ ہوتے ہیں بکر یعنے کنوارے کنواریاں تو جب مضطرانہ حالت کا حکم قرآن مجید میں مذکور ہے جو فقط عارضی حکم ہے تو اصل حالت غیر اضطراری کا حکم خواہ مخواہ ضرور بالضرور کہیں نہ کہیں قرآن مجید میں مذکور ہے جیسا کہ حرمت خنزیر کے بعد فمن اضطر الا یہیں بے قرار و ناچار و تنگ حال کا حکم مذکور ہے اسی طرح یہاں بھی مضطرانہ حالت الزانیۃ والزانی صریح طور پر دال ہے اسبات پر کہ اس حکم اضطراری سے پہلے بالیقین حکم غیر مضطروں کا بیان ہوچکا ہے۔ بخاری کی حدیث اول سے یوں استدلال کیا کہ رسول اللہ صلعم قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ میں اللہ کی کتاب کے موافق تم میں فیصلہ کرونگا تو رسول اللہ صلعم جھوٹ نہیں بولتے اور جھوٹی قسم نہیں کھاتے ضرور کتاب اللہ کے اندر یہہ مسئلہ لکھا ہوا موجود ہے اور اگر بفرض کو یہہ مسئلہ لکھا ہوا نظر نہیں آیا تو اس کی یہہ لازم نہیں ہوسکتا معاذ اللہ تم معاذ اللہ کہ اللہ تعالے کی کتاب میں کہیں یہ مسئلہ گم ہوگیا ہے۔ غرضکہ رسول اللہ صلعم کی قسم نے مجھے دلیر کردیا کہ ڈھونڈو کتاب اللہ میں یہہ مسئلہ ضرور موجود ہے۔

بخاری کی حدیث سوم سے اسطرح استدلال کیا کہ توریت جیسی کتاب میں تو جو قرآن مجید کا جزو ہے یہہ مسئلہ موجود ہو اور اس کامل کتاب میں جو ام الکتاب یعنی جملہ کتب سماویہ کا اصل ہے اور جسکے اکمال و اتمام پر اللہ تعالے شہادت دیتا ہے یہہ مسئلہ موجود نہو پس کتاب و سنت کی تائید ان دلائل نے میرا حوصلہ بڑھا دیا اور مجھے کامل یقین ہوگیا کہ رجم کا بیان قرآن کریم میں اتم و اکمل طور پر عبارۃ النص میں موجود ہے پس اپنے رب سے تضرع اور ابتہال سے دعائیں کیں اور اللہ تعالے نے اپنے وعدہ کو حق اور پورا کر دکھلایا کہ جو لوگ ہمارے دین میں جد و جہد کرتے ہیں ہم انکو ضرور ضرور اپنی راہیں دکھا دیتے ہیں اور انپر قائم رکھتے ہیں میرے سینہ کو کھولدیا اور یہہ مسئلہ مجھپر مثل روشن دن کے گویا جیسے دوپہر کا سورج ہے۔ الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ۔ یہانتک اللہ تعالے نے یہہ بیان فرمایا ہے کہ یہی وہی لوگ گمراہ ہوجاتے ہیں جو اللہ تعالے کے پکے اور سچے عہد کو جو آسمانی کتابوں میں موجود ہیں توڑتے ہیں یعنی اللہ کے احکام و نواہی کی کچھ پرواہ نہیں کرتے جتنے امور وصل ہیں یعنی ملک میں امن و امان قائم کرنے والے اور جسم و روح کے باہمی تعلقات کو مطابق تعلیم ربانی باہم قائم رکھنے کو کہا گیا ہے بلکہ اسکے الٹ ملک میں بھی جسمانی و روحانی فساد پیدا کرتے رہتے ہیں اور اپنے جسم و روح کی حق تلفی کرتے رہتے ہیں پس یہی لوگ خاسر و خائب ہیں کہ انکے ملک بھی برباد ہوا انکا اپنا جسم و روح بھی خراب ہوا بالفعل ان کی ماری گئی آخر کار جہنم کے وارث بن گئے۔ معاذ اللہ ان نکون منہم۔

يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٨﴾ هُوَ الَّذِي

زندگی کی مدت پوری کرکے تمہاری روح نکال لیگا پھر قیامت کے روز تم کو زندہ کرے گا۔ پھر اس کی طرف تم حساب کتاب کیلئے لوٹائے جاؤ گے وہ اللہ ذات پاک ہے جو

خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ

جو کچھ اس زمین میں موجود ہے سب کا سب تمہارے لئے پیدا کر رکھا ہے۔ ان نعمتوں پر تدبر کرنے کے بعد ان نعمتوں پر بھی تدبر کرو کہ اللہ تعالے نے فقط اپنے ارادے ہی سے آسمانوں کو

اب چونکہ اللہ تعالے نے ہر قسم کی نعمت کیا دنیوی اور کیا اخروی کیا محض جسمانی اور کیا محض روحانی اور کیا مشترکہ نعمائے جسمانی وروحانی اس دنیا میں ہر ایک انسان اور ہر ایک جن کے واسطے مہیا کر دی ہے جس کے لئے ہر ایک انسان اور ہر ایک جن کا سب سے مقدم فرض یہہ ہے کہ وہ اپنے رب کی قدر کرے اور اسکا شکریہ بجا لاتے نہ یہہ کہ الٹا ناشکری کرنے لگ جاتے پس تمام جن وانس کو اللہ تعالے اپنی نعماء جسمانی وروحانی یاد کراتا ہے اور بعد ان کی ابتدائی حالت سے لیکر انتہائی حالت تک کا ذکر کرتا ہے اور فرماتا ہے۔ کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون ۝ ھو الذی خلق لکم ما فی الارض الایۃ

(۱۹) — ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہستی کی ابتدا اور انتہا کا بیان کیا ہے کنتم امواتا سے مراد ہے وہ حالت ہر انسان کی جسمیں اسکے اندر روح نہیں ہوتی فاحیاکم سے مراد یہہ حیات دنیوی ہے ثم یمیتکم سے مراد ہے یہہ موت طبعی جس سے روح اور جسم کا قطع تعلق ہو جاتا ہے۔ ثم یحییکم سے مراد ہے قیامت کے دن پھر اسی جسم اور اسی روح کا باہمی تعلق پیدا کر دینا۔ اسکے بعد اللہ تعالے فرماتا ہے قیامت کو زندہ ہو کر تم کو موت نہیں ہے اور نہ شتر بے مہار کی طرح بے مہار چھوڑے جاؤ گے بلکہ اللہ کے سامنے تمہاری پیشی ہوگی اور اپنے اپنے اعمال کی جزا وسزا بہشت یا دوزخ پاؤ گے اسکے بعد اللہ تعالے نے سفلی اور علوی دو نو قسم کی نعمائر کو یکجا جمع کر دیا ہے پہلے نعماء سفلی کا بیان فرمایا اور ان میں تدبر و تفکر کرنے کا حکم دیا کیونکہ یہہ بدیہیات ہیں اور ان کا انکار بھی کوئی نہیں کر سکتا اور دہریہ سے دہریہ اور منکر سے منکر بھی فائدہ اٹھا سکتا ہے اسکے بعد علوی اجرام کا ذکر فرمایا کیونکہ وہ نظری امور ہیں اور ان میں ہر ایک شخص یکساں غور وتدبر نہیں کر سکتا۔ ہاں فطرتی خلقی استعداد ہر ایک کو ہے اسکے مطابق وہ بھی ان میں تدبر کر سکتا ہے۔

لوگ عموماً لفظ ثم سے دھوکا کھا کر کہہ دیتے ہیں کہ یہاں سے یہہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالے نے پہلے تمام اشیاء موجود فی الارض کو پیدا کیا ہے اور ان اشیاء کے پیدا کرنے کے بعد پھر آسمانوں کو پیدا کیا اور سورۃ نازعات میں والارض بعد ذلک دحٰھا سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالے نے آسمانوں کو پہلے پیدا کیا اور زمین اور اسکے چیزوں کو پیچھے پیدا کیا۔ یہاں پر فقط مقصود خداوندی اپنے انعامات کا جتانا ہے کہ میں ہی تمہارے فائدے کے واسطے اس زمین کی ساری چیزیں پیدا کرتا ہوں حتیٰ کہ حرام سے حرام اور نجس سے نجس اور موذی سے موذی چیزیں بھی تمہارے ہی فائدے کے واسطے ہیں تاکہ جن چیزوں کی استعمال ذات اللہ وخلق اللہ کی تزئین ہوتی ہے ان کو استعمال کیا جاوے اور جن سے ذات اللہ وخلق اللہ تباہ ہوتی ہو ان سے نفرت اور اجتناب کیا جاوے اصل منشا یہہ ہے کہ اللہ تعالے نے سب سے پہلے زمین کو پیدا کیا اور پھر زمین کی چیزوں کا اندازہ کیا یعنی زمین میں جو کچھ قیامت تک پیدا ہونا ہے انکی تقدیر کر دی یعنی بالقوۃ جملہ کائنات کے مواد معین مقرر کر دیئے جو قیامت تک مطابق علم الٰہی ظہور میں آتے رہینگے ان کے بعد آسمانوں کو پیدا کیا کیونکہ آسمان وزمین وما فیہما کی پیدائش کی ترتیب کا بیان فقط ایک ہی جگہ ہے اور بس۔ اور باقی جہاں کہیں قرآن مجید میں آسمانوں اور زمینوں کا بیان ہوتا ہے تو فقط انعامات واکرامات کے جتانے کے لئے آتا ہے وہاں ترتیب خلق مقصود نہیں ہوتا جن لوگوں نے اس نکتہ لطیفہ کی طرف خیال نہیں کیا وہ گرداب مغالطہ میں پھنس جاتے ہیں۔ وہ جگہ جہاں ترتیب خلق الارض والسمٰوات کا ذکر ہے یہہ ہے:۔

فسوّٰهنّ سبع سمٰوٰت وهو بكل شيء عليم

پیدا کیا اور ان کو سات آسمان بلا وزانہ و بلا شکست و ریخت بنایا اور وہ ہر چیز کے حال سے خواہ سفلی ہے خواہ علوی - بخوبی واقف ہے ۔

قل ائنکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین وتجعلون له
اندادا ؕ ذلک رب العلمین ۰ وجعل فیها رواسی من فوقها وبارک
فیها وقدر فیها اقواتها فی اربعة ایام ؕ سواء للسائلین ۰ ثم استوی
الی السماء وهی دخان فقال لها وللارض ائتیا طوعا او کرها ؕ قالتا
اتینا طائعین ۰ فقضٰهن سبع سمٰوٰت فی یومین واوحی فی کل سماء
امرها ؕ وزینا السماء الدنیا بمصابیح ؕ وحفظا ؕ ذلک تقدیر
العزیز العلیم ۰ (پ ۲۴ ع ۱۶)

دو تو کہہ کیا تم شرک چھوڑ کر ایمان قبول نہیں کرتے جس کے لئے اجر غیر ممنون ہے تم تو بلکہ الٹا اس ذات پاک کا کفر کرتے ہو جس نے اس زمین کو دو دنوں میں پیدا کیا اور اسکے شریک اور ہمسر قرار دیتے ہو تمہارے کل معبود اور شریک تو اسکے سب مربوب ہیں اور وہ خالق تو کل عالم کا رب ہے یہ اسی کی ربوبیت کا تقاضا ہے کہ اس نے اس زمین کے اوپر سے بھاری بوجھل پہاڑ گاڑ دیئے اور اس زمین میں ہر طرح کی برکت رکھدی اور جتنے محتاج اور طالب قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے ان سب کے واسطے اسکے اندر طرح بطرح کی روزیوں کا اندازہ کر دیا پہلے دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا اور پچھلے دو دنوں میں پہاڑوں اور زمین کی روزیوں اور روزیوں کے سامان وغیرہ کا اندازہ کیا جس سے یہ کہ کل باتیں برابر چار دنوں میں ہوئیں - ان چیزوں کے بعد آسمانوں کے پیدا کرنے کا ارادہ کیا اور وہ محض دھواں ہی دھواں تھا پس جب اپنے ارادہ سے آسمانوں کو بھی پیدا کر چکا تو ان کو بھی اور زمین کو بھی یعنی دونوں کو کہا کہ تم دونوں کے دونو خواہی نخواہی میری فرمانبرداری کرو - دونو بولے کہ ہم خوشی سے تیری فرمانبرداری کرنیوالے ہیں پس اللہ تعالےٰ نے ان کو دو دن میں سات آسمان بنائے اور ہر ایک آسمان میں جو کچھ اللہ تعالےٰ نے قیامت تک کرنا منظور تھا وہ مقرر کردیا اور اس سب سے نیچے آسمان کو ہم نے ستاروں کی قندیلوں سے مزین کر دیا اور علاوہ مزین کرنے کے ان آسمانوں کو ہم نے شیاطین سے محفوظ بنایا یہ تدبیریں اور تقدیریں اللہ کی باندھی ہوئی ہیں جو بڑے غلبے والا اور ہر ایک چیز کے حال سے بخوبی واقف ہے۔

۳ اس آیت سے خلق الارض والسموٰت کی ترتیب اس طرح پر ہے کہ اللہ تعالےٰ نے سب سے پہلے زمین کو پیدا کیا اسکے بعد زمین کے متعلقات مثلاً دریا - پہاڑ - چرند - پرند جن - انسان - وغیرہ وغیرہ اور پھر ہر ایک چیز کے لئے اس کی طبعی طلب اور حاجت کو پورا کرنے کے لئے جو کچھ قیامت تک پیدا کرنا منظور تھا سب کا اندازہ جو اس کے علم میں ہے کیا یعنی جملہ کائنات جو قیامت تک موجود فی الخارج اور بالفعل ظاہر ہونی رہینگی ان سب کا مواد بالقوۃ پیدا کر دیئے اور پھر ان کے بعد آسمانوں کو پیدا کیا اور انہیں کسی قسم کی چیزوں کا پیدا کرنا اور زمین کے قوات وغیرہ کا اندازہ کرنا دو دن میں ہوا یعنی کل چھ دن میں بنایا گیا۔

اس آیت میں وقدر فیہا اقواتہا سے صاف ظاہر ہے کہ تمام زمین کی ساری چیزوں کو موجود فی الخارج نہیں کر دیا یعنی پہلے دو دنوں میں ہی ساری اشیا کو زمین سے نکال کر عالم ظہور میں نہیں لے آیا بلکہ فقط ان اشیا کا اندازہ کیا یعنی بالقوۃ ہر ایک چیز کو مقرر کیا مگر بالفعل قیامت تک اپنے اپنے موقع اور وقت پر یہ چیزیں ظہور میں آتی رہینگی - پس آیت زیر تفسیر میں ہو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً الآیہ اور اس آیت کی ترتیب تخلیق میں کوئی بھی تناقض نہیں ہے - اگرچہ آیت زیر تفسیر میں مقصود ترتیب تخلیق نہیں ہے اسی طرح اور جگہوں میں بھی جہاں قرآن مجید میں الارض والسموٰت کا ذکر آتا ہے تو فقط انعامات و آیات الٰہی کے یاد دلانے اور ان کی قدر کرنے کے لئے بیان ہوتے ہیں سو مطابق سیاق کلام حسب مناسبت مقام کہیں آسمانوں کا ذکر پہلے اور زمین کا پیچھے اور کہیں اسکے عکس آجاتا ہے اور کہیں سب سے پہلے زمین کی چیزوں کا ذکر ہوتا ہے وہاں ہرگز ترتیب تخلیق مراد نہیں ہوتی ورنہ قرآن مجید میں تکرار لازم آتا اور سوا تکرار کے علاوہ اختلاف بھی حالانکہ قرآن کریم پاک ہے ان دونوں عیبوں سے دیکھو تفسیر [illegible] آیت جس سے بعض لوگوں کو دھوکا لگتا ہے اور جسکا پہلے اشارہ ہو چکا ہے یہ ہے۔

ءانتم اشد خلقا ام السماء ؕ بنٰها ۰ رفع سمکها فسوّٰها ۰ و
اغطش لیلها واخرج ضحٰها ۰ والارض بعد ذلک دحٰها ۰ الخ

" اے منکرو! تمہارا پیدا کرنا مشکل ہے یا آسمان کا جسکو اس نے بنایا بلند کی اس کی چھت [illegible]
پھر اس کو ٹھیک بنایا اس کی رات کو اندھیری کیا [illegible] اور [illegible]

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ

اور وہ وقت یاد دلا کہ جب تیرے رب نے اُن چند فرشتوں کو جنکو واسطے جنونکو عذاب دینے کیلئے دنیا میں بھیجا تھا کہا کہ میں اس دھرتی پر ان جنوں کا ایک خلیفہ بنانیوالا ہوں فرشتے جو جنوں کے حالات

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ منها ماءها ومرعٰها والجبال ارسٰها متاعًا لکم ولانعامکم (پ۳۰ ع ۴)

سہاروں کے اونچا بنایا اور اسکو ایسا بنایا کہ اس میں کوئی کجی نہیں ہے بلکہ صاف اور ہموار اسکو پیدا کیا اور اس کی رات کو تاریک بنایا اور اسکے دن کو نکالا علاوہ بریں اس زمین کو بچھا دیا (یعنے سورج اور چاند اور ستارے محض بیکار اور بے اثر اور نکمے پیدا نہیں کئے بلکہ ان کی تاثیروں کا محل تمہاری اس زمین کو بنا دیا) چنانچہ اسکا اب قیامت تک یہہ حال ہے کہ وہ اللہ اسی میں سے اسکا پانی اور اسکا چارہ نکالتا رہتا ہے اور ان پہاڑوں کو جو تم دیکھ رہے ہو اسکے اندر خوب گاڑتا ہے یہہ سب کچھ تمہارے فایدے اور تمہارے چارپایوں کے فایدہ کے لئے ہو تا رہتا ہے

ان آیات میں اللہ تعالے اس زمین و آسمان کے تعلق کو بیان کرتا ہے اور اپنے انعامات بتاتا ہے اور بعث اموات کو بالکل سہل اور آسان ثابت کرتا ہے کوئی بھی ترتیب تخلیق یہاں نہیں ہے - پہلے اللہ تعالے رات اور دن کا ذکر کرتا ہے یعنے ستاروں اور چاند اور سورج کا ذکر - سورج کی حرارت اور قمر اور دیگر ستاروں کی تاثیرات کا جو زمین پر پڑتی رہتی ہیں اور لوگ اس کو جانتے ہیں بیان کیا - اور فرمایا کہ اوپر کی طرف سے موثرات ہوتی ہیں اور اللہ تعالے کی بھیجی ہوئی ہوتی ہیں اور نیچے کی طرف سے متاثرات ہوتی ہیں اور یہہ تعلق باہمی اسوقت تک رہیگا جب تک سورج اور چاند اور آسمان کی قوتیں قائم ہیں پس جو ہیں الطامۃ الکبری وہ بڑا بھاری صدمہ یعنے قیامت کا ہنگامہ برپا ہو جاویگا تو زمین بھی غیر متاثر ہو جاویگی پس اسوقت تم کو زندہ کر لیا جاویگا والارض بعد ذلک دحٰھا میں بعد ذلک کے معنے ہیں علاوہ براں - مزید براں "یعنے بعد ذلک میں ترتیب نہیں ہے بلکہ یہہ لفظ یعنے قرینی ہے نہ کہ زمانی - اس کی مثال یہیں سے دوسری جگہ قرآن مجید میں موجود ہے - کما قال اللہ تعالے -

ولا تطع کل حلاف مھین ۝ ھماز مشاء بنمیم ۝ مناع للخیر معتد اثیم ۝ عتل بعد ذلک زنیم ۝ (پ۲۹ ع ۳)

"اور کسی بھی ایسے شخص کا کہنا مان لینا جسکا پیشہ ہی ہوتا ہے قسمیں کھا کھا کر لوگوں میں اعتبار جمانا . . . . اور جسکی دیگر صفات ذمیمہ میں سے یہہ بھی ہیں کہ وہ سرکش اور اکھڑ ہوتا ہے اور علاوہ ان صفات کے وہ ایسا شریر ہوتا ہے کہ اسکی شرارت ظاہر باہر ہوتی رہتی ہے"

اس آیت میں بعد ذلک کے معنے ہیں مع ذلک یعنے علاوہ براں - اسی طرح قرآن مجید میں ثم یعنے بعد ذلک علاوہ براں بھی ہے

ثم کان من الذین اٰمنوا وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمۃ (پ۳۰ ع ۱۵)

"صفات مرقومۃ الصدر کے علاوہ اس میں یہہ صفت بھی ہو وے کہ وہ ان لوگوں کے زمرہ میں ہوتا ہے جو ایماندار ہوتے ہیں اور ہر قسم کے صبر کو اختیار کرنے کی ہدایت کرتے رہتے ہیں اور ہر قسم کے رحم کرنے کی ایک دوسرے کو نصیحت کرتے رہتے ہیں" الحمد للہ کہ قرآن مجید میں کہیں بھی تکرار اور تخالف اور تعارض نہیں ہے -

اوپر کی آیات میں یہہ ہدایت کی گئی ہے کہ اللہ تعالے کے ساتھ اور اسکے رسولوں اور اس کی کتابوں اور دیگر نعمتوں کے ساتھ کفر کرنا ہرگز ہرگز انسان کو جائز نہیں ہے بلکہ اسکا نتیجہ جہنم ہے چنانچہ اسکی نظیر اب اگلی آیات میں بیان کی جاتی ہے کہ ابلیس لعین نے کفر کیا وہ مستحق لعنت و جہنم ہو گیا اور آدم اللہ تعالے کے شکر گذار بندے بن گئے اور جنت کے مستحق ہو گئے - کما قال اللہ تعالے - وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ الایۃ -

اس آیت میں چند امور قابل تشریح ہیں - اوّل - الملٰئکۃ دوم - خلیفہ - سوم فرشتوں کو کہاں سے معلوم ہوا کہ خلیفہ مفسد فی الارض ہوگا - چہارم خلیفہ کو فساد فی الارض و سفک دماء کا الزام لگانا - پنجم فرشتوں کا اپنے تئیں اعلم سمجھنا کہ فقط وہی اللہ کی تسبیح و تحمید و تقدیس بذریعہ علم ربانی بخوبی کر سکتے ہیں - ششم اتجعل فیھا من یفسد میں ہمزہ استفہام کیسا ہے - اب ہم بتوفیقہ تعالے ان امور کو بترتیب بالا لکھتے ہیں -

خَلِيْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ

سے واقف تھے اور جنکے تباہ فی الارض کیوجہ سے وہ عذاب کرتے چلے آتے تھے یہ سنا کہ جنوں کا کوئی خلیفہ بنایا جانے لگا ہے لفظ خلیفہ سے قیاس کر لیا کہ جو اصل کا حال رہا وہی اسکے قائم مقام کا ہوگا پس حیرت میں پڑ گئے کہ علیم و حکیم خدا جو ہر قسم کے عیب نقصان سے پاک ہے اسکو دیکھا جاوے تو ضرور ضرور اس خلیفۃ الجن میں اس کی حکمتیں اور علوم پوشیدہ ہونگے اور اگر خلیفہ کے لفظ کو دیکھا جاوے تو خواہ مخواہ مفسد

يَّسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ

فی الارض ہوگا پس اس حکمت الٰہی کے معلوم کرنے کے لئے سوال کیا کہ اے رب العالمین کیا تو زمین میں ایسا شخص پیدا کرتا ہے جو جنوں کا خلیفہ ہوکر بجائے تیری تسبیح و تحمید و تقدیس کے انکا ہی پیرو جنوں کی طرح فساد پھیلاویگا اور اصلاح کی خونریزیاں کریگا حالانکہ ہمکو تو نے اس قسم کا پیدا کیا ہے کہ ہم تیری تسبیح مع تیری تحمید کے کرتے ہیں اور تیری ہی پاکی بیان کرتے ہیں

اَوّل - الملٰئکۃ - میں آ - ل عہدی علمی جسکو ذہنی بھی کہتے ہیں یعنی وہ چند فرشتے جو جنوں کی تعذیب کے لئے آتے تھے کیونکہ اللہ تعالےٰ کی سنت قدیمہ ایسی ہی جاری ہے کہ وہ مجرمین کو فرشتوں کی معرفت عذاب دیا کرتا ہے خواہ وہ عذاب غرق ہو حرق ہو بستیوں کا الٹا یا جانا ہو صیحہ ہو وغیرہ وغیرہ - جیسا کہ قرآن کریم کی آیتوں سے ثابت ہے اور واقع ہو کہ ملائکہ یعنی فرشتے اللہ تعالےٰ کی مستقل اور بذات خود قائم مخلوقات ہیں - فرشتے کئی کئی قسم کے کاموں پر مقرر ہیں قرآن کریم میں بہت سی جگہوں میں ثابت ہے کہ وہ بجائے خود مستقل ذاتیں ہیں کسی جرم فلکی کی جان یا روح نہیں ہیں اور نہ وہ انسان کی وہ قوتیں ہیں جو نیکی کی طرف انسان کو کھینچتی ہیں وہ زمین پر بھی اترتے اور زمین سے پھر آسمان کو چڑھتے ہیں وہ انسان کی شکل اختیار کر سکتے ہیں اور کتاب و سنت سے یہ ساری باتیں بالتفصیل ثابت ہیں نہ یاد دلانے کی ضرورت ہے

دوم - خلیفہ کہتے ہیں نائب یا قائم مقام کو جو دوسرے شخص کی بجائے کسی کام کو سرانجام دیوے اس کی جمع خلائف اور خلفاء آئی ہے - رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب کبھی سفر کو جاتے تھے تو کبھی کسی اور کبھی کسی کو امامت وغیرہ کے لئے بطور خلیفہ چھوڑ جایا کرتے تھے اور اللہ تعالےٰ کو اپنا خلیفہ بنانے کے لئے دعا پڑھا کرتے تھے - اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل (مشکوٰۃ کتاب الدعوات فصل اول) یعنی اے اللہ تو ہی سفر میں میرے ساتھ رہنے والا ہے اور تو ہی میرے گھر میں میرے پیچھے خلیفہ ہے - خدا تعالےٰ جو حاضر ناظر اور ہر وقت موجود اور ہر وقت لطیف خبیر سمیع علیم ہے جو کسی کا بھی محتاج نہیں ہے اور جسکا محتاج کل عالم ہے پاک ہے اس بات سے کہ اسکا کوئی خلیفہ بن سکے ہاں اللہ تعالےٰ سب کا خلیفہ ہے اور وہ ہر جگہ ہے پس آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خلیفۃ اللہ کہنا غلطی ہے اور اگر ان معنوں میں جو زبان عرب میں مستعمل ہیں یعنی نائب و قائم مقام کسی شخص کا کسی کام میں آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خلیفۃ اللہ کہا جاوے تو صریح کفر ہے باقی رہی تاویل یعنی یہ کہ اللہ کے احکام جاری کرنے والا تو ان کے لئے کوئی سند نہیں ہے نہ کتاب اللہ میں اور نہ سنت نبویہ میں اور نہ کسی لغت میں اور نہ علم معانی سے کہ رو سے سے -

اب سوال یہ ہے کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب خدا کا خلیفہ نہیں ہے تو پھر اور کس کا ہے اسکا جواب یہ ہے کہ وہ جنوں کا خلیفہ ہے - کیونکہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پیشتر اس زمین پر جن بستے تھے [illegible] جن آباد چلے آتے تھے اور اس زمین میں اسی طرح تصرف کرتے تھے جس طرح اب ہم کر رہے ہیں

والجان خلقنٰہ من قبل من نار السموم (پ ۱۴ ع ۳)	اور ہم نے اس جان کو جو آدم کی طرح ابو الجن ہے آدم سے پہلے آگ سے پیدا کیا اور آگ بھی ایسی جس میں کچھ دھواں تک نہیں تھا

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ دو مختلف قسم کی مخلوقات اللہ تعالےٰ نے پیدا کی ہیں ایک آدم جو حماً مسنون سے پیدا ہوا اور ایک جان جو نار سموم سے پیدا ہوا جب بالمقابل دو نوعوں کا ذکر ہو رہا ہو تو کسی ایک ہی جنس کا سمجھ لینا بالکل خلاف دانش ہے پہلے الانسان کی پیدائش کا ذکر ہے اور اسکا مادہ خشک مٹی یعنی کالا سیاہ بدبودار کیچڑ ہے اور اسکے بعد الجان کی پیدائش کا بیان ہے اور اسکا مادہ نار سموم ہے پس الجان سے مراد سوائے ابو الجن یعنی سر [illegible] ہے

واذ قلنا للملٰئکۃ اسجدوا لاٰدم فسجدوا الا ابلیس کان من الجن	اور جب ہم نے ان چند فرشتوں کو جنہوں نے آدم کو مفسد فی الارض

قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

بھی کرتے ہیں اللہ تعالے نے ان فرشتوں کے ان تمام سوالوں کا یعنے یہہ کہ خلیفہ ایسا ہوگا ویسا ہوگا الخ کا ایسی ہی اور ویسی ہی پہلے اجمالی جواب یہہ دیا کہ جو کچھ میں جانتا ہوں تم اس سے لاعلم ہو۔

فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ (پ ۱۵ ع ۱۹)

ہونے کا الزام لگایا تھا کہا کہ تم اپنے الزام کی معافی کے لئے آدمؑ سے زبانی معافی طلب کرو تو ابلیس کے سوائے سب نے معافی مانگی یہہ ابلیس بھی گروہ جنات میں سے تھا۔ پھر پیچھے اپنے رب کے حکم سے بھاگ نکلا۔"

ان دو آیتوں سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے جنوں کی پیدائش تھی اور ابلیس بھی جن ہی تھا اور تھا بھی نیک جن جو ان جنوں میں سے جنکو عذاب ہوا گیا بالکل مستثنے رہا اور اپنے مسکن یعنے زمین پر ہی آباد رہا۔ چونکہ قرآن کریم کی نصوص سے ثابت ہے کہ فرشتے کسی امر ربی کا عصیان نہیں کرتے بلکہ جو حکم ان کو دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں اسواسطے یہاں بھی ان کی پاکی اور عصمت بیان کی اور ابلیس نے چونکہ نافرمانی کی اسواسطے اسکا سبب بیان فرمایا کہ وہ ملائکہ میں سے کوئی ملک یعنے فرشتہ نہ تھا بلکہ جن تھا جو اگرچہ پہلے تو نیک ہی رہا مگر آخر کار نافرمان ہو گیا۔ کیونکہ اسکا مادہ ناری تھا آخر کار ناریت غالب آگئی اور وہ فاسق یعنے نافرمان ہو گیا کیونکہ اگر وہ نیک نہ ہوتا تو عذاب سے بری نہ ہوتا اور چونکہ اسکو بھی فرشتوں سمیت حکم ہوا کہ تو معافی مانگ تو یقیناً معلوم ہوا کہ یہہ بھی ان فرشتوں کے زمرہ میں الزام لگانے والوں اور اپنے تئیں اَعلم سمجھنے والوں میں تھا ورنہ اس بے قصور کو کیوں معافی مانگنے کا حکم دیا جاتا۔

یہاں پر بعض لوگ کہتے ہیں کہ ابلیس معلم الملکوت تھا اور وہ تمام فرشتوں کا سردار اور استاد تھا اور خود بھی فرشتہ ہی تھا۔ اور کان من الجن کے معنے بھی یہی کرتے ہیں کہ وہ ان فرشتوں میں سے تھا جو جنت میں موجود تھے اور جنکو جن کہتے ہیں۔ سو یہہ سارے قیاسی ڈھکوسلے ہیں اور بعض بالدلیل۔ نہ تو فرشتوں کا ہی وہ استاد تھا اور نہ وہ خود فرشتہ تھا۔ اوپر پڑھ چکے ہو کہ اللہ تعالے کے فرشتے کسی کام میں بھی اپنے رب کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے۔ پس اگر ابلیس فرشتہ ہوتا اور پھر فرشتہ بھی ایسا کہ سب فرشتوں کا سردار اور استاد تو خداوند تعالے کے قول کے مطابق جو صادق القول ہے ہرگز نافرمانی نہ کر سکتا۔ پس اسکو فرشتہ قرار دینا خود قرآنی نصوں کے خلاف ہے۔ پھر اس آیت میں ایسے دھوکہ کے دور کرنے کے واسطے کہ وہ فرشتہ تھا۔ اللہ تعالے نے اسکی نافرمانی کا سبب یہہ بیان فرمایا کہ وہ جنات میں سے تھا اور جنات کی پیدائش نار سموم سے ہے اور یہہ خود بھی قایل ہے۔ کما قال اللہ تعالے۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ (پ ۸ ع ۹)

"اللہ تعالے نے شیطان سے پوچھا کہ جب میں نے تجھے حکم دیا کہ تو آدم سے زبانی معافی مانگ تو پھر اس معافی مانگنے سے کونسی چیز تجھے مانع ہوئی کہ تو معافی نہیں مانگتا جواب دیا کہ میری فضیلت کیونکہ میں اُس سے بہتر ہوں اور میرے بہتر ہونے کی دلیل یہہ ہے کہ تو نے مجھے آگ سے مخلوق کیا اور اسکو مٹی سے پیدا کیا۔"

پس معلوم ہوا کہ ابلیس جسکی خلق ناری تھی انہیں ملائکہ کے زمرہ میں داخل تھا جنکو حکم معافی مانگنے کا ہوا تھا۔ اور وہ فرشتہ نہ تھا بلکہ جن تھا۔ پس یہانتک یقینی طور پر ثابت ہو چکا کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پیشتر الجان کی پیدائش تھی اور اسکی پیدائش آگ سے تھی اور شیطان بھی منجملہ جنات کے ایک جن تھا جو اپنی اصل پیدائش یعنے اپنے باوا جان کی پیدائش کو جو نار سموم ہے بیان کرتا ہے۔ پس یقینی طور پر معلوم ہوا کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ میں اور دوسرے پیدائش مختلفہ کے آدم سے پیشتر الجان پیدا ہوا تھا جو ابو البشر کی طرح ابو الجن تھا اور چونکہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خلیفہ مقرر کیا گیا اسواسطے خود لفظ خلیفہ دال ہے اس بات پر کہ ان لوگوں یا اُن مخلوقات سے جو آدمؑ سے پہلے موجود تھی کچھ اختیارات دفعتاً چھینے گئے اور آدمؑ کے حوالہ کئے گئے حتے کہ نبوت تک ان سے چھین گئی اور وہ اب خلق آدمؑ سے شروع ہو کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تک دونوں گروہوں کے لئے فقط بنی آدم میں ہی رکھی گئی۔ کیونکہ نہیں معلوم کسقدر عرصہ دراز سے جنات اس دنیا میں آباد چلے آتے تھے اور نہیں معلوم کسقدر رسول اور انبیاء ان میں ہو گذرے تھے اور نہیں کوئی ان کی خبر رکھتا ہے۔ اس آیت میں بتایا کہ قیامت کو اللہ پوچھیگا کہ اے گروہ جن و انس کیا دنیا میں تمہارے پاس تم میں سے ہی

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِىْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا (پ ۸)

رسول نہیں آ رہے جو تم کو میرے احکام بیان کرتے تھے اور تمکو تمہاری آجکی پیشی سے ڈرایا کرتے تھے۔" اگر کوئی کہے کہ جس حدیں میں صحیح رسول بنایا گیا اُدم میں سے ہی تو کل جنوں پر تمکی حجت کس طرح قائم ہو سکتی ہے تو اسکا جواب یہہ ہے کہ گویا اللہ تعالے فرماویگا اے انسانو تم میں ہم تمہاری نوع میں سے رسول بھیجتے رہے ہیں اور اے جنو تم میں تمہاری جنس یعنی ذوی العقول میں سے جو انسان ہیں اور چونکہ تعلم و تعلیم و تبلیغ ہر دو صورت یکساں حاصل ہے جیسا کہ اخبار صحیحہ و مشاہدہ سے ثابت ہے اسلئے حجت ثابت ہے۔

اس آیت سے اتنا معلوم ہوا کہ جنوں کے پاس ان کے اپنے رسول بھی آیا کرتے تھے اگرچہ اس سے نفی اسباب کی بھی نہیں ہوتی کہ بعد خلق آدم پھر آدمیوں میں سے رسول ان کی طرف سے بھی ہوا کرتے تھے مگر ذیل کی آیات سے تصریحاً ثابت ہوتا ہے کہ بعد خلق آدم فقط بنی آدم میں سے ہی رسول انسانوں اور جنوں کی طرف آتے رہے ہیں۔ کما قال اللہ تعالے :-

واذ صرفنا الیک نفراً من الجن یستمعون القرآن ۔ فلما حضروہ قالوا انصتوا ۔ فلما قضی ولوا الی قومھم منذرین ۝ قالوا یٰقومنا انا سمعنا کتاباً انزل من بعد موسیٰ مصدقاً لما بین یدیہ یھدی الی الحق والی طریق مستقیم ۝ (پ ۲۶)

"اور اس وقت کا بھی ذکر کر کہ جب تیری طرف ہم نے جنوں کی ایک جماعت قرآن مجید کے سننے کی غرض سے بھیج دی۔ پس جب وہ قرآن مجید کے پڑھے جانے کے موقع پر جا پہنچے تو لگے آپس میں ایک دوسرے سے کہنے کہ چپکے ہو رہو اور کان لگا کر خوب سنتے رہو۔ پھر جب قرآن خوانی ہو چکی تو وہ اپنی قوم کی طرف مسلمان ہو کر لوٹ گئے اور ان کو ڈرانے لگے کہ قرآن مجید کے نہ ماننے پر دوزخ میں ڈالے جاؤ گے اور لگے ان کو سنانے کہ اے ہماری قوم ہم ایک بڑی عظیم الشان کتاب سن کر آئے ہیں جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی جو تمام پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور کامل رہنمائی کرتی ہے اور بڑے وسیع طریق مستقیم کی طرف لیجاتی ہے"

اس سے اسقدر ثابت ہوا کہ بنی آدم کے انبیاء اب بنی جان کے انبیاء بھی ہیں البتہ جب بنی آدم نہ تھے تو نبوت انہیں ہی موجود تھی۔ پس معلوم ہوا کہ نبوت کا عہدہ بھی جنات سے چھینا گیا اور ان کے خلیفہ یعنے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالہ کیا گیا۔

سوم - مفسرین میں اختلاف ہے کہ خلیفہ کو مفسد فی الارض اور سفاک کہنے کے لئے فرشتوں کے پاس کونسی سند تھی اور ان کے اس قیاس کا کونسا ماخذ تھا حالانکہ اختلاف کرنے کی کچھ بھی ضرورت نہیں ہے اور نہ کوئی وجہ ہی ہے خود لفظ خلیفہ فرشتوں کے اس قیاس کا ماخذ ہے کیونکہ یہہ لفظ دلالت کرتا ہے کہ جو حال اصل منوب کا ہے وہی اسکے خلیفہ اور قائم مقام اور نائب کا ہوتا ہے۔ فرشتے چونکہ جنات کے فساد فی الارض اور سفک دماء سے بخوبی واقف تھے اور خداوند تعالے نے ان کو فرمایا کہ میں اب ایک خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں تو انہوں نے قیاس کر لیا کہ چونکہ منوب تو قوت سبعی اور قوت بہیمی کی وجہ سے فساد فی الارض اور خونریزیاں کر کے اپنے تئیں مستوجب سزا کر لیا ہے پس جو نائب ہوگا آخر وہ بھی تو اپنے منوب کی جنس کا ہی ہوگا۔ کیونکہ ہاتھی کا قائم مقام ہاتھی کی جنس کا ہی کوئی ہوگا مثلاً یا تو خود ہاتھی ہی یا جو ہاتھی کا سا کام دینے والا ہو مثلاً سواری کے لحاظ سے گھوڑا خچر۔ بار برداری کے لحاظ سے اونٹ گدھے وغیرہ وغیرہ تو چونکہ جنوں کی پیدائش کی غائت یعنے عبادت الٰہی کو فرشتے بھی جانتے تھے جو تسبیح و تحمید و تقدیس پر منقسم ہے اس واسطے ان کا جو خلیفہ ہوگا اس کی غائت بھی عبادت الٰہی ہوگی اور اسکے اندر بھی بالیقین یہہ تین قوتیں ہونگے یعنے قوت ملکی۔ قوت سبعی۔ قوت بہیمی۔ پس ان فرشتوں کے ایسا قیاس کرنے کا ماخذ فقط جنوں کے حالات کی واقفیت سابقہ اور اللہ تعالے کے لفظ خلیفہ کا بولنا ہے اور بس۔ لوح محفوظ کو دیکھ سکتے یا وہاں تک رسائی پیدا کر سکنے کی کسی مقرب سے مقرب فرشتے کو بھی طاقت نہیں ہے۔ وعندہ ام الکتاب۔ وہ کتاب خود اللہ تعالے کے پاس موجود رہتی ہے۔ البتہ جو حکم احکام فرشتوں کو بتاتا ہے پس وہی انکو معلوم ہو سکتے ہیں۔ علم الغیب یہی خاصہ خداوندی ہے۔ پس عالم الغیب سے بھی وہ ایسا نہیں سمجھ سکتے تھے۔ باقی بھی جسقدر قصے کہانیاں تفسیروں میں مرقوم ہیں سب بے اصل و انیسلیہ ہیں۔

چہارم - خلیفۃ الجن کو فرشتوں کا یہہ الزام لگانا کہ یفسد فیہا و یسفک الدماء یعنی وہ خلیفہ جو اب پیدا کیا جانے لگا ہے وہ جنوں کی طرح زمین میں ہر قسم کے گناہ اور ہر قسم کی خونریزیاں کریگا خود فرشتوں کی اپنی خطا ہے اور چونکہ انہوں نے بلا دیکھے بلا امتحان کئے بلا تحقیقات کئے خلیفہ کو ہر وقت گناہوں کی تہمت لگائی اور حقوق العباد میں الٰہی قانون یہی ہے کہ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا اور وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ اور جیسا کہ پہلے صفحات میں تشریح ہو چکی ہے کہ کوئی جرم اور کوئی قصور ایسا نہیں ہے جس کی کچھ نہ کچھ سزا نہیں ہے اور کچھ وہ سزا بمثل اس جرم کے ہوتی ہے۔ پس فرشتوں نے اپنے قیاس سے جو بالکل مطابق اس آیہ کریمہ کے ناحق تھا۔ ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً۔ (پ ۱) یعنے بیشک ظن خواہ کیسا ہی ہو اس کی یہہ شان نہیں ہے کہ وہ اپنے مقابلہ کے حق سے خواہ وہ کیسا ہی ہو کچھ بھی دور کر سکتا ہے۔ یعنے حق حق ہی رہتا ہے اگرچہ اسکے مقابلہ میں ڈھیروں کے ڈھیر ظنون و قیاسات کے لگ جاویں۔ اسی طرح مطابق اس آیہ کریمہ کے یہہ ظن گناہ تک پہونچ گیا۔ یا ایھا الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم (الآیۃ) یعنے اے ایمان والو ہر قسم کے ظن سے خواہ وہ کیسا ہی ہو بہت بچتے رہو کیونکہ بعض ایسے بھی ظن ہوتے ہیں جو بڑے کبائر گناہ ہو جاتے ہیں۔ پس ضرور تھا کہ فرشتوں کے اس ظن پر جو گناہ تک پہونچ گیا کیونکہ اس سے ایسے شخص کی تہمت ہوتی جسے ابھی انہوں نے دیکھا تک نہیں تھا اور نہ اسکا کوئی قصور ہی معلوم کیا تھا فرشتوں کو متنبہ کیا جاوے اور ان کے اس گناہ اور غلطی کی جو متعلق حقوق العباد ہے مناسب سزا دی جاوے سو وہ سزا ابھی بیان ہوگی انشاء اللہ تعالے۔

پنجم - علاوہ براں دوسری فرمانا یہہ ہوتی کہ فرشتوں نے اور نیز ابو یہہ تصرف کی کہ خلیفہ سے مثل اللہ کو تمہ ملکیت کے کرا کر معش رتبہ سعیت اور نصب گنا پہونچا دیا اور

ادھر اپنے حق میں یہہ افراط کی کہ خداوند تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ یعنے صفات کے جاننے یعنے تسبیح و تحمید و تقدیس کے بیان کرنے میں اپنے تئیں اعلم قرار دیا حالانکہ اس ہدایت ربانی و فوق کل ذی علم علیم یعنے ایک سے ایک بڑھکر ذی علم ہے حتیٰ کہ تمام علوم کا منتہا اللہ تعالیٰ کی طرف چلا جاتا ہے کے مطابق ان کا یہہ کہہ دینا صحیح نہیں تھا اور ان کے اس دعوے علمیت میں بالخصوص خلیفہ صفی اللہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عدم علمیت کی تعریض ہے ۔ پس یہہ غلطی منتلق حقوق اللہ ہے اس کی سزا بھی ضرور ہے ۔ اور یہہ خطا بعینہ ویسی ہے جو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سرزد ہوئی تھی جیسا کہ بخاری میں سورۃ کہف کی تفسیر میں ہے کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک دن وعظ فرما رہے تھے کسی نے پوچھا کہ اے رسول اللہ لوگوں میں سے سب سے بڑھکر عالم کون ہے ۔ وہ چونکہ نبی تھے اور واقعی امت میں سے کوئی شخص ہی نبی کے برابر عالم نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ نبی سے بڑھکر تو انہوں نے فرمایا کہ میں سب سے بڑھکر عالم ہوں ۔ اسپر حکم الٰہی ہوا کہ نہیں تم سے بڑھکر ہمارا ایک بندہ ہے جو مجمع البحرین میں ہے ۔ چنانچہ قرآن کریم میں یہہ قصہ خضر اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بالتفصیل درج ہے جسکا نتیجہ یہہ ہے کہ جس زبان سے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ میں سب سے بڑھکر عالم ہوں اسی زبان سے اُن کو خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جا کر کہنا پڑا ھل اتبعک علیٰ ان تعلمن مما علمت رشدا (پ ۱۵ ع ۲۱) یعنے اے خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ اگر فرماویں تو میں آپکے ساتھ ساتھ رہوں اس شرط سے کہ آپ مجھ کو تھوڑا سا سکھلا دیں اس علم میں سے جو آپ کو عطا کیا گیا ہے ۔ چنانچہ پھر بعد مشکل کچھ سیکھنے کے بعد خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہہ کہہ کر رخصت حاصل کیا ھذا فراق بینی و بینک یعنے بس صاحب آپ اب تشریف لے جاویں میرا اور آپکا اب کوئی ساتھ نہیں ہے ۔ یعنے آپ طالبعلمی کے لائق بھی نہیں ہیں ۔ تو بات یہہ ہے کہ حقیقت میں یہہ دعوے کرنا کہ میرے جیسا کوئی نہیں ہے یا ہم جیسا کوئی نہیں ہے اس بات کا ادعا ہے کہ میں کل عالم کے فرد فرد سے واقف ہوں اور فرد فرد کے حال چال مقال علم و عمل کو غرضکہ سب کچھ جانتا ہوں اور یہہ خاصہ خداوندی ہے ۔ یہہ فرشتے بھی موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح بالکل پاک تھے ان کی عصمت قرآن مجید میں جا بجا آچکی ہے وہ بخل اور حسد اور ہر قسم کے گناہ سے جو عمداً کیا جاوے پاک ہیں مگر چونکہ وہ خدا نہیں ہوتے جو ہر طرح سے سبوح و قدوس ہے اسواسطے قیاس کرتے وقت خطا ہو گئی اور ہدایت ربانی و فوق کل ذی علم علیم کی طرف خیال نہ رہا ۔

شبہ ششم ۔ اتجعل کا ہمزہ استفہام کیسا ہے

چونکہ حضرت جبرئیل کا مقام تھا ۔ ادھر اللہ تعالیٰ کے علیم و حکیم اور سبوح و قدوس یعنے ہر طرح کے عیب و نقصان سے پاک جانتے اور خاص ذات باری تعالیٰ ہی کو ذات واجب الوجود اور مختص بصفات کمال کا اُن کو علم تھا اور ادھر خلیفہ کے لفظ کو سنکر ان کے قیاس میں یہہ بات گذری کہ وہ خلیفہ خواہ مخواہ جنوں کی طرح ہر پہلو و درجہ کے گناہ کریگا پس ضرور تھا کہ وہ بطور استکشاف و استفسار اس علیم و حکیم خدا کی حکمت ۔ پیدائش خلیفہ کی بابت سوال کرتے اور اس قسم کے سوال کرنا قرآن مجید میں بہت جگہ آیا ہے اور ایسا سوال محمود ہوتا ہے اور مسائل کے شوق اور ذوق اور طلب زیادتی علم پر دال ہوتا ہے جیسے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سوال دربارہ حصول علم کیفیت احیاء موتیٰ و سوال زکریا و مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام دربارہ حصول علم ولادت فرزند وغیرہ وغیرہ ۔ اسی طرح ملائکہ نے بھی اپنی اُس حیرانی کو ظاہر کر دیا اور اللہ تعالیٰ حکیم و علیم سے اسکی حکمت کا سوال بھی کیا جسکا اجمالی جواب تو یہہ ملا کہ انی اعلم ما لا تعلمون ۔ یعنی اُس خلیفہ کی فضیلت اور بزرگی اور قوت ملکی اور قوت سبعی اور قوت بہیمی کے باہم تعلقات کو مطابق تعلیم ربانی رکھکر بعض امور میں فرشتوں سے بھی بڑھ جانے کا حال مجھے خوب معلوم ہے تم کو معلوم نہیں ہے اور نیز یہہ بات کہ آیا واقعی فقط تم ہی تسبیح و تحمید و تقدیس بدرجہ کمال بیان کر سکتے ہو یا وہ خلیفہ بھی کر سکتا ہے مجھے خوب معلوم ہے تم کو معلوم نہیں ہے ۔ خلاصہ یہہ ہے کہ تمہارے دو قیاس غلط ہیں ۔ جیسا کہ اوپر امر چہارم و پنجم میں بیان ہو چکا ہے اور میری سبوحیت اور قدوسیت اور علمیت و حکیمیت میں کسی قسم کا نقص و عیب جیسا کہ تم بھی ایمان رکھتے ہو اس خلیفہ کے پیدا کرنے سے نہیں ہو سکتا اگرچہ تم کو اس کی حکمت کا پتہ نہیں لگا ۔ اب تم کو تفصیلی جواب دیا جاتا ہے اور تمہارے دونو دعوے غلط ثابت ہوتے ہیں اور مجھ علیم و خبیر و لطیف و حکیم خدا کی عجیب و غریب حکمت کا تم کو پتہ لگ جاویگا ۔

غرضکہ اللہ تعالیٰ نے اُس خلیفہ کو پیدا کیا جیسا کہ قرآن مجید میں دوسری جگہ مذکور ہے ۔ اس جگہ خلیفہ کی پیدائش کا ذکر نہیں ہے کیونکہ اصل مقصود خداوندی اس مقام پر فقط ابلیس کے کفر اور اسکے کفر کے نتیجے سے لوگوں کو آگاہ کرنا ہے اگرچہ ضمناً کئی مسائل آجاتے ہیں ۔ پیدائش دوسری جگہ یوں ہے :۔

واذ قال ربك للملٰئكة انى خالق بشرا من صلصال من حما مسنون فاذا سويته ونفخت فيه من روحى فقعوا له سٰجدين (پ ۱۴ ع ۳)	اور وہ وقت بھی یاد دلا کہ جب تیرے رب نے اُن فرشتوں سے جنہوں نے لفظ خلیفہ سنکر کہا تھا اتجعل فیہا من یفسد فیہا الایہ ۔ کہا کہ وہ خلیفہ کوئی جن نہیں ہوگا بلکہ میں ایک بڑا عالی قدر انسان پیدا کرونگا اسکی پیدائش

جنوں کی پیدائش کی طرح نار سموم سے نہیں ہوگی بلکہ میں اسکو کالی سیاہ سڑی ہوئی مٹی سے جو سوکھکر بولنے لگتی ہے پیدا کرونگا ۔ سو چونکہ تم اس کے

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ

اور اللہ تعالےٰ نے آدم کو وہ سارے ہی نام سکھا دیئے جنکا قرآن مجید میں دوسری جگہ ذکر ہے یعنی الاسماء الحسنی اور جنکی جناب میں تسبیح و تحمید و تقدیس کا ذکر ہے اسکے بعد ان ہی ناموں والی چیزوں کو یعنی تسبیح و تحمید و تقدیس کو پیش کیا

اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ

فرشتوں کے سامنے اور فرمایا خود ہی مجھے بتاؤ ان چیزوں کے نام اگر تم اپنے اس قول نحن نسبح بحمدک ونقدس لک کے مطابق اپنے دعوے میں سچے ہو کر خلیفہ کچھ نہیں جان سکتا اور ہم ہی تسبیح و تحمید و تقدیس کر سکتے ہیں تو پھر ذرا ان ہی ناموں کی یعنی ان افرادوں کی جنپر ان ہر سہ اشیاء کا نام صادق آسکتا ہو اور صفات کمال خداوندی ہیں ان کی بھی تفسیر و تشریح کرو وہ بولے

حق میں فساد فی الارض کا الزام لگا چکے ہو جیسا کہ پچھلے پارے میں آیت زیر تفسیر میں بیان ہے جسمیں اسکو پیدا کر کے بالکل ٹھیک ٹھاک کر لوں اور اسکے اندر اپنی روح پھونک دوں تو پھر اسوقت تم نے اس سے اپنے اس الزام کی بابت زبانی معافی مانگنا تھا

قرآن مجید میں چونکہ تکرار کہیں نہیں ہے اور اگر ایک قصے کے متعلق ایک امر بیان کرنا مقصود ہوتا ہے تو فقط اس امر خاص کا ہی بیان کیا جاتا ہے باقی کل قصے کو بطور حوالہ و اختصار ذکر کیا جاتا ہے اسواسطے یہاں فقط پیدائش اور پیدائش کے بعد معافی منگوانے کا ذکر ہے اور اس کی پوری تشریح آیت زیر تفسیر سے ہے واذ قال ربك للملئكة انی جاعل فی الارض خلیفۃ الآیہ میں موجود ہے غرضکہ جب اللہ تعالےٰ نے اس خلیفہ کو جو بشر تھا اور مٹی سے تھا پیدا کر چکا تو اس کا نام آدم رکھا اور اس کی فطرت و خلقت میں یہ تین قوتے قوت ملکی ۔ قوت سبعی ۔ قوت بہیمی ۔ اپنی کمال قدرت کے ساتھ مخلوق کر دیئے تو پھر اس کو تعلیم اسماء حسنے فرمائی کما قال اللہ تعالےٰ ○ وعلم آدم الاسماء کلھا ثم عرضھم علی الملئکۃ الآیہ ۔ یعنی صفات کمال خداوندی کل کی کل اسکو سکھا دیں یعنے جس طرح اللہ تعالےٰ نے ملائکہ کی فطرت میں الاسماء الحسنی یعنے صفات کمال خداوندی کے سمجھنے اور ادراک کرنے کا مادہ پیدا کیا ہوا ہے اور اپنی تعلیم ربانی سے انکو تعلیم فرمائی ہوئی ہے اسی طرح آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کی فطرت کے مطابق الاسماء الحسنی یعنی صفات کمال خداوندی تعلیم فرمائیں کما قال اللہ تعالےٰ وعلم آدم الاسماء الآیہ چونکہ فرشتوں کا دعوی تھا کہ فقط ہم ہی تسبیح و تحمید و تقدیس کر سکتے ہیں اور خلیفہ تسبیح و تحمید و تقدیس تو کیا کریگا وہ تو بلکہ الٹا فساد فی الارض و سفک الدماء کریگا ۔ اللہ تعالےٰ نے جس طرح فرشتوں کو تسبیح و تحمید و تقدیس کرنے کی تعلیم فرمائی ہوئی تھی اسی طرح خلیفہ کو بھی تعلیم فرمائی اور چونکہ تسبیح و تحمید و تقدیس کا مدار اور حصر فقط الاسماء الحسنی کے علم پر منحصر ہے اسواسطے اللہ تعالےٰ نے تسبیح و تحمید و تقدیس کے اصل معاملے یعنے اسماء حسنی کی تعلیم اسی طرح آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمائی تھی جس طرح فرشتوں کو فرمائی ہوئی تھی غرضکہ جب آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام الاسماء الحسنی کی تعلیم پا چکے اور اللہ تعالےٰ کی تسبیح و تحمید و تقدیس کرنے کا علم جو ان کی فطرت یعنے ان کے قوت ثلاثہ کے مناسب حال تھا حاصل کر چکے تو اب سب سے پہلے تو فرشتوں کو حکم ہوا کہ خلیفہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں تمہارا قیاس یہ ہے کہ وہ مفسد فی الارض اور سفک الدماء ہوگا جس میں تعریفیں یہ ہے کہ وہ علم سے بھی بے بہرہ ہوگا اور تمہارا دعوے اپنے حق میں یہ ہے کہ تم ہی صفات کمال خداوندی کو سمجھ سکتے ہو اور ان کی تشریح و تفصیل اور ان کے ذاتی اوصاف اور رطائف بیان کر سکتے ہو اور پھر اس میں بھی یہ تعریف ہے کہ خلیفہ ان باتوں سے محروم ہے سو پہلے تو تمہارا دعوے تم سے ثابت کروایا جاتا ہے ۔ پھر تمہارا قیاس تم ہی سے غلط ثابت کر دیا جاتا ہے ۔ اچھا وہ خلیفہ تو یہ آدم ہے تم اسماء حسنی الٰہی کی تشریح کر دیئے اللہ تعالےٰ کی تسبیح و تحمید و تقدیس کے دعوی کو ثابت کر دو جب اللہ تعالےٰ کی تعلیم کے سوا نہ تو کچھ وہ جانتے تھے سب بیان کر چکے اور اس سے آگے رہ گئے تو اپنے قصور اور عجز کا اقبال کیا اور جس زبان سے دعوی کیا تھا ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک اسی زبان سے موسی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح اب یہ کہنا پڑا لا علم لنا الا ما علمتنا سبحانک یعنی

لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ○

تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے جو کچھ اور جتنا کچھ تو نے ہم کو تعلیم فرمایا ہے اس سے زیادہ ہم کو مطلق کچھ معلوم نہیں یعنی ہمارا دعوے بھی خود اور ہمارا قیاس بھی خلیفہ دونوں ہی غلط ہیں۔ واقعی تو ہی فقط سب کچھ جانتا ہے اور تیری بات بات میں حکمتیں بھری پڑی ہیں -

فقط اتنا ثابت ہوا کہ جس حد تک تسبیح و تحمید و تقدیس کا بیان آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کر سکے اس حد تک یہہ عیان تسبیح و تحمید و تقدیس بیان نہ کر سکے اور وہاں تک ان کا ادراک نہ پہونچ سکا اور ان کا یہہ عجز فقط اُن کی اس تنبیہہ کے لئے ہوا کہ وہ تسبیح و تحمید و تقدیس کا حصر فقط اپنی ہی ذات تک محدود کر بیٹھے تھے اور آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو محض بے علم سمجھ بیٹھے تھے جس طرح موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اعلمیت کا دعوے ہو گیا تھا۔ سو اللہ تعالےٰ نے ان کے اس دعوے کو توڑا اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح خود انہیں کی زبان سے توڑوایا کیونکہ ہر ایک نامہ ربانی میں ہر ایک سیئہ کی جزا مثلی ہوا کرتی ہے مگر ابھی ان کے اس قیاس کی تردید کہ خلیفہ ایسا ہوگا ویسا ہوگا ان آیات میں موجود نہیں ہے وہ اگلی آیات میں مذکور ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اگلی آیات کو لکھیں ان اوپر کی دو آیتوں کے متعلق چند الفاظ کی جو قابل تفسیر معلوم ہوتے ہیں تفسیر کرنی واجب ہے۔

وعلم ادم الاسمآء کلہا میں آ۔ل عہدی ذکری یا عہدی خارجی ہے یعنی وہ اسماء جس کا حوالہ اس آیت میں ہے :-

وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بہا وذروا الذین یلحدون فی اسمائہ سیجزون ما کانوا یعملون ○ (رکوع ۲۲)	اور اللہ ہی کے لئے تمام اسماء حسنیٰ خاص ہیں پس تم اسی کے اسماء سے اسی کو پکارا کرو اور جو لوگ اس کے اسماء اس کی ذات سے ہٹا کر اوروں کی طرف نسبت

کرتے ہیں اُن کو ان کے اپنے حال پر چھوڑ دو قریب ہے کہ وہ ان بداعمالیوں کا بدلہ پائیں گے "

اسماء حسنیٰ کی تشریح پہلے صفحات ۵۶-۵۱ میں ہو چکی ہے یہہ اسماء حسنیٰ ایسے ہیں کہ انہیں کو بطور خلاصہ فرشتوں نے تسبیح و تحمید و تقدیس کے نام سے نامزد کیا ہے اور تسبیح و تحمید و تقدیس اسوقت ہو سکتی ہے جب اسماء حسنیٰ الٰہی صفات کمال خداوندی کا علم حاصل ہو۔ اب ظاہر ہے کہ جتنا جتنا کسی کو کسی امر میں زیادہ تدبر و تفکر و تفقہ ہوگا اتنے ہی حکم اور دقایق اور لطایف اسپر منکشف ہوں گے اور وہ ان لوگوں سے خواہ وہ کیسے ہی بزرگ اور معصوم کیوں نہوں بڑھ جاویگا جو تدبر و تفکر و تفقہ نہ کریں یا کریں تو اس کے برابر نہ کریں ایسا ہی خیال جملہ بنی آدم کا ہے ایسا ہی حال جملہ ملائکۃ اللہ کا ہے اور ایسا ہی حال دنیوی کاموں میں ہے اور ایسا ہی حال دینی مسایل کی حکمتوں اور اصولوں کے سمجھنے کا ہے۔ الاسماء الحسنیٰ کی تشریح کرنے کے لئے آدم مدعیان ملائکہ سے بڑھ گئے اور ملائکہ پیچھے رہ گئے۔ پس چونکہ ملائکہ نے اپنے حق میں تو تسبیح و تحمید و تقدیس یعنے اسماء حسنیٰ کے جاننے کا دعوے کیا تھا اور خلیفہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت یہہ خیال کیا کہ وہ کچھ بھی نہیں جان سکیگا بلکہ اسکے الٹ فساد فی الارض اور سفک دماء کا مرتکب ہوگا اللہ تعالےٰ نے وہی اسماء حسنیٰ جو تسبیح و تحمید و تقدیس کا مدار ہیں اور جنکی تعلیم فرشتوں کو بھی اللہ تعالےٰ نے کی ہوئی تھی اور واقعی جن کو وہ اپنی فطرت کے مقتضٰی کے مطابق خوب سمجھتے تھے مگر بدایت بالی و فوق کل ذی علم علیم موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح ذہن سے جاتی رہی اور انحصار علم اسماء حسنیٰ فقط اپنی ہی ذات میں سمجھ بیٹھے اور سنو جب بسزا ہو گئے وہی اسماء حسنیٰ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سکھائے کیونکہ قوت ملکی اس صفی اللہ میں بھی موجود تھی اور اسماء حسنیٰ کی تشریح و تفصیل و ماہیت و حقیقت اپنی فطرت کے مطابق ان کو بھی سکھا دیئے۔ فرشتوں میں بھی ملکی قوت موجود ہے بلکہ سراسر یہی ہی ہے اور آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بھی یہہ قوت موجود ہے اور غالب یہی ہے پس ضرور ہے کہ کبھی ملائکہ کسی امر میں بڑھ جاویں اور کسی امر میں رہ جاویں بلا تشبیہہ آدم اور ملائکہ کا امتحان ویسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ آجکل ولایت میں سول سروس کا ہوتا ہے ایسے آدمی جنکی زبان مادری انگریزی نہیں ہوتی مگر کسی طور پر سیکھی ہوئی ہوتی ہے اور خالص مادری زبان والے انگریزوں کا مقابلہ کرایا جاتا ہے اور پھر بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اجنبی انگریزوں سے بڑھ جاتے ہیں اور جانچنے میں سے کسی جانب کی دھڑے بازی اور طرفداری نہیں ہوتی اسی طرح خداوند تعالےٰ نے نہ آدم کی رعایت کی ہے اور نہ فرشتوں پر بیجا گیری کی ہے۔ صرف ان کا دعوے زبانی حد سے بڑھا ہوا تھا سو ان کا وہ دعوے توڑ دیا۔ الاسماء سے مراد کچھ کی کچھ لوگوں نے لے لی ہے مثلاً

آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام - یا جملہ ملائکۃ اللہ کے نام یا جنسوں کے نام یا جنسوں اور نوعوں کے نام یا جو کچھ زمین میں ہے اُس سب کے نام - یا نام ہر شئی یہاں تک کہ پیالے پیالیاں وغیرہ وغیرہ - اگر قرآن مجید کے سیاق کو دیکھا جاوے تو یہ سب معنی فضول ہیں - کیونکہ جو دعوے مدعی کا ہوتا ہے اسی کا ثبوت اسی سے لیا جاتا ہے اور اگر فقط دعوے سے تو اسی دعوے کی تردید کی جاتی ہے - مثلاً زید کہے کہ میں انگریزی جانتا ہوں اور بکر نہیں جانتا تو ثبوت زید سے انگریزی دانی کا لیا جاویگا اور تردید میں اس کی انگریزی دانی کا امتحان کیا جاویگا نہ یہ کہ اس کو کہا جاویگا کہ اچھا اگر تم انگریزی جانتے ہو تو سنسکرت کا یہ ایک صفحہ پڑھ سناؤ اور اُدھر بکر کی انگریزی دانی کے ثبوت میں بکر کو سنسکرت پڑھا دی اور اس سے وہ صفحہ سن لیا اور کہا کہ دیکھا تم تو کہتے تھے کہ بکر انگریزی نہیں جانتا - اگر قرآن مجید کے اس سیاق کا خیال نہ بھی کیا جاوے تو پھر بھی قرآنی تعلیم کے بالکل مخالف ہے کہ خاصہ خداوندی یعنے ہر شئی کا علم آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل ہو گیا خواہ از روئے اسمار کے خواہ از روئے اُن کے خواص کے - وسع ربی کل شئی علما (پ ۸ ع ۱۶ - اور وسع ربنا کل شئی علما پ ۹ ع ۲) وغیرہ وغیرہ آیات بینات قرآن مجید میں یہی مضمون مذکور ہیں کہ ہر شئی کا جاننا محض خاصہ خداوندی ہے اور جہاں کہیں قرآن مجید میں من دون اللہ میں سے کسی کو کل شئی کے دیئے جانے یا کل شئی کے حاصل کرنے کا ذکر ہے وہاں فقط ان جملہ اشیا یا رستہ مراد ہوتی ہے جو خاص اُس شخص یا فرد کے لئے ضروری ہیں مثلاً اللہ تعالےٰ ملکہ سبا کی نسبت فرماتا ہے واوتیت من کل شئی پ ۱۹ ع ۱۷ اور سرکش توبہ شکن فاسقین کی نسبت ارشاد فرماتا ہے فلما نسوا ما ذکروا بہ فتحنا علیہم ابواب کل شئی پ ۷ ع ۱۳) وغیرہ وغیرہ من الآیات الکثیرۃ سو ان کل جگہوں میں لفظ کل حقیقی معنوں میں مستعمل نہیں ہوا ہے بلکہ فقط اضافی طور پر اصطلاح قرآن مجید کے اسی محاورہ کے مطابق رسول اللہ صلعم بقول تفسیر حقانی وعلم آدم الاسماء کلہا کی تفسیر میں فرماتے ہیں جیسا کہ بخاری کتاب التفسیر سورۃ البقرۃ باب علم آدم الاسماء کلہا میں مرقوم ہے کہ قیامت کے دن لوگ اکٹھے ہو کر آدم صفی اللہ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور اس کی تعریفوں میں یہ بھی کہیں گے وعلمک اسماء کل شئی یعنی اللہ تعالےٰ نے تجھے ہر شئی کے اسما سکھائے - جس طرح قرآن مجید میں جہاں کہیں اللہ تعالےٰ کے سوائے کسی اور کی بابت کل شئی کا جاننا یا حاصل کرنا مذکور ہے اور وہاں مراد فقط اشیاء ضروریہ لابدمنہا ہوتی ہیں اسی طرح یہاں بھی اس حدیث میں اسماء کل شئی سے مراد خاص وہی ضروری امور ہیں جن سے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چارہ نہیں تھا بلکہ اُن کا محتاج تھا اور جس کی تعلیم کی ضرورت یہاں تک تھی کہ خود اللہ تعالےٰ کی تعلیم کا محتاج تھا اور ظاہر ہے کہ وہ فقط اللہ تعالےٰ واجب الوجود واحد لاشریک لہ کی صفات کمال کا جاننا ہے اور بس - کیونکہ پیالے پیالیوں کے نام اگر عمر بھر بھی معلوم نہ ہوں تو کونسا نقصان لازم آتا ہے مگر صفات خداوندی میں اگر ایک صفت کا علم بھی نہ ہوا ہو تو ایسا ویسا ہی نہیں بلکہ بہت نقصان ہوتا ہے پس اس حدیث نبوی صلعم سے ہرگز ہرگز کوئی شخص غلط فہمی سے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہر شئی کا جاننے والا نہ سمجھے یہ شرک ہے معاذ اللہ ان نکون من المشرکین اللہم ربنا لا تجعلنا منہم۔

ثم عرضہم میں لفظ ہم سے عموماً مفسرین نے دھوکا کھا کر اسماء سے مراد کچھ کا کچھ لیا ہے اور پھر ان کو یہاں لفظ مسمیات مقدر نکالنا پڑا ہے یہ قاعدہ کلیہ نحو کا کہ ھم لفظ مذکر غائب ذوی العقول کے لئے آتا ہے بالکل غلط ہے - اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ صیغہ مستعمل ہے ذوی العقول کے لئے یعنی یہ قاعدہ عام ہے قاعدہ کلیہ نہیں ہے خود قرآن مجید جو اللہ تعالےٰ کا بے مثل کلام ہے اس دعوے کو توڑتا ہے - اصل یہ ہے کہ باقی کے ضمائر کی طرح ھن اور ھم بھی ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں کے لئے آتے ہیں - کما قال اللہ تعالےٰ -

ثم استوی الی السماء فسوٰھن سبع سمٰوٰت (پ ۱ ع ۳)
"پھر آسمانوں کے پیدا کرنے کا ارادہ کیا پس ان کو سات آسمان بنا دیے"

اسی طرح پ ۲۴ ع ۱۶ اور پ ۲۹ ع ۱۹ اور پ ۲۸ ع ۸ میں آسمانوں کی طرف ضمیر ھُنّ راجع ہے حالانکہ عام استعمال کے مطابق سب جگہ ھا آنا چاہیئے - اسی طرح اللہ تعالےٰ آیات قرآنیہ اور پرندوں اور جہازوں اور ساعون اور گابیوں کی ضمیر بھی ھن کے لفظ سے بیان فرماتا ہے - کما قال اللہ تعالیٰ

(۱) ھو الذی انزل علیک الکتاب منہ آیات محکمات ھن ام الکتاب الایۃ (پ ۳ ع ۹)
"وہ ذات وہ ہے جس نے تجھ پر کامل صفات اور جامع کمالات والی کتاب نازل فرمائی ہے اسکی کچھ آیات محکمات ہیں - وہ ام الکتاب ہیں"

اولم یروا الی الطیر فوقہم صٰفٰت ویقبضن ما یمسکھن الا الرحمٰن (پ ۲۹ ع ۲)
"کیا یہ لوگ پرندوں کو نہیں دیکھتے جو ان کے سروں پر عموماً پرے باندھ کر اور پرکا پیالہ سے اُڑتے پھرتے ہیں اور کبھی کبھی پروں کو سکیڑ لیتے ہیں بس یہ رحمٰن ہی کا کام ہے کہ دونوں حالتوں میں انکو تھام رکھتا ہے"

ومن آیاتہ الجوار فی البحر کالاعلام ان یشاء یسکن الریح فیظللن رواکد علی ظہرہ ان فی ذلک لآیات لکل صبار شکور
"اور اس کی نشانیوں میں سے سمندروں کے جہاز ہیں جو پہاڑوں کی طرح بلند دکھائی دیتے ہیں اگر خدا چاہتا تو ہوا کو ٹھہرا دیتا پھر وہ جہاز سطح

ویوبقھن بما کسبوا ویعف عن کثیر ٥ (پ۲۵ ع ۵)

کھڑے کے کھڑے رہجاویں بیشک اسمیں ہر بڑے صبر و شکر کرنے والا ہو اسکے بہت سی نشانیاں موجود ہیں اور اگر چاہے تو ہوا کو بند نہ کرے بلکہ چلتے ہوا کو زور سے چلاوے اور ان جہازوں کو لوگوں کی بدکرداریوں کی وجہ سے تباہ کر دیوے پھر چاہے تو بعض اہل جہاز کو غرق کر دیوے اور بہتوں کا غرق نہ بھی کرے بلکہ بچا لیوے

لاتسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا للہ الذی خلقھن ان کنتم ایاہ تعبدون ٥ (پ۲۴ ع ۱۹)

"اگر تم نے خاص خدا کی عبادت کرنی ہے تو چاہئے تو سورج کو اور نہ قمر ہی کو سجدہ کرو بلکہ اللہ تعالے ہی کو سجدہ کرو جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا۔"

ثم یاتی من بعد ذلک سبع شداد یاکلن ما قدمتم لھن الا قلیلا مما تحصنون ٥ (پ۱۲ ع ۱۶)

"پھر اسکے بعد بڑے سخت سات سال آوینگے کہ جو کچھ ان سالوں کیلئے تم ذخیرہ کر رکھو گے وہ سب کچھ کھا پی جاوینگے۔ ان سوائے قدر قلیل کے جو تم بچا رکھو گے۔"

یوسف ایھا الصدیق افتنا فی سبع بقرات سمان یاکلھن سبع عجاف (پ۱۲ ع ۱۶)

"اے یوسف ؑ جو بڑے سچے ہو آپ ایک خواب کی تعبیر بیان فرماویں کہ سات موٹی گایوں کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں۔"

غرضکہ ھی۔ ھا۔ ھن تینوں ہی ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں کے لئے ہی آتے ہیں۔ اسی طرح ضمایر ھو۔ ھما۔ ھم دونو قسم کی چیزوں کے لئے قرآن مجید میں بکثرت مستعمل ہیں۔ کما قال اللہ تعالے

واذ قال یوسف لابیہ یابت انی رایت احد عشر کوکبا والشمس والقمر رایتھم لی سجدین ٥ (پ۱۲ ع ۱۱)

"جب یوسف ؑ نے اپنے باپ کو کہا کہ اے میرے باپ میں نے گیارہ ستاروں اور سورج و چاند کو خواب میں دیکھا ہے اور دیکھا بھی کہ ان سب کو میں نے اپنے لئے سجدہ کرتے دیکھا"

اس آیت میں ھم کا مرجع گیارہ ستارے اور سورج چاند ہیں۔

اولم یروا الی ما خلق اللہ من شیء یتفیؤ ظللہ عن الیمین والشمائل سجدا للہ وھم داخرون ٥ (پ۱۴ ع ۱۱)

"کیا یہ لوگ اللہ تعالے کی پیدا کی ہوئی چیزوں کی طرف غور نہیں کرتے یعنی ان چیزوں کی طرف کہ جنکے سائے کبھی داہنی طرف کو اور کبھی بائیں طرفوں کو جھکتے رہتے ہیں در انحالیکہ وہ اللہ کے سامنے ... ... اپنی عاجزی اور فرمانبرداری کر رہے ہیں اور ان کا اپنا ذاتی اور نفسی حال یہ ہے کہ وہ بالطبع طوعًا بلا اکراہ و اجبار فرمانبرداری کر رہے ہیں۔"

یہاں ھم کی ضمیر کا مرجع صاف صاف ظلال (جمع ظل یعنی سائے) ہے اور سجدا للہ وھم داخرون دونوں ہی ظلال کا حال ہیں اور عام استعمال کے رو سے یہاں ھا آنا چاہئے تھا۔ پس معلوم ہوا کہ نحو کا یہ قاعدہ عام ہے کلیہ نہیں ہے۔

اسی طرح پتھر کے بتوں اور بیجان ٹھاکروں اور بے روح اصنام اور آگنی۔ وایو۔ پانی۔ درخت۔ سورج۔ چاند۔ و دیگر اجرام فلکیہ وغیرہ وغیرہ جن کی پوجا کی جاتی ہے ان سب کی طرف عمومًا ضمیر ھم راجع ہوتی ہے اگرچہ تاویل کر کے یہاں پر کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ بت اور اصنام چونکہ ذی روح ذوات کی صورتیں ہوتی ہیں اور بت پرست لوگ انکو ذی روح اور ذی عقل سمجھ کر ان سے اپنے مطلب برآری کی دعائیں مانگتے ہیں اسواسطے ضمیر ھم جو ذوی العقول کے لئے ہے یہاں بھی لائی گئی ہے مگر یہ تاویل ضعیف ہے کیونکہ بظاہر وہ بے جان اور مردہ چیزیں ہیں محض پتھر اور لکڑی اور مٹی کی مورتیں ہیں اور انہیں مورتوں کو خدا بتقیید اور دلیل ثابت کرتا ہے گو مشرکین کے دلوں میں ان کی جہالت کی وجہ سے ان کی کیسی ہی عظمت کیوں نہو اور وہ کیسے ہی ان کو ذوی العقول قرار کیوں نہ دیتے ہوں مگر خداوند تعالے تو مشرکین کی تقلید نہیں کرتا۔ بلکہ صرف اسواسطے ھم لاتا ہے (جیسا کہ اوپر ستاروں اور سورج اور چاند ظلال کی ضمیر ھم آتی ہے) کہ زبان میں یہ قاعدہ جاری ہے مثلًا ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی بابت اللہ تعالے فرماتا ہے جعلھم جذاذا الا کبیرا لھم الآیہ (پ۱۷ ع ۵) یعنے ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے ان بتوں کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا مگر ان کے بڑے بت کو رہنے دیا۔ اسی طرح آگے بھی ھم ہی ضمیر اصنام کی طرف راجع ہے اور عام استعمال کے رو سے ھا چاہئے چنانچہ انہیں آیات میں دوسری جگہ انہیں اصنام کو لفظ تماثیل سے تعبیر کر کے اس کی ضمیر دوسری جگہ عام قاعدے کے رو سے ھا ہی آئی ہے۔ اسی طرح ھم اس قدر عام ہے کہ بکثرت بے روح اور غیر ذی روح اور ذی عقل اور غیر ذی عقل سب کی جمع کے واسطے ھم آتا ہے۔ کما قال اللہ تعالے ایشرکون ما لا یخلق شیئا وھم یخلقون (پ۹ ع ۱۴) یعنے کیا یہ مشرک لوگ ایسی چیزوں کو خدا کا شریک ٹھیرانے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتیں اور وہ خود خدا کی پیدا کردہ شدہ ہوئی ہیں۔" اس آیت میں لفظ ما عام ہے ذوی العقول اور غیر ذوی العقول سب کو شامل ہو سکتے ہیں خواہ اشجار مثلًا پیپل تلسی۔ بیر وغیرہ وغیرہ خواہ احجار مثلًا بت سنگین وغیرہ وغیرہ خواہ سورج چاند ستارے

قَالَ يَٰٓـَٔادَمُ أَنۢبِئْهُم بِأَسْمَآئِهِمْ ۖ فَلَمَّآ أَنۢبَأَهُم بِأَسْمَآئِهِمْ

اللہ تعالےٰ نے فرمایا اے آدمؑ ان فرشتوں کو اب تو ان کے ان ناموں کی جنکی وہ پوری تشریح نہیں کر سکے ان کو تشریح کر کے سنا دے پس جب آدمؑ ان کے ان ناموں

قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ إِنِّىٓ أَعْلَمُ غَيْبَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ

کی جنکے جاننے کے ماہر وہ فقط اپنے تئیں ہی سمجھتے تھے تشریح کر چکے تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا اے فرشتو کیا تم کو میں نہیں کہہ چکا کہ میں آسمانوں اور انکی جنس کی چیزوں

وَٱلْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ ۝

اور جملہ زمینوں اور ان کی جنس کی چیزوں کی پوشیدگیوں کو جانتا ہوں اور کہ مجھے معلوم ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم دلوں میں چھپاتے ہو

مثلاً گاؤ۔ انسان۔ ملائکہ۔ جن وغیرہ وغیرہ خواہ پانی خواہ آگ خواہ اجرام فلکیہ خواہ کسی قسم کی نباتات۔ جمادات۔ حیوانات خواہ خود خیالات نفسانیہ جنکو وہ اپنی ہستی اپنے معبود قرار دیتے ہیں سب کے لفظ ما میں شامل ہیں اور ان سب کے لئے ضمیر ھم لائی گئی ہے اور یہاں تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ثم کا ترجمہ ھن اور ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی جگہ ثم کا ترجمہ ھا کیا ہے جسکو لوگ قراءت بنا بیٹھے ہوئے ہیں یعنی ثم عرضھم کا ترجمہ انہوں نے ثم عرضھن اور ثم عرضھا کیا ہے (ابن کثیر بیضاوی) غرضکہ سارا قرآن مجید ایسی ایسی مثالوں سے بھرا پڑا ہے خواہ مخواہ تاویل کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے ھم اور ھن یا ایسے ضمائر کی طرح ذوی العقول اور غیر ذوی العقول سب کے لئے آتے ہیں۔ پس ثم عرضھم کی ضمیر ھم اور انبئونی باسماء ھؤلاء میں اسم اشارہ ھؤلاء کا مشار الیہ فقط وہی چیزیں باقی ہیں جنکا دعوےٰ فرشتوں نے کیا تھا یعنے تسبیح و تحمید و تقدیس اور کسی سے کیونکہ جو شخص جو دعوےٰ کرتا ہے تو عقلمندوں کا ہمیشہ وہ الٹ اسی بات کا تقاضی ہوتا ہے کہ مدعی سے اسکے دعوے کی صداقت کا ثبوت طلب کریں تو یہاں بھی اللہ تعالےٰ ان فرشتوں کو کہتا ہے ان کنتم صٰدقین یعنی اگر تم سچے ہو تو اپنے دعوے کی صداقت پیش کرو۔ اور اوپر کی آیت سے صاف ظاہر ہے کہ دعوے فرشتوں کا فقط یہی تھا و نحن نسبح بحمدک و نقدس لک۔ پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے ان کا یہی دعوےٰ ان سے ثابت کرانا چاہا اور وہ اس طرح پر کہ تم انہیں تینوں دعووں کے ثبوت کے لئے ان کے حل لغات یعنی جملہ اسماء حسنیٰ کی تفسیر بیان کر کے [illegible] ہو کر وہ اور آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی یہی اسماء حسنیٰ سکھلائے گئے تھے پس فرشتے جس حد تک بیان کر سکتے تھے بیان کر چکے وہ کہنے اور اس سے آگے نہ بڑھ سکے اور اپنے عجز کا اقبال کر لیا مگر آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے آگے بڑھ گئے جیسا کہ اگلی آیت سے واضح ہے۔ کما قال اللہ تعالےٰ قال یٰادم انبئھم باسمائھم

○ یعنی جب فرشتے اپنے عجز اور غلط قیاس کا اقبال کر چکے تو پھر اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ اب تم ان ناموں کی [illegible] اور تشریح سے وہ رہ گئے ہیں جنکے یہ سکوت میں ہیں سو اب تو انہیں ناموں کی تفسیر ان کو سنا دے [illegible] غرضکہ یہی الملائکۃ کی طرف راجع ہیں اور دونوں جگہ باسمائھم کی اضافت [illegible] ملابست کی اضافت ہے جس طرح قرآن مجید میں بہت جگہ [illegible] یعنی ان فرشتوں کے وہ نام جنکے جاننے کے یہ مدعی تھے [illegible] اس قسم کی اضافت اپنے موقعوں پر [illegible]

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ

اور یہہ وقت بھی یاد دلاؤ کہ جب ہم ان فرشتوں کو جنہوں نے زبانی تہلکہ مچایا حضرت آدمؑ کی تحتی حکم دیا کہ اس تہلکہ مچانے کے بدلہ میں تم آدمؑ سے زبانی معافی مانگو۔ پس

بیان کر چکے اور فرشتوں سے بڑھ گئے تو اب اللہ تعالے نے فرشتوں کو اپنے اس پہلے اجمالی جواب یعنے انی اعلم مالا تعلمون کا حوالہ دیکر یہہ مفصل جواب دیا کہ تمہارے اس سوال اتجعل فیہا من یفسد فیہا ویسفک الدماء اور تمہارے دعوے ونحن نسبح بحمدک الخ ولقد سؤالک پر پہلے تم کو کہا تھا کہ میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جان سکتے۔ سو اب تم کو بخوبی معلوم ہو چکا ہے اور تم نے خود اپنی زبان سے اقرار کر لیا ہے کہ خلیفہ کے پیدا کرنے میں مجھ علیم و حکیم عالم غیب السموات والارض کی کیا کیا حکمتیں ہیں اور تم کو یہہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ خلیفہ مفسد فی الارض اور سفاک نہیں ہے اور تم کو یہہ بھی یقین ہو چکا ہے کہ تسبیح و تحمید و تقدیس یعنے اسماء حسنیٰ الٰہی کا علم اسکو اس قدر ہے کہ تم سے اس امتحان میں زیادہ نمبر لے گیا ہے۔ پس تمہارے دعوے کی سزا تو مطابق قانون الٰہی یعنے جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا بس یہی ہے کہ جس زبان سے تم نے دعوے کیا تھا اسی زبان سے تمہارے دعوے کو توڑا گیا اور تمہاری زبان سے کہلوایا گیا سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا باقی رہی سزا تہلکہ حرمت خلیفہ سو وہ بھی مطابق تعلیم قانون الٰہی والحرمات قصاص یہہ ہے کہ جس زبان سے تمہارے مونہہ سے یہہ کلمات اتجعل فیہا من یفسد فیہا ویسفک الدماء نکلے تھے اسی زبان سے اب خلیفہ سے معافی مانگو۔ کما قال جل شانہ واذ قلنا للملئکۃ الآیۃ

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ابلیس جن تھا اور نیک تھا اور بیچ اسوقت حکم عدولی کرکے کافر ہو گیا یہاں فقط لفظ سجدہ قابل تشریح ہے اور سب لغت میں سجود کے معنے ہیں عاجزی کرنا۔ فروتنی کرنا اور اپنے تئیں ذلیل اور حقیر اور عاجز بنانا اور زمین پر سر رکھ دینا اور سر جھکا دینا۔ اور کو زیبشت ہو جانا۔ سو یہہ سجدہ اللہ تعالے نے خود اپنی ذات کے لئے مخصوص کر رکھا ہے اور نہ کسی فرشتے کو اور نہ کسی رسول کو اور نہ کسی اور چیز کو جائز ہے کہ سوا خدا تعالے کے کسی اور کو سجدہ کرے۔ کیونکہ یہہ کفر اور شرک ہے۔ پہلے صفحہ ۱۱۱ تک بیان ہو چکا ہے کہ عبادت خواہ کسی قسم کی ہو سب اللہ تعالے کا حق ہے۔ اور کسی مخلوق کو جائز نہیں کہ اس میں اللہ تعالے کے ساتھ کسی کو شریک کرے اور سجود بھی عبادت ہی ہے بلکہ اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے جس سے بڑھکر اور کوئی عبادت متقرب الی اللہ نہیں ہوتی۔ اس لئے اس سجود کی بابت اللہ تعالے بالخصوص فرماتا ہے۔

یاایہا الذین اٰمنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم وافعلوا الخیر لعلکم تفلحون ٥ (پ۱۷ ع)	"اے ایمان والو رکوع کیا کرو اور سجدے کیا کرو رب کی عبادت کیا کرو اور ہر قسم کے نیک کام کرتے رہا کرو تاکہ تم دوزخ سے بچکر جنت حاصل کرو"
لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا للّٰہ الذی خلقہن ان کنتم ایاہ تعبدون ٥	"نہ سورج ہی کو سجدہ کرو اور نہ اس کی جنس کی کسی چیز کو اور نہ چاند کو اور نہ اسکی کسی جنس کی چیز کو اور خاص اللہ تعالے ہی کو سجدہ کیا کرو۔ جس نے ان سورجوں اور چاندوں کو پیدا کیا اگر خاص اسی کی عبادت کرنی چاہو"
فاسجدوا للّٰہ واعبدوا (پ۲۷ ع)	"پس تم فقط اللہ تعالے ہی کو خاص کر سجدہ کیا کرو اور اسی کی عبادت کرتے رہا کرو"

کبھی کسی زمانہ میں اللہ تعالے کی شریعت اور دین میں اللہ تعالے کے سوائے کسی اور کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہوا ہے اور اللہ تعالے نے اس سجدے کو خاص اپنی ذات ہی کیلئے مخصوص کر دیا ہے جیسا کہ اوپر کی آیتوں سے ظاہر ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالے کے حکم سے ملائکہ نے بھی آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو حقیقی سجدہ کیا تھا اسواسطے یہہ عین فرمانبرداری حکم الٰہی ہوئی نہ کہ شرک و کفر۔ مگر یہہ کہنا ایسا ہے جیسا کوئی کہدے کہ خدا کے حکم سے زنا اور سرقہ اور بد معاشیاں جو کفر و فسق ہوتی ہیں اگر کی جاویں تو عین خدا کی فرمانبرداری ہوتی ہے اللہ تعالے پاک ہے کسی قسم کے کفر و شرک کی اجازت دینے سے ان اللّٰہ لا یامرکم بالفحشاء والمنکر یعنی اللہ تعالے کسی قسم کی بےحیائی اور کسی قسم کی برائی کا خواہ وہ کیسی ہی صغیرہ اور حقیر سے حقیر کیوں نہو۔ حکم نہیں دیتا۔ حکم تو بڑا درکنار اگر کوئی شخص برا کام کرے تو وہ اس سے راضی نہیں ہوتا۔ ولا یرضی لعبادہ الکفر (پ۲۳ ع۱۵) یعنے اللہ تعالے اپنے بندوں کے لئے خواہ عباد مکرمین فرشتے ہی کیوں نہوں کسی قسم کے کفر سے راضی نہیں ہوتا دوسری جگہ فرماتا ہے ایامرکم بالکفر بعد اذ انتم مسلمون (پ۳ ع۱۶) یعنی کیا یہہ بھی ہو سکتا ہے

اِبْلِيسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ

ان سب نے معافی مانگ لی ہاں ابلیس نے جو جنوں میں سے تھا اور انہیں فرشتوں میں تھا کے حرمت میں شریک تھا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے معافی مانگی اور اپنے تئیں
بڑا اور بہتر سمجھ بیٹھا اور اپنی اس حکم عدولی کے سبب سے ان لوگوں کے زمرہ میں شامل ہو گیا جو اپنے اختیار سے کفر پسند کر بیٹھتے ہیں۔

کہ تم لاچکے ہو ایمان اور وہ تم کو کفر کی ہدایت کرے خواہ وہ کفر کیسا ہی ہو یعنے ایسا نہیں ہو سکتا غرضکہ قرآنی تعلیم خود مخالف ہے بعض لوگوں کے اس قیاس کی کہ خدا کے
حکم سے ملائکہ نے سجدہ کیا تھا اسواسطے یہہ کفر نہیں تھا حقیقت یہی ہے کہ یہہ سجدہ فقط دلی معافی مانگنا تھا اور بس۔ کیونکہ کسی سے اپنے قصور کی معافی
مانگنا بھی تذلل اور اپنے تئیں ذلیل و حقیر کرنا ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی کہے کہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے برادران و والدین نے بھی یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام
کو سجدہ کیا تھا تو وہاں کیا معنے ہو سکتے ہیں تو اسکا جواب یہہ ہے کہ وہاں سجدہ کے لغوی معنے مراد ہیں اور فقط برادران نے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے
اپنے اپنے قصوروں اور گناہوں کی معافی مانگی تھی۔ بڑے دن کا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بدخواہی کے لئے کمیٹی کرنا کہ اسکو مار ڈالو یا کسی کنوئیں میں ڈال دو۔ پھر
فریب و چاپلوسی سے اپنے باپ سے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لیجانا اور ایک کنوئیں میں ڈال دینا۔ پھر بعد مدت مدید قحط سالی میں خود یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام
کے روبرو سے یوسف علیہ کی بدگوئی کرنے وقت یہہ کہہ دینا کہ اسکا ایک بھائی ہوا کرتا تھا اس نے اسی طرح ایک چوری کی تھی ۔ ۔ ۔ یہہ ساری باتیں ایسی ہیں کہ ان
مرتکب قابل سزا ہیں اور چونکہ متعلق حقوق العباد ہیں اسواسطے اگر صاحب حق اپنا حق معاف کر دیوے تو پھر سزا ٹل جاتی ہے پس برادران نے تو اپنے ان گناہوں
اور قصوروں کی معافی مانگی۔ باقی رہے والدین۔ سو ان کو ساجدین میں داخل کرنے کے لئے کوئی وجہ نظر نہیں آتی جن لوگوں نے داخل کیا ہے انہوں نے سب سے
پہلے یوسف علیہ کی رویا (خواب) کی تعبیر خود اپنی غرض سے یہہ کر لی کہ احد عشر کوکبا سے مراد ہے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گیارہ بھائی اور الشمس اور
القمر سے مراد ہے والدین پھر اسمیں اختلاف کیا ہے کہ آیا الشمس سے مراد ان کی والدہ ماجدہ ہیں یا آپکے والد ماجد علیہما الصلوٰۃ والسلام بعض کہتے ہیں کہ الشمس سے مراد
انکے والد ماجد ہیں اور القمر سے مراد انکی والدہ ماجدہ ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ چونکہ الشمس مؤنث ہے اسواسطے اس سے مراد ان کی والدہ ماجدہ ہیں اور القمر چونکہ مذکر ہے اسواسطے
اس سے مراد آپکے والد ماجد ہیں بعض کہتے ہیں کہ انکی والدہ ماجدہ تو پہلے سے مر چکی ہوئی تھیں اسواسطے والدہ کی بجائے انکی خالہ مراد ہیں حالانکہ اس خواب کی تعبیر خود یعقوب نے کر دی ہوئی
اور اسی تعبیر کے مطابق وہ خواب پورا ہوا یعقوب نے ساجدین کو فقط برادران یوسف قرار دیا چنانچہ جب یوسف نے اپنا خواب بیان کیا تو یعقوب نے فرمایا لاتقصص رؤیاک علی اخوتک یعنی اپنا خواب اپنے بھائیوں کے
پاس بیان نہ کریو تو معلوم ہوا کہ فقط احد عشر کوکبا جن سے شمس و قمر کو بالتخصیص بیان کیا گیا ہے فقط برادران یوسف تھے اور بس چنانچہ جب یہہ خواب پورا ہوا تو وہاں بھی قرآن کریم سیاق سے صاف معلوم ہوتا
کہ صرف برادران یوسف ہی تھے جنہوں نے معافی مانگی نہ کہ والدین نے۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔ یعنے جب بہت سے برادران و والدین یوسف کے پاس پہونچے تو آپ نے والدین کو بڑے تپاک سے اور

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلٰى يُوسُفَ اٰوٰى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۞ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا	معانقہ کیا اور کہا کہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ مصر میں داخل ہو کر یا امن رہیںگے پھر جب سب شہر میں داخل ہو گئے تو یوسف نے اپنے والدین کو تخت پر چڑھا کر بٹھالیا اور وہ جو باقی گیارہ تھے جو اسکے بھائی تھے وہ اپنے قصوروں کی

معافی مانگتے لگ پڑے اور کہا کہ ابا جان وہ جو میں نے پہلے خواب دیکھا تھا اسکی تعبیر یہہ ہے میرے رب نے اس خواب کو سچا کر دکھایا!!۔۔۔ غرضکہ یوسف کے والدین کو بھائیوں کی طرح ساجدین میں یوسف کو سجدہ کرنیوالوں میں شامل کرنا بالکل
خلاف تفسیر ہے اور بعض نے معافی مانگنیوالے مقبول موقف قرار دیا کیونکہ عالم نشان کی ہتک کرنا تو یوسف اپنے والدین کی عزت و توقیر کرنا تھا لیکن بھائیوں کو معافی دیکر تخت پر بٹھایا اپنے تخت پر چڑھا کر سجدہ کرنا کیسا ہو سکتا تھا
یہہ کہ تعبیر غلط ہے جو عام طور پر مشہور ہے کہ شمس و قمر سے مراد والدین ہیں یہ تعبیر نہ یعقوب نے کی نہ یوسف نے خود یوسف نے انکی الشمس والقمر ہو کر کہا گیا ہو تو کچھ ہانا نہیں اولیٰ رأیت احد عشر کوکبا والشمس والقمر رأیتہم لی ساجدین
احد عشر کوکبا کو بعد الشمس والقمر زائد علوشان کیوجہ تھا عام نشان تخصیص بعد تعمیم بالتخصیص بیان کرنے میں لاریب ہے۔ اسی طرح ہوا کہ ایک دوسرے پر بالخصوص سورج اور چاند کو کہ وہ سب سے بڑھکر تھے اور جو ایک بڑا بیٹا کر کے
نقل کیا ہے یعنی ستارے نہیں مگر سورج اور چاند کو خاص طور پر بیان کیا گیا اب رہی یہہ بات کہ پھر الشمس والقمر سے مراد کیا ہے تو اسکا جواب یہہ ہے کہ ان سے مراد نہیں کہا گیا۔ وہ بھائیوں میں سے وہ دو بھائی جو باقی
بھائیوں میں سے ممتاز اور صاحب نشان عظیم تھے اور بس۔۔۔ الغرض ہر زبان کا عام محاورہ ہے کہ فلاں شخص فلاں کے قدموں پر گر پڑا مگر لوگ کبھی نہیں کہتے کہ وہ اسکے پاؤں پر سر دھرا تھا ہو
ہو ایک نہیں مانتا تو اس قسم کے الفاظ فقط تذلل و انکسار بدرجہ غایت ظاہر کرنے کو ہیں۔ اگر خدا وند تبارک و تعالیٰ کی ذات پاک کو سجدہ بغرض عبادت کیا جاوے
تو وہاں شرعی سجدہ مراد ہوتا ہے۔ اور اگر خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور ذات یا شخص کے سجدہ کا ذکر کرتے ہیں تو وہاں جہاں آیا ہے قرآنیہ کو ۱ ہم

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ

اور ہمنے کہا کہ اے آدم تو بھی اور تیری بی بی بھی اسی باغ میں جہاں تو پیدا ہوا ہے اور جہاں تو نے امتحان میں سبقت حاصل کی ہے اور جہاں پر شیطان ملعون

وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ

ہو گیا اور ملائکہ جہاں اپنے قصور کے معترف ہوئے ہیں آباد ہو جاؤ اور اسکے پھلوں سے جب جی چاہے اور جہاں سے چاہو اور جو چاہو اور جسقدر چاہو با فراغت کھاؤ اور پس رکھو کہ یہ جو درخت

مطابق و موافق کرنے کے لئے بالیقین لفظ تذلل و تواضع اور فروتنی مراد ہوتی ہے اور پس قیام۔ رکوع۔ سجود یہ تینوں نشانات ہر زمانہ میں ہر شریعت منجانب اللہ میں خاص خاصہ خداوندی رہی ہیں اور تا قیامت رہینگی۔ اور قیس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی یہ حدیث سب لوگ جانتے ہیں ایامرکم بالکفر بعد اذ انتم مسلمون پ۳ ع ۱۶) کی پوری پوری تشریح ہے اور وہ یہ ہے کہ قیس رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں میں شہر حیرہ میں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ لوگ اپنے مرزبان یعنی سردار و نکو سجدہ کرتے ہیں ... ... میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پھر آپ زیادہ تر مستحق ہیں اس امر کے کہ آپ کو سجدہ کیا جاوے ... ... فرمایا نہیں اگر میں کسی بشر کو حکم دیتا کہ وہ کسی دوسرے بشر کو سجدہ کرے تو میں عورتوں کو ہدایت کرتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے کیونکہ خاوند کا حق بہت بڑا بھاری ہے (ابو داؤد) پس معلوم اور یقینی طور پر ثابت ہوا کہ ملائکہ کا سجدہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے برادران کا سجدہ یوسف کو فقط اپنے اپنے قصوروں کی معافی کی طلبگاری کے لئے تھا اور پس جیسے قصوروار کو ذلیل اور متواضع ہونا پڑتا ہے اور وہ معافی اس ہیئت سجدہ متعارفہ یا مشابہ ہیئت سجدہ متعارفہ ہرگز نہ تھی بلکہ فقط زبانی معافی تھی اور نہیں جیسا کہ اوپر ثابت ہوا کہ جزاء سیئة سیئة مثلہا کے مطابق زبانی معافی ہی کافی تھی۔ اور سجدہ کرنا خواہ کسی نیت سے ہو اور خواہ کیسی ہی ہیئت سے ہو ہمیشہ ہر ملت و شریعت میں جو خداوند تعالےٰ نے نازل فرمائی ہے کفر ہے ... ... وکان من الکافرین کے یہ معنے ہیں اور اب وہ حکم عدولی کر کے کفر اختیار کر بیٹھا اس سے پہلے مومن تھا اور ملائکہ مومنین کے ساتھ ہی خطاب اسجدوا میں شامل تھا۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا کہاں ہوئے اور امتحان کہاں ہوا اور معافی کہاں ہوئی اور ابلیس ملعون و مطرود کہاں ہوا اور شیطان نے کس جگہ ان کو لغزش دی۔ سو ان سب باتوں کو خود خداوند تعالےٰ اس اگلی آیت یعنی قلنا یا آدم اسکن انت وزوجک الجنۃ میں بیان کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ اوپر بھی پڑھ چکے ہو اور کئی جگہ اور بھی آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مادہ خلقت کا ذکر ہے کہیں تو صرف تراب یعنی دھول اور کہیں طین یعنی کیچڑ جو مٹی اور پانی سے بنتی ہے اور کہیں حماٍ مسنون یعنی سیاہ بدبودار مٹی۔ اور کہیں صلصال کا لفظ دیتے وہ مٹی جو سوکھ کر ٹھیکروں اور ٹھیکریوں کی طرح ایسی سخت بجاتی ہے کہ اگر اسپر کوئی چیز لگے تو اس سے آواز بلند ہو جاوے اور یہ ساری حالتیں یعنی دھول و غبار سے شروع کر کے ٹھیکرے تک کی کل حالتیں مٹی کے ساتھ عموماً ہوتی رہتی ہیں۔ اسواسطے آیات قبل و ابعد کی مناسبت کے لئے کبھی تو کسی خاص مناسبت کی وجہ سے اس کی پہلی حالت یعنے تراب کا ذکر قرآن مجید میں مذکور ہے اور کہیں بوجہ مناسبت دیگر طین کا وغیرہ علی ہذا القیاس قال اللہ تعالیٰ خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون پ۳ ع ۱۴ یعنے خدا نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا" و لقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین (پ۱۸ ع ۱) و بدأ خلق الانسان من طین (پ۲۱ ع ۱۴) یعنے طین (کیچڑ) سے پیدائش انسان شروع کی) ولقد خلقنا الانسان من صلصال من حماٍ مسنون (پ۱۴ ع ۳) خلقنا الانسان من صلصال کا لفخار (پ۲۷ ع ۱۱) یعنے سیاہ بدبو دار مٹی سے جو کھڑ کھڑ کر کے آواز نکالتی تھی اور ٹھیکروں کی طرح سخت تھی انسان کی پیدائش ہوئی ہے ان جملہ آیات سے صاف ظاہر ہے کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے زمین ہی پر اسی کی مٹی میں سے بنایا۔ اس جنت میں نہیں بنایا جو اب صرف مومنین کو بطور جزا قیامت میں عطا کی جاویگی۔ کیونکہ وہ جنت خود اور اس جنت کی

فَتَكُونَا مِنَ الظّٰلِمِينَ ۝ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا

جہاں جہاں اس باغ کے اندر اُگا ہوا ہو کہیں بھی اسکے پاس تک بھی نہ پھٹکنا ایسا کروگے تو پس تم اُن لوگوں میں سے ہو جاؤگے جو اپنے اختیار سے آپ ظلم پسند کر بیٹھتے ہیں

فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ

پس آدم و حوا علیہما السلام نے ظلم تو نہ کیا مگر اتنا ہوگیا کہ اُس شیطان نے جسنے اُن سے معافی نہ مانگی تھی ان دونوں سے اس درخت منہی عنہ کی علت حرمت کی بابت لغزش کروادی جس کا نتیجہ

لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ

یہہ ہوا کہ اس نے انکو ان نعمتوں اور منزلوں سے جنمیں وہ تھے نکلوا دیا اور ہم نے حکم دیدیا کہ اس باغ بہشت سے سب نکل جاؤ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لئے اس باقی کی ساری زندگی

کے ٹھکانا ہر اور اس کے اہل جنت کا سب غیر فانی اور غیر متغیر اور مطہر اور پاک ہوں گے اُس جنت میں نہ تو بیہودہ فضولیات و مہمل اور گرد و غبار ہے اور نہ اسکے اندر بیہودہ کیچڑ ہے اور نہ اسکے اندر کسی قسم کی بدبودار مٹی ہے۔ بلکہ اسکے پانی تک میں بھی کبھی بھی تعفن پیدا نہ ہو سکیگا اور نہ اب ہو سکتا ہے اس جنت کے رہنے والوں کو کبھی بھی اللہ تعالے باہر نہیں نکالیگا اور آدم علیہ الصلوۃ والسلام نکالے گئے۔ اس جنت میں نہ آگے کی کچھ فکر ہے اور نہ پیچھے کا غم۔ وہاں خستگی حزن و بکا حرارت و برودت وغیرہ وغیرہ کچھ بھی نہیں ہیں وہاں نہ کوئی گناہ ہے اور نہ اس کی سزا اور نہ توبہ حالانکہ آدم علیہ الصلوۃ والسلام پر یہہ ساری باتیں ہو گزریں۔ اُس جنت کے اندر شیطان ملعون کا دخل نہیں ہے اس جنت کے کسی جنتی پر شیطان کا داؤ نہیں چل سکتا۔ حالانکہ آدم علیہ الصلوۃ والسلام جہاں کہیں آگئے وہ جنت دار الخلد اور دار البقا ہے اور آدم علیہ الصلوۃ والسلام بھی ایسا ہی ایمان رکھتے تھے اسی واسطے شیطان نے ان کو اسی دار الخلد کا لالچ دیکر اس دار و مکان کو جس میں آدم علیہ الصلوۃ والسلام موجود اور ساکن تھے دار الفنا قرار دیا۔ کما قال اللہ تعالے۔ هل ادلكم على شجرة الخلد وملك لا يبلى (پ ۱۶ ع ۱۶) اور آدم علیہ الصلوۃ والسلام جو اللہ تعالے کے نبی اور رسول تھے وہ ان باتوں کو اچھی طرح سمجھتے تھے اس بات پر آمادہ ہوگئے اور اسکے کہنے میں آگئے اگر وہ پہلے ہی سے دار الخلد اور دار البقا میں ہوتے تو ہاں کیوں کرتے آدم علیہ الصلوۃ والسلام اور شیطان کے اس مناظرہ کی تفصیل آگے کی جاویگی انشاء اللہ العزیز چونکہ نہ تو قرآن مجید میں اول سے لیکر آخر تک کہیں اشارۃً تک بھی ہے کہ اللہ تعالے نے آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو آسمان میں پیدا کیا اور آسمان کی جنت میں ٹھہرایا اگر زمین پر بھیج دیا اور نہ حدیث شریف میں اسکا کچھ ذکر ہے ان منقولی ثبوتوں کی تائید میں سب سے بڑھکر یہہ عقلی ثبوت ہے کہ اللہ تعالے کی حکمت کے تقاضے سے بعید ہے کہ وہ کسی کو پیدا تو کرے دار الخلد میں اور پھر وہاں سے اس کو نکال کر دار الفنا میں پھینک دے یہاں تک اتنا ثابت ہوا کہ آدم علیہ الصلوۃ والسلام مٹی سے پیدا ہوئے اور مٹی کے انسان پہلے اسی زمین پر پیدا ہوئے اور اسی زمین کے باغ میں سکونت پذیر ہوئے جس طرح یہہ ثابت ہوگیا تو اب باقی کی ساری باتیں یعنے آدم علیہ الصلوۃ والسلام کا امتحان اور ملائکہ کی معافی اور شیطان کا ملعون ہونا سب کا سب اسی زمین میں ہوا نہ کہ آسمان میں اس کی زیادہ وضاحت آگے آیات میں ہوگی۔

* اور بعض وقت کبھی بادلوں کی بجلی سے درختوں کی ٹہنیاں رگڑ کر بھڑکتے آگ سے کہاں ہیں ایک پتھر سیاہ رنگ کا ہوتا ہے جسکو کہ ایسی ہی ضرب پڑتے ہی کسی چیز کی ضرب لگے

واذ قال ربك للملئكة انى خالق بشرا من صلصال من حما مسنون (سورۃ حجر)
فسجد الملئكة كلهم اجمعون الا ابليس ابى ان يكون مع السجدين ۝

اِلٰی حِیْنٍ ۝ فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ

میں کچھ مدت تک کچھ حقیر سا ٹھکانا اور کچھ قلیل سا گذارہ ہوگا۔ پس آدم جو پہلے ہی اسمائے حسنٰی یعنی صفاتِ خداوندی کا علم اللہ تعالےٰ سے سیکھ چکے ہوئے تھے اپنی خطا پر متنبہ ہو کر ان چند کلمات

اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۝

پر جو اس کو اُس کے رب کی طرف سے مل چکے ہوئے تھے عمل کیا اور ان کے ذریعے اپنی توبہ کا اظہار کیا۔ پس اللہ تعالےٰ نے بھی اسکی توبہ کو قبول فرمایا۔ بیشک وہی خدا ہے جو پورے پورے طور پر گناہوں سے پچھتانے والوں کے گناہوں کو معاف کرتا اور نہ صرف معاف کرتا بلکہ ان پر اپنی خاص خاص عنایات بھی کرتا ہے۔

تو اس سے آواز نکلنے لگے پیدا کرنے والا ہوں۔ پس جب میں اسکو ٹھیک ٹھاک کر چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک چکوں تو تم نے اُس سے زبانی معافی مانگنا پس جب یہ سب کچھ ہوا تو ابلیس کے سوائے سب ملائکہ نے زبانی معافی مانگی۔ ابلیس نے ان معافی مانگنے والوں کے زمرہ میں شامل ہونے سے انکار کیا "

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ۝ (پ۲۳ ع۱۴)

"جب تیرے رب نے ان فرشتوں سے کہا کہ میں ایک بشر کو مٹی سے پیدا کرنیوالا ہوں پس جب میں اسکو پورا کر لوں اور اپنی روح اسمیں پھونک چکوں تو تم سب نے اس سے معافی مانگنا چنانچہ ابلیس کے سوائے سب نے معافی مانگی اسنے اپنے تئیں بڑا اور بہتر سمجھا اور ان لوگوں میں سے ہو گیا جو اپنے اختیار سے کفر پسند کر چکے تھے"

یہ آیتیں صریح ہیں اس امر میں کہ آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے پر اسی جگہ جہاں وہ پیدا ہوئے فرشتے امتحان میں شامل ہوئے اور بعد میں ملائکہ کا معافی ہونے اور اسی جگہ شیطان ملعون و مطرود ہوا اور اسی جگہ اللہ تعالےٰ نے ان کی قوت بہیمی اور سبعی اور ملکی کی ضروریات مہیا کر دیں یعنے اُن کے کھانے پینے پہننے کے سامان فقط شخص و حفظ نوع کے لئے ان کی بی بی اور باقی کے بھی کل سامان ضروریہ مہیا کر دیئے اور رہنے سہنے کے لئے ایک باغ عطا فرمایا اور اسی باغ میں ان کی صورت بنائی گئی اور وہیں ان میں روح پھونکی گئی اور وہیں بعد امتحان ملائکہ نے معافی مانگی اور وہیں شیطان مرجوم ملعون ہوا اور اسی جگہ شیطان رجیم اور آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مناظرہ بابت حلت و حرمت شجرہ منہی عنہا ہوا اور اسی جگہ اسی باغ میں آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو باغ کے چھوڑنے اور خود اپنے ہاتھ سے باقی کی زمین میں اپنے ہاتھ کی محنت مزدوری اور مشقت کر کے گذارہ کرنے کا حکم ہوا۔ خلاصہ یہ ہے کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام زمین پر پیدا ہوئے اور زمین پر ہی ایک خاص باغ میں ان کی پیدائش واقع ہوئی نہ تو قرآن کریم کی کسی آیت سے اشارۃً اور نہ کسی حدیث نبوی صلوات اللہ علیہ والتسلیمات سے یہ بات ثابت ہو سکتی ہے کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام آسمان پر آسمانی جنت میں پیدا کئے گئے اور نہ یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ زمین پر پیدا کر کے پھر ان کو آسمان پر آسمانی جنت میں اپنی طرف مرفوع کیا ہو اور پھر اُس آسمانی جنت دار الخلد میں ان کو سکونت پذیر کیا ہو اور پھر وہاں اُس آسمانی جنت میں شیطان بھی جا داخل ہوا ہو اور وہاں جنت کے اندر جا کر آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دھوکہ دیکر اُس سے گناہ کروایا ہو اور پھر اس پر اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور اس کی بی بی کو پھینک مارا ہو وغیرہ وغیرہ۔ دھوکہ جو عامۃ المفسرین کو لگا ہے تو فقط لفظ الجنۃ سے لگا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ جنت کے متعارف اور متبادر معنی فقط وہ باغات ہیں جو قیامت کو مومنین کو دیئے جاوینگے۔ حالانکہ یہ عام لفظ ہے۔ زبان عرب میں دنیوی اور اخروی دونوں قسم کے باغوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے اور خود قرآن کریم میں دونوں قسم کے معنوں میں آیا ہے۔ مثلاً صاحب ثبات لوگوں کی مثال جو خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں کمثل جنۃ بربوۃ (پ۳ ع۴) کر کے دی ہے۔ یہاں جنت سے مراد دنیا کا باغ ہے اسی طرح دو باغ والوں کا قصہ سورہ کہف میں موجود ہے خدا وند تعالےٰ ان باغوں کو جنتیں کر کے بیان فرماتا ہے اور اسی طرح اہل سبا کے دو باغوں کو جنتان کے لفظ سے تعبیر فرماتا ہے (پ۲۲ ع۸)۔ غرضکہ یہ لفظ اُس باغ پر بھی بولا جاتا ہے جو فرعون اور نمرود

اور پرلے درجے کے فساق اور فجار کا باغ ہو۔ کچھ خصوصیت آسمانی باغوں کے ساتھ نہیں ہے یہاں بھی الجنۃ سے مراد وہ باغ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے آدم صفی اللہ
کو پیدا کیا اور اسکے رہنے سہنے اسکی ضرورتیں پورا کرنے کے لئے عطا فرمایا اور چونکہ یہہ صفی اللہ خلیفۃ اللہ تھا جنوں کا اسواسطے قطعی طور پر کہا جاتا ہے کہ یہہ خاص باغ بھی
انہیں کے باغوں میں سے ایک باغ تھا جس میں سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ہٹا دیا اور آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمایا اس الجنۃ کا ا-ل عہدی حضوری ہے
یعنے یہہ باغ جو حاضر اور موجود ہے جسمیں تم دونو میاں بی بی موجود ہو۔ پس جا بجا آیات قرآنیہ کو جو آپسمیں ایک دوسرے کی مصدق اور مؤید ہوتی ہیں ملا کر جو نتیجہ پیدا ہوا
ہے وہ ہم نے وقلنا یاٰدم اسکن انت وزوجک الایۃ کے ترجمے کے نیچے لکھدیا ہے تاکہ لوگوں کو سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ وکلا منھا رغدا حیث
شئتما میں حیث ظرف زمان اور مکان دونو کے لئے آتا ہے اور مکان کو لازم وہ چیز ہے جو اس مکان میں موجود ہو اور رغدا کے معنے ہیں واسعۃ یا فراغت جسمیں
کثر نہو اسواسطے ترجمے میں اسکا پورا مفہوم ادا کیا گیا ہے یعنے اس باغ میں سے جسوقت چاہو اور جہاں کہیں سے چاہو اور جسقدر چاہو اور جو چیز چاہو بلا روک ٹوک
بلا حساب با فراغت تمام پیٹ بھر کے کھاؤ اور مزے اڑاؤ۔ ...... هذه الشجرة میں هذه اسم اشارہ قریب بمعنی یہہ ہے اور الشجرۃ کا ا-ل جنسی ہے یعنی
یہہ درخت جسکا پتہ تم کو بتا دیا گیا ہے۔ اب جہاں کہیں یہہ درخت اس باغ کے اندر دیکھو پس اسکے نزدیک تک نہ پھٹکنا اور اگر اس باغ کے اور درختوں کی طرح
اس درخت کا پھل بھی تم نے کھا لیا تو تم ظالم ہو جاؤگے یہہ نہی تحریمی ہے اس نہی کے تحریمی ہونے کے لئے دو قیدیں ہیں ایک تو یہہ کہ کھانا تو رہا درکنار اس کے
نزدیک تک بھی نہیں ہونا جب نزدیک ہونا منع کیا گیا تو کھانا تو پرلے درجہ کا بطریق اولیٰ ممنوع ہوگیا جس طرح دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولا تقربوا الزنی
یعنے زنا کے نزدیک تک بھی نہ پھٹکنا یعنے لوازمات زنا مثلاً بری نظر سے کسی عورت کی طرف دیکھنا یا اسکے حق میں اپنے جی میں برا خیال پیدا کرنا یا شراب پینا وغیرہ
وغیرہ تو جب لوازمات زنا سے منا ہی کی گئی ہے تو عین ارتکاب زنا تو بطریق اولیٰ حرام ہوا۔ غرضکہ خود بھی تنبیہ عدم قربت اس نہی کو سخت غلیظ کر رہی ہے اور
دوسری قید وعید کی ہے کہ ایسا کرنے سے تم ظالم یعنے نافرمان اور مجرم اور عاصی بن جاؤگے تو اب کوئی شک و شبہ نہ رہا کہ ولا تقربا هذه الشجرة فتكونا
من الظلمین کی نہی نہی تحریمی ہے کہ شیطان مرجوم بھی اس نہی کو نہی تحریم سمجھتا اور یقین کرتا تھا اور اسی نہی کے استعمال کرنے میں اسکا کام تھا تھا اور
آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام جو اللہ تعالیٰ کے پڑھائے ہوئے تھے اور اللہ کے رسول تھے خوب سمجھتے تھے اور اس نہی کو نہی تحریمی بالیقین کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ
اس آیت کے آگے فرماتا ہے کہ وہ ہماری اس نہی کے توڑنے والے نہ نکلے اور نہ انہوں نے نافرمانی کی جس سے وہ ظالمین میں شامل ہوتے بلکہ فازلهما
الشیطن عنها شیطان نے اس درخت کی حلت و حرمت کی بابت بحث کرکے علمی مغالطہ دیکر ان کو قائل کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء ہرگز نہی تحریمی کا نہیں ہے
بلکہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام تو خود اپنی سمجھ اور اجتہاد سے اسکو نہی تحریمی سمجھ بیٹھا ہوا ہے اور خواہ مخواہ اس حلال طیب درخت کو حرام قرار دے بیٹھا ہے
پس وہ ان سے مباحثہ شروع کر بیٹھے اور اس خبیث محرف کلام الٰہی اور علمی کے مغالطہ میں آگئے اور درخت منہی عنہ کا پھل جائز سمجھ کر کھا بیٹھے نہ کہ اسکو حرام
اور ناجائز سمجھ کر۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ اسی کی تشریح کرکے فرماتا ہے۔ ولقد عهدنا الى ادم من قبل فنسى ولم نجد له عزما (پ۱۶ ع) یعنے اور بیشک
پہلے سے ہمنے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا تھا کہ درخت منہی عنہ کے پاس نہ پھٹکنا پس اس حکم کی تعمیل کی ترک اس سے ہوگئی مگر واضح رہے کہ اس نے
بدنیتی اور بغاوت اور خدا کا حکم توڑنے کے ارادہ سے ایسا کام نہ کیا تھا کیونکہ ہمنے اسمیں اس کام کے کرنے کا عزم نہیں پایا اور یہی تفسیر و تفصیل ہے دوسری
جگہ کی بھی جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وعصى ادم ربه فغوى (پ۱۶ ع) یعنے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنے رب کی خطا ہوگئی پس وہ رستے سے
بھٹک گیا۔ دوسری جگہ فرمایا فدلهما بغرور (پ۸ ع) یعنے مغالطہ دیکر میاں بی بی کو دھوکہ میں لے آیا۔ ان ساری باتوں کو یعنے نسیان۔ عصیان۔
غوایت اور تدلی بالغرور کو اللہ تعالیٰ نے فقط ایک ہی لفظ یعنے زلہ سے تعبیر دیا جسکے معنے ہوتے ہیں لغزش یعنے ایسی چوک جو دیدہ و دانستہ
جان بوجھ کر سوچ سمجھ کر نہ آنے کی جاوے بلکہ بلا اختیار سرزد ہو جاوے۔ غرضکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پاکی اور عصمت کی جا بجا شہادت
دی ہے اور ان کے اس خطا کو صرف زلہ قرار دیا ہے جو بالعزم نہیں ہو سکتا۔ اس آیت زیر تفسیر میں بھی اللہ تعالیٰ اس نہی تحریمی کے ذکر کے بعد ہی ان کے
صرف زلہ کا ذکر فرماتا ہے اور ان کے اس زلہ کو شیطان کی طرف منسوب کرتا ہے اور فرماتا ہے فازلهما الشیطن عنها یعنے شیطان نے آدم اور حوا سے درخت
منہی عنہ کی بابت لغزش کرا دی۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ شیطان نے کس طرح لغزش کرائی باوجود اس امر کے کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا کے رسول اور خدا کے
پڑھائے ہوئے تھے اور اس نہی کو نہی تحریمی سمجھتے تھے پھر بھی اسی کے مرتکب ہوگئے اور باوجود مرتکب ہونے کے پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جرم کو
ان کی بدنیتی اور بغاوت کا باعث قرار نہیں دیا بلکہ فقط محض لغزش شیطانی قرار دیا ہے۔ سو ان ساری باتوں کے سمجھنے کے لئے آپکو مناظرہ کا دیا جاتا
ہے جو مابین ابلیس لعین اور آدم صفی اللہ کے ہوا۔ اور بتاتے ہیں کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام حقیقت میں نیک نیت تھے اور اس درخت کو نیک نیتی کے

سے ارادے سے خدا کی نعمت حلال طیب سمجھ کر کھایا نہ کہ از راہ بغاوت وفسق وظلم اس کو حرام سمجھ کر۔ بعض لوگ فنسی کے لفظ سے سمجھتے ہیں کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو
یہ نہی تحریمی بالکل بھول گئی تھی حالانکہ شیطان نے بار بار تکرار اسی بات پر زور دیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ خدا نے ہم کو منع کیا ہوا ہے اور وہ کہتا ہے ما نھٰکما ربکما الآیہ کہ تمہارے
رب نے منع وغیرہ کچھ نہیں کیا وغیرہ وغیرہ کیا کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے کہ یہ نہی تحریمی ان کو یاد ہی سے بالکل جاتی رہی ایک ادنٰے درجہ کے مومن کی یہ شان نہیں ہے
کہ وہ ایسا کرے چہ جائیکہ اللہ تعالےٰ کا رسول ایسا کرے نسیان کے معنے ترک عمل بھی ہوتے ہیں اور اسی واسطے اسکے معنے ہم نے اوپر کی آیت میں بھی کئے ہیں۔
بعض کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نافرمانی بحالت عقل وہوش نہیں کی ہاں جب حوا نے اسکو شیرۂ انگور (شراب) پلا دی اور وہ بیہوش ہوگئے
تو اسوقت اس درخت کا پھل کھا لیا۔ اللہ تعالےٰ کے نبی جو معصوم ہوتے ہیں اور جنکے زلات کی تنبیہ بھی فوراً ہو جایا کرتی ہے ان کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ شراب
پی پی کر ارتکاب منہیات کرتے پھریں بلکہ ادنٰے درجہ کے مومن کی شان بھی تقاضا نہیں کرتی۔ غرضکہ حقیقت یہ ہے کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ نہی معلوم
تھی اور اسکو درحقیقت وہ نہی تحریمی ہی سمجھتے تھے مگر آخر کار ابلیس کے مناظرہ میں اسکے پیچ میں آگئے اور یقین کر بیٹھے کہ اللہ تعالےٰ کی اس نہی ولا تقربا ھٰذہ
الشجرۃ فتکونا من الظّٰلمین کے معنے وہ نہیں ہیں جو میں سمجھ بیٹھا ہوا تھا بلکہ وہ معنے غلط ہیں اور مقصود خداوندی کے خلاف ہیں بلکہ یہ نہی تو فقط نفی ہے جسمیں
سراسر ترغیب ہے قوت ملکی تربیت کرنے کی پس خداوند تعالےٰ کی طرف سے اس نہی تحریمی کو امر ترغیبی وتخییری سمجھ کر اس پھل کو کھا بیٹھے مناظرہ کے لکھنے سے پہلے یہ بیان
کرنا ضروری ہے کہ شیطان آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس کس طرح اور کس سبیل سے ان کے باغ میں چلا گیا۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ سب کچھ زمین پر ہی ہوا اور ہوا بھی
اسی باغ میں جہاں آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہوئے تھے۔ امتحان بھی وہیں ہوا معافی بھی وہیں ہوئی اور ابلیس لعین بھی وہیں ہوا۔ یہ بھی ذکر ہو چکا ہے کہ یہ ابلیس
پہلے مومن موحد بڑا پکا مسلمان جن تھا اور جب جنوں پر عذاب الٰہی نازل ہوا تو یہ اپنے ایمان کے سبب نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور انکے اتباع کی طرح بچ گیا اور
جن فرشتوں نے جنوں کو معذب کیا تھا ان کے ساتھ یہ بھی خلیفۃ صفی اللہ کو مفسد فی الارض کہنے اور نحن نسبح بحمدک ونقدس لک کے دعوے میں
شریک تھا اور بوقت طلب گار ہی معافی انہیں ملائکہ کی جماعت میں شامل اور مخاطب تھا۔ بس یہ مومن جن بھی بلا روک ٹوک صاحب تصرفات وقبضہ تھا اور
اس باغ میں آنے جانے کی اسکو کوئی ممانعت نہ تھی جب آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے معافی مانگی تو اس باغ میں سے اسکو بھی نکال دیا گیا کیونکہ یہ ان کا
اور نیز ان کی اولاد کا دشمن ہو گیا اور دشمنوں کا ایک جگہ میں اکٹھے رکھنا خلاف شیوہ عقل مندی ہے مگر چونکہ وہ مردود بھی اسی زمین پر تھا اور آدم صفی اللہ
بھی اسی زمین پر تھے ابلیس کا ان کے پاس آنا جانا کچھ بھی مشکل نہ تھا اگر آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تنبیہ کی جاتی تھی کہ ابلیس ضرور بضرور خواہ مخواہ بھی تمہارے
پاس آویگا مگر اس کے دھوکوں سے بچتے رہنا۔ کما قال اللہ تعالےٰ۔

فقلنا یٰاٰدم ان ھٰذا عدو لک ولزوجک فلا یخرجنکما من الجنۃ فتشقٰی ۝ ان لک الا تجوع فیھا ولا تعرٰی ۝ وانک لا تظمؤا فیھا ولا تضحٰی ۝ (ربع ۱۱۶)

؎ پس ہم نے کہا کہ اے آدم یہ شیطان تیرا بھی اور تیری بی بی کا بھی دشمن ہے ایسا نہ ہو کہ وہ تم کو تمہارے اس باغ میں سے نکالدے پھر تمہارے یہ سارے مزے جاتے رہیں اور خود محنت مزدوری کر کے گذارہ کرنا پڑے یہاں تو تمہارا
یہ حال ہے کہ تم کو فاقہ ہی لگتا ہے اور نہ تم کو کپڑے ہی کے نہ ملنے کی تکلیف پہنچتی ہے نہ تم کو پیاس ستاتی ہے اور نہ تم کو دھوپ تنگ کرتی ہے۔

ان آیتوں میں تنبیہ ہے کہ ابلیس کو جب کبھی کوئی موقع مل گیا تو خواہ مخواہ بھی تم کو بلیگا گمراہ کر دیگا اسکے فریبوں اور حیلوں سے بچتے رہنا نہیں تو یہ
باغ اور یہ مزے تم سے جاتے رہیں گے۔ قرآن مجید کی کسی آیت سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ آیا ابلیس لعین آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ خیال کرکے میں
ہی ابلیس ہوں ان کے پاس پہونچا یا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کبھی بھی پتہ لگا ہو کہ یہ ابلیس لعین ہے جو میرا دشمن ہے اور جس کی دشمنی سے پرحذر رہنے
کے لئے پہلے خداوند تعالےٰ کی طرف سے سخت تنبیہ ہو چکی ہے۔ سو آدم صفی اللہ چونکہ اللہ کے رسول تھے معصوم تھے جیسے کل انبیاء معصوم ہوتے
ہیں اور خود جابجا ان کی عظمت کی شہادت اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں دیتا ہے اسواسطے ہرگز ہرگز ایمان اس امر کو تسلیم نہیں کرتا کہ شیطان لعین
کو معاذ اللہ دیتے کیونکہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پہچانتے بھی تھے جس کی دشمنی کی خبر خداوند تعالےٰ دے اس دشمن کو جان پہچان کر خدا کا رسول اپنے پاس
آنے دے بیٹھنے دے بالخصوص اس حالت میں کہ جب وہ ان سے باتیں بھی ایسی کرانی چاہتے جو منہیات ہوں۔ پس یہ لعین ان کے پاس ایسی صورت
میں اور ایسی شکل میں جاتا رہا اور معلوم نہیں کتنی مدت اور اس قسم کے مسائل سناتا رہا جو عین دین الٰہی ہوتے ہیں اور نہیں معلوم ابوہریرہ رضی اللہ
تعالےٰ عنہ کی آیت الکرسی کی طرح کس قدر نیک باتیں بیان کرتا رہا کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کو مرد نیک یعنی فرشتہ سمجھ کر اپنے پاس بٹھاتے رہے
ہوں اور آخر کار جب اسکا خوب اعتبار جم گیا تو موقع مناسب پا کر ان سے درخت منہیہ عنہ کا تذکرہ چھیڑ دیا۔ حقیقت نہی جنگی تفسیر مثلاً یہ کہ در

گندم یا درخت انجیر تھا وغیرہ وغیرہ اور اسی طرح وسائل دخل ابلیس مثلاً اونٹ کی شکل کے چار ٹانگ والے سانپ کے منہ میں داخل ہوکر داخل ہوا اور بہکانا بھرا آدم ع کو وغیرہ وغیرہ سب کی سب بلا سند باتیں ہیں اور اباطیل بنی اسرائیل ہیں قصہ کوتاہ جب یہ ابلیس لعین اپنا اختیار جما کر آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ایکدن

آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ابلیس لعین کا مناظرہ

پہونچا اور موقع مناسب دیکھا تو اثنائے کلام میں ان کے دلوں میں اپنی مرضی کے مطابق خیالات پیدا کرنے کے لئے اس طرح تقریر شروع کردی کہ اے آدم ع اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کو ایک ایسے درخت کا پتہ بتاؤں کہ جس کے کھانے سے وہ بہشت نصیب ہوتا ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ کو زندگی بسر کرنی ہے اور نیز ایک ایسی بادشاہی کا پتہ بتاؤں کہ جس کو فنا اور زوال نہیں ہے۔"

فوسوس الیہ الشیطن قال یا دم هل ادلك علی شجرۃ الخلد وملك لا یبلی (پ ۱۶ ع ۱۶)

آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اس انسانی صورت اور ملک نما شکل مگر شیطانی سیرت بلکہ عین شیطان کی یہ تقریر سنی تو پوچھا کہ اچھا بتاؤ وہ درخت کونسا ہے جو تم کو معلوم ہے کہ اسکے کھانے سے جنت ملتی ہے شیطان نے اسی درخت منہی عنہ کا نام لے دیا۔ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس درخت کی بابت تو مجھے سخت نہی آچکی ہے اسکو کھاؤں تو الٹے لینے کے دینے پڑ جاویں بہشت لینے لینے الٹا دوزخ کو جاؤں شیطان نے کہا کہ آپکے پاس اس درخت کے نہ کھانے کی کونسی سند ہے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا سند یہ ہی آئی ہے۔ ولا تقربا هذه الشجرۃ فتکونا من الظلمین شیطان نے کہا واہ یہی پڑھے ہو اس آیت میں تو نہی کا نام و نشان نہیں ہے۔ بلکہ میں تو قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں یہ صلاح محض تمہارے ہی بھلے کے لئے دیتا ہوں میرا اپنا فائدہ تو اس میں کچھ نہیں ہے بات یہ ہے کہ تمہاری سند پیش کردہ میں جو صیغہ لا تقربا آیا ہے اور جس کو تم نہی سمجھتے ہو وہ فقط صورتاً اور لفظاً نہی ہے معنیً فقط نفی ہے۔ سوا اسکے نہ رہتے تمہارے رب نے تم دونو کو یہ منا ہی نہیں کی ہے کہ

ما نهكما ربكما عن هذه الشجرۃ الا ان تكونا ملكين او تكونا من الخلدين ٥ وقاسمهما انی لكما لمن النصحين ٥ (پ ۸ ع)

تم نے اس درخت کا پھل نہ کھانا و لیکن اس درخت کی شان اور صفت اور تاثیر یہ ہے کہ تم اس کو کھاؤ گے تو تمہاری ملکی قوت کی تربیت ہوگی جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اس دنیا میں اعلیٰ درجہ کے نیکوکار یعنی ملائکہ ہوجاؤ گے اور دوسری یہ بات کہ تم بعد موت قیامت کو جنت الفردوس میں داخل ہوکر دوسرے جنتیوں کی طرح سدا سدا کو جنت میں رہوگے۔ . . آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اس مردود کا یہ کلام سنا کہ یہ نہی نہیں ہے بلکہ اس درخت کے فوائد بیان ہیں اور یہ تو پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ تم نے دو باتیں کہی ہیں اور وہ دونو باتیں خداوند تعالےٰ کے ارشاد کے مخالف ہیں ایک تو یہ تم لا تقربا کو کہتے ہو کہ فقط صورۃً نہی ہے معنیً نہی نہیں ہے دوسرے یہ کہ تم شجرہ ممنوعہ کی تاثیر یہ بتاتے ہو کہ اس سے جنت ملتی ہے۔ اور یہ دونو باتیں میرے علم میں بالکل غلط ہیں ابلیس لعین نے پوچھا کہ آپکے پاس دلائل کیا کیا ہیں آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ اول تو خود ولا تقربا صیغہ نہی ہے اب رہی یہ بات کہ اس کے معنی بھی نہی کے ہیں یا نفی کے سو پہلے تو حقیقت کو چھوڑ کر مجازی معنے لینے کیواسطے یہاں کوئی قرینہ نہیں اسواسطے یہ معنیً بھی نہی ہی ہے بلکہ نہی بھی تحریمی ہے جس کے لئے اسی حکم میں یہ دو قید بیان کی ہوئی ہیں ایک تو یہ شجرہ ممنوعہ کے نزدیک تک نہ پھٹکنا دوسری قید وعید کی ہے یعنی یہ کہ اگر نزدیک ہوؤگے تو ظالم یعنی نافرمان بنجاؤ گے جب کسی چیز کے نزدیک ہونا ہی گناہ ہے تو اس چیز کا ارتکاب تو بطریق اولے پہلے درجہ کا گناہ ہوا اور دوسری قید بالکل ظاہر ہے پس کوئی وجہ نہیں ہے کہ میں اس نہی تحریمی کو تمہارے کہنے پر فقط نفی پر حمل کرلوں حالانکہ نفی کے لئے یہاں پر کوئی اشارہ بھی نہیں ہے۔ باقی رہی تمہاری دوسری بات سو اس کے لئے اوپر کی تقریر میں ہی تردید کافی ہو چکی ہے کیونکہ جب اس کے کھانے سے ظالم بنینگے تو اب ظالم کا ٹھکانا دوزخ ہے نہ کہ بہشت۔ ظالم کا نتیجہ رنج و مشقت و ہر طرح کی تکلیف ہے نہ کہ راحت۔ بلکہ مجھے تو یہاں تک تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر میں اسکو کھاؤں گا تو یہ عزت اور یہ نعمتیں اور یہ باغ و بہار اور یہ عیش و آرام سب کے سب مجھ سے جاتے رہیں گے جیسا کہ مجھے پتہ بتایا گیا ہے کہ اے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ شیطان تیرا اور تیری بی بی دونو کا دشمن ہے سو دیکھنا کہ وہ تجھے تیرے اس باغ میں سے نہ نکلوا دے پھر تمہارے یہ عزت سب جاتے رہیں گے اور تم کو خود محنت و مشقت کر کے روزی تلاش کرنی پڑیگی اس باغ میں تو تم کو فاقہ کشی ہے اور نہ کپڑا نہ ہونے کی تکلیف اور نہ تم کو یہاں پیاس ستاتی ہے اور نہ دھوپ تنگ کرتی ہے۔"

فقلنا یا دم ان هذا عدو لك ولزوجك فلا یخرجنكما من الجنۃ فتشقی ٥ ان لك الا تجوع فیها ولا تعری ٥ وانك لا تظموٴا فیها ولا تضحی ٥ (پ ۱۶ ع ۱۶)

پس بہرحال مجھے تو اپنے رب کی اس حکم سے بالکل نہی تحریمی سمجھ میں آتی ہے۔ اب معلوم نہیں کہ تو کیوں اصرار کرتا ہے اور بالکل صاف صاف نہی کو نفی کرتا اور اس کی تاثیر بد کو تاثیر نیک قرار دیتا ہے۔ ابلیس لعین نے جو یہ تقریر سنی اور معلوم کیا کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام تو سمجھ گئے ہیں اور

اپنی بات نہیں ہوتا۔ لگا اب اپنی شیطنت کرنے اور قرآنی آیات کی تاویلیں اور تحریفیں کرنے۔ اور اس طرح کی تعبیریں گفتگو کرنے۔ بے شک یہ تو نہایت عجیب بات ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے جو جو چیزیں حرام کی ہیں ان کی علت کیا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ جو علیم و حکیم ہے کوئی حکم بلا حکمت و مصلحت نہیں دیتا اگر ایسا ہو تو ایسی چیز
ہوتی ہے جو قوت ملکی کے حق میں مفسد اور مضر ہوتی ہیں اور جن سے قوت سبعی یا قوت بہیمی کو قوت ملکی پر غلبہ ہو جاتا ہے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا ان میں ایسی
کہا کہ یہ باغ جو تم کو عطا ہوا ہے اور جس کی نسبت تم کو خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اسکن انت وزوجک الجنۃ اس میں سوائے میوہ دار درختوں کے کوئی اور
بھی پھل یا میوہ دار درخت ہے جس سے تم کو کچھ فائدہ اور نفع نہ ہو بلکہ ایسا درخت تو کوئی معلوم نہیں ہوتا ہے ابلیس نے کہا اچھا تو یہ بتاؤ کوئی ایسا میوہ
یا ایسا پھل بھی ہوتا ہے جو قوت ملکی کو بگاڑ دے اور قوت بہیمیہ و سبعیہ کو غالب کر دے یہ کہا کہ پھل تو واقعی ایسا کوئی نہیں ہوتا البتہ سوائے ان کے جو بہت سی
حیوانات اس قسم کے ہوتے ہیں کہ ان میں سے کل ذی ناب و مخلب قوت سبعی کو بالخصوص اور اس کی وساطت سے قوت بہیمی اور ان کے علاوہ اور بھی جو خبیث چیزیں
چیزیں ہیں وہ سب کی سب قوت سبعی اور قوت بہیمی کو قوت ملکی پر غالب کر دیتی ہیں اسی طرح بعض اشیاء بذاتہ خود مضر ہوتی ہیں مثلاً مٹی اور دیگر ہر ایک اشیاء
جو انسان کے بدن کو خراب اور تباہ کر دیتی ہیں اور بعض اشیاء بعض اشیاء کی ترکیب سے اس قسم کی ہو جاتی ہیں کہ وہ مسکر ہو جاتی ہیں جن کے استعمال سے عقل
جاتی رہتی ہے۔ پس مضر چیزیں تو قوت بہیمی اور قوت سبعی اور قوت ملکی سب کو تباہ کر دیتی ہیں اور مسکر چیزیں قوت بہیمی کو بالخصوص اور اس کی وساطت سے قوت سبعی
کو ملکی پر غالب کر دیتی ہیں۔ پس کلیہ قاعدہ در بارہ حرمت و حلت اکل و شرب یہی ہوا کہ کل ذی ناب و مخلب حرام و کل مسکر و مضر حرام و کل خبیث حرام یعنی جو اپنے پنجے
سے نوچ کر کھانے والا ہو اور جو جانور اپنے دانتوں سے چیر پھاڑ کر کھانے والا ہو سب کے سب حرام ہیں اور جو جانور اپنے پنجے سے شکار کر کے نوچ کر کھانے والا ہو سب کے
سب حرام ہیں اور جو چیز عقل کو زائل کرنے والی اور بدمست ہو اور جو چیز بدن کو خراب کرنے والی ہو سب کی سب حرام ہیں اور جو چیز طیب نہیں ہے بلکہ خبیث ہے
حرام ہے[1]۔۔۔۔ ابلیس نے کہا کہ آپ تو صفی اللہ ہیں اور تعلیم یافتہ ربانی ہیں آپ جب میوہ جات کو دیکھتے ہیں کہ ان میں سے کسی میوہ میں حرمت کی کوئی علت

سلہ "شیطان کی تاویلیں اور تحریفیں جواب ہم ذیل میں لکھنے لگے ہیں وہ قرآنی آیات کے تدبر سے معلوم ہو سکتی ہیں اور ان تاویلوں کے لکھنے اور معلوم کرنے پر ہم کو خود اللہ تعالیٰ
کی ان شہادتوں نے مجبور کیا ہے کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عمداً عصیان نہیں کیا۔ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شیطان نے دھوکہ میں ڈال دیا۔ آدم سے شیطان نے لغزش
کرا دی۔ آدم ظالمین سے نہ تھا وغیرہ وغیرہ۔ پس چونکہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا تعالیٰ کی شہادت کے مطابق نہایت نیک اور پاک اور معصوم تھے اُن سے فقط زلہ ہو گیا
مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی اس زلت پر متنبہ کر دیا اور وہ پھر پاک کے پاک اور معصوم کے معصوم رہ گئے ہیں۔ اس واسطے مومن کا
سب سے اعلیٰ اور ضروری فرض ہے کہ وہ ہر ایک نبی اور رسول کی عصمت کا خیال رکھے اور جہاں جہاں مظنہ عصیان ہو سکتا ہو وہاں سے اُس مظنہ کو دور کرے اور جو جو باتیں ان کے
عصیان کی تائید میں بیان کی جاتی ہوں ان کو پرکھے اور دیکھے کہ اللہ تعالیٰ نے یا اسکے رسول صلعم نے بیان کی ہیں یا اور لوگوں نے اگر اللہ تعالیٰ نے کی ہیں تو ان سے محمل اور مورد کو
دیکھے اور نیک محمل تجویز کرے اور اگر اور لوگوں نے بیان کی ہیں تو ان کو یکدم ترک کر دے کیونکہ وہ سب کی سب بلاسند ہیں تمام مفسرین نے اس قصہ آدم و شیطان کو کچھ کا کچھ کر دیا
ہے اور آخر کار آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پورے درجہ کا عاصی اور گناہگار قرار دیا ہے اگرچہ لفظی صفائیوں سے اقرار کرتے ہیں کہ آدم نے شیطان کے کلام کی عمداً تصدیق نہیں
کی بلکہ اس کے قول کی تصدیق تو رہی درکنار اس کے صادق ہونے پر وہم بھی نہیں کیا۔ مگر جب دیکھتے ہیں کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام باوجود عقل و ہوش
و علم لدنی و تعلیم ربانی رکھنے کے اور ملائکہ پر الٰہی فضیلت اور سبقت پا چکنے کے شیطان کی باتوں کی طرف مائل ہو گیا تو پھر کہہ دیتے ہیں کہ یہ فقط غلبہ قوت
بہیمی کے سبب سے زلہ ہو گیا اور ملکی قوت مغلوب ہو گئی۔ مگر ان کا یہ کہنا بھی آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بری نہیں کر سکتا۔ اور بعض کہتے
ہیں کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا کا حکم بالکل یاد سے جاتا رہا۔ کیونکہ اسکی نسبت اللہ تعالیٰ فنسی فرماتا ہے مگر دیکھ چکے ہو کہ ابلیس کے روبرو سے آدم علیہ الصلوٰۃ
والسلام بار بار اس نہی کو یاد کرتے بلکہ ابلیس کو قائل کرانا چاہتے ہیں پس نسی کا لفظی ترجمہ جو لوگ کر بیٹھتے ہیں وہ بھی غلط نکلا۔ علیٰ ہذا القیاس اس امت مرحومہ میں ہمیشہ لوگ آدم
کی عصمت پر سے اس داغ کو اتارنے کی کوشش کرتے چلے آئے ہیں مگر ہماری تسلی ان میں کسی سے نہیں ہو سکی اس واسطے ہم بھی بحیثیت ایک مومن ہونے کے اپنا فرض اعلیٰ سمجھتے ہیں کہ دیگر
انبیاء کی عصمت کی طرح اس پاک اور معصوم نبی صفی اللہ کی عصمت کو بیان کریں اور انکی عصمت جس جس طرح قرآنی آیات سے سمجھ میں آ سکتی ہے۔ لوگوں کو سمجھا دیں اور عام المفسرین
کے قصے کہانیوں کی جو تورات کتاب پیدائش باب ۳ میں مرقوم ہیں یکقلم تکذیب کر ڈالیں جن سے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر داغ لگتا ہے"

سلہ اوپر کا کلیہ قاعدہ اس آیت ویحل لھم الطیبٰت ویحرم علیھم الخبٰئث الآیہ پ ۹ ع ۱۹۔ اور اس آیت کی تفسیر حقانی یعنی حدیث نبوی
صلی اللہ علیہ وسلم سے بنایا گیا ہے۔ مشکوٰۃ دیکھو باب ما یحل اکلہ الخ و باب بیان الخمر کی احادیث پڑھنی چاہئیں۔

نہیں پائی جاتی تو محض اپنی اجتہادی غلطی سے یا فقط بشریت کی وجہ سے ایک حلال چیز کو حرام بنا بیٹھے ہوا۔ اس لئے حکیم خدا کی حکمت بالغہ پر بٹا لگا تے ہو۔ آدم
نے فرمایا بہت سی حلال طیب چیزیں ہوتی ہیں مگر حکمت ربانی سے وہ کسی خاص وقت تک عارضی طور پر حرام کی جاتی ہیں اور ان میں سے اس رب العالمین کی
ربوبیت تامہ سے مربوبیت کی تعین تربیت مقصود ہوتی ہے مثلاً روزہ دار کو حلال چیزیں کھانے پینے کی ممانعت وغیرہ وغیرہ۔
ابلیس نے کہا کہ اگر عارضی ہی ہو تو مضائقہ نہیں مگر یہ تم سے بیان کرتے ہو ایسی تو قریباً بالکل کی تعمیر کے واقف ہو یا بڑی حقیقت معلوم ہوتی ہے آدم علیہ الصلوٰۃ
والسلام نے کہا کہ اچھا تم ہی بتاؤ کہ میں اپنی سمجھ میں کس طرح غلطی کر رہا ہوں اور تم کہتے ہو کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اب بھی یقین ہو جانا یقین کیا بلکہ اگر
ان کو اس امر کا مغالطہ بھی ہو جاتا کہ یہ سب باتیں اور یہ مناظرہ شیطان نہیں ہے تو یہ وقت اتفاق سے اور اس کو مدد دوں تو ان کے کیے کا الٹا ہی ہے مگر صورت اس قسم
کی واقع ہوگئی کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس طرف خیال کرنے کا موقع ہی نہیں ملا کہ یہ ابلیس لعین ہے) ابلیس نے کہا کہ جناب آپ کو یقین ہے کہ کوئی بھی ایسا
پھل نہیں ہے جس میں جنت کی کوئی بھی علت پائی جاتی ہو اور یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ آپ کے خیال کے مطابق اس کی تحریم ہمیشگی نہیں بلکہ وقت معین تک کسی عارضی
حرمت سے نہیں ہے بلکہ بڑی حرمت ہے اور ایسا کام خلاف حکمت حکیم کی شان سے ہو تو خواہ یقین کرنا چاہئے کہ اپنی سمجھ کی غلطی ہے خدا وند تعالیٰ کا یہ منشا یا مقصود
نہیں ہے۔ اب میں تقریر کرتا ہوں آپ غور سے سنیں اور کہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ خبر انشا بن جاتی ہے اور خبر نفی بھی نہی کا کام کرتی ہے اسی طرح اس کے
عکس امر اور نہی بھی خبر کا کام کرتے ہیں۔ پس لا تقربا ہٰذہ الشجرۃ فتکونا من الظٰلمین میں لا تقربا معنی خبر ہے یعنی لا تقربان ہٰذہ الشجرۃ فتکونا
من الظٰلمین یعنی تم اس درخت کے نزدیک نہ جاؤ گے اگر جاؤ گے تو تم ظالموں سے ہو جاؤ گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ درخت ایسا ہے کہ اس کی تاثیر اور زمینوں
کی تاثیر سے قوت ملکی کی حق میں مفید ہے تاکہ تمہارا اختیار ہے کہ چاہو تو اس کو کھاؤ چاہو تو نہ کھاؤ۔ مگر اگر کھاؤ گے تو تم فرشتوں کی طرح ہو جاؤ گے یعنی جس طرح
ان کی قوت ملکی غالب ہے تمہاری قوت ملکی بھی غالب رہا کرے گی اور پھر جب مر جاؤ گے تو پھر ملائک کی طرح یعنی جنت میں جاکر ہمیشہ ہمیشہ رہو گے۔ اور تم کہتا ہے کہ
شیطان کی یہ تقریر اس آیت میں سے لی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ نقل کی ہے ما نہٰکما ربکما عن ہٰذہ الشجرۃ الا ان تکونا ملکین او تکونا
من الخٰلدین جس کا ترجمہ یہ ہے جو کہا ہے تو گویا وہ فتکونا من الظٰلمین کا ترجمہ تکونا ملکین او تکونا من الخٰلدین کرتا ہے۔ پھر آدم علیہ الصلوٰۃ
والسلام نے اس کی یہ تقریر سن کر کہا اور فرمایا لا تقربا کا یعنی تو لا تقربان ہو گیا اور فتکونا من الظٰلمین کا ترجمہ تم ملکین اور من الخٰلدین کس طرح کرتے
ہو۔ ابلیس نے کہا کہ ظلم تین قسم کا ہوتا ہے ایک تو حقوق اللہ میں جیسے ان الشرک لظلم عظیم (پ ۲۱ ع ۲) دوسرا حقوق العباد میں جیسے ومن لم یحکم بما انزل اللہ
فاولٰئک ہم الظٰلمون (پ ۶ ع ۱۱) یعنی جو اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے فرمان کے مطابق فیصلہ نہ کریں گے تو وہی ظالم ہیں۔ تیسری قسم کا ظلم ہوتا ہے نفس امارہ پر
ظلم کرنا ہوتا ہے نفس کو یہ کرنا یعنی قوت بہیمیہ کو مغلوب و مقہور کرنا مثلاً روزہ رکھنا نماز پڑھنا تہجد پڑھنا حج کرنا وغیرہ وغیرہ من التکالیف
الشرعیہ۔ کیونکہ ظلم کے معنی کم کرنا اور کم دینا بھی تو ہیں جیسے بہت سی آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو پورا پورا بدلہ دیا جائیگا اور رتی بھر بھی
بھی ان کے اجور میں سے کم نہ کیا جائیگا اور یہاں سب جگہ ظلم کے معنی کم کرنے یا کم رہنے کے ہی ہیں جیسے و لا تظلمون فتیلا (پ ۵ ع ۷) و لا تظلمون فتیلا
(پ ۱۵ ع ۸) وغیرہ وغیرہ۔ و لم تظلم منہ شیئا (پ ۱۵ ع ۱۷) یعنی ہر ایک باغ پھل لانے میں کچھ بھی کمی نہ کرتا تھا۔ پس اگر قوت ملکی پر ظلم کیا جاوے یعنی اس کی
تربیت میں کمی کی جاویگی تو یہ ظلم مذموم ہوگا اور اگر قوت بہیمی اور قوت سبعی کے طغیان و زور کو توڑ کر ان کو مغلوب و منکوب کر کے حد اعتدال پر لا کر قوت ملکی کے
ماتحت کیا جاوے تو یہ ظلم محمود ہوگا۔ کما قال اللہ تعالیٰ جل شانہ

فاما من طغٰی ۝ و اٰثر الحیٰوۃ الدنیا ۝ فان الجحیم ہی الماوٰی (پ ۳۰ ع ۲)
واما من خاف مقام ربہ ونہی النفس عن الہوٰی ۝ فان الجنۃ ہی الماوٰی ۝

" سو جو کوئی طغیان اختیار کریگا یعنی قوت ملکی پر ظلم کریگا اسکو قوت بہیمی
و قوت سبعی کا ماتحت کر دیگا اور اس فانی زندگی کو مقدم رکھیگا تو بس اسکا ٹھکانا
دوزخ ہی ہوگا اور جو کوئی اپنے رب کے سامنے پیش ہونے سے ڈرتا ہے اور اپنے نفس کو ہر قسم کی ہوا سے روکتا رہتا ہے تو بس اس کا ٹھکانا جنت ہی ہوگا "
پس نفس امارہ پر ظلم کرنا ہی جنت کا وارث بنانا ہے۔ سو اے آدم اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کسی میوہ دار درخت کا پھل کھانا شرک ہے یا کسی دوسرے
بندہ کی حق تلفی ہے۔ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا کہ یہ تو شرک ہے نہ اور دوسرے کی حق تلفی بھی نہیں۔ ابلیس نے کہا کہ بس یہ ظلم تیسری قسم کے ظالم
کثیر سے اور وہ ظلم محمود ہوتا ہے یعنی فتکونا من الظٰلمین کے معنے وہی نکلے جو میں بیان کر رہا ہوں یعنی ان تکونا ملکین او تکونا من الخٰلدین یعنی تمہاری
ملکی قوت غالب ہو جاویگی اور تم اپنی یہاں کی زندگی ملائکہ کی طرح بسر کرو گے اور بعد مرگ جنت میں داخل ہو جاؤ گے جہاں پر خانہ کا خلود ہے۔ پس آدم علیہ
اس لعین کے دھوکے میں آگئے اور اس طرح پر تسلیم کر لیا کہ واقعی یہ میری غلط فہمی ہے۔ خدا وند تعالیٰ نے تو مجھ کو اس درخت کو دیا دو ترغیب دی ہے یعنی قوت

ملکی بنایا ہے میں خواہ مخواہ خداوند تعالیٰ کی حکمت برباد اور اسکے منشا حکیمانہ کے خلاف کر رہا ہوں کہ اس پھل کو نہیں کھاتا ہوں۔ پس میاں بی بی کو پتہ نہ لگا کہ یہہ بہادر منافق اور یہہ بڑا بھاری مولوی ابلیس لعین ہے اسکو کوئی فرشتہ ہی سمجھتے رہے اور اپنے فہم سلیم کو غلط مان کر اس کے مغالطے میں آگئے۔ ہرگز ہرگز نہ تو خود آدم نے اور حوا نے جرات کر کے عمداً خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے۔ ان دونوں کے اس طرح پر شیطانی مغالطہ کھا جانے کو اللہ تعالیٰ یوں تعبیر فرماتا ہے فدلٰہما بغرور یعنے ابلیس نے ان کو مغالطہ دیکر نیچے گرا دیا جیسے کوئی پانی نکالنے کے لئے کنوئیں میں ڈول پھینکتا ہے یعنی ان کے سلیم فہم کو غلط قرار دیکر اعلیٰ درجہ کی منزل سے نیچے گرا دیا حقیقت میں لا تقربا ھٰذہ الشجرۃ فتکونا من الظلمین میں نہی تحریمی ہے اور ظالمین سے مراد ظالمین لانفسھم یعنے مجرمین ہی ہے نہ کہ نفس امارہ کی سرکوبی کرنے والے۔ اور اگرچہ کوئی پھل بھی حرام نہیں ہے بلکہ سب کے سب حلال طیب ہیں مگر حلال طیب پھل پر ہی حصر کیا ہے جو حلال طیب چیزیں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ الصلوۃ والسلام کیواسطے پیدا کر رکھی ہیں ان کو وہ کبھی کبھی عارضی طور پر محض تربیت و اصلاح و تزکیہ کے واسطے حرام کر دیتا ہے مثلاً روزہ دار کو روزے کی حالت میں یہی حلال طیب چیزیں کھانی پینی حرام ہیں۔ نمازی کو حالت نماز میں بھی حلال طیب چیزیں حرام ہیں علیٰ ہٰذا القیاس حاجی اور جنبی اور حائض اور معتکف کے حال پر نظر کر لو اور یہہ ساری ممانعتیں محض اُس رب العالمین نے آدمی اور جن کی تہذیب نفس اور اصلاح و تزکیہ کیلئے فرمائی ہیں اور بس۔ نہر طالوت کا پانی بالکل صاف اور حلال طیب تھا مگر ایک عارضی وقت کے لئے محض اس لشکر کی تنبیہ کے لئے کہ اُنکو لشکر میں سے بہت تھوڑے سے فرمانبردار ہیں اور اکثر نافرمان ہیں اسواسطے کثرت لشکر پر فریفتہ اور مغرور نہ ہو جاوے حکم دیدیا کہ اس دریا میں سے کوئی شخص بھی پانی نہ پیئے اور یہہ بھی سنا دیا گیا کہ جو کوئی پیئے گا وہ ہمارا نہیں ہے ہاں اگر کوئی مضطر ہوکر ایک چلو بھر لے لیگا تو کچھ مضائقہ نہیں ہے پانی کے پاک اور طیب اور حلال ہونے میں کوئی شک نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ چلو بھر پانی پینے کی اجازت دیتا ہے اگر پانی ناپاک یا زہرناک یا کسی اور عارضہ والا ہوتا تو شرعاً ناجائز ہوتا ہے تو ہرگز چلو بھر کی بھی اجازت نہ دیتا۔ مگر کل دریا کے پانی پینے سے ممانعت کر دی جسمیں بڑی بھاری حکمت تھی جو بیان ہو چکی ہے۔ اب اس قسم کی شیطانی تاویلیں کرنے کی حاجت نہیں تھی کہ صاف اور حلال اور طیب پانی سے بھی اللہ تعالیٰ نے کبھی ممانعت کیا کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو ممانعت ہوئی تھی معلوم نہیں کہ وہ کسقدر ایک عارضی وقت کے لئے تھی پھر نہ رہتی جیسے شام کے وقت روزہ دار کو منہی عنہ چیز کھا پی لینے کی اجازت ہو جاتی ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ درخت منہی عنہ ضرور ضرور یقیناً یقیناً حلال طیب تھا خبیث اور نفس الامر میں مفسد اور مضر نہیں تھا ورنہ آدم علیہ الصلوۃ والسلام جیسا رسول جو خدا تعالیٰ کا پڑھایا ہوا تھا ہرگز ہرگز اس کے نزدیک نہ جاتا۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ انجیر کا پیڑ تھا کوئی کہتے ہیں گندم کا کوئی کہتے ہیں انگور کا۔ غرضکہ کچھ ہی ہو اگر ان میں سے ہی کوئی درخت تھا تو یہہ سب کے سب حلال طیب ہیں اور سب کے سب مفید اور نفیس ہیں۔ غلطی صرف ابلیس کے اس مغالطے سے لگ گئی کہ یہہ درخت بذاتہ مسکر اور مضر نہیں ہے پھر خداوند تعالیٰ نے منع کیوں کر دیا تھا۔ جب یہہ وسوسہ دل میں بیٹھ گیا تو اب آگے نہی کو نفی اور ظالمین کے لفظ کا محل نیک تلاش کرنا پڑا وغیرہ وغیرہ۔ غرضکہ آدم علیہ الصلوۃ والسلام بالکل پاک اور معصوم نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ خود ان کی عصمت کی شہادت دیتا ہے جیسا اوپر ذکر ہو چکا ہے اور ان کی عصمت ایسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ کسی آئیت میں ان کی نسبت کوئی ایسا معنے نہ سمجھا جاوے جو ان کی عصمت کے خلاف ہو ورنہ آیات میں اختلاف اور ایک دوسری کی تکذیب لازم آویگی۔ مثلاً اسی آئیت کو دیکھو جو پہلے لکھی جا چکی ہے کہ کسقدر دھوکہ والا اور کسقدر خطرناک معنی تفسیروں میں درج ہیں

ما نھٰکما ربکما عن ھٰذہ الشجرۃ الا ان تکونا ملکین او تکونا من الخٰلدین ۝ وقاسمھما انی لکما لمن النٰصحین ۝ (پ ۸ ع ۹)	تمہارے رب نے جو اس درخت کے کھانے سے تم کو منا ہی کردی ہے تو اس کا سبب فقط یہی ہے کہ مبادا تم فرشتے بن جاؤ یا مبادا تم سدا جیتے رہو اور ان دونوں سے قسمیں کھائیں کہ میں واقعی تمہارا خیر خواہ ہوں"

اس ترجمہ میں جو حقیقت میں سراسر غلط ہے کس قدر خرابیاں ہیں (۱) یہہ مان لینا کہ ابلیس کو آدم علیہ الصلوۃ والسلام پہچانتے اور جانتے تھے باوجود جاننے پہچاننے کے پھر بھی ان کو خیر خواہ سمجھ بیٹھے اور اپنے پاس بٹھا لیا۔ حالانکہ قرآن مجید سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا کہ وہ اس ملعون کو پہچانتے تھے البتہ ان کو اس کے نام اور اس کی عداوت کا پتہ بتا یا جا چکا ہوا تھا سو نام کے جاننے سے کیا ہو سکتا ہے جب تک نام والے کو جانا پہچانا نہ ہو۔ (۲) آدم اور ابلیس دونوں مانتے ہیں کہ نہی تحریمی ہے (۳) آدم کو جو اللہ کا رسول اور بڑا بھاری عقلمند اور اللہ کا پڑھایا ہوا۔ اسکو ابلیس اس طرح پر کہے کہ اس پھل کو جس کے کھانے کی منا ہی کی گئی ہے کھا لو کیونکہ تم فرشتے بنجاؤگے یا تم سدا جیتے رہو گے تم کو موت نہ آویگی۔ خدا تمہارا خیر خواہ نہیں ہے بلکہ میں ابلیس لعین تمہارا خیر خواہ ہوں۔ خدا نے منع اسواسطے کیا ہے کہ تم سدا جیتے نہ رہو یا تم فرشتے نہ بنجاؤ۔ عقلمند ذرا ہوش سے کام لے کہ آدم علیہ الصلوۃ والسلام معاذ اللہ کوئی نادان بچے تھے۔ یا معاذ اللہ ان کا ہوش قایم نہ تھا کہ وہ اس قسم کی کچی باتیں سنتے اور سنکر خدا کو دشمن اور شیطان کو

خیر خواہ سمجھ بیٹھے یا ان کو اتنا علم نہ تھا کہ میں بشر کی جنس سے ہوں میں اپنی حقیقت اور ماہیت بدل کر فرشتہ نہیں ہو سکتا اور پھر فرشتہ بھی وہ جس سے میں ابھی امتحان میں زیادہ نمبر لے گیا ہوں۔ کیا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اتنا علم نہ تھا کہ خداوند تعالیٰ کے سوائے بقا کسی کو نہیں ہے سب کو مرنا ہے۔ یہ باتیں سب ہیچ پوچ ہیں اور باطل اسرائیلیات میں سے ہیں دیکھو توریت کتاب پیدائش باب ۲-۳۔ یہ صرف دھوکے ہوتے ہیں اور پھر اگر ذرہ سا حوالہ کسی پہلی کتاب میں مل گیا تو بس اسی حوالہ کو محض حسن ظنی سے کہ یہ آسمانی کتابیں ہیں قرآن کی تفسیر اور تفصیل سمجھ بیٹھتے ہیں۔ اصل بات وہی ہے جو اوپر بہ بسط تمام لکھ چکے ہیں۔ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ابلیس کو جانتے بھی نہیں تھے اور درخت منہی عنہ کے کھانے کو نہی تحریمی سمجھتے تھے شیطان نے انکو روکا کہا کہ ما نھکما یعنے کوئی نہی نہیں ہے الا ان تکونا ملکین او تکونا من الخلدین بلکہ اس میں تو یہ ترغیب ہے کہ اس پھل کی یہ تاثیر ہے کہ اس سے قوت ملکی بڑھتی ہے اور نتیجہ بعد موت جنت ہے۔ الا یعنے لکن ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے لکن من شانہا ان تکونا علیہا ملکین الخ یعنے لیکن اس درخت کی شان یہ ہے کہ اسکے کھانے سے تم ملک بن جاؤ گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور ملک کے معنے فرشتہ سیرت کے بھی ہوتے ہیں جیسے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مصر کی عورتوں نے ملک کا خطاب دیا یہ معنے نہیں ہیں کہ انسان اپنی انسانیت اور ماہیت کو مبدل بہ محض ملکیت کر دے اور خلدین کے معنے بھی یہی ہیں کہ بعد مرگ جنت میں ہمیشہ رہنے والے نہ کہ اس دار الفنا سے کبھی بھی نہ مرنے والے۔ آدم تو رسول اللہ تھے بچہ نہ تھے کہ آب حیات کے لٹو تھے۔ اسی طرح ہل ادلک علی شجرۃ الخلد وملک لا یبلی کے معنے اسی آیت کے مطابق کئے گئے ہیں ایسا درخت کہ جسکے کھانے سے دار الخلد ملتا ہے اور ایسی بادشاہی جسکو فنا نہیں یعنے بعد الموت نہ کہ اس دار الفنا میں۔ پس اس طرح پر چاروں آیتیں ایک دوسری کی مصدق اور موید اور مفصل و مفسر ہوتی ہیں اور کوئی دھبہ نہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عصمت پر نہ ان کی عقل نہ ان کی رسالت پر نہ ان کے علم پر لگتا ہے اور وہ مطابق شہادت آیۃ بالکل معصوم اور پاک ہو جاتے ہیں فقط نرا ہی زلہ رہ جاتا ہے سو وہ اللہ تعالیٰ کے سوائے باقی جملہ مخلوقات میں کم و بیش ہوتے رہتے ہیں کیونکہ فقط منزہ و مسبح و مقدس پروردگار ہی ہے اور بس اور یہ زلات انبیاء بالکل معاف اور ناقابل التفات ہوتے ہیں۔ الحمد للہ الذی ہدانا لہذا وما کنا لنہتدی لولا ان ہدانا اللہ۔

پس جب اُن سے یہ زلہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے پھر فرمایا ہے کہ جن نعمتوں اور عزتوں میں وہ یہاں ملے جلے رہتے تھے وہ سب ان سے لے لئے گئے کیونکہ انکو شرط ہی یہی تھی جیسا تم اوپر پڑھ چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا تھا فلا یخرجنکما من الجنۃ فتشقی ۔۔۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں کوئی دھوکہ دیکر اس باغ میں سے نکال باہر کرے پھر تجھے اپنے ہاتھ کی محنت مزدوری سے گذارہ کرنا پڑے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔ پس اس خبر کے مطابق جو بمنزلہ وعدہ تھا ان کو نکلنے کا حکم ہو گیا اور کہا گیا اھبطوا بعضکم لبعض عدو ۔۔۔ الی حین یعنی اس باغ کو چھوڑ دو اور یہاں سے اتنی کی زمین میں جا کر آباد ہو جاؤ اور اپنے ہاتھ کی مزدوری سے روٹی کھاؤ اور اب تم کو مرنا بھی یہیں ہوگا اور یہیں پر ہی زندہ ہو کر خدا کے سامنے حساب کتاب دینے کے لئے حاضری دینی ہوگی۔ مگر اب دیکھنا یہ ہے کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس باغ میں سے نکل جانے کا حکم کب ہوا اور ان کو کس طرح پتہ لگا کہ میں ابلیس لعین کے دھوکہ میں آ گیا ہوں اور اس کی بے ایمانی کی وجہ سے نہی کو نفی بنا کر اور اس کی شیطانی تاویلوں کی آڑ میں آ کر ظلم کر بیٹھا ہوں۔ سو اسکی بابت اللہ تعالیٰ دوسری جگہ بیان فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کو جتایا ہے کما قال اللہ تعالیٰ

فلما ذاقا الشجرۃ بدت لہما سوآتہما وطفقا یخصفان علیہما من ورق الجنۃ وناداہما ربہما الم انہکما عن تلکما الشجرۃ واقل لکما ان الشیطن لکما عدو مبین (پ ۸ ع [illegible])

یعنی پھر جب آدم اور حوا علیہما الصلوٰۃ والسلام نے اس درخت منہی عنہ کا پھل چکھ لیا تو ان کو پتہ لگ گیا کہ یہ ظلم اور برا کام ہوا اس پھل کے کھانے سے جو ہو گیا ان پر کھل گیا اور ہماری شرط فتشقی کے موافق لگے اب بچا سکے اور اس باغ کی نعمتوں اور طرح طرح کے میووں اور پھلوں کے کھانے سے اسی باغ کے پتوں کو اوڑھنے بیٹھے جیسے کہ پیاس اور سردی و گرمی سے بچنے کے لئے جو ستر پوشی ہوا ہیں ان کا شغل کرنے لگے اور ان کو یہ پتہ لگ گیا کہ وہ ظالم ہو گئے ہیں اور شیطان کے دھوکہ میں آ گئے ہیں اور اس طرح پر کہ اللہ تعالیٰ نے انکو پکار کر یوں پوچھا کہ کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت کے پھل کھانے سے منع نہیں کیا تھا اور تم سے یہ نہیں کہہ دیا تھا کہ شیطان فی الواقع تم دونوں کا بڑا بھاری اور کھلا ہوا دشمن ہے۔

اس آیت میں بہ تقلید محرف اسرائیلیات توریت کتاب پیدائش باب [illegible] کے اکثر مفسرین نے [illegible] لکھا ہے بدت لہما سوآتہما وطفقا یخصفان علیہما من ورق الجنۃ کے معنے یہ کئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے نوری لباس اتروا لیا اور ان کو ننگے کر کے نکال دیا اس سے پہلے ان کو اپنی شرمگاہوں کا علم نہ تھا مگر اب انکو اپنی شرمگاہیں نظر آنے لگیں۔ پس جب نظر کی شرم [illegible]

تو اسی وقت جنت کے پتوں خاصکر درخت انجیر کے پتوں کو اپنی شرمگاہوں پر چپکانے لگے۔ یہہ ترجمہ بالکل غلط ہے اس سے خدا کی رحمانیت اور آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عصمت اور اللہ تعالیٰ کی شہادت عصمت آدم سب کی سب خاک میں مل جاتی ہیں۔ بطور عتاب و سزا اللہ تعالیٰ کبھی کسی کو ننگا کر دینے کی سزا نہیں دیتا الٰہی شریعت میں عمداً ننگا ہونے والا ننگا ہو کر دوسرے سے بحالت عریانی باتیں کرنے والا دوسروں کے کپڑے اتار کر ننگا کرنے والا سب کے سب ملعون ہیں اور خدا تعالیٰ تو دوزخ کے اندر بھی دوزخیوں کو بھی ننگا نہیں رکھیگا بلکہ ان کے لحاف اور کرتے اور پاجامے اور جوتیاں وغیرہ سب کے سب آگ کے ہوں گے جیسا کہ قرآن مجید شاہد ہے۔ دنیا میں بھی جسقدر عذاب نازل ہوئے ہیں ان میں سے اس قسم کا عذاب جیسا معاذ اللہ بمطابق خرافات اہل کتاب آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے رسول مقبول کو ہوا کسی کو نہیں ہوا۔ یہاں بھی لفظ سوآت جو جمع سوأۃ کی ہے مغالطہ لگتا ہے۔ سوأۃ شرمگاہ کو بھی کہتے ہیں اور برائی اور رسوائی اور ذلت کو بھی کہتے ہیں ادھر لفظ سوأۃ تھا اور ادھر اسرائیلیات اباطیل میں آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عریانی کا مفصل ذکر دیکھا گیا تو حسن ظنی کر کے فوراً سوأۃ کا ترجمہ شرمگاہ کر لیا اور جب شرمگاہ ننگے ہو گئے تو بس جھٹ اسکے لوازمات یخصفٰن علیہما من ورق الجنۃ کا معنے لفظی سمجھ کر یہہ اعتقاد جما بیٹھے کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام انجیر کے پتوں سے اپنی شرمگاہوں کو چھپانے لگے۔ حالانکہ یہہ بھی منجملہ ان محاورات کی ہے جو قرآن مجید میں بکثرت آتے ہیں اور جس طرح اس جگہ اور اسی قسم کی کئی اور جگہوں کے ترجمے اور تفسیریں محض ظاہر لفظوں پر ہو گئے ہیں اسی طرح پہلی آسمانی کتابوں کے ترجمے بھی اسی طرح غلط اور نادرست ہو ہو کر کچھ کا کچھ مطلب بن گئے ہوئے ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید ان پہلی کتب سماویہ کی تحریفات کی شہادت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پہلی آسمانی کتابوں میں بھی بالیقین اس جگہ یہی مجاز تھا۔ اس مجاز کو نادان اصحاب ظواہر نے ظاہر پر حمل کر کے اصل حقیقت کو گم کر دیا اب انہیں مجازات کو اس پاک آسمانی کتاب یعنی جو ام الکتاب ہے اللہ تعالیٰ نے مستعمل فرمایا ہے ہمارے مفسرین رحمہم اللہ اجمعین نے اس حسن ظنی سے کہ پہلی آسمانی کتابوں میں اسکی تفصیل بالتشریح موجود ہے اس غلط تفسیر اور نادرست تفصیل کو قرآن مجید کی تفسیر سمجھ کر وہی اعتقاد پیدا کر لیا جو اہل کتاب کا تھا۔ اصل بات یہہ ہے کہ قرآن مجید میں بطور مجاز کئی چیزوں کو لباس فرمایا گیا ہے مثلاً میاں بی بی اور لیل اور تقویٰ اور جوع کو لباس سے تعبیر فرمایا ہے اور یہہ عام استعمال قرآنی ہے مثلاً ھن لباس لکم وانتم لباس لھن ـ وجعلنا اللیل لباسا ـ ولباس التقوٰی ـ ولباس الجوع والخوف ... تو اس آیت میں بھی بطور مجاز اس آیت کی تفصیل کو جو پہلے لکھی جا چکی ہے یعنے باغ سے نکالے جاؤ گے تو پھر تم کو اپنے ہاتھ کی مزدوری سے گذارہ کرنا پڑیگا اور یہہ سارے مزے جو اس باغ میں ہیں کہ بھوک اور فاقہ کی تم کو فکر نہیں ہے کپڑے لتے اور سردی گرمی کے سامان بہم پہونچانے کی تکلیف کا تم کو خیال نہیں ہے وغیرہ وغیرہ جاتے رہینگے یہاں پر اجمالی طور سے ان لفظوں میں بیان فرمادیا وطفقا یخصفٰن علیہما من ورق الجنۃ یعنے جس باغ میں طرح بطرح کے میوے کھاتے تھے اب بجائے میووں کے اسی باغ کے پتوں کا لباس پہننے لگے یعنے بھوکے مرنے لگے اور تلاش معاش کرنے لگے اور بدت لھما سوآتھما اشارہ ہے ابلیس لعین کے اس اصلی غرض کی طرف جس غرض کو اپنے جی میں ٹھان کر وہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس گیا تھا یعنے لیبدی لھما ما وری عنہما من سوآتھما یعنے تاکہ وہ شیطان آدم اور حوا کی اس برائی اور شرمناک بات کو جو انپر مخفی تھی اور جس سے وہ بالکل بے عیب اور معصوم تھے ان پر کھولدے یعنے ان کو پھل کھلا کر رسوا اور ذلیل کردے۔ پس اللہ تعالیٰ نے شیطان کی اس غرض کو جسے وہ حاصل کرنا چاہتا تھا اور جو اب حاصل ہو چکی ہے انہیں الفاظ کے ساتھ فرمایا ہے بدت لھما سوآتھما۔ باقی رہی یہہ بات کہ بدت لھما سوآتھما تو پہلے بیان ہو چکا ہے اور اسکا سبب جس سے ان کو اپنی بدی معلوم ہوئی پیچھے بیان ہوا یعنے ونادٰیھما ربھما الایۃ تو اس کی کیا وجہ ہے سو واضح ہو کہ بقاعدہ صنعت تقدیم ماحقہ التاخیر لیفید الحصر والاہتمام اصلی نتیجہ اکل شجرۃ پہلے بیان کر دیا ہے کیونکہ اصل میں مہتم بالشان تو فقط اپنی بدی کا پتہ لگ جانا تھا اور اس بدی کے پتہ لگ جانے کا موجب یعنی خداوند تعالیٰ کا فرمانا کہ کیا میں نے تم کو منع نہیں کیا تھا الخ مہتم بالشان اور مقصود بالذات نہیں ہے۔ اس آیت کی زیادہ تر تشریح اپنے محل پر ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ سردست اس محل کے مناسب اتنا ہی کافی ہے۔ غرضکہ جب آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کے فرمانے سے پتہ لگ گیا کہ مجھے شیطان دھوکہ دیگیا ہے اور یہہ ہی ولاتقربا ھذہ الشجرۃ فتکونا من الظٰلمین مجھ سے تڑوا لیا ہے تو لگے اب اپنی اس ظالم بننے کو دیکھ دیکھ کر رونے اور توبہ فریاد

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخٰسرین ۞

کرنے اور یوں پکارنے کہ اے ہمارے رب جسنے ہم کو پیدا کر کے روحانی تربیت یہانتک کی کہ مقابلہ کرنے والے فرشتے بھی ہم سے پیچھے رہ گئے اور جسمانی تربیت کے لئے یہانتک سامان مہیا کر دیئے کہ ہم کو اعلیٰ درجہ کا باغ جو ہماری سب قسم کی ضروریات کے لئے کافی و وافی تھا عطا فرمایا۔ ہم نے تیری نہی کو توڑا اور تیرے فرمودہ کے مطابق ظالم بن گئے اور اگر تو ہمارا یہہ گناہ معاف نہ فرمائے اور احسانات کرنے کے بعد ہم پر اپنی مہربانی نہ کرے تو ضرور ضرور ہم ان

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى

آدم کی توبہ قبول ہوئی پھر جب انکے دل میں یہہ خیال پیدا ہوا کہ اب اس باغ میں سے نہیں نکالے جاوینگے تو ہمنے محض ازراہ تربیت روحانی اُن کو اس خیال کے دور کرنے

فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

اور اپنا وعدہ فتنشقی وغیرہ کو پورا کرنے کیواسطے دوبارہ حکم دیا کہ نہیں تم سب یہاں سے نکل جاؤ پھر جو میری طرف سے تمہارے پاس کسی وقت بھی کچھ ہدایت بھی پہنچے تو اسکو دل سے قبول کرکے

لوگوں میں سے بن جاوینگے جو نفع پہنچانا تو درکنار اپنا راس المال بھی ہلاک کر بیٹھتے ہیں !

یہی دعا ہے جسکو بطور اختصار اس زیر تفسیر فتلقی آدم من ربہ کلمات میں اللہ تعالے نے فقط یہ لفظ کلمات بیان فرمایا ہے اور چونکہ اللہ تعالے نے آدم اور حوا علیہما الصلوٰۃ والسلام کی نسبت جہاں یہہ دعا ذکر فرمائی ہے فرماتا ہے قالا ربنا الایہ یعنے اُن دونوں نے یہہ دعا مانگی اسواسطے یقینی طور پر فتلقی آدم من ربہ کلمات کے معنے ہیں قالا ربنا ظلمنا انفسنا الایہ اور یقینی طور پر فتلقی کے معنے وہی ہیں جو ہم نے متن میں اختیار کئے ہیں یعنے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ربکے سکھائے ہوئے کلمات جو بوقت تعلیم وعلم آدم الاسماء کلہا سیکھے تھے یاد کیکے فوراً ان پر عمل کرلیا اور انہ ہو التواب الرحیم فرمانکے حضور میں رونا شروع کیا اسکے یہہ معنے نہیں ہیں کہ اب فرشتہ بھیجا تھا اللہ تعالے نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہہ کلمات سکھائے اور اس سے پہلے ان کو یہہ کلمات یاد نہیں تھے غرضیکہ آدم اور حوا علیہما الصلوٰۃ والسلام کی توبہ اللہ تعالے نے قبول فرمائی اور ان کے اس زلہ کو معاف فرمایا مگر اپنی اُس شرط کو جو اُن سے پہلے کی تھی محض ان کی تربیت روحانی وایمانی کے لئے پورا کیا یعنے اُن کا باغ ضبط کرلیا اور فرمایا کہ دو یہاں سے تم بھی اور تمہاری اولاد بھی اور شیطان لعین بھی اور اس کی ذریات بھی سب کے سب یہاں سے چلے جاؤ اور یہہ سمجھ لو کہ تمہیں دینی ودنیوی معاملات میں سخت دشمن رہیگا اور یہہ باہمی مخالفت قیامت تک جاری رہیگی۔ اب اسی زمین میں آپ ہی کماؤ اور آپ ہی کھاؤ فیہا تحیون وفیہا تموتون ومنہا تخرجون اسی میں زندگی بسر کرو اسی میں تم کو موت آئیگی اور پھر اسی میں سے تم زندہ کئے جاؤ گے۔ سو اب ہماری اس ہدایت کو یاد رکھو کہ تمہارے پاس اب ہماری کئی قسم کے احکام ونواہی پہنچتے رہا کرینگے۔ سو ان میں بھی ہماری یہی سنت جاری رہیگی کہ جو ہمارے اس رستہ پر چلتے رہیں گے تو اُن کو نہ تو کسی قسم کا خوف ہی ہوگا اور نہ کسی قسم کا کوئی غم واندوہ اور جو لوگ اپنے افعال سے کفر کو پسند کرکے بیٹھا کرینگے اور ہمارے احکام کی تکذیب کرا کرینگے تو وہ دوزخ میں ڈالے جاوینگے اور پھر سدا اسی دوزخ میں رہیں گے۔ ان آیات میں فقط اتنا نکتہ باقی رہ گیا ہے کہ قلنا اھبطوا دو دفعہ کیوں آیا ہے سو پہلی جگہ تو زلہ کی سزا کے لئے فرمایا کہ اب یہاں سے نکل جاؤ پھر چونکہ یہہ حکم سنتے ہی اسی وقت اسی جگہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے توبہ کی یعنی اسی وقت اسی جگہ توبہ قبول بھی ہوگئی اسواسطے وہ اپنے دل میں سمجھے کہ اب تو بہ منظور ہوگئی ہے اسواسطے حکم ہبوط بھی باغ خالی کرجانے کا حکم بھی ٹل گیا ہے اسواسطے فالمراد الثانی سبب او علیہم ہدایت [illegible] ان کے دل سے اس خیال کو دور کرنے کے لئے حکم دیا کہ توبہ قبول ہوئی ہے تو تمہارے زلہ کی ہوئی ہے نہ کہ میں اب اپنی وعدہ خلافی کرونگا۔ تم سے پہلے کہا گیا تھا کہ تم ہمیشہ یہاں رہنا ایسا نہ ہو کہ ابلیس لعین تم کو اس باغ میں سے نکلوا دے پھر تم کو اپنی محنت سے روزی لیکے گذارہ کرنا پڑیگا وغیرہ وغیرہ جیسے مضمون آیات وقلنا یا آدم ان ھذا عدو لک ولزوجک فلا یخرجنکما من الجنۃ فتشقی . . . . ولا تضحی . میں ہے تمہاری خطا معاف کردی ہے مگر اُس وعدہ کے مطابق یہہ باغ تم کو چھوڑنا پڑیگا اسواسطے دوبارہ حکم دیا اھبطوا منہا جمیعا۔ پس پہلا حکم اپنے محل پر ہے اور دوسرا اپنے محل پر اسواسطے کوئی تکرار نہیں ہے۔

يَحْزَنُونَ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

اُسکے مطابق عمل کرنا۔ کیونکہ جو لوگ میری بھیجی ہوئی یا میری بتائی ہوئی ہدایت کو قبول کرکے اسپر عمل کرینگے تو اُنکو نہ تو کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ کسی قسم کا غم ہوگا اور جو

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ ع ۴

لوگ کفر اختیار کرینگے اور ہمارے حکموں کی تکذیب کرینگے تو وہ دوزخ کی آگ میں رہنے والے ہونگے - وہ اس میں سدا سدا کو ہمیشہ رہینگے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالے نے ان کی توبہ قبول کرلی تو پھر کیوں اُس باغ سے اُن کو محروم کردیا جیسا کہ خود آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں بھی یہہ خیال پیدا ہوا تھا جیسا کہ تم کہتے ہو اور جس خیال کی تردید میں اللہ تعالے نے دوبارہ حکم اهبطوا منها جميعا کا دیا - سو اسکا جواب یہہ ہے کہ اللہ تعالے جو مربی اور رحیم ہے اُس نے توبہ قبول کرنے کے بعد آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اُس جگہ میں سے جو نہریں مزے اور آرام کی تھی اور جس کے مزوں سے ان سے یہہ لغزش کرادی تھی محض اُن کی تربیت روحانی کی خاطر نکال دیا تاکہ عبرت ہو کیونکہ مصیبت میں جسقدر نصیحت اور عبرت حاصل ہوتی ہے وہ عافیت میں نہیں ہوسکتی - پس باغ میں سے نکالنا اور مصیبتوں اور تکلیفوں میں ڈالنا ہی عین رحمت و احسان ربانی تھی اور حقیقت میں یہہ کامل درجہ کی عنایت اور مہربانی تھی - غرضکہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کے دو جزو یعنی مغفرت اور رحمت مقبول و منظور ہوئی - خداوندا ہم بھی اُسی مغفور و مقبول و معصوم آدم صفی اللہ کے اولاد ہیں ہماری بھی یہی دعا ہے ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا و ترحمنا لنكونن من الخسرين ہماری دعا بھی منظور فرما آمین پہلے یا ایها الناس اعبدوا الایہ میں جملہ جن و انس کو مخاطب کیا ہے اور پھر ہر طرح کے انعامات و اکرامات دنیوی و دینی جو انپر ہوتے رہتے ہیں اُن کا ذکر فرماکر اپنی توحید کی طرف دعوت کی ہے اور پھر کیف تکفرون میں سب کو مخاطب کرکے نتیجہ کفر سے آگاہ کرنے کے لئے ابلیس لعین کا ذکر فرمایا ہے اور پھر سب سے پیچھے اپنی اُس سنت کا ذکر فرمایا ہے کہ میری ہدایت قیامت تک تمہارے پاس موجود رہیگی اسپر چلنا اور اسی کے مطابق دینی اور دنیوی معاملات کرنا ورنہ دوزخ میں ڈالے جاؤگے تو اب ضرور تھا کہ سب سے پہلے اُن لوگوں کو خواہ جن ہوں خواہ انسان نصیحت اور تنبیہہ کی جاوے جو خدا وند تعالے کی ہدایت پر چلنے کے سدراہ ہوتے ہیں اور آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام معصوم و بے گناہ کی طرح خدا تعالے کے بے گناہ اور پاک فطرت اور بے لوث لوگوں کو طرح طرح کے فریبوں اور دھوکوں سے شیطانی تاثیر کرکے اور فرشتوں کی سی شکلیں بناکر لوٹتے اور دوزخ کا ایندھن بناتے رہتے ہیں اور وہ ہوتے ہیں الاحبار والرہبان - کما قال اللہ تعالے -

یا ایها الذین آمنوا ان کثیرا من الاحبار والرهبان لیاکلون اموال الناس بالباطل الایہ

یعنے جو کوئی مولوی - عالم - فاضل - پادری - پنڈت وغیرہ وغیرہ من العلماء و سجادہ نشین پیرزادے گدی نشین گروس صاحبات تارکان دنیا وغیرہ وغیرہ من الشیوخ زیادہ تر تشریح پہلے صفحہ ۶۹ سطر ۹ سے لا اکراہ تک ہوچکی ہے - اور پھر جو لوگ پڑھے ہوئے ہوتے وہ ان پڑھوں سے افضل اور فائق ہوتے ہیں اسواسطے اللہ تعالے ان کو پہلے نصیحت فرماتا ہے اور ان کے حال کے مناسب اور پھر ان کے بعد دوسروں کو اور ان میں سے ہر ایک فریق کو اپنی اپنی نعمتیں یاد کراتا ہے اور کفر سے بچنے اور اسلام کے قبول کرنے کی ہدایت فرماتا ہے - پس سب سے پہلے ہر مذہب و ملت کے مولویوں اور عالموں کو نصیحت فرمائی - اگرچہ خطاب میں یعقوب ع کی اولاد ہی ہیں - کما قال - یبنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی الایہ -

یہاں پر مولویوں کو اول یہہ حکم ہوا ہے کہ جو جو تم کو میری نعمتیں پہونچی ہیں اور جنکے احصا اور گنتی بے حد و بے شمار ہے اُن کو یاد کرو اور اپنے محسن حقیقی کی شکر گذاری کرو ایک بنی اسرائیل کیا کل بنی آدم کا یہی حال ہے - اسکے بعد اللہ تعالے دوسری نصیحت یہہ فرماتا ہے کہ میرے ساتھ جو تمہارا عہد ہوچکا ہوا ہے اس کو پورا کرو عہد اللہ کی تفسیر پہلے صفحہ ۸۵ میں ہوچکی ہے اور یہاں چونکہ اگلی نصیحت ہی آمنوا بما انزلت اسواسطے قوی قرینہ ہے کہ یہاں عہد سے مراد ہے وہ میثاق جو اللہ تعالے نے کل انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے لیا ہوا ہے اور جو اس آیت میں مذکور ہے اذ اخذ اللہ

اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ

میری اُن عنایات کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیں اور اس عہد کو جو تم نے میرے ساتھ باندھا ہے تم پورا کرو میں اُس اقرار کو پورا کرونگا جو میں نے تم سے

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِکُمْ وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ ۝

کیا ہے اور اگر تم کو یہہ باتیں کرنی منظور ہیں تو اس کی صورت یہہ ہے کہ ما سوائے میرے کل کا ڈر چھوڑ چھاڑ کر صرف میرا ہی ڈر اپنے دل میں پیدا کئے رہو۔

میثاق النبیین لما اٰتیتکم الآیہ (پ ٣ ع ١٦) یعنے وہ وقت بھی لوگوں کو یاد دلا کر جب اللہ تعالے نے تمام نبیوں سے یہہ حلفی عہد دیا کہ میں ضرور بضرور کامل
صفات اور جامع کمالات والی کتاب اور حکمت یعنی قرآن مجید میں سے کچھ کچھ دینا ہونگا۔ پھر آخر کار تمہارے پاس کامل دین والے رسول یعنے محمد
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آوینگے جو اُن تمام باتوں کی تصدیق کرینگے جو تمہارے پاس موجود ہونگے تو تم ضرور اسپر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔
پس اس عہد اور میثاق کو اللہ تعالے کل بنی آدم سے پورا کروانا چاہتا ہے کیونکہ جس طرح بنی اسرائیل کی کتابوں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
پر ایمان لانے کو شرط نجات ٹھیرایا ہے۔ اسی طرح یہہ قرآنی آیت کل بنی آدم کو پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ اپنے اپنے نبیوں کی ہی اور ربانی تعلیم کو دیکھو اور
رواجی اور رسمی اور آباؤ اجداد کی تقلیدی تعلیم کو بمقابلہ تعلیم اصلی ربانی بالکل مردود و مطرود سمجھو۔ اللہ تعالے فرماتا ہے وان من
امۃ الا خلا فیھا نذیر ۝ (پ ٢٢ ع) یعنے کوئی ایسی امت اور قوم نہیں ہے کہ اس میں کوئی نہ کوئی نذیر یعنے رسول نہ ہو گزرا ہو۔ وما کنا معذبین
حتی نبعث رسولا ۝ (پ ١٥ ع) یعنے ہم کسی قوم کو ہلاک نہیں کیا کرتے تاوقتیکہ عالی قدر رسول بھیج کر ہم اس قوم کے جملہ عذرات جہل کو توڑ نہیں دیتے۔
وما کان ربک مھلک القری حتی یبعث فی امھا رسولا یتلوا علیھم اٰیاتنا (پ ع) یعنے تیرے رب کی یہہ شان نہیں ہے کہ وہ ان بستیوں
اور شہروں کو ہلاک کر دیا کرے تاوقتیکہ ان شہروں میں سے بڑے شہر میں عالی قدر رسول نہ بھیج لیوے جو ان کو ہماری آیات پڑھ پڑھ کر سنا دے
غرضکہ قرآن کریم کے فرمودہ کے مطابق جسقدر اُمم یا اقوام ہو گزری ہیں اُن سب کے پاس بڑے بڑے عالی نسب اور عالی قدر رسول انہیں میں سے ان
کی اپنی زبان میں خدا تعالے کے احکام و نواہی کے سنانے والے ہوتے چلے آئے ہیں حتے کہ زمانہ ختم نبوت آگیا اور چونکہ کل انبیا سابقین سے حلفی
عہد لیا جاچکا ہوا ہے کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر ایسے رسول عربی پر ایمان لاویں اور چونکہ وہ اللہ تعالے کے نبی تھے
اسواسطے یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہے کہ وہ اپنی اپنی امتوں کو اس رسول عربی کی آمد اور اُن پر ایمان لانے اور ان کے دین کی تقویت اور ہر نوع
کی بشارت کرنے کی تاکید اور ہدایت کرتے کرتے اس دنیا سے رخصت ہوتے گئے پس اس عہد اور میثاق نبیین کے مطابق کل دنیا رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم پر ایمان لانے کی مامور ہے اور یہہ میثاق حسب فرمودہ رب العلمین قیامت تک کل کفار اقوام کی آسمانی کتابوں میں موجود ہے اگرچہ وہ کتابیں
زمانہ کے اور لوگوں کی قدرتی اور طبعی بے اعتنائی اور لاپرواہی سے جو زمانہ دراز کے گزرنے کے بعد پیدا ہو جایا کرتی ہیں۔ اور بالخصوص نادان دوستوں
اور بے سمجھ محبوں کی تفسیروں اور حاشیوں اور تفصیلوں کی وجہ سے محرف و مبدل ہو چکے ہوئے ہیں۔ ہم کو اگر کل دنیا کی زبانیں اور کل اقوام
کی کتب سماویہ کے مضامین کی تحقیق ہو تو ہم ہر ایک کتاب میں سے اس عہد میثاق نبیین کو نکال سکتے ہیں بتوفیقہ تعالے۔ پس اس آیت میں بنی اسرائیل
کو بھی یعنے کل یہود اور کل نصاریٰ کو یہی نصیحت کی جاتی ہے کہ آؤ تم باز آجاؤ اور ہمارے اس عہد میثاق کو جو تمہاری کتابوں میں موجود ہے پورا کرو۔
بنی اسرائیل کے کتب سماویہ موجودہ یعنی مجموعہ بائیبل سے ہم اسی مقام پر چل کر انشاء اللہ العزیز تمام حوالے اور آیات لکھ کر ناظرین کو مطمئن کر دینگے

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ

اور جو کچھ میں نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ یعنے قرآن مجید پر جو تصدیق کرتا ہے اس کی جو تمہارے پاس موجود ہے اور اس قرآن مجید کے نہ ماننے والوں کے میری

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ ○

نہ بنو اور میری آیات کے بدلے میں بہت درجہ کی کمی اور تھوڑی قیمت یعنے یہہ فانی دنیا حاصل نہ کرنا اور اگر تم کو یہہ باتیں منظور ہوں تو اسکی صورت یہ ہے کہ میری ہی مخالفت سے بچتے رہو

جہاں واذ اخذ ربك میثاق النبیین الآیہ کی تفسیر کرینگے۔ اور خدا کا عہد جو اس نے لوگوں سے باندھا ہے یہہ ہے کہ وہ انکو دوزخ سے نجات دیکر جنت دیگا کما قال

وعد اللہ الذین اٰمنوا وعملوا الصلحت لھم مغفرۃ واجر عظیم (پ ٦ ع ٦)

" جو لوگ ایمان قبول کرتے ہیں اور اعمال صالحہ کرتے رہتے ہیں ان سے اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ ان کے سب گناہ معاف اور ان کے لئے بہت ہی بڑا اجر ہے "

اسی طرح اور بہت سی آیات ہیں مثلاً وعد اللہ المومنین پ ١٠ ع ١٥ اور وعد اللہ الذین اٰمنوا الآیہ (پ ١٨ ع ١٣) اور پھر ان سب کی تصدیق کے لئے خود جنتی اللہ تعالےٰ کے ان وعدوں کو یاد کرکے جہنمیوں کو کہیں گے قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا (پ ٨ ع ١٢) یعنے ہم نے تو اُن تمام وعدوں کو جو اللہ تعالےٰ نے ہمسے دنیا میں کئے تھے بالکل حق اور سچ پایا ہے۔

چونکہ یہہ باتیں اسوقت حاصل ہو سکتی ہیں کہ جب دنیا کا ڈر دنیا کا لحاظ دنیا کے فانی فوائد کا دل سے خیال اُٹھ جاوے حتی کہ خدا کی راہ میں اپنے تن من دھن کی بھی پرواہ تک نہ رہے اسواسطے اللہ تعالےٰ نے ان سب کا علاج فرمایا کہ ایای فارھبون یعنے فقط میری ہی ذات پاک اور میری ہی ذات قہار وجبار ومالک ومتصرف علی الاطلاق کا ڈر دل میں رکھو۔ چونکہ اوپر کی آیت میں ضمناً پایا جاتا ہے کہ تم قرآن مجید پر ایمان لاؤ گے تو وہ عہد جو تم نے میرے ساتھ باندھا ہے پورا ہو جاویگا مگر اسبات کو بالکل مصرح اور مفصل کرکے فرمادیا وآمنوا بما انزلت الآیہ اور ان کو بطور نصیحت فرمایا ولا تکونوا اول کافر بہ یعنی تمہاری شان سے یہہ بعید ہے کہ تم ہی سب سے پہلے قرآن مجید کے منکرین بنجاؤ اور تم ہی سنت سیئہ کی بنیاد رکھ کر کل منکرین کے بھی گناہوں کے متحمل بن جاؤ یعنے تم لوگ پڑھے ہوئے ہو اور اللہ تعالےٰ کے عہد کو جانتے ہو اور پہچانتے ہو قرآن مجید تمہارے جملہ دینی مسائل کی تصدیق کرتا ہے . . . . . .

سوال اس آیت میں یہہ ذکر کیا ہے کہ قرآن مجید مصدق لما بین یدیہ ہے حالانکہ توراۃ اور انجیل کے بعض احکام اور بعض نواہی اس قسم کی ہیں کہ بالکل قرآن مجید کے مخالف ہیں مثلاً بعض چیزیں توراۃ میں حرام اور قرآن مجید میں حلال ہیں اور بعض احکام مثلاً نماز روزہ حج زکوۃ نکاح وغیرہ میں تو اہل توراۃ اور اہل انجیل میں نماز اور روزہ کی کیفیت اور صورت ہی الگ ہے اور زکوۃ کے نصابوں میں بھی فرق ہے۔ تو قرآن مصدق کیسے ہوا۔ **جواب** ۔ اس تفسیر کے صفحہ ١١٤ ۔ ١١٥ ۔ ١١٦ کو ذرا غور سے پڑھو۔ اس میں بسط کے ساتھ یہی ذکر کیا گیا ہے کہ قرآن مجید ناسخ نہیں ہے بلکہ مصدق جملہ کتب سماویہ ہے۔ اب ہم اس سوال کا جواب یہاں پر لکھتے ہیں۔ حلت وحرمت کے قواعد بھی چونکہ فقط فطرت اللہ وخلق اللہ کی حفاظت اور تربیت کے لئے ہوتے ہیں اسواسطے یہہ یقینی اور قطعی بات ہے کہ جو چیز اللہ تعالےٰ نے حلال کی ہوتی ہے وہ ہر زمانہ میں ہر انسان اور ہر جن کے لئے ہر جگہ میں ہر وقت (سوائے حالت اضطراری) حلال ہی ہے اور جو چیز اللہ تعالےٰ نے حرام کی ہے وہ انہیں قیدوں کے ساتھ حرام ہے۔ یہودیوں پر جو بعض پاک اور طیب اور حلال چیزیں حرام کی گئی تھیں تو اسواسطے حرام نہیں کی گئی تھیں کہ وہ در اصل فی نفسہ حرام تھیں بلکہ فقط وجہ حرمت ان کے اپنے ظلم وبغاوت تھی ۔ کما قال اللہ تعالےٰ ۔

فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیھم طیبت احلت لھم الآیہ (پ ٦ ع ٢)

پس یہودیوں کے ظلم یعنے شرارتوں کی وجہ سے ہم نے ان پر کئی ایک

طیب چیزوں کا کھانا جو پہلے ان پر حلال تہیں بند کر دیا"

دوسری جگہ اللہ تعالے فرماتا ہے کہ ہم نے یہودیوں پر تمام ناخندار جانوروں کا کھانا بند کر دیا اور گایوں بکریوں کی چربیوں کا کھانا بھی بند کر دیا سوائے اس چربی کے جو ان کی پیٹھ پر ہو یا جو انتڑیوں میں ہو یا جو ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔ اور پھر ان تمام تحریمات کی وجہ بیان فرمائی ذٰلک جزینٰھم ببغیہم وانا لصٰدقون (پ۸ ع۱) یعنے یہہ سزائیں ہم نے ان کو ان کی بغاوت اور سرکشی کی وجہ سے دی تھی اور بیشک ہم سچے ہیں۔ ان آیات اور اس قسم کی جملہ آیات میں جہاں حلال طیب پاک چیز سے کسی عارضی وقت کے لیے بطور تربیت روحانی وجسمانی روکے جانے کا بیان ہے تو وہاں حرمنا کے معنے فقط محروم کرنے اور روک رکھنے کے ہوتے ہیں نہ کہ حلال طیب کو مبدل بہ حرام نجس خبیث کر ڈالنے کے۔ مثلاً وحرمنا علیہ المراضع الایۃ (پ۲۰ ع۴) میں یہہ خبر ہے کہ اللہ تعالےٰ نے موسیٰ پر کل دائیاں بند کر دیں یعنے ان کی طبیعت کسی عورت کے دودھ پینے کی طرف مائل نہیں ہوتی تھی فقط اپنی ہی ماں کی طرف مائل ہوئی حالانکہ فی نفس الامر اور عورتوں کا دودھ کسی طرح سے بھی ان کے لیئے حرام نہ تھا۔ اسی طرح نماز روزہ وغیرہ احکام عبادت کا حال ہے کیونکہ یہہ عبادتیں بھی فقط فطرت اللہ وخلق اللہ کی تربیت وحفاظت کے واسطے اس رب العٰلمین نے مقرر فرمائی ہیں۔ پس اگر آج مجھے اس فطرت اللہ وخلق اللہ کی حفاظت ونگہبانی کے لئے ضرورت نماز ہے تو اس سے پانچہزار برس پہتر بھی میرے جیسے بندوں کے لئے اس نماز کی ضرورت تھی۔ پھر اگر اللہ تعالے مجھے نماز کی کوئی کیفیت بیان فرماتا ہے تو اس شخص کو بھی ضرور کیفیت نماز سکھائی ہوگی اور اگر نماز کی کیفیت متعارفہ ہی اتم واکمل واحسن واجمل ہے اور واقعی ہے بھی ایسی ہی تو یہہ کیفیت اس پہلے شخص کو بھی یقینی طور پر اللہ تعالےٰ نے بتائی ہے پہلے شخص کی خوش طبعی نہیں اور میری رعایت نہیں کی جیسا وہ بندہ تھا ویسا ہی میں بندہ ہوں جیسے اس کی فطرت اللہ تھی ویسی ہی میری فطرت اللہ ہے۔ کسی آیت یا کسی حدیث نبوی صلعم سے اشارۃً بھی معلوم نہیں ہوتا کہ امم سابقہ میں کیفیت نماز کچھ اور تھی اور ہم میں کچھ اور بلکہ اس کے الٹ یہہ معلوم ہوتا ہے کہ جو نمازیں اب ہیں وہی نمازیں پہلے بھی تھیں۔ اگرچہ کسی نبی کی قوم نے مسلمان نہ ہونے کی وجہ سے نماز چھوڑ دی تو حسید قولی کبھی نہ سیکھی ہو۔ مشکوٰۃ باب المواقیت الفصل الثانی میں ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیت المقدس کے پاس مجھے ... وقتوں کی اصلاح پر کہ وہ خود امام بنا اور دن رات کی پانچوں نمازوں کے وقتوں کی دو دو حدوں پر یعنے اول وقت میں بھی اور آخری وقت میں بھی نمازیں پڑھا چکنے کے بعد کہا ھٰذا وقت الانبیاء من قبلک یعنی تجھ سے پہلے نبیوں کی نمازوں کے وقت بھی یہی تھے یہی حال ہے روزوں کا۔ کما قال اللہ تعالیٰ :-

یاایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون (پ۲ ع۷)	اے ایمان والو تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلی امتوں پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا تھا"

علیٰ ھٰذا القیاس حج کا ذکر ہے اور کہیں اس بات کا اشارہ تک بھی نہیں ہے کہ ان کے روزہ رکھنے کے ایام کی تعداد اور روزہ رکھنے کی کیفیت اور روزہ کے ابتدا اور افطار کے وقت میں ذرہ کسی بھی فرق ہو بلکہ اس کے الٹ کما کا لفظ بتا رہا ہے کہ من کل الوجوہ جو کیفیت اور جو کمیت تمہارے روزوں کی ہے وہی کیفیت اور کمیت ان کے روزوں کی تھی کیونکہ خدا رب العٰلمین ایک ہی ہے اور بنی آدم اور بنی جان کی فطرت ایک ہی ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ مرض ایک ہی ہو اور حکیم ایک ہی ہو اور دوا بھی ایک ہی ہو تو حکیم ایک کو یہہ دوا اور دوسرے کو یہہ نسخہ بتادے۔ حج کا بھی یہی حال ہے اسی طرح زکوٰۃ وصدقات وعبادات اور معاملات اور معاہدات اور حقوق واجبات اور ماکولات ومشروبات میں جو جو کچھ حرام ہارے لئے ہے وہی سب کے لئے حرام ہے اور جو کچھ ہمارے لئے حلال ہے وہی سب کے لئے حلال رہا ہے۔ اسی طرح بالیقین قسم کے گناہوں کی معافی کے لئے فقط توبہ علاج رہا ہے نہ کہ کچھ اور بجز ان جرائم وفساد فی الارض کے ان جرموں میں داخل ہیں جن کے لئے حدود مقرر ہیں ان کی معافی کے لئے توبہ کے ساتھ ان کی حدود شرعی بھی ضروری رہی ہیں۔ مثلاً لواطت وزنا کی سزا رجم اور پھانسی ہے۔ (سوال) آدم اور حوا علیہما الصلوٰۃ والسلام کے فرزندوں میں آپس میں شادی ہو جانی بھی گمان سے پہنچے جو شرائع ہم کسی میں ہیں ہرگز جائز نہیں ہے۔ اب کس طرح قرآن مجید ہر امر میں شرائع سابقہ کا مصدق ٹھیرا۔ (جواب) بحالت اضطراری وبے قراری ولاچاری کل محظورات شرعی مباح ہو جایا کرتے ہیں اور یہہ عین فطرت بشری کے تقاضے کے مطابق ہے مثلاً خنزیر جیسی قطعی حرام چیز کی نسبت اللہ تعالےٰ فرماتا ہے فمن اضطر غیر باغ ولاعاد فلا اثم علیہ (پ۲ ع۵) اسی طرح (پ۶ ع۱) و (پ۸ ع۱) و (پ۱۴ ع۱۵) میں سب جگہ اضطراری حالتوں میں قطعی حرام چیزیں بھی مباح ہو جاتی ہیں اور جب تک وہ عذر باقی رہتا ہے ان کی اباحت بھی باقی رہتی ہے۔ اسی طرح شکاری جانوروں کے شکار رکھنے کی نسبت حکم ہے۔ فکلوا مما امسکن علیکم (پ۶ ع۱) یعنی تم وہ شکار کھاؤ جسے

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

اور نہ تو کسی قسم کے حق کو کسی قسم کے باطل کے ساتھ ملایا کرو اور نہ کسی قسم کے حق کو چھپایا کرو حالانکہ تم کو یہہ سب کچھہ معلوم ہے ۔ اور اس نماز کو

وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرّٰكِعِينَ ۝

جو ہم نے رسول اللہ صلعم کو تعلیم فرمائی ہے پڑھتے رہا کرو اور اس زکوٰۃ کو جسکی کیفیت وکمیت وطریقت دحقیقت ہمنے رسول اللہ کو سکھائی ہے دیتے رہا کرو اور جو لوگ رکوع کرتے

وہ شکاری جانور یعنی کتے یا باز وغیرہ شکار کرکے تمہارے لئے قابو کر رکھیں اور خود نہ کھاویں اور پھر اسحالت بندش ہی میں ہی تمہارے پہونچنے سے پہلے پہلے وہ شکار مردہ ہوجاویں ۔ اس حکم میں اضطرار فقط یہہ ہے کہ مرد شکاری شکار تک پہونچکر اس کو ذبح کرنے سے عاجز ہوتا ہے ۔ بھوک وغیرہ کی اضطراری نہیں ہوتی اگرچہ روئے زمین کا بادشاہ ہی کیوں نہو پس اسی اجازت خداوندی کے مطابق بحالت اضطراری وناچاری فرزندان آدم وحوا علیہما الصلوٰۃ والسلام کا باہمی نکاح ہوجاتا تھا اور جب یہہ عذر رفع ہوگیا تو یہہ عارضی اضطراری اجازت بھی ساتھہ ہی اُٹھہ گئی ۔

سوال بنی اسرائیل کی توبہ صرف زبانی استغفار پر بلا تعزیر وحد مقبول ومنظور نہیں ہوا کرتی تھی ۔ کما قال اللہ تعالے فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم الایۃ (پ ۱ ع ۶) اور اب بھی بنی اسرائیل کی شریعت سے پہلے بھی حتی کہ خود آدم وحوا علیہما الصلوٰۃ والسلام کی توبہ فقط زبانی استغفار ہوتا تھا اور اسکے ساتھہ کوئی حد شرعی نہیں ہوتی تھی ۔ اس صورت میں قرآن کیسے مصدق ٹھیرا اور کیوں اسکو ناسخ نہ مانا جاوے ۔ (**جواب**) ہر زمانہ میں حتی کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توبہ سے پہلے پہلے جنوں میں بھی توبہ کرنے کی کیفیت وہی تھی جو اب ہے یعنے بلا کسی قسم کی حد شرعی کے فاقتلوا انفسکم کے معنے یہاں کشتن یعنے قتل جسم کرنے کے نہیں ہیں بلکہ اس کے معنے ہیں کہ اپنے اپنے نفس سے اثر یعنی اپنے اپنے نفس امارہ کو قتل کرو اور جو ظلم اور شرارتیں اور شرک تم سے سرزد ہوگئے ہیں انکو دیکھہ دیکھہ کر ندامت پیدا کرو ۔ اس کی زیادہ تشریح انشاء اللہ تعالے آگے چل کر آئیتہ واذ قال موسی لقومہ یٰقوم انکم ظلمتم انفسکم باتخاذکم العجل فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم الایہ کی تفسیر کے ذیل میں کی جاوے گی ۔ غرضکہ اللہ تعالے فرماتا ہے کہ تم لوگ جو پڑھے لکھے ہوئے ہو اور تم کو خوب معلوم ہے کہ یہہ قرآن کریم مصدق جملہ کتب سابقہ ہے ولہذا توراۃ کا بھی تو اب تمہارا فرض ہے کہ فوراً قرآن کریم پر ایمان لے آؤ ۔ یہہ بات تمہاری شان سے بعید ہے کہ تم ہی جملہ منکرین قرآن کریم کے سردار اور پیری اور اول نمبر بن بیٹھو اور بیجا اور نادرست تاویلیں کر کرکے لوگوں کے مال بوجہ حرام کھاتے رہو اور اس کو بڑا بھاری متاع دنیا تصور کرتے رہو یہہ تمہاری ساری ناجائز آمدنیاں بالکل ہیچ ہیں اور پرپشہ کے برابر نہیں ہیں ۔ ثمن قلیل کے معنے ہیں تہوڑی سی قیمت اور تھوڑی سی قیمت سے مراد ہے فقط فانی اور عارضی دنیا ۔ اللہ تعالے دنیا کے سارے سازوسامان کو قلیل فرماتا ہے کما قال اللہ تعالے قل متاع الدنیا قلیل (پ ۵ ع ۸) گوکہ اس فنا ہوجانے والے جہان کے فوائد بہت ہی تہوڑے فائدے ہیں لایغرنک تقلب الذین کفروا فی البلاد ہ متاع قلیل ہ (پ ۴ ع ۱۱) یعنی جو لوگ کفر اختیار کر بیٹھے ہیں ان کے کاروبار اور انکی تجارتیں اور دنیا کے اندر ان کے طرحطرح کے کارخانے چلانے وغیرہ تجھے کسی قسم کے مغالطے میں نہ ڈالدیں یہہ سارے کارخانے بہت ہی تھوڑے سے فوائد ہیں غرضکہ دنیا اگر کل کی کل بھی کسی ایک ہی شخص واحد کے قبضے میں آجاوے جو محال ہے تو بھی وہ متاع قلیل ہی ہے اسکے بعد وایای فاتقون فرماکر تنبیہہ کردی کہ میری مخالفت اور میری حکم عدولی سے ہمیشہ بچتے رہا کرو کیونکہ میرا غضب سخت غضب ہے اور میری پکڑ سخت پکڑ ہے ۔ تم لوگ پڑھے ہوئے ہو اور تم کو محض حق اور محض باطل اور حق کی جملہ اقسام اور باطل کی طرح بطرح کے انواع سب معلوم ہیں ۔ اسواسطے تم نہ تو حق کی کسی قسم کو باطل کی قسم کے ساتھہ ملاؤ اور نہ کتمان حق کرو چونکہ لوگوں کے گمراہ کرنے کے دو ہی طریق ہوتے ہیں ایک تو یہہ کہ سامعین اگرچہ کچھہ حق جانتے ہیں تو ان کی رعائیت کرکے وہ حق بھی جو ان کو معلوم ہے خوب

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ

رہتے ہیں ان کے ساتھ ملکر رکوع کرتے رہا کرو۔ کیا تم ان لوگوں کو ہر قسم کی نیکی کرنے کی ہدایت کرتے رہتے ہو اور خود اپنے تئیں اور اپنے اہل عیال کو نیکی کرنے سے متروک

تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَاسْتَعِيْنُوْا

تو محروم رکھتے ہو حالانکہ تم اس کتاب کو پڑھتے رہتے ہو جسکا ہر ایک مسئلہ بجائے خود جامع ہے۔ کیا تم اس شیوہ بد کو نہیں چھوڑو گے؟ اگر نہیں چھوڑتے ہو تو تم اپنی عقل سے کام لینا نہیں چاہتے اور اگر عقل سے کام لینے میں تمہاری آمدنیاں بند ہوتی ہیں اور تمکو بجائے جاہ و منزلت کے فاقہ اور مسکنت نظر آتی ہے تو اسکا علاج یہہ ہے کہ جس قسم کی

واضح کر کے بیان کر دیا جاوے تاکہ سامع کو خوب یقین ہو جاوے کہ مولوی صاحب بڑے حق گو ہیں اور پھر اس حق کے ساتھ ہی باطل کو جو اُن سامعین کو معلوم نہیں تھا بیان کر دیا جاوے۔ بس اس طریق التباس حق بالباطل سے بہت سے لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں اور ہونے بھی وہ ہیں جو پہلے کچھ حق جانتے ہوتے ہیں۔ پس عوام الناس کی گمراہی کا یہہ لوگ بھی ایک ذریعہ بنجاتے ہیں کیونکہ ان میں ایسے لوگ مولوی اور عالم اور پڑھے ہوئے سمجھے جاتے ہیں اور جب وہ حق ملتبس بالباطل کو مان جاتے ہیں تو عوام بھی ماننے لگ جاتے ہیں اور یہہ طریق اغوا و اضلال بہت ہی قبیح اور شنیع ہوتا ہے۔ دوسرا طریق یہہ ہے کہ سامعین کو اگر دلائل حق باطل معلوم نہوں تو ان کو دلائل حق سے مطلقاً آگاہ ہی نہ کیا جاوے اور یہہ کام نفاق مولویوں کا ہی ہوتا ہے اسواسطے اللہ تعالےٰ کل قوموں کے عالموں اور مولویوں کو عام طور پر اور ان آیات میں بالخصوص علما یہود و نصاریٰ کو ہدایت فرماتا ہے کہ یہہ دو طریق شنیع چھوڑ دو اور چونکہ تمام فواحش ما ظہر منہا و ما بطن کو وہ نماز جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے دور کرا دیتی ہے ولہذا ہر قسم کے طریق اغوا کو بھی دور کر دیتی ہے اسواسطے حکم دیدیا واقیموا الصلوٰۃ اور چونکہ زکوٰۃ تمام خبائث متعلق اخلاق رذیلہ کو نیست و نابود کر دیتی ہے اور سچائی کے لینے کے اس میں دینا پڑتا ہے اور تمام قسم کی ناجائز برائیوں کے دروازے بند کر دیتی ہے اسواسطے کہا واتوا الزکوٰۃ اور چونکہ نماز با جماعت فوائد دینی و دنیوی میں بدرجہا نماز منفرد سے افضل ہوتی ہے اسواسطے فرمایا وارکعوا مع الراکعین اور مریم علیہا الصلوٰۃ والسلام کو حکم ہے یا مریم اقنتی لربک واسجدی وارکعی مع الراکعین اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مرض موت میں بھی جماعت کی نماز کو نہیں چھوڑا۔ غرضکہ مرد ہو عورت ہو سب کو حکم ہے کہ با جماعت نماز پڑھا کریں۔

ان آیات سے صاف صراحت ہے اس امر کی کہ علماء یہود و نصاریٰ سے اُس حق کو جو ان کتابوں میں بہ بسط تمام نسبت رسالت و نبوت محمدی مذکور ہے کہیں بالکل بالصراحت اور کہیں بالاشارۃ کہیں تفصیلاً اور کہیں اجمالاً دو طرح سے اشتباہ ڈالنا چاہتے ہیں ایک تو حق اور باطل کو ملا ملا کر دوسرے حق کو چھپا کر۔ اور حقیقت میں انہیں مولویوں پر یہہ حصر نہیں ہے روئے زمین کے جملہ مذاہب کے شیطانی مولویوں کا یہی حال ہے۔ یہاں تک ان کے طریق اغوا کا ذکر ہوا ہے اس کے بعد ان کے اندرونی حالت اور ان کے ذاتی خبائث نفس کا ذکر فرمایا ہے کہ اتامرون الناس بالبر الآیہ یعنے تم کو حیا اور شرم دامنگیر نہیں ہوتی کہ جو بات اوروں کو کرنے کو کہتے ہو اسکو خود نہیں کرتے جس بات سے اوروں کو ہٹنے کو کہتے ہو اُس سے خود باز نہیں آتے۔ خود تم سچائی نہیں کرتے اور اپنے گھر والوں کو بھی کرنے کو نہیں کہتے۔ اس آیت سے یہہ نہیں مفہوم ہوسکتا معاذ اللہ ثم معاذ اللہ کہ وعظ و نصیحت کا دروازہ ہی بند کر دو بلکہ اسمیں ترغیب و تحریک دلائی ہے اس بات پر کہ تم اپنی بھی اصلاح نفس اور تہذیب اخلاق کرو جس طرح اوروں کو ہدایت کرکے اصلاح پر لانا چاہتے ہو۔ جو لوگ خود نہیں کرتے اور لوگوں کو کہتے رہتے ہیں وہ غضب خدا کے نیچے دبے ہوئے ہیں مطابق آیہ وافی ہدایہ یا ایہا الذین امنوا لم تقولون الآیہ یعنے اے ایمان کے دعویدارو کیوں وہ باتیں کہتے ہو جنپر تمہارا اپنا عمل نہیں ہوتا۔ یہہ بات کہ خود نہ کرو اور اوروں کو کرنے کو کہو خدا کے ہاں بہت غضب کی ہے۔ وتنسون انفسکم

بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ⭘

مصیبت پڑے اُسکے مقابلہ میں اسی قسم کے صبر کے ساتھ اور نیز اس نماز کے ساتھ جو ہمنے رسول اللہ صلعم کو تعلیم فرمائی ہے اللہ سے یاری مانگو اور مدد اور بیشک اس طرح کی

ع ربع

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ⭘

استعانت یعنی یاری مانگنا بھی تو واقعی بڑی شاق امر ہوجاتا ہے مگر اُن لوگوں پر شاق نہیں جو فرمانبردار اور تابعدار ہوتے ہیں۔ جو اس کا پکا اعتقاد رکھتے ہیں
کہ ان کو اپنے رب کے حضور حضور حاضر ہونا ہے اور یہہ کہ اُن کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے

سے مراد ہے تنزکون العمل بالبر یعنے خود عمل نہیں کرتے ہو اور مطابق قوا انفسکم واھلیکم نارا جسمیں شامل اور داخل ہیں وہ تمام لواحقین بھی جو اس کی طرح بمنزلہ اسی کے وارث سمجھے جاتے ہیں۔ مثلاً بیوی بچے وغیرہ۔ وانتم تتلون الکتٰب یعنی حالانکہ تم الکتاب پڑھتے رہتے ہو۔ میں سخت توبیخ و تنبیہ ہے۔ پڑھے ہوئے لوگوں کے لئے کہ باوجود کتاب کے پڑھنے پڑھانے کے یعنے مسئلہ جاننے کے پھر اُس کے اُلٹ کرتے ہو افلا تعقلون۔ میں ان کی عقل کے تباہ ہوجانے کا اشارہ ہے کیونکہ عقلمند کی شان سے یہہ بعید ہے کہ کہے کچھ اور کرے کچھ۔ اوروں کو کہے اور آپ نہ کرے حق کو اور باطل کو تمیز کرکے دیدہ ودانستہ ان میں گڈمڈ کردیوے۔ دوسرے کو دیکھ کر کہ طالب حق ہے مگر دلائل حق اور باطل سے بالکل ناآشنا۔ حق پوشی کرکے باطل کی طرف گرویدہ کرے وغیرہ وغیرہ۔ اسقدر نصیحت اور اسقدر تنبیہ کے بعد چونکہ امید پڑتی ہے کہ پڑھے لوگ خواہ کسی مذہب کے امام اور پیشوا کیوں نہوں ان تمام امور کو ترک کرکے دعوت حق کو قبول کرینگے اور چونکہ اس قسم کے لوگوں کے لئے اس قسم کا حق ایسی صورت میں قبول کرنے کے لئے بڑی بڑی دقتیں اور تکلیفیں موجود ہوتی ہیں ابواب متفرقہ آمدنی مسدود ہوجاتی ہیں اور لوگوں میں جو منزلت اور وجاہت پہلے تھی وہ مفقود ہونے لگتی ہے بلکہ لعن وطعن اور لوم و ملامت کا نشانہ بنجاتے ہیں اسواسطے اشد ضروری تھا کہ اللہ تعالے ایسے لوگوں کا سہارا اور ان کے آرام کی صورت بیان کرے تاکہ وہ استقامت وثبات حاصل کرکے حق قبول کردہ پر ہی اس دنیا میں سے رخصت ہوجاویں اسواسطے فرمایا۔ واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ الآیہ یعنے پھر جو مصیبت آپڑے مال کی جان کی عزت وآبرو کی عیش وآرام کی غرضکہ بیشمار اقسام مصائب میں سے کوئی سی مصیبت آپڑے تو تم الصبر یعنے اس مصیبت کے مناسب حال جو صبر ہے اسکے ساتھ اللہ تعالے سے مدد مانگو۔ مثلاً آمدنی بند ہوجاوے تو اللہ تعالے پر تنگی کا شکوہ نکرو اسپر بدظنی نکرو بلکہ اسی کو رازق مطلق یقین کرو جو کشایش کرنے والا ہے وقس علی ھذا۔ اور اس نماز سے اللہ تعالے سے یاری مانگو جو نماز اللہ تعالے نے جبرائیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تعلیم فرمائی ہے کیونکہ اس سے سب ہموم وغموم دور ہوتے ہیں اور اسی نماز کا نام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قرۃ عینی فرمایا کرتے تھے حتی کہ جنگ کے وقت بھی جب دشمن سامنے ڈیرہ ڈالے ہوتا اور موت چاروں طرف سے دکھائی دیتی تھی آپ اس نماز کو ادا کرتے اور نہ صرف خود ہی بلکہ صحابہ کو بھی باجماعت نماز پڑھاتے۔ نماز میں چونکہ ایک خاص تعلق اپنے خالق کے ساتھ پیدا ہوجاتا ہے اسواسطے تمام دنیا جو اپنی طرح ایک مخلوق ہی ہوتی ہے بالکل بمقابلہ خداوندی ہیچ نظر آتی ہے اور پھر دنیا کے مصائب اور تکالیف بالکل دور ہوجاتی ہیں اسواسطے ہر وقت اور ہر دم اور ہر لحظہ تو صبر سے یہہ کام بنتا ہے اور اگر کوئی ہر وقت نوافل پڑھنا چاہے تو سوائے اوقات منہی عنہا کے سب وقتوں میں پڑھ سکتا ہے۔ بیت اللہ شریف میں کسی وقت بھی نفل نوافل پڑھنے منع نہیں ہیں غرضکہ رہبانیت کسی طرح پر نہو۔ اس کے بعد اللہ تعالے فرماتا ہے کہ جو لوگ خاشعین یعنے تکبر اور بے ہستکبار اور دنیا کی ریاست وحسب کو چھوڑ کر عاجزی اختیار کرلی اور اللہ تعالے کے احکام کی فرمانبرداری کرنے والے ہوتے ہیں۔ ان کو اس

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ

اے بنی اسرائیل میری ان عنایات کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیں اور بالخصوص اس عنایت کو کہ میں نے تم کو ان لوگوں پر فوقیت اور فضیلت بخشی جو تمہارے

قسم کی استعانت شاق اور بوجھل معلوم نہیں ہوتی۔ اور جو ایسے نہیں ہیں ان کو موت معلوم ہوتی ہے نہ ان سے صبر ہو سکتا ہے اور نہ وہ نماز ہی سکتے بلکہ یہ جانتے ہیں خاشعین کے صبر و صلوٰۃ کے ساتھ استعانت یعنی مدد مانگنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کو پکا یقین ہے کہ قیامت حق ہے اور اس روز خدا کے حضور میں حاضر ہونا یقینی امر ہے اور یہ یقین اور یہ خشوع اور پھر اس قسم کی استعانت کا سب سے پہلا سبب یہ ہے کہ ان کو موت ہر دم یاد رہتی ہے بس یہی ہے فرق انہم ملٰقوا ربہم اور انہم الیہ راجعون میں اور یہاں پر لفظ یظنون بمعنے یوقنون ہے ظن بمعنے علم و یقین بہت جگہ قرآن مجید میں آتا ہے اور سب جگہ مطلب یہی ہے کہ جملہ یقینیات پر ایمان لا کر ان کو حق الیقین اعتقاد کرنا فقط مخبر صادق صلعم کے خبر پر موقوف ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ شنیدہ اور دیدہ میں بڑا بھاری فرق ہوتا ہے اس واسطے ان سب مقامات پر جہاں جہاں یہ لفظ بمعنے یقین آتا ہے اس لفظ کا استعمال مومنین اور موقنین کے حق میں ان کے اعتقاد و خبری کے عین مناسب ہوتا ہے۔ ان آیات میں التباس حق بالباطل اور کتمان حق کی نہی اور اقامت الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ و امر بالمعروف و عمل بالبر و استعانت بالصبر والصلوٰۃ کا ذکر ہے۔ انہیں کے متعلق اور بھی بہت سی آیات قرآن مجید میں مذکور ہیں جنکو بخوف طوالت یہاں نہیں لکھا جاتا الصلوٰۃ اور الزکوٰۃ میں ا۔ل عہدی ذکری ہے۔ الصلوٰۃ کے ا۔ل کی تشریح پہلے تفسیر ہذا کے صفحہ ۱۲۳ میں مذکور ہو چکی ہے اور الزکوٰۃ کا ا۔ل بھی عہدی ذکری ہے کیونکہ اس سے مراد وہ زکوٰۃ ہے جو معہود فی الخارج مذکور فی کتاب اللہ یعنی وہی زکوٰۃ جو کتاب اللہ میں مذکور ہے اور جس کی پوری پوری تفصیل و تفسیر حکمت کتاب الٰہی پر تعلیم ربانی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے۔ صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم میں ایک بڑا لمبا چوڑا ہدایت نامہ ہے جو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بحرین میں بھیجا اور اس کی شروع عبارت یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ہذہ فریضۃ الصدقۃ التی فرض رسول اللہ صلعم علی المسلمین والتی امر اللہ بہ رسولہ الحدیث

بسم اللہ الرحمن الرحیم اس ہدایت نامہ میں اس زکوٰۃ کے نصابوں اور حصص کا بیان ہے جو ابوبکر صدیق نے اپنی طرف سے نہیں بلکہ جسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر واجب کیا ہے اور جس کی تعمیل کروانے کا حکم خود اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول صلعم کو دیا ہے۔

اس ہدایت نامہ میں مفصل ذکر ہے غرضکہ اس جگہ الزکوٰۃ کا ا۔ل عہدی ذکری ہے اور زکوٰۃ سے مراد ہے وہی زکوٰۃ جسکی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے کی ہے۔ اس جگہ تک تمام دنیا کے مولویوں اور عالموں کو ہدایت کر کے اللہ تعالےٰ اب مشائخوں اور گدی نشینوں کو ہدایت فرماتا ہے پہلے بنی اسرائیل میں جھوٹے مولوی اور دوسرے ان جھوٹے مشائخ کے بالتخصیص بیان ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پہلی جگہ علم اور آسمانی کتاب کے جاننے والوں کا ذکر ہے اور ان فریبوں کا جو پڑھے لوگ کر سکتے ہیں اور دوسری جگہ نذر و غیرہ کا بیان ہے جو ایسے مرشد اور پیر لوگ اپنے مریدوں کو دنیا اور آخرت میں دینے کو کہتے رہتے ہیں یا جس کے مستحق ہونے کا دعوے اور یقین خود ایسے مریدوں کو ہو جاتا ہے۔

۴۰ کما قال یٰبنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی الاٰیۃ۔ یعنے میرے انعامات و اکرامات بے غایات کا خیال کرو اور شکرگذاری کرو کہ میرے بندے بنجاؤ اور ان عنایات کا اگر تم کو خیال نہ آوے تو کم از کم اس ایک بڑی بھاری نعمت کی ہی قدر کرو کہ میں نے تمہارے آباؤ اجداد کو اس رسوائی اور ذلت کی حالت سے جس میں وہ مبتلا اور فرعون بے عون کے پنجہ ظلم و ستم میں گرفتار تھے نکال کر اس دشمن جان و ایمان کو ہلاک کر دیا اور اس کا سارا ملک اور مدارج اور مرافقات تمہارے بزرگوں کے حوالہ کر دیئے گئے یہی ہے مطلب وانی فضلتکم علی العٰلمین کا۔ چنانچہ ابھی انشاء اللہ تعالےٰ اس پر کچھ بحث ہوگی۔ اس کے بعد ان کو نصیحت کی کہ تم میری نعمتوں کی قدر کر کے میرے بندے اس صورت میں بن سکوگے جب تم واہی خیالات دل سے دور کروگے کہ گرو اور مرشد اور پیر اور رہبان اپنے اپنے چیلوں یا اپنے اپنے مریدوں کو دنیا اور آخرت میں ہر طرح کی مدد پہونچا سکیں اور خدا کے ساتھ ان کا اس قدر تعلق اور رابطہ ہے کہ جو چاہیں اب بھی کر سکتے ہیں اور قیامت کو بھی کرا سکیں گے۔ بلکہ اس دن کی سختی اور بے ملا

وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ

مقابلہ میں تم پر سختی کرنے اور ذلت وخواری میں تم کو رکھتے تھے اور اس بڑے بھاری ہیبتناک دن کے عذابوں سے بچتے رہو کہ جس میں کوئی

نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ

شخص بھی کسی شخص کے عذاب میں سے کچھ بھی اپنے سر پر نہ لے سکے گا اور جس میں اسکی طرف سے کچھ بھی سفارش نہ مانی جاویگی اور جس میں اس کی

وَّلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ۝

طرف سے کسی طرح کا بھی معاوضہ خواہ کتنا ہی قیمتی کیوں نہ ہو نہ لیا جاویگا اور جس میں ان لوگوں کو اور بھی کسی قسم کی اندرونی یا بیرونی مدد نہ مل سکیگی

اور جملہ مخلوقات کی عجز اور زاری کا بیان کرکے فرمایا کہ چار قسم پر دنیا میں قصوروار کے قصور کو ٹالا جا سکتا ہے اول تو یہہ کہ کوئی شخص قصوروار کے قصوروں کو اپنے سر پر لے لے اور اس کے عذاب وسزا کا آپ متحمل ہوجاوے سو اس کی تردید لا تجزی میں ہے اور اس کے ہم معنوں اور مفصل آیات قرآن مجید میں کئی جگہ ہیں مثلاً یوم یفر المرء الآیۃ پ۳۰ ع۱ اور اغیر اللہ ابغی الآیۃ پ۸ ع۷ وغیرہ وغیرہ - دوم یہہ کہ خود بھی اس کے قصوروں کی سزا کو اپنے سر پر نہ لیوے اور قصوروار کو بھی بچا دے اس کی تین صورتیں ہیں - پہلی صورت یہہ ہے کہ جس طرح بن پڑے جعل سازی ودرباہ داری اور طرح طرح کے حیل و لمع سازی کرکے مجرم کے اوصاف بیان کرکے اور حاکم کو دہوکہ دیکر یا مجرم کی حالت زار اور اسکے لواحقین یا متعلقین کی حالت کو قابل ترحم وغیرہ وغیرہ بنا کر غرضکہ جس طرح ہو سکے زبانی چاپلوسی اور خوشامد کے ساتھ مجرم کے قصوروں کو معاف کرا دے اس کی رد ولا یقبل منہا شفاعۃ میں موجود ہے اس کی تفصیل اگر موقع مل گیا انشاء اللہ تعالے پندرھویں رکوع کے یلبنی اسرائیل میں ہوگی - دوسری صورت یہہ ہے کہ زبانی خوشامد کی رسوائی اور ذلت کو برداشت نہ کرسکے فقط روپیہ وغیرہ کے خرچ کرنے سے حاکم کو خوش کرکے مجرم کو اس سے رہا کرالیا اس کی تردید ولا یؤخذ منہا عدل میں موجود ہے - دوسری جگہ اللہ تعالے فرماتا ہے کہ قیامت کے روز اگر کافر اس زمین کو بھر کر بھی سونا وغیرہ بطور فدیہ دینا چاہیں گے تو ہرگز قبول نہ ہوگا پ۱ ع۶ - پ۴ ع۱ - پ۶ ع۱۰ - پ۱۱ ع۶ - تیسری صورت یہہ ہے کہ نہ زبانی خوشامد کی اور نہ روپیہ وغیرہ ہی خرچ کیا بلکہ اپنے زور اور بل پر اپنے طرفدار مجرم کو چھوڑا لیا یا حاکم سے چوری چوری حاکم کے ماتحتوں سے ملکر اپنے طرفدار مجرم کو کسی قسم کی مدد پہونچا دے - سب اللہ تعالے ان سب قسم کی امدادوں کی تردید کرتا ہے کہ تمہارے ان چاروں قسم کے متعارف اور معمول بہا امدادوں میں سے ایک مد بھی خدا کے ہاں چل نہ سکیگی قیامت کے دن کی دہشتوں اور ہیبتوں کا ذکر قرآن مجید میں بہت جگہ آیا ہے یہاں فقط انی فضلتکم علی العلمین کی تشریح زیادہ تر قابل ذکر ہے العلمین کے معنے اس جگہ پر کل مخلوقات نہیں ہو سکتے کیونکہ اگر یہہ معنے ہوں تو معنے یہہ ہوتے کہ اے بنی اسرائیل میں نے تم کو کل مخلوقات پر فضیلت دی ہے اور کل مخلوقات میں ملائکہ اور جملہ رسل اور خود اسرائیل یعنے یعقوب علیہ الصلوۃ والسلام اور اشرف الانبیاء والرسل یعنے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین بھی شامل ہیں پس اس معنے کے رو سے جملہ رسل وملائکہ پر حتے کہ جبریل علیہ الصلوۃ والسلام اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی ان کو فضیلت حاصل ہوجاتی ہے حالانکہ یہہ بات بالکل غلط ہے - اللہ تعالے دوسری جگہ فرماتا ہے :-

ولقد کرمنا بنی آدم وحملنٰھم فی البر والبحر ورزقنٰھم من الطیبٰت وفضلنٰھم علٰی کثیر ممن خلقنا تفضیلا ؀ (پ ۱۵ ع ۷)۔

"البتہ ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور ہر قسم کی خشکی اور تری میں ان کو سوار کیا اور ہر قسم کی حلال طیب چیزوں میں سے ان کو کھانے کو روزی دی اور جتنی مخلوقات ہم نے پیدا کی ہے ان میں سے بہتیروں پر ان کو برتری دی"

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ کل بنی آدم (جسکی جزو بنی اسرائیل ہے) بھی باقی کل مخلوقات پر افضل نہیں ہے جب کل کا یہ حال ہے تو جزو تو بطریق اولٰے کل مخلوقات پر افضل نہیں ہو سکتا پس معلوم ہوا کہ العٰلمین میں ا۔ل استغراقی نہیں ہے اور عالمین سے مراد مخلوقات علی الاطلاق نہیں ہے بلکہ ا۔ل عہدی ذہنی ہے اور مراد عالمین سے فقط ان کے اپنے زمانے کے وہ لوگ ہیں جو ان سے سختی کرتے اور ان کو ذلیل حقیر و خوار سمجھتے اور ان سے اس طرح سلوک کرتے جس طرح ادنٰے درجہ کی نیچ اور رذیل قوموں مثلاً چماروں اور مہتروں سے کیا جاتا ہے اور وہی لوگ تھے جو فرعون کی سرداری میں فرعون کے ہم مذہب ہو کر بنی اسرائیل کو خراب و خستہ رکھتے تھے۔ اس معنے کے لئے دو قرینے موجود ہیں ایک تو اگلی آیت میں خود فرعون کے ظلم و ستم سے بنی اسرائیل کو نجات دینے اور دوسرے خود لفظ عالم کی شرط۔ کیونکہ عالم کی شرط یہ ہے کہ وہ موجود ہو مگر وہ چیز جو موجود نہیں ہے اپنے عدم موجودگی کے وقت عالم نہیں کہلاتی پس جو چیز جس وقت موجود نہیں ہے وہ اس وقت عالمین میں داخل نہیں ہے مثلاً زید اس وقت تک ابھی پیدا ہی نہیں ہوا یا اس وقت وہ مر چکا ہوا ہے تو دونوں صورتوں میں اس وقت زید عالمین میں داخل نہیں ہے۔ پس وانی فضلتکم علی العٰلمین کے معنے یہ ہوئے کہ میں نے تم کو ان لوگوں پر فضیلت بخشی جو تمہارے وقت میں موجود تھے اور یہی معنے کل مفسرین رحمہم اللہ اجمعین لکھتے چلے آتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا ان لوگوں سے جو ان کے وقت میں موجود تھے فقط ان کے اپنے دیس اور وطن کے وہ لوگ جو ان سے ان کے ایمان کی خاطر عداوت رکھتے تھے مراد ہیں۔ یا کل روئے زمین کے لوگ جو اس وقت موجود تھے مراد ہیں۔ سو یہ ظاہر ہے کہ اور اور ممالک میں بھی انہیں قوموں میں سے انہیں کی بولیوں میں انہیں کی ہدایت کے لئے اور اور بھی رسول اور نبی مبعوث ہوتے رہتے ہیں۔ کما قال اللہ تعالٰے۔ وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر (پ ۲۲ ع ۱۵) وماکنا معذبین حتٰی نبعث رسولا (پ ۱۵ ع ۲) وما کان ربک مھلک القرٰی الآیۃ (پ ۲۰ ع ۷) ان آیات کا ترجمہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ پس کوئی وجہ نہیں ہے کہ اور اور ممالک کے عباد صالحین اور ان کے نبیوں اور رسولوں پر بنی اسرائیل کو ترجیح دی جاوے۔ یہ آیات خود صراحتاً بنی اسرائیل کی فضیلت کو جو کل روئے زمین کی قوموں پر ہو سکے رد کر رہی ہیں اور عقلاً بھی یہ بات بالکل قابل تسلیم نہیں ہے کہ کسی شخص کو ایسی جان کا پتہ دیا جاوے جسے کبھی محسوس ہی نہ کیا ہو مثلاً ایک ہندوستانی کو کہا کہ ہم نے افریقہ کے ایک حبشی سے تم کو زیادہ مالدار بنایا ہے تو ہندوستانی جو حبشی کو جانتا نہیں حبشی کی دولت کا اندازہ کر سکتا نہیں اس احسان کی کیا قدر کریگا۔ یہاں پر عالمین کا مفہوم اسی طرح ہے جس طرح لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس قوم میں ہے اولم ننھک عن العٰلمین (پ ۱۴ ع ۵) یعنی اسے لوط تو جو اجنبی مہمانوں کو اپنے گھر میں داخل کرنے کے بعد یہ کہہ رہا ہے کہ ان کی بابت مجھے فضیحت نہ کرو تو کیا تجھے ہم نے یہ نہیں کہہ رکھا کہ تو کسی مسافر کو اپنی پناہ میں نہ رکھنا اور کسی کو مہمان نہ بنانا۔ پس اس جگہ عالمین کا مفہوم فقط وہی لوگ ہیں جنکو بنی اسرائیل خود بھی جانتے تھے جنکے پنجہ ظلم و ستم میں وہ برسوں گرفتار رہے تھے اور پھر جنکو وہ اپنی آنکھوں کے سامنے نہایت ذلت کی حالت میں غرق و ذلیل ہوتے دیکھ چکے تھے جنکے تمام زروع و جنات و خزائن اور دیگر مال و منال ان کے قبضے میں آ چکے تھے جن میں دنیوی اور دینی سلطنتیں اور خلافتیں قائم ہو چکی تھیں۔ سو اب صاف اور یقینی طور پر اس کے معنے یہ ہوئے اور یہی ہے اس احسان عظیم کو یاد کرکے شکر گزار بندے بن جاؤ کہ پہلے تمہارے بزرگوں کے زمانے کے دشمنوں پر جو تم سب کو معلوم ہیں اور جو تمہارے بزرگوں کے ساتھ ان کے ایمان کی وجہ سے دشمنی کرتے اور ان کو سختی پہونچاتے تھے تمہارے بزرگوں کو دین میں بھی اور دنیا میں بھی برتری اور فوقیت دی۔ اور اولاد کو مخاطب کرنا اس وجہ سے ہے کہ اگر ان کے باپ دادے ہی نہ ہوتے تو یہ کہاں سے پیدا ہوتے ان کے باپ دادوں کی فضیلت خود ان کی فضیلت ہے اور یہاں اس ہدایت کرنے کے لئے یہ فضیلت بیان کی گئی ہے کہ تم اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاکر اسی طرح کی فضیلت کفار عرب پر حاصل کرو جس طرح تمہارے باپ دادوں نے ایمان لاکر حاصل کی تھی۔ اور اب بھی اگر انہیں کی طرح تم کو بھی دینی اور دنیوی خلافتیں عطا کی جاوینگی ورنہ فرعون کی طرح ذلیل اور خوار کرکے مارے جاؤ گے اور پھر آگے آخرت میں جہنم تیار ہے۔ اب اللہ تعالٰے ان لوگوں کا ذکر کرتا ہے جنہیں بنی اسرائیل کو فضیلت دی تھی اور جو بنی اسرائیل کو طرح طرح کی سختیاں پہونچاتے تھے۔ قبل اسکے کہ ہم ان اگلی آیات کی تفسیر لکھیں ان کے سمجھنے کے لئے فرعون اور اسکے اتباع کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ قرآن کریم کی مختلف جگہوں میں فرعون اور موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر آتا رہتا ہے اور جہاں جہاں کوئی خاص مسئلہ بتانا مقصود ہوتا ہے وہاں فقط ان کا اتنا ہی ذکر ہوتا ہے جو اس جگہ کے متعلق ہوتا ہے ۔

فرعون ایک ذی اقتدار اور ذی رعب بادشاہ تھا اور علاوہ سلطنت دنیوی کے دینی سلطنت کا بھی بادشاہ تھا یعنے بڑا بھاری مولوی بھی تھا اور صرف بڑا بھاری مولوی ہی نہ تھا بلکہ مولوی ہونے کے علاوہ اپنے دین باطل کا ہادی مرشد بھی تھا یعنے اسکے رعب داب کی وجہ اسکا دونو قسم کا اقتدار یعنے دینی و دنیوی تھا اور چونکہ بنی اسرائیل موحد اور خدا پرست خدا کے بندے تھے ادوالی عباد اللہ اور فاسر بعبادی لیلاً (پ۲۵ ع) اور دیگر مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالے ان کو اپنے بندے کہتا ہے اور فرعون کے مذہب کو خلاف توحید اور باطل سمجھتے تھے اسواسطے قدرتی نتیجہ وہی نکلا جو اللہ تعالے نے آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو فرمایا تھا کہ بعضکم لبعض عدو یعنی تم دینی اور دنیوی اختلاف کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو اور یہہ ظاہر بات ہے کہ دنیوی دشمنی سے دینی دشمنی اشد تر ہوتی ہے - پس بنی اسرائیل کی دشمنی فقط دینی دشمنی تھی نہ کہ دنیوی - کیونکہ قرآن مجید کی عبارتوں سے صاف ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل بڑی سخت حالت میں تھے اگر ان کو دنیوی سلطنت میں کچھ بھی بہرہ ہوتا تو ذلیل و خوار زندگی بسر نہ کرتے اور طرح طرح کے عذاب اور تکالیف کا محل نہ بنتے ان کی حالت زار کی خبر اللہ تعالے یوں دیتا ہے - ان فرعون علا فی الارض یعنے فرعون اپنے ملک میں بہت سرکش ہو گیا اور وہاں کے باشندوں کو گروہ گروہ کر دیا اور ان میں سے ایک گروہ کو تو ایسی زبون حالت میں پہونچا دیا تھا کہ ان کے بیٹوں کو قتل کرتا اور ان کی بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا - بیشک وہ بھی فساد مچانے والوں میں سے ایک فسادی تھا اور ہمارا ارادہ ہے کہ ہم اس ملک میں اُن لوگوں پر جنکو زبون حالت میں کر دیا گیا تھا احسان کریں اور انکو بادشاہ بنا دیں اور ان کو اس ملک کا وارث بنا دیں اور انہیں کو ملک میں مستحکم کر دیں اور ان لوگوں سے جس بات کا خطرہ فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو تھا وہی بات فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کے آگے لا دکھاویں اور یہی دینی دشمنی تھی کہ فرعون اور فرعون کے لاؤ لشکر ان کی ہر طرح کے جانی دشمن تھے اور ان کو غلام بنا رکھا تھا - فرعون کے بادشاہ اور مولوی اور ہادی مرشد ہونے کے لئے آیات ذیل ہیں :-

(۱) ونادی فرعون فی قومه قال یقوم الیس لی ملك مصر وهذه الانهر تجری من تحتی افلا تبصرون ۝ ام انا خیر من هذا الذی هو مهین ۝ ولا یکاد یبین ۝ فلولا القی علیه اسورة من ذهب او جاء معه الملئکة مقترنین ۝ فاستخف قومه فاطاعوه انهم کانوا قوما فسقین ۝ (پ۲۵ ع)

"اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی کرا کے کہا کہ کیا مصر کی سلطنت میری سلطنت نہیں ہے اور کیا یہہ دریا جو میرے محلوں کے نیچے بہ رہے ہیں میرے قبضہ اور ملک میں نہیں ہیں کیا ان بدیہی امور کا تم انکار کر سکتے ہو اگر کرتے ہو تو پھر تم اندھے ہو بلکہ اس شخص سے جو ذلیل و حقیر ہے میں ہی بہتر ہوں اور اسکا تو یہہ حال ہے کہ اپنے مافی الضمیر کو بھی اچھی طرح بیان نہیں کر سکتا اگر یہہ سرداری کے قابل ہوتا تو کیوں نہ اسپر سونے کے کنگن اتارے جاتے - یا اس کے ساتھ فرشتے ہوتے جو اسکے ساتھ اس کی مدد کرتے رہتے غرضکہ فرعون نے ایسے ایسے مغالطے دیکر اپنی قوم کو احمق بنا دیا اور وہ اس کے داؤ میں آ کر اس کے فرمانبردار ہو گئے بیشک وہ لوگ تھے ہی حکم عدولی کرنے والے"

(۲) یقوم لکم الملك الیوم ظاهرین فی الارض فمن ینصرنا من باس الله ان جاءنا قال فرعون ما اریکم الا ما اری وما اهدیکم الا سبیل الرشاد ۝ (پ۲۴ ع)

فرعون کے تابعداروں میں سے ایک شخص مخفی مومن تھا وہ منجملہ دوسری نصیحتوں کے ان کو یہہ بھی کہتا ہے کہ اے میرے بھائی بندو آج تو تمہاری ہی بادشاہی ہے اس ملک میں جہاں تہاں تمہارا ہی غلبہ ہے - مگر یہہ بتاؤ کہ اگر خدا کا عذاب ہم پر آ پڑا تو اسوقت ہماری مدد کو کون اٹھ کھڑا ہوگا - فرعون نے کہا میں تم کو وہی سمجھاتا ہوں جو میں خود سمجھتا ہوں اور وہی راہ دکھاتا ہوں جو کامل ہدایت کی راہ ہے -

(۳) وقال فرعون ذرونی اقتل موسی ولیدع ربه انی اخاف ان یبدل دینکم او ان یظهر فی الارض الفساد ۝ (پ۲۴ ع)

"اور فرعون بولا کہ مجھے موسیٰ کو قتل کرنے دو اور وہ اپنے رب کو بلا لے مجھے اندیشہ ہے کہ وہ تمہارے دین کو الٹ پلٹ نہ کر دے یا اس ملک میں کسی طرح کے فساد نہ مچا دے"

قال موسی لقومه استعینوا بالله واصبروا ان الارض لله یورثها من یشاء من عباده والعاقبة للمتقین ۝ قالوا اوذینا من قبل ان تاتینا ومن بعد ما جئتنا قال عسی ربکم ان یهلك عدوکم ویستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون ۝ (پ۹ ع)

"موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد مانگو اور صبر کئے رہو بیشک سارا ملک اللہ کی ملک ہے اپنے بندوں میں سے جسکو چاہتا ہے اسکا وارث بنا دیتا ہے اور ہر قسم کا انجام نیک اسکا ہوتا ہے جو خدا سے ڈرتے رہتے ہیں انکی قوم نے کہا کہ تیرے آنے سے پہلے بھی اور اب تیرے آنے کے پیچھے بھی ہم کو

"تکلیف ہی تکلیف پہونچتی رہی ہے موسیٰ عنے کہا کہ اب وہ وقت آنے ہی کو ہے کہ اللہ تمہارے دشمنوں کو ہلاک کر دیوے اور تم کو ان کے اس ملک کا بادشاہ بنا دیوے۔ پھر لوگوں میں تمہارا حال ظاہر کرے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔"

ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ فرعون بادشاہ بھی تھا مولوی بھی تھا اور مولوی بھی ایسا کہ جیسا شیطانی مولویوں کو ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بحث مباحثہ کرتا ہے اور پھر کچہری مجلسوں میں اس قسم کے مغالطے اپنی مجلس کے لوگوں کو دیتا ہے کہ ان کو جنتی اور پاگل بنا دیتا ہے اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے ان کو ہٹا دیتا ہے اور اپنی زبان درازی اور لسانی اور چالاکی اور خوش بیانی پر یہاں تک لٹو ہے کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہہ الزام لگاتا ہے کہ موسیٰ ؑ کو بات کرنی آتی ہی نہیں ہے۔ اور ساتھ ہی موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دلائل کو وزن دار سمجھ کر اس بات سے بھی ڈرتا ہے کہ یہہ اول تو ہمارے دین کو نیست و نابود کر دیگا اور ملک کا ملک اپنی طرف کرے گا اور اگر اتنا نہ ہوا تو کم از کم اتنا تو ضرور ہو گا کہ کچھ لوگ مسلمان ہو جاوینگے اور پھر یقیناً ان کی وجہ سے ملک میں ہر جگہ تنازع و فساد اور بحث و تکرار ہو جاویگا اور انتظام ملک داری میں ابتری پڑ جاویگی۔ ان دونوں باتوں کا وہ خیال کر کے کہتا ہے کہ میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قتل کئے دیتا ہوں۔ غرضکہ شیطانی مولویوں کے پاس جسقدر مغالطے وہی کے ہتھکنڈے ہو سکتے ہیں وہ سب کے سب اسکے پاس موجود تھے اور وہ تمام مجلسوں میں اپنی تقریروں اور جوابوں میں اس قسم کی چال چلتا ساکہ عوام کالانعام کو اپنے پنجے سے نکلنے نہ دیتا رہا۔ اب ہم نے یہہ ثابت کرنا ہے کہ وہ اپنے دین باطل کا ہادی مرشد بھی تھا اور ایسا مرشد جو مولوی بھی ہو شاذ و نادر کہیں ہوا کرتا ہے اور جہاں ہوا کرتا ہے وہاں اس سے بڑھکر اور کوئی مضل اور مغوی نہیں ہو سکتا کیونکہ مولویت کے لحاظ سے وہ علمی مغالطے دے سکتا ہے اور مرشد و راہب ہونے کی وجہ سے وہ جہال اور بے علموں کو اپنے پنجہ میں پھنسا سکتا ہے۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے تئیں سب سے بڑھکر ہادی مرشد سمجھتا تھا اور بت پرستوں کے پیروں کی طرح سب سے بہا سی بت پرست اور ٹھاکروں کی پوجا کرنے والا تھا۔ اپنی قوم کی طرح وہ خود بھی اپنے تئیں موسیٰ اور ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام کی طرح بشر اور مثل سمجھتا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ بہت سے رسولوں کے ذکر کے بعد دیگر سب رسولوں کے بعد موسیٰ اور ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام کے بھیجنے کا ذکر فرماتا ہے کہ پھر ان رسولوں کے بعد ہم نے موسیٰ اور اسکے بھائی ہارون کو اپنے احکام اور معجزات ظاہرہ دیکر فرعون اور اس کے اتباع کے پاس بھیجا۔ پس کیا فرعون اور کیا اسکے اتباع سب نے اپنے تئیں بڑا بہتر سمجھا اور وہ تھے ہی متکبر۔ پس کیا فرعون اور کیا اسکے اتباع بولے کہ

انؤمن لبشرین مثلنا وقومهما لنا عابدون فكذبوهما فكانوا من المهلكين ○ (پ ع)

کیا ہم ان دو شخصوں کی بات کو ان لیں جو ایک تو ہمارے جیسے ہی بشر ہیں اور دوسرے یہہ کہ ان دونوں کی قوم ہمارے خادم اور بندے ہیں۔ پس ان دونوں کو فرعون اور اس کے اتباع نے جھٹلا دیا جس کا انجام یہہ ہوا کہ وہ سب کے سب یعنے فرعون اور اسکے اتباع ان لوگوں کے زمرہ میں داخل ہو گئے جو نبیوں کی تکذیب کر کے ہلاک کئے جاتے رہے ہیں۔"

اس آیت میں فرعون اور فرعون کے اتباع اور بنی اسرائیل اور موسیٰ اور ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام سب کے سب بشر اور بندے قرار دئیے گئے ہیں اور خود فرعون کا اقرار ہے کہ وہ موسیٰ اور ہارون ؑ کی طرح بشر ہے۔ پس اب جو جو آیات قرآن مجید میں اس قسم کی ہیں کہ جہاں فرعون کہتا ہے ما علمت لكم من الٰہ غیری الآیہ اور انا ربكم الاعلیٰ وال فرعون الٰہی اور سب بھی اسی طرح کا ہے جس طرح بشر رب ہوا اور الہ بنا کرتے ہیں۔ اگرچہ لفظ رب کئی معنوں میں مشترک ہے مگر یہاں دینی پیشواؤں کے معنوں میں ہے جو اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے احکام و نواہی کے اپنے ہوائے نفس سے کچھ کی کچھ تاویل و تحریف کر کے بندگان خدا کی راہ مارتا ہے اور جسکی حرام کی ہوئی یا حلال کی ہوئی بات کو لوگ یوں اعتقاد کرتے ہیں کہ گویا خود خدا نے ایسا حکم دیا ہے کما قال

اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا من دون الله والمسيح ابن مريم (پ ع)

"ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے مولویوں اور گدی نشینوں اور مسیح کو رب قرار دے لیا ہے"

اسی طرح دوسری جگہ فرماتا ہے ولا یامرکم ان تتخذوا الملائكة والنبيين اربابا (پ ع) اور نیز ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله (پ ع) یعنی کیا ملائکہ اور کیا نبی اور کیا کوئی اور شخص ان میں سے کسی کا بھی حق نہیں ہے کہ وہ رب بن بیٹھے یا وہ رب قرار دیا جاوے یا رب مانا جاوے یا اس کو رب کہا جاوے اور چونکہ کوئی شخص اور کوئی نبی اور کوئی فرشتہ ایسے کوئی عقلمند ایسا نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے تئیں یا کسی اور کو رب السموات والارض خالق السموات والارض سمجھ بیٹھے کیونکہ یہہ پاگل پنا ہے اسواسطے اتخذوا احبارهم الآیہ کو سنکر عدی بن حاتم جو پہلے عیسائی تھے اور پیچھے مسلمان ہو گئے تھے گھبرا اٹھے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے

پوچھا کہ ہم میں سے تو کوئی شخص بھی ایسا اعتقاد نہیں رکھتا کہ اپنے کسی مولوی یا اپنے کسی گدی نشین کو رب قرار دیدے آپ نے فرمایا کیا تم اُن کی حلال کردہ چیزوں کو حلال اور ان کی حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے ہو عرض کی ہاں اس طرح پر تو ضرور ہوتا ہے فرمایا بس یہی ہے مطلب مولوی یا گدی نشین کو رب بنانے کا کہ ان کے ساختہ پرداختہ کو عین بعین خدا تعالے کا فرمان سمجھ بیٹھے۔ یہہ قصہ بطور لب لباب ہم نے یہاں بیان کیا ہے اصل عبارت ترمذی وغیرہ کتب حدیث میں باختلاف یسیر موجود ہے۔ ترمذی میں صرف خلاصہ ہے جو سورہ توبہ کی تفسیر میں زیر آیہ اتخذوا احبارھم الایہ موجود ہے۔ اسی طرح الٰہ کا لفظ بھی عام ہے اور ہر ایک چیز مادی ہو خواہ غیر مادی محسوس ہو خواہ معقول جسکی تعظیم یا تقدیم اللہ تعالےٰ کے احکام و نواہی کے مقابلہ میں کی جاوے اِلٰہ ہے حتیٰ کہ ہوائے نفس کو اللہ تعالے الٰہ فرماتا ہے۔ کما قال اللہ تعالےٰ۔ ارایت من اتخذ الٰھہ ھویٰہ (پ۱۹ ع۲) اسی کی جمع ہے آلھۃ اور چونکہ فرعون اپنے تئیں آدمی اور بشر سمجھتا تھا اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خداوند تعالےٰ کی طرف سے حقیقی آدمی نہ بالکل صرف کذاب سمجھتا تھا اور لوگ بھی ان کی نسبت ایسا ہی اعتقاد راسخ رکھتے تھے کہ یہہ شخص مقبول بارگاہ الٰہی ہے اور دین و دنیا میں اللہ تعالےٰ نے اس کو بادشاہی دی ہوئی ہے اسواسطے وہ خود بھی الٰہ کہلاتا تھا یعنے دین کا متقتدا و پیشوا و امام و متبوع۔ یہہ بالکل غلط اور بالکل لغو اور بالکل فضول ہے کہ وہ خود بھی اپنے تئیں خدا سمجھتا تھا جو ان کے سامنے اپنی والدہ کے رحم سے ۹ ماہ خون کھا کر پیدا ہوا اور ان کی طرح ہر چیز کا محتاج ہوتا تھا اور لوگ بھی اسے معاذ اللہ خدا ہی خالق السموات والارض سمجھتے تھے۔ یہ کوئی عقل انسان کا کام نہیں ہے۔ بلکہ محض پاگلوں اور بیہوشوں کا کام ہے اور ایسے بیہوشوں اور پاگلوں کی طرف اللہ تعالےٰ کا کسی رسول کو بھیجنا فضول ہے۔ حقیقت یہہ ہے کہ فرعون وہہ نہیں تھا وہ فقط ایک بت پرست بادشاہ اور بت پرست مولوی اور بت پرست پیر تھا خود بھی بڑا بھاری پجاری تھا اور اور لوگوں کو بھی پوجا کی تعلیم و تلقین کیا کرتا تھا جیسے بت پرستوں کے پیروں کا حال ہوا کرتا ہے۔ کما قال اللہ تعالےٰ۔

وقال الملا من قوم فرعون اتذر موسیٰ وقومہ لیفسدوا فی الارض ویذرک والھتک ط (پ۹ ع۴)	اور فرعون کی قوم میں سے اس کے خاصوں نے کہا کیا آپ موسیٰ اور اسکی قوم کو انہیں کے حال پر رہنے دیں گے کہ اس ملک میں فساد پھیلا دیں اور وہ خود آپ کی اور آپ کے معبودوں اور ٹھاکروں کی بے حرمتی کرے۔
قالوا اجئتنا لتلفتنا عما وجدنا علیہ اٰباءنا (پ۱۱ ع۱۳)	فرعون کے ہم مذہب بولے کہ اے موسیٰ کیا تم اسواسطے ہمارے پاس آئے ہو کہ جس دین پر ہم نے اپنے بڑوں کو دیکھا اُس سے ہم کو برگشتہ کر دو۔

یہہ آیت صریح طور پر کہہ رہی ہے کہ فرعون بڑا بھاری سجادہ نشین اور ٹھاکروں کا پجاری تھا کچھ پرواہ نہیں کہ اسکے ٹھاکر کوا کب تھے یا صلیب کے یا تصویر جسکا یعنی خوبصورت گائے کے وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی قوم بھی بت پرست تھی اور فرعون کو فقط آدمی و مرشد سمجھتے تھے نہ کہ خود خدا۔ کیونکہ وہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کہتے ہیں کہ تو اسواسطے ہماری ملک میں آیا ہے کہ ہم نے ہمارے بڑوں کا دین چھڑا دے۔ اب صاف ظاہر ہے کہ فرعون بھی اپنے ہمعصروں کی طرح اُن کا قریب قریب ہم عمر ہی تھا اور وہ لوگ اپنے باپ دادوں کا دین قدیم بتا رہے ہیں تو کیا فرعون جب پیدا نہیں ہوا تھا تو اسوقت بھی ان لوگوں کے باپ دادے فرعون کو خدا مانتے تھے ہرگز نہیں پس فرعون جو بادشاہ بھی تھا اور مولوی بھی تھا اور صوفی بھی تھا کسی جگہ تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ میں اپنے تئیں الٰہ اور کسی جگہ رب سمجھتا ہے اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رب اور الٰہ کو وہ فقط ہولے نفس اور تو دہ طومار کذب خیال کرتا ہے یعنے اسکا یہہ خیال ہے کہ جو کچھ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کہتے ہیں سب اپنی من گھڑت باتیں ہیں خدائے حقیقی خالق السموات والارض کی طرف سے نہیں کہتا۔ اسواسطے جہاں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کہتے ہیں کہ میں رب کی طرف سے تجھے ہدایت کرنے کو آیا ہوں تو وہ حیران ہو کر کہتا ہے ما علمت لکم من الٰہ غیری (پ۲۰ ع۴) اور انا ربکم الاعلیٰ (پ۳۰ ع۲) یعنے نہیں میں خود آدمی ہیں خود الٰہ ہیں خود سب رعایا کے ملک کا مربی اور رب ہوں یہہ میری ہدایت کے لئے کوئی دوسرا شخص کیونکر آسکتا ہے۔ غرضکہ قرآن کریم کی آیات پر نظر کرنے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ فرعون بڑا بھاری مولوی اور آدمی مرشد سجادہ نشین تھا صرف بادشاہ ہی نہ تھا اور اس کے علم کا یہہ حال تھا کہ کئی مجلسوں میں موسیٰ سے کا مقابلہ کیا اور لوگوں میں اپنے مغالطہ دینے کی وجہ سے لوگوں کو اپنے اعتقادات فاسدہ سے اکھڑنے نہ دیا آخر کار جب بڑا بھاری مقابلہ ایک میدان میں ہوا اور جادوگران ملک کو بلا بھیجا تو اسوقت مغلوب ہو گیا اور لوگ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف مائل ہونے لگ پڑے۔ فرعون اور موسیٰ کے مباحثے قرآن کریم میں کئی کئی رکوعوں میں چلے گئے ہیں جو اپنے اپنے محلوں پر بیان ہونگے انشاء اللہ العزیز۔ یہانتک ثابت ہو چکا ہے کہ فرعون نرا بادشاہ ہی نہ تھا بلکہ بڑا بھاری مولوی اور بڑا بھاری سجادہ نشین بھی تھا اور لوگ زیادہ تر اسکے پنجہ میں اس کی مولویت اور صوفیت کی وجہ سے گرفتار تھے نہ کہ

اس کو خدا سمجھتے تھے اور ان کا یہ بت پرستی کا مذہب آباؤ اجداد سے چلا آتا تھا کہ فرعون کے زمانہ تک۔ اگر وہ فرعون کو خدا مانتے تو ہرگز اپنے آباؤ اجداد کے مذہب کا حوالہ دیتے۔ پس جب فرعون کا یہ حال تھا اور اس کی قوم کا یہ حال ادھر کہاں سے بنی اسرائیل خدا پرست اور خدائے واحد کے سوائے کسی کی عبادت کو شرک سمجھنے والے۔ اور ادھر فرعون کی بادشاہی اور گھر گھر میں ان کی حکومت اور ادھر ان کی غلامی اور ماتحتی تو جس حد تک ان دونوں فریقوں میں عداوت ہو سکتی ہے اس کا اندازہ خود اہل عقل کر سکتے ہیں اور جن کو مذہب کا پاس ہوتا ہے وہ اس مذہبی عداوت کو اور بھی زیادہ صحت کے ساتھ صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اب ہم نے فقط یہ بتانا ہے کہ مصر کا ملک کہاں اور بنی اسرائیل یعنے ابراہیم کے فرزند اسحاق کے بیٹے یعقوب کی سرزمین یعنے ملک شام کہاں۔ ان دونوں میں ایک سمندر حائل بنی اسرائیل وہاں کہاں چلے گئے اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں کس طرح پہونچ گئے۔ سو قرآن کریم کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے برادروں کی دشمنی سے کسی نہ کسی طرح یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام ملک مصر میں چلے گئے اور عزیز مصر کے ہاں مقرب ہو گئے۔ پھر آخر کار وہیں کے بادشاہ بھی ہو گئے اور پھر آخر کار یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے اہل و عیال اور بھائی بند سب کے سب ملک مصر میں ہی جا کر آباد ہو گئے۔ سورہ یوسف میں یہ مفصل بیان ہے) اور وہیں پھر ان کی اولاد بھی ہوتی رہی اور اسی جگہ کی بادشاہی ان کے خاندان میں چلی آتی رہی بموجب سنت اللہ و تلک الایام نداولھا بین الناس۔ (پ۴ ع) اس تؤتی الملک اور تنزع الملک حقیقی بادشاہ نے بنی اسرائیل سے اس بادشاہی کو لے لیا اور فرعون کے قبضہ میں دیا حتیٰ کہ اس فرعون کا وقت آگیا جس کا ذکر اور مقابلہ قرآن کریم میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر کے ساتھ ساتھ چلا جاتا ہے۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین بھی انہیں بنی اسرائیل میں سے تھے باہمی عداوت دینی یہاں تک بڑھ گئی کہ فرعون نے بنی اسرائیل کے لڑکوں کو کسی ملکی پالیسی سے قتل اور ذبح بھی کرایا۔ بنی اسرائیل سے کمیوں اور خدمتگاروں کی طرح رذیل رذیل خدمتیں لینی شروع کر دیں۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہوئے تو انکی والدہ بھی گھبرائیں مگر چونکہ یہ نبی تھے اور انہیں کے ہاتھ سے بنی اسرائیل کی رستگاری فرعون اور اس کے ہم مشربوں کی ہلاکت ہونی تھی۔ اسواسطے اللہ تعالےٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ اور تدبیر قاہرہ کو ثابت کرنے کے لئے خود موسیٰ کی والدہ ماجدہ کو وحی کیا کہ تو مت ڈر اور اپنے اس بیٹے کو دریا میں ڈالدے چنانچہ انہوں نے فرمان الٰہی سے ایسا ہی کر دیا اور آل فرعون نے وہاں سے نکال لیا آخرش بعد قیل و قال فرعون اور اس کی بی بی نے اسکو بطور متبنے پالنا شروع کیا پس یہی حکمت غریبہ اور تدبیر عجیبہ تھی کہ بغیر کسی قسم کے خوف و ہراس کے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تربیت خود فرعون کے گھر میں ہوئی اور بس۔ اور ان کو دودھ پلانے کے واسطے بھی اللہ تعالےٰ نے خود والدہ ماجدہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہی ان کی انا مقرر کرا دیا۔ غرضکہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی ماں کی گود میں ہی پرورش پاتے رہے۔ مگر فرعون کی حفاظت اور فرعون کے خرچ اور فرعون کی نگرانی اور فرعون کی نگہبانی میں۔ یہ سارا ذکر پ۲۰ ع ۱۱ - پ۱۶ ع میں موجود ہے۔ قصہ کوتاہ جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جوان ہوئے تو ان کے پاس ایک فرعونی پر جو قبطی کہلاتے تھے (قبط اصل میں بہت قدیمی نام ہے مصریوں کا) (قاموس منتہی الارب) ایک بنی اسرائیلی نے جو سبطی کہلاتے تھے (سبط اصل میں اولاد اولاد کو کہتے ہیں اور اسباط اس کی جمع ہے اور مراد اس سے اولاد یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے) زیادتی استغاثہ کیا انہوں نے اس ظالم سے انتقام لینے کے لئے اس کو ایک مکا مارا وہ مر گیا۔ . . . . آخر کار شہر کیا ملک مصر ہی سے ملک شام کی طرف شہر مدین میں ہجرت کر گئے اور وہاں شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس دس سال تک رہے ان کی بیٹی سے شادی ہوئی پھر یہاں سے بیوی سمیت ملک مصر کا رخ کیا۔ رستہ میں کوہ طور پر کچھ آگ جلتی دیکھی ان کو آگ کی ضرورت تھی آگ لینے کو پہاڑ پر چلے گئے۔ بجائے آگ کے نبوت لیکر آئے اور پھر یہ حکم ربانی کہ رسول بنکر فرعون کی طرف پہنچے گئے جہاں جا کر وعظ و نصیحت کرنی شروع کی اور کچھ مباحثات وغیرہ فرعون کے ساتھ ہوئے یہ سارا بیان کئی جگہ پر جداگانہ جداگانہ بمطالبت کے لئے قرآن مجید میں ہے اور سورۃ القصص پ۲۰ ع ۳-۴-۵-۶ میں یہ بیان بہ بسط تمام تربیت فرعون کے وقت سے لیکر غرق فرعون تک مذکور ہے۔ اب انشاء اللہ تعالےٰ آیات زیر تفسیر کا مضمون بخوبی ناظرین کے ذہن نشین ہو جاویگا۔ اس سے پہلے بنی اسرائیل کے مولویوں اور سجادہ نشینوں کو یہ نصیحت ہو رہی ہے کہ تم اپنی پیشینیوں کو چھوڑ کر قیامت کے دن کو مد نظر رکھ کر خالص مخلص امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بنجاؤ۔ اس کے بعد اب ان کو وہ انعامات و اکرامات سنا رہا ہے جو ان کے باپ دادوں پر وقتاً فوقتاً کرتا رہا ہے یعنے اول سرزمین مصر میں۔ دویم زمین مصر کے نکلنے کے بعد بیابان میں جہاں چالیس سال تک پھرتے رہے۔ سویم بیابان سے نکل کر ملک شام میں جو ان کا اصلی اور موروثی ملک تھا اور واضح رہے کہ بیابان سے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کی خلاصی ہوئی تھی دیکھو آگے تفسیر آیہ وضربت علیہم الذلۃ والمسکنۃ الآیہ۔ اور یہ انعامات و اکرامات ان تین مقامات میں مختلف زمانوں میں ہوئے ہیں یعنے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شروع کر کے مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ تک۔ پھر ان انعامات میں سے کچھ انعام تو ان کے بعض بعض سرکشیوں پر توبہ کرنے کے بعد ان پر ہوئے ہیں اور کچھ انعامات خود ان

*وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ

اور اسوقت کی نعمت کو یاد کرو کہ جب ہمنے تمہارے بڑوں کو و لہذا تم کو فرعون کے لوگوں سے مخلصی دی جو تم کو ملک مصر میں گوناگون کی بڑی بڑی تکلیفیں

يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ

پہونچاتے تھے تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور تمہاری اس تکلیف میں تمہارے لئے تمہارے

کی حالت زار پر رحم کھاکر اُنپر پہونچایا تھا غرضکہ انہیں سب قسم کے انعاموں کا ذکر ان آیات میں موجود ہے اور یہہ بیان علاوہ دیگر مسائل متفرقہ کے مسلسل کئی رکوعوں تک چلا گیا ہے اور جہاں انکی سرکشی پر توبہ کرنے پر کوئی انعام ہوا ہے تو وہاں اس سرکشی کا بیان بھی کیا گیا ہے۔ سو سب سے پہلی نعمت جو اللہ تعالے نے بیان فرمائی ہے اسوقت کی ہے جب بنی اسرائیل ملک مصر میں قبطیوں کے ماتحت طرح طرح کے ظلم و ستم سہتے تھے مثلاً بیٹیوں کا قتل اور بیٹیوں کا رذیل خدمتوں کے لئے زندہ رہنے دینا اور نکاح کے لئے اُن کو اپنے کفو کا مرد نہ ملنا اور غیر کفو سے کے سبب کا فرانسے اُن کا یوں نکاح نہونا۔ اس طرح کی سختی سے گویا نسل بنی اسرائیل کا قطع کرنا مقصود فرعون تھا اور ایمان و عزت والی قوم کے لئے بیٹوں کے قتل سے بڑھ کر سختی اس طرح پر بیٹیوں کو زندہ رکھنے میں ہوتی ہے موسی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وعظ و نصیحت سے لوگ مسلمان ہونے لگ پڑے اور بنی اسرائیل کی بھی اب کچھ قدر و منزلت ہونے لگی۔ کما قال اللہ تعالے

* واذ نجینٰکم من اٰل فرعون الایہ اس آیت میں سوٓء العذاب کا آ-ل جنسی ہے یعنے طرح طرح کی تکالیف۔ دوسری نعمت اسوقت کی بیان فرمائی جب موسی علیہ الصلوٰۃ والسلام بنی اسرائیل کو مصر کے ملک سے نکال کر دریائے نیل پر پہونچے تو اسوقت سامنے دریا موج زن اور پیچھے فرعون اور اس کا لاؤ لشکر تھا یہہ وقت بھی سخت مصیبت کا وقت تھا اسوقت بنی اسرائیل سخت گھبرائے اللہ تعالے نے موسی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالے نے فرمایا کہ اپنی لاٹھی دریا پر مارس وہیں اس دریا کے کئی ٹکڑے ہوگئے جو تعداد میں بارہ تھے کیونکہ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے بارہ بارہ ترتیب مقرر کئے گئے اور ایک ایک ترتیب کا ایک ایک سردار مقرر کیا گیا کما قال اللہ تعالے۔ وبعثنا منہم اثنی عشر نقیباً (پ ۶ ع ۷) یعنے ہمنے انہیں میں سے اُن کے بارہ سردار مقرر کر دیئے دوسری جگہ پ۹ ع۱۰ میں بھی یہی مضمون ہے اور اسی گنتی کے مطابق چشمے بھی پھوٹ نکلے تھے غرضکہ اس دریا کے ٹکڑے ایسے اونچے ہوگئے تھے کہ گویا اونچی اونچی دیواریں کھڑی تھیں۔ پس موسی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اس کی قوم دریا میں سے باسلامت پار ہوگئے فرعون نے جب یہہ حال دیکھا تو وہ بھی خشک سڑکیں اور پکے ڈنڈیاں دیکھ کر دریا سے پار ہونے لگا۔ جب کل لشکر فرعون دریا میں داخل ہوچکا تو اللہ تعالے کے حکم سے وہ ساری اونچی اونچی دیواریں آپس میں مل گئیں اور سارے خشک رستے پھر ویسے کے ویسے دریا بنگئے یہہ قصہ مفصل طور پر قرآن مجید میں اور جگہ بھی مذکور ہے مثلاً پ۹ ع - پ۲۵ ع۱۲ - پ۱۶ ع۱۲ - پ۹ ع - قرآن مجید میں بہت سے خوارق عادت کا مذکور ہے اور ان میں سے کسی میں بھی تاویل کرنے کی ضرورت نہیں ہے ان اللہ علی کل شئی قدیر کی تفسیر میں ہم پہلے صفہ ۱۶۸ وغیرہ میں لکھ چکے ہیں کہ اللہ تعالے کا علاوہ دیگر خواص کے ایک یہہ بھی بڑا عالیشان خاصہ ہے کہ اللہ تعالے جو کچھ کرنا چاہے کر لیتا ہے اور مخلوقات ہر حال میں ایسا نہیں کر سکتی اگر اللہ تعالے آگ سے پانی اور پانی سے آگ کا کام لینا چاہے تو وہ لے سکتا ہے اور اس نے لیا بھی ہے۔ خوارق عادت یعنے معجزات اللہ تعالے ہر ایک رسول کو دیتا رہا ہے چنانچہ موسی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ سے کئی خوارق عادت ہوئے ایک تو یہی یعنے دریا کا پھٹ کر کئی خشک رستے بنجانا دوئم اُن کا اسی لاٹھی کو پاؤں سے پتھر پر مارنا اور اللہ تعالے کا پھر اس پتھر میں سے بارہ چشموں کا پیدا کرنا۔ سوئم اسی لاٹھی کا زمین پر پھینکنا اور اس لاٹھی کا فی الواقع سچ مچ سانپ کا بنجانا اور ید بیضا کا معجزہ یعنے اپنے ہاتھ کو اپنی

بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ

رب کی طرف سے بڑی بھاری مصیبت تھی اور اسوقت کی بھی ہماری نعمت کو یاد کرو جب تمکو مصر سے نکال کر تمہارے سبب سے اس دریا کو جو قرآن کریم میں دوسری جگہ

فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝

بالتفصیل مذکور ہے پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا سو تم کو تو ہم نے بچا لیا اور فرعون کے لوگوں کو غرق کر ڈالا اور تم اپنی آنکھوں سے یہ واقعہ دیکھ رہے تھے

گریبان کے رستہ اپنی بغل میں رکھ کر پھر نکال لینا اور اس ہاتھ کا منور ہو کر روشن ہو جانا اور پھر جسکی چمک بھی ہو تو ایسی جو دلکش ہو نہ کہ معیوب اسی طرح تسع آیات بینات موسوی قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ اسی طرح دیگر انبیاء کے معجزات کا ذکر قرآن مجید میں مذکور ہے۔ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزات اس کثرت کے ساتھ ہیں کہ مومن متقی صفات کمال خداوندی کے عالم کا ایمان و ایقان ان سے بدرجہا بڑھ جاتا ہے اور ایسے ایسے معجزات ہیں کہ جس طرح خود خاتم النبیین افضل و اکمل و اشرف انبیاء ہیں اسی طرح ان کے جملہ معجزات بھی افضل و اکمل و اشرف و اعجب ہیں۔ مثلاً موسی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پتھر میں سے لاٹھی مار کر چشمے بہا دینے سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اپنی انگلیوں میں سے چشموں کا بہا دینا اغرب و اعجب ہے کیونکہ بڑے بڑے دریاؤں کا منبع عموماً پتھر ہی ہوتے ہیں اسواسطے ان کو آپس میں مناسبت بھی ہوتی ہے مگر انگلیوں کو چشموں سے کیا نسبت ہوتی ہے۔ شق البحر سے شق القمر اغرب ہے اور براق کا ایک نہایت ہی عرصہ قلیل میں زمین سے آسمان تک لیجانا سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ریح غدوہا شہر و رواحہا شہر سے بدرجہا اجل و اکمل ہے زہر خورانیدہ بکری کے گوشت کا بولنا۔ کنکروں کا تسبیح پڑھنا اور اس لکڑی کے کھمبے کا رونا جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نیا منبر بنا کر اسپر وعظ کرنا شروع کیا اور کھمبے پر تکیہ لگا کر ترک کر چھوڑ دیا مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مردوں کو باذن اللہ زندہ کرنے سے اتم و اعلی و اغرب ہے ان جملہ معجزات اور اس قسم کے دیگر خوارق عادات کا بیان اپنے اپنے محل پر ہوگا انشاء اللہ تعالے۔ غرضکہ دوسری نعمت غرق فرعون اور نجات بنی اسرائیل ہے اور یہ غرق رود نیل میں ہوا تھا نہ کہ کسی اور دریا میں یا کسی سمندر میں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ موسی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بنی اسرائیل بحر احمر یعنے بحیرہ قلزم میں سے باسانی گذر گئے تھے اور اسی سمندر میں فرعون غرق ہوا تھا اور پھر اس بات کو قائم کر چکنے کے بعد یہ کہتے ہیں کہ سمندر ان دنوں میں اتنا مواج اور تھبار نہ تھا جتنا گیارہ و بارہ سو برس سے ہے اور یہ بھی ساتھ ہی کہتے ہیں کہ اگرچہ صحیح نقشہ اس زمانہ کا نہیں مل سکتا پھر ایسا نہ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ عام دستور کے مطابق اس سمندر میں بھی مد و جزر تھا رات کو چڑھ جاتا اور خشک اور پایاب ہو جاتا تھا اور صبح کو پھر اتر کے لگ جاتا اور آنا فانا ڈوبا تو ہو جاتا اور ساحل سمندر کا حال چونکہ ہی سے موسی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم تھا وغیرہ وغیرہ۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ سر سے سے یہ بات ہی غلط ہے کہ بنی اسرائیل کا منفذ یا فرعون کے ساتھ بحر احمر یعنے بحیرہ قلزم پر ہوا تھا بلکہ قرآن کریم کی صریح عبارتوں سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ یہ مقابلہ فقط رود نیل پر ہوا تھا اور بس اور جب یہ ثابت ہو جاوے کہ رود نیل تھا نہ کہ بحیرہ احمر تو پھر مد و جزر کا واقعہ آپ ہی آپ بالطریق اولے غلط ہو جاوے گا کیونکہ رود نیل خالص دریا ہے نہ کہ سمندر۔ ہمارے خیال میں اگر کسی کو دھوکہ لگا ہے تو فقط لفظ بحر اور لفظ یم کے معنے سمجھنے میں لگا ہے کیونکہ عربی زبان میں بحر سمندر اور دریا دونو کو کہتے ہیں اور اسی طرح یم کا اطلاق بڑے بڑے دریاؤں اور سمندر دونوں پر ہوتا ہے۔ قاموس میں ہے الیم۔ البحر یعنے یم بحر کو کہتے ہیں اور بحر کا ترجمہ کیا ہے الماء الکثیر او الملح فقط اور ملح کا ترجمہ کیا آب بسیار یعنے بہت سے پانیوں کا مجموعہ اور منتہی الارب میں بحر کا ترجمہ جوئی بزرگ و دریائی شور (یعنے دریا یا سمندر) اور یم کا ترجمہ منتہی الارب میں فقط دریا لکھا ہے اور دریائی شور سے مراد ہوتی ہے ہمیشہ سمندر کیونکہ یہ کھاری ہوتا ہے اور اسی کو ملح بھی کہتے ہیں اور اس کی ضد دریا ہوتے ہیں جو میٹھے

ہوتے ہیں اور وہ عذب کہلاتے ہیں چونکہ یہہ دو لفظ مترادف ہیں اور ان دونو کا اطلاق سمندر اور دریا دونو پر ہوتا ہے اسواسطے لفظ بحر اور لفظ یم کے صحیح مفہوم کی تعیین خود قرآن مجید ہی میں تدبر کرنے سے ہوسکتی ہے۔ . . . . . اور بس اور کیونکہ قرآن کریم کا دعوے ہے کہ وہ ہر ایک امر کا فیصلہ کنندہ ہے تبیانا لکل شیٔ اور تفصیلا لکل شیٔ اسی پاک کتاب کے حق میں ہے پس قرآن کریم کے تدبر سے معلوم ہوتا ہے کہ یم سے مراد رود نیل ہے اور بس کما قال اللہ تعالیٰ فاذا خفت علیہ فالقیہ فی الیم . . . . . . الی آخر الرکوع (پ۲۰ ع۲) خلاصہ یہہ ہے کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ ماجدہ نے خدا کے حکم سے موسیٰ ع کو الیم میں صندوق میں بند کرکے بہا دیا اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بہن کو کہہ دیا کہ اسکے پیچھے پیچھے چلی جا سو وہ بیچاری اپنے بھائی کو دور دور ہی سے تاڑتی رہی۔ پھر آخر کار جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرعون کے لوگ نکال کرلے آئے اور لگے اسکے لیے اناؤں کی تلاش کرنے تو ان کی بہن نے کہا کہ میں تم کو ایک گھر کا پتہ بتاتی ہوں کہ وہ اس بچہ کی پرورش بھی کریں گے اور اس کی خیرخواہی میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑیں گے . . . .

کیا عقل فتوے دے سکتی ہے کہ یہہ الیم بحر قلزم تھا کیا بحیرہ قلزم میں جو دریائے نیل سے قریب کم از کم ڈیڑھ سو میل کے فاصلہ پر واقع ہے موسیٰ ع کی ماں نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جاکر پھینکا تھا کیا موسیٰ ع کی بہن بحیرہ قلزم میں موسیٰ ع کو دیکھنے کے لئے گئی تھی ہرگز نہیں بلکہ لفظ الیم وہی بحر عظیم ہے جو بحر نیل کہلاتا ہے یعنے رود نیل یا دریائے نیل اور جس کی نسبت فرعون کا قول پہلے پڑھ چکے ہو کہ ملک مصر اور یہہ دریا سب کے سب میرے ملک و قبضہ میں ہیں۔ پس اس جگہ قرآن مجید میں الیم کی تفصیل و تفسیر پوری پوری ہے۔ پس جہاں کہیں فرعون کے غرق فی الیم کا بیان ہے وہاں یقیناً وہی یم مراد ہے جس میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ماں نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہا دیا تھا اور یقیناً سب جگہ اس سے رود نیل ہی مراد ہے نہ کہ کوئی اور دریا اور سمندر۔ . . . الیم کا لفظ قرآن مجید میں سات جگہ آیا ہے اول پ۹ ع۶ میں ہے فاغرقنٰہم فی الیم اور پ۱۶ ع۱۰ میں ہے فاقذفیہ فی الیم اور پ۱۶ ع۱۴ میں ہے۔ فغشیہم من الیم ما غشیہم اور پ۱۶ ع۱۴ میں ہے ثم لننسفنہ فی الیم نسفا اور پ۲۰ ع۱ میں ہے۔ فالقیہ فی الیم اور پ۲۰ ع۴ میں ہے۔ فاخذنٰہ وجنودہ فنبذنٰہم فی الیم اور پ۲۷ ع۲ میں بھی یہی عبارت ہے۔ غرضکہ دو جگہ اُس دریا کا ذکر ہوا ہے۔ جہاں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تابوت یعنے ایک صندوق میں رکھکر بہا دیا گیا اور وہ رود نیل ہی تھا فقط نہ کہ کوئی اور دریا یا سمندر باقی کی چار جگہوں میں فرعون اور اس کے لاؤ لشکر کے غرق ہونے اور پانچویں جگہ سامری کے عجل کے غرق کرنے کا ذکر ہے اور بس پس خود قرآن کریم نے الیم کے مفہوم کی تعیین کردی کہ اس سے مراد رود نیل اور اسی یم کو دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے البحر کے نام سے فرمایا ہے جو مترادف ہے یم کا۔ پس دو جگہوں میں یعنے جہاں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ماں کو حکم ہوا ہے کہ الیم میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ڈال دے۔ ا۔ل عہدی حضوری ہے۔ یعنے اُس سامنے کے دریا میں ڈال دے اور جن جگہوں میں غرق کا ذکر آیا ہے وہاں الیم اور البحر دونو کے الف لام عہدی ذکری ہیں۔ یعنے وہ دریا جسکا ذکر قرآن مجید میں پہلی دو جگہوں میں مذکور ہے۔ پس جس یم میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بہائے گئے تھے وہ وہی یم ہے جو پھاڑ کر کئی ٹکڑے کیا گیا تھا اور وہ وہی یم ہے جس میں سے بنی اسرائیل کو باسلامت پار کرایا گیا تھا اور وہ وہی یم ہے جس میں فرعون اور اس کے اتباع غرق کئے گئے تھے اور چونکہ وہ یم جہاں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہایا گیا تھا دریائے نیل تھا اسواسطے باقی سب جگہ بھی یم سے مراد فقط رود نیل ہی ہے اور بس نہ کہ بحیرہ قلزم۔ اس زمانہ میں جبکہ بچہ بچہ ساری دنیا کے معلوم کے نقشہ سے واقف ہے ملک مصر اور ملک شام کا نقشہ اس جگہ پر لکھنا فضول ہے مگر تاہم ناواقفوں کے سمجھانے کے لئے اتنا لکھنا تو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ملک شام کا علاقہ یعنے اصلی اور موروثی وطن بنی اسرائیل ملک عرب کے شمال کو ہے اور ملک عرب کے مغرب میں ایک سمندر ہے جسے بحر احمر یا بحیرہ قلزم بھی کہتے ہیں اور پھر اس سمندر کے پار یعنے مغرب کی طرف کو ملک مصر واقع ہے اس ملک میں ایک بڑا بھاری دریا ہے جو نیل کہلاتا ہے جو حال کے جغرافیوں کے رو سے تین ہزار میل لمبا ہے اس دریا اور بحیرہ قلزم کے درمیان کم از کم فاصلہ بحساب میل انگریزی قریب ڈیڑھ سو میل کے ہے اور یہہ فاصلہ اوپر کی جانب کا ہے جہاں سمندر ختم ہوتا ہے۔ یہہ سمندر جہاں پر ختم ہوتا ہے اس کی دو شاخیں ہوجاتی ہیں جو دو خلیجیں ہیں ان دو خلیجوں کے پاس ایک بیابان اور کوہ طور واقع ہیں۔ کوہ طور مدینہ منورہ کے قریب بقریب عین شمال کو قریب چار سو میل انگریزی کے واقع ہے دریائے نیل کے کنارے پر تمام شاہان مصر کے محل تھے۔ فرعون کے محل بھی علی ہذا القیاس برلب رود نیل تھے۔ یہی رود نیل ہے جہاں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صندوق میں رکھکر بہا دیا گیا تھا اس رود نیل کو چھوڑ کر بحیرہ قلزم میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صندوق ڈالنے کے لئے نہ تو ام موسیٰ ع ہی جا سکتی تھیں اور نہ اُخت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ پس قرآن کریم کی صاف صریح عبارتوں سے ثابت ہوا کہ جس دریا کے اندر بچپن ہی میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بہائے گئے تھے اور باسلامت

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ

اور ہماری اسوقت کی نعمت کو بھی یاد کرو جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا یعنے تم سے یہ کہ چالیس دن ٹھیرو تمکو توراۃ دی جاویگی پھر تم لوگ اسکے پیچھے

مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۞ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ

بچھڑے کو پوجنے لگے جسکا ذکر قرآن مجید میں مذکور ہے اور تمکو معلوم ہے اور تم اپنے آپ پر ظلم کر رہے تھے۔ پھر اس پر بھی ہم نے تمہارا قصور معاف کیا تاکہ

کنارے پر لگائے گئے تھے اسی دریا میں سے پھر ہی ہونے کے بعد ہی باسلامت پار کرائے گئے نہ صرف وہی اکیلے بلکہ جملہ بنی اسرائیل بھی۔ اور اسی دریا میں فرعون اور فرعونیوں
کے تمام غرق ہوئے والحمد للہ علی ذالک ۔۔۔ اس نعمت عظمیٰ کی تکمیل قرآن مجید میں اور جگہ یوں مذکور ہے کہ پھر جب بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے فرعون پر
فتح دی تو پھر اس کا سارا ملک اور جنات و عیون و زروع و مقام کریم بنی اسرائیل کے حوالہ کر دیئے دیکھو پ ۱۵ ع ۲ و پ ۴ ع ۱۲ و پ ۲۵ ع ۱۵ پھر جب اس ملک
میں بحکم وعدہ ربانی خوب مستحکم ہو گئے تو پھر ان کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے اصلی اور موروثی ملک کو فتح کریں دیکھو پ ۶ ع اور اسی میں اپنا قیام رکھیں اور ملک
مصر فقط ان کے تصرف میں رہے اور وہاں فقط ان کا کوئی گورنر رہا کرے۔ آخرکار جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے ساتھ کی وہ قوم جو اپنا موروثی ملک
شام فتح کرنے کے لئے نکلے تھے مصر کا ملک چھوڑ کے اور پہلا لنگر یعنے بحیرہ قلزم کو عبور کر کے اس مقام پر پہونچے جہاں یہ بیابان اور کوہ طور واقع ہیں تو
وہاں بہ اثنائے راہ میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک خاص نعمت عطا ہوئی یعنے جس مقام پر پہلے آگ لینے گئے تھے اور نبی آئے تھے نبوت۔ اب پھر
اسی مقام پر حاضر ہونے کا حکم ہو گیا چنانچہ آپ ستر آدمی انتخاب کر کے اپنے ساتھ لے گئے پس یہاں سے اب اس بیابان کی نعمتیں شروع ہو گئیں
جن میں سے پہلی نعمت جو بلحاظ نمبر شمار رفتہ رفتہ پنجم ہے بیان ہوتی ہے یعنے وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً الآیہ یعنی جب ہم نے موسیٰ
علیہ الصلوٰۃ والسلام سے چالیس رات کا وعدہ کیا۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اسی بیابان میں کوہ طور پر جو طور سینا اور طور سینین کہا جاتا ہے حاضر
ہونے کا حکم ہوا چنانچہ موسیٰ اپنے بھائی ہارون کو اپنی قوم میں اپنے پیچھے اپنا خلیفہ بنا کر چھوڑ گئے اور اپنے ساتھ ستر آدمی منتخب کر کے لے گئے وہاں
چالیس روز پورے ٹھیرے رہے اور وہیں موسیٰ نے اپنے رب سے دیدار خدا کی التماس کی اور انہیں دنوں میں اسی جگہ اللہ تعالیٰ کی تجلی پہاڑ پر ہوئی اور موسیٰ
بیہوش ہو گئے اور انہیں دنوں میں اور اسی جگہ پر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے اور یہیں موسیٰ کو الواح توراۃ ملیں اور یہیں
موسیٰ کے ستر آدمی اَرِنَا اللہَ جَهْرَةً کی گستاخی کی وجہ سے صاعقہ اور رجفہ سے مر گئے اور یہیں موسیٰ نے دعا کی تو وہ ستر آدمی پھر زندہ ہوئے یہ مفصل بیان
قرآن مجید میں پ ۹ ع ۸-۹ میں موجود ہے۔ صرف ایک بات یہاں قابل لکھنے کے ہے اور وہ یہ ہے کہ ان رکوعوں میں یوں ہے وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً
فَاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ الآیہ لفظی ترجمہ کا یہ ہے کہ موسیٰ سے ہم نے تیس رات کا وعدہ کیا اور پھر ان تیس کو اور دس راتیں بڑھا کر پورا کر دیا۔ پس موسیٰ کے اپنے رب
کے حضور میں حاضر رہنے کی میعاد یعنے پوری چالیس راتوں کی میعاد تمام ہو گئی۔ یہاں بعض لوگ یہ دھوکہ کھاتے ہیں کہ ایک جگہ چالیس کا وعدہ کیا اور دوسری
جگہ تیس رات کا۔ تو ان میں مطابقت کیسی ہو سکتی ہے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ حقیقت میں چالیس یوم کی حاضری کا ہی وعدہ ہوا تھا چالیس رات سے ایک یوم بھی
کم حاضری کا وعدہ نہیں ہوا تھا صرف طرز عبارت کا فرق ہے مطلب دونوں جگہوں کا ایک ہی ہے وہاں فرمایا کہ چالیس رات کا وعدہ کیا اور یہاں یہ فرمایا کہ تیس
رات یعنے ایک پورے ماہ کو آگے دس رات تک اور بڑھا کر چالیس رات کا وعدہ کیا گیا ہے زبان کا قاعدہ ہے کہ کسی مجموعہ اعداد کو کبھی اس کے مختلف عددوں
کو الگ الگ بیان کر کے بھی بیان کیا جا سکتا ہے اور کبھی فقط میزان کل کو بھی ایک دفعہ ہی بیان کیا جا سکتا ہے جس جگہ فقط مجموعہ مقصود بالذات
ہو بلکہ اس کے متعلق کوئی اور بات تو وہاں پہلا اسات کو مکمل کر اور اس مجموعہ کو فقط ایک ہی عدد سے بیان کیا جاتا ہے اور جس جگہ مقصود بالذات

مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَاِذْ اٰتَيْنَا

بھی جو تم نے بعد ایمان سرزد ہوا تھا اُس سے در گذر کی تاکہ تم ہماری اس نعمت کی قدردانی کرو اور ہماری اس نعمت کو بھی یاد کرو کہ جب ہمنے موسیٰ کو جب وہ

مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

چالیس دن گزر چکے وہ کتاب دی جسکا ہر ایک مسئلہ جو اس میں موجود تھا بجائے خود مکمل تھا اور وہ معجزے عطا کئے جو حق و باطل میں ظاہر بظاہر طور پر فرق کرنیوالے تھے تاکہ تم ہدایت پاؤ

وہ مجموعہ ہی ہوتو اس کو زیادہ تر ذہن نشین کرنے کے لئے اس کے مشہور اعداد کا ذکر کر دیا جاتا ہے اور بس۔ سو آیت اربعین لیلۃ میں مقصود بالذات نعمت شماری ہے اسواسطے وہاں منجملہ دیگر انعامات کے اربعین لیلہ کے وعدہ کی نعمت بھی شمار کر دی گئی ہے اور ثلثین لیلۃ میں نعمت شماری مقصود نہیں ہے بلکہ ایک واقعہ کا بیان مقصود ہے یعنے چالیس رات کے وعدہ کا۔ اسواسطے چالیس کے عدد کے خوب ذہن نشین کرنے کے لئے پہلے تو اسکے ایک عدد مشہور کو جو ایک پورا مہینہ ہوتا ہے بیان فرمایا اور پھر اسکے دوسرے حصہ کو جو پورے ماہ کا تہائی حصہ ہے بیان فرمایا تاکہ معلوم ہوجاوے کہ چالیس راتیں پوری تھیں اور چالیس رات سے مراد ہے پورے چالیس یوم اور پوری چالیس راتیں ہیں۔ **سوال** یہہ چالیس راتیں کیسی تھیں اور کیوں اُن کو قریب ڈیڑھ ماہ کے پہاڑ پر رہنا پڑا **جواب** یہہ صورت ہوتی ہے اعتکاف کی جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل از نبوت کتنے کتنے عرصہ تک غار حرا کے اندر ذکر و فکر میں لگے رہتے تھے اور بعد نبوت مسجد کے اندر رمضان شریف میں اپنی ساری عمر پچھلا عشرہ اعتکاف کرتے تھے اور سال وفات میں پچھلے دو عشرے یعنی بیس راتیں اور بیس دن اعتکاف فرمایا اور اوروں کو بھی ہدایت فرماتے تھے کہ فلاں مسجد میں جہاں جملہ جماعت میسر آوے اعتکاف کیا جاوے اس اعتکاف سے جو جو فوائد تزکیہ نفس اور شرح صدر کے لئے حاصل ہوسکتے ہیں وہ صاحبان ذوی عقل پر مخفی نہیں ہیں۔ غرضکہ اللہ تعالےٰ نے تیسری نعمت بنی اسرائیل کی چالیس رات کے وعدہ کی بیان فرمائی اور حقیقت میں یہہ بڑی بھاری نعمت ہے کہ اس وعدہ کے ایفا کے بعد توراۃ جیسا ہدایت نامہ اور نور نامہ ملنا تھا اسکے بعد اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کوہ طور پر ہی اطلاع دیدی کہ تیری قوم ایسی جاہل ہے کہ وہ ایک بچھڑا بنا کر اس کی پرستش کرنی شروع کر بیٹھی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ اب بنی اسرائیل کی اس بیوقوفی کا ذکر کرتا ہے کہ تم نے موسیٰ کے بعد گوسالہ پرستی شروع کردی اور تم ظالم مشرک ہو گئے مگر ہمارے حکم سے تم نے توبہ کرلی تو ہمنے تمہاری توبہ منظور کرلی اور یہہ بھی بڑی بھاری نعمت ہے جو یہاں ضمناً بیان کی گئی ہے اسواسطے بطور نعمت مستقلہ اسکو پوری تفصیل کے ساتھ آگے چلکر نعمت پنجم میں بیان فرمایا ہے۔ الف لام **العجل** میں عہدی ذکری ہے کیونکہ اسکا ذکر کئی بہت جگہ آیا ہے پ۹ ع و پ۱۶ ع و پ۷ ع و پ۱۶ ع۔ اس کے بعد چوتھی نعمت اللہ تعالےٰ یہہ بیان کرتا ہے کہ ہمنے وہ توراۃ جسکے عطا کرنے کا وعدہ بعد وہاں اربعین لیلۃ کیا تھا موسیٰ ؑ کو دیدی اور نہ صرف کتاب ہی دی بلکہ شروع نبوت سے اُن کو کئی قسم کے معجزے بھی عطا کئے جو ملک مصر میں فرعون اور فرعونیوں اور بنی اسرائیل کو دکھاتے رہے پھر معجزہ شق البحر اور اسکے بعد معجزہ شق الحجر اور معجزہ احیاء میت بضرب البقر ببعضہا وغیرہ وغیرہ اور یہی مراد ہے لفظ الفرقان سے یعنے ظاہر باہر معجزے۔ اور الکتٰب میں الف لام استغراق صفاتی ہے یعنی ایسی کتاب جسکا ایک ایک مسئلہ بجائے خود مکمل اور اتم ہے اور جو مسئلے اسکے اندر موجود ہیں اسکا ذکر ہی نہیں ہے یعنے جو جو مسئلہ خداوندی اس کتاب کے اندر اللہ تعالےٰ نے بیان فرمایا وہ بجائے خود ناقص نہیں تھا اور اس کتاب کے ملنے سے پہلے بھی اور پیچھے بھی معجزات موسیٰ ؑ کو دیئے گئے تھے اور یہہ کتاب غرق فرعون کے پیچھے بحیرہ قلزم کے پار ہونے کے بعد کوہ طور پر جو ارض مقدسہ شام کا پہاڑ تھا اور اب عرب کا پہاڑ کہلاتا ہے ملی تھی۔ کما قال اللہ تعالےٰ۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (پ ع)	یہ امر البتہ ہم نے موسیٰ ؑ کو پہلی امتوں کو ہلاک کرنے کے بعد وہ کتاب عطا کی جسکا ایک ایک مسئلہ بجائے خود کامل و مکمل تھا اور جو سبب جنہوں اور انسانوں

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ

اور ہماری اسوقت کی نعمت کو بھی یاد کرو کہ جب موسٰی موچالیس راتوں کے بعد توراۃ لیکر آئے اور تمہاری گوسالہ پرستی کا حال سنا تو اس اپنی قوم سے کہا او لوگو تم تو اس بچھڑے کی پوجا

اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا

اختیار کر کے آپ اپنے اوپر ظلم کر لیا ہے سو اب اس ظلم کے دفعیہ کی یہہ صورت ہے کہ تم اپنے خالق کے حضور میں توبہ کرو اور وہ یہہ ہے کہ اپنے اپنے نفس امارہ کو ملامت

سکے لئے مجموعہ بصائر ہیں اور پوری ہدایت اور بڑی بھاری مہربانی ہے تاکہ وہ تذکر یعنے نصیحت پکڑیں ۔

موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کوہ طور پر بعد غرق فرعون اور مطلق طور پر توراۃ کے دینے سے پہلے پانچ معجزات عنایت کرنے کا بیان اور بھی کئی جگہ ہے دیکھو پ ۹ ع ۶ پ ۱۵ ع ۱۰ پ ۱۶ ع ۱۴ . . . . اس کے بعد اللہ تعالیٰ اب وہ پانچویں نعمت جسکا پہلی نعمت سوم میں اشارۃً ذکر ہو لیا ہے کچھ تفصیل کے ساتھ بطور نعمت مستقلہ بیان کر کے فرماتا ہے واذ قال موسی لقومہ الآیہ کہ موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے تم گوسالہ پرستی کر کے مشرک بن گئے اور اپنے اعمال برباد کر لئے پھر اسکا علاج ہمارے حکم سے موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تم کو یہہ بتایا کہ تم توبہ کرو اور اپنے نفسوں کو ملامت کرو اور اپنے کئے پر پچھتاؤ اور نادم ہو یہی ہے مراد فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم سے ۔ فاقتلوا انفسکم کے یہہ معنے نہیں ہیں کہ تم تلوار اٹھا کر آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں اڑادو کیونکہ قرآن مجید جامع الکتاب ہے اور جو تمام کتب سماویہ کی اصل ہے شرک کی سزا قتل تجویز نہیں کرتا توراۃ بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور وہ بھی اسی کتاب کا ایک جزو ہے اس میں بھی وہی مسئلہ ہوتا ہے جو قرآن مجید میں ہوتا ہے ۔ بشرطیکہ وہ مسئلہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے ہو نہ کہ محرفین کی تحریفات سے بلکہ قتل نفس سے مراد ہے نفس امارہ کو قتل کرنے سے یعنے پچھتانے اور نادم ہونے سے اور یہہ بات خود قرآن مجید کے دیگر مقامات پر تدبر کرنے سے معلوم ہو جاتی ہے ۔ موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام جب کوہ طور سے توراۃ لیکر آئے اور ان کو وہیں طور پر ہی اللہ تعالیٰ نے یہہ اطلاع بھی دیدی کہ تیری قوم کو سامری نے گوسالہ پرستی کرا کر مشرک کر دیا ہے تو آتے ہی بھائی یعنے ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الگ پوچھا ۔ سامری کو الگ ۔ اور باقی کی قوم کو الگ اور تینوں کے جواب قرآن مجید میں مذکور ہیں ۔ قوم کو ملامت کرنے پر یہہ جواب ملا کہ ہم کو تو کچھ خبر نہ تھی سامری نے کیا ہے جو کچھ کیا ہے اسی کے پیچھے ہم بھی ہو لئے اور چونکہ یہہ ظاہر ہے اسواسطے ہم نادم ہیں چنانچہ ان کی ندامت اور توبہ کی خبر اللہ تعالیٰ پ ۹ ع ۸ میں دیتا ہے کما قال ولما سقط فی ایدیھم الآیہ یعنے جب وہ اپنی غلطی دیکھ کر پچھتائے اور نادم ہوئے اور ان کو معلوم ہوا کہ وہ بیدین ہو گئے تھے تو یوں زاری کرنے لگے لئن لم یرحمنا ربنا ویغفر لنا لنکونن من الخسرین ۔ ان آیات سے گوسالہ پرستوں کا توبہ کرنا ثابت ہے ۔ پھر اسی رکوع کے اخیر میں موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے لئے اور اپنے بھائی کے لئے دعا مانگی اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے موسٰے ان گوسالہ پرستوں پر خدا کا غضب نازل ہوگا اور اس دنیا کے اندر ان کو بڑی بھاری ذلت پہونچیگی اور ساتھ ہی پھر اس کے بعد فرمایا کہ یہہ سزا ان لوگوں کے لئے ہے جو توبہ نہ کرینگے اور اپنی بیدینی کو چھوڑ کر اصلاح اعمال و ایمان نہ کرینگے اگر ایسا کرینگے تو اللہ تعالیٰ بھی غفور رحیم ہے وہ ان کے گناہ معاف کر دیگا (پ ۹ ع ۸) مگر اوپر پڑھ چکے ہو کہ قوم نے توبہ کی اور پہلے یہہ بھی پڑھ چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی یہہ نعمت جتائی جو نعمت سوم کے ضمن میں مذکور ہو چکی ہے یعنے ثم عفونا عنکم من بعد ذلک لعلکم تشکرون یعنے ہم نے تمہارا گناہ گوسالہ پرستی معاف کر دیا ۔ اور اس آیت زیر تفسیر میں بھی یہی بیان ہے فتاب علیکم الآیہ یعنے اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ منظور کر لی ۔ غرضکہ اللہ تعالیٰ کے عام وعدوں سے اگر قطع نظر کی جاوے تو گوسالہ پرستوں کے ساتھ جو یہہ وعدہ غفران بعد توبہ کیا گیا ہے اسی کا خیال کیا جاویگا تو بنی اسرائیل کے گوسالہ پرستوں کی توبہ منظور ہو چکی ہے کیونکہ خود خدا ان کی توبہ کے الفاظ بیان کرتا ہے اور

أَنفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِندَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ

کرو یہہ توبہ تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے حق میں بہتر ہے پھر انکے کہے کے مطابق تم نے توبہ کی تو اللہ تعالےٰ نے بھی تمہاری توبہ منظور کر لی بیشک فقط

عَلَيْكُمْ ۚ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝

وہی ذات ہے جو ہر مخلص تائب کی توبہ کو قبول کر لیتا ہے اور نہ صرف توبہ ہی قبول کر لیتا ہے بلکہ اسپر خاص خاص مہربانیاں بھی کرنے لگ جاتا ہے

اور پھر خود ان کی توبہ کی منظوری کی خبر دیتا ہے جیسا اوپر بیان ہو چکا ہے۔ پس فاقتلوا انفسکم سے جسمانی قتل کرنا ہرگز ہرگز مراد نہیں ہے اگر یہی مراد ہوتی تو سب سے بھاری مجرم یانی گوسالہ پرستی کو قتل کیا جانا چاہیئے سامری کو مگر سامری کو قتل نہیں کیا گیا جیسا کہ سامری کے سوال و جواب میں ابھی بیان ہوگا انشاء اللہ تعالےٰ قوم کا جواب سن چکے ہو تو اب ہارون ؑ کا جواب سنو وہ فرماتے ہیں کہ بیشک ہر گز بنی اسرائیل کو یہہ بُری تعلیم نہیں کی بلکہ میرے منع کرنے پر الٹے مجھے قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے وغیرہ وغیرہ پ۹ ع اسپر اللہ تعالےٰ سے موسیٰ ؑ نے اپنے اور بھائی کے لئے دعا مانگی اب باقی رہا جواب سامری تو اس نے جواب دیا کہ بصرت بما لم یبصروا بہ الآیۃ (پ۱۶ ع) یعنے یہ تو انکی قوم کی طرح جہالت اور نادانی سے یہہ کام نہیں کیا بلکہ مجھے تو وہ علم اور وہ بصیرت حاصل تھی کہ انکی بصیرت کسی کو بھی نہیں تھی اور صرف علم ہی نہ تھا بلکہ اس علم کے مطابق اپنے رسول یعنے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت اور طریقے پر خوب عمل کرتا رہا پھر اس عمل کو بیٹھ پس پشت ڈال دیا اور اسی طرح پر میرے نفس نے مجھے یہی پڑھا دی۔ یہہ بھی حقیقت میں توبہ ہے گرچہ کہ شخص امام المشرکین اور بانی گوسالہ پرستی بن گیا اور بنی اسرائیل محض یہہ حسن ظنی کرکے کہ یہہ بڑا بھاری عالم ہے اور صاحب بصیرت ہے اسکے داؤ میں آگئے اسواسطے بحکم خدا تعالیٰ نے اسکو فرمایا فاذھب فان لک فی الحیوۃ ان تقول لا مساس وان لک موعدا لن تخلفہ (پ۱۶ ع) یعنی میرے سامنے سے دور ہو جا تیری سزا بس یہہ مقرر ہو چکی ہے کہ جس طرح تو نے عمر بھر سجادہ نشین بن کر لوگوں میں اپنا نام پیدا کر نا اور اپنی مجلسوں کو بارونق کرنا چاہا تھا اسی طرح اب اس کی پاداش میں عمر بھر یہی کہتا پڑا پھریگا کہ مجھے کوئی نہ چھوئے۔ باقی رہی تیری توبہ تو اس کی نسبت تو جان اور تیرا رب کیونکہ تیرے لئے بیشک ایک بڑا بھاری وعدہ ہے جس کا خلاف اللہ تعالےٰ ہرگز تجھ سے نہ کریگا یعنی قیامت کو تیرا حساب ہوگا اگر تو سچا تائب اور مومن اور مصلح ہو جاویگا تو خدا رحم کریگا ورنہ دوزخ میں پھینکا جاویگا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سامری کو ایسا کہہ دینا ایسا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قاتل حمزہ رض یعنے وحشی کو حکم دیا تھا کہ ہو سکے تو تیری صورت میرے سامنے نہ آوے (بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب قتل حمزہ) یا اُن تین شخصوں کا سا حال ہے جنکا ذکر قرآن مجید میں ہے یعنے کعب وغیرہ جنسے کوئی شخص کلام نہیں کرتا تھا حتیٰ کہ اس کے بھائی اور بیوی تک اُس سے جدا کرا دیئے گئے تھے اور جب تک صحیح طور پر ان کی توبہ منظور نہ ہوئی تھی اسی طرح سزایاب رہے تھے (پ۱۱ ع۔ اور بخاری کتاب التفسیر سورۃ براءۃ آیت لقد تاب اللہ الآیہ) البتہ سامری کی سزا عمر بھر تھی اور ان لوگوں کی سزا کچھ عرصہ خاصہ۔ غرضیکہ قرآن کریم کی ان آیات مذکورہ بالا کے تدبر سے صاف ثابت ہے کہ فاقتلوا انفسکم سے مراد قتل جسمانی نہیں ہر بلکہ فقط توبہ ہی مع لوازمات مراد ہے یعنے پچھلے گناہوں کی معافی۔ فی الحال رجوع از گناہ۔ آئندہ کو اصلاح حال۔ **سوال** فاقتلوا انفسکم کے معنے اگر یہی ہیں یعنے توبہ مع لوازمات خود تو اس کے پہلے جو خود فتوبوا الی بارئکم آچکا ہے تو اس کے کیا معنے ہوئے کیا یہہ معنے نہ ہوئے فتوبوا الی بارئکم فتوبوا اور کیا اس سے تکرار لازم نہیں آتا **جواب** لغت میں توبہ۔ توب۔ متاب۔ تابہ اور تتوبہ سب کے معنے ہیں رجوع عن المعصیۃ یعنے گناہ سے رجوع کر لینا یعنے گناہ کرنا چھوڑ دینا۔ مگر اس لغوی معنے میں یہہ صراحت نہیں ہے کہ آیا گناہ کے ترک کے ساتھ ان گناہوں سے جو واقع ہو چکے ہیں معافی مانگنا اور آئندہ کے لئے اصلاح کرنا بھی لفظ توبہ کے مفہوم میں داخل ہے اسواسطے اللہ تعالےٰ عموماً جہاں توبہ کا ذکر کرتا ہے تو وہاں اسکے لوازمات

کا بھی ذکر کر دیتا ہے اور جہاں کوئی گناہ زیادہ سخت ہوتا ہے وہاں توبہ کے لوازمات تشدد اور سختی کے ساتھ بیان کرتا ہے اسواسطے کل آیات کے ملانے سے شرعی مفہوم توبہ یہہ ہے کہ پچھلے گناہوں کی معافی چاہنا اسوقت گناہ کا ترک آئندہ کیواسطے اصلاح کرنا۔ مثلاً توبوا کے پہلے استغفروا پ۱۲ ع۵ - پ۱۲ ع۷ - ع۹ میں آتا ہے استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ یعنے پچھلے گناہوں کی جو تم سے ہو چکے ہیں اپنے رب سے معافی چاہو اور آئندہ کے لئے اسی وقت سے شروع کر کے اپنے اعتقاد اور اعمال کی اصلاح کرلو۔ ان سب جگہوں میں استغفار کا پہلے اور توبہ کا پیچھے اگرچہ توبہ کے مفہوم میں استغفار بھی شامل ہے۔ اسی طرح عموماً توبہ کے بعد اصلاح اور اخلاص کے لفظ بیان ہوتے ہیں مثلاً پ۲ ع۳ میں تابوا کے بعد اصلحوا وبینوا کی قید لگادی ہے حالانکہ توبہ کے معنے کے ضمن میں اصلاح وتبیین شامل ہے۔ یہاں چونکہ علمائے حق کو تنبیہہ ہو رہی ہے اسواسطے توبہ کے بعد اصلاح اور بعد اسکے تبیین یعنے کھول کر حق کا بیان کرنا بھی ذکر کیا گیا ہے حالانکہ توبوا کے مفہوم میں یہہ بھی شامل تھا۔ اسی طرح پ۳ ع۱۶ - پ۴ ع۳ - پ۴ ع۲۱ - پ۵ ع۱۸ میں پہلے لفظ توبوا اور اسکے بعد لفظ اصلحوا آتا ہے اور علمائے **اہل کتاب** اور **منافقین** اور لوازمات لواطت کے **مرتکبوں** کو جو فعل لواطت کے مرتکب ہوں تنبیہہ کی گئی ہے کہ توبہ کریں اور اصلاح کریں۔ اور اسی طرح منافقین کو حکم ہوتا ہے الا الذین تابوا واصلحوا واعتصموا باللہ واخلصوا دینہم للہ فاولئک مع المؤمنین پ۵ ع۲۱ یعنے منافقین میں سے وہ لوگ درک اسفل میں نہیں جاوینگے بلکہ مومنین کے ساتھ ہونگے جو توبہ کریں اور اصلاح کریں اور اللہ ہی کا فقط سہارا پکڑیں اور محض اللہ ہی کی خوشنودی کے لئے اپنا دین خالص کریں۔ یہاں پر توبہ کے بعد اصلاح اور پھر اسکے بعد اعتصموا باللہ اور پھر اسکے بعد اخلاص کا ذکر آیا ہے حالانکہ توبہ کے مفہوم شرعی میں یہہ ساری باتیں شامل ہیں۔ چونکہ توبہ کا مفہوم لغوی فقط رجوع عن المعصیۃ ہی ہے اور باقی کے لوازمات توبہ اسمیں شامل نہیں ہیں اسواسطے اللہ تعالے عموماً اسکے لوازمات کا ذکر اسکے آگے اور اسکے پیچھے بیان کردیتا ہے۔ پس ان آیات کے ملانے سے شرعی مفہوم توبہ اور لغوی مفہوم توبہ میں تمیز ہوگئی۔ اب اگر قرآن کریم میں جہاں کہیں صرف لفظ توبہ ہی مذکور ہوتا ہے تو وہاں توبہ کا مفہوم شرعی مراد ہوتا ہے نہ کہ لغوی۔ اور اگر توبہ کے ساتھ اسکے بعض لوازمات بیان ہوتے ہیں تو ان لوازمات صریحہ کو چھوڑ کر باقی کے لوازمات توبہ کے مفہوم میں داخل ہوتے ہیں۔ پس یہاں دونوں باتوں کو ملا کر توبہ کا مفہوم شرعی مراد ہوتا ہے اور توبہ کے آگے پیچھے جو یہہ بعض بعض لوازمات بیان ہوتے ہیں تو حقیقت میں سیاق عبارت قرآن مجید پر تدبر کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں یہہ لوازمات خاص خاص بیماریوں کے علاج کیلئے بالخصوص بیان ہوتے ہیں مثلاً علمائے اہل کتاب حق کے توبہ کے ساتھ تبیین یعنے حق کو نہ چھپانا توبہ کا لازمہ قرار دیا ہے اور منافقین مذبذبین کی توبہ کے ساتھ ان کی بیماریوں کا ذکر کر دیا گیا ہے کہ وہ چونکہ مذبذب ہوتے ہیں اور اللہ تعالے کو چھوڑ کر کبھی اس فریق اور کبھی اس فریق کا سہارا پکڑتے ہیں اسواسطے اعتصام باللہ کی قید لگادی اور چونکہ ان دونوں میں نفاق ہوتا ہے اسواسطے اس کے بجائے اخلاص کی قید لگادی پس علاج ہے جس گناہ [illegible] دوسری جگہوں میں اللہ تعالے نے توبہ کے ساتھ استغفار اور اصلاح اور اعتصام اور اخلاص اور تبیین کی قیدیں لگائی ہیں۔ اسی طرح یہاں بنی اسرائیل نے بڑا سخت ظلم کیا کہ باوجود مسلمان ہونے کے اور باوجود فرعون کو ڈوبتے دیکھنے کے اور باوجود موسی علیہ الصلوۃ والسلام کے اتنے کثیر خوارق عادات دیکھنے کے سامری کے کہنے میں آگئے اور ایک بچھڑے کی پوجا شروع کر بیٹھے اسواسطے اللہ تعالے نے ان کی توبہ کے ساتھ قتل نفس کی قید یعنے بڑے درجہ کی ملامت اور سرزنش اور ندامت کی قید لگادی اور اس قتل نفس کے یہی بڑا بھاری معنے ہیں جو دوسرے مقامات پر **توبوا** کے بعد کے معنے ہیں یعنے **اصلاح و تبیین و اخلاص** جو اکثر گناہ کے مناسب حال ہیں۔ لغت اور محاورات عرب کی طرف بھی اگر رجوع کیا جاوے تو یہی ثابت ہوجاتا ہے کہ قتل نفس کے معنے فقط قتل جسمانی یعنے سر کاٹ ڈالنا نہیں ہیں بلکہ خذلان اور رسوائی اور عدم اعتنا اور بے عزتی بھی ہوتے ہیں اور نفس امارہ کی ہوا اور خواہشات نفسانی کو چھوڑنے اور تکالیف شرعیہ کی پابندی اختیار کرنے کے لئے بھی قتل نفس مستعمل ہوتا ہے کما قیل من لم یعذب نفسہ لم ینعمہا ومن لم یقتلہا لم یحیہا (بیضاوی تحت آیہ فاقتلوا انفسکم) یعنی جس نے اپنے نفس کو تکلیف نہیں پہونچائی اس نے اس کو راحت نہیں پہنچائی اور جس نے اپنے نفس کو قتل نہیں کیا اس نے اسکو زندہ نہیں کیا۔ اب صاف ظاہر ہے کہ یہاں قتل نفس کے معنے جسمانی قتل نہیں ہیں بلکہ مراد قطع شہوات نفسانیہ و تحصیل احکام شرعیہ بقدر نہیہ ہے۔ علی ہذا القیاس صحیح بخاری کی کتاب فضائل اصحاب النبی صلعم میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالے عنہ کی بیعت کے قصہ میں آتا ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں ایک کمیٹی گھر میں انصار رض سعد بن عبادہ کی بیعت کے لئے کمیٹی کر رہے تھے وہاں ابوبکر رض اور عمر رض اور ابوعبیدۃ الجراح رض بھی چلے گئے آخرش ابوبکر صدیق کی بیعت عمر رض نے سب سے پہلے کی اور پھر اسکے بعد سب لوگوں نے ان کی بیعت کرلی جب یہہ فیصلہ ہوگیا تو کسی نے کہہ دیا قتلتم سعد بن عبادۃ فقال عمر قتلہ اللہ یعنی تم نے سعد بن عبادہ کو قتل کر ڈالا۔ عمر رضی اللہ تعالے عنہ نے جواب دیا ہم نے نہیں بلکہ اس کو تو اللہ تعالے نے قتل کردیا ہے

وَإِذْ قُلْتُمْ يَٰمُوسَىٰ لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَى ٱللَّهَ

اور ہماری اس دوسری نعمت کو بھی یاد کرو کہ جب تم نے موسے سے کہا کہ ہم تو تیری بات پر ہرگز یقین نہیں کرینگے تاوقتیکہ ہم اللہ کو اپنی آنکھوں ظاہر میں دیکھ نہ لیں سو

جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ ٱلصَّٰعِقَةُ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ۝

تمہاری اپنی گستاخی اور کجروی پر تم کو اس سخت آواز نے آپکڑا جس سے تم کو غشی اور کپکپاہٹ ہوگئی اور پھر آخر کار تم مرگئے پھر تمہارے

ثُمَّ بَعَثْنَٰكُم مِّنۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝

اس مرجانے کے بعد ہم نے تم کو زندہ کیا تاکہ اب تم ایمان کی حالت پر مرنے کے لئے تیار ہوجاؤ اور اسطرح خدا کی اس نعمت عظمیٰ کی قدر کرو

فتح الباری شرح صحیح البخاری میں اسی حدیث کی شرح میں بروایت دیگر بجواب شخص دیگر عمر رضی اللہ تعالے عنہ نے فرمایا اقتلوہ (سعدا) قتلہ اللہ اسکے آگے حدیث مالک کا حوالہ دیکر لکھا ہے فقلت وانا مغضب قتل اللہ سعدا فانہ صاحب شر وفتنۃ اس حدیث میں اور اس حدیث کی دیگر روایات میں جہاں کہیں لفظ قتل بحق سعد بن عبادہ آیا ہے تو اس سے مراد قتل جسم نہیں ہے بلکہ فقط اس کی رسوائی اور ناکامیابی اور خذلان اور اس کی بے وقری اور بے اعتباری اور بے عزتی اور بے حرمتی ہے۔ مجمع بحار الانوار میں بھی اس حدیث کے قتل کے جملہ الفاظ نقل کرکے قتل کے وہی معنے کئے ہیں جو ہمنے کئے ہیں اور فتح الباری میں بھی یہی معنے اختیار کئے ہیں مجمع بحار الانوار میں قتل کی اور مثالیں بھی دی ہیں جنمیں قتل سے مراد ہرگز قتل جسمانی نہیں ہوسکتا طالب تحقیق خود اس کتاب کو دیکھ سکتا ہے۔ غرضکہ فاقتلوا انفسکم میں بھی قتل نفس سے مراد قتل جسمانی نہیں ہے۔ کیونکہ یہہ تعلیم ربانی کے خلاف ہے۔ بلکہ فقط اپنے نفس امارہ کی رسوائی اور ملامت اور ندامت اور اس کی اصلاح مراد ہے۔ جہاں توریت میں ہزارہا اور محرفات وا باطیل کسی نہ کسی وجہ سے مندرج ہیں وہاں یہہ قصہ بھی یعنی بنی اسرائیل کا قتل محض باطل درج کیا گیا ہے اور اسی کتاب یا اسکے جاننے والوں سے ہمارے مفسرین رحمہم اللہ تعالے کو بھی وہ قصہ معلوم ہوگیا تو انہوں نے بھی یہاں ظاہر الفاظ کا ترجمہ اس قصہ کے مطابق کرکے ستر ہزار بنی اسرائیل کو قتل کرڈالا ہے۔ قرآن مجید اور اس کی سچی اور صحیح اور ربانی اور حقانی تفسیر یعنے حدیث نبوی صلعم میں اس قصہ قتل بنی اسرائیل کا ایک نقطہ تک موجود نہیں ہے صرف بلا سند اقوال ہی اقوال ہیں۔ غرضکہ اس نعمت یعنی بنی اسرائیل میں سے گوسالہ پرستوں کی توبہ قبول کرنے کے بعد اللہ تعالی اب چھٹی نعمت یہہ بیان کرتا ہے۔ واذ قلتم یموسیٰ لن نؤمن لک حتی نری اللہ جھرۃ الایہ کہ بنی اسرائیل میں سے ستر آدمی جو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ طور پر گئے تھے انہوں نے کفر دی اور شرارت اور گستاخی سے کہہ دیا ارنا اللہ جھرۃ یعنے ہم کو اللہ تعالے اس طرح پر دکھا دے کہ اسکو ہم اپنی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اس کی سزا اُن کو یہہ ہوئی کہ ان پر صاعقہ یعنے آسمانی بجلی پڑی اور کپکپاہٹ اور کپکپا کر آخر کار مرگئے مگر ہماری مہربانی کو دیکھو کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے اُن کو پھر زندہ کیا تاکہ اب جو وہ کفر کی موت مرے تھے اس سے رہا ہو کر اسلام کی موت مریں اور ہمارا شکر بجا لاویں۔ اسکا ذکر قرآن مجید میں پ۹ ع۶ پ۹ ع۶ میں بھی بیان ہوا ہے یہاں فقط اتنا ذکر کرنا ضروری ہے کہ یہاں فاخذتکم الصاعقۃ آیا ہے اور دوسری جگہ بجائے لفظ **الصاعقۃ** کے **الرجفۃ** آیا ہے حالانکہ صاعقہ کہتے ہیں اُس بجلی کو جو آسمان سے گرکر جہاں پڑتی ہے اسکو جلا دیتی ہے اور الرجفہ کہتے ہیں زلزلہ اور کپکپاہٹ کو تو دونوں لفظوں میں تطبیق کس طرح ہوسکتی ہے **جواب** یہہ ہے

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ

اور اس وقت کی ہماری ان نعمتوں ۷-۸-۹ کو یاد کرو کہ فتح مصر کے بعد ملک شام کی طرف آتے ہوئے موسیٰ نے تم کو ارض مقدسہ کے فتح کرنے کے لئے ہمارا حکم سنایا اور تم نے ہمارے حکم کی پرواہ نہ کر کے ارض مقدسہ کو فتح کرنا نہ چاہا جس پر ہم نے تم کو اس سرزمین سے چالیس سال تک محروم کر دیا لیکن نہ تو تم کو تمہاری مفتوحہ زمین مصر میں ہی

وَالسَّلْوٰى ۖ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ

واپس جانے دیا اور نہ تم کو اس سرزمین میں ہی آباد ہونے دیا بلکہ جس بیابان میں تم نے ہمارے حکم کا انکار کیا تھا وہیں تم کو چالیس سال تک سرگشتہ رہنے کے لئے رکھا اور اس پر بھی

وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

ہماری ربوبیت نے یہ تقاضا کیا کہ تمہاری روحانی تربیت کے لئے اپنا رسول موسیٰ تم میں بھیج دیا اور تمہاری جسمانی تربیت کے لئے سورج سے بچنے کے لئے ان بادلوں کا تم پر سایہ کیا اور تمہاری معاش اور گزارہ کے لئے اتنا سامان کر دیا کہ طرح طرح کی مختلف قسم کی خود رو نباتات مثلاً کھمبیاں وغیرہ وغیرہ اور ترنجبین اور مختلف قسم کے پرندے جو بٹیر کی طرح تھے تمہارے لئے مہیا کر دیئے اور تم کو حکم دیا کہ جو کچھ ہم نے تم کو دے رکھا ہے اس کے اچھا حصہ میں سے پرکھ کے کھاؤ۔ اور انہوں نے ہمارا تو کچھ نقصان نہیں کیا لیکن کچھ اپنا ہی نقصان کرتے رہتے۔

کہ اصل میں ابتدائی باعث مرگ وہ باعث نہیں ہوتی ہے مگر آخری باعث مرگ الرجفہ ہو گیا یعنی پہلے بجلی زمین پر پڑی اور اس کے غار سے وہ کپکپا اٹھے اور آخر کار کپکپا کے تھرتھری میں مر گئے تو بعض آیتوں میں ابتدائی باعث مرگ کا ذکر کیا ہے اور بعض آیات میں آخری باعث مرگ مذکور ہوا ہے اور اس آیت میں صریح معجزہ ہے کہ موسیٰ کی دعا سے مر مر کے زندہ ہوئے اور تعجب کی بات ہے کہ بعد اب اللہ تعالیٰ انکی تکلیف بیابان کی بہت بڑی بھاری نعمت بیان فرماتا ہے کہ تم نے اس لق و دق بیابان میں جہاں تم کو چالیس برس تک قید رکھا گیا طرح طرح کی ضروریات بہم پہنچائیں اور یہ قید ایسی نہ تھی کہ تم کو کسی ایک خاص مقام میں قیام کرنے دیا ہو بلکہ خانہ بدوشوں کی طرح کبھی اس بیابان کے اس میدان میں رکھا اور کبھی اس میدان میں پس تم نہ تو کھیتی کرنے کے قابل تھے اور نہ کوئی کنواں کھودنے کے قابل تھے اور یہ قید تم کو فقط اس واسطے دی گئی کہ تم نے ہماری حکم عدولی کر کے جہاد سے انکار کر دیا حالانکہ تم کو ہمارا یہ وعدہ موسیٰ سے پہنچا دیا ادخلوا الارض المقدسۃ التی کتب اللہ لکم ولا ترتدوا علیٰ ادبارکم فتنقلبوا خٰسرین (پ ۶ ع ۴) یعنی ارض مقدسہ ملک شام میں جا داخل ہو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مقرر کر چھوڑی ہے اور جہاد سے منہ پھیر نہ موڑنا ورنہ تم زیان کار ہو جاؤ گے مگر باوجود اس کے کہ تم مورد غضب میں تھے اور ایک جگہ پر قیام نہ کر سکنے کی وجہ سے نہ تم کو گھر بنا سکتے تھے اور نہ کھیتی باڑی کر سکتے تھے اور نہ کنوئیں کھود سکتے تھے تب تم پر رحم کیا اور بے محنت اور بلا مشقت کھانے پینے کی چیزیں مہیا کر دیں اور بلا مشقت دھوپ سے بچنے کے لئے تم کو آسمانی بادلوں سے کوٹھے بنا دیئے یہی ہے مراد وظللنا علیکم الغمام الایہ کی۔ اس آیت میں تین نعمتیں شمار ہوتی ہیں اس واسطے ترجمہ میں پہلے ان کے الگ نمبر ۷-۸-۹ لگا دیئے ہیں پہلی نعمت بادلوں کی ہے ہماری تفسیروں میں ان بادلوں کے متعلق عجیب عجیب کہانیاں درج ہیں مثلاً صبح کو بادلوں کا سر پر بننا شام کو نور کا ستون بن جانا وغیرہ وغیرہ خدا جانے اسرائیلیات میں دیکھو تورات کتاب گنتی باب ۹ درس ۱۵ تا ۲۳۔ المن والسلوٰی کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ مختلف قسم کی خود رو نباتات مثلاً کھمبیاں وغیرہ اور مختلف قسم کے پرندے جو بٹیر

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا

اور ہماری اس وقت کی نعمت کو بھی یاد کرو کہ جب چالیس سال کی بن باسی کے بعد اس بیابان کو چھوڑا کر ہم نے تم کو حکم دیا کہ اس شہر میں جا داخل ہو

سکے تھے" وجہ یہ ہے کہ المن کا ترجمہ خود رسول اللہ صلعم نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ بخاری کی کتاب التفسیر میں آیت وانزلنا علیکم المن والسلویٰ کی تفسیر میں یہ حدیث مروی عن النبی صلعم ہے الکماۃ من المن وماءھا شفاء للعین یعنے کھمبیاں بھی من کی ایک قسم ہے اور ان کا پانی آنکھوں کے لئے شفا ہے یہی حدیث بخاری میں کتاب الطب باب المن شفاء للعین میں ہے اس جگہ اس کی شرح میں فتح الباری میں مفصل بحث مذکور ہے اور زاد المعاد جلد ثانی میں الکماۃ کے بیان میں بڑی لطیف بحث ہے ہمارے نزدیک جو قطعی اور یقینی معنے اس حدیث کا ہو یہی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ من جسکا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے اور جو بنی اسرائیل پر بیابان میں نازل ہوتا تھا اس کی مختلف اقسام و مختلف انواع میں سے یہ کھمبی یعنی سمارو غ یا کھنبی بھی ہے یعنے جس طرح کھنبی بلا محنت و بلا زراعت و کاشتکاری زمین میں خود بخود موسم برسات میں اگ پڑتی ہے اور لوگ اسے کھاتے ہیں اسی طرح کھنبی کے علاوہ اور بھی ساگ وغیرہ یا اسی قسم کے عمدہ عمدہ چیزیں زمین میں سے ان کے لئے اللہ تعالے اگاتا ہے۔ مَنٌّ مصدر مجہول بمعنے اسم مفعول ہے یعنی ممنون ہے یعنی وہ چیز جسکا احسان کیا گیا ہے اور م-ن-المن جنس ہے یعنے طرح طرح کے ممنونات اور السلویٰ میں بھی ا-ل جنسی ہے یعنے سلویٰ جو بٹیر کو کہتے ہیں اور سلویٰ کی قسم کے ویسے ہی جانور مثلاً چڑیا وغیرہ وغیرہ۔ غرضکہ گوشت کا سامان یہ چیزیں اللہ تعالیٰ ان کو اس بیابان میں پہونچاتا تھا گو یا ان کے لئے جنگل میں منگل تھا خود کلوا من طیبٰت ما رزقنٰکم میں لفظ طیبات میں با ذائقہ و باکثرت حلال طیب چیزوں کا پایا جانا ثابت ہوتا ہے۔ پس اس آیت کا معنے خود رسول اللہ صلعم کے موافق کیا گیا ہے۔ ان تین نعمتوں یعنی الغمام-المن-السلویٰ کا ذکر پ۹ ع۷ و پ۱۶ ع ۷ میں بھی ہے۔ **سوال** بنی اسرائیل کو بیابان میں چالیس سال تک قید رکھنے اور بلاد ارض مقدسہ میں اور نیز ملک مصر میں داخل ہونے سے روکنے میں کیا حکمت تھی **جواب** اس سوال کا جواب خود پ۶ ع ۴ میں موجود ہے اللہ تعالیٰ انکو حکم دیتا ہے کہ ارض مقدسہ کو تم فتح کر لو تمہے جاؤ فتح کرلو۔ اور اسی ملک میں رہو سہو اور بیت المقدس کو اپنا دار الحکومت بناؤ (پ۶ ع ۴) اور ممالک مفتوحہ مصر کو بھی اپنے ماتحت رکھو اور وہاں اپنا گورنر مقرر کردو (پ۱۹ ع۱۱) مگر انہوں نے اسقدر بزدلی ظاہر کی کہ بالکل گھبرا گئے اور اسبات پر مصر ہوئے کہ جبتک دشمن خود بخود ملک کو خالی کر جاوینگے تو ہم ملک شام میں داخل ہونگے چونکہ وہ بالکل بزدل تھے انکو شجاع اور قابل جہاد بنانا ضروری تھا اسواسطے بیابان میں انکو رکھا اور ایسی ایسی چیزیں کھانے کو دیں جو ان کی قوت سبعی کو زندہ کردیں نہایت ہی ضروری تھا اور چونکہ گوشت اور خودرو چیزیں اسکے لئے تریاق کا حکم رکھتی ہیں۔ اسواسطے یہ دو چیزیں ان کی خوراک مقرر کی گئیں اور مزروعہ اور کاشتہ چیزیں کھانے کا ان کو موقع ہی نہ دیا گیا کیونکہ ان چیزوں میں خودروی چیزوں کی طرح زیادہ قوت نہیں ہوتی اور اگر گوشت ان کے ساتھ نہو تو پھر تو یہ چیزیں بالکل انسان کی قوت سبعی کو مردہ کردیتی ہیں اور ایسا انسان قابل جہاد کے نہیں رہتا اگر یہ لوگ آبادیوں میں رہتے تو یہ بات حاصل نہوتی گویا یوں سمجھو کہ بیابان ان کے لئے اکسرسائیز فیلڈ تھا یعنے جنگ کے قواعد سیکھنے سکھانے کا میدان اور اگر جنگل میں بھی ان کی چھاونی کسی ایک خاص میدان میں ہوتی تو وہ گاؤں آباد کرنے کو کوئی کھیتی باڑی کرتے اور خود کاشت سے اپنا گذارہ کرتے پس اس صورت میں بھی وہ غرض جو بزدلی کو دور کرنے اور شجاعت کو پیدا کرنے کے لئے تھی مفقود ہو جاتی اور یہ امر یتیھون فی الارض سے ثابت ہے پس انکی بزدلی دور کرنے اور ان میں شجاعت کا مادہ پیدا کرنے اور ان کو صابر اور متحمل تکالیف شاقہ کرنے کے لئے ان کو بیابان میں رکھنا عین حکمت و تربیت ربانی تھی اور چونکہ وہ جنگل میں خانہ بدوشوں کی طرح یا پٹھانوں کی طرح کبھی اس طرف میں اترتے تھے اور کبھی اس طرف اسواسطے بجائے چھپروں اور بارکوں کے ان کو ضرورت آسمانی چھپر یعنے بادل اور خوراک کے لئے گوشت اور گوشت کی بہی خودروی چیزیں اور پانی کے لئے خود بارہ چشمے اللہ تعالےنے ان کو پتھر میں سے پیدا کر دیئے ان نعمتوں کے بعد اللہ تعالے فرماتا ہے کہ پھر جب وہ تمہاری قید چہل سالہ بھی گذار دی اور تم جہاد کرنے کے قابل ہوگئے اور ہمارے رسول موسیٰ نے جو تم کو وعدہ فتح ارض مقدسہ و یا نصایعنے ادخلوا الارض المقدسۃ التی کتب اللہ لکم الایہ پ۶ ع ۴ اس کی قدر اب تمہارے دلوں میں ہونے لگی اگرچہ موسیٰ ع بیابان میں ہی فوت ہوگئے (بخاری کتاب الجنایز باب من احب الدفن فی الارض المقدسۃ او نحوہا) تو ہم نے تم کو حکم دیا کہ تم جب اس ملک کو فتح کر چکو اور اس کے دار الخلافہ بیت المقدس میں داخل ہونے لگو تو تمہاری تربیت جسمانی و روحانی اور تزکیہ نفس کے لئے تم کو ایک حکم دیا جاتا ہے اس کے مطابق داخل شہر ہونا یعنے ساجدین خاشعین

حَیْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا

وہاں سے جب چاہو اور جہاں سے چاہو بافراغت کھاؤ اور اس شہر کے دروازے میں سے دنیادار فاتحین کی طرح تکبر اور غرور سے داخل نہونا بلکہ مومنین کی طرح عاجز

وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰیٰكُمْ وَسَنَزِیْدُ

اور خاشع خاضع ہوکر داخل ہونا اور نیز ان کی طرح نفار سے بجا اور نعرے مار مار کر داخل نہونا بلکہ کلمہ استغفار پڑھتے ہوئے داخل ہونا تم ایسا کروگے تو ہم تمہاری خطائیں

الْمُحْسِنِیْنَ ۝ فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَیْرَ

معاف کر دینگے اور یہ بھی سن رکھو کہ جو لوگ اخلاص میں جتنا زیادہ قدم بڑھ گئے اتنا ہی ہم بھی انکو اجروں کو بڑھا دینگے۔ پس اس حکم کی تعمیل یہ ہوئی کہ ان لوگوں نے جنہوں نے

خاضعین مومنین کی طرح قولاً و فعلاً داخل ہونا یعنی تمہاری صورت و شکل بھی ایسی ہی ہو اور تمہاری زبان سے کلمہ استغفار نکلتا ہو متکبر بدمست بدتہذیب نا سمجھ فاتحین کی طرح اکڑ اکڑ اور زبان سے ہرا ہرا اور اسی قسم کے نعرے بلند کرتے ہوئے داخل نہونا اور یہ بیابان کی ساری کسریں نکال لینا بافراغت اپنی زندگی بسر کرنا۔ غرض اس طرح پر اسی فروتنی سے اگر داخل شہر ہوگے تو ہم تمہاری تمام خطائیں معاف کر دینگے اور دینی و دنیوی برکات حسب مراتب اخلاص بڑھتے جاوینگے الحاصل — کے معنے ہیں خاضعین خاشعین یعنے دل و جان سے ظاہراً و باطناً عجز کرتے ہوئے اور لفظ حطۃ کلمہ استغفار ہے اس کے معنے خود نغفرلکم خطایٰکم سے ظاہر ہیں اور یہ کلمہ استغفار ایسا ہے جیسا کہ ہم کو تعلیم ربانی سے یہ کلمہ سکھایا گیا ہے ربنا اغفرلنا ذنوبنا وکفر عنا سیئاتنا وتوفنا مع الابرار یا اسی قسم کے اور کلمات اور دعا ماثورہ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب سفر سے واپس آتے تھے تو پہلے مسجد میں داخل ہوکر نماز پڑھتے پھر گھر میں داخل ہوتے تھے اور ہمیشہ دعا استغفار وغیرہ پڑھتے پڑھاتے رہتے جو اللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں سب کے سب اس تعلیم ربانی کے مطابق ایسا ہی کیا کرتے ہیں مگر بنی اسرائیل کی قوم کچھ ایسی سرکش اور جاہل اور شریر تھی کہ باوجود بار بار کی تعلیم ربانی کے جہالت سے باز نہ آئی۔ اللہ تعالیٰ نے تو انکو یہ نعمت فتح عطا کی اور انہوں نے اسکے شکریہ میں دونوں حکموں کی تعمیل نہ کی بلکہ دونوں حکموں کی تردید کی بجائے خشوع و خضوع کی صورت کے وہ ایسے چلنے جیسے بچے گھٹنوں پر چلتے ہیں اور بجائے کلمہ استغفار کے جو لفظ حطۃ تھا لگے کہنے حنطۃ فی شعرۃ یعنے دانے جو خوشوں اور بالوں میں ہوں یہی مطلب ہے اس اگلی آیت کا فبدل الذین ظلموا قولاً غیر الذی الایۃ۔ اور یہ ترجمہ خود مفسر حقانی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے جیسا کہ صحیح بخاری کتاب التفسیر میں اسی آیت کے ذیل میں بروایت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ قولاً اور فعلاً دونو طرح پر نافرمانی کی جسکی سزا ان کو یہ ہوئی کہ آسمان سے بڑا بھاری عذاب یعنی طاعون ان پر نازل ہوا صحیحین میں اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الطاعون رجز ارسل علی طائفۃ من بنی اسرائیل او علی من کان قبلکم (مشکوۃ کتاب الجنائز باب عیادۃ المریض فصل اول) یعنے یہ طاعون جو مشہور مہلک وبا پڑجایا کرتی ہے بڑا عذاب ہے جو بنی اسرائیل کے ایک فرقہ پر نازل کیا گیا تھا یا راوی شک کرکے کہتا ہے یا تم سے پہلے لوگوں پر نازل کیا گیا تھا۔ اس نعمت کے بعد اللہ تعالیٰ نے گیارھویں نعمت یاد دلائی ہے کہ جب المن اور السلوی کھانے کو ملتا تھا مگر بیابان میں پانی کی تنگی نے تم کو ستایا تو ہم نے پتھر میں سے بارہ چشمے تمہارے لئے پیدا کر دیئے اور حکم دیا کہ المن اور السلوی کھاؤ

الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا

اپنے آپ پر ظلم کیا اس کلمہ استغفار کو جس کے پڑھنے کا ان کو حکم دیا گیا تھا بدلا کر کوئی اور کلام ہی بولنا شروع کر دیا اسپر ہمنے انہیں لوگوں پر جنہوں نے اپنے

رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ○ وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ ع ۶

اور ظلم کر لیا ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے اپر اس آسمان سے بڑا بھاری عذاب نازل فرمایا یعنی طاعون - اور اسی بیابان کی بقیہ نعمتوں میں سے ہماری اس نعمت

مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِب بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ط

کو بھی یاد کرو کہ جب موسی ہمنے اپنی قوم کے لئے پانی کی دعا کی تو ہمنے فرمایا کہ اس پتھر پر جو تمہارے سامنے موجود ہے اپنی لاٹھی مارو لاٹھی مارتے ہی اس پتھر

فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ط قَدْ عَلِمَ

میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے ہر قبیلے کے لوگوں نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر لیا اور ہم نے حکم دیدیا کہ خدا کے دیئے میں سے پڑے کھاؤ اور پیو

كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِن رِّزْقِ اللَّهِ

یعنے من و سلوے کھاؤ اور چشموں کے پانی پیو اور اس بے مشقت کھانے پینے کے شکریہ میں باہمی اتحاد رکھنا

اور چشموں کا پانی پیو مگر شکر گذاری کرتے رہو اور اگر تم میں سے کسی سے کوئی قصور سرزد ہو جاوے تو مطابق قاعدہ مستمرہ ربانی جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا اور فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم اس قصور وار کو سزا دے لینی دینا جو عین اصلاح ہے ورنہ تم مفسد ہو جاؤ گے کہ بے قصوروں پر بیداد نیا کرنے لگ جاؤ گے یہی صحیح ترجمہ ہے ولا تعثوا فی الارض مفسدین کا - کیونکہ لغت میں عثو - عثی - عیثی - وعثیان تباہ کرنے و فساد پھیلانے کو کہتے ہیں اس کی ماضی بروزن رمی - رضی - سعی کی آتی ہے مگر چونکہ واذا قیل لہم لا تفسدوا فی الارض میں اللہ تعالی نے ہر قسم کے فساد جسمانی و روحانی سے نہی کر دی ہے اور جسکی تفسیر پہلے کچھ تو اسی آیت میں اور زیادہ تر ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض میں ۲ صفحہ ۔ میں ہو چکی ہے اسواسطے اس جگہ اگر لا تعثوا کا ترجمہ لغوی لا تفسدوا کیا جاوے تو عبارت یہہ ہوگی ولا تفسدوا فی الارض مفسدین یعنی مفسد ہونے کی صورت اور حالت میں مفسد نہ بنو تو یہہ معنے بالکل غلط ہو جاوینگے اسواسطے یقینی طور پر یہاں فساد کا لازمی معنی اعتدا مراد ہے یعنے لا تفسدوا فی الارض مفسدین جسکا مطلب یہہ ہے کہ مفسد ہونے کی صورت و حالت میں اعتدا یعنے دوسرے

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ

اور اس قطعہ زمین میں جہاں تمہاری بودوباش ہے کسی پر بھی مفسد ہونے کی حالت میں زیادتی نہ کرنا اور تم اس وقت کی اپنی اس ناشکری کو بھی یاد کرو کہ

لَن نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ

اس بیابان میں جہاں شب و روز بے مشقت و بے کلفت تم کو طرح بطرح کی خودرو ترکاریاں اور قسم قسم کے پرند کھانے کو ملتے تھے تم نے ان کی قدر نہ کی بلکہ الٹے موسیٰ کو

لَنَا مِمَّا تُنبِتُ الْأَرْضُ مِن بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَ

کا نام لیکر کہا کہ اے موسیٰ ہم سے تو رات دن ایک قسم کے کھانے پر رہا نہیں جاویگا سو تو ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کر کہ ہمارے لئے ان چیزوں میں سے جن کو

فُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۖ قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ

زمین مزروعاً اگاتی ہے اسی بیابان میں ہمارے لئے آپ ہی آپ بلا زراعت کرنے کے پیدا کر دے اور ہماری مراد پیداوار اراضی میں سے فقط یہ پانچ چیزیں ہیں اور بس یعنے ترکاری وساگ اور ککڑیاں اور گیہوں و مسور اور پیاز جسکے جواب میں موسیٰ نے تم کو یہ کہا کہ کیا تم عقل کھو بیٹھے ہو جو چیز بہتر ہے اور بلا کلفت و بلا مشقت تم کو مل رہی

پر زیادتی نہ کرو ہاں مصلح ہونے کی صورت میں جیسا قصور ہو سکا ویسا ہی بدلہ لیلو۔ اور چونکہ وہ بارہ فرقے تھے اور بارہ ہی ان کے سردار تھے جیسا کہ پ۶ ع و پ۹ ع میں مذکور ہے اسواسطے چشمے بھی بارہ ہی پیدا کئے گئے تاکہ ان میں فساد اور فتنہ نہ پیدا ہووے اور اسمیں ایک عجیب باریک نکتہ یہ ہے کہ وہ لوگ اتحاد اور ارتباط وصلہ رحمی کے دشمن اور سخت تفرقہ پسند آدمی تھے کیونکہ بجائے ایک ہی چشمہ عظیم کے ان کو بارہ چشمے دیئے گئے اور چونکہ تفرقہ پسندی کی بو ان سے آتی ہے اور پانی پر عموماً معرکے اور جھگڑے لوگوں میں ہوتے ہیں اسواسطے اللہ تعالے نے فرمایا کہ جیسا قصور دیکھو ویسی ہی اس کی سزا دینا زیادتی نہ کرنا اگر کروگے تو تم مصلح نہیں رہ سکوگے بلکہ مفسد ہو جاؤگے پس ضروری تھا کہ ان کو اس فعل شنیع سے روکا جاوے۔ ولا تعثوا فی الارض میں الف لام حضوری ہے یعنے اس مسافرت اور جلاوطنی کی صورت میں اس بیابان میں ہر طرح سے ارتباط و محبت اور الفت رکھنی ضروری ہے زیادتیاں نہ کرنا۔ اور چونکہ یہ چہل سالہ قید ان کو اسواسطے ملی تھی کہ انہوں نے جہاد کر کے ارض مقدسہ کو فتح کرنا نہ چاہا تھا اور بزدلی ظاہر کر کے جہاد سے منکر ہو بیٹھے تھے اسواسطے بالکل تیہ کے اندر ان کو رکھنا اور انکو جنگلی خودرو چیزیں اور جنگلی پرندے کھانے کو دینا بڑی بھاری مصلحت پر مبنی تھا اس سے ان میں صبر اور حوصلہ بڑھایا اور جسمانی اور روحانی قوت کا زیادہ کرنا مقصود خداوندی تھا کہ گوشت کھانے والی قومیں بہت جری اور شجاع ہوتی ہیں اور خودرو جنگلی چیزیں بھی گوشت کی طرح بہ نسبت مزروعہ کاشت شدہ چیزوں کے زیادہ قوی ہوتی ہیں اسواسطے جہاد کے لئے وہاں خوب تیاری ہو سکتی تھی جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ بنی اسرائیل نے یہاں بھی اس نعمت کو غنیمت نہ سمجھا بلکہ الٹی شکایت کر دی۔ اور کہدیا لن نصبر علی طعام واحد الآیہ کہ ہم سے تو اب خودرو جنگلی چیزوں اور ان جنگلی پرندوں پر رہا نہیں جاویگا ہم تو رات دن وہی چیزیں بار بار کھا کر دق ہو گئے ہیں اپنے رب سے کہو کہ وہ ہمارے لئے جس طرح یہ خودرو چیزیں زمین سے

الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ۚ اهْبِطُوا مِصْرًا فَإِنَّ

ہے اس کے بدلہ میں تم ایسی چیزیں لینی چاہتے ہو جو گھٹیا ہیں اگر تمنے ایسا ہی کرنا ہے تو خدا سے بھی ایسا سوال نہیں کرنیکا جس سے تمہاری نادانی اور ناشکری معلوم

لَكُم مَّا سَأَلْتُمْ ۗ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ

ہوتی ہے اور جو چیزیں تم مانگ رہے ہو ان کو خداوند تعالیٰ آبادیوں میں لوگوں کی محنت و مشقت زراعت و کاشت پر پیدا کر رہا ہے تم بھی پھر اس بیابان کو چھوڑ کر کسی

وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا

آبادی میں جا اترو وہاں تم کو یہہ چیزیں مل جاوینگی یعنی کسی ایک چھوٹے سے شہر کو فتح کر لو۔ اور بیابان میں پھرتے رہنے کی بھی مدت گذر گئی اور موسیٰ اور ہارون بھی ان میں سے

يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ

ملک بقا کو سدھار گئے اور جس ارض مقدس میں جو انکی موروثی سرزمین تھی انکو محروم کیا گیا تھا پھر انہیں فتح کے بعد داخل ہی ہو گئے تو اسکے بعد پھر بڑا حرح کی ذلت اور قسم

الْحَقِّ ۗ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ع ۷

کی مسکنت کے نیچے اینز لگائے گئے یعنے ان کی ذاتی شرافت خاندان بھی گم ہوگئی اور کبھی عزت بھی کچہ نہ رہی اگرچہ لاکھوں روپیوں کے مالک کیوں نہوں اور اللہ کی طرف سے بڑا بھاری غضب اپنے سر پر لیکر واپس آئے۔ اس سزا کے مستوجب وہ لوگ اسواسطے ہوگئے کہ وہ اللہ کی آیات سے انکار کیا کرتے تھے اور اپنے وقت کے نبیوں کو جو ان کو کتاب توریت کی تعلیم کیا کرتے تھے قتل کر ڈالا کرتے تھے باوجودیکہ ان کو قطعی علم تھا کہ یہہ سچے نبی ہیں اور ان کا قتل کرنا محض ناحق ہے اور نبیوں کی قتل تک نوبت پہونچنے کی وجہ یہہ تھی کہ وہ حکم عدولی کیا کرتے تھے اور زیادتی کیا کرتے تھے۔

بلا اسباب زراعت پیدا کر رہا ہے اسی طرح بلا اسباب زراعت وہ ساگ ترکاریاں اور ککڑیاں اور گیہوں اور مسور اور پیاز پیدا کر دیوے جو مزروعہ زمینوں میں بلا اسباب پیدا ہوتی ہیں موسیٰ ہمنے جو ہمارے رسول تھے اور ہماری نعمتوں کے قدرشناس اور قدردان تھے تمہارے اس سوال کو فضول سمجھا اور ہماری جناب میں ایسا سوال کرنا گستاخی جانکر تم سے تمہاری خیرخواہی کرکے اول تو یہہ نصیحت کی کہ ناشکری نہ کرو بلا محنت و کلفت کھانے مل رہے ہیں کھاتے رہو اور خدا کی عبادت کرتے رہو اور جہاد کے لئے تیار رہتے رہو خدائے علیم و حکیم کی حکمت کا تقاضا نہیں ہے کہ مزروعہ چیزیں تم کو کھانے کو دے۔ اس جنگل میں رکھنے اور تم کو خودروئی چیزیں کھلانے سے مقصود خداوندی یہہ ہے کہ ان شجاعت بخش اور مقوی چیزوں سے تم کو قابل جہاد بناتے اور

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ

بیشک وہ لوگ جو اسلام کے زبانی دعوے کرتے رہتے ہیں اور وہ لوگ جو لیتے نہیں ہدایت والا سمجھتے ہیں یعنی یہودی اور وہ لوگ جو مسیح ؑ کے دین کی حمایت کرا لیتے یعنی عیسائی

تم سے مادہ بزدلی دور کردے سو اگر تم کو مزروعہ اور کاشت شدہ اشیاء کے کھانے کا شوق ہے تو تمہارے اس وعدے کو یاد کرو یعنی ادخلوا الارض المقدسۃ
التی کتب اللہ لکم اور جسکی نافرمانی کی وجہ سے تمپر ارض مقدسہ میں جانا حرام ہو چکا ہے اور اب اس جنگلی چھاونی میں جہاد کے لئے تیار ہو رہے ہو بس ابھی جہاد کیلئے
اٹھ کھڑے ہو اور کسی ایک شہر کو منتوح کر کے اسمیں داخل ہو جاؤ اور اپنی من بھاتی مرادیں حاصل کرو اس آیت میں مما تنبت الارض کے الارض کا الف لام
عہدی ذہنی ہے یعنے وہ زمین جہاں یہہ چیزیں کاشت ہوا کرتی ہیں اھبطوا مصرا میں مصرا کی تنوین تنکیر و تحقیر کیلئے ہے یعنے چھوٹی سی چھوٹی بستی کو بھی فتح
کرنے کی تم میں ابھی قابلیت پیدا نہیں ہوئی تم کس طرح ارض مقدسہ میں داخل ہو سکتے ہو اور جبتک تمپر چالیس سال نہ گزر جاوینگے تم اس قابل ہو ہی نہیں سکوگے
اور پھر جنگ خود فتح نہ کر لوگے تمکو یہہ ترکاریاں وغیرہ جو مزروعہ کاشت کردہ ہوتی ہیں مل ہی نہیں سکتیں اھبطوا مصرا اصل میں تحریص اور تحریک علی الجہاد کے
لئے ہے یہہ مطلب نہیں ہے کہ تمکو فی الحقیقت یہاں سے چلے جانے کی اجازت ہے موسیٰ ؑ اللہ کے رسول تھے چالیس سال سے پہلے پہلے وہ کس طرح اپنی قوم
کو اس جنگل میں سے چلے جانے کی اجازت دے سکتے تھے۔ یہاں تک بیابان کا قصہ ختم ہے اور یہیں اسی بیابان میں موسیٰ ؑ بھی فوت ہوئے جیسا اوپر ذکر ہو چکا
ہے غرضکہ اھبطوا مصرا فان لکم ما سألتم تک موسیٰ ؑ کا زمانہ ختم ہو چکا اسکے بعد بیابان سے مخلصی پانے اور مسیح ؑ کے زمانہ تک جو جو شرارتیں اور فساد
کرتے رہے ہیں ان کا ایک سلسلہ میں اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے مثلاً ان لوگوں کو سمجھانیوالے انبیاء جو محض توراۃ کے مسائل کی تفہیم اور تجدید اور تعلیم کیلئے مبعوث
ہوتے تھے ان کی تعلیمات ربانی کو نہ ماننا بلکہ موقع پا کر لگے تو ان کو قتل کرنا اور طرح بہ طرح کے عصیان اور اعتداء اور کفر کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اور انہیں اسباب کو
اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی ذلت اور مسکنت اور ان کے محل غضب ہونے کا موجب قرار دیتا ہے کما قال وضربت علیہم الذلۃ الآیہ۔ الذلۃ اور المسکنۃ
میں الف لام جنسی ہے اور غضب کی تنوین تعظیم کیلئے ہے۔ ذلت سے مراد ہے انکی ذاتی اور خاندانی شرافت اور مسکنت سے مراد ہے ان کی کسی عزت و عظمت یعنی
اب انمیں یہہ دونو باتیں مفقود ہیں بلکہ خدا کے غضب میں یہہ لوگ آ گئے ہیں۔ باؤ بغضب من اللہ کے معنے ہیں رجعوا بغضب من اللہ یعنی اللہ کے ہاں سے
وہ رحمت لیکر نہیں واپس پھرے بلکہ اسکا غضب اور سخط لیکر واپس آئے ہیں۔ یقتلون النبیین بغیر الحق میں بغیر الحق کے معنے ہیں باوجود اسبات کے قطعی علم رکھنے کے کہ نبی
حق پر اور اسکے حق ہونے میں انکو کسی قسم کا شبہ بھی نہیں ہے یعنے حق سمجھ کر اور حق جانکر نبیوں کو قتل کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ ان کے حق میں فرماتا ہے یعرفونہ کما
یعرفون ابناءھم پ۲ ع یعنی بنی اسرائیل اہل کتاب اپنے بیٹوں کی طرح نبی کو پہچانتے ہیں باوجود پہچاننے کے نبی کو انہیں لوگوں نے زہر دلوایا اور قتل کے منصوبے باندھے پ۲ ع۔ بغیر حق
بلا آل کے آتا ہے اسمیں حق کی تنوین تنکیر کیلئے آتا ہے۔ آل دونو کا ایک ہی ہے یعنی جگہ ذلک کا مشار الیہ یعنی اللہ کے غضب علیہم میں آجانے کا موجب اللہ تعالیٰ کی آیات کا
انکار اور اللہ تعالیٰ کے نبیوں کا جو محض توراۃ کی تعلیم کرتے تھے قتل کرنا ہے دوسری جگہ ذلک کا مشار الیہ یعنی انکار آیات و قتل نبیین کیوجہ عصیان یعنی خود اپنی ذات تک جرائم کا
محدود کرنا اور اعتداء یعنے دوسروں کی ذات پر زیادتی کرنا۔ یہہ آیت بڑی بھاری تنبیہ ہے ان مسلمانوں کیلئے جو چھوٹے گناہوں کو ہلکا سمجھکر کرنے لگ جاتے ہیں
پھر رفتہ رفتہ بڑھتے بڑھتے نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ بڑے بڑے گناہوں کو بھی ہضم کر جاتے ہیں اور دل سیاہ ہوتے جاتے ہیں اور زنگ پکڑ لیتے ہیں [illegible] ان کو
بری لگنے لگجاتی ہے اعاذنا اللہ منہا۔ اس سے پہلے [illegible] کا ذکر ہو چکا ہے اب یہاں بنی اسرائیل کا ذکر
اور ان کے کفر نعمت اور ان کے بے ایمانیوں کی سزا یعنی ذلت اور مسکنت اور غضب [illegible] اور ادیان کی [illegible]
فرمایا ہے کہ خواہ کوئی مسلمانی کا مدعی ہو خواہ کوئی یہودی ہو [illegible]
اور اجرام فلکیہ کو [illegible] پرستش میں [illegible]
اور قیامت کے دن کے احوال و اہوال پر ایمان لاویگا [illegible]
ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ ان الذین آمنوا والذین ھادوا والنصاریٰ الآیہ۔
یہہ آیت پ۶ ع میں بھی آئی ہے [illegible]

وَالصّٰبِـِٔيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

اور وہ لوگ جو صابئین ہیں ان میں سے جو کوئی اللہ تعالے اور اس دن پر جو اس دنیا کے پیچھے آنے والا ہے ایمان لاویں گے

وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا

اور اعمال صالح کرینگے تو ان کے لئے ان کے رب کے ہاں اُن کا اجر ہے اور ان کو نہ تو کسی قسم کا خوف

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَاِذْ اَخَذْنَا

ہے اور نہ وہ کسی طرح کا غم کھائیں گے ۔ اور ہماری اس وقت کی نعمت کو بھی یاد کرو جب ہم نے تم سے حلفی اقرار لیا

مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ

اور اس کوہ طور کو جہاں ارنا اللہ جھرۃ کے کہنے سے تم پر موت آپڑی تھی اور جہاں پھر انکی دعا سے ہمنے تم کو زندہ کر دیا بعوض معجزہ دیدار خدا معجزہ رفع جبل

بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ثُمَّ

دکھایا تھا یعنے اسی کوہ طور کو زمین سے اکھاڑ کر تمہارے اوپر کھڑا کر دیا تھا اور توراۃ دیکر ہمنے حکم دید یا تھا کہ جو کچھ ہمنے تم کو دیا ہے اسپر خوب باضبوطی سے عمل کرنے پر
تاکہ تم بچ جاؤ ۔ پھر تم اس اقرار سے اس معجزہ کے دیکھنے کے بعد پھر گئے یعنی تمہاری پہلوں کی ناخلف اولادیں) تو اگر

یہ ہے کہ کوئی ہو اور اگر قرآن کریم کے مطابق ربانی اور اعتقادی اور عملی زندگی اختیار کرے گا تو وہ جنتی ہے ورنہ نہیں اور چونکہ بنی اسرائیل کو بالخصوص
خطاب ہو رہا ہے اسواسطے ان کو بھی یہی فرمائش کی جا رہی ہے کہ تم بھی پکے اور سچے مخلص بندے بنجاؤ اور قرآن کریم پر چلنے اور اسی کی مطابق عملدرآمد
کرنے کا اقرار اسی طرح کرو جس طرح تمہارے باپ دادوں نے معجزہ رفع جبل دیکھ لیا تھا کما قال اللہ تعالی واذ اخذنا میثاقکم الایۃ اور یہ بڑی
بھاری نعمت تھی جو تم کو دی گئی تھی ۔ یہاں لفظ ورفعنا فوقکم الطور کا مطلب بیان کرنا ضروری ہے ۔ اس کی تفسیر دوسری جگہ اللہ تعالے پ ۹
غ میں خود بیان کرتا ہے ۔ واذ نتقنا الجبل فوقھم کانہ ظلۃ وظنوا انہ واقع بھم یعنے اس وقت کو یاد کرو کہ جب ہمنے اس پہاڑ کو جو طور
کہلاتا تھا زمین سے اکھاڑ کر ان کے اوپر بلند کر دیا گویا وہ بڑا بھاری سائبان تھا اور وہ ظن کر بیٹھے کہ بس وہ انپر گرنے ہی کو ہے نتق کے معنے
اصل زبان میں قلع الشئی من موضعہ کے ہیں یعنے کسی چیز کا اس کی اپنی جگہ پر سے اکھاڑنے کے ہیں اور الرمی بہ کے بھی ہیں ۔ یعنی اس چیز کو

تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو تم ان یہودیوں میں سے ہو جاتے جو نفع اٹھاتا تو رہا در کنار بلکہ الٹے اپنے

وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ

راس المال بھی ضائع کر بیٹھتے ہیں ۔ اور بیشک ضرور بضرور تم کو ان لوگوں کا حال معلوم ہے جو

الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِى السَّبْتِ فَقُلْنَا

تم میں سے اس سبت کی (جو تم کو معلوم ہے) حرمت توڑنے میں حد سے تجاوز کرتے تھے ۔ پس ہم نے ان کو کہدیا ۔ کہ

لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ۝ فَجَعَلْنٰهَا

بندر بنجاؤ ۔ جو ہر طرف سے دھتکارے جاویں ۔ پس ہم نے اس واقعہ کو

اسکی جگہ سے اٹھا کر کھینچ لیا ۔ فوقہم کے معنے ہیں ان کے اوپر ۔ ان کے سروں سے اوپر ۔ ظلہ کا لفظ بتا رہا ہے کہ پہاڑ ان کے سروں سے اوپر تھا مگر سروں کو سایہ کئے ہوئے تھا اور واقع لفظ اسی کی ائید کر رہا ہے ظلۃ کی تنوین تفخیم و تعظیم کیلئے ہے غرضکہ ورفعنا فوقکم الطور کے معنی یہ ہیں کہ طور کو اسکی جگہ سے ہلا کر اور اٹھا کر اور اسکی جگہ سے اٹھا کر اسقدر بلند کر دیا کہ وہ تمہارے سروں پر مثل سائبان کے لٹکا ہوا معلوم ہوتا تھا اور تم ایسا سمجھتے تھے کہ گویا یہ اب گرا کہ گرا ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کتاب تورات کی ضخامت دیکھ کر گھبرا اٹھے اور اسکی تعمیل سے انکار کر بیٹھے ۔ پس تورات کے قبول کروانے کیلئے اللہ تعالے نے اس پہاڑ کو کھڑا کر دیا اور فرمایا مانتے ہو تو مانو ورنہ ۱۲۹ـ۱۱۹
ابھی تم کو ریزہ ریزہ کئے دیتے ہیں ۔ ایسا خیال پر از خطا ہے ۔ اللہ تعالے ہرگز اجبار اور اکراہ در الجاء سے کسی کو ایمان قبول نہیں کرواتا ۔ دیکھو ۔ ایسا ایمان کسی کام کا نہیں ہوتا اور ڈر کر جو ایمان قبول کیا جاوے وہ خدا کے ہاں منظور نہیں ہے اور اللہ کے دین میں ہمیشہ یہی قانون جاری رہا ہے کہ کسی زمانہ کی کسی شریعت میں ایسا ایمان منظور نہیں رہا ہے فرعون کا حال ہی دیکھ لو وہ اقرار کرتا ہے کہ میں ایمان لاتا ہوں رب موسیٰ و ہارون پر اور خدا منظور نہیں فرماتا ۔ کتاب و سنت سے ایک نقطہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ بنی اسرائیل کے سر پر پہاڑ اسواسطے اٹھایا گیا تھا کہ وہ مجبور و مقہور و مکرہ و ملجی ہو کر ایمان لے آویں ۔ مطلب فقط یہی ہے کہ حقیقتہً تمکو ایسا معجزہ ظاہر باہر دکھایا کہ تمکو اسمیں شک یا التباس کرنے کی گنجایش ہی نہیں چھوڑی مگر باوجود اسکے تمہارے ان آبا و اجداد کی تقلید کے اور اولا د نا خلف پھر بھی منکر ہوتے ہوگئے یہی حتی کہ اب تمہارا زمانہ آگیا ہے اور رسول اللہ صلعم کے ظاہر باہر معجزات بھی دیکھ چکے ہو اور اپنی کتابوں میں ان کی تصدیق بھی کر چکے ہو کہ تمہارا فرض ہے کہ تم دل و جان سے اس رسول کی فرمانبرداری کر کے ناجی بنجاؤ ۔ موسیٰ کے معجزہ نتق الجبل سے معجزہ شق القمر اغرب و اعجب ہے قرآن مجید اسکا شاہد ہے ۔ اور صحابہؓ اور کتاب عرب اسکے قائل ۔ (بخاری کتاب التفسیر تفسیر آیت اقتربت الساعۃ وانشق القمر) ۔ ۔ ۔ اسکے بعد اللہ تعالے ان لوگوں کو وہ مشہور و معروف واقعہ یاد دلاتا ہے جسمیں بعض بنی اسرائیل نے یوم سبت کی حرمت کو توڑ ڈالا تھا ۔ اور سو اس کی پاداش میں بندر بنا ڈالے گئے تھے ۔ کما قال ۔ ولقد علمتم الذین اعتدوا منکم فی السبت الخ
✻ حرمت سبت کی تفسیر دوسری جگہ پ ۹ ع واسئلهم عن القریۃ میں موجود ہے اور اسکا ذکر پ ۶ ع اور پ ۱۵ ع میں بھی موجود ہے خلاصہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگ دریا کنارے رہتے تھے اور حکم عدولیاں کرتے تھے ان کی حکم عدولیوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ وہ اس روز مچھلیوں کا شکار

نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً

ان لوگوں کے لیے جو اس واقعہ کیوقت موجود تھے اور ان لوگوں کیلئے جو اسکے بعد قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے بڑی بھاری عبرت کا موجب

لِّلْمُتَّقِينَ ۝ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ

بنا یا اور ان لوگوں کیلئے جو تقوے کو اپنا دستگار رکھتے ہیں اس واقعہ کو بڑی بھاری نصیحت ۔ اور اسوقت کی گستاخیوں کو یاد کرو جب موسیٰ ع نے اپنی قوم سے کہا کہ

يَأْمُرُكُمْ أَن تَذْبَحُوا بَقَرَةً ۖ قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۖ

بیشک اللہ تعالےٰ تم کو حکم کرتا ہے کہ تم لوگ کوئی سی گائے حلال کرو ۔ وہ بولے کیا آپ ہم سے ٹھٹھا کرتے ہیں . . . . . .

قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝

فرمایا میں اللہ تعالےٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں ان لوگوں میں سے بن جاؤں جو نادان ہوتے ہیں ۔

کرتے تھے اور جو لوگ سمجھدار تھے وہ ان کو منع کرتے تھے مگر وہ ان کی ایک نہ سنتے تھے آخر کار سخت عذاب انپر نازل ہوا اور ان کی صورتیں مسخ کر دی گئیں اور وہ بندر بنا دیئے گئے ۔ اللہ تعالےٰ یہاں بھی بنی اسرائیل کو وہ واقعہ یاد دلاتا ہے کہ نافرمانی کا نتیجہ برا ہوا کرتا ہے تم بھی باز آجاؤ اور رسول اللہ صلعم کی اتباع اختیار کرلو ۔ اسکے بعد اللہ تعالےٰ بنی اسرائیل کی اسی قسم کی کچھ اور کج بحثیاں بیان کرتا ہے خدائے علیم و خبیر کو معلوم تھا کہ کوئی قتل ہونے والا ہے اور اس قتل میں بنی اسرائیل نے شرارت کر کے چشم پوشی کرلی ہے اسواسطے موسیٰ ع کو حکم دیدیا کہ بنی اسرائیل سے کہدیں کہ وہ گائے ذبح کریں انہوں نے یہہ تعمیل یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک ان کو کہدیا کہ خدا کا حکم ہے کوئی گائے ذبح کرو ۔ وہ حیران ہوکر پوچھتے ہیں کہ گائے ذبح کرنے کا کوئی موقع نہیں کوئی سبب نہیں اسکی کوئی مصلحت یا غرض معلوم نہیں ہوتی آپ ہم سے مخول تو نہیں کرتے آپنے فرمایا پناہ بخدا ایسی خدا کا رسول اور کروں میں مخول آخر کار انہوں نے گائے ذبح کر دی مگر ان کو پتہ نہیں لگا کہ کیوں ذبح کر رہے ہیں اور نہ یہہ معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی ذبح کا کوئی باعث معلوم تھا ۔ غرضیکہ وہ خون بھی ہوگیا اور اسکا مقدمہ موسیٰ کے روبرو پیش ہوا اور قاتل کا صحیح پتہ نہ لگ سکا ۔ چونکہ ادہر یہہ واقعہ ہوگیا اور ادہر پہلے ہی سے اللہ تعالےٰ نے ان سے ایک گائے ذبح کروالی حکم دیدیا کہ اس مذبوح گائے کے گوشت کا کوئی سا ٹکڑا لاش مقتول کو لگا دو ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور مقتول زندہ ہوگیا اور سارا قصہ جھگڑا طے ہوگیا ۔ قرآن مجید کی سیاق عبارت سے بس یہی بات معلوم ہوتی ہے چالیس سال تک گائے کا تلاش کرتے رہنا اور ایک عاجز یتیم بچہ کے پاس اسی گائے کا ملنا اور پھر اس کی قیمت وغیرہ کا قصہ سب کا سب بے اصل ہے ۔ گائے کے ذبح کے قصہ کو واقعہ کے لحاظ سے موخر اور بیان کے لحاظ سے مقدم اور مقتول کے قصہ کو بلحاظ واقعہ مقدم اور بلحاظ بیان موخر خیال کرنا بھی درست نہیں ہے ۔ بلکہ جس طرح قرآن مجید میں بلحاظ بیان کے تقدیم و تاخیر ہے اسی طرح ان کے واقعات بھی مقدم و موخر ہیں ۔ اصلاً دونوں اپنے محل پر چسپاں ہیں جیسا او پر ذکر کیا گیا ہے اب ہم ان دونوں واقعات کو لکھتے ہیں ❊ بقرہ کی تنوین تنکیر کے لئے ہے ۔ یعنے کوئی سی گائے ۔ گائے کی نسبت تین سوال کئے گئے ہیں ۔ پہلا سوال اسکی عمر کی نسبت ہے اور اسکا جواب یہہ دیا گیا ہے کہ وہ گائے نہ تو ایسی ہی ہو کہ ابھی اپنے کمال تک نہ پہونچی ہو اور نہ ایسی ہی کہ کمال کی حد سے گزر گئی ہو بلکہ ایسی عمر کے لحاظ سے حد کمال میں پہونچی ہوئی ہو ۔ اس سوال کے جواب کے بعد فافعلوا ما تؤمرون ہے ۔ اسکا مطلب یہہ ہے کہ بس آگے اب

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ

وہ بولے کہ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ ہم کو خوب واضح کر کے سمجھا دے کہ وہ کتنی عمر کی ہو۔ فرمایا اللہ تعالے فرماتا ہے

إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ

کہ وہ ایسی عمدہ گائے ہو کہ نہ بہت بوڑھی ہو اور نہ پوری جوان ہو بلکہ دو نو عمروں میں متوسط عمر کی ہو

فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ

پس جو کچھ تم کو حکم دیا جاتا ہے اُس کی تعمیل کرو۔ بولے کہ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمکو

لَنَا مَا لَوْنُهَا قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ

بخوبی ذہن نشین کرا دے کہ اسکا رنگ کیسا ہو فرمایا اللہ تعالے فرماتا ہے کہ وہ گائے پیلے رنگ کی ہو اور اس کا

لَوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ

رنگ بھی خوب گہرا رنگ ہو کہ جو لوگ دیکھیں اُنکو بھلی لگے۔ پھر بولے کہ آپ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمکو خوب سمجھا بجھا دے

إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ۝

کہ وہ گائے کام کیا کرتی ہو کیونکہ اس قسم کی گائیں جنکی آپ تعریف کر رہے ہیں بہت سی ہیں اور ہم کو ان میں التباس پڑ گیا ہے۔ اور اب کی بار انشاء اللہ تعالے ہم خواہ مخواہ اسکو تلاش کر کے لے آوینگے اور حسب الارشاد ذبح کر ڈالیں گے۔

زیادہ سوال نہ کرنا یہیں بند ہو جاؤ مگر وہ کہاں بند ہونیوالے تھے۔ دوسرا سوال رنگ کی بابت کیا اس کے جواب میں بھی ان کی کٹ حجتی کی وجہ سے تشدد کیا گیا اور تین قیدیں لگائی گئی ہیں۔ اول رنگ ہو زرد۔ دوم زردی ہو پورے درجہ کی گہری۔ سوم خوبصورتی بھی ایسی کہ دیکھنے والے کو بھلا لگے۔ تیسرا سوال گائے کے کام کی بابت ہے اسکا جواب بھی انہیں کی شرارت کی وجہ سے سختی کے ساتھ دیا گیا ہے اس سوال کی دفعہ

قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ

فرمایا کہ اللہ تعالے فرماتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہو جو کاموں کی خواری کی ماری ہوئی نہ ہو یعنی نہ تو زمین ہی

وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيهَا قَالُوا

جوتتی ہو اور نہ کھیتیاں پلاتی ہو بلکہ بے روگ ہو اور بالکل بے داغ ہو ۔ بولے اب آپ نے ہم کو

الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ۸ ع ۸

پورا پورا پتہ بتایا ہے ۔ پس اس گائے کو تلاش کر کے لے آئے اور اسکو حلال کر دیا اور امید نہ تھی کہ وہ حلال

وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَّارَأْتُمْ فِيهَا وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا

کرتے ۔ اور اسوقت کو یاد کرو کہ جب تمنے ایک شخص کو مار ڈالا پھر لگے اسکے بارے میں جھگڑنے اور جو کچھ تم چھپا رہے تھے اس کو اللہ تعالے

كُنتُمْ تَكْتُمُونَ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا كَذَٰلِكَ

ظاہر کرنے کو تھا ۔ پس ہمنے حکم دیدیا کہ مقتول کی لاش کو اس مذبوح گائے کا کوئی ٹکڑا چھوا دو ۔ چنانچہ تمنے چھوا دیا

يُحْيِي اللَّهُ الْمَوْتَىٰ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ

اور وہ مردہ زندہ ہو گیا جسطرح اس مردے کو خدا نے زندہ کر دیا ہے اسی طرح تمام مردوں کو زندہ کریگا ۔ اور تم کو اپنی آیات اس دنیا میں دکھاتا ہے تاکہ تم سوچو سمجھو کہ اللہ تعالے جو چاہے کر سکتا ہے اور قیامت کو سب مردے زندہ کریگا

انہوں نے ان شاء اللہ بھی پیش کیا ہے اور تعمیل حکم کے لئے آمادگی بھی ظاہر کی ہے ۔ عذر یہ ہے کہ ہم یہ تیسرا سوال اسواسطے کرتے ہیں کہ اس عمر اور اس رنگ والی گائیں کثرت سے موجود ہیں کوئی خاص نشان امتیاز نہیں بیان کیا گیا اس عذر کے لئے ان کے الفاظ ہیں ان البقر تشابہ علینا اور آمادگی کے لئے

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ

پھر اس سے پیچھے تمہارے دل سخت ہوگئے اور ان کی سختی کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ پتھروں

اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۚ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ

کی مانند ہوگئے۔ بلکہ ان سے بھی سخت تر حالانکہ بیشک پتھروں میں سے بعض پتھر

الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاۗءُ

بھی واقعی ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں سے ہر قسم کی نہریں نکلتی ہیں اور بیشک پتھروں میں سے بعض فی الحقیقت ایسے بھی ہوتے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور پھر پانی

ان کے الفاظ ہیں وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ یعنی ہم ڈھونڈ کر لائینگے اور ذبح کر ڈالیں گے ان کے اس سوال سوئم کا جواب بھی تشدد کے ساتھ دیا گیا ہے کہ وہ گائے نہ تو کبھی ہو جو زمین جوتتی اور نہ کھیتی پلاتی ہو، روگ بیماری اور دیگر عیوب متعلق جسم وجان سے بری ہو اور رنگ کی صفائی کا یہ حال ہو کہ کوئی داغ دھبہ اس پر نہ ہو۔ ادھر یہ گائے مل گئی اور ذبح بھی کی گئی ادھر خون کا مقدمہ خراب ہونے لگا۔ قاتل کا کچھ پتہ نہ لگنے پایا۔ اللہ تعالےٰ نے اپنی کمال قدرت کے ظاہر کرنے کے لئے حکم دیدیا کہ جس گائے کے ذبح کرنے کے بارے میں تم اسقدر بے لگام چل رہے تھے اس کا پارہ یہ ہے کہ اسکے کسی ٹکڑے کو اس لاش پر لگا دو۔ وہ لاش میرے حکم سے زندہ ہوجاویگی۔ اور خون کا ماجرا خود بخود نکل پڑے گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اب اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ باوجود اس معجزہ قاہرہ اور قدرت کاملہ کے دیکھنے کے اور نسلاً بعد نسل سننے کے پھر تم لوگوں کے دل پتھر ہوگئے کما قال اللہ تعالیٰ ۞ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ الآیہ۔ اس کے بعد اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ یہود کے حالات ماضیہ وحالیہ کا تم کو پورا پورا علم حاصل ہو چکا ہے ان کی شرارتوں اور بیہودگیوں اور طرح بطرح کی خیانتوں کو بخوبی معلوم کر چکے ہو تو اب ان سے یہ توقع رکھنا کہ وہ تمہاری باتیں اور تمہارے براہین قاطعہ اور دلائل ساطعہ سنکر مسلمان ہوجاوینگے ٹھیک نہیں ہے یعنی تم کو اسبات سے تو روکا نہیں جاتا کہ تم اُن کو وعظ نصیحت نہ کرو صرف تم کو یہ نصیحت کی جاتی ہے کہ اپنے اس طمع پر کہ وہ مسلمان ہوجاوینگے ان کو سمجھانے بجھانے میں اپنے تئیں ہلاک نہ کرو کیونکہ ان کا حال خود قبول ہدایت سے انکار کر رہا ہے۔ افتطمعون ان یؤمنوا لکم الآیہ اس کا ترجمہ شیخ نے یہ کیا ہے کہ "اے مسلمانو کیا اسبات کے جاننے کے بعد کہ یہ لوگ ایمان کے کیسے دشمن ہیں . . . . . پھر بھی تم طمع رکھتے ہو کہ وہ تمہاری دینی باتوں کو مان لیں گے" سو واضح ہو کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ہمزہ ایک امر واقع کے انکار اور استبعاد کے لئے ہے اور قرآن مجید میں کئی جگہ حروف عاطفہ واو اور فاء کے پہلے ہمزہ استفہام انکاری آتا ہے اور ایک جگہ ثم کے پہلے آیا ہے اور چونکہ ہر جگہ عطف حرف نہیں ہوسکتا ہے واسطے ان حروف عاطفہ کے پہلے اور ہمزہ کے بعد۔ اس کلام کے نظام اور مقام کے اقتضا کے مطابق کوئی مناسب مقدر نکالنا ضروری ہوتا ہے۔ پھر یہ مقدر کبھی تو اس طرح پر نکالنا پڑتا ہے کہ وہ ہمزہ معطوف اور معطوف علیہ دونو کا انکار کر دیتا ہے اور کبھی فقط معطوف علیہ کا اور کبھی فقط معطوف کا۔ مثلاً۔ افلا تبصرون اگر یہ فعل منفی مقدر نکالا جاوے یعنی **لا تنظرون** تو عبارت یوں ہوگی الا تنظرون فلا تبصرون یعنے کیا تم غور و فکر نہیں کرتے اور پھر دیکھ بھال کر نصیحت اختیار نہیں کرتے تو یہاں ہمزہ معطوف اور معطوف علیہ دونو کے انکار اور استبعاد اور توبیخ کے لئے آتا ہے کیونکہ نظر اور غور و فکر نہ کرنا بھی برا کام ہے۔ اور پھر عدم غور و تفکر کی وجہ سے

وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ

جسکو تم سب جانتے ہو۔ نکلتا ہے۔ اور بیشک پتھروں میں سے درحقیقت ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں اور جو کچھ بھی تم لوگ

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا

کر رہے ہو اس سے اللہ تعالے ہرگز بے خبر نہیں۔ اے مسلمانو کیا اس بات کے جاننے کے بعد کہ یہہ لوگ کیسے حق کے دشمن

لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللّٰهِ

ہیں اور کیا کیا شرارتیں ایمان کو قبول نہ کرنے کے لیئے نسلاً بعد نسل کرتے چلے آتے ہیں پھر تم اُنسے یہہ توقع رکھتے ہو کہ وہ تمہاری باتیں مان لینگے

ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝

حالانکہ تحقیق انہیں میں بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں یعنی مولوی کہ اللہ تعالی کی کلام یعنی قرآن مجید کو سنتے ہیں پھر اس منی ہوئی کلام کو سمجھہ چکنے کے بعد کچھہ کا کچھہ الٹ پلٹ کر دیتے ہیں اور ان کو معلوم بھی ہے کہ وہ بے ایمانی اور تحریف کر رہے ہیں +

غیر مستفید رہنا بھی برا کام ہے اور اگر فعل مثبت تنظرون مقدر نکالا جاوے تو عبارت یوں ہوگی انتظرون فلا تبصرون یعنے کیا تم غور و تفکر کرتے ہو اور پھر نہیں دیکھتے اور اس سے نصیحت حاصل نہیں کرتے تو یہاں ہمزہ معطوف علیہ کے انکار اور استبعاد کیلئے نہیں ہے بلکہ معطوف کے انکار کے لیئے ہے کیونکہ غور و فکر کرنا اچھا کام ہے مگر اس سے فایدہ نہ اٹھانا برا کام ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں اولا یعلمون اور اثم اذا ما وقع پانچ آتا ہے اور ان سب جگہوں میں مناسب مناسب مقدرات حرف عطف کے پہلے نکالنے پڑتے ہیں۔ پس اس آیت میں جہاں ہمنے افتطمعون ان یومنوا لکم الایہ میں ہمنے مقدر یہہ نکالا گیا ہے اتسمعون اخبارھم وتعلمون احوالھم فتطمعون (ابوالسعود فتح البیان) اور اسی کے مطابق ترجمہ بھی کیا گیا ہے تفسیر کبیر میں آیہ اثم اذا ما وقع امنتم بہ الایہ کی تفسیر میں بھی واو فار اور ثم کے پہلے ہمزہ کا ایک ہی طرح آنا بیان کیا گیا ہے اسی طرح ناظرین یاد رکھیں کہ جہاں کہیں کوئی ہمزہ کسی حرف عطف کے پہلے آویگا تو وہاں کوئی مناسب معطوف علیہ مقدر نکال کر اسکا ترجمہ کیا جاویگا۔ پس اس ہمزہ نے کل حالات ماسبق کو نئے سرے سے یاد دلایا ہے یعنی اول انعامات بنی اسرائیل مثلاً فرعون کے ظلم سے نجات پانا۔ فرعون کا غرق ہونا۔ ملک مصر پر قبضہ ملنا۔ بیابان میں طرح طرح کی نعمتوں کا ملنا معجزات کا دیکھنا۔ دوئم بغاوت بنی اسرائیل مثلاً باوجود ان نعمتوں کے کفر و شرک کرنا موسیٰ سے مقابلہ کرنا جہاد نہ کرنا وغیرہ وغیرہ (جیسا پہلے ذکر ہو چکا ہے) تو اللہ تعالے بیان فرماتے ہیں کہ موسیٰ جیسے رسول کو رسول مانکر اور اسکے معجزات کو دیکھ کر پھر اپنی مانی ہوئی کتاب یعنے توارت کو نہیں مانتے تھے تو اے مسلمانو تمہارے دلائل اور براہین کو یہہ کیونکر ماننے لگے ہیں بیماری تو ان میں اب بھی وہی ہے جو ان کے پہلوں کو تھی۔ غرضکہ اللہ تعالے مومنین کو بطور تنبیہہ کے متنبہ کرتا ہے کہ دنیا میں دو ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں ایک وہ جو سمجھہ و عقل والے یعنے علما اور دوسرے وہ جو اُن کے مقلد ہوتے ہیں سو علما

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ

اور جب یہہ لوگ اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ قرآن مجید نے ہماری اور ہماری کتاب کے جو حالات بیان کئے ہیں سب کے سب حق ہیں ہم بھی ان کو ویسا ہی مانتے

إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ

ہیں جیسا تم مانتے ہو اور جب یہہ مولوی آپس میں الگ تھلگ ہوتے ہیں اور کوئی غیر ان کے پاس مولوی نہیں ہوتا یعنے کوئی مسلمان بھی ان کے پاس نہیں ہوتا اور ان کا کوئی اپنا مرید بھی پاس نہیں ہوتا تو یوں کہتے ہیں کیا تم مسلمانوں کے پاس وہ باتیں بیان کرتے ہو جو اللہ تعالے نے فقط تم پر ظاہر کر رکھی ہیں۔

کا یہہ حال ہے کہ وہ باوجود اچھی طرح سمجھ چکنے کے پھر سمجھی ہوئی بات کو ہیر پھیر کرکے کچھ کا کچھ بنا ڈالتے ہیں اور اپنی اس کارروائی سے بخوبی واقف بھی ہوتے ہیں اسواسطے ان سے ایمان کی طمع اور توقع رکھنا سراسر فضول ہے باقی رہے جہلا جو ان کے مقلد ہیں وہ اپنی نادانی اور ہٹ دھرمی سے اپنے علمار کا ہی ساتھ دینگے ان سے طمع ایمان رکھنا یوں فضول ہے اور حقیقت میں قاعدہ کلیہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی بات کو سمجھ کر پھر اس کی تحریف کرتا رہتا ہے تو وہ اس حالت مردودہ میں ایمان کو قبول کر ہی نہیں سکتا۔ اس مضمون کو تفصیل کے ساتھ صفحات ۱۲۱ و ۱۲۲ میں بیان کیا گیا ہے سو پہلے تو علمار یہود کی شرارتیں اور بے ایمانیاں بیان کی ہیں پھر ان کے مقلدین کا حال بیان کیا ہے تاکہ مسلمانوں کو معلوم ہو جاوے کہ دنیا میں جب کبھی اور جہاں کہیں ایسا شخص اس قسم کی صفات والا موجود ہوگا وہاں ہدایت نہیں ہوگی خواہ مسلمان کہلاتا ہو خواہ عیسائی خواہ یہود۔ سو ان علمار کی پہلی شرارت اور خباثت تو یہہ بیان فرمائی ہے یسمعون کلام اللہ ثم یحرفونہ من بعد ما عقلوہ وہم یعلمون۔ یعنے جب ان سے مقابلہ کرتے ہیں اور توراۃ کے متعلق کی ساری باتیں جو اللہ تعالے نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی قرآن مجید میں سکھائی ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سیکھ کر یہودیوں سے منوا لیتے ہیں اور ان کی کتاب کے محرفات اور خرافات اور اباطیل اور اکاذیب کو جنکے لئے قرآن مجید ان کو سخت ملامت کرتا ہے۔ طشت از بام کر دیتے ہیں تو علمار یہود جو ان ساری باتوں کو سمجھ لیتے ہیں سمجھ چکنے اور مسلمانوں کے روبرو ہاں کہہ لینے کے بعد اپنے مقلدین جہلا عوام کالانعام کے پاس ہیر پھیر کرکے کچھ کا کچھ بیان کر دیتے ہیں اور جو پوری پوری زک اٹھا چکے اور مدینہ کی مونہ مر چکے ہیں اس کو ظاہر نہیں کرتے اور پھر یہہ نہیں ہے کہ وہ اپنی اس شرارت اور تحریف سے واقف نہیں ہوتے بلکہ عمداً دیدہ دانستہ ایسا کرتے ہیں اسکے بعد اللہ تعالی فرماتا ہے ان کی خباثت کا کیا ٹھکانا ہے کہ علمار اہل اسلام کے پاس چون و چرا نہیں کرتے بلکہ صاف صاف ان کے روبرو تو ان کی بھری مجلسوں میں علانیہ طور پر اقرار کرتے ہیں (آمنا یعنے قرآن مجید میں جسقدر حالات متعلق توراۃ و عصمت انبیا و نعت و پیشگوئی آخر الزمان بیان ہوئے ہیں سب کے سب حق ہیں اور واقعی قرآن مجید مصدق توراۃ ہے اور واقعی توراۃ میں یہہ پیشگوئیاں موجود ہیں مگر جب ان کے پاس نہ تو کوئی مسلمان ہوتا ہے اور نہ کوئی ان کا اپنا ہی مقلد مرید و معتقد ہی ہوتا ہے بلکہ فقط ملاؤں اور مولویوں کا ہی جرگہ اکٹھا ہوتا ہے تو اسوقت پھر یہہ شرارت کرتے ہیں کہ ان ملاؤں یا مولویوں کو جو مسلمان علماً کے روبرو یہہ مان آتے تھے کہ واقعی توراۃ میں یہہ ساری باتیں موجود ہیں جو قرآن مجید کہتا ہے یہہ شیطانی پٹی پڑھاتے ہیں اتحدثونہم بما فتح اللہ علیکم الایہ یعنے تم مولوی ہوکر ملا ہوکر فاضل ہوکر عاقل ہوکر یہہ کیسا برا کام کرتے ہو کہ توراۃ کی باتیں مسلمانوں کے پاس جا کر بیان کر دیتے ہو اور پھر آپ مجرم اور ملزم ٹھیرتے ہو خدا کے ہاں جب پیشی ہوگی تو اسوقت تمہاری انہیں باتوں کو جو تم مسلمانوں کے پاس بیان کرتے ہو اور تمہاری اسی ہاں کو جو تم ان کے روبرو کر بیٹھتے ہو سند پکڑ کر تم سے جھگڑیں اور تم کو ملزم ٹھیرا دینگے۔۔۔ چونکہ ایسا کلمہ کسی مولوی کی زبانی نکلنا صاف صاف دلالت کرتا ہے کہ وہ سدھ بدھ بالکل بھلا بیٹھا اور ضد اور عناد کی وجہ سے حق کی طرف سے بالکل اندھا ہو گیا ہے اسواسطے اللہ تعالے ان کو ان کی آنکھوں کی پٹی اتار دینے کے لئے تنبیہہ کرتا ہے اولا یعلمون الایہ یعنے کیا یہہ علمار یہود اپنے دوسرے بھائی علمار کو جو مسلمانوں کے پاس صاف صاف بات کہہ بیٹھتے ہیں ملامت اور توبیخ کرتے ہیں کہ خدا کے ہاں قیامت کو ملزم گردانے جاوینگے اور کیا ان کمبختوں کو یہہ معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالے کو ان لوگوں کے جملہ حرکات و سکنات و افعال و اقوال

لِيُحَاجُّوكُم بِهِ عِندَ رَبِّكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ أَوَلَا يَعْلَمُونَ

تاکہ تمہارے رب کے ہاں انہیں باتوں کو سند پکڑ کر تم سے جھگڑیں اور تم کو مغلوب کریں کیا تم ان کو خود مغلوب ہونیکی تدبیر بتاتے ہو اور پھر کیا اسکی برائی کو نہیں سمجھتے ہو

أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۝ وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ

کیا یہہ شیطانی پٹی پڑہانیوالے مولوی اسواسطے یہہ پٹی پڑہاتے ہیں کہ خدا کے ہاں سے بچ جاویں اور کیا انکو یہ معلوم نہیں ہے کہ یہہ جو کچھ چھپاتے اور جو کچھ علانیہ کرتے ہیں اللہ سب کو یکساں جانتا ہے اور ان

لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ۝

یہودیوں میں سے بعض بے علم ہیں جو اس کتاب تورات کو جسکا ہر ایک مسئلہ جو انکے اندر خدا کی طرف سے موجود ہے بجائے خود کامل ہے بالکل جانتے نہیں ہاں اپنے مولویوں کے قیاسات و اقوال و آراء

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ

و مجتہدات کو جانتے ہیں اور وہ ان قولوں کو خدا کا کلام فقط حسن ظن ہی سے سمجھ رہے ہیں پس بڑی بھاری ہلاکت اور سخت عذاب ان لوگوں کیلئے ہے جو اپنی ذہانی یعنے اقوال و آراء

اور تحریفات کو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں پھر کہتے یہہ ہیں

کیا ظاہری اور کیا باطنی سب کے سب یکساں معلوم ہیں و اذا خلا بعضہم الی بعض سے مراد فقط مولوی لوگوں کی کمیٹی ہے اور بس کیونکہ وہ آن پڑھوں یا مسلمانوں کے روبرو یہہ نہیں کہہ سکتے کہ مسلمان اگر سچے ہیں پھر تم مسلمانوں کے روبرو ان کو سچا نہ کہو کیونکہ اس سے پھر ان پڑھ مقلد یا مرید فوراً اپنا مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کر لیں گے افلا تعقلون اور اولا یعلمون کے نمبروں کے ترجمے کے لئے وہ قاعدہ دیکھو جو پہلے افتطمعون کی تفسیر میں لکھا جا چکا ہے۔ اسکے بعد اللہ تعالیٰ مقلدین کا ذکر کرتا ہے۔ ومنہم امیون لا یعلمون الکتب الا یعنی آپ تو ان کو کتاب کا سمجھنا آتا نہیں ہے وہ ہوتے ہیں محض مقلد اور تقلید بھی فقط اس حسن ظنی پر ہے کہ یہہ ہمارے پیشوا اور مولوی جو کچھ بتاتے ہیں خدا کا بتایا ہوا بتاتے ہیں امانی جمع امنیہ کی ہے اسکے معنے ہیں خواہش آرزو یعنے اقوال و آراء و تاویلات وغیرہ پس مسلمانو جب علماء کا یہہ حال ہے اور ان کے مقلدین کا یہہ حال تو اب تم ناحق ان کے پیچھے پڑ کر محض اس طمع پر کہ یہہ اسلام قبول کر لینگے کیوں اپنی جانیں تلف کرتے ہو تبلیغ کرنا فرض ہے تو تبلیغ کا حق ادا کیا کرو اور اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالا کرو گویا یہہ مضمون اس آیت شریف کا ہے۔ فلعلک باخع نفسک علی آثارہم ان لم یؤمنوا بہذا الحدیث اسفا پ۱۵ ع۱۳۔ نیز لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین ۰ پ۱۹ ع۶۔ مطلب یہہ ہے کہ اے پیغمبر تو تو اس طرح پر ان کے مومن بنانے کے پیچھے پڑ رہا ہے کہ تجھے اپنی جان کی ہلاکت کی بھی پرواہ نہیں ہے مقصد کو تاہ اللہ تعالیٰ علماء معاندین یہود اور ان کے اتباع مقلدین کے حالات خوب کھولکر بیان فرماتا ہے اسکے بعد اب پھر انہیں علماء کی بد خباثتیں بیان فرماتا ہے اور وہ یہہ کہ کتاب تورات کے یہہ عالم ہیں یہہ خود اس کی تفسیریں لکھتے ہیں اسکے الفاظ کی تاویلیں کرتے ہیں اور اپنے دین کی اشاعت اور ترویج کے لئے اپنے حواشی اور تفاسیر اور اقوال اور آراء اور مجتہدات کو قلمبند کرتے اور اپنے مقلدین کو سناتے ہیں اور علانیہ کہتے ہیں ۝ کہ یہہ جو کچھ لکھا ہوا ہے یہہ خدا کا کلام ہی ہے اور اسی کا مغز اور اسی کا خلاصہ ہے یہہ سارے مسئلے اسی میں سے نکالے گئے ہیں وغیرہ وغیرہ اور یہہ ساری شرارت محض دنیا کمانے کی ہے اور بس۔ یکتبون الکتاب میں الکتب کا الف لام حضوری ہے یعنے وہ مباحث اور وہ اجزا اور وہ تفسیریں جو

هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ

کہ یہہ تحریفات وغیرہ منجانب اللہ ہیں تاکہ ان کے ذریعہ بہت تھوڑا اینچ سول یں یعنے دنیا حاصل کریں ۔ پس بڑی بھاری ہلاکت اور سخت عذاب

لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۝

ہے ان کیلئے اس لیئے کہ ان کے ہاتھوں نے لکھا اور بڑی بھاری ہلاکت اور بڑا سخت عذاب ہے ان کے لیئے اسلیئے کہ وہ دنیا کماتے ہیں ۔

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ

اور کہتے ہیں کہ چند روزہ عذاب کے سوائے ہم کو دوزخ کی آگ چھوئیگی بھی نہیں ۔ تو پوچھ کیا تم نے

جو اُن کے ہاتھوں میں موجود ہیں انہیں قیاسات و تاویلات و تحریفات و مجتہدات کو اللہ تعالے اِنّی کہتا ہے ویل کے معنے ہیں ہلاکت و عذاب الیم اور ترمذی کی ایک حدیث غریب میں ویل دوزخ کی ایک بہت ہی مذموم اور بری وادی کا نام مذکور و مراد ہے مترجم نے وہی معنے اختیار کئے ہیں اور مآل ہر ایک کا دوزخ ہی ہے اور ویل کی تنوین تعظیم کے لیئے ہے ۔ یہاں تین دفعہ **ویل** کا لفظ آیا ہے ۔ پس مطابق اصول ہفتم تفسیر ہذا تینوں جگہ جداگانہ مفاد کے لئے آیا ہے پہلی جگہ ویل کا موجب یہہ تین باتیں ہیں ۔ اول کتابت بالایدی ۔ دوئم تقول علی اللہ سوئم کسب دنیا یعنے اس جگہ ویل کا موجب یہہ تینوں چیزیں من حیث المجموع مذکور ہیں ۔ دوسری جگہ بطور تنزل فقط کتابت بالایدی اور تیسری جگہ بطور تنزل فقط کسب دنیا کو موجب ویل قرار دیا ہے یعنے اگر کوئی شخص بعض مسایل اپنی طرف سے لکھے (دوم) ان کو خدا کی طرف سے منسوب کردے (سوم) اُن سے دنیا کماوے تو اس کے لیئے بھی **ویل** ہے پھر فرمایا یہہ ضرور نہیں ہے کہ جس شخص میں یہہ تینوں موجبات پائے جاویں تو وہی مستوجب ویل ہے بلکہ من حیث الانفراد اگر ایک ایک موجب الگ الگ بھی پایا جاوے تو اسکے لیئے بھی ویل ہے ۔ پس تکرار نہ رہا اور اس میں پرلے درجہ کی توبیخ اور تقریع اور تبکیت ہے اُن مولویوں کے لیئے جو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ کو چھوڑ کر اپنی طرف سے خواہ بدنیتی یعنے دنیا کمانے کی غرض سے ایسا کریں خواہ نیک نیتی سے اپنی باطل مذہب کی ترویج کے لیئے لکھیں آپ اور منسوب کریں اسکو خدا کی طرف ۔ اور جسقدر نقصان نیک نیت محرفین سے کتب سابقہ سماویہ کو پہونچا ہے وہ غیروں سے یا بدنیتوں سے نہیں پہونچا ۔ دوسری قسم کے ویل میں یہی نیک نیت محرفین داخل ہیں اور تیسری قسم میں فقط بدنیت محرفین اور قسم اول میں دونو قسم کے ۔ ثمنا قلیلا سے مراد ہے کل متاع دنیا کیونکہ اللہ تعالے فرماتا ہے قل متاع الدنیا قلیل پ ۵ ع دیکھو پہلے صـ ۔ غرضکہ خدا کے دین میں تحریف کر کے اگر کل دنیا کا مال بھی ہاتھ لگ جاوے تو وہ خدا کے نزدیک ہیچ ہے اور اسکا مآل دوزخ ہے قرآن مجید میں اور بھی بہت جگہ اسکا ذکر ہے اب اسکے بعد اللہ تعالے اُن لوگوں کی ایک اور بڑی بھاری شرارت بیان کرتا ہے کہ یہہ لوگ لوگوں میں یہہ باتیں عام طور پر مشہور کر رہے ہیں اور لوگوں میں یہہ بات بمنزلہ اعتقاد کے قایم کر دی ہے کہ ہم وہ دوزخ میں ہرگز نہیں گرایا جاویں گے ۔ یعنے فقط چند روز تک رہ کر پھر جنت کے مزے اُڑاوینگے لفظ **قالوا** سے معلوم ہوتا ہے کہ یہہ بات ان کی کتابت میں نہیں ہے صرف زبانی طور پر مشہور کر رکھی ہے اور یہہ ہمارے ہر زمانہ کے جھوٹے پیروں اور شیطانی مولویوں کو لگی ہوئی ہوتی ہے جہلا میں ایسی ایسی باتیں مشہور کر کے دین کی طرف سے ان کو ہٹاتے رہتے ہیں اور ان کے پاس اس کی سند یا دلیل خداوندی کوئی بھی نہیں ہوتی اسیواسطے اللہ تعالے اُن سے پوچھتا ہے کہ کیا خدا سے تم نے کوئی اقرار لے لیا ہوا ہے جس اقرار کو خدا ضرور ضرور پورا کریگا ۔ پھر آپ ہی اسکا جواب دیتا ہے کہ اقرار کوئی نہیں ہے یعنے یہہ کوئی آسمانی

اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ

اللہ سے کوئی عہد لے لیا ہوا ہے کہ پھر اللہ تعالےٰ اپنے اس عہد کے خلاف نہیں کرے گا۔ کوئی عہد

اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ بَلٰى مَنْ كَسَبَ

نہیں بلکہ تم لوگ اللہ پر اُن باتوں کو منسوب کرتے ہو جنکا تمہارے پاس کچھ بھی علم نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جس نے

سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ

بھاری گناہ کمائے اور اس کے گناہوں نے اس کو گھیر لیا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

وہ اس کے اندر ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور جو لوگ مومن ہو جاتے ہیں اور طرح طرح کے اعمال صالح

کتاب کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ فقط جھوٹ موٹ افترا اور تقول علی اللہ ہے دوزخ میں چند روزہ رہنے یا دوزخ میں سدا رہنے یا جنت میں یکدم جانے یا جنت میں چند روزہ سزا لئے جہنم کے بعد جانے کے لئے کلیہ قاعدہ یہ ہے کہ جو کوئی دیدہ دانستہ گناہ کرتا رہتا ہے اور پھر اسکے گناہ اسکی نیکیوں کے مغلوب رہتے ہیں مگر انکی تکفیر نہیں ہوتی تو وہ چند روزہ جہنم کی سزا بھگت کر جنت میں داخل کیا جاویگا اور جسکے گناہ غالب ہوجاتے ہیں اور نیکیاں نامقبول اور ضبط ہوجاتی ہیں حتی کہ فقط گناہ ہی گناہ رہ جاتے ہیں اور چاروں طرف سے اسکو احاطہ کر لیتے ہیں یعنے اعتقاد بھی بُرا۔ زبان بھی بُری۔ اور تمام جوارح سے بھی گناہ ہی گناہ سرزد ہوتے ہیں اور پھر اسی حالت پر مرجاتا ہے تو ایسا شخص بعد حساب جہنم میں داخل ہوکر پھر سدا اسکے اندر رہیگا اور کبھی بھی اس سے باہر نہیں نکالا جاویگا اسی طرح ان کے مقابلہ میں جنکی نیکیاں اسقدر غالب ہوگئی ہیں کہ ان سے سیئات کی تکفیر ہوگئی ہے اور نیکیوں نے اُسکا احاطہ کر لیا ہے حتی کہ ایمان اعتقاد زبان اور تمام جوارح مطابق مرضی و فرمودہ رب العلمین ہوگئی ہیں تو ایسا شخص بعد حساب کتاب جنت میں داخل ہوکر سدا جنت میں ہی رہیگا اور کبھی بھی اُس سے نکالا نہ جاوے گا۔ کفارہ سیئات بالحسنات کی آیات قرآن مجید میں بہت ہیں دیکھو پ۵ ع۲ اور پ۲ ع۱۳ و پ۱۲ ع۱ و پ۱۹ ع۲۔ اور اسی طرح خلود فی النار اور خلود فی الجنۃ کے متعلق قرآن مجید میں بہت سی آیات مذکور ہیں مگر خلود فی النار جہاں کہیں قرآن مجید میں مذکور ہوا ہے تو وہاں قرائن حالیہ مقالیہ سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ایسی سخت سزا کے مستوجب فقط کافر یا مشرکین منکرین اسلام ہی ہوتے ہیں اور بس۔ اور بعض لوگوں کا چند روزہ جہنم میں رہ کر پھر جنت میں داخل ہونا اُن تمام آیات سے ثابت ہے جہاں جہنم کے دخول کے ساتھ خلود کی قید نہیں لگائی گئی اور جنکی تفصیل و تفسیر مفسر حقانی صلعم نے بہ تعلیم ربانی یہ کی ہے کہ کچھ لوگ اپنے گناہوں کے بدلے جہنم میں معذب ہونگے پھر اللہ تعالےٰ ان کو اپنے فضل سے جنت میں داخل کریگا کہ ان کا نام جہنمیوں ہی ہوگا۔ بخاری مسلم کی اسقدر احادیث اسبارہ میں موجود ہیں جنسے قطعی اور یقینی ثبوت حاصل ہوتا ہے کہ کچھ لوگ ضرور کسیقدر عرصہ جہنم میں رہ کر جنت میں داخل کئے جاوینگے حتی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے بخوبی معلوم ہے وہ شخص جو سب سے پیچھے دوزخ

۹ ع ۹

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

کرتے رہتے ہیں وہ بہشتی ہونگے وہ اسکے اندر ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

سے نکلیگا اور سب سے پیچھے بہشت میں داخل کیا جاویگا (مشکوۃ باب الحوض والشفاعۃ فصل اول) اور اس مسئلہ کا خلاصہ اس آیت کریمہ میں بھی موجود ہے جس میں اللہ تعالے گروہ شیاطین جن وانس کو فرماتا ہے النار مثوٰىكم خٰلدين فيهآ الا ما شاء الله ان ربك حكيم عليم ه پ۸ ع ۲ یعنی تم سب کا ٹھکانا یہ دوزخ ہے اس میں تم ہمیشہ ہمیشہ کو رہوگے جس جس شخص کو جس جس مدت کے بعد اللہ تعالے اس سے نجات دیگا بیشک تیرا رب ہر ایک کام حکمت سے کرتا ہے اور اس کو ہر ایک شخص کے حال کا علم خوب معلوم ہے۔ کہ کون کون دوزخ میں سدا سدا کو رہیگا اور کون کون چند روزہ رہیگا۔ اور پھر کون کون کتنی کتنی مدت تک رہے گا اسی آیت کی تفصیل وتفسیر دوسری جگہ اللہ تعالے یہہ فرماتا ہے جب وہ دن (قیامت کا دن) آپہونچیگا تو کوئی بھی اللہ تعالے کی اجازت کے بغیر نہ بول سکیگا

(يوم يأت لا تكلم نفس الا باذنه فمنهم شقي وسعيد ه فاما الذين شقوا ففي النار لهم فيها زفير وشهيق ه خٰلدين فيها ما دامت السمٰوٰت والارض الا ما شاء ربك ان ربك فعال لما يريد ه واما الذين سعدوا ففي الجنة خٰلدين فيها ما دامت السمٰوٰت والارض الا ما شاء ربك عطآء غير مجذوذ ه پ۱۲ ع ۹)

پس کچھ تو ان لوگوں میں سے بدبخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت تو پھر آگے جو لوگ بعد فیصلہ شقی قرار دیئے جاوینگے وہ تو دوزخ میں ڈالے جاوینگے وہاں ان کو چیخنا چلانا اور سسکیاں لینا ہوگا تو وہ آسمان اور زمین جو ان آسمانوں اور زمینوں کے فنا کے بعد پھر پیدا کئے جاوینگے (پ۲۳ ع ۱۹) رہینگے یہہ بھی اسی دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہینگے بجز ان لوگوں کے جنکو تیرا رب نجات دینا چاہیگا بیشک تیرا رب جو چاہتا ہے کر ہی لیتا ہے اور جو لوگ بعد فیصلہ سعید قرار دیئے جاوینگے تو وہ جنت میں داخل کئے جاوینگے اور اسی میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہینگے جب تک وہ آسمان اور وہ زمین جو اس آسمان وزمین کے فنا ہو جانے کے بعد پیدا کئے جاوینگے رہینگے بجز ان لوگوں کے جنکو تیرا رب اُن کے گناہوں کی سزا جہنم میں دیکر کسی عرصہ کے بعد دوزخ سے نجات دیکر جنت میں داخل کریگا یہ جنت خدا کی بڑی بھاری بخشش ہے جسکا کبھی خاتمہ ہی نہیں ہوگا۔ ان دونوں آیتوں میں السمٰوٰت والارض کا الف لام عہدی ذکری ہے یعنے وہ آسمان وزمین جسکا مذکور قرآن مجید میں اس آیت میں مذکور ہے يوم تبدل الارض غير الارض والسمٰوٰت الاية یعنے جس روز اس زمین اور اس آسمان کو بدل کر اور ہی صفتوں کی زمین اور ہی صفتوں کا آسمان بنایا جاویگا چونکہ خدا کی ذات کے سوائے ہر چیز کو فنا ہے حتی کہ دوزخ اور جنت جو اب موجود ہیں وہ بھی فنا ہو جاوینگے اور پھر بعد فنا ہر ایک چیز کو اللہ تعالے پیدا کریگا اور پھر اس دفعہ کے پیدا کرنے کے بعد ان میں سے کسی چیز کو فنا نہ ہوگا اسواسطے ان آسمانوں اور زمینوں کو بھی جو بعد فنا پھر پیدا کئے جاوینگے زوال نہیں ہوگا اسواسطے وہ بھی ابداً ابداً رہینگے چنانچہ اسی واسطے اس عبارت ما دامت السمٰوٰت والارض کا ترجمہ جو ان دونوں آیتوں میں خٰلدين فيها کے بعد آئی ہے خود خدا وند تبارک وتعالے کئی جگہ قرآن مجید میں خٰلدين فيها کے بعد ابداً ہی کرتا ہے گویا کسی جگہ فرماتا ہے خٰلدين فيها ابدا اور کسی جگہ فرماتا ہے خٰلدين فيها ما دامت السمٰوٰت والارض۔ اور چونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مفسر حقانی کی زبانی قطعی طور پر ثابت ہے کہ کسی کسی وقت کچھ کچھ مدت کے بعد کچھ کچھ لوگ دوزخ میں سے نکالے جاوینگے اسواسطے الا ما شاء ربك کا ترجمہ الا من شاء ربك کیا گیا ہے تاکہ آیت اور حدیث یعنے آیت اور اس کی حکمت کا اتحاد وارتباط وتوافق ظاہر ہو جاوے۔ غرضکہ بنی اسرائیل اور کل بنی آدم کو اللہ تعالے یہہ کلیہ قاعدہ بتاتا ہے بلی من كسب سيئة الاية یعنے چند روز دوزخ میں رہنے والے لوگ نہ من کل الوجوہ بنی اسرائیل ہی ہیں اور نہ کوئی اور بنی آدم بلکہ بات یہہ ہے کہ سعید بھی دو ہی قسم کے ہوتے ہیں اور شقی بھی دو قسم کے پہلی قسم کے سعید تو وہ ہیں جو بعد فیصلہ جنت میں داخل کئے جاوینگے پھر اسی میں ہمیشہ رہیں گے دوسری قسم کے سعید وہ ہیں جو بعد فیصلہ جہنم میں ڈالے جاوینگے مگر بعد مدت عارضی جنت میں داخل کئے جاوینگے پھر ان کو بھی خلود ہی خلود ہے۔ پس بلحاظ ابتدا خلود تابید مع اہل الجنۃ یہہ لوگ الا ما شاء ربك میں داخل ہیں یعنے اُن کو وہ پورا خلود حاصل نہیں ہوگا جو اُن جنتیوں کو حاصل ہوگا جو پہلی دفعہ ہی بعد فیصلہ جنت میں داخل کئے جاوینگے اسی طرح پہلی قسم کے شقی تو وہ ہیں جو بعد فیصلہ دوزخ میں ڈالے جانے کے بعد پھر کبھی دوزخ سے نہیں نکالے جاوینگے اور دوسری قسم کے شقی وہ ہیں جو بعد فیصلہ دوزخ میں کچھ مدت رہ کر وہاں سے

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَاۗءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ

اور ہماری اسوقت کی نعمتوں اور اپنی بغاوتوں کو بھی یاد کرو جب ہمنے تمہارے پہلے بزرگوں یعنے بنی اسرائیل اولین سے یہہ حلفی عہد لیا کہ اللہ کے سوائے کسی کی عبادت

وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ

نہ کرنا اور اپنے والدین کے ساتھ اور نیز اُن لوگوں کے ساتھ جو حکم والدین رکھتے ہیں جسمانی اور روحانی سلوک کرتے رہنا نیز اُن لوگوں کے ساتھ جو تم سے قرابت رکھتے

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ

ہیں خواہ لینے خواہ دینے اور نیز اُن لوگوں کے ساتھ جو یتیم ہوتے ہیں یا جو یتیم کے حکم میں ہوتے ہیں اور نیز مسکینوں کے ساتھ اور اُن لوگوں کے ساتھ جو مسکین کے حکم میں ہوتے ہیں اور سب لوگوں کے ساتھ اس طرح کلام کیا کرو جو خدا کو پسند ہوتا ہے اور اس نماز کو پڑھتے رہنا جس کی کیفیت و کمیت بہ تعلیم ربانی تم کو بتائی جا چکی ہے اور وہ زکوۃ دیتے رہنا جسکی کیفیت و کمیت کا علم منجانب اللہ تمکو دیا جا چکا ہوا ہے۔

نکالے جاوینگے پس یہہ لوگ جو دوزخ سے نکالے جاوینگے وہ الاماشاء ربک میں داخل ہیں۔ یہاں یہہ لوگ بلحاظ لفظ خلود فی النار جملہ خالدین فیہا ابداً سے مستثنےٰ کئے گئے ہیں اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ بنی اسرائیل اپنے تمام افراد کو دوزخ میں چند روزہ کے لئے ڈال لینے کا فتوے دیدیں اور پھر سدا جنت میں رہنے کا پس اگر وہ سعید کامل ہونا چاہیں تو پکے مسلمان ہو جاویں۔ اسکے بعد اللہ تعالےٰ ان لوگوں کی ناشکریاں اور قباحتیں اور شناعتیں اور خباثتیں بیان فرماتا ہے جس میں یہہ اشارہ ہے کہ تم لوگوں کے چھٹکارے ایسے نہیں ہیں کہ جہنم میں چند روز رہ کر پھر جنت میں داخل ہو جاؤ بلکہ اگر تم اسی حالت اصرار و انکار پر مر گئے تو تم سدا جہنمی بنجاؤ گے سو پہلی ناشکری تو یہہ ہے۔ ع۹ کہ ہمنے توحید کو قائم کرنے اور شرک کو دور کرنے کی ہدایت کی تھی تاکہ تم اس سے سدا سدا کو بہشتی بنجاؤ تمنے اسکو توڑا۔ ہمنے حکم دیا تھا کہ والدین کے ساتھ ہر طرح کا سلوک کرتے رہنا کیا جسمانی اور کیا روحانی اور والدین سے خواہ جسمانی ہوں خواہ روحانی اسی طرح ہر قسم کے قرابت والوں اور ہر طرح کے یتیموں اور ہر قسم کے محتاجوں کے ساتھ جسمانی اور روحانی سلوک کرنے کو کہا تھا اور ان افعال کے علاوہ تم کو حکم دیا تھا کہ ہر قسم کے لوگوں کے ساتھ کلام وہ کرنا جو مطابق تعلیم ربانی ہو اور ہمارا یہہ حکم کہ ہماری مقرر کی ہوئی اور تعلیم کی ہوئی نماز پڑھتے اور زکوۃ دیتے رہنا اور یہہ ساری باتیں فقط تمہاری دینی اور دنیوی فائدہ ہی کے لئے تھیں اور تاکہ تم سدا سدا کو بہشت میں جانتے۔ پھر تم ایسے محسن اور لاپرواہ اور سرکش ہو کہ ہمارے ان حکموں کو توڑتے ہی رہے ہو پھر یہہ کہنا کہ ہم کو سوائے چند روز کے دوزخ کی آگ چھوئے گی کہاں کی بھی نہیں کیسی بیجا اور بے سند اور فضول ہے لا تعبدون صیغہ نفی کا ہے مگر معنے نہی ہے اسی طرح اگلی آیت میں لا تسفکون ولا تخرجون معنے نہی میں کیونکہ ایسے موقعوں پر جہاں کہیں امر منہی عنہ کے خطروں کو نہایت اہتمام کرنا اور لوگوں کو آگاہ کرنا مقصود ہوتا ہے تو وہاں پر خبر لائی جاتی ہے اور معنے اسکے نہی کے مراد ہوتے ہیں گویا کہ متکلم مخاطب کی طرف سے خبر دے رہا ہے کہ تم امر منہی عنہ کا ارتکاب نہیں کرتے ہو اگر صریح نہی ایسے موقع پر بیان کی جاوے تو اس سے اتنا فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا اسی واسطے ترجمہ ان کا مصدر منفی کیا گیا ہے الوالدین القربیٰ۔ المسٰکین اور للناس کے الف لام جنسی ہیں یعنے ہر قسم کے بیان باپ۔ مثلاً باپ۔ دادا۔ دادی۔ پڑدادا۔ پڑدادی وغیرہ اور ماں اور رضاعی ماں اور نانی اور نانا اور پڑنانی اور پڑنانا وغیرہ۔ اسی طرح دینی معلم و مرشد و استاد۔ مالک سردار وغیرہ وغیرہ الوالدین میں شامل ہیں القربیٰ۔ ہر قسم کی قرابت لینے خواہ دینے جیسی قرابت ہوگی ویسا ویسا ہی حق ہے۔ دینی اخوان کے اخوت دینی قرابت دینی ہے اور اخوان کے اخوت قرابت لینی ہے اور دیگر قسم کے تمام قرابتیں جو ذوالارحام میں داخل ہیں لفظ القربیٰ میں داخل ہیں۔ الیتٰمیٰ جمع یتیم کی ہے۔ یتیم اس نابالغ کو کہتے ہیں جسکا باپ سر سے

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنكُمْ وَأَنتُم مُّعْرِضُونَ ۝

پھر تم میں سے تھوڑے لوگوں کے سوائے باقی سب پھر بیٹھے اور تم لوگ ہو ہی کچھ ایسے سرکش کہ ہمیشہ سے تمہاری عادت ہی چلی آتی ہے کہ ہمارے حکموں سے روگردانی کرتے رہے ہو

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ

اور ہماری اس وقت کی اس نعمت کو بھی یاد کرو کہ جب ہم نے تمہارے امن و آسایش کو قائم رکھنے اور پھر ایسی خوب بلا خوف اور اس عبادت الہی کرنے اور نگہداشت حقوق الناس کو مرعی

وَلَا تُخْرِجُونَ أَنفُسَكُم مِّن دِيَارِكُمْ ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ

رکھنے کے لئے تم سے یہہ حلفی اقرار لیا تھا کہ تم نے آپس میں خونریزیاں نہ کرنا اور آپس میں ایک دوسرے کو اپنے گھروں سے جلاوطن نہ کرنا پھر تم نے اقرار بھی کیا یعنے

گذر جاتا ہے اور یتامی میں وہ تمام لوگ بھی داخل ہیں جو یتیموں کا حکم رکھتے ہیں مثلاً وہ تمام نابالغان بھی جو اپنے ذاتی نفع و نقصان کو نہیں پہچان سکتے اور ان کے سرپرست اُن کا ماں باپ گذر چکا ہوتا ہے ۔ یا اسی قسم کے لایعقل بالغان اور نیز وہ نابالغان جنکے ماں باپ موجود ہیں مگر عدم کا حکم رکھتے ہیں یعنے پاگل ہیں یا نفع نقصان خود نہیں سمجھ سکتے وغیرہ وغیرہ ۔ المسٰکین میں مساکین اور وہ تمام لوگ جو مساکین کے حکم میں ہیں داخل ہیں ۔ مسکین کہتے ہیں اُس محتاج کو جسکے پاس سرے سے وہ چیز ہی نہ ہو جسکی اسکو حاجت ہے اور وہ لوگ جنکے ملک میں اپنے کل ما یحتاج الیہ ہوں مگر کسی عذر ۔ یا عارضہ یا مانع کی وجہ سے اس کو اپنی محتاج الیہ چیز کے استعمال کرنے کی قوت نہیں ہو سکتی تو وہ صاحب مال و منال بھی حکم مسکین میں ہے ۔ مثلاً ایک ایسا شخص سفر میں لٹ گیا یا کچھ بھی نہیں رہا تو یہاں پر اس حالت میں وہ مسکین ہے اگرچہ اسکی اصلی مسکن پر اس کی تمام چیزیں موجود ہیں وغیرہ وغیرہ احساناً اور حسناً میں تنوین تعظیم و تعمیم کے لئے ہے یعنے بڑا بھاری سلوک جو تم سے ہو سکتا ہے اور عمدہ سے عمدہ کلام جو مطابق تعلیم ربانی ہو مثلاً وعظ و نصیحت و خیر خواہی خواہ دنیوی خواہ دینی خواہ ظاہراً خواہ باطناً ۔ الصلوٰۃ و الزکوٰۃ میں اس جگہ الف لام عہدی ذہنی ہے یعنے وہ نماز جو موسیٰ کو جبریل امین نے بتعلیم ربانی پڑھائی اور سکھائی ہے ۔ اور جسکا علم تم کو ہو چکا ہوا ہے اور حقیقت میں یہہ وہی نماز ہے جو جبریل امین نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی دو دن تک پڑھائی اور سکھائی اور پھر دوسرے دن کی اخیری نماز پڑھکر کہا کہ ھذا وقت الانبیاء من قبلك الحدیث (مشکوٰۃ فصل ثانی باب المواقیت) مطابق اصول ہفتم تفسیر ہذا جملہ الف لام و تنوینوں کا مفہوم ترجمہ میں ادا کیا گیا ہے ۔ یہانتک جسقدر احکام بیان ہوئے ہیں وہ متعلق توحید و جملہ اقسام اسمیں حقوق اللہ و حقوق العباد اور اتحاد و ارتباط قولی و صلہ رحمی کے حکم بھی موجود ہیں جنپر عمل کرنے کرنے تہذیب و تزکیہ نفس پورا پورا ہو سکتا ہے اور دین و دنیا قائم رہ سکتے ہیں توحید کا الٹ شرک ہے اور کا نقیض اثم ہے اسکے بعد اللہ تعالے وہ نواہی بیان فرماتا ہے کہ جسکے اجتناب سے پہلی قسم کے احکام کی پوری تعمیل و تکمیل بلا خوف و ہراس ہو سکتی ہے اور وہ یہہ ہے کہ یعنے تم سے یہہ اقرار بھی لیا کہ لا تسفکون دماءکم الایہ یعنے تم نے خونریزیاں نہ کرنا اور خلق خدا کی عافیت اور امن و آسائش میں خلل نہ ڈالنا پھر تم ایسے ہو کہ خونریزیاں نہیں چھوڑتے ہم نے اقرار لیا کہ آپس میں ایک دوسرے کو تنگ کرکے اور ظلم و ستم کرکے ان کو جلاوطن نہ کرنا تم ایسے ہو کہ ایسی ایسی کارروائیاں کرتے ہو کہ تم میں سے جو مسکین اور عاجز اور مظلوم و مغلوب ہوتے ہیں مجبور و مقہور ہو کر تمہارے پنجۂ ظلم و ستم سے محفوظ رہنے کے لئے آپ سے آپ گھر بار چھوڑ جاتے ہیں اور سب سے بدتر اور بڑھ کر تم میں یہہ بڑی بھاری خباثت ہے کہ پہلی قسم کے احکام جو متعلق بر کے تھے یعنے والدین کے ساتھ اور ان لوگوں کے ساتھ جو ان کے حکم میں ہوتے ہیں عمدہ سے عمدہ سلوک کرنا ۔ عاجزوں محتاجوں غریبوں کنگالوں یتیموں بیکسوں کی خبرگیری کرنا اور انکی دین و دنیا کی بہتری کی تجویزیں کرنا وغیرہ وغیرہ ۔ ان سب کو توڑ تاڑ کر ان کے مقابلہ کے اثم یعنے ترک فعل بر کو اختیار کرکے ایک دوسرے کے مددگار

وَأَنتُمْ تَشْهَدُونَ ۝ ثُمَّ أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ

تمہارے بزرگوں نے اور تم خود بھی جو انکی اولاد ہو اسکے اقراری ہو۔ پھر تم ایسے ہو کہ جن باتوں سے ہم نے تم کو منع کی تھی تم وہی باتیں کرتے ہو یعنے آپس میں خونریزیاں

أَنفُسَكُمْ وَتُخْرِجُونَ فَرِيقًا مِّنكُم مِّن دِيَارِهِمْ

کر ڈالتے ہو۔ اور انہی میں سے بعض لوگوں کے برخلاف طرح طرح کی امور بر متذکرہ آیت اول کی مخالفت کر کے اور قسم قسم کے ظلم منہی عنہ متضمنہ آیت دوم کا ارتکاب

تَظَاهَرُونَ عَلَيْهِم بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ط وَإِن

کر کے ایک دوسرے کے حمایتی بنکر اُن کو ان کے گھروں سے دیس نکالا دیتے ہو اور اگر یہی لوگ قیدی ہو کر تمہارے پاس آجاویں تو تم ان کو چٹی بھر کر چھڑا

يَأْتُوكُمْ أُسَارَىٰ تُفَادُوهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ

لیتے ہو حالانکہ اصل بات اور اصلی حکم ربی یہہ ہے کہ ان قیدیوں کا سرے سے ہی نکال دینا تم پر حرام کیا گیا تھا کیا تم کسی اقرار پر عمل کرتے ہو اور کسی کو توڑتے

عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ

اور کیا پھر تم اس بجائے خود کامل صفات والی کتاب کے کسی حصہ کو مانتے ہو اور کسی حصہ کو نہیں مانتے (یعنے تمہارا ایسا ایمان

وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ ج فَمَا جَزَاءُ مَن يَفْعَلُ ذَٰلِكَ

کسی کام کا نہیں ہے جس کے ساتھ تم کفر کو بھی جمع کر لیتے ہو) پس جو لوگ تم میں سے ایسا کریں انکی سزا بس یہی ہے کہ دنیا

بجا تے ہو اور نہ صرف یہی کہ تم سے ترک فعل کا ہی جرم ہوتا رہتا ہے بلکہ تم ایسے ظالم ہو کہ ارتکاب منہی عنہ بھی کرتے رہتے ہو اور ناحق ظلم وجور کر کے ایک دوسرے کو ستاتے اور مجبور کرتے رہتے ہو کہ وہ خواہ مخواہ اپنا وطن چھوڑ کر غیروں کی حمایت اور پناہ میں جاتے ہیں۔ تظٰہرون بالاثم والعدوان اصل میں ولا تعاونوا بالاثم والعدوان ہی کا ارتکاب ہے الاثم سے مراد ہے قسم قسم کے بڑے ترک اور العدوان سے مراد ہے قسم قسم کے ظلم وستم اور زیادتیاں۔ یعنے تم لوگ ترک فعل اور ارتکاب فعل دونوں کے عادی مجرم ہو اسکے بعد اللہ تعالے ان کی شرارت جو دین کے بہیس میں کرتے ہیں

مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ

دنیوی زندگی میں اُن کے لئے بڑی بھاری خواری اور ذلت ہے اور یوم قیامت میں مختلف قسم کے عذابوں میں

يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

سے سخت تر عذاب کی طرف لوٹائے جاویں گے۔ اور جو کچھ بھی تم لوگ کر رہے ہو اس سے اللہ تعالےٰ

عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

ہرگز کسی وقت بھی بیخبر نہیں ہوتا۔ یہہ وہ لوگ ہیں جو اس فنا پذیر دنیوی زندگی کو اُس زندگی کے بدلے میں جسکو فنا نہیں

ع ۱۰ بِالْاٰخِرَةِ ؗ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝

ہے اورجو اس زندگی کے پیچھے آنیوالی ہے مول لے رہے ہیں بس نہ تو اُن سے وہ سخت عذاب ہی ہلکا کیا جاویگا اور نہ اُن کو کسی قسم کی مدد ہی پہنچ سکیگی

ظاہر کرتا ہے اور وہ یہہ ہے کہ تم گناہ کرتے ہو ایسا سخت کہ اس کا وار بدرجہا اعظم واشد ہے یعنے اپنے بھائی بندوں کو گھروں سے نکال دیتے ہو اور جب وہ غیر قوموں کے اندر جاکر پناہ گزین ہوتے ہیں اور پھر وہاں ان کو کسی وجہ سے اسیر اور غلام بنایا جاتا ہے اور تمہارے پاس ذلیل و خوار ہو کر آتے ہیں تو تم پھر اسی وقت ننگ و ناموس کی خاطر دیندار بنجاتے ہو اور جس طرح بن پڑتا ہے اس کی قید چھڑانے کے لئے روپیہ اکٹھا کرتے ہو اور قیدی کو چھڑا لیتے ہو گویا اس مثل کے مصداق تم ہی ہو۔ کہ ٹاکھی حلال اور نقچہ حرام۔ یعنے قیدیوں کو ان کی قیدوں سے رہا کرانا اگرچہ نیکی ہے مگر یہہ تمہاری نیکی کس کام کی ہے جب کہ تم خود ہی پہلے اُن کو قیدخانوں میں ڈلوانے کے باعث بن جاتے ہو۔ جلا وطنی کا گناہ اتنا بڑا ہے کہ قیدیوں کے چھڑانے کی نیکی اس کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ اگرچہ اس میں ننگ و ناموس کی خواہش نہ بھی ہو۔ واضح ہو کہ اللہ تعالےٰ اُن کی اس نیکی کی تعریف نہیں کرتا بلکہ ان کی شرارت اور بیدینی کی مذمت بیان کرتا ہے اور ان کے اس ایمان کو عین کفر قرار دے رہا ہے جسکے ساتھ وہ کفر کو جمع کرتے ہیں۔ افتؤمنون ببعض الکتٰب کا ہمزہ توبیخی ہے اور فاء عاطفہ کو یہاں مناسب مفسر کا ترجمہ متن میں کیا گیا ہے چونکہ اس قوم کی عادت مستمرہ اختیار کرنے سے کہ جس میں گناہ تو ہو اعظم و اشد اور اس کے مقابلہ میں جو نیکی کیجاوے وہ ہو محض ہیچ تو وہ گناہ غالب رہے گا اور وہ نیکی اس کی تکفیر نہیں کر سکے گی اسواسطے وہ گناہ خواہ مخواہ کسی روز کو محیط ہو جاویگا اور وہ انسان بلحاظ و بقولہ بلی من کسب سیئۃ واحاطت بہ خطیئتہ الایہ مورد غضب الٰہی ہو جاویگا اسواسطے اللہ تعالےٰ ایسے لوگوں کی سزا یہہ بیان فرماتا ہے فما جزاء من یفعل ذلک منکم الایہ یعنی اس کی سزا اس جہان میں بڑی بھاری خواری ہوگی اور عالم آخرت میں سخت سے سخت عذاب جہنم ان کو دیا جاویگا اسکے بعد اللہ تعالےٰ ان لوگوں کے عناد اور خود غرضیاں اور نفس پرستیاں اور طرح طرح کی سخت ناشکریاں بیان کرتا ہے جو موسیٰ کے زمانہ اور موسیٰ کی

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ

اور البتہ ہم نے موسیٰ ؑ کو وہ کتاب عطا کی جسکے اندر ہر ایک مسئلہ خداوندی کامل و مکمل تھا اور پھر ان کے پیچھے وہ تمام انبیا اور رسول جو تم کو معلوم ہیں پیتواتر بھیجے

کی کتاب سے لیکر مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ اور مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب اور پھر ان سو پیچھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت مہد اور فرقان حمید اور قرآن مجید کے نزول کے زمانہ کی تشریح میں بیان کرتا ہے کما قال اللہ تعالےٰ ولقد اٰتینا موسی الکتب الا یہ یعنی ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسی کتاب عطا فرمائی جسکا ہر ایک مسئلہ جو اللہ تعالےٰ نے تعلیم فرمایا تھا بجائے خود مکمل اور تمام تھا پھر اسی کتاب کے احکام کی تنفیذ و تجدید و تعلیم کے لئے مختلف زمانوں میں مختلف انبیاء اور رسل بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو ڈھونڈنے اور شیطانی بھیڑیوں سے بچانے کے لئے آتے رہے حتی کہ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ آگیا اور وہ بھی توراۃ کی تکمیل و تقویت و تائید کے لئے ہی البتہ بنی اسرائیل کی نعاونوں کی وجہ سے جو حلال چیزیں ان پر حرام کردی گئیں تھیں ان کو پھر بحکم خدا حلال کردیا۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک جسقدر انبیاء و رسل بنی اسرائیل میں سے اللہ تعالےٰ نے پیدا کرتا رہا ہے اُن میں سے سوائے مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اور کسی کا نام اس آیت میں مذکور نہیں ہے صرف انہیں کا نام بالخصوص لینے کی وجہ یہہ ہے کہ بنی اسرائیل کے رسولوں کا خاتمہ انہیں پر ہوا اور پھر جو جو مہربانیاں اور خصوصیات ان کی ذات کے ساتھ مختص تھیں وہ بھی اختصار کے ساتھ یہاں بیان فرمادی ہیں اول البینٰت۔ دوئم۔ ایدنٰہ بروح القدس | **البینٰت** سے مراد ہے کتاب انجیل کی آیات بینات و دلائل ساطعہ و براہین قاطعہ کتاب آسمانی اور نیز وہ تمام معجزات جنکا ذکر پ۳ ع۱۳۔ پ۷ ع۵ میں موجود ہیں یعنے اللہ کے حکم سے مٹی کے پرندوں کو بنا کر ان میں پھونک مارنا اور ان کا باذن خدا زندہ ہوکر اُڑ پڑنا اسی طرح دعا کرنا اور ان کی دعا سے اللہ تعالےٰ کا مردوں کو زندہ کردینا اور اللہ تعالےٰ کے حکم سے ہی مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو چنگا کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اور ایدنٰہ بروح القدس سے مراد ہے جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بحکم خدا مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آسمان پر زندہ بجسدہ العنصری اُٹھالے جانا اور روح القدس سے مراد ہے جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام دیکھو پ۱۴ ع۱۹ قل نزلہ روح القدس الایہ یعنی اس قرآن مجید کو روح القدس نے اتارا ہے اور دوسری جگہ پ۱ ع۱۲ میں ہے قل من کان عدوا لجبریل فانہ نزلہ علی قلبک الایہ یہاں جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام ہے کہ اس نے اس قرآن مجید کو تیرے قلب پر اللہ کے حکم سے اتارا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جبریل اور روح القدس دونوں ایک ہی ذات ہیں جبریل نام اور روح القدس اُن کا لقب ہوگیا ہے مفسر حقانی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی روح القدس کا ترجمہ جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کیا ہے چنانچہ حدیث متفق علیہ میں بروایت براء رضی اللہ تعالےٰ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا اُهْجُ المشرکین فان جبریل معک یعنی مشرکین کی ہجو کر کیونکہ تیرے ساتھ جبریل ؑ ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حسان رضہ کو فرمایا کرتے تھے کہ میری طرف سے تو جواب دیا کر اور ساتھ ہی دعا مانگا کرتے تھے اللھم ایدہ بروح القدس اے اللہ حسان رضہ کو روح القدس سے تائید دے متفق علیہ (مشکوٰۃ باب البیان والشعر الفصل الاول) غرضکہ قرآن وحدیث دونوں سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ روح القدس سے مراد فقط جبریل ؑ ہی ہیں اور بس پس ایدنٰہ بروح القدس کے معنے ہوئے کہ ہم نے مسیح ؑ کی مدد جبریل ؑ کے ساتھ کی۔ چونکہ تمام انبیاء اور رسل کی مدد اور تقویت اور تائید جبریل ؑ کیا کرتے تھے کیونکہ بحکم ربانی وہی آسمانی تعلیم کے نازل کرنے والے تھے اور اللہ تعالےٰ کے کل پیغامات کے پہونچانے والے جیساکہ جابجا قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور یہہ تائید جبریلی عام ہے اور تمام انبیاء اور رسل من اولہ الی آخرہ اسمیں شامل ہیں مگر مسیح ؑ کے ذکر کے ساتھ بالخصوص تائید جبریلی کا ذکر ہوتا ہے وایدنٰہ بروح القدس ان کے حق میں بولا جاتا ہے اسواسطے یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان موقعوں میں روح القدس کی کسی ایسی تائید کی طرف اشارہ ہے جو بالخصوص مسیح ؑ کے ساتھ ہوئی تھی اور جس میں باقی کے تمام انبیاء و رسل شامل نہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید بروح القدس یعنے معراج جسمانی مسیح ؑ کے رفع الی السماء سے بدرجہا اغرب واعجب واشرف وافضل ہے کیا بلحاظ کیفیت و کمیت کے اور کیا بلحاظ اعانت ونصرت و حفاظت کے۔ اسواسطے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی اس تائید جبریلی میں جو مختص بامسیح تھی کسی صورت میں بھی شامل و شریک نہیں ہیں کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کسی مصیبت میں مبتلا نہ تھے کہ جس سے اُن کو

وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰهُ

بعد دیگرے پیغمبر بھیجے اور پیچھے ان رسولوں کے آخری رسول یعنے مریم کے بیٹے عیسیٰ ؑ کو وہ تمام واضح دلایل اور وہ تمام ظاہر باہر معجزات جو تم میں مشہور و معروف

نرالی دی جاتی اور نہ انہوں نے کوئی استغاثہ ہی کیا بخلاف مسیح ؑ کے کہ جو مصیبت میں گرفتار ہوتے اور من انصاری الی اللہ سے اپنا استغاثہ ظاہر کیا۔
مسیح ؑ کی تائید جبریلی کا ذکر قرآن مجید میں ان جگہوں میں بھی مذکور ہے پ۳ ع ۵ پ۷ ع ۵ ۔ پ۲۸ ع ۱۰ اور ان جملہ مقامات میں تائید جبریلی سے مراد ہے مسیح ؑ کو
بجسدہ العنصری زندہ آسمان پر اٹھا کر لیجانا اور کفار کے شر سے اُن کو بچا لینا کیونکہ یہی خصوصیت مسیح ؑ کو ہے باقی نبیوں سے اور اگر کوئی سوال کرے
کہ وایدناہ بروح القدس کے معنے رفع الی السماء کے کس طرح ہو سکتے ہیں اور کہاں قرآن مجید سے اس کی اسطرح کی تفسیر کا پتہ لگتا ہے تو اسکا جواب
یہہ ہے کہ قرآن مجید اپنی آپ ہی تفسیر کرتا ہے چنانچہ اس مقام کی تفسیر ذیل کی آیات میں موجود ہے پہلی قسم کی تو وہ آیات ہیں جن میں مسیح ؑ کی
ولادت سے پیشتر مریم صدیقہ ؑ کو مسیح ؑ کی پیدائش کی کیفیت کا حال بتا دیا گیا ہے یعنی یہہ کہ وہ بطور خرق عادت پیدا کئے جاوینگے ان کا کوئی باپ نہ ہوگا
اور اس کے متعلق جو جو حیرت مریم صدیقہ ؑ کو ہوئی اسکا کافی شافی جواب انکو دیا گیا ہے پھر مسیح ؑ کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں منجملہ اُن کے مسیح ؑ
کے زندہ بجسدہ العنصری آسمان پر اٹھائے جانے کی خبر بھی موجود ہے۔ کما قال ویکلم الناس فی المهد وکهلا (پ۳ ع ۱۳) یعنے اے مریم تو تو صرف
اسی بات پر حیران ہوکر پوچھ رہی ہے کہ میں عصمت مآب اور بالکل عفیفہ ہوں اور کسی بشر نے مجھے ہاتھ تک بھی نہیں لگایا تو میرے ہاں کس طرح بیٹا پیدا
ہو سکیگا ہم اس کی ولادت ہی کو فقط خرق عادت کے طور پر ظہور میں نہیں لاینگے بلکہ کچھ اور بھی سو وہ پیدا ہونے کے بعد گہوارہ میں بطور خرق عادت
تمام حاضرین سے کلام کریگا ۔ ان کی حیرتوں کو دور کر دیگا اور اسی حالت میں اسی طرح کلام کریگا جس طرح عالم رشد میں کلام کیا کرتے ہیں اور پھر دوسری
عجیب بات یہہ ہے کہ وہ کہولت کے زمانہ میں بھی کلام کریگا کہل کہتے ہیں اُس شخص کو کہ جسکے کچھ بال بتقاضائے عمر سفید اور کچھ بال سیاہ ہوگئے
ہوں تکلم فی المهد یعنی گہوارہ میں کلام کرنا تو واقعی معجزہ ہے اور خرق عادت ہے مگر تکلم فی الکهولت تو کوئی معجزہ نہیں ہوتا اور تمام کفار۔ وفساق وفجار
واولیا وصلحا و عقلا و جہلا سب کے سب کلام کرنے کی بچپے سے لیکر بڑھاپے تک کلام کرتے رہتے ہیں پھر اسکے ذکر کیا فایدہ ہے تو اسکا جواب یہہ ہے کہ
تکلم فی الکهولت کی تفسیر دوسری آیت میں موجود ہے اور وہ یہہ ہے کہ عام عادت کے مطابق ولادت سے لیکر موت تک ایک ہی متصل و متحد و متواتر عمر مسیح
کی نہ ہوگی بلکہ اسکے عمر کی دو حصے کئے جاوینگے بلکہ ایک زمانہ تو وہ زمانہ ہے کہ وہ بچپن سے لیکر آسمان پر اٹھائے جانے تک کا ہے یہہ زمانہ ۳۰ سال
سے زیادہ عرصہ تک کا ہے کیونکہ مسیح ؑ بعد نبوت اور بعد دعوت بنی اسرائیل کے غیظ و غضب کا محل بن گئے اور بعد دعوت ان کے قتل کے منصوبے باندھے
گئے اور نبوت کی عمر چالیس سال سے شروع ہوتی ہے جسکا ثبوت انشاء اللہ تعالیٰ بوقت تفسیر وما ارسلنا من قبلك من رسول الآیه پ۱۷ ع ۷ پ۱۳ ع
پ۱۶ ع میں دیا جاویگا۔ غرضکہ زمانہ رفع کے بعد پھر نزول کا زمانہ ہوگا اور وہ زمانہ جب کبھی قبل از قیامت ہوگا تو وہی ہوگا جس عمر سے مسیح ؑ دنیا سے اٹھائے گئے
تھے یعنے کہولت کے زمانہ سے شروع کرکے اُن کا رفع ہوگا اور پھر کہولت کے زمانہ میں ہی اُن کا نزول ہوگا اور عوارضات زمانہ کا اُن پر کچھ اثر نہ ہوگا۔ پس یہہ
زمانہ بھی ایک عجیب و غریب معجزہ اور خرق عادت ہوگا چونکہ تکلم فی المهد اور تکلم فی الکهولت دو نو امروں کو اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ الصلوۃ والسلام
کی صفات خرق عادت میں شمار کیا ہے مگر امر اول کی خرق عادت ہونے میں تو کسی کو کلام ہی نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے اسکا وقوع بھی ہو چکا ہے امر
دوم جسے اللہ تعالیٰ خرق عادت کہتا ہے بظاہر خرق عادت معلوم نہیں ہوتا اور اگر اسکو خرق عادت نہ مانا جاوے تو وکهلا ویکلم الناس کهلا
بالکل فضول اور بے معنے ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام اس سے پاک ہے اسواسطے ضروری ہوا کہ اس مقام کی تفسیر و تفصیل قرآن کریم ہی سے یا اس کی
تفسیر حقانی یعنے حدیث نبوی ؐ سے تلاش کریں۔ سو واضح ہو کہ اس کی تفسیر پ۳ ع میں موجود ہے اور کتب حدیث میں اس بسط کے ساتھ اس کی
تفسیر مذکور ہے کہ کسی کافر عاقل اور ذی ہوش کو بھی اس میں انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی چہ جائیکہ کسی مومن عاقل کو - دیکھو بخاری کتاب
الانبیاء باب نزول عیسیٰ (مشکوۃ باب نزول عیسیٰ کل فصل اول) (و نیز مشکوۃ باب العلامات بین یدی الساعة ذکر الدجال حدیث طویل نواس
بن سمعان فصل اول) ان آیات و احادیث کا مطلب بطور خلاصہ ہم ابھی لکھیں گے انشاء اللہ تعالیٰ انی متوفیك ورافعك الی

بِرُوحِ الْقُدُسِ ۗ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ

ہیں اور قرآن مجید میں ان کی تصدیق موجود ہے عطا فرمائیں اور ہم نے اسکو جبریل ؑ کے ذریعے مدد دی کیا یہہ جملہ رسول تمہارے پاس تمہاری تبدیلیت کے واسطے نہیں آئی جو

غرضکہ اللہ تعالےٰ خبر دیتا ہے کہ مسیح ؑ پر دو دھائے طاری ہونگے ایک زمانہ وہ جو ولادت سے شروع کرکے نبوت کے عمر تک اور پھر نبوت کی عمر سے لیکر کچھہ مدت (مثلاً تین سال دس سال یا اس سے کم وبیش) اپر متواتر طاری رہیگا اور دوسرا دور زمانہ بعد رفع الی السماء وبعد نزول من السماء پھر دنیا میں رہنے کا شروع ہوگا اور ان کی موت طبعی تک رہےگا۔ چنانچہ پھر اس کی تصدیق وتائید پ ۷ ع ۴ میں موجود ہے اور جہاں اللہ تعالےٰ قیامت کے دن تمام انبیاء ورسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ان کی ان کی امتوں کی اجابت دعوت کی بابت سوال کا ذکر فرماتا ہے اور پھر بالخصوص مسیح ؑ سے مخاطب ہوکر اپنی تمام نعمتیں جو اپر اور ان کی والدہ ماجدہ مریم صدیقہ پر کی ہیں گن گن کر بتادیگا منجملہ ان کی یہہ دو امر بھی بطور انعام اُن کو یاد دلائیگا اذ ایدتک بروح القدس تکلم الناس فی المھد وکھلا پ ۷ ع ۵ یعنے تیری مدد جبریل ؑ کے ذریعہ کی تو لوگوں سے فی المھد وفی الکہولت باتیں کیا کرتا تھا

دوسری قسم کی وہ آیات ہیں جنہیں اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو مسیح ؑ کے متعلق کی کچھہ پیشگوئیاں بتاتا ہے جن میں سے بعض تو زمانہ مسیح ؑ میں ظہور پذیر ہوگئی ہیں اور بعض قیامت کے قریب قریب پوری ہونگی چنانچہ مسیح ؑ کی دعوت اور قوم بنی اسرائیل کے کفر وشقاوت اور ان کے کریہنے منصوبہ قتل مسیح ؑ کا ذکر یوں بیان کرتا ہے فلما احس عیسیٰ منہم الکفر ...... واللہ خیر الماکرین پ ۳ ع ۱۳ ۔ خلاصہ ان آیات مقصد ات کا یہہ ہے کہ جب عیسےٰ ؑ کو معلوم ہوچکا کہ بنی اسرائیل اب راہ پر نہیں آسکتے اور ہدایت ربانی کو قبول نہیں کرنے کے تو پھر انہوں نے ان کی حالت پر افسوس کرکے اور ان کو غیرت دلانے کے لیئے فرمایا من انصاری الی اللہ اللہ کے دین میں ہمارا ساتھی کون ہے تو جو لوگ آپکے مقتدا اور حواری تھے بول اٹھے نحن انصار اللہ ہم ہیں اللہ کے دین میں آپکے ساتھی۔ ہمارا مال ہماری جان سب کچھہ آپ پر فدا ہے۔ پھر ایمان کے جوش میں آکر اللہ تعالےٰ کو اپنا شاہد بنایا اور کہا ربنا اٰمنا بما انزلت الایۃ۔ خیر قصہ کوتاہ اللہ تعالےٰ یہہ خبر دیتا ہے کہ یہود مردود نے مسیح ؑ کے قتل کا منصوبہ باندھا اور اللہ تعالےٰ نے ان کے منصوبوں کو خاک میں ملا دینے کی تدبیر کی واللہ خیر الماکرین۔ اور اللہ تعالےٰ اپنی تدبیریں اور اپنی تدبیر کے کارگر ہونے میں سب سے بڑہکر ہے یہود کا منصوبہ قتل یا منصوبہ پھانسی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے وما قتلوہ وما صلبوہ سے یعنے یہود نے نہ تو مسیح ؑ کو قتل ہی کیا ہے اور نہ اسکو سولی چڑہایا ہے اور اللہ تعالےٰ نے ان کے اس منصوبے کو کارگر ہونے دینے بلکہ اسکا وبال خود انہیں کی ذات پر ڈالنے کی خبر دیتا ہے۔ اور یہہ خبر اس وعدہ کے مطابق دیتا ہے جو اُن تمام انبیاء ورسل کے ساتھ کرچکا ہوا ہے جبکہ اُن کی قوم اپنی قوم سے خارج اور جنکے دین کو ادیان سابقہ الٰہی اور کتب سماویہ اوسے کا ناسخ سمجھکر قتل کرنے کے درپے ہوجاتی ہے۔ اور وہ وعدہ یہہ ہے لاغلبن انا ورسلی پ ۲۸ ع ۳ یعنے میں اور میرے رسول ضرور ضرور غالب ہی رہینگے۔ اس پیشینگوئی کے علاوہ اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو اطلاع دیتا ہے کہ مسیح ؑ کی موت کے پہلے پہلے جملہ اہل کتاب اور جملہ دیگر اقوام جو اہل کتاب کے سے خیالات رکھتے ہیں مسیح ؑ پر ایمان لے آوینگے۔ کما قال اللہ تعالےٰ وان من اہل الکتٰب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ پ ۶ ع ۔ نیز یہہ خبر دیتا ہے وانہ لعلم للساعۃ فلا تمترن بہا پ ۲۵ ع ۱ ۔ یعنی مسیح ؑ بلاشک پورا پورا پتہ ہیں **تیسری قسم** کی وہ آیات ہیں جن میں اللہ تعالےٰ خود مسیح ؑ سے وعدہ کرتا ہے کہ اُن کو آسمان پر صحیح سلامت بجسدہ العنصری اُٹھالیجاویگا۔ کما قال اللہ تعالےٰ اذ قال اللہ یا عیسیٰ انی متوفیک ورافعک الی پ ۳ ع ۱۴ ۔ یعنے اے عیسےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تو ان یہود مردود کی کچھہ پرواہ نہ کر ان میں سے کوئی شخص بھی کچھہ بھی اذیت تجھے نہیں پہونچا سکیگا کیونکہ میں ہی تیرا متوفے ہوں میں ہی تیرا رافع الی ہوں اور میں ہی تیرا مطہر من الکفار ہوں اور میں ہی تیرے ماننے والوں کو تیری تکفیر وتکذیب کرنے والوں پر قیامت تک فوقیت دونگا۔

اوپر کی تینوں قسم کی آیات پر غور کرنے سے یہہ گیارہ پیشن گوئیاں مسیح ؑ کے متعلق قطعی طور پر ثابت ہیں (۱) مسیح ؑ تکلم فی المھد کریگا یعنے اپنی ماں کی گود میں ہی معقول گفتگو کرےگا (۲) بطور خرق عادت زمانہ کہولت میں کلام کریگا (۳) اللہ تعالےٰ یہود کے منصوبہ قتل یا منصوبہ صلیب کو خاک میں ملادیگا اور ان کے منصوبہ کا وبال انہیں پر پڑےگا (۴) اللہ تعالےٰ خود مسیح ؑ

اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ○

اور پھر کیا جب جب ان میں سے کوئی رسول تمہارے پاس وہ احکام لاتا رہا جن کو تمہارے نفس امارہ نہیں چاہتے رہے تو تم اکڑ بیٹھتے رہے پھر کسی کی تکذیب کرتے رہے اور کسی کے قتل کے درپے ہوتے رہے یہاں تک کہ اب بھی تم قتل ختم المرسلین کے درپے ہو رہے ہو

اللہ تعالیٰ خود مسیح ؑ کو ماریگا اور کوئی منصوبہ باز اسکو مار نہ سکیگا (۵) اللہ تعالیٰ خود مسیح ؑ کو زندہ آسمان پر بجسدہ العنصری چڑھا لیجاویگا (۶) جو لوگ مسیح ؑ کی دعوت کو رد کرکے ان کے قتل کے منصوبے باندھینگے ان کی ہر قسم کی اذیت اور رسوائی جسمانی اور روحانی سے مسیح ؑ کو پاک کریگا (۷) جو لوگ مسیح ؑ کی تکفیر و تقتیل کے درپے ہیں ان کے مقتول و مصلوب ہونیکا اعتقاد رکھیں گے وہ قیامت تک ناکام اور نامراد اور ملعون رہا کریں گے اور جو لوگ ان کے ماننے والے ہوں گے وہی کامیاب رہا کریں گے (۸) مسیح ؑ قیامت کی بڑی بھاری نشانی ہیں جب تک وہ نشانی پوری نہ ہوگی قیامت قائم نہ ہوگی (۹) مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے موت کا مزہ چکھنا ہے اور جب تک وہ مر نہ لیں گے قیامت برپا نہ ہوگی (۱۰) مسیح ؑ پر جملہ اہل کتاب جو اُن کے زمانہ میں موجود ہوں گے ایمان لادیں گے (۱۱) جب تک جملہ اہل کتاب ان پر ایمان نہ لاچکیں گے تب تک قیامت برپا نہ ہوگی۔ یہہ گیارہ پیشنگوئیاں قرآن کریم کی صریح عبارتوں سے قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہیں اور ان کی تفسیر خفائی یعنی حدیث شریف میں اور بھی زیادہ تشبیہیں و تفصیل موجود ہے مثلاً یہہ کہ مسیح ؑ کنارہ شرقی دمشق پر اتریں گے دجال کو باب لد پر قتل کرینگے۔ حکم عدل ہوکر اٹھیں گے۔ احکام شریعت محمدی صلعم کے اجرا میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑیں گے حتیٰ کہ کفار پر جزیہ مقرر کرینگے اور صلیب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینگے وغیرہ وغیرہ جیسا کہ کتب معتبرہ حدیث بالخصوص صحیحین میں یہہ جملہ بیانات بالبسط مذکور ہیں۔ اب ہم نے یہہ دیکھنا ہے کہ آیا ان گیارہ پیشنگوئیوں میں کوئی پوری بھی ہوئی ہے یا نہیں سو قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ پہلی پیشنگوئی من وعن پوری ہوچکی ہوئی ہے کیونکہ جب مسیح ؑ پیدا ہوئے اور یہودنے مریم صدیقہ سے سوال کیا کہ یہہ بچہ تو کہاں سے لائی ہے تو انہوں نے اسی بچہ کی طرف اشارہ کیا اسوقت مسیح ؑ بول اٹھے انی عبد اللہ آتٰنی الکتاب وجعلنی نبیا ...... ویوم ابعث حیا پ ۱۶ ع ۔ دوسری پیشنگوئی اور علیٰ ہذا القیاس چوتھی۔ آٹھویں۔ نویں دسویں۔ گیارھویں۔ اب تک پوری نہیں ہوئی ہیں کیونکہ ان کی تکمیل کا قرآن مجید میں اشارہ تک موجود نہیں ہے اور باقی کی سب پیشنگوئیاں پوری ہوچکی ہیں کماقال اللہ تعالےٰ فبما نقضہم میثاقہم وکفرہم بایٰت اللہ .... ویوم القیٰمۃ یکون علیہم شہیدا (پ ۶ ع) خلاصہ ان آیات کا یہہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہود اور یہود کے سے خیالات والے دیگر اقوام مردود کے ملعون و مردود و مغضوب و مرحوم ہوجانیکا باعث بیان کرتا ہے کہ ان کو ہمیشہ ان کے عہد خداوندی کے توڑنے اور احکام خداوندی کی نافرمانی کرنے اور نبیوں کو قتل کرنے اور قتل کے درپے ہونے وغیرہ وغیرہ اور مریم صدیقہ پر بہتان لگانے کی وجہ سے ملعون کر دیا۔ اور نیز ان کے اس کہنے پر کہ ہمنے عیسیٰ مسیح ؑ کو قتل کر لیا ہے حالانکہ انہوں نے نہ اسکو قتل ہی کیا ہے اور نہ اسے سولی ہی چڑھایا ہے بلکہ اصل بات یہہ تھی کہ مسیح ؑ کی صورت و شکل کا شبیہ کسی اور شخص کو دیا ہی گئی تھی اور مطابق قانون خداوندی فقاتلوا ائمۃ الکفر پ ۱۰ ع پھانسی اسی شخص کو دی گئی جو منصوبہ بازوں کا سردار اور اس شرارت میں سب کا پیشوا تھا اور جو لوگ مسیح ؑ کی حیات ممات کی نسبت اہل قرآن سے جھگڑا کرتے ہیں ان کے پاس یقینی علم تو ذرہ بھر بھی نہیں ہے صرف اٹکل اور ظنیاتی ڈھکوسلوں کے پیچھے پڑے دوڑے چلے جارہے ہیں۔ یہود نے یقیناً مسیح ؑ کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالےٰ نے ان کو اپنی طرف اوپر چڑھا لیا ہے اور اللہ تعالےٰ سب کچھ کر سکتا ہے اور کر لیتا ہے کیونکہ بڑے غلبہ والا ہے اور پھر جو کچھ کرتا ہے وہ حکمت سے بھرپور ہوتا ہے کیونکہ اس کے ہر کام میں حکمت ہے۔ باقی رہی یہہ بات کہ وہ جب زندہ آسمان پر چڑھ گئے تو اب اُن کو وہاں موت کہاں ہے تو اسکا جواب اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ یہہ خیال تمہارا غلط ہے مسیح ؑ کو موت کا مزہ چکھنا ہے مگر ان کی موت اسوقت واقع ہوگی کہ جب وہ اس دنیا میں پھر دوبارہ بھیجے جاوینگے اور تمام اسوقت کے کل اہل کتاب ایمان لاچکیں گے اور اپنے اعتقادات فاسدہ اور اپنے آبا و اجداد و اسلاف و اخلاف کے عقائد باطلہ نسبت حیات و ممات مسیح ؑ سے توبہ کرچکیں گے اور یہہ تمام واقعات اسوقت ہوں گے جب قیامت برپا ہونے والی ہوگی کیونکہ مسیح ؑ کے نزول کو ہم نے قیامت کے لیئے پورا پورا نشان مقرر کر دیا ہوا ہے۔ اس پچھلی آیت یعنے

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ

اور کہتے ہیں کہ ہمارے دل بند اور محفوظ ہیں یہہ بات کوئی نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ نے ان کے خود اختیار کردہ و پسند کردہ کفر کے سبب سے اللہ تعالےٰ نے

وان من اھل الکتاب الایۃ کی تفسیر مفسر حقانی یوں فرماتے ہیں جیسا کہ صحیح البخاری کتاب الانبیا باب نزول عیسیٰ ۲ میں بروایت ابوہریرہ رض مذکور ہے لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم الحدیث یعنی قریب ہے کہ تم میں ابن مریم حکم عدل ہوکر آسمان پر سے نازل ہونگے پھر صلیب کو پاش پاش کردینگے یہی راوی ابوہریرہ رض اس حدیث کی تصدیق کیلئے فرمایا کرتے تھے کہ اگر چاہو تو اس آیت کو پڑھ لو وان من اھل الکتٰب الایۃ نیز انہیں سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کیف انتم اذا نزل فیکم ابن مریم واما مکم منکم متفق علیہ (مشکوۃ) یعنی اس وقت تم لوگ کیسے تعجب و تحیر میں پڑجاؤ گے جب تم میں ابن مریم آسمان پر سے نازل ہوکر آوینگے دراں حالیکہ تمہارا امام تم میں کا ہی ہوگا اور جابر رض سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا میری امت میں سے ہمیشہ ہی قیامت تک کچھ لوگ ایسے ہوتے رہا کرینگے جو حق کی خاطر مقابلہ کرتے رہا کرینگے اور غلبہ پاتے رہا کرینگے پھر ایک وقت ایسا ہوگا کہ مریم صدیقہ کے بیٹے عیسیٰ آسمان پر سے اترینگے اور مسلمانوں کا امیر ان سے کہیگا صل لنا یعنی آپ ہمیں نماز پڑھا دیں وہ فرما دینگے میں نماز نہیں پڑھاؤنگا اس معاملہ میں تم آپس میں ایک دوسرے کے امیر ہو کیونکہ اللہ تعالےٰ نے یہہ کرامت اور فضیلت اسی امت کو عطا فرمائی ہے رواہ مسلم مشکوۃ میں یہہ جملہ احادیث اور اکثر متفق علیہا باب نزول عیسیٰ کی فصل اول میں مرقوم ہیں اسی طرح بڑی مفصل اور طویل حدیث مسلم کی ہے جو بروایت انس رض بن سمعان مشکوۃ باب العلامات بین یدی الساعۃ فصل اول میں مذکور ہے ۔ غرضکہ کتاب وسنت دونو متفق ہیں کہ مسیح ع زندہ آسمان پر لیجائے گئے ہوئے ہیں اور وہ قریب قیامت کو نازل ہوں گے اور ان کے نازل ہونے پر اس دنیا کا خاتمہ ہوگا نیز اوپر کی آیات سے قطعی طور پر ثابت ہوچکا ہے کہ گیارہ پیشن گوئیوں میں سے یہہ پیشنگوئیاں یعنے مسیح ع کا تکلم فی الکھولت مسیح ع پر جملہ اہل کتاب کا ایمان لے آنا ۔ مسیح ع کے ایمان لاچکنے کے بعد پھر مسیح ع کا مرنا ۔ ابھی تک معرض التوا میں پڑی ہوئی ہیں ۔ وان من اھل الکتٰب الایۃ سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ یہہ اختلاف جو تمام دنیا میں مسیح ع کی حیات و ممات کی نسبت پڑا ہوا ہے مسیح ع کے نزول پر رفع ہوجائیگا اور چونکہ یہہ اختلاف اب تک موجود ہے اور خدائے صادق الوعد کا وعدہ حق ہے اسواسطے قطعی طور پر متیقن متحقق طور پر ایمان لانا فرض ہے کہ اب تک مسیح ع زندہ ہیں اور اب تک جسقدر مدعیان مسیحیت ہوچکے ہیں سب کے سب دجال کذاب ہیں ۔ اور باقی سب کی سب پوری ہوچکی ہیں مثلاً ورافعک الی ومطھرک من الذین کفروا وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیمۃ کی پیشنگوئیاں ما قتلوہ وما صلبوہ ۔ و بل رفعہ اللہ الیہ سے پوری ہوئیں اور ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین کی پیشنگوئی ولکن شبہ لھم سے پوری ہوئی ویکلم الناس فی المھد و کھلا کی شق اول انی عبد اللہ الایۃ سے پوری ہوئی اور شق ثانی یعنی ویکلم الناس کھلا اور انی متوفیک الایۃ ۔ وان من اھل الکتٰب الایۃ ۔ وانہ لعلم للساعۃ الایۃ کے متعلق کی کل پیشنگوئیاں اب تک غیر مکمل ہیں اور ان کی تکمیل بھی اپنے اپنے وقت پر ہوجاوے گی یقینی اور قطعی طور پر بلا شک و شبہ ۔ پس وایدنٰہ بروح القدس کے معنے مطابق تمام آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ صلوۃ اللہ علیہ والتحیۃ متعلقہ حالات مسیح یو فقط یہی ہیں اور یقیناً یہی ہیں کہ ہم نے مسیح ع کو یہودیوں کے منصوبوں کو توڑکر اور ان کو پامال کرکے مسیح ع کو بذریعہ جبریل ع آسمان پر اپنی طرف اٹھا لیا اور انہیں کے کسی سردار کو جو ناقہ صالح ع کی شقی کی طرح اشقی الماکرین تھا مسیح ع کی شکل وصورت کا سا بنا دیا جسکو انہوں نے آپ سے سولی چڑھا دیا ۔ گویا وایدنٰہ بروح القدس میں تمام زندگی مسیح ع زمانہ رفع تک کے موجود ہے ۔

افکلما جاءکم الایۃ کے ہمزہ استفہام کے معنے کے قاعدہ کے لئے دیکھو افتطمعون ان یومنوا لکم کی تفسیر جو پہلے ہوچکی ہے ۔ چونکہ اوپر کی آیت میں منجملہ دیگر قبائح کے بنی اسرائیل کے یہہ بھی بڑی بھاری بے ایمانی بیان کی گئی ہے کہ اپنے مربیوں یعنے روحانی جسمانی تربیت کرنے والے نبیوں کو فقط اسواسطے تم لوگ ذلیل وخوار کرتے اور ان کی تکذیب و تکفیر اور ان کے قتل کے منصوبے باندھتے تھے کہ وہ تم کو بتاتے ہیں وہ باتیں جو تمہارے نفس امارہ کے مخالف ہوتی ہیں تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ توبہ توبہ ایسا اندھیر بھی کبھی ہوسکتا ہے ہم پاک لوگ ۔ ہم کتاب آسمانی کے ماننے والے ۔ ہم کیونکر ایسا کرسکتے ہیں ۔ بلکہ اصل بات یہہ ہے کہ ناصحین کے کلام اور وعظ ہی سراسر حماقت آمیز ہوتے ہیں پھر ہمارے دلوں میں وہ ناحق باتیں کیوں کر بیٹھ سکتی ہیں ۔ غلف جمع ہے اغلف کی ۔ اغلف کہتے ہیں اس چیز کو جسپر غلاف چڑھا ہوا ہو تو گویا یہہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل ناحق اور ضلالت کی باتوں کے سننے سے محفوظ ہیں اور ہم ایسے نادان اور انجان نہیں ہیں کہ اسلام کی باتوں کو قبول کرسکیں یعنے اسلام بجائے خود کوئی خوبی نہیں

فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ

ملعون کر دیا ہے سو یہہ لوگ قدر تھوڑے قلیل ہی کوئی بات مانتے ہیں - اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے عظیم الشان کتاب یعنے قرآن مجید آگیا

مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا

جو اُن جملہ تعلیمات ربانی کی تصدیق کرتا ہے جو اُن کے پاس موجود ہیں تو وہ اسکے منکر ہو بیٹھے حالانکہ اس قرآن مجید کے آنے سے پہلے پہلے یہہ لوگ اسی

مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا

کی امید پر اُن لوگوں کے مقابلے میں جو منکر تھے فتح کی دعائیں مانگا کرتے تھے سو جب اُن کے پاس وہ چیز جسے وہ پہلے ہی سے جانتے پہچانتے

جَاءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ

تھے آپہونچی تو اسکے منکر بن بیٹھے پس ایسے منکروں پر خدا کی لعنت ہے -

نہیں رکھتا اسواسطے اسکو قبول نہیں کیا جاتا - اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ دل ہی ان کے خبیث ہیں اور خود ہی کفر کو اختیار کر بیٹھے ہیں اور اللہ کی لعنت میں گرفتار ہیں - اگر اب سمجھنا چاہتے تو اب ان کے دل اسلام کے محاسن اور محامد قبول کر سکتے ہیں سو اس کفر اور لعنت کا نتیجہ یہہ ہے کہ شاذ و نادر اور وہ بھی پھر کوئی کوئی بات ہی پھر مانتے ہیں جسکا کچھ فایدہ نہیں ہے غرضکہ مطلب یہہ ہے کہ یہہ پکے بے ایمان اور پورے کافر ہیں اور اپنی مسلم اور مانی ہوئی کتاب کی بھی کچھ پرواہ نہیں کرتے اور اب زمانہ رسالت محمدی میں تو کوئی دقیقہ باقی نہیں رہا ہے سب کتابوں کی ماں یعنے بڑے اعلےٰ درجہ اور عالی شان والی کتاب قرآن مجید ان کے پاس آگیا جو جملہ کتب سابقہ سماویہ کی جملہ تعلیمات ربانی کی تصدیق کرتا ہے تو اسکے بھی منکر ہو بیٹھے ہیں حالانکہ اپنی کتابوں میں سے حلیہ اور اوصاف و نعت محمدی صلے اللہ علیہ وسلم پڑھ پڑھ کر ہمیشہ اسبات کے طالب اور مشتاق ہوتے چلے آتے ہیں کہ کب وہ زمانہ آتا ہے کہ فاران کی پہاڑی سے وہ بانکا سوار نکلتا ہے جسکی ہیبت اور جلال سے تمام مشرکین اور کافرین مغلوب ہو جاوینگے اور جس کے اصحاب ارض مقدسہ کے بادشاہ بنائے جاوینگے سو اب وہ وقت بھی آگیا اور انہوں نے اسبات کو یقینی طور پر پہچان بھی لیا ہے تو اب بخل اور حسد اور عناد کی وجہ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بلکہ الٹے مخالف بن بیٹھے ہیں - پس ایسے منکروں پر خدا کی لعنت ہوتی ہے کتاب کی تنوین تفخیم و تعظیم کے لئے ہے مراد اس سے قرآن مجید کانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا سے مراد ہے ان یہودیوں اور عیسائیوں کی وہ التجا ئیں جو ان کی کتابوں کی اُن پیشنگوئیوں کو پڑھ پڑھ کر دل میں پیدا ہوتی ہیں جن میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزمان ہوں گے وہ دنیا کو رحمت اور عدل و انصاف سے بھر دینگے وہ بڑی بھاری بانکے سوار ہوں گے فاران کی پہاڑیوں سے اترینگے فاران کی پہاڑیوں سے مراد

ہے عرب کے پہاڑ جو بحیرہ قلزم کے مشرقی ساحل پر اوپر سے نیچے تک برابر بسلسلہ وار چلے گئے ہیں اور آخر کار اوپر کی طرف کوہ طور کے ساتھ جا کر مل گئے ہیں اسکا نام احمد ہے ہم پہلے صفحہ ۲۸ میں لکھ چکے ہیں کہ عطار بن یسار تابعی رضہ نے عبداللہ بن عمرو بن العاص سے حلیہ نبوی مرقومہ توراۃ کی نسبت سوال کیا تو انہوں نے توراۃ میں سے وہ حلیہ نکال کر سنایا چنانچہ اسکے متعلق جسقدر حلیہ تھا وہاں اصل عبارت کے ساتھ نقل کیا گیا ہے اور وعدہ کیا گیا تھا کہ کسی مناسب مقام پر اس پوری حدیث کو بھی لکھیں گے اور اور پیشینگوئیاں بھی توراۃ و دیگر صحف انبیاء اور زبور اور انجیل میں سے نکال کر ثابت کریں گے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا حلیہ فی الحقیقت تمام انبیاء کو بتایا چلا آتا رہا ہے۔ پس اس مقام پر ہم اُس وعدہ کو پورا کرتے ہیں حدیث مذکورالیہ کا پیشینگوئی نمبر ۵ میں پورا ترجمہ کیا گیا ہے۔ سو واضح ہو کہ یہہ پیشگوئیاں اور ان جیسی اور بہت سی پیشگوئیاں بائبل میں جابجا موجود ہیں اور انہیں پیشگوئیوں کی طرف قرآن مجید میں جابجا اشارہ ہے اور بنی اسرائیل یعنے یہود و نصاریٰ کو بار بار کئی کئی رنگوں میں ان کی یاددہانی کرائی جاتی ہے۔ ذیل میں ہم بحوالہ توراۃ و صحف قدیمہ و اناجیل موجودہ کچھ پیشن گوئیاں درج کرتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں کتاب و سنت سے ان کی تائید و تصدیق اور یاددہانی اہل کتاب درج کرتے ہیں اور اہل انصاف کے انصاف پر چھوڑ دیتے ہیں مگر اتنا کہہ دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کے نبیوں کی کتابوں کی پیشن گوئیاں اور خود توراۃ کی پیشن گوئیاں ایسی ہیں کہ ان کا مصداق موسیٰ ع کے بعد اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے پہلے کوئی نبی بھی نہیں ہوا ہے نہ ان کی تعلیم کی اشاعت غیر قوموں میں ہوئی ہے اور ان کتابوں میں کوئی نئی بات ہے یہہ کتابیں اصل میں توراۃ کی تعلیم کی تکمیل اور تائید اور تجدید اور تنفیذ کے لیئے ہیں اُس انجیل کا بھی یہی حال ہے البتہ اور کتابوں کی نسبت اسمیں یہود کی بغاوت کی وجہ سے جو جو حلال چیزیں حرام ہو چکی ہوئی تھیں ان کی حلت کا فتوے موجود ہے اور علماء یہود کی شرارتوں کا بیان ہے۔ یہہ بات فوراً سمجھ میں آ سکتی ہے کہ کیوں یہود و نصاریٰ اس طرح اور اس طرح کا اشتیاق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی آمد کے لیئے رکھا کرتے تھے تم خود دیکھ لو کہ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کے کسقدر مشتاق ہیں تمام اصاغر اور اکابر امت محمدیؐ تھے کہ بعض بزرگان اسلام بطور وصیت کے اپنے وصیت ناموں میں لکھ گئے کہ جب عیسیٰ ع نزول فرمائیں تو تم سے ہمارا سلام ان سے کہنا غرضکہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کو اپنی کتاب کی پیشن گوئیاں خوب معلوم ہیں اور ان کو یقینی علم ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صادق مصدق ہیں اور جملہ کتب سماویہ کے مصدق نہ کہ ناسخ۔ فہرست پیشینگوئیوں کی یہہ ہے :-

نمبر شمار	نام کتاب باب وغیرہ	خلاصہ پیشینگوئی	کتاب وسنت سے اس کی تصدیق اور اسکا حوالہ
۱	پیدائش باب ۱۷ (کل)	ابراہیم ع سے وعدہ خداوندی کہ میں تجھی پیرو مقتدا کرونگا تیری اولاد یعنے اسمٰعیل و اسحاق کو برکت دونگا تیری اولاد کو ملک کنعان کا وارث بناؤنگا اور میں ان کا خدا ہوں گا۔	انی جاعلک للناس اماما الایہ رب اجعل ھذا البلد امنا الایہ رپ ۱ ع ۱ یعنی میں تجھے لوگوں کا امام بناؤں گا۔ ابراہیم ع نے عرض کی کہ میری اولاد کو بھی فرمایا فقط انہیں کو جو ظالم نہ ہوں گے اور ابراہیم ع نے دعا کی کہ الٰہی اس زمین مکہ کو امن والا شہر بنا وغیرہ وغیرہ۔ ولقد کتبنا فی الزبور ان الارض الایہ رپ ۱۷ ع ۷ یعنی ہم زبور میں نصیحت کرنے کے بعد یہہ لکھ چکے ہیں کہ اس زمین کنعان کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے۔ سو ظاہر ہے کہ سوائے امت محمدیؐ کے اور کوئی اس ملک کا وارث نہیں ہے۔
۲	پیدائش باب ۲۱ درس ۱۵/۲۱ و باب ۱۷ درس ۱۵/۱۸	اسماعیل ع پر خدا کی مہربانی اور بیابان فاران میں یعنے عرب کے بیابان میں خدا کی رحمت سے پرورش پانا اور خدا کا وعدہ کہ میں اسکو ایک قوم بناؤں گا اور بابرکت کروں گا۔	ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع الایہ پ ۱۳ ع ۱۸ - یعنی اے رب میں نے اپنے اہل وعیال کو ایک ایسے بیابان میں آباد کر دیا ہے کہ جہاں نہ کھیتی ہے نہ باڑی الایہ- واذکر فی الکتٰب اسمٰعیل انہ کان صادق الوعد وکان رسولا نبیا رپ ۱۶ ع ۷ یعنے اسماعیل ع رسول ہی تھا اور صادق الوعد تھا وغیرہ وغیرہ۔

نمبر شمار	نام کتاب و باب وغیرہ	خلاصہ پیشینگوئی	کتاب و سنت سے اس کی تصدیق اور اسکا حوالہ
۳	استثنا باب ۱۸ ورس ۱۵–۱۹	موسیٰ کو حکم ہوتا ہے کہ میں تیرے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا وہ لوگوں کو وہی کہیگا جو میں اسکو کہونگا وغیرہ وغیرہ مگر جو نبی ایسی باتیں کہیگا جو میں نے نہیں کہیں تو وہ قتل کیا جاویگا۔	انا ارسلنا الیکم رسولا کما ارسلنا الی فرعون رسولا پ۲۹ ع۱۴ یعنی ہم نے تمہاری طرف ایک عظیم الشان رسول بھیجا ہے اُس رسول کی مانند جو ہم نے فرعون کے پاس بھیجا تھا و ما ینطق عن الھوی الایہ پ۲۷ ع۵ قل ما یکون لی ان ابدلہ من تلقائ نفسی الایہ پ۱۱ ع۸ ولو تقول علینا بعض الاقاویل پ۲۹ ع۷ - ان سب آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم کے منہ میں جو کلام اللہ تعالےٰ ڈالتا ہے بس وہی کلام بلاکم وبیش لوگوں کو سناتا ہے مسیلمہ کذاب مدعی نبوت مقتول ہوا
۴	غزل الغزلات کل باب خاصکر پ۵ پ۶ پ۱۲ و پ۴ و پ۱۱ و ورس ۱۶	میرا محبوب سرخ و سفید و ہزار آدمیوں کے درمیان وہ جھنڈے کی مانند کھڑا ہے۔	اس کل کتاب میں سلیمان ع اپنا عشق اور ولولہ محبوب خدا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت ظاہر کرتے ہیں جسقدر اوصاف اور حلیہ اس کتاب میں ہے وہ سوائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی اور نبی بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور پھر سلیمان ع کے زمانہ کے بعد نہیں پایا گیا جہاد کرنے پہاڑوں اور چٹانوں پر لڑائیاں کرنی اور خدا کا جلال ظاہر کرنا اور نیز جسم مبارک کا حلیہ سب کا سب رسول اللہ صلعم کا ہی ہے ترمذی میں شمائل نبوی میں جو حلیہ درج ہے وہی اس کتاب سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام میں درج ہے۔
۵	یسعیاہ باب ۴۲ ورس ۱–۷	دیکھو میرا بندہ جسکو میں سنبھالتا ہوں میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے وہ نہ چلائیگا نہ آواز بلند کریگا وغیرہ وغیرہ میں ہی والی ناصر و عاصم ہوں گا تو اندھوں کی آنکھوں کو کھولیگا قید خانوں سے قیدیوں کو چھوڑائیگا۔	واللہ یعصمک من الناس - فان اللہ ھو مولاہ الایہ یعنے رسول اللہ کا حامی ناصر و والی و عاصم اللہ ہی ہے - بخاری میں بروایت عطاء بن یسار حلیہ نبوی صلعم عبداللہ بن عمرو بن العاص نے یوں بیان کیا۔ یا ایها النبی انا ارسلناک شاهدا ...... (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین) یعنی اے نبی ہم نے تجھے لوگوں پر شہادت دینے والا اور بشارت و وعید سنانیوالا کرکے بھیجا ہے اپنی قوم کا تو نگہبان ہے تو میرا بندہ اور رسول ہے میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے یہ میرا بندہ بدخلق اور سنگدل نہیں ہے اور بازاروں میں چلانیوالا نہیں ہے برائی کا بدلہ برائی سے نہیں لیگا بلکہ درگذر کریگا اور قصور معاف کردیگا اور جبتک اسکے ذریعہ جملہ ملل باطلہ کو دور کرکے دین اسلام قائم نہ کریگا اسکو دنیا سے نہ اٹھاویگا یعنی توحید کے اقرار کا کوئی مانع نہ رہیگا اور اندھی آنکھوں اور بہرے کانوں اور بند دلوں کو کھولیگا۔
۶	یسعیاہ باب ۴۲ ورس ۱۱–۱۲	قیدار کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کریں گے خدا کا جلال ظاہر کریں گے وغیرہ وغیرہ	قیدار اسمٰعیل ع کے بیٹے کا نام ہے اسکے اندرونی جو دیہات آباد ہیں وہ قیدار دیہات ہیں۔ رسول اللہ صلعم اور آپکے خلفاء راشدین نے جو جلال خداوندی ظاہر کیا ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔
۷	یسعیاہ باب ۴۵	میں نے اسی صداقت کے لئے برپا کیا ہے وہ میرا شہر	الذین یتبعون الرسول النبی الامی ... الایہ پ۹ ع۸ یعنے جو لوگ اس

نمبر شمار	نام کتاب باب نمبر	خلاصہ پیشینگوئی	کتاب وسنت سے اس کی تصدیق اور اسکا حوالہ
۷	ورس ۱۳ / ۱۵	بنائیگا میرے اسیروں کو بغیر قیمت اور عوض کے چھوڑ دیگا۔	رسول اور اس نبی امی کی جسے اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں اور جو ان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ہدایت کرتا ہے اور ان کے لئے جملہ اقسام کی طیب چیزوں کو حلال اور جملہ اقسام کے خبائث کو حرام ٹھہراتا ہے اور ان سے ان کے بوجھوں اور بیڑیوں جو ان پر پڑی ہیں دور کرتا ہے پیروی کرتے ہیں۔ . . . وہی دوزخ سے نجات پاکر جنت میں جاوینگے۔ قل لا اسئلکم علیہ من اجر پ ع اسے لوگو میں دین سکھانے کا کچھ بھی معاوضہ تم سے نہیں مانگتا ہوں۔
۸	یسعیاہ باب ۶۰ (کل)	تاریکی زمین پر چھاجائیگی اور تیری قوموں پر خداوند تجھ پر طالع ہوگا سمندر کی فراوانی اور قوموں کی دولت تیرے پاس آویگی تیرے لوگ سب کے سب راستباز ہونگے ایک چھوٹے سے ہزار ہو جائینگے اور ایک حقیر سے ایک گروہ قوی بنیگے۔	ولقد کتبنا فی الزبور الایۃ پ ع یعنی ملک کنعان وغیرہ کے وارث میرے صالح بندے ہونگے کتاب انزلناہ الیک لتخرج الناس من الظلمٰت الایۃ پ۱۳ ع یعنی رسول اللہ صلعم دنیا کو تیرگی اور تاریکی سے نکالنے کے لئے مبعوث کئے گئے ہیں ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ . . . . کزرع اخرج شطاہ الایۃ پ۲۶ ع خلاصہ یہہ ہے کہ رسول اللہ صلعم کا دین کل ادیان پر غالب ہوگا اور اصحاب رسول اللہ صلعم کی صفات یہہ ہیں کہ ایمان واسلام میں تو نہایت ہی رحم دل ہوجاتے ہیں مگر کفر کے مقابلہ میں نہایت سخت۔ وہ خدا کا جلال ہمیشہ ظاہر کرتے رہتے ہیں یہہ حلیہ ان کا تورات میں ہے اور انجیل میں ان کا حلیہ یوں درج ہے کہ وہ ایک ایسی کھیتی کی طرح ہوں گے جو پہلے بہت ہی لاغر اور کمزور ہوتی ہے اور وہ اپنی سوئی نکالتی ہے پھر آہستہ آہستہ اس سوئی کو وہ مضبوط کرتی ہے پھر موٹی ہوتی اس کو موٹی کرتی ہے پھر اپنی نالی پر سیدھی کھڑی ہوجاتی ہے واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا الایۃ یعنے لوگوں میں حج کے لئے اعلان کردو کہ لوگ تمہاری طرف دوڑے چلے آئینگے پیادے بھی اور سوار بھی جو دور دراز رستے طے کرکے پہونچینگے
۹	ملاکی باب ۳ ورس ۱ / ۲	میں اپنے رسول کو بھیجوں گا وہ جس کی تلاش میں تم ہو ہاں عہد کا رسول جس سے تم خوش ہو وہ اپنی ہیکل میں ناگہاں آویگا وہ انہیں پاک کرے گا۔	ھوالذی بعث فی الامیین رسولاً یتلوا علیھم اٰیٰتہٖ ویزکیھم الایۃ یعنے رسول اللہ صلعم لوگوں کو جوان کی ہدایت قبول کرتے ہیں پاک کرتا ہے انا فتحنا لک فتحا مبینا پ ع فتح مکہ پر جب بیت اللہ میں رسول اللہ صلعم داخل ہوئے ہیں اور ان کے ظل یعنے عمر رضہ جب بیت المقدس میں بعد فتح داخل ہوئے ہیں تو کل دنیا کو معلوم ہے ھوالذی اخرج الذین کفروا الایۃ پ۲۸ ع یہود کو جلاوطن کر دیا گیا۔
۱۰	استثنا باب ۳۳ ورس ۱ / ۲	خداوند تعالیٰ سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا دس ہزار قدسیوں کے	ایسی شریعت جو آگ کی طرح ہر قسم کے کفر وشرک کو بھسم کردے اور جہاد سے مجاہدین کے لشکروں کو ساتھ لیکر کلمۃ علیا کے اعلا کے لئے کفار کو نیست ونابود

نمبر شمار	نام کتاب باب وغیرہ	خلاصہ پیشین گوئی	کتاب و سنت سے اس کی تصدیق اور اس کا حوالہ
	کے ساتھ آیا	کے ساتھ آیا اسکے داہنے ہاتھ ایک ایسی شریعت اُن کے لئے ہے ...... تیری باتوں کو مانیں گے ۔	کردے سوائے شریعت محمدیؐ کے اور کوئی شریعت نہیں ہے اور فاران کا پہاڑ حجاز کا پہاڑ ہے یعنے وہ نبی عرب سے ظہور پذیر ہوگا ۔
۱۱	حبقوق باب ۳ ورس ۳/۱۴	خدا کوہ فاران سے آیا اُس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا اور اس کی حمد سے زمین معمور ہوئی	ورفعنا لك ذكرك ۔ انا ارسلناك رحمة للعالمين ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت حمد تنہا چار کھونٹ میں موجود ہے اور نبیوں کا کیا ذکر ہے خود موسٰیؑ جیسے اولوالعزم رسول کی امت کا یہ حال تھا کہ آپ چالیس سال تک ان کے ساتھ ہی جنگل میں رہ کر اور خدا کی شریعت کو مکمل کر کے راہی ملک بقا ہوئے پس اس نعمت کا مستحق سوائے ذات احمدؐ کے اور کوئی نبی نہیں ہو سکتا
۱۲	دانیال باب ۲ (کل)	بنوکد نضر (بخت نصر) کا خواب اور اس کی تعبیر آخری زمانہ میں خدا تعالےٰ ایک ہی سلطنت قائم کریگا اور وہ سب مملکتوں کو نیست و نابود کر دیگا	الیوم اکملت لکم دینکم الایہ پ۶ ع۶ ۔ یعنے تمہارے اسلام کو تمہارے لئے کامل کر لیا اور اپنی نعمت کا تم پر اتمام کر دیا اور دین اسلام دیکر تم سے راضی ہو گیا وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم الایہ پ۱۸ ع۱۳ یعنے مومنین عاملین سے وعدہ ہے کہ وہ ان کو ضرور زمین کی بادشاہی دیگا اور دین اسلام مرضیہ خداوندی کا سکہ خوب جما دیگا۔ لیوشکن ان ینزل ابن مریم حکما عدلا ۔۔ (بخاری کتاب الانبیا باب نزول عیسیٰ) یعنے ابن مریم نازل ہو کر ملک میں عدل کرینگے اور کل احکام اسلام کا اجرا کریں اور کرائینگے ۔
۱۳	متی باب ۱۳ مرقس باب ۴ ورس ۱/۹	ایک کسان بیج بونے لگا کچھ راہ پر گرا کچھ پتھریلی زمین پر اور کچھ کانٹوں میں اور کچھ اچھی زمین میں جو اچھی زمین میں گرا وہی بڑا پھولا پھلا اور اضعاف مضاعفہ پیداوار اس سے ہوئے	ومثلهم فی الانجیل کزرع اخرج شطأه فازره فاستغلظ فاستوی علی سوقه الایہ پ۲۶ ع۱۲ یعنے صحابہ رضؓ کی مثال انجیل میں یوں ہے کہ وہ ایک کمزور کھیتی کی طرح ہیں جو اپنا انگور زمین سے نکالتی ہے وغیرہ وغیرہ پیشگوئی نمبر
۱۴	یوحنا باب ۱ ورس ۱۹/۲۸	یہود کے سوال پر یوحنا (یحییٰ) نے کہا کہ میں مسیح نہیں ہوں انہوں نے پوچھا پھر تو الیاس ہے کہا الیاس بھی نہیں ہوں انہوں نے پوچھا تو کیا تو پھر وہ نبی ہے کہا کہ نہیں ۔	الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونه مکتوبا عندهم فی التورات (دیکھو پیشگوئی ۵) جس رسول اور جس نبی کی بابت یہود کا سوال ہے وہ ضرور ان کے ہاں تورات کے اندر لکھا موجود ہے اور قرآن مجید میں النبی اور الرسول اس کثرت کے ساتھ ہے کہ ان کا گننا دشوار ہے اور اہل کتاب کے ساتھ جہاں کہیں مناظرہ ہے اور وہاں النبی کا لفظ آگیا ہے تو وہاں یقیناً الف لام النبی میں عہد ذہنی ہے یعنے وہ نبی جسکا حال اور حلیہ تم کو خوب یاد ہے
۱۵	یوحنا باب ۱۶	میں سچ کہتا ہوں میرا جانا ہی تمہارے لئے	ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمه احمد پ۲۸ ع۹ میں ایک عظیم الشان

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنفُسَهُمْ أَن يَكْفُرُوا بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ

جس معاوضے کے بدلے میں انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا ہے وہ بہت ہی برا ہے کہ اسوجہ سے کہ اللہ تعالے اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جسپر چاہے اپنی

بَغْيًا أَن يُنَزِّلَ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ

کتاب نازل فرمائے براہ عناد و سرکشی وحسد لگے انکار کرنے اس کتاب سے جو اللہ تعالے نے محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمائی ہے - پس یہہ لوگ

مِنْ عِبَادِهِ فَبَاءُو بِغَضَبٍ عَلَىٰ غَضَبٍ

اس پہلے غضب عظیم کے علاوہ جسکے نیچے وہ بوجہ مخالفت -

۱۵	درس ۵/۱۵	فایده مند ہے میں نہ جاؤں تو وہ فارقلیط (احمدؐ) نہیں آویگا۔	رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے پیچھے آویگا اسکا نام احمدؐ ہے -

ان پیشنگوئیوں کے علاوہ اور بھی بہت سی پیشن گوئیاں ہیں جو ہم بخوف طوالت نہیں لکھتے -- تو اصل غرض یہہ ہے کہ یہہ پیشنگوئیاں اور ان جیسی اور بہت سی پیشن گوئیاں پہلی کتابوں میں موجود ہیں جنکو پڑھ پڑھ کر وہ ہمیشہ التجا کرتے چلے آئے ہیں کہ خدایا کب وہ وقت آتا ہے کہ ان پیشنگوئیوں کا مصداق پیدا ہو تو ہم بھی اس کی اتباع سے مستفید ہوویں سو ظاہر ہے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور شخص مصداق پیشنگوئیاں مرقومۃ الصدر نہیں ہوسکتا اور یہود و نصاریٰ کو بخوبی علم ہے کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو بیٹے تھے ایک اسحاق ؑ اور ایک اسمٰعیل ؑ علیہما الصلوٰۃ والسلام اور یہہ بھی ان کو معلوم ہے جیسا اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ اللہ تعالے نے ان دونوں کو اور ان دونوں کی اولاد کو برکت دی اور برکت دینے اور قومیں بنانے کا وعدہ کیا اور یہہ بھی جانتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اسمٰعیل ؑ کے اولاد میں سے ہیں اور یہہ بھی اُن کو معلوم ہے کہ بنی اسماعیل اور بنی اسحاق ؑ سب کے سب ایک ہی قوم اور ایک ہی خون ہیں اور سب کے سب آپسمیں اخوان اور بھائی بند ہیں اور یہہ بھی اُن کو یقینی علم ہے کہ موسیٰ ؑ کو حکم بھی ہوا ہے کہ میں تیرے بھائیوں میں تیرے بھائیوں میں سے تجھ جیسا رسول پیدا کرنے والا ہوں جسکے مونہہ میں اپنا کلام ڈالونگا اور جو مجھ سے سنے گا وہی لوگوں کو سناویگا پھر جان بوجھ کر اس پیشن گوئی کا مصداق رسول اللہ ﷺ کو جو بنی اسحاق کے بھائی بندوں میں سے ہیں نہ ٹھیرانا یقیناً یہی معنے رکھتا ہے کہ وہ جس حق کو جانتے پہچانتے چلے آتے ہیں اور کتابوں میں پڑھتے چلے آتے ہیں اب اسی کے منکر ہو بیٹھے ہیں جب وہ ان کے پاس آموجود ہوا ہے - پس اب اللہ تعالے ان کے اس بے ایمانی کو ظاہر کرتا ہی -* بئسما اشتروا بہ انفسہم الایہ یعنے یہہ خیال کرنا کہ خدا تعالے کے فضل کا دروازہ فقط بنی اسرائیل پر کھلا ہے اور باقی بنی آدم اُس سے محروم ہیں بالکل بیہودہ اور خدا کے غضب کا موجب ہے بلکہ اللہ تعالے ہمیشہ ہر قوم میں ہر ملک میں اس کی اپنی اپنی بولی میں اسی قوم میں کا نبی بھیجتا رہا ہے جس طرح اور قوموں کا حال تھا ویسا ہی اس قوم کا تھا ان کو کوئی سرخاب کا پر تو نہیں لگا تھا کہ نبوت انہیں میں منحصر

وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ

کتب سماویہ سابقہ ہوکر ہو گئے تھے اب ایک اور غضب عظیم کے نیچے آگئے جس کے مستحق عناد اور بغاوت اور حسد کی وجہ سے اب ہو چکے ہیں اور ایسے منکروں کو بڑا بھاری ذلیل عذاب ہوگا اور نہ صرف بھاری ہوگا بلکہ ذلت و خواری کا بھی اور جب

اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا

ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے یعنی قرآن مجید تم اس پر ایمان لاؤ تو کہتے ہیں ہم تو اسی کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور رکھتے ہیں جو ہم پر اتاری گئی ہے

وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا

اور یہ لوگ اس کتاب کے علاوہ جو ان پر نازل کی گئی ہے اور کتاب آسمانی کا انکار کرتے ہیں حالانکہ یہ آسمانی کتاب یعنی قرآن کریم کامل حق ہے جو اس کتاب کی

لِّمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ

تصدیق بھی کرتا ہے جو انکے پاس موجود ہے تو ان سے پوچھ کہ اگر تم تورات پر ایمان رکھنے والے ہو تو اسکے نزول کے پہلے اللہ کے نبیوں کے قتل کے درپے کیوں تھے ہو رہے

قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى

اور بیشک موسیٰ تمہارے پاس وہ جملہ معجزات لیکر آئے جو تم کو معلوم اور تورات میں مذکور ہیں باوجود اس کے تم ان کے پہاڑ پر چلے جانے کے پیچھے اس

کی جاتی۔ اسکی زیادہ تفسیر دیکھو پیچھے وانی فضلتکم علی العالمین کے ضمن میں چونکہ عناد اور بغاوت اور حسد کی وجہ ہی وہ منکر قرآن ہو بیٹھے اسواسطے اب اس وجہ سے غضب کے نیچے آگئے اور جو پیشنگوئیاں انجیل اور زبور اور تورات اور دیگر صحف انبیاء میں موجود تھیں اور جنکا اوپر حوالہ دیا گیا ہے ان کو ادل بدل کر کے اور ان کے الفاظ اور معانی جوڑ توڑ کر کے کچھ کا کچھ کرتے ہیں اور ان کو نہیں مانتے اسواسطے اس وجہ سے وہ پہلے ہی غضب میں آئے ہوئے تھے اسیواسطے وباؤ بغضب علی غضب میں غضب کا لفظ دوبارہ آیا ہے گر عمل ان کا جدا جدا ہے دو توجگہ تنوین غضب برائے تعظیم ہے اور چونکہ رسولوں کی اہانت کرنا اور ان کے قتل کے درپے ہونا اور آیات اللہ اور مواثیق کا توڑنا ان کا شیوہ تھا اسواسطے فرمایا وللکفرین عذاب مھین یعنے ان کے عذاب الیم و عظیم ہونے کے علاوہ ان کے عذاب کے ساتھ ذلت اور رسوائی بھی ہوگی جو شدت عذاب کو اور دوبالا کر دیگی اعاذنا اللہ منہا ۔ اس کے بعد اللہ تعالے ان کے ایمان کی قلعی کھولتا ہے کما قال ﷻ واذا قیل لھم الایۃ اور ان کو تنبیہ کرتا ہے کہ تم تورات کو ہرگز نہیں مانتے اور اپنے دعوے ایمان میں بالکل جھوٹے ہو

بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ

بچھڑے کو معبود بنا بیٹھے جسکا حال تم کو معلوم ہے۔ اور تم لوگوں کی شروع سے کچھ عادت ایسی ہی چلی آئی ہے کہ تم مخالفت کتاب آسمانی کی کر کے اپنا نقصان

ظٰلِمُوْنَ ۝ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ

آپ ہی کر لیتے ہو اور جھوٹے ایمان کے مدعی اپنی اسوقت کی ایمانداری کو بھی خیال میں لاؤ جب ہم نے تمسے حلفی اقرار لیا اور بطور خرق عادت تمپر اُس

الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ۭ قَالُوْا

طور پہاڑ کو اُٹھایا جو تم کو معلوم ہے اور ہمنے تم سے اقرار لیکر یہہ کہا کہ جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اُس کو خوب مضبوطی سے پکڑے رہو اور دل لگا کے کانوں سے

سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۤ وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ

سنتے رہو یعنی تدبر و فکر کرتے رہا کرو پھر تمہارے بڑے بڑے ہمارا یہہ اقرار اور بول سنکر بولے کہ ہمنے سن لیا اور قبول کر لیا مگر ان کا حال یہہ ظاہر کر رہا تہا کہ گویا یہ مانتے ہی ہیں

بِكُفْرِهِمْ ۭ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

بھی کہہ اُٹھے کہ نہیں مانتے اور ان کے کفر کی وجہ سے وہ بچھڑا ان کے دلوں میں اسطرح پر دھس گیا جسطرح پانی جسم کے اندر دھس جاتا ہے تو کہہ کہ اگر تم ایمان کے مدعی ہو تو تمہارا

مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ

یہہ ایمان جن جن باتوں کے کرنے کا حکم فرماتا ہے وہ سب کی سب بری ہیں یعنے توراۃ پر اگر ایمان ہوتا تو تم سے ایسی حرکات سرزد نہ ہوتیں تو کہہ کہ اگر وہ گہر جو

کیونکہ اگر تم توراۃ کے ماننے والے ہوتے تو سب سے پہلے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی تصدیق کرتے اور انپر ایمان لاتے کیونکہ قرآن کریم جملہ کتب سابقہ کی تصدیق کرتا ہے اور چونکہ دونو آپس میں ایکدوسرے کے مصدق ہیں اسواسطے ایک کے ماننے کیو دوسرے کا ماننا لازم ہے پس

عِندَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ

اس دنیا کے پیچھے جنتوں کو ملنے والا ہے بس خاص کر تمہارے لئے ہی ہے اور باقی لوگوں کے لئے نہیں ہے تو پھر اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو تو موت کی

إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ وَلَن يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا

آرزو کرو اور یہ لوگ ہرگز ہرگز کبھی بھی موت کی تمنا نہیں کریں گے بوجہ ان اعمال بد کے جو انکے

قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ

ہاتھ پہلے سے آگے بھیج چکے ہیں ۔ اور اللہ تعالے ایسے ظالموں کو خوب جانتا ہے ۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَىٰ حَيَاةٍ وَ

اور البتہ تو ان یہود کو اس عارضی اور فانی زندگی پر سب دنیا سے بڑھکر حریص دیکھے گا اور

مِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا ۚ يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ مع

جو لوگ شرک کرنے رہتے ہیں ان میں سے ایک ایک چاہتا ہے کہ ہزار ہزار برس کی عمر دیا جاوے

وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهِ مِنَ الْعَذَابِ أَن يُعَمَّرَ ۗ وَاللَّهُ

حالانکہ یہہ بات یعنی اتنی لمبی عمر کا دیا جانا اسکو کسی قسم کے عذاب سے خلاصی دینے والا نہیں ہے اور اللہ تعالے

تمہارا دعوی ایمان تورات مردود ہوا علی ہذا القیاس موسی علیہ الصلوۃ والسلام کے معجزات دیکھ کر بھی تم مشرک ہو گئے اور سونے کا بچھڑا کا معجزہ دیکھ کر پہلے تو
تم نے بڑے زور سے تورات کی تعمیل کرنے پر کمر باندھی پیچھے ایسے او چھے نکلے کہ تورات کے احکام کو توڑنا شروع کر دیا سو اگر ایمان اسی کا نام ہے

ع ١١

بَصِيرٌۢ بِمَا يَعْمَلُونَ ۝ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ

سب کچھہ دیکھہ رہا ہے جو جو کچھہ یہہ لوگ کر رہے ہیں۔ تو کہہ کہ جو کوئی جبریل فرشتے کا دشمن ہو تو اصل میں وہ خدا کا دشمن ہے کیونکہ

فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا

جبریل فرشتے نے تو اس قرآن مجید کو خدا کے حکم سے تیرے دل پر نازل کیا ہے جو ان جملہ کتب سماویہ کا جو اس سے پہلے

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ

نازل ہو چکی ہیں مصدق ہے اور جو لوگ ایمان کے خواہاں ہوں ان کے لئے کامل درجہ کی ہدایت اور اعلے درجہ کی بشارت ہے۔

تو ایسے ایمان کو سلام ہے اور اس سے بدتر کیا کوئی ایمان ہو سکیگا سمعنا وعصینا کے یہی معنی ہیں یعنی زبان سے تو تم نے اقرار کر لیا کہ ہم مومن ہیں ہم کلمہ گو ہیں ہم توراۃ کے احکام کی تعمیل کرینگے مگر تمہاری حالت اور تمہارے افعال تمہارے اس قول کے مخالف تھے گویا وہ ضد دل کو تم اکٹھے کر رہے تھے ہاں ہاں بھی کرتے تھے اور نہ نہ بھی یعنی سمعنا سے مراد ہے ان کا قولی اور زبانی اقرار اور عصینا سے مراد ہے ان کا حالی اور فعلی انکار اسکے بعد اللہ تعالے ان کی اس بیہودہ دعویٰ کی تردید کرتا ہے کہ ہم ہی فقط خدا کے برگزیدہ قوم ہیں اور ہم لوگوں میں ہی نبوت کا حصر ہے کما قال اللہ تعالے۔ قل ان کانت لکم الدار الآخرۃ عند اللہ خالصۃ الآیہ یعنے اگر تم ہی خدا کے محبوب ہو اور جنت تمہارے لئے ہی فقط بنائی گئی ہے تو پھر آئے دن کی مصیبتوں اور رسوائیوں اور ذلتوں اور بے حرمتیوں سے چھوٹنے کے لئے اور جنت کی نعماء حاصل کرنے کے لئے تم ذری موت کی تمنا تو کر دکھاؤ اور چونکہ وہ پکے بے ایمان اور دنیا دار ہیں اور دنیا کے مال و منال میں ان کا دل پھنسا ہے وہ کب اس دنیا کو چھوڑنا چاہتے ہیں بلکہ یہہ لوگ جو توراۃ کے ماننے والے اور توراۃ کے جاننے والے اور توراۃ کے مطابق عمل کرنے والے کہلاتے ہیں کل دنیا کی قوموں سے اس فانی زندگی پر عاشق اور حریص ہیں اور پھر اللہ تعالی مشرکین کی نسبت فرماتا ہے کہ انہیں سے ایک ایک ہزار ہزار برس عمر پانیکا خواہشمند ہے اور چونکہ یہہ یہود مردود کل دنیا سے حریص تر ہیں اسواسطے یہہ لوگ مشرکین سے بھی جو آسمانی کتاب کے منکر ہیں بدتر نکلے اس فانی زندگی پر ریجھہ رہنے کے لحاظ سے گویا مشرکین سے بھی بدتر ہیں کیونکہ آسمانی کتاب کے ماننے والے آخرت کے طالب ہوتے ہیں نہ کہ اس دار فانی کے کما قال اللہ تعالے بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا والآخرۃ خیر وابقی ان ھذا لفی الصحف الاولی صحف ابراھیم وموسی پ ٣٠ ع ١١۔ غرضکہ یہہ لوگ طالب آخرت نہیں ہیں اور ان کا دعوے بالکل جھوٹا ہے اور ان کے افعال ان کے دعوے کو جھٹلا رہے ہیں مگر کچھہ ہی کیوں نہ ہو آخر مرنا ہے خواہ کب مریں اور بُرے مرنے کی جزا ان کی بُری ہی ہے یعنے دوزخ۔ علی حیوۃ۔ میں حیوۃ کی تنوین تحقیر کے لئے ہے یعنے اس فانی اور عارضی زندگی پر ریجھہ رہے ہیں اور یہہ مومن کی شان سے بعید ہے عناد اور حسد حد سے بڑھ جاتا ہے تو پھر غضبناک اور حاسد ایسی باتیں منہ سے نکالتا ہے جو اسکے اپنے اعتقاد کی رو سے بھی سمجھی جائیز نہیں ہوتیں اسواسطے اب اللہ تعالے یہود کے عناد کا اندازہ سمجھانے کے لئے ان کا یہہ کفر کا کلمہ بتاتا ہے کہ ہاں وہ جبریل کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں اسواسطے کہ وہ قرآن مجید اللہ تعالے کے حکم سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پڑھاتے ہیں اور اس میں یہہ تمام پیشین گوئیاں جو توراۃ وغیرہ میں موجود ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بتائی ہیں حالانکہ اس قسم کا استدلال سراسر باطل تھا ہے کیونکہ جبریل علیہ الصلوۃ والسلام اپنے آپ تو کچھہ کرتے کراتے نہیں خدا کے حکم کے مامور ہیں وہ مع یہہ کہ قرآن ہی کی تعلیم کرتے ہیں جو ایمان کو

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ

جو کوئی اللہ کا دشمن ہو اور اسکے فرشتوں کا اور اسکے رسولوں کا اور خاصکر جبریل

وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ

اور میکائیل فرشتوں کا تو پھر اللہ تعالے بھی ایسے کافروں کا دشمن ہے ۔ اور البتہ تحقیق ہمنے تیری طرف کھلی کھلی آیات

اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ۝

جنہیں کوئی ایچ پیچ یا شک و شبہ نہیں ہے نازل کی ہیں اور ان کھلی کھلی آیات کا انکار بس وہی لوگ کرتے ہیں جو فسق یعنی بغاوت اور حکم عدولی اختیار کر بیٹھتے ہیں

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ

کیا یہ یہود جنکی تورات میں رسول اللہ صلعم کی پیش گوئیاں مکتوب ہیں ان پیشگوئیوں کا اور پھر ان قرآنی آیات واضحات مصدقات کا جو تورات کی مصدق ہیں انکار

لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَمَّا جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ

کرتے ہیں ؟ تعجب اور موجب شرم ہے ! اور کیا ان کی یہہ عادت شنیعہ چلی آتی ہے کہ جب کبھی انہوں نے کوئی سا اقرار کیا تو انہیں سے کوئی نہ کوئی لوگ اس اقرار کو پھینکتے

مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ

رہتے ہیں ؟ شرم ! بلکہ انہیں سے بہت تو ایمان ہی نہیں رکھتے اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے اسوقت ایک عظیم الشان رسول یعنی محمد رسول اللہ صلعم آچکے جو

قبول کرنیوالوں کیلئے بڑی بھاری رہنما ہے اور پھر اسکے مطابق عمل کرنے والوں کیلئے بڑی بھاری خوشخبری ہے اور خود تورات کی تصدیق کنندہ ہے یہود خود جبریل اور میکائیل دو تو فرشتوں کو مانتے ہیں اور ان کو بڑے بزرگ فرشتے خیال کرتے ہیں باوجود اسکے ایمان رکھنے کے پھر جو مسلمانوں کے منہ سے ان کا نام سنکر ان کو گالیاں

أُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَاۤءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ

اس کتاب کی تصدیق کرنے ہیں جو ان کے پاس موجود ہے تو ان لوگوں میں سے جنکو آسمانی کتاب یعنی توراۃ اور انجیل اور دیگر کتب انبیا دی گئی تھیں بعض لوگوں نے

لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى

باوجود ان کتابوں کے رکھنے اور پڑھنے اور سمجھنے کے اللہ کی کتاب کو یعنے ان تمام پیشگوئیوں کو اور ہدایتوں کو جو ان میں اتباع نبوی کی نسبت مکتوب ہیں
اپنی پیٹھوں کے پیچھے ویسے پھینکا کہ گویا ان کو ان پیشگوئیوں کا پتہ ہی نہیں ہے۔ اور ان لغویات کی پیروی کر بیٹھے جنہیں شیطان احبار و رہبان

نکالنے لگ جاویں تو معلوم ہوا کہ بڑے بھاری معاند اسلام ہیں اور اپنی مسلمات کا کچھ پاس نہیں کرتے جبریل کا لفظ انجیل میں بہت جگہ آیا ہے مثلاً دانیال باب ۸ ورس ۱۶ و باب ۹ ورس ۲۱ اور لوقا کی انجیل باب ۱ ورس ۱۹ و ۲۶ اسی طرح میکائیل کا نام دانیال باب ۱۰ ورس ۱۳ اور مشاہدات یوحنا باب ۱۲ ورس ۷ اور یہودا کا خط ورس ۹ میں آیا ہے۔ یہودیوں کا ان دونو فرشتوں کی نسبت برا بھلا کہنا اسوقت جب وہ مسلمانوں کے منہ سے ان کا نام سنیں بعینہ ایسا ہے جیسا زمانہ حال کا دجال مسیح کو اسواسطے گالیاں نکالتا ہے کہ وہ عیسائیوں کا خدا ہے نہ کہ مسلمانوں کا نبی۔ حالانکہ جو مسیح مسلمانوں کا نبی ہے وہی عیسائیوں میں خدا مانا ہوا ہے اعاذنا اللہ منہا۔ اسکا نام اللہ تعالے کفر رکھتا ہے اور اس کی سزا دوزخ ہے تو اس آیت میں بھی اللہ تعالے یہود و نصاریٰ کی توبیخ و بکیت بیان کرتا ہے کہ دعوے کرتے ہو کتاب کے ماننے کا اور کرتوت کرتے ہو وہ جو تمہارے دعوے کی تکذیب کرے پس تم ہرگز توراۃ کو نہیں مانتے اسکے بعد اللہ تعالے فرماتا ہے ولقد انزلنا الیک آیٰت بینٰت یعنی قرآن کریم تو محض دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ ہیں ان سے انکار کرنا خواہ دیدہ دانستہ خواہ لاپرواہی سے خواہ غفلت سے سب کا سب فسق ہے یعنے یہ یہود مردود فقط اپنے فسق و فجور کی وجہ سے قرآن کریم کو نہیں مانتے ورنہ ماننے کی وجہ تو کوئی ہے ہی نہیں اور ان کی پورانی عادت چلی آئی ہے کہ ہمیشہ عہد شکنیاں کرتے چلے آتے ہیں۔ پس اب بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر انہوں نے توراۃ کی کل پیشگوئیاں کو خاک میں ملا دیا ہے گویا ان کو پتہ ہی نہیں ہے کہ توراۃ بھی کوئی کتاب ہے یا نہیں اور چونکہ توراۃ جیسے نور اور ہدایت کو ترک کر بیٹھے ہیں اسواسطے اب گدی نشینی اختیار کرکے تعویذات اور گنڈے اور فالیں اور جنتر منتر وغیرہ پر اپنی کارروائی کرتے ہیں۔ کما قال اللہ تعالے ﷻ واتبعوا ما تتلوا الشیٰطین علی ملک سلیمان الایۃ۔ حالانکہ ان کو ممانعت کردی گئی تھی کہ تم میں سے کوئی شخص ایسا نہ پایا جاوے جو غیب گوئی یا نجومی یا فال کھولنے والا یا جادو اپنے بنے نہ منتر پڑھنے والا ہو نہ یاردیوسی سوال کرنے والا ہو اور نہ رمال اور نہ ساحر ہو۔ ... کتاب استثنا باب ۱۸ ورس ۱۰ تا ۱۳ پس آسمانی کتاب کی تعلیم ربانی کو چھوڑ کر اپنے من گھڑت اور نفسانی تعلیمات کے کاربند ہوگئے اور اپنے تئیں بڑے منکی رہبان اور متقی احبار بنا بیٹھے تتلوا زبان کا محاورہ ہے تلا علیہ اے کذب علیہ وتلا عنہ اے صدق۔ یعنے تلا کا صلہ جب علی ہو تو یہ فعل متضمن معنے کذب ہوتا ہے (تفسیر کبیر۔ جامع البیان۔ رحمانی) فتح البیان میں اسکے معنے تقول یعنے افترا بصیغہ تمریض لکھکر آخر کار اسی کو ترجیح دی ہے۔ ان آیات میں تتلوا۔ یعلمون۔ یعلمان۔ یقولا۔ یتعلمون۔ اور یفرقون سب کے سب مضارع کے صیغے ہیں اور معنے سب کے سب ماضی ہیں یعنے اللہ تعالے ان صیغوں کو فقط بطور حکایت حال بیان کرتا ہے اور الشیٰطین سے مراد ہیں جھوٹے احبار اور کذاب دجال رہبان جیسا پہلے واذا خلوا الی شیٰطینہم کی تفسیر میں بیان ہوچکا ہے پس واتبعوا ما تتلوا الایۃ کے معنے اب یہ ہوئے کہ یہود جو اسوقت مخاطب اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابل ہیں آسمانی کتاب کی تعلیمات اور ہدایات اور بشارات کو ترک کرکے ان باتوں اور خرافاتوں اور لغویات میں مشغول و مصروف ہوگئے ہیں جنکا رواج پہلے زمانوں میں جھوٹے اور مکار کذاب دجال احبار و رہبان نے لوگوں میں دے دیا تھا لوگوں کو اس طرح کی ترغیب و تحریص دلا دلا کر کہ سلیمان علیہ الصلوۃ والسلام کو انہی باتوں سے بادشاہی ہاتھ لگی تھی اور انہیں طلسمات اور نقوش سے وہ جنوں اور پریوں اور دیوؤں

مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ

سلیمان ؑ کی بادشاہی پر جھوٹ موٹ کا افترا باندھ کر پڑھتے پڑھتے اور لکھتے پھرتے تھے کہ ان کی سلطنت کا حصول اور قیام بس انہیں

كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ

ڑ شبہات پر تھا یعنے یہ کہ خود سلیمان ؑ ان کفریات کے کاربند تھے حالانکہ سلیمان ؑ نے کوئی کفر کا کام نہیں کیا بلکہ خود یہی شیطان لوگ ان کفر کے کاموں کے بانی تھے جنکے

اور ہواؤں اور پرندوں کو مسخر کرتے تھے غرضکہ جس طرح آجکل کل دنیا کے جھوٹے پیر اور مرشد اور گرد فال نکالتے اور ٹونے ٹوٹکے کرتے اور نقش سلیمانی اور طلسمات سلیمانی وغیرہ وغیرہ بیہودہ اور بے سند اور مشرکانہ خیالات کو اپنا عین دین و ایمان سمجھتے اور اس سے لوگوں کا مال ناحق ناروا کھاتے ہیں اسی طرح زمانہ نبوی میں ان یہود بے بہبود کا حال تھا اور اللہ تعالے ان کے اس علم کے ماخذ کا پتہ بتاتا ہے اور ان کے مرشدوں اور متبوعوں کا ذکر فرماتا ہے کہ یہ شیطانی کارروائیاں جو سلیمان ؑ کے ذمے لگائی جاتی ہیں اور جنکو عین دین سمجھا جاتا ہے خود دجالوں کذابوں گرگوں اور مرشدوں اور زنادقہ دینداروں کی بیعت کرانے والوں اور نوح ؑ کی جھوٹی کشتی بنانے والوں اور جھوٹ موٹ کا حصن حصین بننے والوں کی کارستانیاں نہیں اور سلیمان ؑ اللہ کے نبی تھے وہ اس قسم کی خرافات کو دنیا سے مٹانے کے لئے مبعوث کئے گئے تھے نہ کہ رواج دینے کے لئے ۔ السحر کے معنے ہیں جملہ افعال و اقوال و معتقدات باطلہ فاسدہ مرجوحہ غیر مرضیہ الہیہ جنکی تہ کو عوام الناس نہیں پہونچ سکتے یعنے ٹھگ بازی خواہ کلام میں خواہ کام میں خواہ حرکات میں خواہ سکنات میں خواہ دین میں خواہ دنیا میں ۔ اس کے بعد اللہ تعالے اس مقام کا پتہ بتاتا ہے کہ یہ شیطانی کارستانیاں شہر بابل سے شروع ہوئیں وہاں تمام دجالوں اور کذابوں رہباتوں کے دو بڑے بھاری گرو گھنٹال رہا کرتے تھے بس سارے کل انہیں میں تھی باقی شیاطین ان کے تابعدار اور مرید اور حواری تھے اور اپنے سارے ملک میں جا بجا انہیں خرافات کی تعلیم کرتے تھے اس کی مثال بعینہٖ وہی ہے کہ جب رومن کیتھولک کا طرح مذہب کل ممالک عیسوئیت پر تھا تو سب سے بڑا پوپ فقط ملک اٹلی کے دارالخلافہ شہر روما میں رہا کرتا تھا اور سب ملکوں پر وہیں بیٹھے بٹھائے اپنا سکہ جمائے ہوتے تھا اب بھی جہاں جہاں اُن کی سلطنت ہے اس جگہ پوپ کا سکہ سب پر چلتا ہے دور کیوں جاتے ہو اس کی مثال خود ہمارے ملک میں موجود ہے ۔ مرزا غلام احمد قادیانی خود تو قصبہ قادیان تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور ملک پنجاب میں رہتا ہے اور اپنی کہانت اور افاکیت اور دجالیت اور رہبانیت کا رواج جا بجا اپنے مریدوں اور مخلصوں اور حواریوں کے ذریعہ دے رہا ہے اور مرید اگرچہ ہزارہا ہی کیوں نہ ہوں اور سب کے سب جا بجا تعلیم دجالیت کر رہے ہوں مگر تخصیص کے ساتھ نام قادیانی کا لیا جاتا ہے کیونکہ وہ اصل بانی اور اصل دجال قادیانی ہے اسی طرح پہلے تو اللہ تعالے کل شیاطین احبار و رہبان کا ذکر کرتا ہے کہ وہ جا بجا لوگوں کو سحر اور بدینی سکھاتے پھرتے تھے پھر ان سب گرگروؤں اور سرداروں کا ذکر تخصیص کے ساتھ لیا ہے کہ ہاروت ماروت بابل کے اندر یہ کام کرتے تھے اور ان کے مرید جا بجا ملک کے مختلف حصوں میں یہ کام کرتے تھے پس اس صورت میں ہاروت ماروت الشیاطین کا بدل ہیں اور لٰکن کے عمل کے سبب سے الشیاطین کی طرح منصوب ہیں اور ایسا بدل (بدل اثنان) جمع کا ہو سکتا ہے کیونکہ کبھی اثنان کا اطلاق جمع پر بھی ہو جاتا ہے (قرطبی بحوالہ تفسیر فتح البیان) اور اصل بات یہ ہے کہ یہاں ہاروت ماروت بالکل بلا تکلف بدل الکل من الشیاطین ہیں کیونکہ یہ دو شخص نمبردار شیطنت اور دجالیت میں اپنے **وقت کے امام** ہونے کی وجہ سے بالتخصیص مذکور ہوتے ہیں مگر جو کام یہ کرتے تھے وہی کام ان کے اتباع بھی کرتے تھے گویا ضمناً کل اتباع ان کے نام کے ساتھ شامل ہیں ۔ پس الشیاطین اور ہاروت ماروت مع اتباع خود دونوں ایک ہی مدلول پر صادق آتے ہیں ۔ **ہاروت ماروت** کوئی فرشتے نہ تھے بلکہ جن بھی نہ تھے وہ فقط بنی آدم میں سے دو مرد ۔ دو بشر دو انسان تھے جو کاہن افاک اثیم تھے جنپر مطابق خبر خداوندی هل انبئکم علی من تنزل الشیاطین تنزل علی کل افاک اثیم الابد شیاطین نازل ہوتے تھے

بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ ۚ وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ

گرد گھنٹال دو شخص ہاروت اور ماروت بشہر بابل میں تھے جو لوگوں کو ہر قسم کے ٹونے ٹوٹکے اور باطل باتیں سکھایا کرتے تھے اور ان دو فتنہ

حَتَّىٰ يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۖ فَيَتَعَلَّمُونَ

پر بھی جنپر تمہارے خیال فاسد میں یہہ خرافات اتاری گئی تھیں کچھہ نہیں اتارا گیا اور جہہ دو لوگ گرو گھنٹال اتنے بڑے مکار تھے کہ کسی شخص

مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ۚ وَمَا هُم

کو بھی اپنے ان خرافات کی تعلیم نہ کیا کرتے تھے جبتک کہ اسکو یہہ بات سنا نہ لیتے تھے کہ ہم تو خدا کی طرف سے تم لوگوں کے لئے مصیبت عظیم کا ذریعہ ہیں سو ہماری

بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَيَتَعَلَّمُونَ

ان باتوں کا انکار کرکے کافر نہ بنجانا یعنے ہماری اتباع پر تمہاری نجات کا مدار ہے۔ غرضکہ ہاروت اور ماروت سے لوگ وہ باتیں سیکھتے تھے جن سے خاوند۔ اور
اسکی بیوی میں جدائی ڈالنی چاہتے تہے حالانکہ وہ ہرگز ہرگز کسی شخص کو بھی ضرر نہیں پہونچا سکتے تھے بلا ارادہ الہی اور ایسی ایسی باتیں سیکھتے تھے

اور قادیانی کاہن کی طرح ان کو الہام بازی کراتے تھے اور پہر وہ آگئے خلق خدا کو گمراہ کرنے کے لئے ان سے بیعت کرواتے اور ان کو مرید بناتے تھے کیونکہ معاذ اللہ فرشتے کبھی اللہ تعالے ویسے کاموں کے لئے نازل نہیں کرتا وما انزل علی الملکین کا عطف ما کفر سلیمٰن پر ہے یعنی سلیمان نے بھی ان کفر کے کاموں میں سے کوئی کام نہیں کیا اور اللہ تعالے نے بھی کوئی ایسے فرشتے نہیں بھیجے جنکو تعلیمات ربانی کے خلاف تعلیمات شیطانی کے رواج دینے کے لئے نازل کیا ہو اور نہ اللہ تعالے نے کسی فرشتے پر ان کفریات میں سے کوئی کفر اتارا ہے ان اللہ لا یامر بالفحشاء - ولا یرضیٰ لعبادہ الکفر وغیرہ وغیرہ آیات ثابت کر رہی ہیں کہ اللہ تعالے اس قسم کی تعلیمات کرنا کرانا تو رہا در کنار ان سے سخت بیزار ہے اور دوسری یہہ بات ہے کہ اللہ تعالے کی سنت مستمرہ اس سلسلہ انزال ملائکہ بطور انبیا کے متقاضی ہی نہیں کیونکہ اللہ تعالے ہمیشہ بنی آدم کی تعلیم کے لئے بنی آدم میں سے ہی انہیں کی قوم کا انہیں ہی کا بولی کا انہیں ہی کے رسم و رواج سے بخوبی واقفکار کو نبی بنا کر بھیجتا رہا ہے جیساکہ کئی دفعہ پہلے بھی لکھا جاچکا ہے کما قال اللہ تعالے وما ارسلنا من قبلک الا رجالا ... نوحی الیہم پ۱۳ ع۱۲ - پ۱۷ ع - یعنی جتنے رسول آچکے ہیں سب کے سب انہیں بستیوں کے مرد کامل ہوا کرتے تھے وکما قال اللہ تعالے - وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ ... پ۱۳ یعنی جو رسول کسی قوم میں آتا رہا ہے وہ اس قوم کی بولی لاتا رہا ہے اور پہر کفار کے اس سوال پر کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر کوئی فرشتہ نازل کیوں نہیں ہوتا۔ اللہ تعالے فرماتا ہے کہ اگر ہم فرشتہ اتارتے تو کبھی سکتہ یہہ لوگ واصل جہنم ہوگئے ہوتے پہر وہ سمجھا دیا ولو جعلنٰہ ملکا لجعلنٰہ رجلا وللبسنا علیہم ما یلبسون پ۷ ع۷ خلاصہ یہہ ہے کہ فرشتے کو اللہ تعالے کسی قوم کی ہدایت کے لئے نبی اور رسول کرکے نہیں بھیجا کرتا بلکہ بستیوں کے

مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ

جو خود ان کو ہی نقصان پہونچاتیں اور ان کو کچھ نفع نہ دیتیں اور البتہ تحقیق ان لوگوں کو اسکا علم تھا کہ جو کوئی ان لغویات کا گاہک بنے گا

مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖ

اس کے لئے اس پچھلے گھر میں کچھ بھی حصہ نہ ہوگا اور بیشک بہت ہی برا بدلہ ہے جس کے

اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا

بدلے ان لوگوں نے اپنی جانوں کو فروخت کر دیا اگر اپنے اس علم کے مطابق عمل کرتے تو ایسے برے معاملے میں اپنی جانوں کو فروخت نہ کرتے۔ اور اگر یہ لوگ ایمان لاتے اور اس سے بچتے

رہنے والے بنی آدم ہیں سے فقط مردوں کو ہی رسول بنا کر بھیجتا رہا ہے۔ اور اس جملہ وما انزل علی الملکین سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ یہ قصہ جو یہودیوں میں مروج رہا اور جس کی سند رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الصادق المصدوق المعصوم تک نہیں پہونچتی اور جس کی نقل ہزار ہا تفاسیر اسلامیہ میں موجود ہے اور جس کی صحت کے لئے کبھی اس حدیث ضعیف پر اور کبھی اس قول مرجوح پر اور کبھی اس حدیث موقوف پر ہاتھ پاؤں مارے جاتے ہیں سراسر از سر تا پا افترا اور کذب ہے۔ جس افترا کو اللہ تعالے اس دوحرفی جملے وما انزل علے الملکین میں رد کر رہا ہے اور پھر اسی مردود قصے کو کتب احادیث و تفاسیر یہود و مجوس و صابئین سے بذریعہ تحریر یا تقریر ہمارے بھائی مسلمانوں نے لیکر اپنی ان کی تفسیروں میں درج کر دیا ہے حالانکہ محققین مفسرین بھی ہر زمانہ میں اس کی تردید لکھتے چلے آتے ہیں خلاصہ اس مردود قصہ کا یہ ہے کہ فرشتوں نے صلاح مشورہ کر کے اپنی عصمت اور بنی آدم کی عدم عصمت ثابت کرنے کے لئے کمیٹی کی اور خدا کے حکم سے اپنے دو سردار فرشتوں کو جن کو ہاروت ماروت کہتے تھے انتخاب کیا خدا تعالے نے بھی ان کو آدمیوں کی سی شہوت وغیرہ دیکر دنیا میں بھیجا اسم اعظم کے ذریعے دن کو زمین پر اتر کر کچہری کرتے اور رات کو آسمان پر چڑھ جاتے۔ ایک دن اجلاس کا ل بیٹھے تھے کہ ایک خوبصورت عورت نے استغاثہ کیا اسپر عاشق ہو گئے۔ آخرکار شراب پی اس کے خاوند کو قتل کیا اس نے ان سے اسم اعظم سیکھ لیا وہ اسکو پڑھ کر زہرہ تارا بن گئی جو آجکل سارے جہان کو چمکتی نظر آتی ہے فرشتوں کو حکم ہوا کہ بتاؤ دنیا کی سزا چاہتے ہو یا آخرت کی۔ انہوں نے دنیا کی سزا کو قبول کیا چنانچہ اب تک وہ چاہ بابل میں الٹے لٹکائے ہوئے ہیں اور سارے جہان کا دھواں ان کی نتھنوں میں جا جاکر پڑتا ہے اور وہ جادوگر تھے اور لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے مگر پہلے ان کو منع بھی کر لیا کرتے تھے کہ ہم تو جو ہیں سو ہیں تم کافر نہ بنو جارج سیل نے انگریزی ترجمہ قرآن میں آیت زیر تفسیر کے نیچے لکھا ہے کہ قرآن نے اس قصہ کو حرف بحرف مجوس فارس کے ان سے لیا ہے کیونکہ قصہ مذکورہ بالا کو وہ اسی طرح پر بیان کرتے ہیں ہائے افسوس یہ بیہودہ اور لغو اعتراض قرآن کریم پر فقط ہماری تفسیروں نے کرایا ہے مگر خیر جارج سیل کے بہائی ہوش سے کام لیں اور قرآن کریم پر افترا نہ کریں کیونکہ قرآن مجید تو بلکہ اس قصہ کی بنیاد کی بھی تردید کر رہا ہے۔ کتاب پیدائش باب ورس ا لغایت ۸ میں جو بیہودہ گوئی ہے اس سے اللہ اپنی پناہ میں رکھے اسمیں لکھا ہے کہ خدا کے بیٹوں (فرشتوں) نے انسان کے بیٹوں پر نظر کی تو ان پر عاشق ہو کر ان سے مباشرت کی اور بڑے بڑے نامور اشخاص جو ہو چکے ہیں انہیں خدا کے بیٹوں اور انسان کی بیٹیوں کی اولاد تھے۔ الامان۔ اس کی تفسیر کا حوالہ جارج سیل دیتا ہے اور اس میں یہودیوں کے اعتقاد ہیچ قسم بالا کو ظاہر کرتا ہے کہ ایک فرشتہ شامحوزا تھا وہ عورتوں کے ساتھ بدکاری کر کے بدچلن ہو گیا اور پھر توبہ کر کے آسمان اور زمین کے درمیان اپنے تئیں بطور

ع ١٢ ١٢

لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ خَيْرٌ ۖ لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ

سو دوسرے سے بچتے رہتے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ تھوڑا سا ثواب بھی ان کو ملتا تو وہ بہتر ہوتا اگر وہ تصدیق قلبی کرتے تو ثواب آخرت سے محروم نہ رہتے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا

اے ایمان والو تم یہودیوں کی طرح راعنا کا لفظ نہ بولا کرو اور اس کی جگہ یہہ لفظ بولا کرو انظرنا

سنا اسحٰق کرو یا۔ افسوس ہے ان مسلمانوں پر جو ان کتابوں کو غیر محرف اور صحیح آسمانی کتابیں تسلیم کرکے احادیث نبویہ پر جو فلسفہ و حکمت قرآن مجید بلکہ عین منشا قرآن کریم ہیں ترجیح دیتے ہیں۔ غرضکہ یہہ قصہ خواہ کیسا ہی ہو اور لوگوں میں کسی طرح اسکا رواج ہو اللہ تعالیٰ ان سب کی تردید کرتا ہے اور پھر فرماتا ہے کہ ہاروت ماروت ایسے حیلہ باز اور مکار تھے کہ لوگوں کو اس قسم کی باتیں کہ ہم مامور من اللہ ہیں ہم وقت کے امام ہیں ہم نوح کی کشتی ہیں ہم حصن حصین ہیں جو ہم کو چھوڑ دیگا وہ جہنم میں ڈالا جاویگا کیونکہ ہمارے ذریعہ سے مومن اور کافر میں تمیز ہو سکتی ہے وغیرہ وغیرہ خرافات سنا سنا کر اپنا مرید بناتے اور ان سے اپنی بیعت کرواتے۔ (انما نحن فتنة فلا تكفر) کے یہہ معنے نہیں ہیں کہ ہم تو خراب اور مردود اور بیدین اور ملعون اور ساحر ہیں تم ہمارے نزدیک مت آؤ اور ہم سے مت سیکھو کیونکہ پھر تم بھی ہماری طرح کافر اور بیدین بنجاؤ گے۔ کیونکہ کوئی دکاندار خواہ رہبان میں کا ہو خواہ احبار میں کا اس قسم کے ذاتی اور نفسی ہجو نہیں کرتا بلکہ اپنی دینداری اور بڑائی بیان کرتا ہے سو یہہ کلمات بھی بڑائی کے ہیں نہ کہ برائی کے اور اسکا مطلب فقط یہی ہے کہ تم لوگ ہماری تعلیمات کو ترک کرکے کافر اور جہنمی نہ بنجانا بلکہ کاربند اس پر ہی رہنا اور ہم بڑے بھاری فتنہ ہیں یعنے ہمارے ذریعہ سے مومن اور کافر کا فرق ہو جاتا ہے ہمارے تابعدار مومن ہوتے ہیں اور ہمارے منکر کافر ہوتے ہیں۔ غرضکہ جس طرح قادیانی آجکل یہہ کہہ کر کہ میں مجدد۔ محدث۔ ملہم۔ مہدی۔ مثیل مسیح۔ مسیح موعود۔ احمد مظفر۔ مرسل یزدانی۔ مامور من اللہ۔ نبی۔ رسول۔ امام وقت۔ وغیرہ وغیرہ من المفتریات والاختلافات ہوں۔ جعلسازی۔ زمانہ سازی۔ روباہ بازی کرکے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ اسی طرح کسی زمانہ سابقہ میں ہاروت ماروت تھے اور بس۔ پھر اللہ تعالیٰ انکی تعلیمات کی ضرر بیان کرکے فرماتا ہے کہ ان کمبختوں یعنے احبار و رہبان اور ان کے گرد گھنٹالوں کو بخوبی معلوم تھا کہ ایسی کارروائیاں یعنے ٹونے ٹوٹکے۔ گنڈے۔ تعویذات حب و بغض کے جنتر منتر وغیرہ وغیرہ سب حرام ہیں اور ان کے فاعل پر جنت حرام ہے مگر پھر بھی وہ نہیں چھوڑتے تھے توراۃ کتاب استثنا باب ١٨ درس ١٠۔١٣ ایسا ہی بیان ہے جو پہلے بھی لکھا جا چکا ہے لو کانوا یعلمون کے معنے ہیں اگر یہہ لوگ اپنے اس علم کے مطابق کہ جو کوئی کتاب اللہ کو چھوڑ کر السحر کو خریدیگا اس کے لئے جنت میں کچھ حصہ بھی نہیں ہے خوف خدا کرکے عمل بھی کرتے تو ہرگز ان سے یہہ برائیاں ظہور میں نہ آتیں یعنی اس کی جزا محذوف ہے لو حرف تمنی بمعنے لیت ایسے موقعوں پر بمعنے لیت نہیں ہوا کرتا کیونکہ خداوند تعالیٰ پاک ہے اس بات سے کہ وہ کوئی بیچارا دہ اور خواہش پیدا کرے اور اگر کوئی ارادہ کرے بھی تو پھر وہ پورا نہ ہو انسان تمنی اور کاش کاش بول سکتے ہیں مگر خدا کیلئے ایسا کلمہ تجویز کرنا خدا کی صفات پر بٹہ لگاتا ہے اسی طرح باقی کے لو کا حال ہے ولو انهم آمنوا واتقوا کے معنے ہیں کہ اگر یہہ ہاروت ماروت اور ان کے اتباع اصل تعلیم ربانی پر عمل کرتے اور اس کی مخالفت سے بچتے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں سے اجر پاتے لمثوبة من عند الله میں مثوبۃ کی تنوین تحقیر کیلئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ادنے سے ادنے اجر بھی اگر ملجاوے تو تمام دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے بلکہ اس کو اس سے نسبت ہی کچھ نہیں ہے اگر مثوبۃ نکرہ نہ ہوتا اور مثوبۃ اللہ کا لفظ ہوتا تو اس سے ہرگز ہرگز یہ فایدہ نہ نکل سکتا۔ اسوقت تک اہل کتاب کی جسقدر شرارتیں اور خباثتیں بیان ہو چکی ہیں وہ زمانہ موسیٰ سے لیکر رسول اللہ صلعم کی بعثت تک کی بیان ہوتی ہیں اب اسجگہ سے وہ شرارتیں بیان ہونی شروع ہوتی ہیں جو خاص رسول اللہ صلعم کی ذات بابرکات کے ساتھ کرتے تھے۔ غرضکہ یہی سمجھ لو کہ اب پھر وہ زمانہ شروع ہو گیا ہے جو پہلے بنی اسرائیل اور موسیٰ کا زمانہ تھا سو پہلی بے ایمانی تو یہہ ہے۔ کما قال

﴿ يا أيها الذين آمنوا لا تقولوا راعنا الآية۔ توراۃ عبرانی زبان میں تھی اور علماء توراۃ اس زبان کو جانتے تھے اور چونکہ رہتے تھے اہل عرب کے ساتھ اور

وَاسْمَعُوا ۗ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ مَا يَوَدُّ

اور جو کچھ رسول خدا فرمایا کریں اسکو دل و جان سے سنا کرو یعنی فرمانبرداری کیا کرو اور انظرنا بولنے تک بھی نوبت نہ پہونچایا کرو اور ایسے منکروں کو بڑا بھاری اور سخت درجہ کا عذاب آنیکا ہے یا

الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ

عیسائیوں اور مشرکوں میں سے جو مومن ہو جاتے ہیں وہ تو سب صادق ہو جاتے ہیں مگر جو اسلام کا انکار کر بیٹھتے ہیں وہ اسبات سے خوش نہیں ہیں کہ

أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ ۗ وَاللَّهُ

نیچے تمہارے رب کی طرف سے کچھ بھی بھلائی اُتاری جاوے حالانکہ اللہ تعالی جسکو چاہتا ہے

ان کی ملکی بولی جس سے رات دن کام پڑتا تھا عبرانی زبان تھی اور اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان بھی عربی تھی اسواسطے مجلس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں جب آتے عبرانی زبان کا لفظ راعنا بولتے جو عبرانی زبان میں کوئی دشنام ہے اور چونکہ راعنا ایک عربی فقرہ بھی ہے جسکے معنے ہیں انظر یا ہماری طرف بھی التفات کریں ہمپر بھی مہربانی کریں وغیرہ وغیرہ جو ادب کے کلمات ہیں اور وعظ و تذکرہ کی مجالس میں جب کسی کو متکلم کا کلام سمجھ میں نہ آوے تو عموماً اسوقت ہم کے ادب کے کلمات بولے جاتے ہیں اسواسطے وہ احبار منافقین و رہبان شیاطین ایسا لفظ بولتے جسے عربی زبان والے لوگ تو عربی کلمہ ادب سمجھیں اور خود انکی مجلس کے لوگ سمجھیں کہ ہم گالی نکال رہے ہیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکے اصحاب رضی کو پتہ نہیں لگنے دیتے گویا ان کو پاگل اور احمق بناتے تھے چونکہ یہ کلمہ فی نفسہ عربی زبان میں کوئی برا کلمہ نہیں ہے مسلمان بھی جنکے دل میں نفاق نہیں تھا یہہ لفظ بولنے لگ جاتے گویا یہود کو علاوہ دیگر شرارتوں کے ایک یہہ بھی بہانہ ہاتھ لگ گیا کہ اگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خدا کا رسول ہوتا تو ہماری اس شرارت کا پتہ اسکو خداوند تعالے بتا دیتا اور اس قسم کے ہزارہا لفظ موجود ہیں جنکا تلفظ دو مختلف زبانوں میں ایک ہی ہوتا ہے مگر معنوں میں بڑا بھاری اختلاف ہوتا ہے اور یہہ بات اُن لوگوں پر جو زبانہا مختلفہ سے واقف ہوتے ہیں مخفی نہیں ہے غرضکہ اللہ تعالے مومنین کو خطاب کرکے فرماتا ہے کہ تم اس کلمہ راعنا کو نہ بولا کرو بلکہ اسکے بجائے لفظ انظرنا بولا کرو کیونکہ یہود لوگ راعنا کا لفظ بغرض طعن فی الدین بولتے ہیں اور تم لوگوں کو پاگل بنانا چاہتے ہیں اسکی تفسیر دوسری جگہ یوں ہے - ویقولون سمعنا وعصینا واسمع غیر مسمع وراعنا لیًا بالسنتہم وطعنًا فی الدین (پ ۵ ع ۶) یعنی زبان قال سے تو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور زبان حال سے کہتے ہیں ہم نہیں مانتے اور آپ ہماری عرض معروض سنیں اور دل میں کہتے ہیں کہ خدا کرے تو اس لائق ہی نہ رہے کہ لوگ تیرے پاس آکر عرضیں کریں یا پھر تو سن سکے یعنی تو بیکام و نشان ہو جاوے اور اپنی زبانوں سے راعنا کا لفظ بولتے ہیں حالانکہ اپنے اس زبانی کلمہ کی مراد اپنی لغت کے مطابق کوئی بری مراد رکھتے ہیں اور نیز اس دین کامل میں طعنے کی غرض سے ایسا کرتے ہیں غرضکہ اللہ تعالے اس آیت میں ہدایت کرتا ہے کہ مسلمان کا کام ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر دل و جان قربان ہو جانا نہ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بار بار کچھ کہنا سننا مشرکین میں سے اور نیز اہل کتاب میں سے کافر لوگ ہوتے ہیں جو اسلام کے منکر ہوتے ہیں مایود سے پہلی آیت کو ربط اس طرح پر ہے کہ وہ یہود وغیرہ گستاخانہ الفاظ فقط اسواسطے بولتے ہیں کہ ان کو یہہ بات خوش ہی نہیں لگتی کہ اللہ تعالے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر اپنی وحی بھیجے حالانکہ اللہ تعالے صاحب فضل عظیم ہے اور جسے چاہتا ہے اپنی وحی

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

رحمت کے لئے خاص کر لیتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ سب قسم کے فضل عظیم کا مالک ہے۔

کے لئے مختص کرلیتا ہے۔ اس سے آگے اللہ تعالےٰ یہود وغیرہ کی ایک اور شرارت بیان کرتا ہے کہ وہ بلا سوچے سمجھے جھٹ پٹ یہہ الزام لگا دیتے ہیں کہ یہہ رسول عجیب قسم کا ہے کہ کبھی تو مسلمانوں کو کوئی حکم دیتا ہے اور کبھی کوئی۔ زبان سے کہتا ہے کہ قرآن مجید مصدق توراۃ ہے اور توراۃ کی کئی باتیں اس کے برخلاف ہیں۔ کبھی بیت المقدس کی طرف مونہہ کرکے نماز پڑھتا ہے اور کبھی اس طرف کو ترک کر بیٹھتا ہے پہلے لینت اور بردباری اور صبر اور حلم کی تعلیم کرتا رہا ہے اب لڑائی اور جہاد کی تعلیم کرتا ہے اب تک اس کے اتباع شراب پیتے اور جوا کھیلتے رہے ہیں آج ان کو ممانعت کرتا ہے علیٰ ہٰذالقیاس مشرکین بھی اسی قسم کے آوازے کستے رہتے تھے کہ یہہ رسول عجیب ہے کہ دعوے کچھ کرتا ہے اور دعوے کے خلاف کرتا کچھ اور ہی ہے۔ ملت ابراہیم حنیف ؑ کے اتباع کا مدعی بنتا ہے اور پھر انہیں کے مذہب کے برخلاف بیت اللہ شریف کو چھوڑ کر بیت المقدس کو قبلہ بناتا ہے یہہ رسول صابی (دین سے پھرا ہوا یعنی دین ابراہیمی سے پھرا ہوا) ہے وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ دوسری جگہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے:۔

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ (پ ۱۴)

"اور جب ہم کسی آیت یعنی کسی حکم کو کسی دوسرے حکم کی جگہ بطور اس کے قائم مقام کے لاتے ہیں اور اللہ تعالےٰ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ اتارتا ہے (یعنے اس کی بےخبری اور بےعلمی سے یہہ تبدیلیاں نہیں ہوتیں بلکہ وہ خود آپ اپنے علم سے اپنے بندوں کے مختلف احوال کے مطابق مختلف احکام اتارتا رہتا ہے اور وہ ہوتے ہیں نسبت کے سب آپس میں ایک دوسرے سے بہتر یا ایک جیسے ہی اور یہہ اس قادر قدیر کی عین حکمت بالغہ کے مطابق ہے) تو منکر بول اٹھتے ہیں تو تو بس یہی من گھڑت باتیں بنانے والا (کہ کبھی لوگوں کو کچھ کہتا ہے اور کبھی کچھ) ان کا یہہ قول بالکل باطل ہے بلکہ اصل بات یہہ ہے کہ ان میں بہت سے لوگ مسئلہ تبدیل و نسخ احکام کی حکمتوں اور مصلحتوں سے واقف ہی نہیں ہیں ان کو کہدے کہ تم مجھے مفتری قرار دیتے ہو سو اس میں کچھ دخل نہیں ہے اس پاک کتاب کو تو روح القدس یعنے جبرئیل فرشتے نے میرے رب کی طرف سے پوری پوری حکمتوں اور مصلحتوں سے بھرا ہوا اور ہر قسم کے عیب و نقص سے مبرا قرآن جسمانی و روحانی تربیت کیواسطے نازل کیا ہے"!

غرضکہ اللہ تعالےٰ خبر دیتا ہے کہ ہم علیم و حکیم سبوح و قدوس علیٰ کل شئے قدیر خدا بندوں کے مختلف حالات کی خبر رکھتے ہیں اسواسطے ان کو ان کی ہر حالت کے مطابق مکلف کرنے کی غرض سے ان کی ہر حالت کے موافق اپنے علیمانہ اور حکیمانہ احکام نازل فرماتے رہتے ہیں اور بیوقوف لاعقل اور لاعلم لوگ اس کو افترا قرار دیتے ہیں۔ اس آیت زیر تفسیر میں بھی اللہ تعالےٰ یہی خبر دیتا ہے کہ نزول احکام ربانی سے مقصود تربیت جسمانی و روحانی بندگان خدا۔ سو بندگان خدا کے حالات ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں کبھی تندرستی ہے کبھی بیماری ہے کبھی امن کا وقت ہے کبھی خوف کا وقت ہے کبھی سفر ہے کبھی اقامت ہے۔ کبھی رات ہے کبھی دن ہے۔ کبھی مغلوبیت کا وقت ہے کبھی محض آزادی اور امان کا۔ کبھی سردی کا وقت ہے کبھی گرمی کا۔ کبھی طفولیت کا وقت ہے کبھی جوانی کا اور کبھی بڑھاپے کا وغیرہ وغیرہ پس بندگان خدا کو انکے مختلف احوال میں سے ان کی حالت موجودہ کے مطابق احکام مناسبہ کا مکلف کرنا خدائے علیم و حکیم کا کام ہے نہ کسی بشر کا۔ پس نسخ اور تبدیل احکام کا مسئلہ اللہ تعالےٰ کی سبوحیت قدوسیت و علیمیت و حکیمیت و قدیریت کے مطابق ہے نہ کہ مخالف۔ اور ساتھ ہی اللہ تعالےٰ یہہ بھی خبر دیتا ہے کہ قائم مقام حکم ہمیشہ دو حال سے خالی نہ ہوگا یا تو اس حکم سے جسکا وہ قائم مقام ہے بہتر ہوگا یا اس جیسا ہوگا تو ان دونو صورتوں میں تربیت جسمانی و روحانی میں نقصان کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ الآیہ میں مَا شرطیہ جازمہ ہے اسواسطے اس سے وقوع و حصول نسخ ثابت نہیں ہوتا مگر یہہ قیاس صحیح نہیں ہے اسواسطے کہ قضیہ شرطیہ میں شرط کے وقوع یا عدم وقوع کا لزوم نہیں ہوا کرتا کبھی وقوع ہو جاتا ہے اور کبھی نہیں بھی ہوتا البتہ قرآین حالیہ مقالیہ اس کے وقوع یا عدم وقوع کو مقرر اور ثابت کر دیتے ہیں اور

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ

کوئی سا حکم بھی جسے ہم ہٹا کر اس کی جگہ دوسرا حکم قائم کرتے ہیں یا کوئی سا حکم بھی جسے ہم کسی دوسرے حکم کی نسبت پیچھے دیتے ہیں تو ان دو نو صورتوں میں ہم اُس ہٹا دیئے گئے حکم کی نسبت اسکا قائم مقام حکم یا تو بہتر دیتے ہیں یا اس کی مثل اسی طرح اُس پیچھے حکم کی نسبت وہ پہلا حکم یا تو بہتر دیتے ہیں یا اس کی مثل۔

اس آیت کے سیاق سباق میں قرآن مجید ڈھونڈنے کی چنداں ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ اس آیت کی تفسیر و تفصیل دوسری آیت واذا بدلنا آیۃ مکان آیۃ الایہ میں جو اوپر لکھی جا چکی ہے کر دی ہے کیونکہ اگر یہ نوع تبدیل احکام نہ ہوتا تو وہ کس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مفتری کہہ سکتے تھے اور پھر اللہ تعالے کیوں فرماتا قل نزلہ روح القدس الآیہ کہ لوگوں کو ان کے اس بیہودہ اعتراض کا جواب یوں بیان کر کہ جس پاک کتاب کو تم افترا کہہ رہے ہو اور اسکے احکام کو انسان کی طرف نسبت کر رہے ہو اس کو تو خدا کے حکم سے اُس فرشتے نے اتارا ہے جو سراسر روح القدس ہے یعنے جبریل فرشتے نے وغیرہ وغیرہ جیسا کہ اوپر آیت کے ترجمہ میں لکھا جا چکا ہے پس صاف ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں نسخ اور انساء دونوں کا وقوع ہو چکا ہوا ہے اور اگرچہ یہاں ما شرطیہ ہے مگر چونکہ نسخ کا وقوع قرآن مجید میں ہو اور نسخ ہوتا رہنا قیامت تک ضروری ہے اسواسطے ہم نے ترجمہ یقینی طور پر ننسخ اور ننس اور ننسا کا ترجمہ اس طور پر کیا ہے کہ جس میں اس آیت کے نزول سے پہلے اور پیچھے دونوں زمانوں میں نسخ کے وقوع میں آنے سے شبہ کا مفہوم ثابت ہو۔ اب ہم لفظ نسخ اور انساء کی کچھ تشریح کرتے ہیں سو واضح ہو کہ ننسخ کا مصدر نسخ ہے اور ننس کا مصدر انساء ہے قاموس میں ہے نسخہ کمنعہ ازالہ وغیرہ وابطلہ واقام شیئا مقامہ والشئ مسخہ والکتاب کتبہ عن معارضہ کانتسخہ واستنسخہ اردو میں اسکے دوسرے معنے یہ ہیں زائل کرنا۔ تغییر و تبدیل کرنا۔ باطل کر دینا۔ کسی شئی کو اس کا قائم مقام کرنا کسی چیز کا مسخ کرنا۔ کتاب کا نقل کرنا یعنے نقل کرنا منتہی الارب اور مجمع بحار الانوار میں بھی یہی معنے لکھے ہیں اسی طرح انساء کی بابت قاموس میں ہے نسأہ کمنعہ زجرہ وساقہ کنسأہ والخرہ کنسأہ ونسأۃ کانسأۃ یعنے نسأہ اور انسأہ مجرد اور مزید دونوں کے ایک معنی ہیں اور منجملہ دیگر معانی کی تاخیر کردن کے بھی ہیں یعنے کسی کام کو کسی مہلت یا میعاد بالعہد پر ملتوی کر دینا اور سرست نہ کرنا صراح منتہی الارب اور مجمع بحار الانوار میں بھی ایسا ہی لکھا ہے غرضکہ لغت میں نسخ کے معنے محض ازالہ و ابطال کے بھی ہیں اور کسی شئی کا کسی شئی سے قائم مقام کرنا بھی ہیں اور انساء کے معنے تو ہیں ہی تاخیر کرنا اور کسی کام کو پیچھے کرنا اور کسی مدت کے لئے ملتوی کر دینا۔ قرآن مجید میں ننسخ مجرد کی لفظ و مشتق دو آئی ہیں ایک تو یہاں آیت ما ننسخ میں لفظ ننسخ اور دوسری جگہ آیت تمنی انبیا میں فینسخ اللہ میں ینسخ آیا ہے اور دوسری جگہ نسخ کے معنے ہیں بالکل ابطال کر دینا بالکل نیست و نابود کر دینا چنانچہ اس معنی کی تائید کے لئے اس سے آگے ثم یحکم اللہ آیاتہ کہ پھر فرمایا یعنے اللہ تعالی اپنی آیاتوں کو ثابت اور قائم اور محکم کر دیتا ہے اور القاء شیطان کا بالکل ابطال اور ازالہ کر دیتا ہے اس آیت کا صحیح صحیح مطلب پہلے حصہ میں لکھا جا چکا ہے اسکو پڑھ لو اور پہلی جگہ آیت ما ننسخ میں نسخ کے معنے سوائے قائم مقامی اور تبدیل کے اور کچھ نہیں ہو سکتے کیونکہ دوسری جگہ خود اللہ تعالی اس کے معنے آپ بیان فرماتا ہے کما قال اللہ تعالے واذا بدلنا آیۃ مکان آیۃ الایہ الخ یعنی اور جب ہم کسی آیت کا قائم مقام کوئی دوسری آیت دیتے ہیں اور یہاں آیا ہے ما ننسخ من آیۃ الایہ یعنے ہم کوئی آیت پہلی جو منسوخ کر دیں تو اس کی جگہ اس سے اچھی یا اُس جیسی عطا کرینگے۔ اب صاف ظاہر ہے کہ ایک جگہ اللہ تعالی بعض احکام کے قائم مقام ہونے کو بدلنا کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے اور ایک جگہ بطور وعدہ اسی بات کو ننسخ کے لفظ سے تعبیر فرماتا ہے پس بدلنا اور ننسخ دونو مترادف ہیں اور دونو جگہوں میں نسخ یا تبدیل کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالے قدیر و علیم و خبیر و مالک و متصرف و مدبر کل مہربان ہے جو کچھ اللہ تعالے کرتا ہے اس میں بہت عباد اللہ کی تربیت کے لئے اپنے علم اور حکمت سے کوئی کسی قسم کی مصلحتیں ملحوظ و مرعی رکھتا ہے جن کو بہت تھوڑے لوگ سمجھتے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالی نسخ کو اپنے علم قدیم اور علم یقینی اور علم صحیح اور قدرت قاہرہ کے ظہور کا محل اور عباد اللہ کی تربیت جسمانی و روحانی کا ایک اعلی درجہ کا ذریعہ قرار دیتا ہے اسواسطے نسخ کا کوئی ایسا معنے قرار دینا جو منافی صفات الٰہی ہو خود قرآن مجید کو محل اختلاف بنانا اور وہ سے ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا کو توڑنا ہے اسی طرح ننس کے معنے سوائے نؤخر اور کچھ نہیں ہو سکتے پہلے پڑھ چکے ہو کہ نسأہ اور انسأہ دونوں کے ایک ہی معنے ہیں اور انساء باب افعال کا

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ

کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالے کو ہر ایک چیز کے کرنے پر جیسے وہ کرنا چاہے ہر طرح پر قدرت حاصل ہے یعنی تجھے خوب معلوم ہے پھر اعتراض کیسا؟ پس قایم مقام کو اپنے
پہلے حکم سے بہتر کرنا یا اس جیسا کرنا اسکی قدرت میں داخل ہے کیا تو نہیں جانتا کہ فقط اللہ تعالے

مضارع جمع متکلم نُنْسِأُ مہموز اللام بر وزن نُکْرِمُ ہے اور چونکہ حسب قاعدہ تخفیف ہمزہ مثل ان قرأن کی طرح کے جملہ کلمات کے ہمزے جنمیں ہمزے مضموم اور ان کے
ماقبل مکسور ہوتے ہیں مستہزءون کی طرح سب کے سب یائے محض سے بدل جاتے ہیں اسواسطے نُنْسِأُ کا ہمزہ مضموم المکسور ماقبلہا یائے محض سے بدل کر
نُنْسِيُ بر وزن نُکْرِمُ بنجاتا ہے اور حسب قواعد تعلیل چونکہ ضمہ بریائے ثقیل ہو دا ثرا نہ اختلف۔ ونُنْسِيُ بہ سکون یا ء بخوانند یعنی نُنْسِيُ کی یا ء کا ضمہ اڑ کر فقط یاء پر سکون
رہ گیا اور اب چونکہ نُنْسِيْ کا عامل یہاں ما شرطیہ ہے اسواسطے یا ء حسب قاعدہ تعلیل اڑ گئی اور پیچھے فقط نُنْسِ رہ گیا اور بعض لوگوں نے جو اس جگہ پر بجائے
ہمزہ کے فقط مجرد نُنْسِ ٹرھا ہے اور اس کو ایک قرأۃ ثانی قرار دیا ہے وہ حقیقت میں قرأۃ کوئی نہیں ہے فقط لفظ نُنْسِ کا ترجمہ ہے اور بس کیونکہ پہلے ثابت ہو چکا
ہے کہ نَنْسَأْهَا اور نُنْسِأُهَا دونوں ایک ہی معنے میں قرأۃ فقط ایک ہی ہوئی ہے دیکھو پیچھے صفحہ ١٣٠ - ٣٦ - پس نتیجہ تحقیقات کا یہہ ہے کہ اس آیت کا
صاف صاف مطلب یہہ ہے کہ اگر کوئی شخص پہلے ایک حکم کا مکلف و مامور و مخاطب ہوا اور پھر اس حکم کے بجائے کسی بہارسے دوسرے حکم کا مکلف رہا
و مخاطب بنایا جاوے تو یہہ پچھلا حکم پہلے حکم کی نسبت کسی حال میں بہتر ہوگا اور کسی حال میں اس کی مثل ہوگا مثلاً پہلے وضو کرنے کا مکلف نہا پیچھے اس کی جگہ
تیمم کا تو اس صورت میں تیمم مثل ہوگا نہ کہ خیر اور پھر جب وضو کا مکلف ہوا تو وضو خیر ہوگا نہ کہ مثل اسی طرح موخر حکم کی نسبت حکم مقدم کو یعنی مکلف و مخاطب
یا تو حکم موخر جیسا ہی کرتے ہیں یا اس سے بہتر غرضکہ نسخ یا انسا ان دونوں صورتوں میں ان دونوں باتوں کا لحاظ ہوتا ہے اس آیت میں نسخ کے یہہ معنے ہرگز
نہیں ہیں کہ پہلے ہم کچھ احکام نازل کرتے ہیں اور پیچھے ان کے الٹ کچھہ اور اور اس طرح پر پچھلے احکام قایم رہتے ہیں اور پہلے احکام بالکل باطل اور زایل ہو جاتے
ہیں کہ پھر قیامت تک کبھی بھی وقوع یا وجود میں نہ آویں اور نہ ہی انسا کے معنے یہاں فراموش کردن یعنے بھلا دینے کے ہیں کہ ہم بعض آیات کو پہلے
اتار دیتے ہیں اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تجھے پڑھا دیتے ہیں اور خوب یاد کرا دیتے ہیں مگر پیچھے اسی اتاری ہوئی اور پڑھائی اور یاد کرائی ہوئی آیت کو تیرے
ذہن اور حافظہ سے بالکل دور کر دیتے ہیں کیونکہ یہہ معنے اس علت کے خلاف ہیں یعنی علیمیت حکیمیت منزل القرآن اور تسبیح کے خلاف ہیں کیونکہ نسخ اور انسا
کی یہی علت اللہ تعالے نے قرار دی ہے یہہ معنے خود قرآن مجید پر اور اسکے اتارنے والے پر اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر دھبہ لگاتے ہیں اور ایسے
معنے کرنے سے خود کلام خدا مانع ہے اور یہہ معنے خود اپنے اپنے قیاس اور سمجھہ کے موافق لوگوں نے قرار دیئے ہیں نہ کہ خدا نے اور اسکے رسول صلے اللہ علیہ وسلم
نے ہم نے از روئے لغت اور از روئے قرآن مجید ثابت کر دیا ہے کہ نسخ کے معنے قایم مقام کرنے کے بھی ہیں اور معنے انسا جسکا مادہ نَسْءٌ مہموز اللام ہے
تاخیر کرنے اور کسی کام کو ملتوی رکھنے کے ہیں اور کل قرآن مجید میں بہت سے احکام ایسے ہیں جنکے قایم مقام بھی ساتھہ ہی موجود ہیں جب اصلی احکام حسب
اقتضائے حالات و اوقات عالمین عمل نہ ہو سکتا ہو تو بس پھر ان کے قایم مقام احکام ان کے بجائے قایم ہو جاتے ہیں اور جب حالات و اوقات پھر بدل
جاویں تو قایم مقام منسوخ ہو جاتے ہیں اور اصلی احکام پھر جاری ہیں۔ مثلاً امن قایم ہے تو جہاد منسوخ۔ اور اگر اسلام میں مزاحمت اور تعرض ہوتا ہو اور جہاد کی کل تجاویز
جو کتاب و سنت سے ثابت ہیں موجود ہوں تو پھر جہاد جاری اور امن و امان کے وقت کے جملہ قیود و عبادات منسوخ مثلاً نماز کی شروط و ارکان۔ اگر ادا نہیں ہو سکتی
تو نہ سہی تو وضو اور غسل کا تیمم منسوخ ہو جاتے ہیں اور قیام و رکوع و سجود و استقبال قبلہ سب کے سب منسوخ ہو جاتے ہیں پھر جب امن قایم ہو جاوے تو پھر وہی
کل شروط و ارکان نماز جاری ہو جاتے ہیں اور قرآن مجید چونکہ تخمیناً عرصہ تیئیس سال تک نازل ہوتا رہا ہے اسواسطے حسب اقتضائے حکمت ربانی بعض
احکام کسی زمانہ میں حسب اقتضائے زمان و حسب اقتضائے ضروریات لابدی نازل ہوئی ہیں اور بعض کسی اور وقت میں اس وقت کی ضرورت کے تقاضے
پر نازل ہوئی ہیں مثلاً توحید کی آیات سب سے پہلے یعنی توحید کی آیات پیچھے نماز کا حکم پیچھے پھر مدت مدینہ کے بعد جمعہ کی نماز کا حکم۔ پھر مدت کے بعد روزوں
اور زکوٰۃ اور حج کا حکم ہوا۔ اسی طرح مدت تک حرمت الخمر والمیسر نازل نہیں ہوئی اسی طرح سب سے پیچھے سود کی ممانعت و حرمت کی آیات نازل ہوئیں

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا لَكُمْ مِّنْ

ہی کی بادشاہی ہے جملہ آسمانوں اور جملہ علوی چیزوں اور جملہ زمینوں اور جملہ سفلی چیزوں کی (یعنی اسکا علم بھی تجھے حاصل ہے کہ تمام مخلوقات کا مربی اور متصرف
اور مالک اللہ تعالے ہی ہے پس اگر نسخ و انسا کے احکام وہ جاری نہ کرے تو پھر مخلوقات کی تربیت جسمانی و روحانی اور کون کرسکتا ہے) اور کیا تو نہیں جانتا

پس ایک حکم جو پیچھے نازل ہوا ہے دوسرے حکم کی نسبت جو پہلے نازل ہوچکا ہے موخر ہے اور انسا کی مد میں داخل ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جو احکام اصلی اور دائمی
ہوتے ہیں وہ بہر حال اور بہر صورت خیر اور بہتر اور افضل ہوتے ہیں لیکن جب حسب حالات و تقاضائے عامل ان کا عمل اٹھہ جاوے اور اسکے قایم مقام کوئی اور حکم قایم
کیا جاوے تو یہہ قایم مقام حکم جو فقط عارضی اور غیر مستقل ہوتا ہے اصلی حکم جا بجا پہنچا ہے اصالت میں نہیں بلکہ فقط اجر و ثواب اور نتیجہ میں پس نماز کے لئے
حدث اصغر اور حدث اکبر سے پاک ہونا یعنے پانی کے ساتھہ وضو کرنا یا جنابت ہو تو پانی کے ساتھہ غسل کرنا اصلی اور دائمی حکم ہے پس جب کسی عامل کو اس
امر دائمی پر عمل کرسکنے کی مقدرت نہ ہو تو پھر اس کے قایم مقام حکم یعنے تیمم پر عمل کرنا ضروری ہوجاتا ہے اور اگر تیمم پر بھی قدرت نہ ہوسکے تو تیمم بھی معاف ہوجاتا
ہے اور بلا تیمم ہی نماز پڑھ لینے کا حکم ہے اگرچہ ظاہر ہی کیوں نہ ہو یہہ تیمم جو غسل یا وضو کا قایم مقام ہے غسل اور وضو سے کسی طرح پر بھی خیر اور افضل اور بہتر
نہیں ہوسکتا ہاں جو اجر اور جو ثواب وضو کی صورت میں اسکو ملنا تھا وہی اجر بلا کم و کاست اس تیمم کی صورت میں مل جاتا ہے۔ پس اس صورت میں حکم
وضو منسوخ اور حکم تیمم ناسخ ہے اور اسوقت ناسخ اپنے منسوخ سے خیر نہیں ہے البتہ اجر و ثواب میں اس کی مثل ہے۔ پس جب تیمم کی حالت بدل جاوے اور پھر
وہی حالت آجاوے جو پانی کے ساتھہ وضو اور غسل کے متقاضی ہو تو پس اسوقت حکم وضو ناسخ اور حکم تیمم منسوخ ہوجاویگا اور اب یہہ حکم ناسخ اپنے حکم منسوخ
کی نسبت افضل اور بہتر اور اشرف اور الطف ہے علی ہذا القیاس امن کی حالت میں قبلہ رو کھڑا ہو کر کل شروط و ارکان نماز کے ساتھہ نماز صحیح ہوتی ہے
مثلاً قیام۔ رکوع۔ سجود۔ درست ہو تو نماز درست ہے ورنہ نماز ہی باطل ہے کیونکہ حکم دائمی اور اصلی اور مستقل یہی ہے مگر خوف کیوقت نہ قبلہ کی شرط اور نہ قیام
رکوع و سجود کے حکم ثابت اور قایم رہتے ہیں بلکہ سب کے سب منسوخ ہوجاتے ہیں اور اسوقت خوف کی حالت کے احکام امن کی حالت کی احکام کا ناسخ ہوجاتے ہیں
پس اس صورت میں ناسخ فقط اجر و ثواب میں اپنے حکم منسوخ کے برابر ہوجاتا ہے نہ کہ اصالت اور استقامت اور استقلال اور دوام میں۔ مگر جب پھر حالت
امن قایم ہوجاتی ہے تو اسوقت جملہ احکام حالت خوف منسوخ ہوجاتے ہیں اور جملہ احکام حالت امن ان کے ناسخ بنجاتے ہیں پس اس صورت میں ناسخ
افضل اور بہتر اور خیر ہوتا ہے۔ علی ہذا القیاس توحید کا اقرار قلبی و لسانی اصلی اور دائمی حکم ہے مگر الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان سے توحید کا انکار زبانی
ناسخ ہوجاتا ہے اور توحید کا اقرار لسانی منسوخ۔ اس صورت میں توحید کا انکار زبانی اس کو کافر نہیں بنا دیگا بلکہ جیسا وہ پہلے مسلمان تھا اب بھی وہ ویسا ہی
مسلمان ہے اور جس طرح مطابق لا اکراہ فی الدین اکراہ و اجبار دالاسلام ہی مفید نہیں ہوتا اسی طرح اکراہ و اجبار والا کفر بھی موثر نہیں ہے پس بصورت
اکراہ زبانی انکار توحید ناسخ ہے اور ایمان کو قایم اور سلامت رکھنے کے لحاظ سے ویسا ہی ہے جیسا کہ گویا بلا اکراہ اقرار توحید ہوتا ہے۔ پس یہہ ناسخ مثل ہے نہ کہ
خیر اگر اکراہ جاتا رہے تو پھر توحید کا اقرار لسانی ناسخ ہوجاویگا اس صورت میں ناسخ خیر ہوجاویگا۔ نیز خنزیر کے گوشت کی حرمت دائمی اور قطعی اور اصلی ہے
مگر الا من اضطر غیر باغ ولا عاد کے رو سے بحالت اضطرار یہہ حکم منسوخ ہوجاتا ہے پس اس صورت میں گوشت خنزیر کے کھا لینے کی اجازت ناسخ
ہے اور یہہ ناسخ فطرت اللہ و خلق اللہ و امانت اللہ و نعمت اللہ کے بحال اور قایم رکھنے کے لحاظ سے مثل حکم منسوخ ہے اس سے افضل اور خیر نہیں ہے
مگر جب حالت اضطراری دور ہوجاوے تو پھر حرمت خنزیر کا حکم ناسخ ہوجاویگا اور اسوقت اپنے منسوخ سے افضل اور بہتر ہوجاویگا۔ پس خلاصہ مطلب
یہہ ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیات بعض آیات کی ناسخ بھی ہیں اور منسوخ بھی ہیں حتی کہ توحید کی آیات بھی کبھی منسوخ ہوجاتی ہیں اور نسخ سے مراد
ہے فقط ایک حکم شرعی کے بجائے دوسرے حکم شرعی کا جاری کرنا اس شرط پر کہ پہلا حکم کسی قدر عارضی کے سبب سے قابل تعمیل نہ رہے مگر جب وہ عذر رفع
ہوجاوے تو پھر پہلا حکم ویسا ہی ثابت اور قایم ہوجاوے جیسا کہ پہلے تھا۔ اب ہم چند مثالیں انسا کے متعلق لکھتے ہیں تاکہ بعض احکام کے بعض احکام
سے پیچھے ملاحظت کرنے میں جو جو حکمتیں ہیں وہ معلوم ہوجاویں اور اصلی منشا قرآنی خوب ذہن نشین ہوجاوے اللہ تعالے یہاں یہہ بھی خبر دیتا ہے کہ کسی حکم

دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۝

اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جملہ مخلوقات میں سے کوئی مخلوق بھی نہ تو تمہارا خیر خواہ و حمایتی ہے اور نہ کوئی ناصر و مددگار ہے۔

کی ہم پہلے تعمیل کروالتے ہیں اور کبھی حکم کی کسی مدت کے بعد جاکر تو اس پچھلے حکم کی نسبت وہ حکم جو پہلے معمول بہ مقرر کر دیا گیا ہے یا تو خیر اور افضل اور اتم اور انسب ہوگا یا اجر و ثواب یا فطرت اللہ و خلق اللہ کی حفاظت میں اس کے مثل ہوگا۔ مثلاً سب سے پہلے توحید کی آیات نازل ہوئیں اور مکہ معظمہ میں توحید کی فضیلت اور شرک کی مذمت مدت تک بیان ہوتی رہی اور یہ تعلیم وہ ہے کہ تمام انبیاء و رسل اسی تعلیم کے جاری کرنے میں لگے رہتے اور یہ تعلیم اصلی اور اہم ہے پھر اس کے بعد کسی مدت کے بعد نماز پنجگانہ کا حکم نازل ہوا اس کے بعد پھر اور اور احکام نازل ہوتے رہے حتیٰ کہ پھر جہاد نازل ہونے لگیں مثلاً مہر یا نشہ نکاح و طلاق اکل و شرب اور پھر سب سے اخیر حرمت سود نازل ہوئی اسی طرح پہلے صبر و استقلال و برداشت کی تعلیمات کے احکام نازل ہوئے بعد ازاں جب صبر و استقلال میں کامل ہو چکے تو اب اسی صبر و استقلال سے کام لینے کے احکام جیسے جہاد وغیرہ کرنے کے حکم نازل ہوئے۔ اسی طرح تقریباً عرصہ تئیس سال میں مختلف وقتوں میں مختلف احکام و لوازم نازل ہوتے رہے اور کوئی حکم کسی وقت اس وقت کی ضرورت و حکمت ربانی کے مطابق اتارا جاتا ہے اور کوئی حکم مثلاً اس سے دس سال بعد اس وقت کی مناسب حال نازل ہوا ہے غرضکہ کوئی حکم منسوخ ہو خواہ ناسخ خواہ مقدم ہو خواہ مؤخر ہو ان سب میں یہ قاعدہ جاری و ساری ہے کہ منسوخ کی نسبت ناسخ میں یا مثلیت ہوگی یا خیریت۔ اسی طرح مؤخر حکم کی نسبت مقدم حکم میں بھی یا تو خیریت ہوگی یا مثلیت اور خیریت فقط بلحاظ اصالت و استقلال و دوام حکم کی ہوگی اور مثلیت اجر و ثواب یا فطرت اللہ و خلق اللہ کے ایک ہی طرح کی حفاظت و رعایت و تربیت کرنے میں مثلاً شراب پہلے چھڑا دیا اور بعد اس کے کسی مدت کے بعد سود خوری کی حرمت نازل فرمائی تو پہلے حرمت شراب اور پچھلی حرمت سود دونوں ہی فطرت اللہ و خلق اللہ کی محافظ ہیں البتہ شراب خوری سے زیادہ فساد اور جلد جلد فساد پیدا ہوتے ہیں اس واسطے اسکے مقدم نازل فرمانے میں خیریت ہے اگر سب سے پہلے حرمت خمر یا حرمت سود یا احکام نکاح و طلاق وغیرہ نازل ہوتے اور توحید کی تعلیم کہیں پیچھے جا پڑتی تو ایک حکم پر بھی عمل نہ ہو سکتا اور ایک شخص بھی مسلمان نہ بنتا یہ تدریجی تعلیم الٰہی کا نتیجہ تھا کہ جس روز حرمت خمر نازل ہوتی اسوقت مسلمانوں نے پرانی شرابوں کے خموں کے خم اور مشکوں کے مشکے توڑ دیئے وجہ یہ تھی کہ آہستہ آہستہ تعلیم الٰہی نے ان کے دلوں کو یہاں تک مستعد کیا ہوا تھا کہ وہ خود حسن و قبح کو محسوس کرنے لگ پڑے تھے تم کو خوب معلوم ہے کہ ٹمپرنس کمیٹیوں کو کامیابی نہیں ہوتی اس کی وجہ فقط یہی ہے کہ وہ اس تعلیم کو جس کے پیچھے اور بہت سی تعلیموں کا ہونا ضروری ہے اور جن کے پیچھے اس تعلیم کا ہونا چاہیئے تھا قبل از وقت شروع کر دیتے ہیں سینکڑے برس گذر چکے ہیں ہنوز روز اول بنت کا مصداق ہی ہے۔

پس مسئلہ نسخ و انسا یعنی بعض احکام کا کسی عذر شرعی کی وجہ سے رفع عذر تک بعض احکام کا تاخیر ادا کرنے اور بعض احکام کی تعلیم و تعمیل پہلے کروانے اور بعض کی پیچھے کروانے کے سلسلہ میں اسم علیم و حکیم و قدوس و سبوح و قدیر خدا کے علم و حکمت و تسبیح و تقدیس و قدرت کا ظہور کامل نظر آتا ہے کہ کوئی نقص۔ اور جملہ مسائل خواہ منسوخ خواہ ناسخ خواہ مقدم خواہ مؤخر سب کے سب فطرت اللہ و خلق اللہ کی اصلاح و تربیت کے واسطے مفید اور اعلیٰ اور مصلح ہیں البتہ اپنے اپنے وقت کے لحاظ سے کبھی منسوخ افضل اور کبھی ناسخ افضل اور کبھی مقدم حکم افضل اور کبھی مؤخر افضل اسی طرح کبھی آپس میں ایک دوسرے کے مثل ہوتے ہیں مثل ہونے سے مراد یہ ہے کہ فقط اجر و ثواب میں اور فطرت اللہ و خلق اللہ کی قوت ملکی کی تربیت کرنے میں ورنہ من کل الوجوہ کوئی کسی کی مثل نہیں ہو سکتا نہ ذات میں نہ صفات میں اگر من کل الوجوہ ایک حکم دوسرے کی مثل ہو تو پھر اصلی حکم دوسرے حکم میں کچھ بھی فرق نہیں رہ سکتا کیونکہ پھر تو یہ حکم وہی ہو جاویگا جو پہلے موجود تھا اور جو پہلے اتارا جا چکا ہوا ہے اب اسکے دوبارہ اتارنے میں کونسا فائدہ نکلا اور پہلے کے ثابت و قائم رکھنے میں کونسا نقص لازم آتا ہے بلکہ ایسا مثلی حکم دینا بالکل بلا حکمت اور محض لغو ہو جاتا ہے۔ مثلیت فقط بعض صفات میں ہوتی ہے اور جہاں یہ لفظ بولا جاتا ہے تو وہاں اس سے مراد فقط اسی قدر ہوتی ہے جو وہاں مقصود بالذات ہوتی ہے نہ کہ اس کے علاوہ کچھ اور بھی۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ (پ ۲۸ ع ۱۸) یعنی اللہ وہ ذات پاک ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور ان آسمانوں کی مثل زمین بھی۔ اب ظاہر ہے کہ بقول ایسے چہ نسبت خاک را با عالم پاک

زمین کی ذات اور آسمان کی ذات ایک ہی نہیں ہیں زمین کے خواص اور آسمان کے خواص ایک ہی نہیں ہیں زمین کی صفات اور آسمان کی صفات ایک ہی نہیں ہیں تثلیث یہاں فقط ایک ہی بات میں ہے اور بس یعنی فقط لفظ سبع یعنی سات عدد ہوتے ہیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مفسر حقانی کے ادعیہ مبارکہ میں بھی سبع ارضین اور الارضین السبع کا لفظ آیا ہے مثلاً اللھم رب السمٰوٰت السبع وما اظللن ورب الارضین السبع وما اقللن اور نیز صحیحین وغیرہ میں ہے۔ من اخذ شبرا من الارض ظلماً فانہ یطوقہ یوم القیامۃ من سبع ارضین غرضکہ مثلھن سے مراد یہاں فقط تعداد میں مماثلت ہونا ہے اور بس اسی طرح اس آیت میں مثلہا سے مراد ہے فقط اجر و ثواب میں مثل ہونا نہ کہ اصالت و استقلال دوام میں پس جہاں اصلی حکم کا قائم مقام کوئی اور حکم آجاتا ہے تو وہاں فقط اجر و ثواب میں وہ حکم اپنے اصلی حکم کی مثل ہوتا ہے اور جہاں وہ قائم مقام حکم رفع عذر سے جاتا رہتا تو پھر وہاں اصلی حکم آموجود ہوتا ہے اور اس صورت میں یہہ حکم اپنے پہلے قائم مقام سے ہر صورت میں افضل اور اشرف اور الطف و اطیب و خیر ہوتا ہی جیسا پہلی مثالوں سے ثابت کیا جاچکا ہے۔ الحمد للہ اسجگہ تک قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہوچکا ہے کہ نسخ سے مراد ہے لوگوں کو ان کے مختلف حالات زندگی میں سے حالت موجودہ کے مطابق مخاطب و مکلف کرنا اور انساء سے مراد ہے حسب اقتضائے حکمت عالمین کی استعدادوں کے موافق کسی حکم کی تو پہلے تعلیم کرنا اور اسی کی تعمیل کروانا اور کسی حکم کی کسی مدت کے بعد پیچھے جا کر اور خیر سے مراد ہے اصلی اور اہم احکام کا خیر ہونا اور مثلیت سے مراد ہے اصلی اور اہم احکام کی جگہ عارضی اور فرعی احکام کا قائم مقام ہوکر نتیجہ اور اجر و ثواب میں اصلی احکام کے ثواب کے ساتھ برابر ہونا۔ اس آیت میں نزول آیات کی تقدیم و تاخیر کا کوئی ذکر و دخل نہیں ہے فقط عباد اللہ کے مخاطب و مامور و مکلف ہونے کا بیان ہے اور بس اور ایسا حال قیامت تک رہیگا اور یہہ بھی ثابت ہے کہ نسخ فی الواقع قرآن مجید میں واقع اور موجود ہے اور ہمیشہ ایسا ہی رہیگا اور انساء پر بھی اسی طرح عمل ہونا چاہیے جس طرح اللہ تعالی زمان نزول قرآن مجید میں عمل کراتا رہا ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی اسی کے مطابق عمل کرتے رہے اور کراتے رہے اور قیامت تک جملہ عباد اللہ بدستور سابق اسی طرح مخاطب و مکلف ہوتے چلے آئے ہیں اور ہوتے چلے جاوینگے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ بن جبل رضؓ کو یمن میں حاکم مقرر کرکے بھیجا تو ان کو یہہ ہدایات کیں (۱) اس ملک کے اہل کتاب کو یہہ دعوت کرنا کہ وہ اقرار کریں کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یعنی اللہ تعالی کو فقط معبود حقیقی ماننا اور محمدؐ کو اللہ کا رسول (۲) اگر وہ قبول دعوت توحید و رسالت پھر ان کو یہہ سنانا کہ انپر اللہ تعالی نے رات دن میں پانچ نمازیں پڑھنی فرض کی ہیں (۳) اس کو جب قبول کرلیں تو پھر انکو یہہ سنانا کہ اللہ تعالی نے انپر زکوۃ کو فرض کیا ہے جو ان کے امیروں سے لیکر انہیں کے غریبوں کو دیجاوے (۴) اگر اس بات کو قبول کرلیں تو پھر خبردار انکے عمدہ سے عمدہ مالوں پر ہاتھ نہ پھیرنا اور مظلوم کی بددعا سے بچتے رہنا کیونکہ اس میں اور اللہ تعالی میں کچھ بھی پردہ نہیں ہے (بخاری کتاب المغازی بعث ابی موسی و معاذ الی الیمن قبل حجۃ الوداع)۔

یہہ ایسے صاف سہل اور بالکل حق معنے ہیں کہ قرآن مجید کی جملہ تعلیمات اور اللہ تعالی کی جملہ صفات کمال کے مصدق اور مؤید ہیں اور اس آیت کے متعلق فقط اسی قدر لکھنا کافی و وافی شافی عافی تھا مگر چونکہ اس امت مرحومہ میں مسئلہ نسخ کے متعلق ایک عجیب قسم کا نبدا پڑا ہوا ہے اور مفسرین رحمہم اللہ تعالی نے نہایت سخت بحثیں کی ہیں نسخ کو ایک الگ علمی اصطلاح قرار دیا ہے اسکی الگ تعریف کی ہے جسکا مطلب بطور خلاصہ یہہ ہے کہ نسخ سے مراد ہے ایک حکم شرعی کا کسی دوسرے حکم شرعی سے بالکل زائل اور باطل ہوجانا کہ پھر کبھی بھی جاری نہ ہونا پھر اس تعریف کے مطابق قرآن مجید کی آیات کو سات قسم پر تقسیم کیا ہے اور فقط ایک ہی قسم کی آیات کو ثابت التلاوۃ و ثابت الحکم قرار دیکر باقی کی چھ قسموں کو ترک کرکے ذیل کی تین قسموں میں تقسیم کردیا ہے

(۱) آیات منسوخۃ التلاوۃ ثابتۃ الحکم یعنے وہ آیات جن کی عبارت پہلے اتاری گئی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو زبانی یاد کرائی گئی اور اسکا حکم جاری کرادیا گیا اور قرآن مجید میں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنا املا سے لکھواتے تھے لکھی گئی مگر بعد میں الفاظ تو اٹھا لئے گئی اور حکم باقی رہ گیا جیساکہ آیت رجم وغیرہ

(۲) آیات منسوخۃ التلاوۃ و منسوخۃ الحکم یعنے وہ آیات جنکی عبارت پہلے نازل کی گئی اور رسول اللہ صلعم کو یاد کرائی گئی اور اسکے مطابق عمل کرایا گیا پھر نہ وہ عبارت ہی رہی اور نہ وہ حکم ہی رہا ہے عبارت بھی اٹھ گئی اور اسکا عمل بھی جیسے وہ آیت جس میں پہلے بیت المقدس کی طرف مونہہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم ہوا تھا نہ اس کی عبارت ہی موجود ہے اور نہ اسکا حکم وغیرہ وغیرہ۔

(۳) آیات منسوخۃ الحکم و ثابتۃ التلاوۃ یعنے وہ آیات جنکی عبارت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور ان کے مطابق بھی عمل ایک مدت کروایا گیا مگر پیچھے عمل اٹھا لیا گیا اور عبارت ویسے کی ویسے ہی رہنے دی اور اس قسم کی بہت سی آیات قرآن مجید میں باقی ہیں یعنے فقط لفظ ہی لفظ رہ گئے ہیں اور انپر عمل کرنا باطل ہوگیا ہے یہہ ایسی باتیں ہیں کہ نہ خدا اور نہ اسکے رسول مقبول صلعم سے ثابت ہیں بلکہ فقط رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد قرآن

مجید کی بعض آیات کو بعض آیات کے ساتھ تطبیق نہ دینے جانے اور عبارت کی بعض رسوم کے ابطال اور انعدام اور بعض رسوم کے ابدال کو جو بادی النظر میں اختلاف نظر آیا ہے کہ حقیقت میں رفع کرتے ہیں تدبر نہ کرنے کی وجہ سے یہہ ساری باتیں پیدا ہو گئیں اور یہہ بات جو اسلامی نہیں ہے اسلام میں داخل ہو کر اسلام کی غرض میں سخت مضر اور مخل ہوئی ہے جنہیں اشتہار اصول تفسیر القرآن میں چوتھے اصول میں اوپر کی تینوں قسموں کے قرآن مجید میں موجود ہونے سے بالکل انکار کیا ہے سو اب بتوفیقہ تعالیٰ اس بات کو ہم بھی ثابت کرتے ہیں علماء اسلام ہمیشہ ہر زمانہ میں مطابق فرمان حق فلا وربك لا یومنون حتی یحکموك فیما شجر بینہم الایۃ اور مطابق فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول الایۃ اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ حق ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا کو فقط اللہ اور اسکے رسول کو ہی معیار مقرر کرکے ثابت کرتے چلے آئے ہیں اور اس اصطلاحی اور مروجہ نسخ کی (جو نہ قرآن مجید سے ہی ثابت ہے اور نہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث قولی یا فعلی یا تقریری سے ثابت ہے) وسعت کو تنگ کرتے چلے آئے ہیں حتی کہ صحابہ رضی سے لیکر آج تک بعض بعض علماء رحمہم اللہ اس نسخ کے ہماری طرح سخت منکر ہوتے رہے ہیں ابی بن کعب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے بھاری قاری یعنی حافظ تھے اور زمانہ نبوی میں بحکم نبوی ان چار معلمین قرآن میں سے تھے جو لوگوں کو حفظ کرایا کرتے تھے دیکھو صفحہ ۲۶۲۲ نسخ کے سخت منکر تھے۔ چنانچہ خود عمر رضی ایسے جلیل القدر صحابی کے اس مذہب کو اس طرح ثابت کرتے ہیں جو بخاری کتاب التفسیر باب قولہ ما ننسخ الایۃ میں درج ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ قال قال عمر رضی اللہ تعالی عنہ اقرأنا ابی واقضانا علی وانا لندع من قول ابی وذاك ان ابیا یقول لا ادع شیئا سمعتہ من رسول اللہ صلعم وقد قال اللہ تعالی ما ننسخ من ایۃ او ننسہا۔	ابن عباس رضی اللہ تعالے عنہ سے مروی ہے کہ عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا ہم میں سے سب سے زیادہ تر قرآن مجید کا پڑھنے والا اور جاننے والا ابی رضی ہے اور ہم میں سے سب سے بڑا فیصلہ کرنیوالا علی رضی ہے اور ہم ابی رضی کا قول چھوڑ دیتے ہیں اس واسطے کہ وہ یوں کہتا ہے کہ جو کچھ بھی میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے میں اسکو نہیں چھوڑونگا حالانکہ اللہ تعالی فرماتا ہے ما ننسخ من ایۃ الایۃ

اس سے صاف ظاہر ہے کہ عمر رضی ابی رضی کی افرائیت کے قائل بھی تھے مگر ان کے اس مذہب کی تردید کرتے ہیں کہ وہ ناسخ منسوخ آیات کا قائل نہیں ہے اسی طرح عبداللہ بن زبیر رضی منجملہ ان چار کاتبان کے تھا جنکو عثمان رضی نے اس قرآن مجید سے جو ام المومنین حفصہ رضی کے پاس سے منگوایا گیا تھا مختلف نقلیں کرنے کے لیے مقرر فرمایا تھا یعنی زید بن ثابت و عبداللہ بن زبیر و سعید ابن العاص و عبدالرحمن بن الحارث بن ہشام۔ بخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن دیکھو صفحہ ۹ تفسیر ہذا فرماتے ہیں کہ میں نے عثمان بن عفان رضی سے پوچھا والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا کسی آیت ہے اسکا مطلب کیا ہے حالانکہ اس سے پہلے ہم آیت اربعۃ اشہر کے لکھ چکے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اس دوسری آیت نے اس آیت والذین یتوفون الایۃ کو منسوخ کر ڈالا ہے پھر ابن زبیر نے پوچھا کہ اچھا جب آیت اگر منسوخ ہے تو پھر اسکو قرآن مجید میں کیوں لکھا ہے جیسے اسی کو نکال کیا کہ یا ابن زبیر رضی نے یوں کہا تو پھر تو اس آیت کو کیوں لکھا رہنے دیا ہے۔ پھر عثمان رضی نے فرمایا یا ابن اخی لا اغیر شیئا منہ من مکانہ (بخاری کتاب التفسیر باب واذا طلقتم النساء) یعنی اے میرے بھائی کے بیٹے میں اس قرآن مجید میں سے کسی چیز کو بھی اسکی اپنی جگہ سے ادل بدل نہیں کرونگا۔ اس سے ایک تو یہہ ثابت ہوا کہ عثمان رضی نے صرف اور فقط قرآن مجید کا نقل کروا دیا دوئم یہہ کہ ابن زبیر کاتب القرآن کا یہہ مذہب تھا کہ قرآن مجید کے اندر منسوخ آیت کوئی نہیں ہوتی اور اگر کوئی منسوخ بھی ہوتو اسکو قرآن مجید میں سے کیا نکالا جاوے جیسے کچھ ہو جب عامۃ العلماء دیکھتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہہ آیت منسوخ ہے اور فلاں آیت اسکی ناسخ یا عثمان رضی فرماتے ہیں کہ اس آیت کو فلاں آیت نے منسوخ کر دیا ہوا ہے یا دیکھتے ہیں کہ عمر رضی اللہ تعالے عنہ نے فرما دیا کہ ہم زمانہ نبوی میں قرآن مجید میں آیت رجم پڑھا کرتے تھے اور اب وہ آیت نظر نہیں آتی تو ایسی ایسی باتوں کو دیکھ کر گھبرا اٹھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صحابہ جو رسول اللہ صلعم کے ساتھ رہتے تھے اور ان پر اپنی جانیں قربان کرتے تھے رضی اللہ تعالے عنہم جب ان کا یہہ اعتقاد تھا اگرچہ ان کے پاس کتاب اللہ و سنت نبوی میں سے کوئی سند بھی موجود نہو تو بھی ہم ضرور کہتے کہ ہم بھی وہی اعتقاد رکھیں بس بعض لوگ حسن ظنی قرآن مجید کے تدبر سے غافل ہو جاتے ہیں بلکہ اس طرف نظر اٹھا کر دیکھتے بھی نہیں بلکہ اگر کوئی شخص اسکے الٹ کرے بھی تو اسپر کفر کا فتوے لگانے کو تیار ہو جاتے ہیں ان سب باتوں کا مفصل جواب ہم پہلے تفسیر ہذا کے صفحہ ۱۳ اور ۱۴ میں لکھ آئے ہیں ناظرین کو چاہئے کہ تفسیر ہذا کے ان صفحات کے علاوہ صفحہ ۱۵ تا ۱۹ کو بھی پھر دوبارہ پڑھیں خلاصہ یہہ ہے کہ اللہ تعالے کے پاک کلام میں اپنی طرف سے ایک حرف کو بڑھانے یا ایک حرف کے گھٹانے کا اختیار کسی کو بھی نہیں ہے نہ کسی فرشتے کو اور نہ خود رسول اللہ صلعم کو۔ اللہ تعالے نے فقط رسول اللہ صلعم کو کل دنیا کے لیے رسول کر کے بھیجا ہے نہ کسی اور کو بھی اور رسول اللہ صلعم کے بعد صحابہ پاک فقط اسی تعلیم کی تبلیغ اور اجرا کنندے تھے جو اللہ تعالی

اپنے رسول کی معرفت مکمل اور تمام کر چکا تھا کسی کو یہہ اختیار نہ تھا کہ اس مکمل اور کامل دین میں اور کوئی حرف بڑہا سکتا البتہ فہم اور سمجھ اور قوت ادراک اپنی اپنی
ہوتی ہے اسواسطے کلام ربانی اور کلام نبوی کے سمجھنے میں یقینی طور پر اختلاف ہوا تھا اور وہ ہوا اور ہوتا رہیگا سو ایسا اختلاف اختلاف کلام ربانی یا کلام نبوی نہیں ہوتا
بلکہ فقط علماء امت کے اپنے فہم کا ہوتا ہے اور ہمیشہ ہوتا چلا آیا ہے اور ہوتا چلا جاویگا یہانتک کہ یوم الفصل آجاوے پس اگر دو صحابیوں میں ایک مسئلہ میں بھی اختلاف
نظر آوے تو اسکا فیصلہ اللہ تعالے نے یہی فرمایا ہے - فردوہ الی اللہ والرسول الآیہ یعنی ایمان کی شرط یہہ ہے کہ اس اختلاف کو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول سے
دور کر دو اور بس - اس اصطلاحی و مروجہ نسخ کے بارے میں بھی ایسا ہی حال ہے اگر کسی صحابی رضہ نے اپنی سمجھ کے مطابق کہہ دیا کہ یہہ آیت منسوخ ہے اور
فلاں آیت اس کی ناسخ تو اس صحابی رضہ کا یہہ فہم نہ تو باقی صحابہؓ پر حجت ہو سکتا ہے اور نہ انکے بعد کی امت کے کسی بشر پر - اتباع صحابہ رضہ فقط یہی ہے اور بس
یہی ہے کہ اللہ اور اسکے رسول کے احکام جو ان کی طرف سے پہونچے ہیں ان حکموں کو خدا اور رسول کا حکم سمجھ کر اسپر عمل کریں اور بس - اتباع صحابہؓ کے یہہ معنی نہیں
ہیں کہ ان کے اپنے ذاتی فہموں اور قیاسوں کو بلا تدبر و تفکر اور بلا سوچے سمجھے عین کتاب و سنت مان لیویں ایسا کرنا صریح شرک ہے اور ان خدا تعالیٰ کے برگزیدوں
اور مقبولوں اور خدا تعالیٰ کی خوشنودی کی سند لئے ہوؤں کو ارباب من دون اللہ قرار دینا ہے جن لوگوں کا پہلے ذکر ہو چکا ہے ان میں تم پڑھ چکے ہو کہ عمر رضی اللہ
تعالیٰ عنہ جنبی کے لئے تیمم کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے کیا ہم بھی انکی اتباع اسی طرح کریں اور اگر کہو کہ باقی کے صحابہؓ دوسری طرف تھے ان کی اتباع ضروری ہے
کیونکہ وہ زیادہ تھے اور اتباع صحابہؓ سے فقط جمہور صحابہؓ کا اتباع مراد ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوا تھا
اسپر بھی کہ انکی بات پر عمل نہ کیا جاوے اوروں کی بات کو مانا جاوے اگر یہہ بات صحیح تسلیم کر لی جاوے کہ جمہور صحابہؓ کی بات قابل اعتبار و عمل ہوتی ہے تو کیا
اس سے یہہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ جو نہایت ہی مذموم ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمہور صحابہؓ کے مخالف ہیں یقیناً اس بات پر ایمان رکھو کہ یہہ مسئلہ بھی بالکل صحیح و حق
ہے اور یہہ ہرگز اسلام کا مسئلہ نہیں ہے کہ اللہ اور اسکے رسول کے سوائے کسی اور کو بھی اس امر کا استحقاق دیا جاوے کہ اس کی بات یا اس کے قول یا اس
کے فعل یا اسکے حکم یا اس کی نہی کو اللہ اور اللہ کے رسول کا عین حکم یا نہی سمجھا جاوے یا اس کی طرح سمجھا جاوے اور اسپر جرح قدح نہ کی جاوے پس مطابق
تعلیم ربانی کہ اگر تم کو کسی ایک ادنیٰ سی بات میں بھی آپس میں اختلاف ہو تو تم اللہ اور اسکے رسول سے فیصلہ کرواؤ اور یہہ فیصلہ کروانا تمہارے ایمان کی شرط
ہے ہم مروجہ اصطلاحی نسخ کی تینوں قسموں کو پرکھتے اور امتحان کرتے اور دیکھتے ہیں کہ آیا فی الحقیقت یہہ تین قسم کی نسخ قرآن مجید میں موجود ہے یا اس
معصوم کے معصوم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے یا غیر معصوموں کی سمجھ اور ان کے فہم کا نتیجہ ہے - سو قسم اول کا مفصل
ذکر ہم پہلے صفحات ۸۷ الغایت ۲۰۵ میں کر چکے ہیں اس کے اعادہ کی حاجت نہیں ہے باقی رہی قسم دوم سو قسم دوم کی آیات منسوخہ میں سے ایک تو وہ
آیت بیان کی جاتی ہے جس کے رو سے پہلی دس رضعات سے حرمت ثابت ہوتی تھی اور پیچھے اسکے ناسخ پانچ رضعات والی آیت نازل ہوئی مگر یہہ
رسول اللہ صلعم کے بعد پانچ رضعات والی آیت بھی قرآن مجید میں نہ رہی پوری حدیث مع حوالہ پہلے صفحہ ... میں لکھی جا چکی ہے وہاں دیکھو اصل بات
یہہ ہے کہ نہ کوئی دس رضعات والی آیت تھی اور نہ کوئی پانچ رضعات والی آیت تھی فقط ام المومنین عائشہ رضہ کا اپنا قیاس تھا مسئلہ درحقیقت صحیح ہے کہ پانچ
رضعات سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے اور یہہ بھی ان کا فرمان حق ہے کہ پہلے دس رضعات سے حرمت ثابت تھی اور ایسا ہونا ممکن ہے اور بہت سی احادیث
اس قسم کی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اجتہاد سے پہلے کوئی بات کہدی اور پیچھے وحی سے حکمت قرآنی کہا اور اسکی اسواسطے وہ اجتہادی
بات بالکل موقوف کر دی گئی اور پچھلی بات جو الہی تھی وہی مستحکم اور قائم کر دی گئی ام المومنین رضہ نے ضرور یہہ مسئلہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا
اگرچہ اپنے اس قیاس کا ماخذ وہ بیان نہیں کرتیں کیونکہ حل رضعات کے بارے میں کسی غیر معصوم کو کیا دخل ہے اور اس قیاس کا ماخذ چونکہ عربی نہیں تھی
اسواسطے وہ اپنی غلط فہمی سے عشر رضعات کو بھی آیات قرآنی سمجھتی رہیں حالانکہ اصلی قرآن مجید جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
نے اپنے اہتمام سے لکھوایا تھا اس قسم کی قیاسی آیات سے بالکل مبرا تھا پس معلوم ہوا کہ کوئی بھی اس قسم کی آیت قرآن مجید میں نازل ہوئی تھی جو پیچھے
سے اپنے حکم سے مرفوع ہوگئی ہو بلکہ فقط بعض بعض صحابہؓ کا اپنا قیاس ایسا ہوتا تھا جو قرآن مجید کے مقابلہ میں قابل حجت نہیں ہو سکتا -
انہ جملہ لوگ اس قسم کے نسخ میں سے وہ آیت بیان کیا کرتے ہیں جسکے رو سے پہلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کیطرف سولہ سترہ
ماہ تک نماز ادا کرتے رہے اب تو وہ آیت نہ ہی قرآن مجید میں مذکور ہے اور نہ اسکا حکم ہی رہا ہے اور اسکا ناسخ فول وجہک شطر المسجد الحرام نازل ہوا ہے
اصل بات یہہ ہے کہ مدینہ منورہ کے اہل کتاب احبار و رہبان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمن تھے اور مومنین کو خدا کی راہ سے
گمراہ کرتے تھے اور دشمنی فقط دین کی تھی کما قال اللہ تعالیٰ ان کثیرا من الاحبار والرھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ الآیۃ

ترجمہ مع تشریح صفحہ ۱۴۸ پر دیکھو) اور چونکہ ان لوگوں کی شرارت کی کئی قسمیں تھیں اس واسطے اللہ تعالیٰ نے ان کے دفع شر اور تالیف قلوب کے لئے نماز کی اس شرط کو جو بلحاظ عمل سب سے زیادہ اشہر اور سب سے زیادہ ممیز اور سب سے زیادہ بڑا مظہر ہے اور لہذا شریروں کی شرارت کو سب سے زیادہ تیز کرنیوالی مگر نفس نماز پر چنداں اثر نہ ڈالنے والی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھڑوا دیا اور اسکا قائم مقام جو اجر و ثواب میں اس شرط کے برابر تھا عطا فرمایا یعنی استقبال بیت اللہ شریف کو ترک کروایا اور استقبال بیت المقدس کا حکم فرمایا اور یہ حکم اس آیت میں ہے اللہ تعالیٰ پہلے یہود و نصاریٰ کی آپس کی مخالفت کا بیان کرتا ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں حالانکہ دونوں کے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے اسی طرح مشرکین مکہ کے مذہب کا ذکر کیا ہے اسکے بعد اللہ تعالیٰ دین کے ہر قسم کے دشمنوں اور ظالموں کی بابت فرماتا ہے کہ اس دنیا میں بھی ان کو ذلت ہوگی اور قیامت کو سخت عذاب میں مبتلا کئے جائینگے کیونکہ ان کا وطیرہ یہی ہو رہا ہے کہ وہ مساجد اللہ کو اس بات سے روک رکھتے ہیں کہ ان میں اللہ کا نام لیا جاوے اور وہ ان کی بربادی کے درپے رہتے ہیں ان کا حق نہیں ہے کہ وہ مساجد اللہ میں داخل بھی ہوویں بجز حالت خوف کے پھر اسکے بعد اللہ تعالیٰ عام حکم دیتا ہے ولله المشرق والمغرب فاينما تولوا فثم وجه الله ان الله واسع عليم پ ۱ ع ۱۴ یعنے کیا مشرق اور کیا مقیس مشرق اور کیا مغرب اور کیا مقیس مغرب سب کے سب جہات اللہ تعالیٰ ہی کی ہیں سو جہات علم والیا جس طرف تم لوگ منہ کر کے نماز پڑھو گے اسی طرف وجه الله یعنی اسی طرف تم سے خدا راضی ہے بیشک اللہ تعالیٰ بڑی وسیع علم والا ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں تھے تو بتعلیم ربانی یا بواسطہ جبرئیل (دیکھو صفحہ ۱۱۳) بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے مدینہ منورہ میں پہونچے تو مدینہ منورہ کے احبار و رہبان دین محمدی کے سخت دشمن تھے کما قال اللہ تعالیٰ لتجدن اشد الناس عداوة للذين امنوا اليهود الاية پ ۷ ع ۱ یعنی کل دنیا کے فرقوں میں سے مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن تو یہودیوں کو دیکھیگا۔ اور نیز ان یہودیوں کی عداوت اور حسد اور بغض اور ان کے اور مشرکین مکہ کے بڑے بڑے چالبازیاں اور اسلام میں طرح طرح کی روکیں آیات ذیل سے ثابت ہیں:-

(۱) ودكثير من اهل الكتاب الاية پ ۱ ع ۱۳ یعنی بہت سے اہل کتاب دل سے چاہتے ہیں کہ اے مسلمانوں تم کو تمہارے مسلمان ہو جانے کے بعد مرتد کر دیں اور یہ محض حسد کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں الایہ (۲) ولتسمعن من الذين اوتوا الكتب الاية پ ۴ ع ۱۹ یعنی اہل کتاب اور مشرکین سے تم بہت ہی اور قسم قسم کی اذیت سنو گے (۳) لن يضروكم الا اذى پ ۴ ع ۳ یعنے اہل کتاب تم کو سوائے اذیتوں کے اور کسی قسم کا نقصان ہرگز نہیں پہونچا سکیں گے (۴) قد بدت البغضاء من افواههم الاية پ ۴ ع ۳ یعنے ان کے مونہوں سے ہر قسم کا بغض ظاہر ہو چکا ہے اور جو عناد و بغض و شرارت عداوت ان کے سینوں میں مخفی ہے وہ اس ظاہری بغض سے بہت بڑھکر ہے

اسی قسم کی اور بہت سی آیات ہیں جنمیں انکی شرارتوں اور بغض اور عداوتوں کا ذکر ہے جو بخوف طوالت یہاں نہیں لکھی جاتیں اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان شریر لوگوں کی شرارتوں کے نشانہ بنتے تھے صحیح البخاری کتاب المغازی باب قتل کعب بن اشرف و باب قتل ابی رافع میں انکی اذیتوں کا ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قتل کروایا اور پھر انکی اذیت سے اسلام کو بڑی نجات حاصل ہوئی انہیں یہود و احبار و رہبان کمیٹی کر کے ایک عورت سے آپکی دعوت کروائی اور اس نے کھانے میں زہر ڈال دیا انہیں یہود و احبار نے رسول اللہ اور آپکے اصحاب کو قتل کروا لینے کی غرض سے ایک مکان میں انکی دعوت کی چنانچہ آپ مع اصحاب ضیافت گاہ پر تشریف لے گئے وہاں جبرئیل نے حکم سنایا کہ یہ یہود آپ اور آپکے اصحاب کی قتل کی تجویز کر رہے ہیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنے اصحاب اس مکان پر سے اٹھ کر چلے آئے اور انکی ساری تدبیر خاک میں مل گئی پس پیغمبر اللہ تعالیٰ نے ان ظالموں کے ظلم بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ ان ظالموں کے دفع شر اور تالیف قلوب کے لئے بیت المقدس کو مونہہ سامنے کرلو چنانچہ اسی پر رسول اللہ سولہ سترہ ماہ تک قائم رہے مگر ساتھ ہی اپنے اصلی قبلہ یعنے بیت اللہ شریف کی طرف نماز پڑھنے کی التجائیں اور دعائیں کرتے رہتے تھے یعنی یہ کہ بارخدایا اب وہ وقت لا کہ میں ظالموں کی شرارتوں سے چھوٹوں۔ اور انکی ظلموں کو دور کر اور انکو مغلوب و مقہور کر خواہ اسلام کے قبول کرنے سے خواہ ان کا زور توڑنے سے تاکہ پھر اصلی قبلہ کی طرف مونہہ کر کے نماز پڑھوں چنانچہ اللہ تعالیٰ انکی دعاؤں کا ذکر فرماتا ہے قد نرى تقلب وجهك في السماء فلنولينك قبلة ترضها الاية پ ۲ ع ۱ یعنی ہم بیشک آسمان میں تیرے چہرہ کے پھرنے کو دیکھ رہے ہیں تو ہم یقیناً جس قبلہ پر تو راضی ہے اسی قبلہ کی طرف تیرے چہرے کو پھیر دینگے چنانچہ پھیر دیا اور فرمایا فول وجهك شطر المسجد الحرام الاية اب تو کسی کے شر اور ظلم کا اندیشہ مت کر اب تو مسجد الحرام کی طرف مونہہ کر کے نماز پڑھا کر ..... پس یہ حکم پہلے حکم فلله المشرق والمغرب فاينما تولوا فثم وجه الله کا ناسخ ہے اور ناسخ بھی ناسخ خبر سو پہلے ان اول بيت وضع للناس للذي الاية پ ۴ ع ۱ اور واتبع ملة ابراهيم

حنیفاً پ۱ ع ۱۶ اور فاذا امنتم فاذکروا اللہ کما علمکم الایہ پ۲ ع ۱۵ کے مطابق اور پھر انہیں آیات کے مطابق روح القدس یعنی جبریل نے کا بیت اللہ کے نزدیک یا مسجد الحرام کے اندر دو دن تک نماز ون کا ہیجوقتہ پڑھانا اور پھر کہنا کہ اسی طرح پر نماز پڑھنے پر آنے کا تجھے حکم ہے مسجد الحرام کی حالت شوق ہو کر کے نماز پڑھنا اصلی اور دوامی اور قطعی حکم ہے اور اس حکم کا ناسخ جو احد و ثواب ہیں بوقت ضرورت وعذر شرعی بقتل حکم اصلی ہے لله المشرق والمغرب الایہ آور پھر جب یہہ عذر رفع ہو جاوے تو اسکا ناسخ خبر کہ پھر وہی پہلا حکم جس کی صراحت فول وجهك شطر المسجد الحرام میں ہی آموجود ہوتا ہے۔ آیت لله المشرق والمغرب الایہ چونکہ عام ہی اور اس میں کل جہات شامل ہیں منجملہ ان کے بیت المقدس بھی تھا اسواسطے بیت المقدس کو اس آیت کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے البتہ رسول اللہ صلعم کو چونکہ ضرورت اتفاقی طور پر بیت المقدس کے متعلق تھی اسواسطے مدینہ میں آپنے بیت المقدس کو بحکم ربی قبلہ بنایا اسی طرح تحری کا مسئلہ یعنے جہاں قبلہ کا پتہ نہ لگ سکتا ہو تو وہاں اپنے اختیار سے قبلہ کی جہت کی تعیین کر کے نماز پڑھ لینا بھی اسی آیت کے حکمت سے ہی اگرچہ ۱۶-۱۷ ماہ تو رہا ہو گر کیا رہا رہی عمر ہی کیوں نہ گزر جاوے۔ خوف وغیرہ کیوقت بھی جو قبلہ کی جہت کا لحاظ نہیں رکھا جاتا تو اسی آیت کے حکم سے نہیں رکھا جاتا۔ غرضکہ لوگوں کا یہہ خیال کہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم جس آیت سے ہوا تھا وہ آیت بھی اور اسکا حکم بھی مرفوع ہو چکے ہیں غلط ہے بلکہ وہ آیت بھی موجود ہی اور اسکا حکم بھی قیامت تک موجود رہیگا۔ والحمد لله علی ذلک ۔ . . . . . قسم دوم کی آیات میں سے وہ آیات بھی منسوخ بیان کی جاتی ہیں جن کے رو سے پہلے شریعت محمدی میں یہہ حکم تھا کہ رمضان شریف میں روزہ کھولنے کے بعد سونے سے پہلے پہلے یا نماز عشاء کے پڑھنے سے پہلے پہلے کھانا پینا جماع کرنا حلال تھا مگر اگر آنکھ لگ جاوے یا عشاء کی نماز پڑھی جاوے تو بس اس کے پیچھے پھر رات بھر کھانا پینا جماع کرنا حرام تھا اب نہ تو وہ آیات ہی موجود ہیں اور نہ ان کے احکام بلکہ ان آیات منسوخۃ التلاوۃ ومنسوخۃ الحکم کی ناسخ آیات موجود ہیں اور وہ یہہ ہیں احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الایہ۔ ایسا کہنا بھی سخا للہ ہے اصل بات یہہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یا ایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم۔ الایہ یعنی جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر روزے فرض کئے گئے تھے اے مسلمانوں تم پر بھی اسی طرح فرض کئے گئے ہیں ۔ اب صاف ظاہر ہے کہ نبیوں اور رسولوں اور ان کے بعد والوں صحابہ کے روزوں کی کیفیت تقریباً بعینہ اسی طرح پر ہے جسطرح ان پہلے رسولوں کے بھائی اور سردار اور اشرف رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے روزوں کی کیفیت تھی بعض بعض صحابہ رضہ حسن ظنی سے کچھ تو اہل کتاب کے روزوں کو (جنمیں کئی قسم کی رہبانیت داخل ہو چکی تھی) دیکھ کر سمجھ بیٹھے کہ جس طرح یہہ لوگ روزے رکھ رہے ہیں اسی طرح ہم پر بھی رکھنے فرض ہیں۔ پس وہ انہیں کی طرح نشہ۔ اور رہبانیت کو بھی روزوں کا جزو سمجھ کر انہیں کی طرح اس رہبانیت و تشدد کو شروع کر بیٹھے۔ اور یہہ ظاہر ہے کہ یہہ لوگ سحری نہ کھایا کرتے تھے اور روزہ بھی بہت دیر میں افطار کیا کرتے تھے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سخت ممانعت کر دی کہ اہل کتاب کی مخالفت کیا کرو سحری ضرور کھایا کرو اور افطار جلدی کیا کرو اور نیز یہ کہ اہل کتاب کے روزوں اور ہمارے روزوں میں سحری کھانے کا فرق ہے۔ (مشکوٰۃ فصل اول حدیث ثانی و دیگر احادیث متعلقہ فصول کتاب الصوم) اور سحری کا نہ کھانا یعنے رات کو بھی روزہ رکھے چھوڑنا اور روزہ دیر سے کھولنا کوئی حکم خداوندی نہ تھا فقط اہل کتاب کی اپنی رہبانیت تھی جسکو انہوں نے خود دین بنا رکھا تھا جو خدا کا مقرر کیا ہوا دین نہ تھا۔ پس صحابہ رضہ نے فقط آیہ یا ایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام (الایہ) کے لفظ کما سے مغالطہ کھا کر اہل کتاب کی اس بدعتی اور خود دین ساختہ رسم کو حسن ظنی سے خدا کا بتایا ہوا دین سمجھ لیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کبھی بھی ان کو اس قسم کا حکم نہیں دیا تھا اور نہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی ان کو ایسا مسئلہ بتایا تھا۔ ایسا کام تشدد فی الدین ہوتا ہے مگر یہہ تشدد صحابہ رضہ سے فقط ان کی حسن ظنی یا اہل کتاب کی وجہ سے ظہور میں آیا نہ کہ کسی اور وجہ سے اور ایسی غلطیوں کا ہو جانا کوئی تعجب کا مقام نہیں ہے چنانچہ بعض صحابہ رضہ اپنے قیاس سے وقت کی تمیز کے لئے مطابق آیت حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود الایہ پ۲ ع ۷ دو دھاگے ایک سیاہ اور ایک سفید اپنے سرہانے کے نیچے رکھ چھوڑتے تھے یا اپنے پاؤں کے ساتھ باندھ دیتے تھے اور جبتک ان دونو دھاگوں میں تمیز نہ ہو جاتی تھی تب تک کھانا پینا جماع کرتا جاری رکھتے تھے (بخاری کتاب الصوم باب قول اللہ تعالیٰ وکلوا واشربوا الایہ) پس اللہ تعالیٰ نے انکی ان غلط فہمیوں اور اہل کتاب سے دیکھ کر ان کی طرح ان کے بدعتی اور اختراعی رواج و رہبانیت اختیار کردہ کی ان آیات میں تردید فرماتا ہے۔ اور اپنے ربانی احکام کی تعلیم فرماتا ہے۔

احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نسائکم ھن لباس لکم وانتم لباس لھن علم اللہ انکم کنتم تختانون انفسکم فتاب علیکم وعفا عنکم	"جس روز روزہ رکھا جاتا ہو اس کی شب کو اپنی بیویوں کے پاس جانا تمہارے لئے حلال کیا گیا ہے (نہ کہ حرام جیسا کہ تم سمجھ بیٹھے ہوئے تھے) وہ تمہارا

فالٰئن باشروھن وابتغوا ما کتب اللّٰہ لکم وکلوا واشربوا حتی
یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر ثم اتموا الصیام
الی الیل ولا تباشروھن وانتم عاکفون فی المسٰجد تلک حدود اللّٰہ
فلا تقربوھا کذٰلک یبین اللّٰہ اٰیٰتہ للناس لعلھم یتقون ۱۸۷ع

اعلیٰ درجہ کا لباس ہیں اور تم ان کے اعلیٰ درجہ کا لباس ہو یعنے تعلق زناشوی
ایسا لازمی اور طبعی امر ہے کہ اللّٰہ تعالےٰ اسکو بلا حکمت توڑنے کا حکم نہیں
دیا کرتا خدا کو معلوم تھا اور معلوم ہے کہ تم لوگ اپنے نفسوں کی خیانت کیا
کرتے تھے (یعنے عورتوں کے پاس جانے اور کھانے پینے کو حرام سمجھ بیٹھے
تھے اپنے نفسوں کی حق تلفی کیا کرتے تھے اور خدا کی دی ہوئی امانت میں
خیانت کیا کرتے تھے) سو اب اللّٰہ تعالےٰ نے تمہاری اس خود اختیار کردہ سختی کو دور کردیا ہے اور تمہاری اس سخت عبادت خود پسند کردہ کو تم پر فرض نہیں کردیا بلکہ اس کو تم سے چھڑوا دیا ہے سو اب اپنی عورتوں سے مباشرت کیا کرو اور اللّٰہ تعالےٰ نے تمہارے لئے جو کچھ لکھ رکھا ہے یعنی اولاد اسکی طلبگاری کیا کرو اور کھانے پینے رہو تا وقتیکہ پو پھٹنے پر سفید دھاری اور سیاہ دھاری کی کھلم کھلی تمیز ہو جاوے پس پھر اسوقت سے لیکر روزہ رکھنا شروع کرو اور اسوقت تک رکھے رہو کہ جب رات آجاوے یا رات کی جنس آجاوے یعنی سورج ڈوب جاوے اور جہاں سورج مدتوں تک غروب نہیں ہوتا وہاں اسی متعارف رات کا اندازہ کر کے افطار کر دیا کرو اور سن رکھو کہ جب تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھے ہوئے ہو تو پھر اپنی عورتوں کے پاس نہیں جانا یہہ اللّٰہ تعالےٰ کی حد بندیاں ہیں پس ان حدوں کے نزدیک بھی نہ جانا اللّٰہ تعالےٰ اسی طرح اپنے احکام لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ اسکے احکام کی مخالفت سے بچتے رہیں"

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اس میں فقط لوگوں کے رواج کا ابطال و اعدام ہے اور بس اور اس رواج پر چلنے کے لئے کہیں بھی ایک اشارہ تک موجود نہیں ہے نہ کتاب اللّٰہ میں اور نہ سنت نبویہ میں جس جس شخص کو اس آیت سے دھوکہ لگا ہے وہ فقط الفاظ ذیل سے لگا ہے۔ علم اللّٰہ انکم کنتم تختانون انفسکم فتاب علیکم وعفا عنکم فالٰئن باشروھن ان الفاظ کا مفہوم یہہ لوگ یہہ سمجھتے ہیں کہ خدا نے دیکھا کہ تم لوگ ہمارے بتائے ہوئے حکموں کو توڑ کر اپنے نفسوں کی خیانت کر کے اپنا دینی نقصان کیا کرتے تھے سو تم نے اب جب توبہ کی ہے اور اپنے گناہوں کا اقرار کرلیا ہے تو اب اللّٰہ تعالےٰ نے بھی تمہاری توبہ قبول کرلی ہے اور تمہارے گناہوں کو معاف کردیا ہے سو اب ہم اپنا پہلا حکم منسوخ کردیتے ہیں اور تم کو حکم دیتے ہیں کہ تم اب اپنی عورتوں سے ہم بستری کیا کرو۔ کیسا برا مفہوم ہے حالانکہ الفاظ میں یہہ بات نہیں ہے کنتم تختانون کے صاف صاف معنے ہیں تم اپنے نفسوں کی خیانت کیا کرتے تھے اور نفس فطرت اللّٰہ وخلق اللّٰہ وامانت اللّٰہ ہے جس کی تین قوتیں ہیں ملکی بہیمی سبعی۔ (دیکھیے ہیچ حکمت) اور نفس کی خیانت یہہ ہوتی ہے کہ جو جو احکام اسکے متعلق اللّٰہ تعالےٰ نے تعلیم فرمائی ہیں ان کو یا ان میں سے کسی کو چھوڑ دینا۔ کھانا پینا جماع کرنا خوراک ہے قوت بہیمی کی تو مطابق تعلیم ربانی کی یہہ تینوں کام کرنے چاہئیں اور مطابق تعلیم ربانی ہے ان سے رکنا چاہئے۔ پس بلا حکم الٰہی قوت بہیمی کی ترتیب کرنا یا بلا حکم الٰہی اسکے خوراک کو کم کردینا یا بند کردینا نفس کی خیانت ہے پس معنے یہہ ہوئے کہ تم اپنی سمجھ کے موافق کھانا پینا جماع کرنا حرام سمجھے بیٹھے ہوئے تھے اور اس طرح پر اپنے نفسوں کی خیانت کرتے تھے نہ یہہ کہ تم ہمارے حکموں کو توڑ کر اللّٰہ اور اللّٰہ کے رسول کی خیانت کیا کرتے تھے اگر ایسا ہوتا تو مطابق آیہ یا ایھا الذین اٰمنوا لا تخونوا اللّٰہ والرسول الآیہ پ۹ ع عبارت یہہ ہوتی کنتم تختانون اللّٰہ والرسول فتاب علیکم کے یہاں یہہ معنے نہیں ہیں کہ تم نے اپنے گناہوں سے توبہ کی ہمنے تمہاری توبہ قبول کرلی کیونکہ یہاں گناہوں کا کوئی ذکر ہی نہیں اسواسطے محذوفات کا نکالنا فضول ہے بلکہ تاب اللّٰہ علی خلقہ کے یہہ معنے بھی ہوتے ہیں نقصان کی سختی کو اللّٰہ تعالےٰ دور کرکے آسانی دیدی (مجمع بحار منتہی الارب) پس اسکے معنے لغت کے رو سے یہہ ہوئے کہ جو سختی تم اپنے اوپر لازم کر بیٹھے تھے اس کو اللّٰہ تعالےٰ نے دور کردیا ہے۔ اسی طرح عفا عنکم کے معنے ہیں کہ اسی تمہاری اس خود لازم کردہ عبادت کو تم پر فرض نہیں کردیا بلکہ اسکو تم سے ترک کروا دیا ہے کیونکہ لغت میں عفو کے معنے ترک کے بھی ہیں اور حدیث شریف میں بھی ایسا ہی ہے مثلاً حدیث ان اللّٰہ حد حدودا فلا تعتدوھا الحدیث میں آیا ہے کہ اللّٰہ تعالےٰ نے بعض اشیاء کو یونہی بلا نسیان ونسیہ کے چھوڑ دیا ہے سو تم ان کو کرید کرید کر پوچھا کرو اور اسی طرح بعض الفاظ اسی طرح آئے ہیں ما سکت عنہ فھو عفو یعنی جن سے سکوت ہے وہ اشیاء عفو ہیں یعنے ان کی حرمت تم پر فرض و مکتوب نہیں کی گئی اسی طرح حدیث شریف میں ہے عفوت عن الخیل والرقیق الحدیث یعنی خیل ورقیق کی زکوٰۃ یعنے تم سے اپنی چھوڑ دی ہے وہ تم پر فرض نہیں کی گئی ہے قرآن مجید میں ہے فمن عفی لہ من اخیہ شئ یہاں بھی عفو بمعنے ترک ہے۔ غرضکہ یہاں بھی فقط یہی معنے ہیں کہ تمہاری خود اختیار کردہ عبادت کو تم پر فرض نہیں کر ڈالا بلکہ اس کو تم سے ترک کروا دیا ہے فالٰئن باشروھن کے یہہ معنے نہیں ہیں کہ جو گناہ تم کرچکے ہو اب وہ تم کو معاف کردیا گیا ہے مگر اسی گناہ کو ہم اب تمہارے لئے مباح وحلال کردیتے ہیں اور آئندہ تم کو اس کا مواخذہ نہ کرینگے بلکہ فقط یہی نہیں کہ اب تم کو اپنی غلطی معلوم ہوگئی ہے اسکو چھوڑ چھاڑ کر اب بلا تردد و بغیر تشویش کسی طرح مباشرت کیا کرو اور اس کو کوئی گناہ نہ سمجھا کرو۔ کیونکہ عورتیں تمہارے ساتھ اور تم ان کے ساتھ اس طرح لازم و ملزوم ہو کہ گویا

جسم و جامہ ہو فتاب علیکم کے معنے جو اوپر کئے گئے ہیں وہی سورہ مزمل کے دوسرے رکوع کے فتاب علیکم کے ہیں یعنے تہجد کے متعلق جو شوق و ذوق کے ساتھ تم نے اور تمہارے صاحب صلعم نے جو جو مشقتیں اور محنتیں اپنے اوپر لازم کرلی ہیں حتیٰ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاؤں بھی سوجھ جاتے ہیں ان سب کو اللہ تعالےٰ نے آسان کردیا ہے (دیکھو تفسیر ہذا کا صفحہ ۱۲۱)

اسی طرح قسم دوم کے نسخ کے متعلق جسقدر آیات بیان کی جاتی ہیں سب کی سب اپنے اپنے قیاسات ہیں اور بس۔ اب ہم قسم سوم کی نسخ کی آیات لکھتے ہیں یعنے وہ آیات جنکی نسبت لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں موجود بھی ہیں اور ان کی تلاوت بھی ہوتی ہے اور قیامت تک تلاوت جاری رہیگی مگر ان پر عمل کرنا اب قیامت تک بالکل باطل اور زائل ہوگیا ہے سو واضح رہے کہ قرآن مجید میں ایک ایک حرف قابل عمل ہے اس پاک کتاب میں کسی حرف تک لغو اور بے معنے اور بے مطلب اور فضول نہیں ہے اس قسم کی آیات میں سے ایک تو یہہ آیت ہے (۱) وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین الآیہ پ ۲ ع یعنے اور ان لوگوں کے جو طاقت رکھتے ہیں اُسکے فدیہ ہے جو ایک مسکین کا کھانا ہے۔ صحابہ کرام رضہ کے اس آیت کے متعلق دو مذہب ہیں ایک تو اس کو منسوخ سمجھتے ہیں اگرچہ ناسخ اسکے مختلف قرار دیتے ہیں اور بعض صحابہ اسکو محکم غیر منسوخ معمول بہ سمجھتے ہیں اور فرماتے ہیں یطیقونہ سے پہلے لا مقدر ہے جسکا ترجمہ پھر یہہ ہوجاتا ہے اور اوپر ان لوگوں کے جو روزے کی طاقت نہیں رکھتے فدیہ واجب ہے جو ایک مسکین کا کھانا ہے اور محل اس آیت کا ان کے نزدیک وہ بوڑھا مرد اور وہ بوڑھی عورت ہے جو روزہ نہیں رکھہ سکتے۔ یہہ ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا مذہب ہے اور انس رضہ کا مذہب ہے چنانچہ ایک یا دو سال تک انس رضہ جب بہت بڈھے ہوگئے تھے تو اس آیت کے حکم سے ہر روز ایک مسکین کا کھانا روٹی وگوشت دیا کرتے تھے اور روزہ نہ رکھا کرتے تھے۔ ابن عمر اور سلمہ بن اکوع اس آیت کو منسوخ کہتے تھے یہہ ساری بحث صحیح البخاری کتاب الصوم باب وعلی الذین یطیقونہ اور نیز کتاب التفسیر باب قولہ ایاما معدودات میں مفصل طور پر درج ہے اسی طرح تابعین کے مختلف مذاہب اسباب میں درج ہیں اور بعض بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت کے ساتھ دودھ پلانے والی اور حاملہ عورت بھی ملالیتے ہیں۔ تو اصل غرض یہہ ہے کہ اس آیت کو منسوخ کہنے کے لئے صحابہ وغیرہم رضہ کے پاس نہ کوئی آیت قرآنی ہے اور نہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث قولی یا فعلی یا تقریری موجود ہے بلکہ فقط اپنا اپنا قیاس اور اپنا اپنا فہم ہے اور بس۔ اور مطابق فیصلہ ربانی جیسا کہ پہلے بھی کئی دفعہ لکھا جاچکا ہے یعنے فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ الآیہ خدا تعالےٰ یا اُسکے رسول صلعم سے فیصلہ کروانا ضروری ہے اور چونکہ اس آیت کی منسوخی کا فیصلہ نہ قرآن مجید نے کیا ہے اور نہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ پس یقینی طور پر ثابت ہے کہ یہہ آیت غیر منسوخ ہے جس طرح اس کی عبارت کی ہمیشہ تلاوت ہوتی چلی آئی ہے اور چلی جاویگی اسی طرح ان الفاظ کے معنوں پر بھی عمل ہونا از بس ضروری ہے پس ہمارے نزدیک قطعی اور یقینی طور پر یہہ آیت محکم ثابت التلاوۃ اور ثابت الحکم ہے جو اپنے سیاق وسباق کے ساتھ یہاں لکھی جاتی ہے۔ اور اسکا صحیح مطلب بیان کیا جاتا ہے۔

یا ایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ۝ ایاما معدودات فمن کان منکم مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین فمن تطوع خیرا فھو خیر لہ وان تصوموا خیر لکم ان کنتم تعلمون ۝ پ ۲ ع

ترجمہ۔ اے ایماندارو جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا تھا اسی طرح تم پر بھی روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے تاکہ تم بچو تم لوگوں کو کچھہ گنتی کے روزے رکھنے ہیں سو تم میں سے جو کوئی بیمار ہوجاوے یا بر سر سفر ہو تو ان گنتی کے دنوں کے بعد موت تک اپنی بیماری یا اپنے سفر کے وقت کے سوا رہتے ہوئے روزوں کی گنتی پوری کرلیوے اور جو لوگ اس گنتی کو پورا کرنے کی طاقت رکھہ سکتے ہوں اگر موت سے پہلے پہلے اس گنتی کو پورا نہ کریں تو پھر اس پوری نہ کی ہوئی گنتی کی مقدار کے موافق کچھہ جتنی ہے جو ایک مسکین کا کھانا ہے تو جو کوئی اس فدیہ کو قیمت سے بڑھ کر ادا کریگا تو وہ اسکے لئے اور بھی بہتر ہے اور اگر تم روزہ رکھو لینے کے ہمارے حکم کی قدر وحکمت کو سمجھو تو اس تکاسل اور تغافل کے سبب سے جو تم کو موت آگئی ہے اور فدیہ تک نوبت پہونچ گئی ہے اس سے تمہارا روزہ رکھنا ہی بہتر ہے۔ . . . . . . خلاصہ یہہ ہے کہ مریض اور مسافر کو اللہ تعالےٰ رمضان کے دنوں میں رخصت دیتا ہے مگر جسقدر روزے رہ جاویں ان کی فرضیت ان کے سر سے اسوقت تک ٹل نہیں سکتی جب تک کہ وہ رہتے ہوئے روزوں کو ادا نہ کرلیں اور چونکہ من ایام اخر سے اللہ تعالےٰ نے عمر بھر کی رخصت دیدی ہے یعنے مسافر اور بیمار کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ عید کے دوسرے روز ہی سے یا سفر و مرض سے نکلتے ہی فوت شدہ روزے رکھنے شروع کردیں بلکہ اپنی موت سے پہلے پہلے جب چاہیں رکھہ سکتے ہیں۔ جب عمر بھر کی رخصت مل گئی تو اب صاف ظاہر ہے کہ معذور (بیمار یا مسافر) کو اپنی موت سے پہلے پہلے یا تو اپنے فوت شدہ روزوں کی گنتی کے پورا کرنے کی طاقت اور توفیق اور استطاعت اور قابلیت مل جاویگی یا نہ ملیگی

اگر یہی اور عذر بدستور موت تک لاحق ہی رہا تو اس پر کوئی روزہ ہی رہا اور نہ اسکا کوئی فدیہ ہی اور اگر طاقت مل گئی خواہ ساری گنتی کو پورا کرنیکی خواہ کسی قدر گنتی کو پورا کرنے کی۔ مگر باوجود طاقت مل جانیکے وہ ساری گنتی کے روزے رکھنے سے قاصر رہا اور رفع الوقتی کرتا رہا یا کسی قسم کے عذر شرعی کے جیسے کہ اسی لیت و لعل میں اسکو موت نے آ دبایا تو بس ایسے مقدور پر اس ساری گنتی یا جسقدر گنتی کی طاقت اس کو مل گئی تھی اسکے مطابق فدیہ دینا واجب ہے جو اس کے وارثان ادا کرینگے مثلاً فرض کرو کہ زید نے رمضان شریف کے فقط تین روزے رکھے پھر وہ معذور ہوگیا دو ماہ کے بعد اسکا عذر جاتا رہا اب ۲۶ یا ۲۷ روزے جو رہ گئے ہوئے ہیں ان کی فرضیت اسپر سے اس کی موت سے پہلے پہلے اسوقت تک نہیں ٹل سکیگی جبتک خواہ متواتر پے درپے خواہ گاہ بگاہ روزے رکھ کر اپنی اس گنتی کو پورا نہ کر لیگا۔ اب فرض کرو کہ رفع عذر کیوقت سے وہ دسدن کے بعد فوت ہوگیا ہے اور یہہ دس دن وہ روزے رکھ سکتا تھا پس اسپر ان دس روزوں کا کفارہ واجب ہے باقی کے ۱۶-۱۷ روزے معاف ہیں اور اگر فرض کرو وہ وقت رفع عذر سے ۳۰ یوم بعد فوت ہوگیا ہے اور وہ اپنی موت سے پہلے پہلے ۲۶-۲۷ روزے بخوبی رکھ سکتا تھا۔ پس اسپر ان پورے ۲۶-۲۷ روزوں کا کفارہ واجب ہے۔ غرضکہ فائتہ روزوں میں سے جسقدر رکھ سکنے کی طاقت کسی میں ہو اور وہ ان کو موت سے پہلے پہلے ادا نہ کرے تو اسپر اسکے قصور و غفلت کی وجہ سے تاوان واجب ہے اور روزہ نہ رکھنے کا گناہ نہیں ہے کیونکہ اسکو عام رخصت الی یوم الموت دی گئی ہوئی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالی فرماتا ہے کہ ہماری اس رخصت وسیع کو دیکھ کر غفلت اختیار نہ کر بیٹھنا بلکہ روزہ ہی رکھنا کیونکہ روزہ رکھوانا اصلی مقصود ہے نہ کہ تم سے فدیہ دلوانا۔ اور اس آیت کا یہہ ترجمہ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا کے مطابق ہوجاتا ہے پس شیخ کبیر یا عورت ضعیفہ میں طاقت روزہ رکھنے کی نہیں ہے وہ مکلف روزہ رکھنے کے بھی نہیں ہیں اور انپر فدیہ بھی کوئی نہیں ہے۔ اسی طرح مرضعہ اور حاملہ فقط مریض معذوروں میں داخل ہیں اسکا حکم وہی ہے جو مریض کا ہے اور فدیہ فقط اس صورت میں ہے جو اوپر ذکر ہو چکی ہے نہ یہہ کہ بیچاری معذور عورتیں روزے بھی قضا کریں اور فدیہ بھی دیں یہ ایسا حکم بیشک تکلیف مالا یطاق ہے اور لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا کے بالکل مخالف ہے۔

ہمارے ان معنوں سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ یطیقونہ کے ضمیر منفصل منصوب کا مرجع فقط عدۃ ہے جو اس ضمیر کے ساتھ ہی موجود ہے اور مصدر مذکر و مؤنث دونوں ہوتا ہے پس ضمیر مذکر کا مرجع عدۃ تو درست ہے اور کوئی دقت نہیں رہتی اور نہ الا مقدر نکالنا پڑتا ہے۔ پس یہہ آیت غیر منسوخ اور محکم اور ثابت التلاوۃ و ثابت الحکم ہے نہ کہ منسوخ۔ (۲) اس آیت کو بھی لوگ منسوخ کہتے ہیں وللہ المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللہ الآیہ (پ ۱ ع ۱۴) یعنی اللہ تعالی ہی کا ہے مشرق بھی اور مغرب بھی۔ سو جس طرف کو تم منہ پھیرو اسی جگہ وجہ اللہ ہے یعنی اللہ تعالی ہی کی رضامندی ہے۔ اسکا مفصل جواب پہلی قسم دوسری آیات منسوخہ صفحہ ۳۰۵ میں دیا جا چکا ہے۔ اس کی نسبت بھی لوگوں کا اختلاف ہے کوئی منسوخ کہتے ہیں کوئی منسوخ نہیں کہتے مگر تاویلات کیا کرتے ہیں۔ (۳) اس آیت کو بھی منسوخ کہتے ہیں۔

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیۃ لازواجہم متاعا الی الحول غیر اخراج فان خرجن فلا جناح علیکم فی ما فعلن فی انفسہن من معروف واللہ عزیز حکیم (پ ۲ ع ۱۵)

یعنی اور جو مرد تم میں سے فوت کئے جاویں اور اپنے پیچھے بیوگان چھوڑ جاویں تو وہ اپنے وارثوں کو اپنی بیوگان کے حق میں بالکل وکالت پورے برس تک انکو گذارہ دینے کی وصیت کر دیں۔ اس حال میں کہ وہ بیوگان اُن گھروں سے جن میں وہ اپنے خاوندوں کے ساتھ رہتی تھیں نکالی نہ جاویں ہاں اگر خود بخود اپنی خوشی سے سال کے اندر اندر اس گھر سے نکل جاویں تو اسے وارثو تم پر اسبات میں کوئی گناہ لازم نہیں آتا کہ وہ اپنے حق میں مطابق شریعت کوئی کام بھی کریں اور اللہ تعالی کا ہی غلبہ سب سے بڑھکر ہے اور اس کے سارے احکام حکمت سے بھر پور ہوتے ہیں۔

اس آیت کا مطلب فقط اتنا ہے کہ بیوہ عورت کا اختیار ہے کہ اپنے خاوند کے موت کے بعد پورا سال اپنے خاوند کے گھر میں اسی طرح رہ سکتی ہے جس طرح خاوند کیوقت میں رہا کرتی تھی اور بیوہ کے لئے سال بھر کی رہائش کی وصیت کرنے کا حکم خاوند پر مفروض و مکتوب ہے اور متوفی کے وارثوں کو ہرگز یہہ اختیار نہیں ہے کہ وہ سال میں سے ایک منٹ بھی پہلے اس عورت کو گھر سے نکال سکیں۔ جو اس آیت کے نسخ کے قائل ہیں وہ اسکا ناسخ ایک تو آیت میراث کو اور ایک آیت عدت کو بتلاتے ہیں حالانکہ ان آیتوں کو اس آیت کے ساتھ کسی طرح پر بھی کسی قسم کا تعارض و تناقض یا تخالف نہیں ہے بلکہ تینوں آیات آپس میں ایک دوسری کی موافق ہیں اور تینوں میں جمع اور تطبیق موجود ہے۔ عورت علاوہ میراث کے اس وصیت کی رو سے سال بھر کا گذارہ بھی خاوند کے مکان میں ہی بیٹھ کر خاوند کے مال متروکہ میں سے لے سکتی ہے اور سال بھر کے اندر ۴ ماہ دس یوم تک کہیں بھی خاوند نہیں کر سکتی وصیت والی

آیت میں بیوہ کو اختیار دیا گیا ہے اور وارثوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اسکے اختیار جائز میں مخل نہ ہوں اور عدت والی آیت میں ایسی بیوہ کو جو حاملہ نہیں ہے چار ماہ اور دس دن تک خاوند کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا کیونکہ اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل تک ہوتی ہے خواہ ۹ ماہ دس یوم سے کمتر ہو خواہ اس سے زیادہ ہو خواہ ایک سال تک ہو خواہ اس سے کم و بیشتر۔ کما قال اللہ تعالےٰ واولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن (الآیہ پ۲۸ ع) یعنے حمل والیوں کی عدت اُن کا وضع حمل ہے اور بس۔ پس بیوہ پر خواہ حاملہ ہو خواہ غیر حاملہ عدت کا پورا کرنا فرض ہے یعنے حاملہ بیوہ وضع حمل تک اور غیر حاملہ فقط چار ماہ دس دن تک خاوند نہیں کر سکتی۔ اور اس آیت میں فقط قریب المرگ خاوند پر اپنی بیوہ کے حق میں سال بھر تک رہنے دینے اور اس کو اخراجات پورا کرنے کی وصیت کرنا فرض ہے البتہ عورت بیوہ کو اختیار ہے کہ وہ سال بھر یا کسی قدر عرصہ تک اس وصیت کو قبول کرے یا بالکل قبول نہ کرے مگر وارثان میت کا یہہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اسکو سال بھر سے پہلے ایک منٹ کے لئے گھر سے نکال سکیں یا اسکا گذارہ بند کر سکیں۔ پس ان دونو آیتوں میں کسی قسم کی کوئی مغائرت اور مباینت نہیں جو کہ ایک کو ناسخ اور دوسری کو منسوخ بنایا جاوے۔

(۴) منجملہ ایسی آیات کے اس آیت کو بھی منسوخ بیان کیا جاتا ہے۔

یاایها النبی حرض المؤمنین علی القتال ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین وان یکن منکم مائة یغلبوا الفا من الذین کفروا بانهم قوم لا یفقهون (پ۱۰ ع)

"اے نبی ان مومنین کو جہاد کے لئے پورے درجہ کی ترغیب و تحریک کر اور ان کو یوں کہہ کہ تم میں سے اگر بیس صابر مجاہد بھی ہوں گے اس شرط سے کہ ہوں سب کے سب مخلص اور ان میں کوئی بھی ضعیف الایمان نہ ہو تو یہہ بیس دو سو پر فتح پاوینگے اور اگر تم میں سے اسی طرح کے ایک سو صابر مجاہد ہوں گے تو ایک ہزار کفار پر فتح پاوینگے۔ کیونکہ یہہ کفار ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں"

اور اس آیت کا ناسخ وہ اس دوسری آیت کو جو اسکے ساتھ ہے قرار دیتے ہیں۔

الئٰن خفف اللہ عنکم وعلم ان فیکم ضعفا فان یکن منکم مائة صابرة یغلبوا مائتین وان یکن منکم الف یغلبوا الفین باذن اللہ واللہ مع الصابرین (پ۱۰ ع)

"اب اللہ تعالےٰ نے تم کو تخفیف کر دی اور اللہ کو معلوم ہے کہ تم میں ضعیف الاعتقاد لوگ بھی داخل ہو گئے ہیں سو اگر ایسے گڈمڈ حالت میں تم میں سے سو صابر مجاہد ہوں گے تو وہ دو سو پر فتح پاوینگے اور اگر تم میں سے ایک ہزار ایسے ہوں گے تو وہ اللہ تعالےٰ کی توفیق سے دو ہزار پر فتح پاوینگے اور اللہ تعالےٰ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو صبر کرتے رہتے ہیں"

نہ پہلی آیت منسوخ ہے اور نہ بعد دوسری اس کی ناسخ ہے اللہ تعالےٰ دو مختلف حالتوں کا ذکر فرماتا ہے پہلی حالت عسر اور تنگی کی ہے اور دوسری حالت یُسر اور فراخی کی ہے پہلی حالت میں جو لوگ ساتھ دیتے ہیں وہ پرلے درجے کے مومن اور مخلص اور صابر ہوتے ہیں اور نہ ہوتے بھی ہیں تو قدر قلیل دوسری حالت کے ساتھی ویسے مخلص اور مومن اور صابر نہیں ہوتے اور عموماً ضعیف الایمان اور بزدل اور آرام طلب ہوتے ہیں اور ہوتے بھی ہیں کثیر التعداد پس پہلی حالت میں ایک مومن کا صبر و اخلاص اسقدر وزن رکھتا ہے کہ اگر دس کفار بھی اسکے سامنے آجاویں تو وہ اکیلا انپر فتح باذن اللہ پا سکتا ہے اصل وجہ یہہ ہوتی ہے کہ ایسا مخلص مومن دنیا اور دنیا کی زندگی کو ہیچ اور رسوائی و رنج و راحت کو کالعدم سمجھتا ہے اور اسکے مقابل کا کافر اس حاشنی سے ناواقف اور اس عارضی زندگی پر فریفتہ ہوتا ہے۔ مومن موت کی پرواہ نہیں کرتا اور کافر موت سے ڈرتا رہتا ہے مومن لقاء اللہ کا طالب ہوتا ہے اور کافر اس مردار کا۔ پس اس طرف استقلال و ہمت اور اس طرف بے ہمتی اور ضعف پیدا ہو جاتا ہے اس طرح پر اس طرف کو فتح اور دوسری طرف کو شکست فاش آجاتی ہے۔ چنانچہ اسی مضمون کو اللہ تعالےٰ دوسری جگہ یوں بیان کرتا ہے وان تصبروا وتتقوا لا یضرکم کیدهم شیئا (پ۴ ع) یعنی اے مسلمانو اگر تم صبر و تقویٰ اختیار کئے ہوگے تو پھر ان کی چالبازیاں تم کو ایک ذرہ بھی نقصان نہ پہونچا سکیں گی۔ غرضکہ ان دونو آیتوں میں تخریص و ترغیب ہے صبر و تقویٰ سے اختیار کرنے کے اور پھر ایسے صبر و تقویٰ کے ساتھ جہاد کرنے کی اور اگر حالت ابتدا اسلام ہو خواہ دنیا کے زمانہ میں یا کسی ملک میں یا کسی قوم میں ہو تو اسوقت پہلی آیت کے مطابق عمل کیا جاوے اور اگر حالت از قسم ثانی ہو تو اسوقت دوسری آیت پر عمل کیا جاوے۔ پس یہہ دونو آیتیں سوا از بسوا قیامت تک اپنے اپنے محل پر معمول بہا ہیں ان دونوں میں کسی طرح کا وہم و خیال بھی نسبت نسخ کی نہیں ہو سکتا۔ پہلی آیت کے ترجمہ میں ہم نے ضعیف الایمان لوگوں کے موجود نہ ہونے بلکہ جملہ مومنین کے مخلص و صابر ہونے کی قید لگائی ہے وجہ اس کی یہہ ہے کہ دوسری آیت میں تخفیف کی حالت میں خود اللہ تعالےٰ نے انہیں لوگوں کے صابرین مومنین کے ساتھ شامل ہو جانے کی قید لگا دی ہے۔ اور اگر بہ نظر غور و تعمق دیکھا جاوے تو دونوں آیتوں کا مضمون واحد ہی ہے وجہ یہہ ہے

کہ صبر وتقوےٰ سے خداوند تعالیٰ کو منظور ہے کثرت وعجب منظور نہیں ہے کثرت کی صورت میں جب کہ ضعیف الایمان والے جماعت در جماعت اور فوج در فوج داخل ہو جاویں تو جتنی جتنی کثرت مع الضعف بڑھتی جاویگی اتنے ہی صبر وتقوےٰ کی نسبت میں فرق پڑتا چلا جاویگا مثلاً فرض کرو کہ سو مومنین صابرین مخلصین ہیں جن میں کوئی بھی ضعیف الایمان نہیں ہے اور فرض کرو کہ دشمن کی فوج ایسے مخلص مومنین کے مقابلے میں دس سو ہے تو ایسی صورت میں وعدہ ربانی کے مطابق سو مومنین دس سو کافرین پر فتح پاویںگے - اب فرض کرو کہ دوسری حالت میں بھی اتنے ہی مومنین یعنی پورے سو اور فرض کرو کہ ایسی صورت میں دشمن کی فوج کی تعداد جو انکے مقابلے میں آ کھڑی ہے دو سو ہے مگر یہہ مومنین ایسے ہیں کہ ان میں ضعیف الایمان اور بزدل اور بے صبر لوگ بھی داخل ہیں تو اب معلوم نہیں ہے کہ ان میں سے کون کون سے آدمی اور کس کس درجہ تک کے ضعیف الایمان ہیں ان میں امتیاز کرنا فقط اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ کا کام ہے ایسی تو کل قسم کے مومنین کے ضعیفوں اور بے صبروں اور پکے سچے مخلص مومنین کے پکے بے صبروں کو جوڑ توڑ کر کے آخر کار نسبت وہی قائم ہو جاویگی جو پہلی آیت میں تھی یعنے اس سو میں سے اسّی آدمی گویا کالعدم ہو گئے اور پیچھے فقط بیس آدمی رہ گئے تو اب جو نسبت پہلی آیت میں ہے وہی نسبت اب بھی ہے - خلاصہ یہہ ہے کہ دوسری حالت میں چونکہ شوکت وثروت وفتح ونصرت کی وجہہ سے ہر قسم کے لوگ شامل وداخل ہو جاتے ہیں اسواسطے ان میں پہلے سابقین مومنین مخلصین کا سا صبر واستقلال وتقوےٰ نہیں ہوتا اسواسطے اس کمی کا کسر تعداد کی کثرت کے ساتھ نکال لینے کا حکم دیا گیا ہے -

بعض لوگ کہتے ہیں کہ کیا دشمن کی فوج کی گنتی ہو سکتی ہے کہ انکی تعداد کے ساتھہ مسلمانوں کی تعداد کا موازنہ ومقابلہ کر لیا جاوے اسکا جواب یہہ ہے کہ ان دونوں آیتوں کا یہہ منشاء نہیں ہے کہ تم ضرور بضرور خواہ مخواہ دشمن کی فوج کی گنتی کر لیا کرو یہہ شرطی بات ہے کہ اگر ایسا ہوگا تو اسکا نتیجہ یہہ نکلیگا اور یقیناً نکلیگا اور دونوں آیتوں میں تحریص اور تحریک ہے اور دونوں صورتوں میں بشارت فتح ونصرت ہے اور دونوں آیتوں میں ان شیطانی وساوس کی کہ دشمن کی فوج زیادہ ہے ہم تھوڑے ہیں دشمن کے پاس مال ودولت زیادہ ہے ہم مفلس ہیں دشمن کے پاس سامان جنگ کثرت کے ساتھہ ہے ہمارے پاس کچھہ نہیں ہے وغیرہ وغیرہ کی سخت تردید ہے - دشمن کی فوج کی گنتی کرنے کی ضرورت نہیں ہے - پس یہہ دونوں آیتیں ویسی ہی محکوم ومامور بہ ومعمول بہ ہیں جیسے کہ باقی تمام قرآن مجید کی آیات منجملہ اس قسم کی نسخ کی آیات کے اس آیت کو بھی لوگ منسوخ کہتے ہیں -

(۵) کُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ (پ۲ غ)

"جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت قریب آجاوے تو بہ شرط ترک مال جایداد منقولہ یا غیر منقولہ تو والدین وجنس والدین واقربین وجنس اقربین کے حق میں وصیت کرنا فرض کر دیا گیا ہے مگر یہہ وصیت شریعت کے مطابق ہوگی (یعنی کل جایداد کا ایک تہائی ہوتی ہے) جو لوگ متقین ہیں ان پر یہہ وصیت واجب ہے"

کہتے ہیں کہ اس آیت کی ناسخ آیات میراث ہیں - یُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۔ ۔ ۔ الی تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ پ۴ ع۱۲ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اقربین اور والدین کے حصص خود مقرر فرما دیئے ہیں اسواسطے وصیت کی اب کچھہ ضرورت نہیں رہی - بعض کہتے ہیں کہ یہہ آیات اس آیت کو منسوخ نہیں کر سکتیں کیونکہ ان آیات میں تو اس وصیت کی بحالی اور اس وصیت کے اجراء وتنفیذ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے چار دفعہ وصیت کا لفظ اور چار دفعہ ہی اسکا کوئی نہ کوئی مشتق بیان فرمایا ہے مثلاً (۱) مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ (۲) مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ (۳) مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ (۴) مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ - پس ان آیات کو وصیت کی آیت کا ناسخ نہیں دیا جا سکتا مگر وہ یہہ کہتے ہیں کہ یہہ آیت ضرور ہے ناسخ اور اسکا ناسخ ترمذی کی حدیث ذیل قرار دیتے ہیں -

عن عمرو بن خارجة ان النبي صلى الله عليه وسلم خطب على ناقته وانا تحت جرانها وهي تقصع بجرتها وان لعابها يسيل بين كتفي فسمعته يقول ان الله عز وجل أعطى كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث الحديث حديث حسن صحيح ترمذی ابواب الوصايا باب ما جاء لا وصية لوارث ؛

"عمرو بن خارجہ سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ناقہ پر چڑھے ہوئے خطبہ کہا اور میں اسوقت آپکے ناقہ کی گردن کے نیچے کھڑا تھا اور وہ جگالی کر رہی تھی اور اس کی جھاگ میرے کندھوں پر بہہ رہی تھی پس اسوقت میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک حقدار کو اس کا اپنا اپنا حق دیدیا ہے - پس کسی وارث کے حق میں کوئی وصیت جائز نہیں ہے"

اور بعض ائمہ کا مذہب ہے کہ حدیث گو متواتر ہی کیوں نہ ہو قرآن مجید کی کسی آیت کا ناسخ نہیں ہو سکتی - پس اگر کوئی آیت منسوخ ہے تو فقط قرآن مجید

ہی کی کسی آیت سے منسوخ ہے ورنہ نہیں۔ ہم کئی دفعہ لکھ چکے ہیں کہ حدیث نبوی قرآن مجید کی شرح ہے اور حدیث کا قرآن مجید کی تفسیر وتبیین وتفصیل ہوتی ہے قرآن مجید سے الگ نہیں ہوتی اس واسطے اگر کوئی حدیث جو پیغمبر خدا صلعم سے ثابت ہو ناسخ ہو سکے تو اس میں کوئی بھی نقص نہیں ہے کہ نسخ سے مراد نسخ اصطلاحی نہیں ہے بلکہ نسخ قرآنی یعنے تبدیل احکام نئے حسب ضرورت ہیں متواتر حدیث کو ناسخ قرار دینا تو خطا اپنی غلط فہمی ہے۔ اب ہم تو لیفہ تعالے بتاتے ہیں کہ آیت زیر بحث منسوخ نہیں ہے نہ تو قرآن مجید سے اور نہ حدیث شریف سے۔ قرآن مجید کی آیات میراث اس آیت وصیت کے بڑے درجہ کی تقویت کرتے ہیں اس واسطے جو لوگ متواتر حدیث کو بھی ناسخ آیت نہیں جانتے بالکل بلا دلیل وبلا سند وصیت کی آیت کو منسوخ سمجھ بیٹھے ہیں اور جو لوگ حدیث کو ناسخ قرار دیکر اس کو منسوخ قرار دیتے ہیں یہ انکی خود اپنی غلط فہمی اور حدیث نبوی اور آیت قرآنی کو تطبیق نہ دے سکنے کا نتیجہ ہے اور بس۔ امام الائمہ محمد بن اسمعیل بخاری اس حدیث مرفوع کو صحیح نہیں سمجھتے اس واسطے وہ اپنی صحیح میں اس حدیث کے الفاظ لاوصیۃ لوارث کا باب باندھ کر اسکے ثبوت کے لئے فقط ابن عباسؓ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کان المال للولد وکانت الوصیۃ للوالدین فنسخ اللہ من ذالک ما احب فجعل للذکر الی آخر القول (بخاری کتاب الوصایا باب لاوصیۃ لوارث) مگر چونکہ امام ابوعیسیٰ ترمذی نے جو مستند ائمہ حدیث میں سے ہیں اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے اس واسطے اسکے صحیح ماننے سے کسی مسلمان کو چارہ نہیں ہے جو اس کی عدم صحت کے لئے کوئی بھی دلیل قاطع پیش نہ کر سکتا ہو۔ یہ حدیث اصل میں قرآن مجید کے اس کل رکوع کا خلاصہ ہے جس میں میراث مفروض ومکتوب ہیں۔ حدیث کا پہلا ٹکڑہ یعنے ان اللہ اعطے کل ذی حق حقہ تو خلاصہ ہے یوصیکم اللہ فی اولادکم سے لیکر تلک حدود اللہ تک اور حدیث شریف کا دوسرا ٹکڑہ یعنے لاوصیۃ لوارث خلاصہ ہے رکوع کے باقی کے اگلے حصہ کا اور چونکہ رکوع کے پہلے حصے میں تقدیم دین اور وصیۃ اور ادا وجاری کرنے کے بعد وارثوں کا مال تقسیم کرنے کا حکم ہے اور وصیت فقط بحق الوالدین والاقربین نص قرآنی سے متقین مومنین پر حق اور واجب ہے اس واسطے حدیث شریف کے پہلے ٹکڑے کے مطابق یعنے قرآن مجید یہ ہوئے کہ اللہ تعالے نے الوالدین والاقربین کی وصیت جاری کروانے یا دیگر غیروں کے دیون اور قرضے ادا کروانے کے بعد باقی کے مال متروکہ میں سے ہر ایک حقدار کا حق دیدیا ہے یعنے والدین اور جنس والدین اور اقربین اور جنس اقربین پہلے تو اس روسے وصیت جو ایک ثلث سے زیادہ نہیں ہو سکتے حقدار ہیں۔ پھر بعد اجرائے وصیت وقضائے دین از روئے وراثت کے باقی دو ثلث مال کے حقدار ہیں اگر دین نہ ہو ورنہ بعد دین جس قدر مال رہ جاوے گا اس میں سے اپنے اپنے حصص کے حقدار ہونگے (الوالدین اور الاقربین کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے دیکھو پیچھے صفحہ ۳۲۳) اور دوسرے ٹکڑے کے معنے یہ ہیں کہ ان فرائض میں سے جو بعد وصیت ودین مفروض ومکتوب کئے گئے ہیں کسی وارث کی خاطر خواہ باپ یا ماں ہی کیوں نہ ہو کمی بیشی کرنی جائز نہیں ہے کیونکہ اگر جائز ہوتی تو اللہ تعالے اپنے ان حدوں کو توڑنے والوں کو دوزخ میں ڈالنے اور پھر دوزخ کے عذاب مہین سے بھی عذاب مہین کا وعید کیوں سناتا کما قال اللہ تعالے بعد ذکر الفرائض ومن یعص اللہ ورسولہ ویتعد حدودہ الآیہ (دیکھو آیت ۱۴) پیچھے میری ان سطر کی ہوئی حدود کو توڑنے والا دوزخی اور مستحق عذاب مہین ہے۔ وصیت کرنا اور چیز ہے اور وراثت کا مال تقسیم کرنا اور چیز ہے وراثت کا مال بعد قضائے وصیت وبعد قضائے دین تقسیم ہوتا ہے۔ پس دونوں میں منافات کہاں ہے۔ چنانچہ اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وصیت کا اجرا کیا کرتے تھے اور اس میں دین کو پہلے اور وصیت کو پیچھے جاری فرمایا کرتے تھے جامع ترمذی کتاب الوصایا باب ما جاء یبدأ بالدین قبل الوصیۃ میں علی رضہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دین کو پہلے ادا کروایا کرتے تھے اور وصیت کو دین کے بعد جاری کروایا کرتے تھے حالانکہ قرآن مجید میں وصیت کو پہلے اور دین کو پیچھے پڑھا کرتے ہو۔

اگر کوئی کہے کہ یہ وصیت جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جاری فرمایا کرتے تھے یہی ورثہ نہ ہوتی تھی تو ان کو جواب میں فقط اتنا کہنا کافی ہے کہ وہ وصیت جو اپنے والدین یا اقربین کے حق میں وصیت کرنے سے روکی گئی ہے تو اسکا خون اور گوشت ہوتے ہیں تو غیروں کے حق میں وہ وصیت ہی کیوں کریگا اور اگر ورثہ کے حق میں وصیت کرنی حرام ہے تو پھر کوئی آیت قرآن مجید میں سے نہیں ہے کہ غیروں کے حق میں وصیت کیا کرو۔ الوالدین یا الاقربین کے حق میں وصیت کرنے میں ہزار طرح کے فوائد ہیں جو اس رب العالمین نے اپنے ہر قسم کے بندوں کی تربیت کیواسطے مقرر فرما رکھے ہیں مثلاً فرض کرو کہ ایک شخص بڑا بھاری مالدار ہے اس کی ایک بیوی تو کالمعلقہ اور ہمیشہ ذلیل حالت میں رکھی جاتی ہے اور دوسری بیویوں کے پاس سب طرح کے سامان عیش وآرام موجود ہیں اب اس ذلیل بیوی کا ایک بیٹا ہے جو مالدار ہے وہ مرگیا ہے تو اسپر بنص قرآنی واجب ہے کہ اپنی والدہ کی زندگی کی بہتری کے لئے اپنے مال کی ایک ثلث تک وصیت کرے اور باقی دو ثلث میں سے وہ عورت مطابق آیات اللہ میراث اپنا حصہ لیگی۔ اب اس طرح اس ذلیل وکس مپرس عورت کی تربیت اس رب العالمین نے کیسی عمدہ طرح کردی ہے اور اگر کوئی کہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایسی وصیت کا اجرا قبل از نزول آیات میراث کیا کرتے تھے

تو خود یہہ حدیث اس کو جواب دیتی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بعد نزول آیات میراث وصیت اور دین کو جاری اور روا کروایا کرتے تھے کیونکہ علی المرتضے رض
راوی حدیث مذکور بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میراث کی آیات ان الفاظ من بعد وصیۃ یوصون بہا او دین وغیرہ وغیرہ کی ترتیب
کے مطابق عمل نہیں کیا کرتے تھے بلکہ پہلے دین ادا کروایا کرتے تھے پیچھے وصیت جاری فرمایا کرتے تھے۔

غرضکہ ہر طرح پر قرآن مجید اور سنت نبوی میں اتحاد وارتباط وتطبیق موجود ہے اور قرآن مجید کی آیات میں بھی آپسمیں ہر طرح سے توافق اور تطابق موجود ہے
پس آیت وصیت ہرگز ہرگز منسوخ الحکم نہیں ہے۔ **بعض ان آیتوں کو بھی منسوخ الحکم خیال کرتے ہیں** یعنے نمبر ۶ و نمبر ۷ کو۔

(۶) یسئلونک عن الشہر الحرام قتال فیہ (الایہ پ۲ ع۱۱) - یعنی تجھے مسئلہ پوچھتے ہیں کہ آیا ادب وحرمت والے مہینوں میں جنگ روا ہے - ان کو جواب
دیہہ ہے کہ ان مہینوں میں لڑنے سے اونہے جنگ بھی گناہ عظیم ہے مگر یہہ بھی سنا دو کہ اللہ تعالے کی راہ سے روکنا اور اللہ تعالے کے ساتھ کفر کرنا اور حرمت
والی مسجد ہاں سے روک رکھنا اور اگر اسمیں کوئی مومن چلا جاوے تو اس کو وہاں سے نکال ڈالنا یہہ ساری باتیں خدا کے ہاں اس جنگ سے بھی بڑھ کر گناہ
عظیم ہیں - اور طرح طرح کا فتنہ وفساد وخونریزیوں سے بدتر اور گناہ میں بڑھکر ہیں۔

(۷) ولا تقاتلوہم عند المسجد الحرام (الایہ پ۲ ع۸) یعنی مسجد حرام کے آس پاس کفار کے ساتھ جنگ نہ کرنا۔ کہتے ہیں کہ ان آیتوں کے حکم یعنی حرمت
قتال فی الشہر الحرام وحرمت قتال عند المسجد الحرام منسوخ ہوگئی ہیں اور ان کی ناسخ آیات یہہ ہیں وقاتلوا المشرکین کافۃ پ۱۰ ع۱۱ اور فاقتلوا المشرکین
حیث وجدتموہم (الایہ پ۱۰ ع۷) اور واقتلوہم حیث ثقفتموہم پ۲ ع۸ پ۵ ع۱۲ کیونکہ ان آیتوں میں مشرکین کے ساتھ مقابلہ کرنے اور ان کو قتل کرنے کا حکم
ہے اور ان میں کوئی قید ایسی موجود نہیں ہے جس سے ادب وحرمت کے مہینے مستثنے ہوسکیں - لوگوں کا یہہ وہم وخیال بھی غلط ہے - اصل مسئلہ یہہ ہے کہ اشہر حرم
یعنے ادب وحرمت والے مہینے چار ہیں - ذی القعدہ - ذی الحج - محرم اور رجب (بخاری کتاب التفسیر باب قولہ ان عدۃ الشہور عند اللہ اثنا عشر شہرا الایہ)
اور ذی القعدہ اور محرم کی حرمت بواسطہ ذی الحج ہے - کیونکہ اصل یہی ہے اور ایک ماہ اس سے پہلے اور ایک ماہ اسکے بعد فقط اسکے تابع ہیں اور حج چونکہ دنیا
بہر کے کل مقامات میں سے فقط بیت اللہ شریف کا ہوتا ہے اسواسطے مسجد حرام اور اشہر حرم کے تین مہینوں ذی الحجہ ذی القعدہ اور محرم کو آپس میں سخت تعلق
شدید اور لزوم ہے اور چونکہ ذی القعدہ کے مہینے کی کسی نہ کسی تاریخ میں عموماً تمام حجاج خواہ دور دراز ملکوں سے حج کرنے کو کیوں نہ آتے ہیں مسجد الحرام کے ارد
گرد جمع ہوتے ہیں اسواسطے اشد ضروری ہے کہ اس مہینے میں ہر قسم کا جنگ وجدال حکماً بند کرایا جاوے اور حکماً امن قایم کرایا جاوے ورنہ حجاج کو سخت
تکلیف ہوگی حج بند ہوجاویگا اور رفتہ رفتہ نوبت یہانتک پہونچ جاویگی کہ کسی زمانہ میں جاکر حج کی عبادت ہی روئے زمین سے اٹھ جاویگی اور جسقدر فوائد
وعوائد فقط حج کی صورت میں ہی پیدا ہوسکتے ہیں سب کے سب موقوف ہوجاوینگے - اسی طرح حج کے مہینے میں بھی اور ایک ماہ بعد بھی یہہ حکم برابر جاری رہنا
واجبات سے ہے کیونکہ اگر آرام سے حج کرلیا جاوے مگر حج کے بعد پھر حجاج کو پھر تکلیف پہونچنے لگے تو اسی صورت میں بھی حج کی عبادت کا نام ونشان روئے
زمین پر سے مٹ جاویگا اور ایک ماہ تک غالباً کل حجاج علاقہ عرب کو بھی خالی کرجاتے ہیں - پس ان مہینوں میں حرمت قتال قیامت تک باقی ہے اور معمول بہ
ہے اور جب ان مہینوں کا جنمیں حج ہوتا ہے یہہ حال ہے تو بطریق اولےٰ خاص اس مکان میں جہاں حج ادا کیا جاتا ہے یعنے حرم میں اور پھر حرم کے مدار یعنی مسجد
الحرام میں تو من کل الوجوہ قتال اور لڑائی حرام ہے - اسی طرح رجب کے مہینے کا حال ہے اسکو اگرچہ حج کے مہینے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے مگر حج کے
مہینوں کی طرح اسمیں بھی اس مہینے کا ادب ہوتا چلا آیا تہا اور اس میں بھی جنگ وجدال شروع سے منع ہوتا اور اسی کے مطابق اسپر عمل ہوتا چلا آیا تھا یعنے
یہہ شریعت ابراہیمی اس لحاظ سے بالکل غیر محرف تھی اسواسطے اللہ تعالے نے اس مہینے اور حج کے مہینوں میں قتال کرنا حرام کردیا اور قیامت تک حرام
ہے اس آیت میں بھی اس کی حرمت ظاہر ہے اور اسکو کبیر یعنے ذنب عظیم وگناہ کبیر اللہ تعالے بیان فرماتا ہے۔

اس کی ناسخ آیات میں ابتداء جانب کفار کی ذرا لگی ہوتی ہے جیسا کہ انشاء اللہ تعالے ابھی ہم بتاتے ہیں اسواسطے یہہ آیت عام ہے اور وہ
خاص پس آپسمیں کوئی تعارض نہیں رہا - فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموہم پ۱۰ ع۷ کے معنے یہہ ہیں کہ پس تم ان مشرکوں کو جنکا اوپر ذکر ہو چکا ہے
یعنے جنہوں نے تم سے معاہدہ کرکے توڑ دئے ہیں اور تمپر حملے کرنے سے باز نہیں آتے) قتل کر ڈالو جہاں دیکھو پاؤ وہیں ذبح کر دو - پس دونوں آیتوں
کے معنے یہہ ہوئے کہ اگر کفار ان حرمت والے مہینوں کی حرمت توڑ کر ان میں سے کسی مہینے میں اور باقی کے کل مکانات وہیدانات چھوڑ کر خود مسجد
الحرام میں تمپر حملہ کریں تو پھر تمہارا قصور کوئی نہیں ہے تم بھی اُن سے انہیں مہینوں میں اور اسی مکان میں جنگ کرو اور ان کو انہیں مہینوں میں اور
اسی مکان کے اندر قتل کر ڈالو - اسی طرح فقاتلوا المشرکین کافۃ پ۱۰ ع۱۱ کے بھی یہی معنے ہیں کہ جس طرح وہ سب کے سب آپسمیں ایک جتھا قایم کرکے

تیر پھانسی کرکے آتے ہیں تم بھی کل قومیں اور کل فرقے سب کے سب ایک جتھا قائم کرکے ان سے لڑو۔ آپس میں کسی آیت کے معنوں میں کچھ بھی منافات نہیں ہے
اسی طرح وقتلوھم حیث ثقفتموھم الایہ پ۲ ع کے پہلے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اے مسلمانو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جہاد کرو جو تم سے کرتے ہیں
اور تم زیادتی نہ کربیٹھنا کیونکہ اللہ تعالےٰ ایسے لوگوں کو جو زیادتی کرتے ہیں نہیں چاہتا۔ اس میں صاف ممانعت ہے بارہ مہینوں میں سے کسی وقت میں بھی
پہل اور ابتدا کرکے کفار کے ساتھ جنگ وجدال کرنے سے خواہ وہ مہینہ حرام کا ہے خواہ کوئی دوسرا۔ اور آیت میں قتال کی ابتدا کی ممانعت ہے نہ کہ دعوت
الی الحق کی ممانعت ہے مگر بعض دفعہ دعوت الی الحق منجرالی القتال ہوجاتی ہے لہٰذا دوسری صورت میں وہ دعوت اور تبلیغ بھی قتال کے حکم میں ہوجاتی ہے
اسواسطے ایسی دعوت اور تبلیغ بھی اشہر حرم میں ممنوع ہے کیونکہ اسکا نتیجہ قتال ہوگا جس کی ابتدا مسلمانوں سے ہوتی ہے اور یہہ حرام ہے۔ مثلاً رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم مطابق حکم ربانی یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک الایہ کل قوموں کی تبلیغ بنفس نفیس خود اور بواسطہ صحابہ کرام رضہ کرتے کرتے تھے اور
کفار کو فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کا دین یہہ ہے اسکو قبول کرکے دوزخ سے بچ جاؤ۔ اگر لوگ قبول کرلیتے تو بس اسی پر کفایت فرماتے اور فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ چونکہ
اسلام جیسے دین کو قبول نہیں کرتے اسواسطے ضروری ہے کہ اسلام میں تم کسی قسم کی مزاحمت اور کسی قسم کا تعارض نہ کرسکو اسواسطے لابد ہے کہ تم جزیہ قبول
کرلو یعنے ہماری رعیت ہوکر رہو اور مغلوب ومقہور رہو۔ اگر وہ قبول کرلیتے تو فبہا ورنہ پھر فرماتے کہ اچھا اب ہم میں اور تم میں تلوار فیصلہ ہے۔ تو غرض یہہ ہے
کہ اشہر حرم میں کفار کو اس قسم کی تبلیغ بھی کرنی جایز نہیں ہے۔ جسکا نتیجہ قتال نکلتا ہے اگرچہ یہہ کفار دنیا کے کسی براعظم میں کیوں نہ آباد ہوں کیونکہ جہاں
لڑائی شروع ہوگی وہیں کے مسلمانوں کا حج نصیب نہ ہوسکے گا اور اس سبب سے مسجد الحرام کی رونق میں فرق آویگا۔
پس خلاصہ یہہ ہے کہ مطلق قتال کی ابتدا مسلمانوں کو کسی مہینے میں بھی قیامت تک جایز نہیں ہے البتہ کل دنیا کو تبلیغ ودعوت کرنا ان کا فرض اصلی ہے اور
اسی کام کے واسطے یہہ امت مرحومہ پیدا کی گئی ہے اور اسی وجہ سے اسکو **امتہ وسطہ خیر امتہ** اور **آمرہ بالمعروف** اور **ناھیہ عن المنکر** اور
مومنہ باللہ کے خطاب دیئے گئے ہیں اور اگر اس دعوت اور تبلیغ کی وجہ سے کفار مسلمانوں کو تنگ کرنا اور ان کو قتل کرنا اور ان کے مذہبی شعائر میں اعتراض
کرنے لگیں تو اسوقت بشرط حصول شروط جہاد جہاد فرض ہوجاتا ہے مگر اس قسم کی دعوت جو منجرالی القتال ہو اشہر حرم میں کسی جگہ بھی اور کسی ملک میں بھی کسی مسلمان
کو جایز نہیں ہے۔ ہاں اگر کسی ملک میں کسی قوم مسلمانان پر خود بخود کفار ابتداً حملہ کردیں تو پھر خواہ اشہر حرم ہی کیوں نہ ہوں اور مسجد الحرام ہی کیوں نہ ہو کفار
کے ساتھہ لڑنا اور ان کو قتل کرنا اگرچہ خود بیت اللہ شریف کے اندر ہی کیوں نہ ہو جایز اور درست ہے اور قیامت تک جایز ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وسلم نے فتح مکہ میں خود ابن خطل جو اشقیا کعبہ کو پکڑے تھا گو یا کعبہ کا پناہ گزین تھا قتل کروایا (بخاری کتاب المغازی باب این رکز النبی الرایہ یوم الفتح) چونکہ
یہہ آیات سب اپنے اپنے محل پر چسپاں ہیں اسواسطے ان کے مفاد اور معانی اپنے اپنے موقعہ اور اپنی اپنی حالت پر قیامت تک جاری اور معمول بہ ہیں۔ اور
آپس میں ایک دوسری کی مؤید مطابق۔ موافق اور متشابہ اور مصدق ہیں بلکہ جملہ آیات قرآنی من اولہ الی آخرہ آپس میں اخوات یعنی بہائی ہیں۔ چنانچہ اشہر حرم اور مسجد
حرام دونوں میں اس شرط پر قتال کرنے کو اللہ تعالےٰ ان آیتوں میں جایز فرماتا ہے کہ جب کفار ان میں تم سے پہلے چھیڑ چھاڑ کریں۔ کما قال اللہ تعالےٰ۔
الشہر الحرام بالشہر الحرام والحرمات قصاص پ۲ ع یعنے ادب وحرمت والے مہینے ادب وحرمت والے مہینوں کا بدلہ ہیں یعنے اگر کفار ان میں تم سے لڑکر
ان مہینوں کی حرمت کو توڑیں تو اس ہتک حرمت کا بدلہ یہی ہے کہ تم بھی انہیں مہینوں میں ان کی خوب خبر لو۔ اور کلیہ قاعدہ یہہ ہے کہ جملہ اقسام کی حرمتوں کا
اس حرمت کے مطابق پورا پورا بدلہ ہے "۔ اس آیت میں اشہر حرم میں قتال کرنا اس صورت میں جایز رکھا گیا ہے جس صورت میں کفار ان مہینوں میں مقابلہ
کریں۔ دوسری آیت یہہ ہے ولا تقاتلوھم عند المسجد الحرام حتی یقاتلوکم فیہ فان قاتلوکم فاقتلوھم الایہ پ۲ ع یعنی کفار کے ساتھہ تم خود بخود مسجد حرام کے
آس پاس جنگ نہ چھیڑنا تاوقتیکہ وہ خود اس جگہ تم سے لڑائی نہ ٹھان بیٹھیں سو اگر وہ تم سے مقابلہ کریں تو ان کو قتل کرڈالو۔
غرضکہ اصل مسئلہ یہی ہے کہ ہماری طرف سے اشہر حرم اور مسجد حرام میں ابتداً کفار کے ساتھہ مقابلہ کرنا درست نہیں ہے۔ ہاں اگر کفار ایسا کر بیٹھیں تو پھر ہم کو دفعیہ
کرنا ضروری ہے۔ (۸) وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ (پ۳ ع) کو بھی لوگ منسوخ خیال کرتے ہیں اس آیت کے معنے یہہ
ہیں "اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسکو تم ظاہر کرو تو اور چھپا رکھو تو دونوں صورتوں میں اللہ تعالےٰ تم سے اس کا حساب لے گا"۔ کہتے ہیں کہ اس
کی ناسخ یہہ اگلی آیت ہے لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا پ۳ ع یعنے اللہ تعالےٰ کسی شخص پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اسی قدر جسکی برداشت کی اس میں
طاقت ہو۔ یہہ خیال بھی محض وہم خطا ہے اصل بات یہہ ہے کہ یحاسبکم بہ اللہ تو جملہ خبریہ ہے اور خبر میں نسخ محال ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالےٰ
صادق الوعد صادق القول پر کذب لازم آتا ہے۔ پس اس خبر کی نسخ محال ہے البتہ ما فی انفسکم عام ہے اور اس میں ایسے ایسے عام خطورات اور خیالات

جنپر انسان کا قابو نہیں ہوتا اور نہیں ہو سکتا بھی داخل ہیں اللہ تعالے نے اسی تعمیم کی تخصیص آیت لا یکلف اللہ الا یہ میں کر دی اور فرمایا کہ مافی انفسکم سے مراد فقط وہی باتیں ہیں جن کی تعمیل کی برداشت تم میں موجود ہے اور نہ کہ وہ باتیں بھی جن کی طاقت تم میں نہیں ہے۔ پس دونو آیتوں میں فقط عام و خاص کا فرق ہے اور بس اور جملہ آیات قرآنیہ کی طرح یہہ دونو آیتیں بھی آپسمیں ایک دوسری کے مطابق و موافق اور مصدق اور موید ہیں نہ کہ مخالف۔

(۹) یا یہا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ پ۴ ع ۲ کو بھی منسوخ سمجھتے ہیں اسکے معنے یہہ ہیں کہ اے مسلمانو ایمان والو اللہ تعالے کے احکام کی مخالفت سے بچتے رہو جس طرح اسکو احکام کی مخالفت سے بچنے کا حق ہے"۔ کہتے ہیں کہ چونکہ خدا کے عذابوں سے بچنے کے حق کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور بشر کی طاقت سے باہر ہے کہ جس طرح بچنے کا حق ہے اسی طرح بچا جاوے اسواسطے اللہ تعالے اس حکم کو منسوخ کرکے فرماتا ہے فاتقوا اللہ ما استطعتم پ۲۸ ع ۱۶۔ "یعنے جہانتک تم سے ہوسکے اللہ تعالے کے احکام کی مخالفت سے بچتے رہو"۔ یہاں بھی فقط نسخ کا وہم ہی وہم ہے۔ اصل بات یہہ ہے کہ یہہ دونو آیتیں آپس میں ایک دوسری کی موید اور مترادف ہیں۔ کیونکہ پہلی آیت کے شروع میں اللہ تعالے فرماتا ہے ومن یعتصم باللہ فقد ھدی الی صراط مستقیم پ۴ ع ۲ یعنے جو کوئی اللہ کی کتاب کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہے بیشک اسکو سیدھے رستے پر قائم اور ثابت رکھا گیا ہے"۔ پس حق تقاتہ کے معنے ہوئے اعتصام بالکتب والسنۃ۔ پس آیت کے معنے سیاق کلام سے یہہ ہوئے "اے ایمان والو اللہ تعالے کے احکام کی مخالفت سے بچتے رہو اور وہ بچنا فقط کتاب و سنت کے موافق ایمان رکھنا اور انہیں کے مطابق عمل کرنا ہے۔ پس جب کتاب کو دیکھا تو اس میں یہہ اصول نکل پڑا یعنے لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا اور سنت میں جو کتاب الٰہی کی تفسیر و تبین و تفصیل ہے ہر امر کی تفصیل موجود ہے۔ پس اس آیت کے معنے وہی ہوئے جو دوسری جگہ فاتقوا اللہ ما استطعتم کے ہیں۔ پس دونو آیتوں میں کچھ بھی تعارض نہیں ہے بلکہ کمال درجے کا اتحاد و ارتباط اور موافق و مطابق ہے۔ اسی طرح وجاھدوا فی اللہ حق جھادہ پ۱۷ ع ۱۰ کے بھی یہی معنے ہیں کہ جس جس قسم کے آدمی کو اس کی اپنی حالت کے موافق اللہ تعالے نے جہاد کرنے کا حکم دیا ہوا ہے وہ وہ لوگ اپنی اپنی حالت کے موافق جہاد کریں۔

(۱۰) والذین عقدت ایمانکم فاتوھم نصیبھم الا یہ پ۵ ع ۲ کو بھی منسوخ خیال کرتے ہیں اس کے معنے یہہ ہیں "جن لوگوں کے ساتھ تم نے اخوت اور برادری کا قول قرار کیا ہے ان کو بھی ان کے حصے دیتے رہا کرو"۔ اور اس کی ناسخ آیت یہہ بیان کی جاتی ہے واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ (پ۱۰ ع ۵) اور رشتہ داران اللہ کی کتاب میں آپسمیں ایک دوسرے کے حقدار ہیں (نہ کہ غیر رشتہ دار لوگ) اور وجہ نسخ کی یہہ بیان کی جاتی ہے کہ پہلی آیت میں حکم ہے کہ غیر رشتہ داروں کو بھی جنکو تم اپنا دینی بھائی بنا بیٹھے ہو وراثت کے مال میں سے ان کے مقررہ حصے دیا کرو اور اس آیت میں اسکے الٹ یہہ حکم دیا گیا ہے کہ رشتہ داران ہی آپسمیں ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں پس رشتہ داروں کے سوائے کسی اور کو وراثت کا مال نہ دیا کرو۔ پس پہلی آیت منسوخ ہوگئی ہے اور یہہ دوسری آیت اس کی ناسخ ہے۔ یہہ بھی فقط وہم و خطا کا نتیجہ ہے اور بس۔ دونو آیتیں آپسمیں نہائت ہی پرلے درجہ کا اتحاد و ارتباط و تطابق و توافق رکھتی ہیں کسی طرح بھی ان دونو میں کچھ مغایرت نہیں ہے اصل بات یہہ ہے کہ واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فے کتاب اللہ الا یہ کے قبل اللہ تعالے یہہ بیان فرماتا ہے۔ ان الذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا .... الی آخر رکوع پ۱۰ ع ۶

"یعنے جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا کی راہ میں اپنے مال و جان کے ساتھ انہوں نے جہاد کئے اور وہ لوگ جنہوں نے ان مہاجرین کو جگہ دیں اور ان" "کی مدد کیں پس یہی لوگ یعنے مہاجرین اور انصار آپسمیں ایک دوسرے کے والی وارث ہیں اگو ان میں نسبتی رشتہ کچھ بھی نہیں ہے فقط اسلامی رشتہ" "ہی ہے اور بس) اور جو لوگ ایمان تو لے آئے پر انہوں نے ہجرت نہیں کی تو لسے مہاجر مسلمانو تم کو ان کی وراثت سے کچھ بھی تعلق واسطہ نہیں ہے" "تا وقتیکہ وہ بھی (تمہاری طرح) ہجرت کرکے تم سے آملیں اور اگر کبھی وہ مومنین غیر مہاجرین دین کے معاملے میں تم سے مدد کے طالب ہوں تو پھر تم پر ان کی مدد" "کرنا واجب ہے مگر یاد رکھو کہ اس قوم کے مقابلے میں ان کی مدد کرنا جایز نہیں ہے کہ تم میں اور اُس قوم میں معاہدہ ہو چکا ہو اور اللہ تعالے تو جو کچھ بھی تم کرتے" "ہو اس کو دیکھتا رہتا ہے اور وہ لوگ جو ایمان قبول نہیں کرتے وہ سب کے سب آپسمیں ایک دوسرے کے والی وارث ہیں (اگرچہ تم مسلمانوں کے وہ" "سگے بھائی بہین اور ماں باپ ہی کیوں نہ ہوں) اگر ایسا نہ کروگے تو اس سرزمین میں فتنہ عظیم اور فساد کبیر پھیل جاوے گا (کیونکہ پھر سلسلہ اسلام" "ٹوٹ جاویگا) اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ تعالے کی راہ میں جہاد کئے اور وہ لوگ جنہوں نے مہاجرین کو جگہ دیں اور ان کی" "مدد یں کیں یہہ سب کے سب سچے مومن ہیں ان کے لئے بخشش اور رزق کریم ہے۔ اور وہ لوگ جو پہلے مہاجرین کے بعد ایمان لاتے اور پہلے" "مہاجرین کی طرح ہجرت کی اور تم سے ملکر کفار کے ساتھ جہاد کئے پس یہہ پچھلے بھی تم میں ہی کے ہو جاتے ہیں اور (اس حالت میں جب مہاجرین اور ان"

"انصار آپس میں علاوہ رشتہ اسلامی کے رشتہ ان سے بھی رکھنے لگیں یعنے انصار کے اپنے اپنے رشتہ دار بھی موجود ہوں۔ اسی طرح مہاجرین کے بھی اپنے اپنے رشتہ دار موجود ہوں تو پھر اسلامی اخوت اور دینی رشتہ کی نسبت رشتہ نسبی اولی اور احق ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں رشتہ دار ہی آپس میں ایک دوسرے کے وارث مقرر ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر شئی کو اور ہر شئی کی علتوں اور حکمتوں کو خوب جانتا ہے"

ان آیات میں میراث کے متعلق چار صورتیں ہیں (۱) مومن مہاجرین اور انصار کا آپس میں ایک دوسرے کا والی وارث بننا اس شرط کے ساتھ کہ ان کے اپنے اپنے رشتہ داران وارثان موجود نہ ہوں اور اگر ہوں تو کافر ہوں (۲) مومنین غیر مہاجرین کے ولایت وراثت کے والی وارث نہ مہاجرین ہیں نہ انصار اسی طرح اسکے عکس (۳) کفار آپس میں ایک دوسرے کے والی وارث ہیں یعنے کفر و اسلام میں باہمی کسی قسم کا تعلق نہیں ہے (۴) مومنین مہاجرین کے رشتہ داران بھی پیچھے مسلمان ہو کر ہجرت کر جاویں اور پہلے مہاجرین کی طرح مجاہد فی سبیل اللہ جاویں یا انصار کے اپنے مومن رشتہ داروں سے موجود ہوں تو اس صورت میں نسبتی رشتہ دار اسلامی احق اور اولی ہے محض رشتہ اسلامی غیر نسبتی سے۔

اور واضح رہے کہ یہاں اولوا الارحام سے مراد وہ اصطلاحی اولوا الارحام مراد نہیں ہیں جو فرائض کی کتابوں میں بمقابلہ ذوی الفرائض وعصبات کے بیان کئے جاتے ہیں بلکہ یہاں جملہ ذوی الفرائض اور جملہ عصبات مراد ہیں جنکا بیان اللہ تعالیٰ نے رکوع میراث یوصیکم اللہ فی اولادکم (الی آخر رکوع) میں بیان فرمایا ہے۔ کیونکہ اگر وہ اصطلاحی معنے مراد لئے جاویں تو پھر سارا رکوع یوصیکم اللہ معاذ اللہ بالکل بیکار ہو جاویگا۔ خیر قصہ کوتاہ اصل بات یہ ہے کہ اس آیت واولوا الارحام بعضہم اولی ببعض فی کتاب اللہ میں اللہ تعالیٰ نے فقط یہہ بیان فرماتا ہے کہ جہاں اسلامی موالات ومواخات اور بھائی بندی موجود ہو اگر اصلی مومن رشتہ داروں وارثان ذوی الفرائض والعصبات بھی موجود ہوں تو اس صورت میں یہہ رشتہ داران حقدار ولایت ووراثت ہیں نہ کہ مولی الیمین اور مولی المؤاخات وغیرہ وغیرہ ہاں اگر یہہ رشتہ داران بالکل موجود نہوں اور فقط مولی الیمین اور مولی الموالاۃ ہی موجود ہوں تو اس صورت میں حقدار وراثت وولایت فقط یہی لوگ ہوں گے اور بس۔ مگر پھر بھی یاد رہے کہ اگرچہ ایسے مولی الیمین اور دینی بھائی نسبتی رشتہ داران نہیں ہوتے مگر پھر بھی ان کا حق اتنا ہے کہ ان لوگوں کی مدد کی جاوے اُن کی خیر خواہی کی جاوے اور اگر ہو سکے تو بموجب آیات وصیت ان کے حق میں وصیت کی جاوے ان کو کھانا اور جو بیان سے اپنے کو دیئے جاویں غرضکہ ہر طرح سے ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جاوے جیسا کہ انصار نے مہاجرین کے ساتھ کیا اور جس کی شہادت جابجا قرآن مجید میں موجود ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ یہانتک ان انصار کی تعریف بیان فرماتا ہے والذین تبوؤ الدار... ویؤثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصۃ پ ۲۸ کہ وہ مہاجرین کی خاطر آپ تکلیف اٹھا لیتے ہیں مگر ان کو تکلیف نہیں پہونچنے دیتے وغیرہ وغیرہ یہہ ساری باتیں زندگی انصار میں بھی اور اُن کی موت کے بعد بھی ہمیشہ قیامت تک ان آیات کے رو سے مکتوب ومفروض رہینگی۔ انہیں باتوں کو اللہ تعالیٰ نے والذین عقدت ایمانکم فاتوہم نصیبہم میں لفظ نصیب سے تعبیر فرمایا ہے۔ کیونکہ اس سے اوپر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے للرجال نصیب الایہ یعنے مردوں اور عورتوں سب کے لئے ان کے اپنے اپنے حصے مقرر ہیں پھر اس کے بعد فرمایا ہے ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون یعنے ماں باپ اور دیگر رشتہ داران جو کچھ چھوڑ مریں اُسکے حقدار وارث ہم نے مقرر کر دیئے ہیں۔ پس صاف ثابت ہو گیا کہ والذین عقدت ایمانکم الایہ کو وراثت سے کچھ تعلق نہیں ہے بلکہ ان کا حکم اوڑ ہی ہے اور ان کا نصیب ہی اور ہے اور وہ اوپر بہ بسط تمام بیان ہو چکا ہے۔ پس ان دونو آیتوں میں کسی قسم کا تعارض وتناقض نہیں ہے بلکہ قرآن مجید کی باقی آیات کی طرح یہہ بھی آپس میں ایک دوسرے کی مصدق اور موید ہیں۔ والحمد علی ذلک۔

یہاں لفظ نصیب کو وراثت کے ساتھ کچھ تعلق نہیں ہے بلکہ اس سے مراد فقط وہی باتیں ہیں جو اوپر قرآن مجید کے رو سے ذکر ہو چکی ہیں یعنے ان کو جگہیں دینا اور ان کی مدد دیں کرنا وغیرہ وغیرہ اور یہہ مدد عام ہے اور ایسی مدد سے وراثت کو کچھ نقصان نہیں پہونچتا وراثت کا مال فقط وہ ہوتا ہے جو میت کے ترکہ میں سے اُس کے قرضے اور اس کی وصیت وغیرہ ادا اور جاری کرنے کے بعد مال رہ جاتا ہے۔ البتہ اس مال میں سے سوا اسکے ایک خاص صورت ہے جسکو اللہ تعالیٰ اس آیت میں بیان فرماتا ہے کسی غیر حقدار کو کچھ دینا نہیں چاہئے اور اگر غور کر کے دیکھو گے تو وہ بھی فقط مروت اور ہمدردی کے باب سے ہے اور وہ وراثت پر چنداں موثر نہیں ہے بلکہ جملہ ورثہ کے مال میں سے ایک قسم کا صدقہ بطور شکریہ ادا کیا جاتا ہے آیت یہہ ہے واذا حضر القسمۃ اولوا القربی الایہ پ ۴ ع ۱۲ یعنے اگر بوقت تقسیم ترکہ ازاں کے رشتہ داران اور یتیم اور مساکین پاس آ کھڑے ہوں تو اس مشترکہ ترکہ میں سے کچھ تھوڑا سا اُن کو بھی دیدو۔

(۱۱) واذا حضر القسمۃ اولوا القربی پ ۴ ع ۱۲۔ کو بھی بعض منسوخ کہتے ہیں اور بعض محکم غیر منسوخ۔ پھر بعض اس کے حکم کو وجوب پر اور بعض ندب پر

عمل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فقط لوگوں کے تساہل اور تکاسل کا نتیجہ ہے کہ یہہ آیت منسوخ سمجھی گئی ہے ورنہ کوئی منسوخ نہیں ہے اس آیت کا اوپر
بمنا میں ذکر ہوچکا ہے حقیقت یہہ ہے کہ خدا تعالے کے اس حکم کو ویسا ہی مفروض و مکتوب سمجھنا اور اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے جیسا کہ
نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا ۔ صرف حسن سلوک اور دلجوئی اور مواسات اور ہدایات اس سے مقصود ہے کچھ تھوڑا سا ان کو بھی دیدیا جس سے اُن
کے دل خوش ہو جاویں کیونکہ اللہ تعالے فقط اتنا ہی فرماتا ہے۔ فارزقوھم منہ یعنے اُس متروکہ مال میں سے کچھ تھوڑا سا اُن کو بھی دیدو مثلاً ایک
پیسہ ہی سہی ۔ ایک وقت کا کھانا ہی سہی غرضکہ جیسا مناسب سمجھا جاوے ۔

(۱۲) واللتی یاتین الفاحشۃ من نسائکم . . . . الی قولہ توابا رحیما پ ۴ ع ۱۔ بعض ان دونو آیتوں کو بھی منسوخ کہتے ہیں معنی ان دونو
آیتوں کے یہہ ہیں " تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں (الفاحشۃ) **کوئی بھی فعل قبیح** کر بیٹھیں تو پھر ان کے مقابلہ میں اس الزام کے ثابت
کرنے کے واسطے اپنے میں سے چار کی گواہی لو ۔ پھر اگر وہ اپنی شہادتسے اس الزام کو صحیح ثابت کر دیں تو پھر ان عورتوں کو اپنے گھروں میں
بند کر رکھو یہانتک کہ طبعی موت اُن کو آ مارے یا طبعی موتکے آنے سے پہلے پہلے اللہ تعالے ان کے لئے کوئی رستہ نکالے ۔ اور جو دو مرد
تم میں سے (الفاحشۃ) کوئی بھی فعل قبیح کر بیٹھیں تو اُن کو ایذا ء پہونچاؤ ۔ پس اگر یہہ دونو توبہ کریں اور اپنی حالت بد کی اصلاح کر لیں تو پھر ان کو چھوڑ
دو اور کچھ مت کہو ۔ بیشک اللہ تعالے رجوع برحمت کرتا ہے ۔ اُن لوگوں پر جو اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور علاوہ بریں اُنپر اپنی مہربانی بھی
کرتا ہے " کہتے ہیں کہ پہلے شریعت محمدی میں زنا کی سزا فقط یہی تھی کہ عورت کو بطور سزا اپنے گھروں کی حوالات میں عمر بھر قید کر دیا کرتے تھے (اس
قسم کے کہنے والے یہہ نہیں بتاتے کہ عورت کی تو مثلاً یہہ سزا ہوئی جس مرد کے ساتھ ایسی عورت زنا کرتی تھی اس کو کیا سزا ہوا کرتی تھی ۔) پیچھے اللہ تعالے
نے عورتوں کے لئے یہہ سبیل نکالا کہ اُن کے لئے حد مقرر کر دی ۔ کما قال اللہ تعالے ۔ الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ پ ۱۸ ع ۶
یعنے زانیہ مرد اور زانیہ عورت میں سے ہر ایک کو سو سو دُرّے مارو ۔ بعض کہتے ہیں کہ اس آیت کی ناسخ وہ حدیث ہے جو عبادہ بن صامت رض سے
مروی ہے ۔ خذوا عنی خذوا عنی الحدیث (مشکوٰۃ کتاب الحدود الفصل الاول) جسکا مطلب یہہ ہے کہ تم مجھ سے مسئلہ سیکھو کنوارے مرد
اور کنواری عورتیں جو زنا کر بیٹھیں تو ان میں سے ہر ایک کو سو سو دُرّہ مارا جاوے اور بیاہے ہوئے مرد اور بیاہی ہوئی عورتیں اگر ایسا کر بیٹھیں تو اُن میں
سے ہر ایک رجم کیا جاوے (رواہ مسلم) ۔ اصل بات یہہ ہے کہ اللہ تعالے کی کتاب کی کل آیات اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کل احادیث
سب کی سب آپس میں ایک دوسری کی مفسر و مبین و مؤید اور ایک دوسری کی مصدق اور موافق اور مطابق ہیں فقط اپنی غلط فہمیوں یا عدم تدبر کے
سبب سے اُن میں کچھ اختلاف نظر آتا ہے

پہلے ہم صفحات ۸۷ لغایت ۹۰ تفسیر ہذا میں مفصل ذکر کر چکے ہیں کہ قرآن مجید میں کنوارے مرد اور کنواری عورت کے زنا اور بیاہے ہوئے مرد اور
بیاہی ہوئی عورت کے زنا اور لواطت کی سزائیں موجود ہیں ۔ ان صفحوں کو پہلے پڑھ لو اُن کے پڑھنے سے تم کو معلوم ہو گیا ہے کہ کنوارے زانی اور زانیہ کی
سزا سو دُرّے ہیں اور کنوارے مرد زانی کے لئے ایک سال کی جلا وطنی بھی ۔ اور بیاہی ہوئے زانی اور زانیہ کی سزا فقط رجم ہے اور لواطت کی سزا
پھانسی پر چڑھا کر رجم کرنا ہے ۔ پس جب دوسری آیات میں صاف طور پر سزا لئے زنا و لواطت موجود ہے تو اب صاف معلوم ہو گیا کہ ان دونو آیتوں
میں جنکو لوگ منسوخ سمجھ رہے ہیں لفظ الفاحشۃ سے مراد ہرگز ہرگز نفس جرم زنا و نفس جرم لواطت نہیں ہے بلکہ الفاحشۃ سے مراد ہے وہ تمام
جرائم جو زنا اور لواطت کے ارتکاب تک نہیں پہونچتے بلکہ فقط ان کے دواعی ہوتے ہیں ۔ فاحشۃ کہتے ہیں فعل قبیح کو اور آل جنس کے لئے ہے ۔
پس زنا اور زنا کے جملہ لوازمات اور متعلقات اور دواعی بھی فاحشۃ میں داخل ہیں ۔ مگر چونکہ دیگر آیات میں زنا کا حکم الگ بیان ہوچکا ہے اسواسطے
ان آیتوں میں زنا مستثنی ہو جاویگا اور فقط اس کے دواعی اور متعلقات پیچھے رہ جاوینگے ۔ اسی واسطے ہم نے الفاحشۃ کا ترجمہ فقط دواعی زنا کیا
ہے نہ کہ زنا ۔ مثلاً بیگانے مردوں کے ساتھ بدکاری کی باتیں کرنا کسی خالی جگہ میں دو اجنبی مرد و عورت کو دیکھ پانا ۔ یا ان کی حرکات و سکنات و
اشارات و کنایات سے کچھ سمجھ جانا ۔ جس سے مظنہ پڑتا ہو کہ شاید یہہ عورت بدکار ہے ۔ اسی طرح دو مردوں کا یعنے دو لڑکوں کا یا ایک مرد اور
ایک لڑکے کا آپس میں کچھ اس قسم کی باتیں کرنا یا اس قسم کی حرکات و سکنات کرنے کہ جس سے اُن کی لواطت بدکاری کا اشتباہ پڑتا ہو ۔ پس
جب اس قسم کے مظان ہوں تو ایسی صورت میں قیامت تک یہہ حکم خداوندی جاری و ساری اور معمول بہ ہے کہ ایسی عورتوں کو تم اپنے
گھروں سے نکلنے ہی نہ دو اُن کو اپنے گھر کے کام دھندوں میں اس طرح پر مصروف کر دو کہ نہ کہیں آنا جانا ہو سکے اور نہ کسی کو دیکھ سکیں ۔ اور

دیکھتے رہو کہ اب وہ مظنہ دور ہوگیا ہے یا نہیں اگر ان کی موت تک یہہ مظنہ دور نہیں ہوا تو موت تک اُن کو بند کر رکھو ورنہ جب تک بند رہنے کی مدت جب رہ سکیں - اور او یجعل اللہ لھن سبیلا کے معنے یہہ ہیں کہ یا اُس وقت تک اُن کو ایسی حالت بند میں رکھو کہ جب تک اللہ تعالے اُن کے لیئے کوئی رستہ نکالے یعنی یا تو کوئی ایسی مصالحت باہم ہو جاویگی کہ وہ عورت اپنے خاوند سے اور خاوند اُس سے خوش ہو جاوے گا اور عفیفانہ زندگی بسر ہونے لگی گی یا مثلاً دونو میاں بیوی میں نفاق و شقاق بڑھتا گیا حتی کہ اُن میں تفریق ہو جاویگی - پہر وہ دوسری جگہ جا کر خاوند کرلے گی یا جو پہلے اشتباہ تھا وہ فی الحقیقت یقین ہو جاوے یا کسی وقت جا کر اُس عورت کا زنا ثابت ہو جاوے تو اُس وقت اُن کا سبیل جو خدا تعالے نے نکالا ہوا ہے یہہ ہے کہ سو دُرّے ماری جاویگی یا رجم کی جاویگی جیسے کہ صورت ہوگی اور اگر کوئی کنواری یا بیوہ عورت ہے تو اُس کے لیئے بھی ایسا ہی طریقہ اور رستہ نکل سکتا ہے مثلاً اُس کا نکاح ہوگیا یا وہ بچی دیندار بن گئی وغیرہ وغیرہ - اسی طرح دو مردوں کے لیئے جن کی نسبت لواطت و بدکاری کا شبہ پڑتا ہو مسلمانوں کو حکم ہے کہ تم اگر ایسے مردوں میں کوئی ایسا مظنہ بھی دیکھو یا ؤ تو اُن کو سخت سرزنش کرو اور اگر ضرورت ہو تو جسمانی سزا بھی دو اور تا وقتیکہ وہ توبہ نکریں اور اپنے افعال و حرکات و سکنات سے ثابت نکریں کہ ان میں اب وہ شبہہ اور مظنہ جاتا رہا ہے تب تک تم اپنی اس تعزیر کو نہ چھوڑو - پس ان دونو آیتوں میں عفت اور حیا و شرم اور ستر اور پردہ اور نہی عن المنکر کی سخت تاکید ہے نہ کہ لواطت اور زنا کی سزا کا ذکر ہے - پس یہہ آیتیں ہرگز منسوخ نہیں ہیں اور نہ کوئی حدیث اور نہ کوئی آیت ان دونوں کی ناسخ ہے - اور حدیث شریف مرقومہ صدر کے یہہ معنے ہیں کہ قرآن مجید میں کنوارے زانی اور زانیہ اور بیاہے ہوئے زانی اور زانیہ کی سزائیں سب کی سب موجود ہیں میں تم کو بتاتا ہوں تم سن رکھو اور ان کے مطابق عمل کرو اور زانیوں اور زانیات کا سبیل اور قانون یہی ہے کہ بیاہے رجم کئے جاویں جو بیاہے ہوئے نہ ہوں اُن کو فقط سو دُرّے مارے جاویں اور اگر مرد زانی کنوارا ہو تو اُس کو ایک سال کی جلاوطنی کی سزا بھی ساتھہ ہی دی جاوے - حدیث شریف کے یہہ معنے نہیں ہیں کہ قرآن مجید نے تو رستہ ابھی تک بتایا ہی نہیں مگر میں تم کو اپنی طرف سے بتاتا ہوں - معاذ اللہ منہ - ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اگر وہ کسی آیت میں یا حدیث میں یا دونوں میں کسی قسم کا تعارض دیکھے تو اُس کو دور کرے اور اس میں تطبیق اور جمع اور توفیق دینے کی کوشش کرے -

قرآن مجید میں ہے او یجعل اللہ لھن سبیلا - یعنے اللہ تعالے اُن عورتوں کے لیئے کوئی سبیل نکالے اور اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ سبیل کی اقسام بکثرت ہو سکتی ہیں حتی کہ زنا ثابت ہونے پر زنا کی سزا بھی سبیل الہی میں داخل ہے - حدیث مرقومۃ الصدر میں بھی عبارت یوں آئی ہے - خذ وا عنی خذ وا عنی قد جعل اللہ لھن سبیلا یعنی اے مسلمانو مجھہ سے زناکار عورتوں کا حکم سیکھو اللہ تعالے نے زناکار عورتوں کے لیئے ایک اعلی درجہ کا سبیل نکالا ہے یعنی یہہ کہ کنوارے مرد اور کنواری عورت کے جو زنا کریں اُن کی سزا سو سو دُرّے ہیں اور ایک سال کی جلاوطنی - اور بیاہے ہوئے مرد اور بیاہی عورت کی سزا اگر زنا کریں رجم ہے اور سو سو دُرّے ہیں + رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتکب زنا کا مسئلہ بیان فرمایا ہے اور لفظ وہی بولا ہے جو قرآن مجید میں بھی اسی موقعہ پر آیا ہے یہاں سبیل کا مورد خاص ہے یعنی سزائے زنا کیونکہ یہاں زانیوں کا ذکر ہے اور قرآن مجید میں سبیل کا مورد عام ہے کیونکہ وہاں زانیوں کا ذکر نہیں ہے بلکہ فقط اُن لوگوں کا ذکر ہے جنسے شہادت کے رو سے ارتکاب زنا ثابت نہیں ہوا - فقط مظنہ زنا کا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالے نے بھی لفظ سبیلا نکرہ بولا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لفظ سبیلا نکرہ بولا ہے - اگر یہہ سبیل نبوی وہی ہوتا جو قرآن مجید میں ہے تو یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کو نکرہ نہ بولتے بلکہ معرف باللام فرماتے اور عبارت یوں ہوتی قد جعل اللہ لھن السبیل یعنے جس راہ کا وعدہ اللہ تعالے نے قرآن مجید میں کیا ہے وہ راہ اب اللہ تعالے نے بتا دی ہے - جن لوگوں کو الفاحشہ کے لفظ کا ترجمہ الزنا کرنا پڑا ہے اُن کو لفظ مشارکت لفظی خدا وندی و نبوی سے دھوکا لگا ہے حالانکہ نحو کا عام قاعدہ ہے کہ اگر عبارت میں ایک ہی نکرہ دوبارہ آجاوے تو دوسرا نکرہ وہ نکرہ نہیں ہوتا جو پہلا نکرہ ہے بلکہ دونو الگ الگ مفہوم و مدلول رکھتے ہیں اور اگر دوسرے مذکور کو مذکور اول ہی بتانا مقصود ہو تو اس مذکور ثانی کو معرف باللام ضرور کرنا چاہیئے - پس اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکرہ خداوندی کے ہی مفہوم و مدلول کو بیان فرمانا تھا تو سبیل کے لفظ کو نکرہ نہ فرماتے بلکہ معرف یعنے السبیل کر کے بولتے - اس کے علاوہ حدیث میں صاف طور پر زنا کے ارتکاب کا ساتھہ ذکر ہے اور قرآن مجید میں فقط لفظ الفاحشہ آیا ہے جو عام ہے + حدیث شریف نے تو بلکہ قرآن مجید کی مختلف آیات کے احکام کو بطور خلاصہ صاف صاف بیان کر دیا ہے اور قرآن مجید کی آیات سے استنباط کر کے اُن مسئلوں کے نکالنے کی تکلیف سے آزاد کر دیا ہے - پس نہ تو یہہ آیت آیۃ رجم کی ناسخ ہے اور نہ حدیث شریف آیت کی ناسخ ہے - بلکہ احادیث نبوی اور آیات خداوندی سب کی سب آپس میں ایک دوسرے کی تبیین و تفصیل

تفسیر و تقویت تا ابد کرتی ہیں نہ کہ ایک دوسرے کا مخالف -

(۳۹) یا ایھا الذین آمنوا لا تحلوا شعائر اللہ .... و رضوانا - پ ۶ ع - یعنی اے ایمان والو نہ تو اللہ کے شعائر (مسجد الحرام وغیرہ) کی بے حرمتی کرو اور نہ ادب و حرمت والے مہینوں کی اور نہ ان قربانیوں کی جو حج کے لئے ساتھ لیجاتے ہیں اور نہ اُن جانوروں کی جو حج کی قربانیوں کے لئے ساتھ لے جاتے ہیں مگر اُن کے گلوں میں پٹے پڑے ہوئے ہوتے ہیں اور نہ اُن لوگوں کی بے توقیری کرو جو بیت اللہ شریف کی زیارت کے ارادے سے جا رہے ہوں جبکی حالت یہہ بتا رہی ہو کہ وہ اپنے رب کے فضل اور خوشنودی کی طلب میں لگے ہیں -

کہتے ہیں کہ اس آیت میں ایک تو یہہ نہی ہے کہ مسجد الحرام کی بے حرمتی نہ کرو دوسری نہی یہہ ہے کہ مشرکین کو حج سے نہ روکو - اب یہہ دونو ممانعتیں منسوخ ہوگئی ہیں پہلی نہی کی منسوخی کے لئے اللہ تعالے فرماتا ہے - فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم پ ۱۰ ع ۱ یعنی مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو - پس یہہ آیت ناسخ ہے - اسکا مفصل جواب پچھلے نمبر ۲ میں دیا جا چکا ہے - وہاں پڑہو - دوسری نہی کی منسوخی کے لئے یہہ آیت پیش کرتے ہیں - انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا پ ۱۰ ع ۱ - یعنی مشرک لوگ نرے گندے اور پلید ہیں پس اپنے اس برس کے بعد مسجد حرام کے نزدیک بھی نہ پھٹکنے پائیں وجہ نسخ کی یہہ بیان کی جاتی ہے کہ پہلے اللہ تعالے نے مومنوں کو منع کر دیا تھا کہ مشرکوں کو مسجد حرام میں حج کرنے وغیرہ وغیرہ سے نہ روکو اور اس آیت میں یہہ حکم دیا ہے کہ حج وغیرہ کرنا تو رہا دُور کنار اُن کو اس مسجد حرام کے پاس بھی پھٹکنے نہ دو - سو اسکا دو حرفی جواب یہہ ہے کہ پہلی آیت میں کسی اشارہ تک بھی مشرکین کا ذکر نہیں ہے خواہ مخواہ مشرکین کو مورد آیت کیوں بنایا جاوے - وہاں تو بلکہ خالص مخلص تھا ہر با ہر مومنین کا ذکر ہے لفظ یہہ ہیں - ولا آمین البیت الحرام الایہ یعنی اُن حاجیوں اور زایروں کی بے توقیری نہ کرو جو اس عزت و حرمت والے گھر کی زیارت کا قصد کر کے اس طرف کو آرہے ہوں او یاں کی حالت بتا رہی ہو کہ یہہ لوگ اپنے رب کے فضل اور اس کے فضل کی خوشنودی میں لگے ہیں - کیا اللہ تعالے مشرکین کی اس طرح پر تعریف کیا کرتا ہے - معاذ اللہ ثم معاذ اللہ - اگر کوئی کہے کہ چونکہ مشرکین اپنے زعم میں خدا کی خوشنودی اور اس کے فضل کے طلبگار ہوتے ہیں اسواسطے اللہ تعالے نے بھی انہیں کے مزعومہ فضل و رضوان کا ذکر فرماتا ہے تو یہہ اللہ تعالے کی کتاب کے بالکل الٹ ہے وہ کسی مومن کی بھی اپنی نفسانی اور ہوائی خوشنودی خدا کو خدا کی خوشنودی نہیں کہتا چہ جائیکہ کسی کافر مشرک کے مزعومہ رضوان و فضل کو بلا تردید بیان کر دے - غرضیکہ اس آیت میں اُن مسلمانوں کو جو سرزمین حرم میں متمکن ہوتے ہیں قیامت تک یہہ حکم دیتا ہے کہ غیر قوموں یا غیر ملکوں کے زایرین اور حجاج کو جنہیں تم نہیں جانتے پہچانتے مگر ان کے حالات خود شہادت دے رہے ہیں کہ وہ محض ابتغاء فضل و رضوان ربانی کے لئے اس طرف آرہے ہیں کسی قسم کا تعرض نہ کرو اُن کو کیا بلکہ اُن کے ساتھ کی قربانیوں اور قلایدوں کو بھی نظر احترام سے دیکھو - پس آیت میں مشرکین کا ذکر تک نہیں ہے ہاں دوسری آیت میں جسکو اس کی ناسخ کہا گیا ہے انہیں مردود و نجس مشرکین کا ذکر ہے اور اس آیت کی رو سے بیشک مشرکین کو مسجد الحرام میں داخل ہونے تک سے ممانعت ہے چہ جائیکہ وہاں وہ جا کر طواف و حج کر سکیں - چنانچہ اسی آیت کی رو سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پہلے ابو بکر صدیق رضا کو بعد میں اُن کے پیچھے پیچھے علی رضا کو سورۃ براءۃ کی پہلی آیات دیکر بھیجا اور حج میں چاروں طرف منادی کرا دی گئی کہ اس سال کے بعد اب کوئی مشرک اور کافر اس بیت اللہ شریف کا نہ تو حج ہی کرنے پاوے اور نہ طواف ہی کرے - ان دو آیتوں میں کسی قسم کا بھی تعارض نہیں ہے بلکہ آپس میں پرلے درجہ کی موافق اور مصدق ہیں - والحمد للہ علی ذالک ۔

(۴۰) فان جاؤک فاحکم بینھم او اعرض عنھم پ ۶ ع ۱۱ - اگر یہہ لوگ (غیر مسلم قومیں جیسے یہود و نصاری وغیرہ) تیرے پاس اپنا کوئی مقدمہ فیصلہ کرانے آویں تو تیرا اختیار ہے خواہ ان کا فیصلہ کر دے یا ان کے مقدمہ میں دخل ہی نہ دے اور یہہ بھی سمجھ رکھ کہ اگر تو ان کے مقدمہ میں دخل نہ دیگا تو تیرا کسی قسم کا نقصان بھی نہ کر سکیں گے ہاں اگر تو فیصلہ کرنا چاہے تو پھر پورے پورے انصاف کے ساتھ اُن کا فیصلہ کرنا کیونکہ اللہ تعالی انصاف کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے - کہتے ہیں کہ یہہ آیت منسوخ ہے کیونکہ اس میں فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے - اور اس کی ناسخ آیت یہہ ہے جس میں یہہ اختیار قطعاً چھین لیا گیا ہے - کما قال اللہ تعالے - ان احکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھواءھم پ ۶ ع ۱۱ یعنی تیری طرف یہہ حکم بھی آتا رہا ہے کہ تو ان غیر قوموں میں اُس حق کے مطابق فیصلہ کرے جو اللہ تعالے نے اتارا ہے اور ان کے اپنی نفسانی خواہشوں کے پیچھے نہ لگ جا ۔۔

اس آیت میں بھی وہی حکم ہے جو پہلی آیت میں ہے البتہ پہلی آیت کے وہ متعلق نہیں اُن میں سے دوسری شق کی تفصیل و تفسیر اس آیت میں موجود ہے پہلے وہاں یہہ حکم تھا کہ اگر تو فیصلہ کرے تو انصاف کے ساتھ کر لو - اس میں انصاف کی تفسیر کر دی ہے کہ وہ انصاف شریعت الٰہی کے

قوانین رواجی قرآنی نہ حاصل ہو سکتا ہے نہ کسی اور تجویز یا بندوبست سے - پس دونوں میں کسی قسم کا بھی تناقض نہیں ہے بلکہ پورا پورا ہی توافق ہے اور قیامت تک
مسلمانوں کو اختیار ہے کہ اگر غیر قوم کے لوگ اُس سے فیصلہ کرانا چاہیں تو اسوقت کی مصلحت و بینا سبت کے موافق اُن کا مقدمہ اپنے پاس رکھ لیں یا
الٹا کر کہدیں کہ تم خود اپنا فیصلہ آپ کر لو اور اگر ان کا مقدمہ رکھ لیں تو پھر قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کریں نہ کہ اُن کے اپنے رواج کے مطابق اور یہہ حکم
بڑی بڑی مصلحتوں پر مبنی ہے جو لوگ امور سلطنت کو جانتے ہیں اس حکم کو آب زر سے لکھینگے

(۱۵۱) یا ایہا الذین آمنوا شہادۃ بینکم اذا حضر احدکم الموت . . . . الی آخر رکوع پ۷ ع ۴ ان آیتوں کا مطلب جو متعلق تیامم ہے یہہ ہے
کہ اللہ تعالے مسلمانوں کو حکم کرتا ہے کہ سفر کرنے کرتے اگر تم کو موت آجاوے اور تم کو وصیت کرنی پڑجاوے اور ایسی حالت میں کوئی مسلمان موجود
نہ ہو تو تم کو جائز ہے کہ غیر قوموں میں سے دو شخصوں کو گواہ مقرر کر لو - لوگ کہتے ہیں غیر قوموں میں سے گواہوں کا مقرر کرنا اب منسوخ و موقوف ہو چکا ہوا
ہے کیونکہ دوسری جگہ اللہ تعالے فرماتا ہے واشہدوا ذوی عدل منکم پ۲۸ ع۱ - اور اپنے لوگوں میں سے دو عادل گواہ بنالو - وقال تعالے - واشہدوا
شہیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشہداء الآیہ پ۳ ع۷ یعنے اپنے لوگوں میں سے دو مرد جن کو تم پسند
کرتے ہو گواہ مقرر کر لیا کرو اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں - غور کر کے دیکھو کہ ان آیتوں میں کس جگہ تعارض ہے یہہ پہلی دونو آیتیں عام ہیں
کیا بلحاظ وقت کے اور کیا بلحاظ اشخاص کے اور کیا بلحاظ حالات کے - اور یہہ آیت خاص ہے اسمیں ضرب فی الارض یعنے سفر اور الوصیۃ
یعنے وصیت اور عدم موجودگی گواہان مسلمین کی قید لگائی ہوئی ہے اور عام و خاص میں کسی قسم کا تعارض نہیں ہوا کرتا - پس دونو آیتوں میں تناقض و تعارض نہیں
ہے بلکہ دونوں میں اتحاد و اتفاق بدرجہ غایت موجود ہے - پس دونوں قسم کی آیتوں سے مسئلہ یہہ نکلا کہ ہمکو ہر معاملہ میں مسلمانوں کو ہی گواہ
بنایا کرو حتی کہ مسلمان عورتوں تک - اگر مل سکیں تو وہی گواہ مقرر کر لیا کرو اور اگر مسلمین گواہ نہ مل سکیں اور گواہی کی ضرورت ہو تو اُسوقت غیر قوموں
میں سے بھی دو شخصوں کو مقرر کر لیا کرو - اور یہہ مسئلہ قیامت تک جاری ہے -

(۱۶۲) انفروا خفافا وثقالا وجاہدوا باموالکم وانفسکم الآیہ پ۱۰ ع۶ یعنے اے مسلمانو جنگ کے لئے نکل کھڑے ہو اگر و خواہ حکم ہونے کے
وقت تمہاری ایسی حالت ہو کہ جسمیں تم کو جہاد بالکل خفیف اور آسان نظر آتا ہو خواہ ایسی حالت ہو کہ جسمیں تم کو جہاد بالکل ثقیل اور بوجھل معلوم ہوتا ہو
اور اپنے مالوں اور جانوں سے خدا کی راہ میں جہاد کیا کرو کہتے ہیں کہ یہہ آیت بھی منسوخ ہے کیونکہ اس میں سب قسم کے لوگوں کو خواہ بچے ہوں خواہ
عورتیں خواہ اندھے خواہ لنگڑے خواہ بیمار خواہ تندرست سب کے سب شامل ہیں اور دوسری جگہ اللہ تعالے فرماتا ہے لیس علی الاعمی حرج الآیہ
پ۲۶ ع۹ یعنے نہ تو اندھوں اور ان کی جنس کے لوگوں کو اور نہ لنگڑوں اور ان کی جنس کے لوگوں اور نہ کسی قسم کی بیماری والوں کو گناہ ہے کہ اگر وہ شریک
جنگ نہ ہوویں اور دوسری جگہ اللہ تعالے فرماتا ہے لیس علی الضعفاء ولا علی المرضی پ۱۰ ع۱۸ یعنے ہر قسم کے ضعیفوں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ
کسی قسم کے بیماری والے پر کوئی گناہ ہے اگر وہ شریک جہاد نہ ہوویں - پس یہہ دونو آیتیں اس کی ناسخ ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہہ آیت ناسخ
ہے یعنے ما کان المومنون لینفروا کافۃ پ۱۱ ع۴ یعنے مسلمانوں کو یہہ مناسب اور جائز نہیں ہے کہ وہ سب کے سب اپنا گھر بار چھوڑ چھاڑ کر نکل
کھڑے ہوں یہاں وجہ نسخ کی یہہ بیان کی جاتی ہے کہ اس آیت میں بعض مومنین کو جہاد کرنے کا حکم ہے نہ کہ کل کو اور اس آیت منسوخ میں حکم تھا
کہ تم سب کے سب نکل کھڑے ہو خواہ کسی حالت میں ہوو - واضح رہے کہ کل آیات قرآنیہ آپسمیں اخوات عینیانی ہیں سر مو بھی آپسمیں ان میں تعارض
و تنافی نہیں ہے - اصل بات یہہ ہے کہ آیہ لیس علی الضعفاء الآیہ کے پہلے اللہ تعالے یہہ ذکر فرماتا ہے وجاء المعذرون من الاعراب . . .
. . . . . . عذاب الیم پ۱۰ ع۱۸ یعنے کچھ دیہاتی بہانہ باز بھی آئے کہ ان کو بھی جنگ سے پیچھے رہ جانے کی اجازت بخشی جاوے اور جنہوں
نے جھوٹا ایمان ظاہر کر کے خدا اور اس کے رسول کے سامنے جھوٹ بولا اور آپ جنگ سے پیچھے بیٹھ رہے اُن میں سے جو جو کافر ہے اُن کے
لئے سخت عذاب ہوگا - اب صاف ظاہر ہے کہ غیر معذور جہاد سے بلا عذر شرعی پیچھے ہٹ رہنے والوں کو ان آیتوں میں تنبیہ ہوئی ہے اس
کے بعد اللہ تعالے شرعی معذوروں کے حق میں فرماتا ہے کہ لیس علی الضعفاء الآیہ یعنے ایسے معذوروں پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر وہ جہاد میں
شریک نہ ہو سکیں - پس اس آیت نے صاف سے قرآن مجید کی عام آیات متعلق مجاہدین ہر قسم کی تخصیص کر دی اب انفروا خفافا وثقالا والی آیت
میں سے یہی جو معذورین مستثنے ہو گئے اور خود مفسر حقانی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا عمل انہیں آیات کے مطابق ہمیشہ یہہ رہا ہے کہ بعض
لوگوں کو کسی مصلحت سے پیچھے چھوڑ جاتے تھے اور کبھی کسی کو اور کبھی کسی کو بیمار بیٹھتے تھے - عورتیں - بچے - بوڑھے - اور ہر قسم کے معذورین جہاد

جہاد سے مستثنےٰ فرمایا کرتے تھے۔ پس پہلی آیت عام ہے اور یہہ خاص ہیں اور آپس میں متحد اور متفق ہیں نہ کہ متعارض ومخالف۔ اسی طرح آیہ ماکان المومنون لینفروا کافۃ پ ۱۱ ع ۴ کا محل کچھ اور ہے اور اس آیت کا محل کچھ اور۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حکم کرتا ہے کہ تم سب کے سب اپنے وطن چھوڑکر مدینہ منورہ میں ہی چھاونی نہیں ڈال لیا کرو بلکہ تم میں سے کچھ سمجھ وسوچ والے لوگ آیا کریں اور دین سیکھا کریں پھر سیکھ سکھا کر اپنے وطنوں میں جاکر اپنے بھائیوں کو سکھایا کریں کما قال اللہ تعالےٰ۔ فلولا نفر من کل فرقۃ الایہ پ ۱۱ ع ۴ اور اس آیت میں جسکو منسوخ کہا جاتا ہے خاص جہاد کا ذکر ہے۔ پس دونوں میں کچھ بھی تعارض نہیں ہے اور اگر کوئی شخص اس آیت سے اگلے حصہ کو نظر انداز کرے اور اس کو فقط اوپر کی آیات سے ملاوے حالانکہ اوپر کی آیات سے اسکا کچھ تعلق نہیں ہے اور کہے کہ نہیں یہہ آیت بھی مجاہدین کے لئے ہے کہ وہ سب کے سب جنگ کے لئے گھروں سے نہ نکل کھڑے ہوا کریں تو بھی یہہ آیت مخصص ہوگی یعنے جو جہاد کرنے کے قابل ہیں وہی نکلا کریں دوسرے نہ نکل کھڑے ہوا کریں۔ مگر یقیناً یاد رکھو کہ اس آیت کو بالکل جہاد سے کچھ تعلق نہیں ہے بلکہ فقط تفقہ فی الدین اور تعلیم قرآن کریم کے ساتھ تعلق ہے بہرحال یہہ آیت بھی متعارض ومخالف آیہ انفروا خفافاً الخ کے نہیں ہے بلکہ اس کی مقوی اور موید ہے۔ والحمد للہ علی ہذا۔

(۱۷) الزانی لاینکح الا زانیۃ الایہ پ ۱۸ ع ۷۔ یعنے جو مرد زنا کار ہوتے ہیں وہ نکاح کرتے ہیں تو یا تو ان عورتوں سے کرتے ہیں جو انہیں کی طرح پہلے ہی سے زناکار ہیں یا اُن سے جو پہلے ہی سے مشرک ہیں یا وہ بعد نکاح ایسی ہو جاتی ہیں اسی طرح اس کے عکس۔ اس آیت کا مطلب یہہ ہے کہ جو مرد زنا نہیں چھوڑتا اور زنا کی حالت ہی میں ہے وہ کسی عورت سے نکاح بھی کرتا ہے تو پھر وہ عورت جو ایسے زناکار مرد سے نکاح کرنے پر راضی ہوگئی ہو چار حال سے خالی نہیں ہے (۱) یا تو پہلے ہی سے فاسقہ اور زانیہ چلی آئی ہے اور مرد کی طرح زنا کی عادت پذیر ہوتی چلی آئی ہے (۲) پہلے ہی سے اپنے ہولئے نفس کو معبود بنائے ہوئے ہے یعنے اپنے زنا کو پہلے ہی سے حرام نہیں سمجھتی رہی۔ بلکہ اس حرام کو حلال طیب سمجھ کر اوس کا ارتکاب کرتی چلی آئی ہے۔ (۳) پہلے وہ عفیفہ۔ صالحہ۔ موحدہ تھی۔ مگر اُس کو خوب معلوم ہے کہ جس مرد کے ساتھ نکاح کرنے لگی ہے وہ مرد زناکار ہے اور زناکار مرد سے نکاح کرنا اُس کے لئے ایسا ہی حرام ہے جیسا کہ اسکو اپنے سگے بھائی اور باپ سے۔ کما قال اللہ تعالےٰ۔ وحرم ذٰلک علی المومنین۔ مگر باوجود اس کے پھر بھی وہ نکاح کر لیتی ہے اور اپنی شہوت کو کسی اور طریق شرعی سے بند نہیں کرتی تو بھی اب وہ عفیفہ۔ صالحہ یقیناً زانیہ بن گئی اور اگر وہ حرمت خداوندی کو حلال ہی سمجھ بیٹھی ہے (۴) یہہ کہ وہ مشرکہ ہوگئی۔ اسی طرح اسکے عکس مرد کی چار صورتیں ہیں۔ ہاں اگر کوئی مرد پہلے زانی رہا ہو اور پیچھے تائب ہوچکا ہو تو توبہ کرنے کے بعد پھر وہ زانی نہیں کہلاتا اسی طرح عورت زانیہ کا حال ہے کہ توبہ کے بعد وہ زانیہ نہیں کہلاتی بلکہ پاک ہو جاتی ہے اسی طرح کے تائب زانی اگر کسی تائب زانیہ سے یا کسی اور عفیفہ صالحہ عورت سے یا یہہ تائبہ زانیہ اگر کسی تائب زانی سے یا کسی اور عفیف صالح مرد مومن سے نکاح کر لیں تو جایز ہے کیونکہ ان ساری صورتوں میں پھر ایمان واسلام کا رشتہ قایم ہوگیا ہے۔ مگر یہہ یاد رہے کہ اُن دو تائب زانی اور تائب زانیہ کا نکاح توبہ کے بعد بھی جایز نہیں ہے جو پہلے آپس میں زنا کرتے رہے ہوں۔ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا سے اس بد اصول کو جڑھ سے ہی اکھاڑ پھینکا ہے جو لوگوں میں رائج ہے کہ پہلے مرد و عورت آپس میں زنا کرتے رہتے ہیں پھر نکاح پڑھا لیتے ہیں تو گویا اصل میں اس نکاح کا ذریعہ فقط وہ زنا اور سفاح ہے اور بس اور یہہ کسی قدر عیب ناک بات ہے۔ ترمذی کتاب التفسیر سورۃ النور میں ہے کہ مکہ میں ایک شخص مرثد نامی کی دوستی پہلے ایک عورت مسماۃ عناق کے ساتھ تھی مرثد پیچھے مسلمان ہوگیا اور مدینہ منورہ میں ہجرت کرکے چلا گیا چنانچہ پھر ایک کام کے واسطے وہ مکہ میں آیا تو مسماۃ عناق نے اسکو کہا کہ آج ہمارے ہاں شب باش ہو جئے اُس نے کہا کہ نہیں اللہ تعالےٰ نے زنا کو حرام کر ڈالا ہے۔ خیر وہ مدینہ میں پہونچا تو وہاں مسئلہ پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں مسماۃ عناق سے نکاح کرلوں۔ آپ نے فرمایا الزانی لا ینکح الایہ ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے (ابو داؤد اور نسائی نے بھی اس کی تخریج کی ہے اور حاکم نے اسکو صحیح کہا ہے۔ فتح البیان) خیر قصہ کوتاہ بعض لوگ اس آیت کو بھی منسوخ کہتے ہیں اور اس کی ناسخ آیتیں دو بتلاتے ہیں (۱) فانکحوا ما طاب لکم من النساء پ ۴ ع ۱ کو یعنے جو عورتیں تم کو پسند آویں اُن کو نکاح میں لے آؤ (۲) وانکحوا الایامی منکم الایہ پ ۱۸ ع ۱۰ - یعنے اے مسلمانو تم اپنے میں سے اُن مردوں اور اُن عورتوں کے نکاح کردیا کرو جنکے جوڑے موجود نہ ہوں خواہ کنوارے کنواریاں ہوں خواہ رنڈوے اور رانڈیں ہوں۔ وجہ نسخ کی یہہ بیان کی جاتی ہے کہ آیہ الزانی میں زانیات کے ساتھ نکاح کرنا حرام کیا گیا تھا ان میں عام اجازت ہے کیونکہ پہلے ناسخ آیت میں النساء عام ہے اور دوسری ناسخ آیت میں الایامی عام ہے۔ جواب یہہ ہے کہ ان آیتوں

ہیں بھی عام وخاص کا قاعدہ ہے اور بس۔ کیا ان نسخ کے قائلین کو یہہ نہیں سوجھا کہ وہ ان آیات ناسخہ سے حرمت علیکم امہاتکم الایہ کے تمام محرمات کو بھی حلال کر ڈالیں اور نیز ما طاب لکم النساء سے اس خاص آیت کو بھی منسوخ کر کے تمام مشرک عورتوں کے ساتھہ نکاح کر لینا جایز قرار دیدیں آیت یہہ ہے۔ ولا تنکحوا المشرکات حتی یومن۔ پ ۲۔ یعنی کسی قسم کا شرک کرنے والی عورت کے ساتھہ نکاح نہ کرو تاوقتیکہ وہ اپنے شرک سے تائب ہو کر مومن نہ بنجاوے۔ غرضکہ فانکحوا ما طاب لکم من النساء بھی عام ہے اور انکحوا الایامی بھی عام ہے اور آیات حرمت نساء اور آیت حرمت نکاح مشرکات ومشرکین و آیت حرمت نکاح زانیات وزانیین سب کی سب خاص ہیں اور ان میں تعارض وتقابل وتخالف کچھہ بھی نہیں ہے بلکہ پورے درجہ کا اتفاق واتحاد وارتباط ان میں موجود ہے۔ والحمد للہ علی ذٰلک۔

(۱۸) لا یحل لک النساء من بعد ولا ان تبدل بھن الایہ۔ پ ۲۲ ع ۳۔ اے نبی بس اس سے پیچھے اور عورتوں کے ساتھہ نکاح کرنا تیرے لئے درست نہیں ہے اور نہ یہہ جایز ہے کہ ان موجودہ امہات المومنین کے بدلے کوئی بھی اور بیبی کر بیٹھے گو وہ تجھے کیسی ہی بھلی معلوم کیوں نہ ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ یہہ آیت بھی منسوخ ہے کیونکہ اسی رکوع میں اس آیت سے کچھہ اوپر اللہ تعالے یہہ فرماتا ہے۔ یا یھا النبی انا احللنا لک ازواجک التی اٰتیتھن اجورھن الایہ پ ۲۲ ع ۳۔ یعنے اے نبی ہم نے تیرے لئے تیری بیبیاں حلال کر دی ہیں جن کو تونے اُن کے مہر دیدیئے ہیں۔

وجہ نسخ کی یہہ بیان کی جاتی ہے کہ اس میں عام اختیار ہے کہ تو جتنی عورتیں نکاح کرنی چاہتا ہے نکاح کر سکتا ہے اور اس آیت کے عام اختیار نے آیت منسوخ کی بندش کو توڑ دیا ہے کیونکہ پہلے منسوخ آیت کے رو سے نبی صلعم کو اور عورتوں کے نکاح میں لانے کی حرمت تھی اور ان دونو آیتوں کی تقدیم وتاخیر کی نسبت کہہ دیتے ہیں کہ ناسخ آیت اگرچہ ذکر وقرأت میں مقدم ہے مگر نزول کے لحاظ سے یہہ موخر ہے۔ جو لوگ اس آیت کی منسوخی اور پہر ناسخ آیت کے مقدم الذکر اور موخر النزول ہونے کے قایل ہیں اُن کے پاس کوئی بھی دلیل اور کچھہ بھی سند نہیں ہے نہ کتاب سے اور نہ سنت سے فقط اپنا قیاس ہی قیاس ہے۔ پس اصل بات یہہ ہے کہ قرآن مجید میں پہلی آیت وہی ہے جو پہلے مذکور ومقرر ومتلو ہے۔ اور پچھلی آیت وہی ہے جو پیچھے مذکور ومسطور اور مقرر ومتلو ہے کیونکہ جب اس ترتیب قرآنی کو بلحاظ نزول مقدم وموخر کرنے کے لئے کوئی سند موجود نہ ہو تو پہر اصل ترتیب قرآنی ہی کے مطابق نزول کی تقدیم وتاخیر یقینی کی جاویگی۔ اب آیت اول الذکر یعنے یا یھا النبی انا احللنا الایہ۔ اور آیت موخر الذکر یعنے لا یحل لک النساء الایہ دونو میں صاف صاف تطبیق ہو گئی اور وہ یوں ہے کہ پہلی آیت میں اللہ تعالے فرماتا ہے کہ اے نبی تیرے لئے ہمنے تیرے ازواج (بیبیاں) حلال کر دی ہیں جنکو تونے اُن کے مہر دیدیئے ہیں۔ اس آیت میں لفظ ازواج جمع قلت کا صیغہ ہے اور جمع قلت تین سے لیکر دس تک ہوتی ہے پس اس آیت کے رو سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقینی طور پر ایک ہی وقت میں یا متفرق اوقات میں فقط دس بیبیاں تک کرنے کے مجاز تھے۔ اور بس۔ چونکہ امتی کو اختیار ہے کہ وہ برعایت قیود وشروط نکاح ایک ہی وقت میں چار بیبیاں کر سکتا ہے مگر ساتھہ ہی یہہ بھی اختیار ہے کہ ان چاروں میں سے اگر کوئی فوت ہو جاوے یا کسی کو اگر طلاق مل جاوے تو اس کے بجائے کوئی دوسری بیبی کر کے پہر چار کی تعداد پوری کر سکتا ہے اور نیز چونکہ اس آیت انا احللنا لک ازواجک سے بھی اس عام اختیار امت کی نفی نہیں ہو سکتی بلکہ مظنہ یہی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی کل امت کی طرح کلی اختیار تہا کہ دس بیبیوں میں سے اگر کوئی فوت ہو جاتی یا ان میں سے بالفرض والتقدیر کسی کو طلاق مل جاتی تو آپ اس کے بجائے کوئی اور بیبی کر کے پہر دس کی تعداد کو پوری کر لیتے۔ اللہ تعالے نے اس مظنہ کو دور کرنے کے لئے آیت انا احللنا لک ازواجک کے حکم کی تعمیل مطلوبہ ومقصودہ ہو چکنے کے بعد فرمایا کہ لا یحل لک النساء من بعد الایہ یعنی تیری امت کی طرح تجھے کلی اختیار نہیں ہے کہ تو بھی اب ان دس بیبیوں کے علاوہ کوئی اور بیبی کر سکے یا ان میں سے کوئی فوت ہو جاوے یا بالفرض والتقدیر کسی کو طلاق مل جاوے تو اس کے بجائے کوئی اور بیبی نکاح کر کے ہمیشہ دس کی گنتی کو پورا کرتا رہے۔ پس دونو آیتوں میں کچھہ بھی تعارض وتخالف نہ رہا اور یہہ بھی یقینی اور قطعی الثبوت بات ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام عمر میں فقط دس بیبیاں کیں اور بس سب سے پہلے ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھہ نکاح کیا پہر ان کی وفات کے بعد نو اور بیبیاں کیں۔ جن میں عجیب وغریب اسرار اور لطائف اور حکم موجود ہیں اور جن میں فقط اسی رب العالمین احکم الحاکمین خداوند تبارک وتعالے کی حکمت یہہ ہے کہ اس کے بندگان کی تربیت روحانی وجسمانی ہو۔ بخاری کتاب النکاح باب کثرۃ النساء وکتاب الغسل باب الجنب یخرج ویمشی فی السوق میں ابن عباس اور انس رضی اللہ تعالے عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نو بیبیاں موجود تھیں اور چونکہ پہلی بیبی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نہیں پس کل دس بیبیاں

ہوئیں۔ **سوال** ۔ دس بیبیاں کرنے سے کونسی تربیت رب العالمین مقصود تھی (**جواب**) اصل غرض یہہ ہے کہ چونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سب سے آخری نبی تھے اور اُن کے بعد دروازہ نبوت من کل الوجوہ مسدود ہونے والا تھا اسواسطے اس دین کی تکمیل واتمام کو اللہ تعالیٰ قادر علی الاطلاق نے بدرجہ غایت پہونچایا اور چونکہ کل ادیان سماویہ کا خلاصہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کو فقط واحد لاشریک لہ مانا جاوے اور ہر قسم کے شرک سے لوگوں کے دلوں کو پاک کیا جاوے اور چونکہ ہمیشہ ناخلف اور جاہل قوموں کا دستور رہا ہے کہ اپنے خیرخواہ اور مصلح حقانی کی موت کے بعد کسی نہ کسی زمانہ میں اسکو خدائی درجہ تک پہونچا دیتے ہیں اور پھر اس شرک جلی کے باعث ملعون و مردود ہوجاتے ہیں پس اس بڑے بھاری مظنہ شرک کے استیصال کے لیئے اللہ تعالیٰ نے اول تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اولاد نرینہ بیٹے بیٹے عطا فرمائے اور پھر کچھہ عمر دیکر اُن کو فوت کر لیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہوجاوے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں رجولیت اور مردمی موجود ہے اور یہہ بھی معلوم ہوجاوے کہ وہ محض فضل واحسان وانعام واکرام خداوندی کے محتاج ہیں۔ پھر یہہ بات یہانتک مشہرہ آفاق ہوئی کہ مشرکین معاندین آپکو ابتر ابتر کہنے لگ پڑے یعنے ایسا شخص جس کی نسل منقطع ہوجاوے اور اس کے پیچھے کوئی بھی اسکا نام لیوا نہ رہے جب نوبت یہانتک پہونچ چکی اور ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضہ فوت ہوچکیں تو اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے حکماً رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے نو بیبیاں کرائیں اور ان میں سے سب کی سب بیوہ تھیں اور پہلے ان کے بطن سے اولاد بھی پیدا ہوتی رہی تھی صرف ایک عورت ام المومنین عائشہ رضہ بکر تھیں غرضیکہ ہر طرح سے ان عورتوں سے امید ہوسکتی تھی کہ ان سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اولاد پیدا ہوگی مگر باوجود کثرت نساء اس رب العالمین کی حکمت نے یہی تقاضا کیا کہ ان بیبیوں میں سے کسی کے ہاں سے کوئی لڑکا لڑکی بھی پیدا نہ ہوا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات رسالتمآب کے اس آیت کے عملی مورد ہونے کا ثبوت روئے زمین کی کل اقوام مسلم وغیرمسلم پر قیامت تک ظاہر کردیا۔ قال اللہ تعالیٰ قل لا املک لنفسی نفعاً ولا ضراً الایۃ پ ۹ ع ۱۳۔ اے نبی کل دنیا کو پکار کر سنا دے کہ میرا تو اتنا اختیار نہیں ہے کہ اس اختیار سے میں اپنی ذات خاص کے لیئے کسی قسم کا ادنے سے ادنے نفع ہی اٹھا سکوں یا اپنی ذات خاص سے کسی قسم کا ادنے سے ادنے دکھہ درد ہی دور کرسکوں ہاں جو اللہ تعالیٰ چاہے وہ تو ہوکر ہی رہتا ہے اور اگر میں جملہ اقسام غیب میں سے کچھ بھی جانتا ہوتا تو اپنے لیئے ہر قسم کا بہت سا فائدہ کرلیتا اور مجھے کسی قسم کی تکلیف نہ پہونچتی میرا کام تو فقط یہی ہے کہ جو لوگ طالب ایمان ہوں میں اُن کو دوزخ کا ڈر اور جنت کی بشارت سناؤں۔

ہر شخص دنیا میں یہی چاہتا ہے کہ مال و اولاد بکثرت ہو سو کل دنیا کو معلوم ہے کہ باوجود اس امر کے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تمام جزیرہ عرب کے فاتح تھے اور کل بلاد عرب اُن کے ماتحت تھے مگر وہ کبھی مالدار نہ بن سکے یہانتک کہ ان کی وفات کے بعد اُن کے ملک میں سے ایک ٹوٹا ہوا پیالہ بھی نہیں نکلا تھا اور ہمیشہ یہی دعا کرتے رہتے کہ الٰہی مجھے زمرہ مساکین میں ماریو اور انہیں کے زمرہ میں قیامت کو میرا حشر کیجیو۔ اور یہہ بھی کل دنیا کو معلوم ہے کہ باوجود کثرت نساء اُن کے ہاں ایک بیٹا بھی نہ ہوا اور جو ہوئے تھے وہ سب کے سب فوت ہوگئے حتی کہ مشرکین معاندین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ابتر کہتے تھے یعنے ایسا شخص جس کی نسل آگے کو نہ چلے۔ پس منجملہ دیگر فوائد من قبیل مواساۃ و مدارات و مرافقت و موافقت و اتحاد و ارتباط باہمی سب سے بڑھ کر فائدہ کثرت نساء نبوی میں یہہ تھا کہ لوگوں کے دلوں سے یہہ مظنہ اٹھ جائے کہ اس ذوالجلال خدا کی خدائی کے ساتھ کسی مقرب سے مقرب کو بھی کسی قسم کی بھی شراکت حاصل نہیں بلکہ یہہ عین الیقین و حق الیقین ہوجاوے کہ سب کے سب اسی کے محتاج ہیں۔

سوال اور مسلمانوں کو چار بیبیوں تک ایک وقت میں نکاح کرنے کی اجازت ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک ہی وقت میں نو بیبیوں تک کرنے کی اجازت کیوں ہوئی۔ **جواب** نو بیبیوں تک کرنے کی وجہ تو اوپر مذکور ہوچکی ہے اب اور مسلمانوں کے مقابلہ میں فقط نبی ہی کے زیادہ بیبیاں کرنے کی علت یہہ ہے کہ قیامت تک جو معاندین فقط تعصب اور ہٹ دھرمی اور کمینہ طرفی کی کارروائی کرینگے [illegible] رہیں گے۔ اس آیت سے ان کا منہ کالا ہوتا رہے اور اس دنیا میں رسوائی اور ذلت کے عذاب میں مبتلا رہیں یعنے یہہ کہ اس قسم کے لوگ یہہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس قدر کثرت نساء فقط شہوت کی غرض سے تھی۔ سو ان کا منہ یوں کالا ہوتا ہے کہ [illegible] اشرف سے اشرف اشراف نے ایک کمیٹی کر کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ کو اگر خوبصورت عورتوں کی ضرورت ہو تو ہم خوبصورت سے خوبصورت عورتیں جمع کردینگے وغیرہ وغیرہ آپ نے فرمایا کہ مجھے ان باتوں کی ضرورت نہیں ہے پھر جب آپ پچیس سال کی بھرپور جوانی اور عین شباب میں تھے تو اسوقت محض اپنے صاحب خلق عظیم ہونے کی وجہ سے ھل جزاء الاحسان الا الاحسان کے مطابق خدیجۃ الکبریٰ

سے نکاح کیا اسوقت اس ام المومنین کی عمر چالیس سال کی تھی اور یقیناً بھی بیوہ تھیں پس انصاف اور شرم اس امر کے مقتضی ہیں کہ اس نکاح کو
شہوت پر محمول کیا جاوے پھر جب آپ چالیس سال کے ہوئے تو اسوقت بیوگان جو عمر میں آپ سے بہت بہت زیادہ تھیں نکاح کیں کیا اس
قسم کی عمر والیاں بغرض شہوت والی نکاح کی جاتی ہیں یا کچھ اور غرض بھی ہو سکتی ہے ۔ انصاف اور شرم کا ہے سے بڑھ کر یہہ بات ہے کہ اس
آیت میں نبی ؐ کو سخت ممانعت کر دی گئی ہے کہ تم اپنی امت کے لوگوں کی طرح نہیں ہو کہ ایک عورت کر دیں اسکو طلاق دیدو اور اس کی جگہ
کوئی دوسری عورت کر لو بلکہ اب جتنی عورتیں تمہارے پاس موجود ہیں اس سے زیادہ کرنے کی ممانعت ہے اگرچہ بالفرض یہہ مسئلہ کی سے ناظرین
ناظرین کو فرق معلوم ہو گیا ہوگا کہ امت کے لوگ ایک ہی وقت میں چار عورتیں کر سکتے ہیں مگر ان کو ساتھ ہی یہہ بھی مباح ہے کہ اگر پہلی مرتی جاویں
تو وہ اور کر لیں اور اگر پہلی عورتوں کو طلاق کسی وجہ سے مل جاوے تو وہ اور کر سکیں حتیٰ کہ سینکڑوں تک نوبت پہونچ سکتی ہے مگر نبی ؐ کو
یہہ اجازت حاصل نہ تھی بلکہ عمر بھر میں فقط دس بیبیوں تک محصور کئے اور ان کے مرنے کے بعد یا ان کو طلاق دیکر کسی اور عورت کو نکاح میں لانے
کی ممانعت خود اس امر کو اظہر من الشمس کر رہی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں شہوت رانی کا کوئی خیال تک بھی موجود نہ تھا اور خدا وند
تعالےٰ کو بھی منظور نہ تھا کہ وہ ایسے ہوتے بلکہ اللہ تعالےٰ نے ان کو اطیب المطیبین اور اطہر الطاہرین بنایا اور عمر بھر میں فقط ان کو دس بیبیوں
تک محدود رکھنے میں منظور شرک کا استیصال کر دیا ۔ سرکانات نبوی یعنی مسجد نبوی ۔ پوشاک نبوی خوراک نبوی اور دیگر اثاث البیت نبوی وغیرہ
وغیرہ پر اگر غور کی جاوے تو صاحب انصاف دشرم تو فی الفور مسئلہ مر قبول کرے گا اور دوسرے کا اعتبار ہی کیا ہے ۔ غرضکہ اس آیت لا
یحل لک النساء اور اس آیت یا ایہا النبی انا احللنا لک الایہ میں سر مو کسی قسم کا تعارض نہیں ہے بلکہ ان میں موافقت اور مطابقت بدرجہ
کمال موجود ہے ۔

(۱۹) یا ایہا الذین امنوا اذا ناجیتم الرسول الایہ پ ۲۸ ع ۲ ۔ یعنے اے ایمان والو جب تم کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کان میں کوئی بات
کہنی ہو تو کان میں اپنا عرض حال کہنے سے پہلے پہلے کچھ تھوڑا سا صدقہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے آگے رکھ دیا کرو ۔ اس طرح پر کان
میں بات کہنے سے پہلے پہلے کسی قدر صدقہ کا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کر دینا تمہارے حق میں بہتر ہے اور تمہارے
دلوں کو پاکیزہ تر کرنے والا ہے پس اگر تم کو کچھ بھی صدقہ دینے کا مقدور نہ ہو تو اللہ تعالےٰ غفور رحیم ہے ۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ یہہ آیت منسوخ ہے اس اگلی آیت کے فیصلہ کو ہی اس کی ناسخ آیت قرار دیتے ہیں ء اشفقتم ان تقدموا
بین یدی نجوٰکم صدقات الایہ پ ۲۸ ع ۲ یعنے کیا تم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کان میں اپنا حال عرض کرنے سے پہلے پہلے ان کے
سامنے کچھ صدقات رکھ دینے سے ڈر گئے ہو پس چونکہ تم نے اس حکم کی تعمیل نہیں کی ۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ نے تم پر تخفیف کر دی ہے تو
نہی تم وہ نماز قائم کئے رہو جس کی تعلیم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دی گئی ہے ۔ اور وہ زکوٰۃ دیا کرو جس کی کیفیت وکمیت وطریقت
وغیرہ وغیرہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو سکھائی گئی ہے اور اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول ؐ کی فرمانبرداری کرتے رہا کرو اور جو کچھ بھی تم کرتے
ہو اللہ کو اس کی سب خبر ہے ۔ وجہ نسخ کی یہہ بیان کی جاتی ہے کہ پہلی آیت کے حکم سے تمام مومنین کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے کان میں کچھ عرض کرنا چاہیں کچھ صدقہ دینا واجب تھا چونکہ مومنین اس حکم کی تعمیل سے ڈر گئے دولتمند اسواسطے کہ ہم کو مال خرچ کرنا
پڑے گا اور غریب ومفلس یوں غرض معروض بگوش رسول خدا ؐ کرنے سے رک گئے اسواسطے اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ تم نے حکم کی تعمیل نہیں
کی اسواسطے تم پھر مکلف نہیں رہے گرچہ تمہارے جرم کو معاف کر دیا ہے اور اپنے اس حکم کو جس کی تعمیل تم سے نہیں ہو سکی منسوخ کر دیا ہے
اصل بات یہہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں مخلص مومنین کے علاوہ منافقین بھی رہا کرتے تھے ۔ اور جیسا کہ
ہمیشہ شریر دنیا دار منافقین کا قاعدہ ہوا کرتا ہے یہہ لوگ بھی مجلس نبوی میں ایک دوسرے کے کان میں باتیں کیا کرتے تھے اور کبھی ایسا بھی
ہوتا تھا کہ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کان میں باتیں کرتے اس سے ان کا مقصود اصلی تو فقط اتنا ہوتا کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم کے بڑے منہ لگے ہوئے اور بڑے اخص اور مقرب اصحاب سمجھے جاویں ۔ ایسی ایسی حرکتوں سے مخلص مومنین کو ضرور دل
میں قلق پیدا ہوا کرتا ہے چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مخلص اصحاب رضؓ کو بھی ہوتا تھا اور نیز اس سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وسلم کی اوقات شریف میں بھی حرج واقع ہوتا تھا ۔ اسواسطے اللہ تعالےٰ پہلے تو ان منافقین کی باہمی سرگوشیوں اور کانا پھوسیوں کی تردید

بیان کرتا ہے اور چونکہ وہ بھی مسلمان کہلاتے ہیں ولہذا مسلمانوں کے سے حقوق بھی ان کو حاصل تھے اسواسطے پھر اللہ تعالے ان لوگوں کی بے ایمانی اور شرارت کو دور کرنے اور مخلصین مومنین اور منافقین ملعونین میں ایک بیّن تمیز کرنے کیواسطے فرماتا ہے - یا ایھا الذین اٰمنوا اذا ناجیتم الرسول الآیہ یعنے اے لوگو جنکا دعوے مومن ہونے کا ہے تمہارے ایمان کا تقاضا یہہ ہے کہ جب تم کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کان میں کچھ عرض کرنا ہو تو کان میں عرض کرنے سے پہلے پہلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے آگے کچھ صدقہ رکھہ دیا کرو الآیہ - اور چونکہ صدقات کا ادا کرنا اور دینا فقط مالداروں کا کام ہوتا ہے نہ کہ مفلس اور ناداروں کا اور مطابق ہدایت ربانی لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا فقط صاحب مقدور لوگ ہی اس صدقے کے مخاطب ہیں اور یہہ صدقہ تو بھلا ہے ہی محض نفلی - اس صدقہ کے نفلی اور غیر واجب ہونے پر یہاں تین قرینے موجود ہیں اول قولہ تعالے - ذلک خیر لکم واطھر یعنے ایسا صدقہ دینا تمہارے لئے بہتر ہے اور تمہارے دلوں کو زیادہ پاک کرنے والا ہے کیونکہ لفظ خیر اور اطھر افعل التفضیل کے صیغے ہیں اور افعل التفضیل اس امر کا متقاضی ہے کہ مفضل اور مفضل علیہ میں صفت مشترکہ ہو اور مفضل کو اس صفت مشترکہ میں کچھہ زیادتی اور مزیت ہو اور یہہ قاعدہ کلیہ ہے جبتک کہ کوئی قرینہ صارفہ اس کی کلیت کو نہ توڑے جیسا کہ آیات ذیل سے ثابت ہوتا ہے - ولو اٰمن اھل الکتٰب لکان خیرا لھم پ۴ ع۳ - یعنی اگر اہل کتاب مومن ہجاتے تو یہہ ان کے حق میں خیر یعنے اچھا ہوتا و نیز جمعہ کی نماز کی بابت اللہ تعالے فرماتا ہے - ذالکم خیر لکم ان کنتم تعلمون پ۲۸ ع۱۲ - نیز اللہ تعالے تثلیث کے عقیدے کی نفی کر کے فرماتا ہے - انتھوا خیرا لکم پ۶ ع۳ یعنے اس عقیدے کو چھوڑ کر باز آجاؤ یہہ تمہارے لئے اچھا ہے - نیز اللہ تعالے مشرکہ عورتسے نکاح کرنے کو حرام فرماتا ہے اور کہتا ہے کہ مومنہ لونڈی بھی ہو تو وہ مشرکہ حرہ سے اچھی ہے کما قال اللہ تعالے ولامۃ مؤمنۃ خیر من مشرکۃ الآیہ پ۲ ع۱۱ ان جملہ آیات میں لفظ خیر اگرچہ افعل التفضیل کا صیغہ ہے مگر ہرگز مشارکت صفت و مزیت احدہما کا متقاضی نہیں ہے کیونکہ کفر اور ایمان - شرک اور ایمان اور ترک جمعہ اور ادائے جمعہ اور حلت نکاح کنیزک مومنہ اور حرمت نکاح حرہ مشرکہ میں کچھ بھی باہمی تعلق نہیں ہے اور ان میں کوئی بھی مشارکت موجود نہیں ہے بلکہ سب کی سب ضدین ہیں پس ایسی ایسی جگہوں میں جہاں قرائن موجود ہوں قاعدہ کلیہ افعل التفضیل ٹوٹ جاتا ہے اور جہاں کوئی قرینہ موجود نہ ہو وہاں یہہ قاعدہ برابر جاری رہیگا - پس آیۃ زیر تفسیر میں لفظ خیر اور اطھر دونو افعل التفضیل کے صیغے ہیں اور یہاں مفضل اور مفضل علیہ میں مشارکت فی الصفۃ اور مفضل کو مفضل علیہ پر مزیت موجود ہے یعنے صدقہ دینا بہت اچھا ہے اور نہ دینا فقط اچھا ہے یعنے نہ دینے کا وبال یا مواخذہ کچھ نہیں ہے اور صدقہ دینا دلوں کو پاکیزہ تر کر دیتا ہے اور نہ دینا پاکیزہ تر تو نہیں کرتا مگر پاک رہنے دیتا ہے پس یہہ دونو لفظ صاف صاف بآواز بلند پکار رہے ہیں کہ حکم صدقہ اس جگہ فقط امر مندوب ہے نہ کہ امر واجب - دوئم قولہ تعالے - وتاب اللہ علیکم - یعنے تم تو اس صدقہ کے ادا کرنے سے ڈر گئے ہو حالانکہ اللہ تعالے نے تمہارے اختیار میں یہہ بات کر رکھی ہے اور اسکی تخفیف تحریر کر رکھی ہوئی ہے تاب علیہ کی تحقیق پہلے صفحہ میں گزر چکی ہے - تاب اللہ علیکم کے یہہ معنے نہیں ہیں کہ اے صحابہ کرام رضہ تم سوائے علی رضہ کے صدقہ دینے سے ڈر گئے اور تم نے ہمارے حکم کی تعمیل نہ کی اسواسطے تم گنہگار ہوگئے ہو اور اب تم نے اس گناہ سے توبہ کر لی ہے تو اب ہم بھی تمہاری توبہ قبول کر لیتے ہیں - بلکہ ساتھہ ہی لیتے اس حکم کو بھی منسوخ و بیکار و بے توقت کر دیتے ہیں - حاشا وکلا کہ صحابہ رضہ کی نسبت کچھ بھی بدظنی کی جاوے - ان میں سے ہر ایک مومن مخلص کا یہہ حال تھا کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر اپنی جانیں قربان کرتے تھے اس معمولی مال منال کو وہ کیا سمجھتے تھے اور پھر اخص اور افضل اور اکابر صحابہ رضہ کا تو کوئی حال ہی نہ پوچھئے - علی رضہ کے اس قول سے جسے ترمذی رح نے معالم بیتا حسن غریب لکھا ہے کہ میرے سوائے کسی نے اس آیت پر عمل نہیں کیا ہرگز یہہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ افاضل صحابہ رضہ کو اس آیت کا علم ہو چکا تھا اور باوجود علم ہو چکنے کے پھر انہوں نے عمداً اس آیت کے حکم کی تعمیل نہیں کی حاشا وکلا - یہہ ممکن ہے کہ ان کو موقع ہی نہ مل سکا ہو اور یہہ بھی ممکن ہے کہ علی رضہ کو اپنی ذات خاص کیلئے نہ کہ کسی دوسرے کی نسبت کچھ بھی علم نہ ہو ایک تھوڑے سے صدقہ دینے سے ڈر جانا فقط منافقین ملعونین کا کام ہے یا ان مسلمانوں کا جنکے ایمان ابھی پختہ نہ ہوئے ہوں - مومنین مخلصین اس حکم کی تعمیل سے نہیں ڈر سکتے تھے کیونکہ مالدار صحابہ رضہ تو مال کو فی سبیل اللہ خرچ کرنے میں اپنا عین ایمان سمجھتے تھے اور جو مفلس صحابہ تھے ان کے پاس ہی کچھہ نہ تھا اور وہ اس صدقہ کے مخاطب و مامور ہی نہ تھے - ان کو کس بات کا ڈر لگتا تھا - سوئم قولہ تعالے - فاقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ - یعنے پہلا صدقہ واجب نہیں ہے اسکو ادا کرینگے تو فبہا [illegible] ادا نہ کرینگے تو اس [illegible] سے محروم ہونگے مگر زکوۃ مفروضہ [illegible] ادا کرتے رہنا [illegible]

صدقوں میں سے ایک صدقہ کے وجوب کا حکم دیدینا خود مشعر اس امر کا ہے کہ دوسرا صدقہ واجب نہیں ہے جو لوگ تو مخلص مومنین تھے جیسے
ابو فضل واکابر صحابہ رض وہ تو اپنی جان تک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر فدا کرتے تھے اس حکام دنیوی اور اس مال و دولت عارضی
وفانی کی کیا پروا سمجھتے تھے بلکہ جو عام مومنین بھی تھے وہ بھی اس صدقہ کے ادا کرنے کو اپنا عین ایمان سمجھتے تھے کیونکہ یہہ صدقہ تو ایک
نفلی تھا دوم اس کی مقدار معین نہ تھی بلکہ صدقہ کی تنوین جو تحقیر کے لئے ہے خود اسبات پر دلالت کرتی ہے کہ تھوڑے سے تھوڑا اور
قلیل المقدار سے قلیل المقدار صدقہ بھی جایز اور درست تھا البتہ منافقین ملعونین ڈر گئے اور اس صدقہ نفلی کے ادا کرنے سے پہلوتہی
کرنے لگ گئے۔ اس سے وہ اصلی مدعا پورا ہو گیا یعنے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کان میں جا جا کر کہنے کی ان کی عادت چھوٹ گئی
چنانچہ اللہ تعالے ان کی اس پہلوتہی کا ذکر کرتا ہے۔ ءاشفقتم ان تقدموا بین یدی نجوٰکم صدقٰت فاذ لم الآیہ یعنے کیا تم ہمارا حکم مندوب
در بارہ اس امر کے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کان میں عرض معروض کرنے سے پیشتر کچھ صدقہ لاکر ان کے آگے رکھہ دیا کرو
سنکر ڈر گئے اور حکم کی تعمیل سے پہلوتہی کرنے لگے حالانکہ اللہ تعالے نے تم پر تخفیف کر رکھی ہوئی ہے یعنے تم کو وجوبی حکم صدقہ نہیں دیا ہوا بلکہ فقط
تمہارے دلوں کو اور زیادہ پاکیزہ کرنے کے واسطے اور تمہارے حق میں اس صدقہ کو اور زیادہ بہتر کرنے کے واسطے تم کو یہہ حکم دیا ہوا ہے
سو خیر یہہ ندبی امر اور مباح کام ہے اس کو کروگے تو اسکا ثواب و اجر بھی پاؤگے نہ کروگے تو مواخذہ کچھہ نہ ہوگا مگر نماز پنجگانہ اور زکوٰۃ مفروضہ
کے ادا کرنے سے کسی قسم کی پہلوتہی نہ کرنا اور اللہ تعالے اور اسکے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرتے رہنا۔ غرضکہ یہہ حکم
قیامت تک جاری ہے سب سے پہلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مقتدا تھے ان کے بعد ابو بکر صدیق رض ان کے بعد عمر رض ان کے بعد عثمان رض
ان کے بعد علی المرتضےٰ تھے اسی طرح ان کے بعد جسقدر حقانی اور ربانی اولوالامر ہوتے چلے آئے ہیں سب کو یہہ منصب حاصل تھا اور جو اب بھی رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کے گدی نشین لوگ ہیں اور جو قیامت تک ہونے رہینگے سب کو یہہ حق حاصل ہے کہ ان کے کان میں اگر کسی نے کچھہ عرض معروض
کرنا ہو تو پہلے کچھہ صدقہ ان کے آگے لاکر رکھہ دے۔ پھر اس امیر مطاع کا کام ہے کہ وہ ان صدقات کو مطابق ہدایت باری انما الصدقات للفقراء
الآیہ مساکین محتاجوں میں حسب ضرورت و حاجت تقسیم کر دے۔

غرضکہ پہلی آیت میں ہی اللہ تعالے نے فقط مندوب حکم فرمایا ہے اور دوسری آیت میں منافقین اور ضعیف الایمان مومنین کو تنبیہہ فرمائی ہے
کہ ایسے صدقہ کے دینے میں تم پہلوتہی کرتے ہو جسے اللہ تعالے نے تم پر غیر واجب ٹھیرایا ہوا ہے سو اس مندوب حکم کی تعمیل تو تمہارے اختیار میں رکھی
گئی ہے کرو نہ کرو تمہاری اپنی مرضی پر موقوف ہے مگر جن باتوں کا وجوبی حکم دیا جا چکا ہے ان میں کسی طرح کی پہلوتہی نہ کیا کرو مثلاً نماز پنجگانہ کا پڑھنا
اور زکوٰۃ مفروضہ کا دینا پس دونو آیتوں میں کچھہ بھی تعارض و تخالف نہیں ہے بلکہ آپسمیں پہلے درجے کا اتحاد موجود ہے۔

(٢٠) وان فاتکم شیء من ازواجکم الی الکفار الآیہ پ ٢٨ ع یعنے اور اگر تمہاری بیبیوں کی کوئی چیز بھی کفار کے پاس رہ جاوے اور وہ اس کو تم
پاس واپس نہ کریں اور پھر تم ان کفار پر غلبہ پاکر ان کا مال اسباب غنیمت میں لیلو تو پہر جن مومنین کی عورتیں کفار کی طرف چلی گئی تھیں ان کو
تم اس مال غنیمت میں سے اسقدر مال دیدو جو انہوں نے اپنی بیبیوں پر خرچ کیا تھا اور جس اللہ پر تم کو ایمان ہے اس سے ڈرتے رہو۔
کہتے ہیں کہ یہہ آیت بھی منسوخ ہو چکی ہے کیونکہ غنیمت کی آیت اس کی ناسخ ہے یعنی وہاں یہہ حکم ہے کہ غنیمت کے مال میں سے پانچواں حصہ نکالنے کے
بعد باقی چار حصے غازیوں میں تقسیم کئے جاویں سوار کو دو حصے پیدل کو ایک حصہ۔ کہتے ہیں کہ اس آیت کے حکم سے صاف ظاہر ہے کہ غنیمت کے مال میں
سے کسی شخص کو اس کی بی بی فرار شدہ کے مہر یا زیورات وغیرہ کے دینے کا اشارہ تک نہیں ہے
اصل بات یہہ ہے کہ دونو آیتوں میں کچھہ بھی تناقض و تعارض نہیں ہے غنیمت کا مال تقسیم اسوقت کرو جب اس میں سے خمس مطابق فان
للہ خمسہ کے الگ کر لو اور کسی ایسے شخص کا خرچہ (جسکی بی بی فرار ہو کر دشمنوں کے پاس چلی گئی ہو یا وہ کسی طرح اس کی بیوی کو پکڑ کر لے گئے ہوں
اور اسکے پاس سے اسکے زیورات وغیرہ اتار لئے ہوں) بھی خمس کی طرح الگ کر لو پس جو پیچھے بچے وہ مجاہدین کا مال ہے اور اس کی تقسیم خود
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مفسر حقانی نے فرمادی ہے غرضکہ یہہ خرچہ اور خمس نکال کر پیچھے باقیماندہ مال غنیمت مجاہدین پر تقسیم ہوگا

(٢١) یاایھا المزمل قم الیل الا قلیلا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ترتیلا پ ٢٩ ع ١٣ ۔ کو بھی منسوخ کہتے ہیں اس آیت کا مطلب یہہ ہے کہ اے رسول اللہ
تو ساری رات قیام اللیل نہ کیا کر یعنے رات بہر تہجد کی نماز نہ پڑھتا رہا کر بلکہ فقط اتنا حصہ رات کا جو یا تو نصف ہو یا نصف سے کم ہو یا نصف سے

زیادہ ہوا اور اس کی تصریح اسی سورت کے دوسرے رکوع کے شروع میں یوں ہے ان ربك یعلم الایہ یعنی رات کی دو تہائی میں سے کچھ کم یا نصف حصہ شب یا ثلث حصہ شب۔ — کہتے ہیں کہ اس آیت کے حکم سے ا ابتدائے اسلام میں جمیع مسلمین پر اول تو نفس قیام اللیل فرض تھا دوسرا اجزائے مقررہ ثلثہ لیل یعنی ثلث یا نصف یا کم از کم دو ثلث میں ہی ادا کرنا فرض تھا کیونکہ قم صیغۂ امر کا ہے اور یہاں یہہ امر وجوبی ہے پس اس حکم کی تعمیل صحابہ کرام بعض کے نزدیک برس سے کچھ کم عرصہ تک اور بعض کے نزدیک برس تک اور بعض کے نزدیک سولہ ماہ تک اور بعض کے نزدیک دس سال تک کرتے رہے اور چونکہ وقت کا صحیح صحیح اندازہ کرنا سخت مشکل تھا اسواسطے اس ڈر کے مارے کہ مبادا وقت واجب فوت نہ ہو جاوے ساری ساری رات نمازیں کھڑے رہتے تھے آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان کی اس جانکاہ مصیبت کم از کم ایک برس یا زیادہ سے زیادہ دس سال کے بعد رحم کھایا اور فرمایا علم ان لن تحصوہ فتاب علیکم فاقرؤا ما تیسر من القرآن پ۲۹ ع۱۴ یعنی اے صحابہ کرام رض خدا کو معلوم ہے کہ تم ہرگز ان اوقات ثلثہ میں سے کسی وقت کا بھی صحیح صحیح اندازہ نہیں کر سکو گے پس اپنے تمپر رحم کھا کر وقت کی اس سختی کی قید کو معاف کر دیا ہے سو اب تم جسقدر آسانی سے قرآن مجید پڑھا جاوے اتنی ہی پڑھ لیا کرو چونکہ اس حکم فاقرؤا ما تیسر من القرآن سے فقط تحدید و تقدیر اوقات ثلثہ منسوخ ہوئی ہے مگر فرضیت قیام اللیل ویسی کی ویسی قایم اور ثابت رہتی ہے اسواسطے پھر اس فرضیت کو صلوات خمسہ کے ساتھ منسوخ کرتے ہیں غرضکہ قیام اللیل الایہ کے دونو وجوبی حکموں کو فاقرؤا ما تیسر من القرآن اور صلوات خمسہ کے ساتھ منسوخ کرتے ہیں۔ حالانکہ یہہ بات ہرگز ہرگز درست نہیں ہے نہ کوئی آیت منسوخ ہی ہے اور نہ کوئی آیت ناسخ ہی ہے۔ اصل بات یہہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پ۱۵ ع۹ میں رات اور دن کی فرضی اور نفلی دونو قسم کی نمازوں کا بیان فرمایا ہے کما قال اللہ تعالیٰ۔ اقم الصلوۃ لدلوك الشمس الایہ یہاں نماز تہجد کو نافلہ اور پنجگانہ نماز کو فریضہ بیان فرمایا ہے۔ اور اس سورہ مزمل میں اسی نماز نافلہ کی وضاحت اور تفسیر ہے وہاں فقط ومن اللیل فتهجد به نافلة لك پ۱۵ ع۹ آیا ہے اور بس یعنے اور رات کے کسی حصے میں نماز تہجد بھی پڑھا کر جو فرضی نماز نہیں ہے بلکہ تیری فریضہ نمازوں کے علاوہ ایک اور زائد نماز ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس نماز نفلی کا اہتمام اور التزام اتنا فرمایا کرتے تھے کہ آپ کے پاؤں مبارک پر کبھی ورم ہو جاتا اور صحابہ کرام رض و ازواج مطہرات کو بہت ہی ترغیب فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں حد سے بڑھی ہوئی حرص اور فرط شوق کو جس سے جسم مبارک کو بھی تکلیف ہونے لگی روکا ہے اور فرمایا ہے اتنا کام کیا کرو جتنا تم سے بآسانی ہو سکا کرے۔ یہاں پر بھی الفاظ واللہ یقدر اللیل والنہار میں اجمالی طور پر اقم الصلوۃ لدلوك الشمس کا بیان ہے یعنے یومی اور لیلی اور فریضہ اور نفلی نمازوں کی اوقات کا صحیح صحیح اور ٹھیک ٹھیک اندازہ کرنا فقط اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے نہ کہ کسی مخلوق کا۔ سورہ مزمل کی ان پہلی آیتوں اور دوسرے رکوع کا مشرح اور مفصل ترجمہ پہلے صفحہ ۱۳۰ میں کر دیا گیا ہے اس ترجمہ کو دیکھ کر ناظرین کے کل شکوک و توہمات انشاء اللہ تعالیٰ دور ہو جاویں گے۔

چونکہ خود اللہ تعالیٰ اس نماز کو نافلہ فرماتا ہے اسواسطے قم اللیل الایہ کا امر بھی وجوبی نہیں ہے اور اسکے معنے فقط یہی ہیں کہ تہجد کی نماز نافلہ کے پڑھنے کے اوقات یہہ ہیں اور بس۔ صاف میں سے جسوقت میں آسانی ہو پڑھا کرو۔ اور فاقرؤا ما تیسر من القرآن کی تشریح پہلے صفحہ ۱۳۱۔۱۳۰ و نیز صفحہ ۱۴۴ میں آچکی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ ما تیسر من القرآن سے مراد فقط سورۃ فاتحہ ہی ہے اور بس۔ اور چونکہ اس سے پہلے واللہ یقدر اللیل والنہار آیا ہے یعنے لیلی اور یومی نمازوں کی اوقات کا صحیح صحیح اور مناسب اندازہ کرنا فقط اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے اسواسطے اسکے معنے یہہ ہوئے کہ تہجد کی نماز نافلہ ہو خواہ کوئی نماز فریضہ ہو سب میں کلیہ قاعدہ یہہ ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھ لیا کرو اور بس۔ اس سورہ فاتحہ کے پڑھنے کے حکم سے اوقات ثلثہ تہجد میں سے کسی وقت پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ پس نہ کوئی وقت ہی منسوخ ہے اور نہ کوئی فرضیت تہجد ہی ہوئی جو پیچھے منسوخ ہو گئی ہو علم ان لن تحصوہ فتاب علیکم کے یہہ معنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو تو معلوم ہی تھا اور معلوم ہی ہے کہ تم سے ان اوقات کے صحیح صحیح اندازے نہیں ہو سکیں گے اسواسطے اس نے لیلی اور یومی نمازوں کے اندازے بھی بتا دیئے اور تہجد کی نماز کو تو اس نے یوں بھی پہلے ہی سے نافلہ مقرر کیا ہوا ہے

پس قرآن مجید میں کہیں بھی تعارض و تخالف نہیں ہے یعنی اصطلاحی نسخ کا قرآن مجید میں نام و نشان بھی نہیں ہے اور اگر کوئی شخص اپنی کم فہمی اور عدم تدبر سے کسی دو آیتوں کو متعارض دیکھے بھی تو ہر ایک مومن بالقرآن کا سب سے پہلا فرض یہہ ہے کہ وہ اس تعارض کو فقط غلط فہمی مفروض ثابت کر کے دکھلا دے اور دو نو آیتوں میں اتحاد و ارتباط اور توافق و تطابق جو پہلے ہی سے ان میں موجود ہے

*أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ

یہہ بات کہ تمکو ان باتوں کا علم نہیں ہے صحیح نہیں ہے بلکہ تم کو ان باتوں کا یقینی علم ہے اچھا تو پھر تم علم یقینی کے بعد کیا تم چاہتے ہو کہ تم بھی اپنے رسول سے اسیطرح کی کجروی سے

مِنْ قَبْلُ ۗ وَمَنْ يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ

سوال کرو جس طرح کے سوالات پہلے وقتوں میں موسیٰ سے کئے گئے تھے (یعنی تمکو اس قسم کا ارادہ بھی نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہہ کفر ہے) اور یاد رکھو کہ جو کوئی ایمان کی کسی

ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝ وَدَّ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ

شاخ کے مقابلہ میں بھی اسکے مقابلہ کی کفر کی شاخ کو اختیار کریگا تو محقق طور پر وہ اس صراط مستقیم کو جو قرآن مجید میں مذکور ہے چھوڑکر گمراہ پڑگیا (پس
اے مومنین تم یہود کو دیکھکر لفظ راعنا کا بولنا چھوڑ دو کیونکہ سوالات کفر تک نوبت پہونچانیکا ذریعہ فقط یہی لفظ ہے اور ان یہود کا دلی منشا تو فقط تمکو مرتد کرنا ہے کیونکہ)

اور ثابت و قائم کردے اور اگر آپ نہ کر سکتا ہو تو بقول ارشاد باری فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون کے اہل الذکر سے پوچھے اور اگر اس سے مسئلہ حل نہیں ہوا تو مطابق ارشاد ربانی وفوق كل ذى علم عليم کسی اور عالم سے اس کی بابت دریافت کرے اور اگر اخلاص نیت کے ساتھ قرآن مجید کی عصمت کو مد نظر رکھکر کوشش کرے گا تو اللہ تعالے ضرور بضرور مطابق والذين جاهدوا الآية اپنا وعدہ پورا کرکے اس کو حق امر کی ہدایت کرے گا اور باطل امر سے اسکو نفرت دلائیگا ان قرآن مجید میں نسخ قرآنی اور انشاء بھرا ہے اور اس کی ضرورت بھی بوجہ تغیر حالات خود رب العالمین العلیم الخبیر السبوح القدوس القدیر خداوند تعالے بیان فرماتا ہے الم تعلم ان الله له ملك السموات والارض الآیۃ یعنی تم کو یقینی علم ہے کہ اللہ تعالے ہی کی بادشاہی ہے آسمان اور تمام علوی اشیاء کی اور جملہ زمینوں اور جملہ سفلی اشیاء کی پس پھر اگر وہ اپنی مخلوقات کی تربیت حسب اقتضائے حالات کبھی بذریعہ نسخ اور کبھی بذریعہ انشاء کرے تو پھر اور کون کر سکتا ہے کیونکہ وہی تو اپنی جملہ مخلوقات پر خبر خواہ مربی اور ناصر یاور ہے۔ چونکہ ان کلمات طیبات میں اللہ تعالے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور جمیع مومنین کو مخاطب کرکے پوچھتا ہے کہ کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالی ہی کی بادشاہی ہے اور کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ وہی والی و نصیر و قدیر ہے اور استفہام تقریری ہے یعنے تم کو یقینی علم ان امور کا ہے اب اسی کی تاکید اور اسی علم کے مطابق عمل کرنے کے لئے فقط مومنین کو مخاطب کرکے فرماتا ہے :-

*ام تريدون ان تسئلوا رسولكم الآیۃ یعنی یہہ بات کہ تم کو علم امور مذکورۃ الصدر کا نہیں ہے درست نہیں ہے بلکہ تمکو یقینی علم ہے اچھا جب تم کو یقینی علم ہے تو کیا پھر اس یقینی علم کے مطابق عمل کروگے یا اس کے الٹ تم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اصحاب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح ایسے لمبے سوالات کرنے کا ارادہ کروگے جو کفر تک نوبت پہونچا دیں یعنے اصحاب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو سوال بھی کردے جو قرآن مجید میں مذکور ہیں مگر تم کو سمجھایا جاتا ہے کہ تم نے اس قسم کا ارادہ تک بھی نہ کرنا ۔ ام اس جگہ منقطعہ ہے یعنے بل ۔ اسکا خاصہ ہوتا ہے کہ پہلے کلام کے نام کی نفی کرکے ایک دوسرے جدید سوال کو قائم کرتا ہے اسی واسطے اس کا ترجمہ اسی کے مطابق کر دیا گیا ہے یعنے بل کا ترجمہ الگ جو اضراب کیلئے ہے اور ہمزہ استفہام انکاری کا ترجمہ الگ کر دیا گیا ہے ۔ اس کے بعد اللہ تعالے اہل کتاب کی بے ایمانیوں اور حسد اور

الکتٰب لو یردونکم من بعد ایمانکم کفارا حسدا

بہت سے اہل کتاب باوجود اس بات کے کہ کامل حق ان پر ظاہر ہو چکا ہے محض اُس حسد کی وجہ سے جو ان کے اپنے نفس کی طرف سے (نہ کہ خدا کی طرف

من عند انفسهم من بعد ما تبین لهم الحق

سے) پیدا ہوا ہے چاہتے ہیں کہ تم مسلمانوں کو تمہارے ایمان لائے پیچھے پھر کافر بنا ڈالیں سو تم ان کی سزا دہی چھوڑ دو اور ان سے کنارہ کشی

فاعفوا واصفحوا حتی یاتی الله بامره ان الله

ہو جاؤ یہانتک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم صادر فرماوے بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کے کرنے پر جیسے وہ کرنا

علی کل شیء قدیر ۝ واقیموا الصلوة و

چاہے قادر ہے۔ اور تم وہ نماز پڑھتے رہا کرو اور

اٰتوا الزکوة وما تقدموا لانفسکم من خیر

وہ زکوٰۃ دیتے رہا کرو جنکی کیفیت و کمیت رسول اللہ صلعم کو سکھائی گئی ہے اور اپنے لئے بھلائی بھی بطور ذخیرہ

تجدوه عند الله ان الله بما تعملون بصیر ۝

عاقبت پہلے سے بھیجتے رہو گے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جا کر موجود پالو گے کیونکہ جو کچھ عمل بھی تم لوگ کر رہے ہو اُسے اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے

اور بغض نفسانی اور دیگر شرارتوں کے سلسلے کو جو یا یہا الذین اٰمنوا لا تقولوا راعنا سے شروع ہوئے ہیں ذکر فرما کر عفو اور صفح کا حکم دیتا ہے اور سو بھی اس وقت تک کہ اللہ تعالیٰ انتقام لینے کا وقت پیدا کر دے ۔ حقیقت میں یہ پیشین گوئی جو تھوڑے دنوں

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا

یہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ ایسے ہیں کہ آپس میں بھی ایک دوسرے کو دوزخی جانتے ہیں مگر تمہاری بدخواہی میں متفق ہیں کیونکہ یہود کہتے ہیں کہ اس جنت میں سوائے ان

أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ

لوگوں کے جو یہودی ہیں اور کوئی بھی نہیں جانے پائیگا اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ سوائے ان لوگوں کے جو نصاریٰ ہیں اور کوئی بھی جنت میں نہیں جانے

إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ

پائیگا یہ ان کے اپنے اپنے خیالی پلاؤ ہیں تو کہہ کہ اگر تم اپنے ان دعووں میں سچے ہو تو اس پر اپنی قطعی دلیل پیش کرو یہ دعوے سب جھوٹ ہیں بلکہ واقعی بات

لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ

اور یقینی ذریعہ و وسیلہ جنت میں جانے کا یہ ہے کہ جو کوئی اپنی ذات اللہ کے سپرد کرے درآنحالیکہ وہ محسن یعنے کام مطابق تعلیمات ربانی کرے

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ وَقَالَتِ الْيَهُودُ ع

نہ کہ مطابق تعلیم نفسانی سوائے اس کے لئے اسکے رب کے ہاں اسکا اجر موجود ہے اور ایسے لوگوں کو کسی قسم کا بھی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غم ہی کھائینگے۔ اور یہود کہتے ہیں کہ

لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ

کہ یہ نصاریٰ کسی چیز پر بھی نہیں یعنے انکا مذہب بالکل باطل ہے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ

تھوڑے دنوں میں پوری ہوگئی اور اسلام کا بول بالا ہوگیا اس کے بعد اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ تمہاری بدخواہی میں تو یہ دونو فریق متفق ہیں مگر ان کا اپنا

اتفاق بھی یہاں تک ہے کہ ایک دوسرے کو کافر اور ملعون اور دوزخی کہتے ہیں حالانکہ جنت میں جانے کا مستحق خدا کے دین میں فقط وہی شخص ہوتا ہے

لَیْسَتِ الْیَهُودُ عَلٰى شَیْءٍ وَّهُمْ یَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ

کہ یہود کسی چیز پر بھی نہیں ہیں یعنے ان کا مذہب بالکل باطل ہے حالانکہ دونوں فریق آسمانی کتابوں کو پڑھتے ہیں۔

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ

اور جو لوگ آسمانی کتابوں کو جانتے ہی نہیں وہ بھی ان پڑھے ہوئے اور آسمانی کتابوں کے جاننے والوں کے قول کی طرح اسی طرح اپنے ناجی ہونے اور

فَاللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ

دوسروں کو دوزخی ہونے کا دعوے کرتے ہیں (یعنے بلحاظ دعوے اور بلحاظ نسبت یعنی کچھ بھی پڑھے ہوئے اور ان پڑھ سب کے سب برابر ہیں) پس اللہ تعالے

یَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ

یوم القیامۃ کو ان تمام امور میں جنمیں یہ لوگ جھگڑا کر رہے ہیں انہیں فیصلہ کر دیگا۔ اور اس سے بڑھکر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں میں خدا کا نام لیئے

اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ؕ

جانے کو منع کرے اور اُن کی ویرانی اور بے رونقی میں کوشش کرے۔ ان لوگوں کا

اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا

حق ہی نہیں ہے کہ وہ مسجد میں آنے پاویں سوائے

جو اسلام اور احسان اختیار کئے رہے یعنے جو کام کرے یا جو اعتقاد رکھے وہ سب رضائے مولے کے لئے کرے اور رکھے اور دوسری یہہ بات ہے کہ وہ کام اور وہ اعتقاد مطابق تعلیم ربانی ہو ورنہ کوئی عمل یا کوئی اعتقاد جو خلاف کتاب و سنت ہے ہرگز مقبول و منظور نہیں ہے اس کے بعد اللہ تعالے کل دنیا کے مذاہب باطلہ کا بھی حال بیان کرتا ہے گویا کل حزب ہمالد یہم فرحون کی تفسیر اس جگہ ہو رہی ہے کہ کیا مشرک اور

خَآئِفِيْنَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ

حالت مغلوبیت وعجز و خوف کے۔ اس جہان میں بھی ان کے لئے بڑی رسوائی اور ذلت ہے اور اس جہان میں

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ

بھی ان کے لئے بڑا سخت اور بڑا بھاری عذاب ہوگا ۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے مشرق بھی اور جنس مشرق بھی اور مغرب بھی اور جنس مغرب بھی

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

یعنے کل جہات کا مالک وہی ہے پس جس طرف اور جس جگہ مونہہ پھیر سکو پس اسی طرف وجہ اللہ یعنے اللہ کی رضامندی ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑی ہی کشائش والا

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ لَّهٗ مَا فِي

اور سب کچھ جاننے والا ہے ۔ اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد رکھتا ہے وہ اس عیب سے پاک ہے بلکہ اسی کی مملوک و مخلوق ہے جو کچھ جملہ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝ بَدِيْعُ

آسمانوں اور جملہ زمینوں میں ہے سب کے سب اسی کے محکوم و فرمانبردار ہیں ۔ وہی جملہ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ

آسمانوں اور جملہ زمینوں کا ایجاد کرنے والا ہے اور جب کسی کام کے کرنے کا

کیا یہودی اور کیا عیسائی سب کے سب اپنے اپنے خیالی پلاؤ پکار رہے ہیں کذالک قال الذین لا یعلمون مثل قولھم سے اہل کتاب کی پرلے درجہ کی توبیخ
اور تحقیر و تبکیت ہوتی ہے کیونکہ جس طرح کا جو دعوے بے دلیل یہہ پڑھے لوگ کر رہے ہیں اسی طرح کا وہی دعوے دلیل یہہ ان پڑھ مشرکین بھی کر رہے
ہیں کذالک میں تشبیہہ لفظاً ارادہ اور نیت میں ہے اور مثل قولھم میں تشبیہہ فقط قول یعنے زبانی دعوے میں ہے اور بس ۔ پس کذالک اور مثل قولھم

لَهُ كُن فَيَكُونُ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا

ارادہ کرتا ہے تو بس اس کو اتنا ہی کہہ دیتا ہے کہ ہو جا پھر وہ کام ہو جاتا ہے۔ (پس اسکو اولاد بنانے کی کیا حاجت ہے) اور جو لوگ ان مذکورۃ الصدر

يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ كَذَٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِن

اہل کتاب کی طرح آسمانی نوشتوں سے واقف نہیں ہیں یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے کیوں کلام نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی (تاکہ

قَبْلِهِم مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا

ہم مسلمان ہو جاویں اور محمد کو سچا نبی مان لیویں یہ ساری باتیں حکمت ربانی کے خلاف ہیں) اسی طرح انہیں کے قول کی طرح ان سے پہلے لوگ بھی کہا کرتے تھے

الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا

ان پہلے اور پچھلے لوگوں کے دل کچھ ایک ہی ڈھب اور ڈھنگ کے ہیں نبوت کی تمیز کیلیے یا آسمانی کتاب کی تصدیق کیلئے جسقدر ضروری دلائل اور علامات طالبان حق کو

وَنَذِيرًا وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ ۝ وَلَن تَرْضَىٰ

ہوتی ہیں حسب کی سب بیان کردی ہیں یعنی تو ہم ایک نشانی مانگتے ہیں اور ہم کثرت سے بیان کرچکے ہیں اور انکو خبر نہیں پس معلوم ہوا کہ انکو علامات نبوت کی طلب نہیں ہے۔ ہاں جو طالبان حق ہوتے ہیں انکو

عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ

نبوت کی نشانیاں معلوم ہو جاتی ہیں اور وہ سب کی سب تجھ میں دیکھ لیتے ہیں کیونکہ ہم نے تجھ کو کامل صفات اور جامع کمالات والا قرآن دیا ہے دیکھو نیکو کاروں کو بہشت کی خوشخبری سنانیوالا اور

اور بدکاروں کو جہنم کا ڈر سنانیوالا کر کے بھیجا ہے اور تجھ سے دوزخیوں کی نسبت کچھ بھی بازپرس نہ ہوگی اور ان اثر پذیر ہونے کا کیا گلہ ہے یہ یہودی اور عیسائی تو تجھ سے کبھی خوش نہ ہونگے

ہیں کوئی تکرار نہیں ہے یعنے جس طرح اہل کتاب ایمانی اور بشارت اور تعلیم وعدہ اور سکے ساتھ اپنا دعوے سے باطل کر رہے ہیں اسی طرح یہ لوگ بھی

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَا

تو ان کے مذہب کی پابندی نہ کرے۔ تو کہہ کہ بیشک اللہ کی ہدایت یعنے قرآن مجید ہی فقط سچی اور اصلی اور حقیقی ہدایت ہے اور باقی سب توہمات اور خرافات ہیں اور

ءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ

اگر تیرے پاس اس کامل صفات اور جامع کمالات والے دین اسلام کی کوئی بھی تعلیم ربانی آجاوے اور باوجود اسکے پھر اس ربانی تعلیم کی مخالفت کرکے تو ان لوگوں کی

مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

خواہشوں کے پیچھے چلیگا تو اللہ کے عذاب سے بچانیوالا نہ تو تیرا کوئی دوست حمایتی ہی ہوگا اور نہ کوئی یار و مددگار۔ جن لوگوں کو ہمنے یہہ کامل صفات اور جامع کمالات والی کتاب

يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ

عطا کی ہے یعنے قرآن مجید اور پھر وہ اس کامل کتاب کو پڑھتے رہتے ہیں جیسا کہ اسکے پڑھنے کا حق ہے یعنی سمجھ سوچکر اور اسکے مطابق عمل کرتے رہتے ہیں وہی لوگ

۱۴ ع وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

اس کتاب کی تصدیق کرتے ہیں اور جو لوگ اس کتاب کا انکار کردیتے ہیں تو بس وہی لوگ ہیں جو اپنا راس المال بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ نفع اٹھانا تو رہا درکنار۔

فقط شرارت سے ایسا کرتے ہیں اور دعوے سب کا ایک ہی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالےٰ اہل کتاب کے احبار و رہبان کی شرارتوں اور ظلموں کا ذکر فرماتا ہے ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ الایہ سے شروع کرکے ان اللہ واسع علیم تک۔ اس آیت کے پہلے بھی اہل کتاب کا ذکر ہے اور اسکے پیچھے بھی اہل کتاب کا اسلوسطے ظالمین سے مراد فقط احبار و رہبان اہل کتاب ہی ہوسکتے ہیں اور بس ورنہ نظم قرآنی میں فرق آتا ہے اگر اہل مکہ اس جگہ مراد لئے جاویں محققین مفسرین اہل اسلام بھی یہاں ظالمین سے فقط احبار یہود ہی لیتے ہیں نہ کہ اہل مکہ زیادہ تشریح پیچھے صــــ میں ہوچکی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالےٰ ان کے اس عقیدہ کفریہ و شرکیہ کی تردید کہ خدا کا کوئی بیٹا بھی ہے قالوا اتخذ اللہ ولدا سے شروع کرتے اور اسکے ضمن میں مشرکین کے اسی قسم کے عقیدہ باطلہ کی تردید کرکے پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے فرماتا ہے کہ یہہ یہود اور یہہ عیسائی تو اسی وقت خوش ہوسکتے ہیں کہ جب تو ان کے مذہب کی اتباع کرے حالانکہ وہ دونو مذہب بالکل باطل اور ناحق ثابت ہوچکے ہیں اور قرآن کریم ہی حق اور سچ ہے پس قرآن مجید کی اتباع ہی لازم ہے اور قرآن

يٰبَنِىٓ إِسْرَآءِيلَ ٱذْكُرُوا۟ نِعْمَتِىَ ٱلَّتِىٓ أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ

اے بنی اسرائیل میری اُن عنایات کو یاد کرو جو پہلے تم پر کیں اور بالخصوص اس عنایت کو کہ پہلے تم کو اُن لوگوں پر فوقیت اور فضیلت بخشی جو تمہارے مقابل تھے

وَأَنِّى فَضَّلْتُكُمْ عَلَى ٱلْعٰلَمِينَ ۝ وَٱتَّقُوا۟ يَوْمًا

تم پر سختی کرنے اور ذلت و خواری میں ڈالنے کو رکھتے تھے اور اس بڑے بھاری ہیبتناک دن کے

لَّا تَجْزِى نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَلَا يُقْبَلُ

عذابوں سے بچتے رہو کہ جس میں کوئی شخص بھی کسی شخص کے عذاب میں سے کچھ بھی اپنے سر پر نہ لے سکیگا اور جس میں اس کی طرف سے

مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنفَعُهَا شَفَٰعَةٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۝

کسی طرح کا معاوضہ خواہ کتنا ہی کیوں نہ ہو نہ قبول کیا جاویگا اور جس میں کسی قسم کی بھی سفارش اُس کے حق میں مفید نہ ہوسکے گی اور جس میں اُن
لوگوں کو اور بھی کسی قسم کی اندرونی یا بیرونی مدد مل سکے گی۔

اور اگر کسی ایک امر میں بھی اسکی مخالفت ہوئی اور کسی باطل مذہب کے اتباع ہوئی تو بس تو ہلاک ہوا اور پھر کوئی بھی حامی اور نصیر نہ ہو سکے گا۔ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ الآیہ میں مسلمانوں اور اُنکی پاک کتاب قرآن کریم کا بیان ہے اور مسلمانوں کی صفت اُس صورت میں ہے کہ وہ اُس پاک کتاب کی تلاوت اور اس کے مطابق اسپر عمل کرتے رہیں یتلونہ حق تلاوتہ حال ہے الذین کا نہ کہ خبر۔ اور یہود و نصاریٰ یا انکی کتاب کا یہاں ہرگز ذکر نہیں ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان یہود بے بہبود کو پھر اپنے احسانات قدیمہ یاد دلاتا ہے اور قیامت کے ہول اور اس یوم میں طرح طرح کی بیکسیوں اور محتاجیوں کا ذکر فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی ترغیب دیتا ہے یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ سے لیکر وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ تک کی پہلے مفصل تفسیر صفحہ ۲۳۹ وغیرہ میں کی گئی ہے دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے البتہ اتنا کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلی یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ میں مخاطب ہیں احبار یعنے مولوی اور پڑھے ہوئے لوگ اور دوسری یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ میں مخاطب ہیں رہبان یعنے سجادہ نشین اور گدی نشین اور مشائخ لوگ جیسا کہ پہلے ثابت کیا جا چکا ہے۔ اب اس جگہ تیسری یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ میں پھر رہبان اور گدی نشین اور سجادہ نشین اور مشائخ مخاطب ہوئے ہیں۔ پس دوسری یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اور اس تیسری یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کے سجادہ نشینوں میں کچھ فرق دیکھنا ضروری ہے ورنہ تکرار لازم آتا ہے۔ سو واضح ہو کہ دوسری یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ میں اُن سجادہ نشینوں کا ذکر ہے جو دنیوی مال کو اپنے علو نفس سے زیادہ پیارا اور محبوب اور مقدم جانتے ہیں اور سفارش اور شفاعت پر ہی اپنا مدار رکھتے ہیں و لہٰذا الغولئے جھڑی جاوے تو جاوے پہ دمڑی نہ جاوے

وَإِذِ ابْتَلٰٓى إِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ۖ قَالَ

اور ان یہود و نصاریٰ اور مشرکین کو وہ نعمت بھی یاد دلاکہ جب (اُن کی جد) ابراہیم کو اُس کے رب نے عظیم الشان کلمات کے ساتھ مکلف کیا سو اُسنے

إِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۖ قَالَ وَمِنْ

اُن کلمات کو خوب پورا کر دکھایا یعنے جب اسکے رب نے اسکو کہا کہ میں تجھے جنوں اور انسانوں کا امام بنانیوالا ہوں ۔ عرض کی اور میری اولاد میں سے بھی کوئی

ذُرِّيَّتِيْ ۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ۝

نبی ہوگا؟ جواب میں فرمایا ۔ میرا عہد امامت ان لوگوں کو نہیں پہونچتا جو ظالم بن جاتے ہیں ✣

اپنی جان کو بھی ہلاکت میں ڈال دیتے ہیں اور پیسہ خرچ نہیں کرتے پس اسواسطے وہاں اللہ تعالیٰ بھی انہیں کی طبیعت کے رجحان کے مطابق پہلے
اسی چیز کی تردید فرماتا ہے جسے یہہ لوگ اپنی کار برآری کا سب سے پہلا ذریعہ سمجھتے ہیں یعنے شفاعت و سفارش ۔ اس کے بعد انکی مال و دولت
کی قبولیت کی تردید فرماتا ہے جو بیسے لوگوں کی کام برآری کا سب سے آخری ذریعہ ہوتا ہے اس تیسری یابنی اسرائیل میں اُن سجادہ نشینوں کا
ذکر ہے جو پہلی قسم کے سجادہ نشینوں کے برخلاف اپنے علو نفس کو مال سے مقدم و محبوب تر سمجھتے ہیں پس وہ مال خرچ کرنے میں دلیر ہوتے ہیں اور شفاعت اور
سفارش کو ذلت سمجھتے ہیں پس اس تیسری یابنی اسرائیل میں اس قسم کے سجادہ نشینوں کے میلان نفس کے مطابق پہلے ان کے سب سے پہلے ذریعہ
یعنے مال اور پیچھے ان کے سب سے آخری ذریعہ یعنے شفاعت کی عدم قبولیت کا ذکر فرماتا ہے پس دونو جگہوں میں دو قسم کے سجادہ نشینوں کا ذکر ہے
اسواسطے کچھ تکرار نہیں ہے ۔ البتہ یہہ سوال باقی رہتا ہے کہ پہلی جگہ پہلی قسم کے اور اس جگہ دوسری قسم کے سجادہ نشینوں کے ذکر کی تخصیص کیوجہ
کیا ہے تو اسکا جواب بالکل سہل اور صاف ہے کہ مال کے خرچ کرنے والے اپنے علو اور تکبر اور بڑائی کے خواہاں ہوتے ہیں اور ان سے بڑے بڑے
فسادفی الارض اور بڑی بڑی شرارتیں دنیا میں پیدا ہوتی ہیں اور اس جگہ چونکہ اُن اہل کتاب کا ذکر ہے جو مساجد اللہ کی بے رونقی کے درپے اور
اور مومنین کو انہیں ذکر الٰہی کرنے سے مانع ہونیکی وجہ سے ظالمین کے زمرہ میں شمار ہوئے ہیں اسواسطے ان کے مناسب حال انہیں کے مال و دولت کی عدم
قبولیت کا ذکر فرمایا ہے اور پہلی جگہ اس قسم کے ظالمین کا حال مذکور نہیں ہے اس تیسری یابنی اسرائیل کے خاتمہ پر یہود کی اُن شرارتوں کا بھی خاتمہ
ہوگیا ہے جو ابتدا زمانہ نبوی میں شروع ہوئی تھیں ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ یا ایہا الذین اٰمنوا لا تقولوا راعنا تک یہود کی اُن شرارتوں اور قباحتوں کا بیان
ہے جو موسیٰ سے شروع کرکے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک نسلاً بعد نسل کرتے چلے آتے تھے اور اب اس رکوع سے انکی وہ شرارتیں شروع
ہوتی ہیں جو خود ذات پاک احمدی سے اور آپکے اصحاب پاک کے ساتھ کرتے تھے اس جگہ پر ان کے دونو زمانوں کی شرارتوں کا خاتمہ کرکے اللہ تعالیٰ
ابراہیم خلیل اللہ کا ذکر سناتا ہے کیونکہ یہہ رسول یہودیوں اور عیسائیوں اور مشرکین اور مسلمین مومنین سب کا امام اور پیشوا اور معظم و مکرم ہے ان
کی فرمانبرداری اور نیکوکاری اور انکی تعلیمات توحید اور ان کے کفر و شرک کی بیزاریاں اور ان کے بیت اللہ شریف میں آنے اور وہاں آکر اس کی
تعمیر کرنے اور وہاں اسماعیل کے ذبح کرنے اور بیت اللہ شریف کو مسجد قرار دینے اور اسی میں کل قوموں کو حج کے لئے آنے کی دعوت کرنے

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ط

اور ان یہود وغیرہ کو جو ابراہیم کے اتباع کے مدعی ہیں اور پھر وہ کعبۃ اللہ کی حرمت اور بزرگی کو نہیں مانتے اور وہ بیان کئے تاریخی حالات سے اپنی ناواقفی کے باعث یہ سمجھے ہیں کہ ابراہیم نے

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ط وَعَهِدْنَآ

کعبۃ اللہ کی تعمیر نہیں کی حالانکہ انکی توراۃ میں فقط وہی حالات مذکور ہیں جو خاص بنی اسرائیل سے متعلق ہیں بنی اسمعیل کے حالات فقط استطرادً درج ہیں جو بنی اسرائیل کے ساتھ لازم و ملزوم کا

اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ

حکم رکھتی ہیں اور بنی اسمعیل کے مفصل حالات کا ذکر انکی کتاب میں نہیں ہو سکتا لہذا اسپر وہ اس یقینی تاریخی واقعہ کا انکار عقلاً اور نقلاً ہرگز نہیں کر سکتے وہ وقت بھی یاد دلا کر جب ہمنے

لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَاِذْ

اس بیت اللہ شریف یعنے مسجد حرام کو جنوں اور انسانوں کے لئے ایک بڑا بھاری مرجع اور معبد اور ایک بڑا بھاری مامن مقرر کر دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ خود مقام ابراہیم ہی کو جائے نماز مقرر رکھو (چنانچہ یہہ مقام ابراہیم نسلاً بعد نسل اور پشت در پشت کی روایتوں میں محفوظ و مامون چلا آیا ہے پھر اس سے انکار کر نیکے کیا معنے ہیں) اور ابراہیم اور اسمعیل کو ہمنے حکم دیا کہ تم دونوں میرے گھر کو ان لوگوں کے لئے جو حج اور عمرہ کے لئے یہاں آکر طواف کریں اور ان لوگوں کیلئے جو اس گھر میں اندر اعتکاف اور مجاورت کریں اور ان لوگوں کیواسطے جو یہاں رکوع سجود کریں یعنے نماز پڑھیں ہر قسم کی نجاست جسمانی اور روحانی سے خوب پاک صاف رکھو

اور اسی جگہ پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزمان کے پیدا کرنے اور اس بنجر اور پتھریلی زمین میں ہر چہار اطراف سے طرح بطرح کے میوہ جات اور آور اشیاء خوشبوئی و پوشیدنی کے مہیا کرنے کے لئے التجائیں اور دعائیں کرنا وغیرہ وغیرہ بیان کر کے سمجھایا ہے کہ دین محمدی اور دین ابراہیمی تو ایک ہی ہیں اور تم یہود کا دعوے ہے کہ تم ہی ابراہیم کے پیرو ہو اور تم عیسائیوں کا یہہ دعوے ہے کہ فقط تم ہی اُن کی ملت کے شیدا ہو اور تم مشرکین کا تو یہہ کہ فقط تم ہی ابراہیم کے نقش قدم پر چلتے ہو پھر اپنے اپنے دعوے کو ابراہیم حنیف کی تعلیمات ربانی کے ساتھ مقابلہ کر کے دیکھ لو کہ تم سچے ہو یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ غرضکہ اخیر پارے تک یہی مسلسل بیان چلا جاتا ہے۔ واذ ابتلے الآیہ کے یہہ معنے نہیں ہیں کہ اللہ تعالے نے قبل از نبوت اور رسالت ابراہیم کا چند کلمات میں امتحان لیا تھا اور پھر اُن کے اس امتحان میں پاس ہو جانے پر اسکے صلہ میں ان کو امامت اور نبوت عطا فرمائی۔ بلکہ یہاں ابتلی کا معنے ہے کلفنا اور کلمات سے مراد ہے جملہ تعلیمات ربانی متعلق نبوت جنکی تبلیغ رسول کے ذمہ فرض ہوتی ہے اگرچہ وہ اس تبلیغ میں اپنی جان پر بھی کھیل نہ کھیل جائے پس اسکا مطلب یہہ ہے کہ اللہ تعالے نے ابراہیم کو احکام و نواہی عطا فرمائے کہ ان کی تبلیغ مطابق یاایہا الرسول بلغ ما انزل الیک الآیہ پورے پورے طور پر کر۔ چنانچہ حق تبلیغ بجا لائے ان تھوڑے سے الفاظ میں اللہ تعالے ابراہیم کی ساری زندگی بھر کی

قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اجْعَلْ ھٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ

اور ان کو وہ وقت بھی یاد دلا کہ جب ابراہیم نے یہہ دعا مانگی اے میرے رب اس لق و دق بیابان کو ایک بڑا بھاری عظیم الشان اور عالیقدر اور بڑا ہی امن والا شہر بنا اور یہاں

اَھْلَہٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْھُمْ بِاللّٰہِ

اُسکے باشندگان میں سے اُن لوگوں کو جو اللہ پر اور اسکے پچھلے دن پر یقین لاویں ہر قسم طرح بطرح کے میوہ جات اور انکی جنس کی اشیاء خوردنی عطا فرما اور کفار کو انسے محروم رکھ

وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَ وَمَنْ کَفَرَ فَاُمَتِّعُہٗ قَلِیْلًا

تاکہ وہ مغلوب رہیں حاجیوں اور دیگر مومنین کو تنگ اور اس بیت اللہ شریف کی بیحرمتی نہ کرسکیں۔ فرمایا اور جو کوئی منکر ہوگا تو اُس کو بھی بس ان چیزوں میں سے

ثُمَّ اَضْطَرُّہٗٓ اِلٰی عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ

دنیا کی ان چندروزہ زندگی تک تیار ہونگا پھر بعد الموت اسکو اُس دوزخ کے عذاب کیطرف جسکا ذکر قرآن مجید میں کرچکے ہیں مجبور کرکے لے جاؤنگا اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ

اور ان لوگوں کو وہ وقت بھی یاد دلا کہ جب ابراہیم اور انکے خلف الصدق اسمعیل انہیں بنیادوں کو جو اُس گھر یعنی بیت اللہ شریف کے بقیہ آثار میں سے بچی پڑی تھیں بلند کرتے

تعریف بیان فرماتا ہے اور انہیں کلمات کی مراد بیان فرمانے کے لئے اسکے ساتھ ہی من غیر فصل بحرف من حروف العطف فرما دیا قال انی جاعلک للناس اماما یعنے تجھے خلعت نبوت عطا ہونیکو ہے اور تجھے فرائض رسالت کا پورا پورا حق بجا لانیکے واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی میں من تبعیضیہ موصوف یعنے مقام ابراہیم کے بیان کے لئے ہے اور اسکو مصلی ہونے کے لحاظ سے اسکی اس صفت میں باقی تمام مقامات سے ممیز کرتا ہے اس قسم کے من کی بہت سی مثالیں تفسیر کبیر میں اسی آیت کی تفسیر کے ذیل میں مرقوم ہیں اسیواسطے اسکے مطابق ترجمہ میں حصر اور تخصیص کے لفظ فقط اداہی لکھے گئے ہیں اور چونکہ یہہ دستیم انکار رہا اصرار کی تردید کے لئے اس نشان کا قیامت تک موجود رہنا اشد ضروری ہے اسیواسطے اسکی محافظت کے طریقوں میں سے ایک یہہ طریق بھی جاری ہے کہ حاجی لوگ وہاں دو رکعت نماز پڑھیں تاکہ تمام دنیا میں اسکی شہادت موجودہ اور قائم رہے ۔ واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت میں القواعد کا آ-ل عہدی ذہنی وعلمی ہے اور البیت کا آ-ل عہدی ذکری خارجی ہے یعنے وہ بیت جس کا مذکور آیت ان اول بیت وضع للناس الایہ میں ہے خود الفاظ القواعد من البیت بھی بتا رہے ہیں کہ بیت اللہ شریف اذن اللہ تعالے کے حکم سے سب سے پہلا مکان اس دنیا پر بنایا گیا ہے اور کچھ سبب

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

اور یہہ دعا مانگتے جاتے تھے اے ہمارے رب اب ہماری اس کارِ خیر کو قبول فرما بلاشک تو ہی ہے ہماری زبانی دعاؤں کا سننے والا اور ہماری دلی نیتوں کا جاننے والا۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا

اے ہمارے رب اور ہم کو اپنا ہی تابعدار اور فرمانبردار بنائے رکھ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک عظیم الشان گروہ کو

أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا

اپنا ہی فرمانبردار اور تابعدار بنا اور آپ ہی توفیق عطا کر اس بیت اللہ شریف کے بنانے اور اسکی طرف لوگوں کو حج کرنے کے لئے دعوت کرنے کا حکم دیا ہے

إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ

تو اب ہمکو ہمارے حج کے طریقے اور اسکے متعلق کل امور کی تعلیم فرما اور ان امور میں ہم پر مہربانی اور تخفیف کا حکم دے بلاشک تو ہی ہے فقط بڑا ہی اعلیٰ درجہ کے تخفیف کرنے والا اور بڑا ہی اعلیٰ درجہ کا مہربانی کرنے والا اے ہمارے رب ان لوگوں میں انہیں میں کا ایک اعلیٰ نبی

انقلاب زمانہ سے وہ ڈھے گیا تو پھر ابراہیمؑ نے اس مبارک مکان کی پہلی ہی بنیادوں پر بحکم خدا اٹھا دیئے کوئی اور نئی بنیادیں نہیں اٹھائیں۔ اس جگہ بھی من اسی طرح آیا ہے جس طرح پہلے من ذریۃ ابراھیم میں من آچکا ہے۔ واجعلنا مسلمین لک کے یہہ معنے نہیں ہیں کہ آج ہم کو مسلمان کر اور اس سے پہلے ہم مسلمان نہیں تھے بلکہ معنے یہہ ہیں کہ اسی مسلمانی پر ہمیشہ ہمکو عطا کی ہوئی ہے ہمیشہ ثابت قدم اور مستقیم رکھہ دیا دہ تشریح کے لئے دیکھو صفحہ وغیرہ یعنے اھدنا الصراط المستقیم کی تفسیر۔ ومن ذریتنا سے صاف ظاہر ہے کہ ابراہیمؑ نے اپنی کل ذریات کے لئے دعا نہیں مانگی بلکہ فقط بعض افراد کے لئے اس کی وجہ یہہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے اس کہنے سے کہ لا ینال عھدی الظلمین سے وہ سمجھہ گئے کہ جس طرح آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں سے بعض شاکر و مومن ہیں اور بعض کافر اسی طرح میری اولاد میں سے بعض لوگ ظالمین نکلیں گے سو ان کو اپنی دعا میں سے خارج کر دیا کیونکہ جہنمی کفار کے لئے دعا مانگنا جرم ہے۔ تب علینا کے یہہ معنے نہیں ہیں کہ ہم گنہگار اور قصوروار ہیں ہمارے گناہ معاف کر کیونکہ یہاں تو گناہ کا ذکر تک موجود نہیں ہے بلکہ وہ دونوں باپ بیٹا کل انبیاء کی طرح پاک اور معصوم ہیں بلکہ معنے فقط یہہ ہیں کہ ہم کو ایسے احکامات کا مکلف و مامور کر جو ہم آسانی اور دل کی خوشی کے ساتھ ادا کر سکیں اور ہم کو شاق اور بوجھل معلوم نہ ہوویں۔ تاب علیہ کی تشریح پہلے صفحہ میں ہو چکی ہے۔ وابعث فیھم رسولاً - ابراہیمؑ نے یہہ دعا مانگی کہ اس شہر میں یعنے مکہ میں ایسا رسول پیدا کر جسکی صفات مثن ترجمہ میں مسطور ہیں۔ اس دعا کا ثبوت توریت میں بھی ملتا ہے اور وہ یوں ہے کہ کتاب پیدائش باب ۱۷ درس ۲۰ میں اللہ تعالیٰ ابراہیمؑ کو فرماتا ہے کہ اسمعیل کے حق میں بھی نے تیری سنی۔ دیکھ میں اسے برکت دونگا اسے برومند کرونگا۔ اسے بہت بڑھاؤنگا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہونگے میں اسے بڑی قوم بناؤنگا - اب صاف ظاہر ہے کہ اسمعیل کی برومندگی اور مبارکی کو اللہ تعالےٰ نے ثابت و قائم رکھنے کا وعدہ کیا ہے اور سب سے بڑھکر برکت یہہ ہے کہ

رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ

رسول بھیج کہ ان کو تیری آیات پڑھ کر سنا دے اور ان کو جامع کمالات اور کامل صفات والی

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ

کتاب اور نیز اس کے عالی قدر مطالب و اسرار سکھائے اور ان کو ہر قسم کی نجاست اور آلودگی ظاہری باطنی اور جسمانی و روحانی سے پاک کر دے بیشک

الْحَكِيْمُ ○ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا

تو ہی ہر قسم کے غلبے والا اور نیز بڑی مہارت میں حکمتیں جو رکھنے والا ہے اور ابراہیم کی ملت سے کوئی بھی روگردانی نہیں کرتا مگر وہی جو اپنے نفس کو پاگل بنا دے یعنی اپنی فطرت سلیمہ پاکیزہ کو

مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا

ناپاک اور متغیر اور متبدل کر دے (اور اس پاگل پنے کی وجہ یہ ہے کہ ملت ابراہیمی بالکل پاک اور صحیح اور فطرت اللہ کی تربیت مطابق تعلیمات ربانی کرنے کے لئے اکسیر ہے)

وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ

کیونکہ بیشک تحقیق ابراہیم کو ہم نے اس جہان میں بھی اولوالعزم رسول اور خلیل بنانے کے لئے منتخب کیا اور بیشک وہ اس جہان میں بھی جو اس جہان کے بعد آنے والا ہے ان صالحین کے زمرہ میں ہوگا جن کی صفات قرآن مجید میں مذکور ہیں (اور اللہ تعالیٰ ابراہیم کو کیوں منتخب نہ کرتا وہ جو سراسر اپنے رب کا فرمانبردار بندہ ہے کیونکہ) جب اس کو اس کے

نبوت کا عطا کیا جاوے۔ اسی طرح اسمٰعیل کے حق میں اسکی ماں ام المومنین ہاجرہؓ کی دعا کا مقبول ہونا باب ۱۶ ورس ۹–۱۳ اور باب ۲۱ ورس ۱۷–۱۹ میں موجود ہے اور اسی طرح اسی کتاب کے باب ۱۷ ورس ۱–۸ میں دونوں بیٹوں یعنے اسمٰعیل اور اسحاقؑ کی برکت اور قیامت تک عہد خدا وندی کے قائم رکھنے کا بیان ہے۔

سفه نفسه یعنے پاجی یا احمق یا بے عقل نباہ یا اپنے آپ کو۔ مراد یہ ہے کہ جس پاک فطرت کے نگاہ رکھنے کا حکم مطابق آیہ فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا پسہ اللہ تعالیٰ نے دیا ہوا ہے اس فطرت اللہ کی تبدیل و تغیر اور اس امانت اللہ کی خیانت کرنے والے ہی فقط ملت حنیفی سے منحرف ہوتے ہیں ورنہ دوسرے لوگ اس سے کسی طرح انحراف نہیں کر سکتے۔ ولقد اصطفینٰہ ۔ اصل میں خلیل رحمٰن سے منحرفین کے سفاہت نفس کی ۔ اس میں بھی یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی سخت تبکیت و تحقیر و سفاہت ہے ۔ ابراہیم کے منتخب کرنے اور ان کو برو مند کرنے کا مذکور تورات کتاب پیدائش میں کئی جگہ ہے ۔ منجملہ ان کے

أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ○ وَوَصَّىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ

کہ اپنے رب کی فرمانبرداری کرتا تو جواب میں کہا کہ میں کل مخلوقات کے مالک مولا اور کل مخلوقات کے مربی کا فرمانبردار ہو گیا اور نہ صرف آپ ہی فرمانبردار رہا بلکہ ابراہیم ؑ نے

بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمُ

اپنے بیٹوں کو بھی اور اس کے بعد یعقوب ؑ نے بھی اپنے بیٹوں کو ایسی ملت پر رہنے کی وصیت کی بیٹے یوں کہا کہ اے میرے بیٹو! بیشک

الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ○ أَمْ

اللہ تعالیٰ نے تو تمہارے لئے اس دین اسلام کو جس پر میں چل رہا اور تم کو چلا رہا ہوں پسند فرمایا ہے سو اب تم نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم اسی دین اسلام کے تابعدار

كُنتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ

فرمانبردار ہو یعنی مرتے دم تک اسلام پر ہی قائم رہو تا کہ اچھا نتیجہ ہو۔ پس یہ وصیت تو آسمانی کتاب کی روایت کے مطابق ہے۔ کیا تمہارا یہ دعویٰ کہ ابراہیم ؑ اور یعقوب ؑ یہودی تھے

لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ

کسی روایت و توریت پر مبنی ہے یا تمہاری چشم دید رویت پر۔ کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب ؑ کے سامنے ان کی موت آموجود ہوئی جب اس نے اپنے بیٹوں سے

إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ

پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے بولے ہم عبادت کریں گے تیرے معبود کی اور تیرے باپ دادوں ابراہیم ؑ و اسماعیل ؑ و اسحاق ؑ کے معبود کی

جو حوالے اوپر نسبت قبولیت دعائے ابراہیم ؑ دیئے گئے ہیں کافی ہیں ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ یہ ذکر فرماتا ہے کہ ابراہیم ؑ اور اسمٰعیل ؑ اور اسحاق ؑ اور یعقوب ؑ اور اسباط یعقوب (فرزندان یعقوب ؑ) علیہم الصلوٰۃ والسلام سب کے سب ایک ہی دین اسلام پر مرگئے اور ابراہیم ؑ و یعقوب ؑ اسی دین کی وصیت کر گئے۔

ام کنتم شھداء الآیہ چونکہ کسی امر کا علم دو ہی طرح سے حاصل ہو سکتا ہے یا تو صحیح رویت سے اور یا اپنی صحیح روایت سے اس واسطے اللہ تعالیٰ اہل کتاب

اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ

جو بڑا عظیم الشان معبود واحد ہے اور ہمارا تو ہمیشہ سے یہی حال چلا آیا ہے اور اب بھی یہی ہے کہ ہم اسی معبود واحد کی خالص عبادت کنندہ ہیں۔ یہہ لوگ ایک بڑی با برکت جماعت

خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ

تھی جو اپنے اپنے وقتوں میں ہو گذری ہے اور تم لوگ ہو پرلے درجہ کے بیدین اور پھر اس پر طرہ یہہ کہ تم اسی بیدینی کو چھپا کر انہیں کی شفاعت وغیرہ کا بھروسہ کئے بیٹھے ہو جو ناممکن ہے کیونکہ تمہارا اور انکی

عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى

آپس میں کچھ نسبت ہی نہیں ہے (جو کچھ وہ اس دنیا میں کر گئے اسکا اجر انہیں کو ملیگا نہ تمکو اور جو کچھ تم اس دنیا میں کر جاؤ گے اسکا بدلہ تمہیں کو ملیگا اور یہہ با برکت لوگ جو کچھ بھی کیا

تَهْتَدُوْا ۚ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ

کرتے تھے اسکی بابت تمکو تو کسی نے پوچھنا ہی نہیں (چہ جائیکہ تم کو ان کے اعمال صالحہ سے کچھ فائدہ پہونچ سکے باوجود اسباب کے کہ جس موجودہ دین باطلہ پر
یہود اور عیسائی چل رہے ہیں اسکو دین ابراہیم و یعقوب علیہما الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کچھ بھی نسبت نہیں ہے پھر بھی مسلمانوں کو جنکا دین عین دین ابراہیمی ہی ہے)
کہتے ہیں کہ یہودی یا عیسائی بنجاؤ تو راہ راست پر آؤ۔ تو کہہ کہ ہم تو راہ راست پر ہی ہیں کہ ابراہیم کے دین کی پیروی کرتے ہیں) تم بھی بلکہ اپنی یہودیت اور عیسائیت کو
چھوڑ کر ابراہیم ہی کے دین کی پیروی کرو جو خالص مخلص ہو کر فقط دین اسلام پر قائم اور باقی جملہ ادیان باطلہ جنمیں یہہ تمہاری یہودیت اور عیسائیت بھی شامل ہیں بیزار تھا اور وہ ہرگز

سے پوچھتا ہے تم بتاؤ کہ تمہارے پاس تمہارے اس ادعا کا ثبوت کونسا ہے کہ ابراہیمؑ و یعقوبؑ یہودیت یا عیسائیت ہی پر مر گئے اور انہی یہودیت یا عیسائیت پر قائم رہنے کی وصیت بھی کر گئے اگر روایت پر مبنی ہے تو روایت نکالو اور وہ ہے نہیں اور اگر رویت پر مبنی ہے تو تم آج پیدا ہوئے ہو اور ان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دنیا چھوڑے ہوئے سینکڑوں ہزاروں برس گذر چکے پس دونو طرح سے اپنا دعوے ثابت نہیں کر سکتے جس سے صاف ظاہر ہے کہ تم عناد و اصرار کر کے دین حق محمدی سے جو عین ملت ابراہیم حنیف ہے انحراف کر کے اپنی فطرت اللہ کو تبدیل و تغیر کر رہے ہو۔ ام کنتم شہداء میں ام متصلہ ہے پس اسکے پہلے ضرور کوئی جملہ استفہامیہ جو اس موقعہ کے مناسب ہو مقدر ہے اور اس مقدر جملہ کے لئے قرآن کریم ہی کی اس قسم کی آیات جنمیں یہود وغیرہ کو تنبیہہ کی جاتی ہے کہ تم توریت کو لاکر پڑھو تم کوئی آسمانی کتاب لاکر دکھاؤ جسمیں تمہاری دعاوی باطلہ مرقوم ہوں وغیرہ وغیرہ کافی شافی ہیں اور ان کا یہہ ادعا کہ یہہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام یہودی تھے یا عیسائی تھے خود ان کے اس قول سے ثابت ہے ام تقولون ان ابرٰہم الاٰیۃ یعنی ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ سب کے سب بقول یہود یہودی تھے اور بقول نصارٰے نصاریٰ تھے اور پھر اس ادعا کو اللہ تعالیٰ کا یوں رد کرنا ماکان ابرٰہیم یہودیا الاٰیۃ کہ ابراہیم نہ یہودی تھا اور نہ عیسائی بلکہ حنیف مسلم تھا ہی خود یہود کی اس ادعا کو ثابت کر رہا ہے اس جگہ بھی اللہ تعالیٰ کا یہہ فرمانا کہ ابراہیمؑ اور یعقوب علیہما الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اپنی اولاد کو فقط دین اسلام ہی کی جو عین ملت حنیفی ہے وصیت کی جو مشعر ہے اس امر کا کہ انکی اس ادعا کی تردید ہے اور یہہ ادعا نہ تو روایت پر مبنی ہے نہ رویت پر کیونکہ روایت تو وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے

مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا

مشرکین میں سے بھی نہیں تھے (جیسا کہ مشرکین کا خیال ہے) اسے مسلمانو! یہہ یہود و نصاریٰ تو ابراہیمؑ و یعقوبؑ کی وصیتوں کے کاربند نہیں تم علانیہ طور پر ان کو کہدو کہ ہم ان وصیتوں کے کاربند

وَمَا أُنْزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ

ہیں انکی پہلی وصیت تو یہہ تھی کہ تم نے دین اسلام پر ہی قائم رہنا سو ہم بفضلہ تعالےٰ اسپر قائم ہیں کیونکہ ہم اللہ تعالےٰ کی ذات و صفات پر ایمان لائے ہیں اور اس کتاب پر جو ہماری طرف اتاری گئی ہے

وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ

یعنے قرآن مجید پر اور ان صحیفوں پر جو ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ پر نازل کئے گئے اور اسپر جو موسیٰ اور عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ملا یعنی توریت

النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ

اور انجیل پر ـ اور اسپر جو باقی سب سارے انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے وقتاً فوقتاً مختلف قوموں پر مختلف زمانوں میں دیا جاتا رہا ہے ـ ان نبیوں میں بھی ہم کسی میں بھی کچھ تفریق نہیں کرتے یعنی سب کو یکساں مانتے ہیں کہ وہ سب خدا کی طرف سے تھے ـ

بیان کر دی ہے اور رویت کا وجود ہی محال ہے ـ ہمنے توریت کو نکالا اور یعقوبؑ کے وصایا کو پڑھا ہے ان وصایا میں سوائے ایک وصیت کے کہ مجھے اپنے باپ دادوں ابراہیمؑ اور اسحاقؑ کے مقبروں کے پاس ہی دفن کرنا اور کوئی ایسی بات نظر نہیں آئی جسپر وصیت کا لفظ صادق آسکے کیونکہ باقی کی باتیں کچھہ کچھہ پیشینگوئیاں سچی اولاد کو دیکھے ہیں کسی کو برکت دی ہے کسی کو بد دعا اور بعض باتیں ایسی محرف اور سراسر باطل موجود ہیں جو ایک ادنےٰ مومن سے بھی سرزد نہیں ہوسکتیں خیر نقصہ کوتاہ اہل کتاب کے اس ادعا کا کہ ابراہیمؑ و یعقوبؑ نے فقط یہودیت یا عیسائیت کی وصیت کی تھی تام و نشان بلکہ اشارہ تک بھی موجود نہیں ہے ـ البتہ موت کے وقت جوان کی حالت اسلامی تھی اسکا کچھہ کچھہ ذکر موجود ہے جسکی تصریح قرآن مجید میں انہیں آیات کے اندر مذکور ہے مثلاً کتاب پیدائش باب ۴۷ ورس ۳۱ میں ہے یعنے بوقت موت یعقوبؑ اپنے بستر کے سرہانے پر عبادت الٰہی میں جھک گیا ـ اسی طرح باب ۴۸ ورس ۲۱ میں ہے کہ یوسفؑ کو فرمایا میں اب مرتا ہوں لیکن خدا تمہارے ساتھ ہوگا یہہ بات بھی عین اسلام ہے ـ غرضکہ ان کے اپنی مسلمہ آسمانی کتابوں میں بھی ان کی اس ادعاء باطلہ کا پتہ تک نہیں ملتا بس روایت کا ذریعہ تو یوں بند ہوگیا باقی رہی رویت سو وہ یوں تو محال ہے اسواسطے اللہ تعالےٰ ان دونوں ذریعوں کی نفی کرتا ہے نہ کہ صرف رویت کی ہی نفی کرتا ہے کیونکہ رویت ہی فقط کسی امر کے علم کے لئے ضروری نہیں ہے ❖ اس کے بعد اللہ تعالےٰ ان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعریف بیان کرکے اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہی دین حنیفی کے اتباع کو واجب بتا کر حکم کرتا ہے کہ مومن وہ ہوتا ہے جو اللہ پر اور جملہ کتب سابقہ منزلہ من السماء پر اور جمیع انبیاء و رسل پر خواہ ان کتابوں اور ان نبیوں کے نام و حالات بالتفصیل معلوم ہوں یا مطلقاً معلوم

وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ

اور سب کا دین ایک ہی تھا اور ہم تمہاری طرح کسی نبی کو خدا کا بیٹا اور کسی کو معبود قرار نہیں دیتے بلکہ ہم فقط اسی ذات پاک کے حکم بردار اور دین اسلام قائم ہیں۔ سو اگر یہ لوگ

بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ

(خواہ یہود ہوں خواہ عیسائی خواہ مشرکین) تمہارے اس دین اسلام پر جیسے تمہارا ایمان ہے ایمان لاویں اور کسی ایسے دین پر جو دین اسلام کا مثل ہو ایمان لاویں

فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ صِبْغَةَ اللّٰهِ

(کبھی ہیں) تب یہ لوگ ہدایت پر آجاویں گے (مگر یہ بات محال ہے کہ فطرت اللہ کی حفاظت و تربیت کے لئے اسلام کے سوائے کوئی دین بھی پیدا ہوسکے) سو اگر اس بات سے بھی انحراف

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ

کریں تو سمجھ لو کہ وہ تمہاری سخت ضد اور عداوت پر تلے پڑے ہیں اور انکی غرض حق طلبی نہیں ہے پس اسو جہ سے اب تیری طرح طرح کے اذیتوں کے درپے ہوں گے

عٰبِدُوْنَ ○ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَ

مگر ان کی شرارتوں سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ تیرے لیے کافی ہے اور ان کے ایذا رسانی کے منصوبوں کو سنتا اور ان کے دلی عنادوں اور منصوبوں کو جانتا ہے۔ اور انکی دوسری وجہ
یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے جو معبود واحد برحق ہے کسی اور کی عبادت کرنا سو فقط اللہ تعالیٰ اس وصیت پر بھی ہم ہی کاربند ہیں کیونکہ (ہم اللہ تعالیٰ کے رنگ میں
رنگین ہو چکے ہیں یعنے دین توحید و حنیفیت ہمارے دلوں پر قابو پا چکا ہے۔ اور ہمارے رگ و ریشہ میں اسکی رائینا ہو چکی ہے اب ہم کسی اور کے رنگ میں رنگین ہونے
کے لائق ہی نہیں رہے ہیں) اور جو رنگ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اس سے بہتر اور کس کا رنگ ہوسکتا ہے یعنی کسی کا نہیں۔ پس یہ عبادت کا مستحق بھی تو فقط
وہی ذات پاک ہے اور بس۔ اور ہم لوگوں کا یہ حال ہے کہ ہم فقط اسی کی عبادت کرتے ہیں اور بس۔ اور کسی مخلوق کو بھی اسکا شریک نہیں ٹھہراتے ان سے پوچھ کہ کیا
تم لوگ ہم سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہو حالانکہ وہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے (یعنے جسمانی اور روحانی تربیت ہم دونو فریقوں کی وہی کرتا ہے

نہ ہوں یکساں ایمان لاوے۔ اس کی تفصیل پہلے صفحہ ۱۱۹ و ۱۲۰ میں ہو چکی ہے۔ فان آمنوا الآیہ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ دین حق۔ دین توحید۔
دین حنیفیت تو یہی ہے جس پر نجات کا حصر ہے۔ اگر اس پر ایمان لے آویں تو فبہا ورنہ اس جیسا دین پیدا کریں پھر اس پر ایمان لاویں تو بھی منظور ہے۔ یہاں کوئی گمراہ

رَبُّكُمْ وَلَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ

اسواسطے ہم سب کو فقط اسی ذات واحد لاشریک کی مخالص عبادت کرلی چاہیئے) اور ہمکو ہماری اعمال کی جزا ملیگی اور تمکو تمہارے اعمال کی (پھر تم احبار و رہبان اور دیگر شفعا کو ارباب من دون اللہ

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ

ٹھہرا کر اپنے تمام اعمال باطل کرلیتے ہو) اور ہم فقط اسی کی رضامندی کے لئے اپنے تمام اعمال میں اخلاص قائم رکھتے ہیں۔ پس اب تم ہی انصاف سے بتاؤ کہ تم ابراہیم و یعقوب کی وصیتوں پر

وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى

عمل کرتے ہو یا ہم لوگ۔ بجائے اسکے کہ تم انکی وصیتوں پر عمل کرکے خالص مخلص مسلمان ہو جاؤ کیا بلکہ الٹا یہہ کہتے ہو کہ ابراہیمؑ اور اسمعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور اولاد

قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ

یعقوب یہودی تھے یا نصاریٰ تھے۔ ان سے پوچھو کہ کیا تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اسس اعلیٰ درجہ کی

شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا

شہادت کو جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے آئی ہوئی موجود ہو چھپاوے۔ اور جو کچھ بھی تم کر رہے ہو اللہ تعالےٰ اس سے

مخالفین کو اسی طرح پر تبکیت و توبیخ کی گئی ہے جس طرح فاتوا بسورۃ من مثلہ اور اسی قسم کی دیگر آیات تحدی میں کی گئی ہے۔ بعض لوگ بمثل کا ترجمہ یہاں چھوڑ جاتے ہیں جس سے قرآن مجید کی تحدی پر حرف آنے کے علاوہ اس کے بعض الفاظ کے مہمل اور لغو اور فضول ہونے کا الزام بھی لگتا ہے قرآن کریم پاک ہے اس سے کہ اسکا ایک حرف بھی زائد اور فضول اور بے معنے ہو سکے۔ صبغۃ اللہ الآیہ صبغۃ مفعول ہے کسی ایسے فعل کا جو اس مقام کے مناسبت ہو یعنے نظم قرآنی بھی نہ ٹوٹے کسی اور معنے میں بھی فرق نہ آوے پس جس طرح قولوا آمنا الآیہ میں قولوا کا مقولہ آمنا باللہ الآیہ ہے اسی طرح اسکا باقی کا مقولہ صبغۃ اللہ بھی ہے۔ پس اسکے پہلے اس قسم کے افعال اخترنا۔ قبلنا و اصطبغنا وغیرہ وغیرہ میں کوئی فعل محذوف ہے یعنے آمنا کی طرح فعل ماضی جمع متکلم کا صیغہ۔ پس اس کے معنے یہہ ہوئے کہ لے مسلمانوں ان لوگوں کو یہہ بھی کہدو کہ ہم تو اللہ کے رنگ میں رنگین ہو چکے اب وہ رنگ ہم سے اتر نہیں سکتا اور ہم اس رنگ کو چھوڑ نہیں سکتے۔ صبغۃ اللہ یعنے اللہ کا رنگ اس سے مراد ہوتی ہے اللہ تعالےٰ کا دین

تعملون ○ تلك امة قد خلت لها ما

بے خبر نہیں ہے ۔ یہہ لوگ ایک اعلیٰ درجہ کی جماعت تھی جو اپنے وقتوں میں ہو گزری جو کچھ وہ کر گئے

كسبت ولكم ما كسبتم ولا تسئلون عما

اسکا اجر بھی بس انہیں کو ملے گا اور جو کچھ تم کر گذرو گے اسکا اجر بھی بس تمہیں ہی کو ملے گا اور تم تو ان کو اپنے ساتھ کے یہودی

۱۷ ع ۱۶

كانوا يعملون ○

یا عیسائی بنانے بیٹھے ہو اور اس خیال سے ان کے ساتھ ہی جنت میں جانے کے خیالی پلاؤ پکا رہے ہو جنت میں آنا جانا تو رہا
درکنار) جو کچھ بھی یہہ لوگ اس دنیا میں کیا کرتے تھے اسکی بابت تمکو تو کسی پوچھنا بھی نہیں

دین اسلام جو فطرۃ اللہ وخلق اللہ ونعمت اللہ وانعمۃ اللہ کے لیے نہایت ہی موثر اور اعلیٰ درجہ کا مزین اور مصلح اور حسن واعلےٰ بنانے والا ہوتا ہے یعنے اس دین کا ہر ایک مسئلہ فطرت اللہ وخلق اللہ کی تربیت اس طرح پر کرتا ہے کہ اس جیسی تربیت کرنے کے لیے اور مسئلہ کا پیدا ہی ہونا ہی محال ہے ۔ رنگ کا خاصہ ہوتا ہے کہ جو چیز اس رنگ کو قبول کرنے کو اور رنگنی ہو اس پر اگر وہ رنگ چڑھایا جاوے تو وہ چیز اپنا رنگ چھوڑ دیتی ہے اور بالکل وہی رنگ بن جاتی ہے جو اصلی رنگ کا خاصہ ہوتا ہے ۔ اسی طرح فطرۃ اللہ وخلق کا جامہ جو الانسان کو عطا کیا گیا ہے یعنے جامہ قوت ثلاثہ ملکیہ وسبعیہ وبہیمیہ اس پر چڑھانے کے لیے اللہ تعالے نے اپنی ربوبیت تامہ اور رحمانیت تامہ سے محض اپنے کرم و فضل سے ایک نہایت ہی عجیب وغریب رنگ عطا فرمایا ہوا ہے جو جملہ کتب سماویہ میں اپنے انبیاء ورسل کی معرفت تمام طور پر مشتہر کرا دیا ہوا ہے اس رنگ سے بڑھ کر ہاتھ رنگنا اس کے برابر بھی تو کوئی رنگ نہیں ہے ۔ اس رنگ سے اگر یہہ جامہ فطرت اللہ وخلق کو رنگا جاوے تو تو یہہ جامہ ایسا رنگین ہوگا کہ کل دنیا کے جاموں میں ممتاز اور احسن اور اشرف اور اعلیٰ ہو جاوے گا ۔ ورنہ خراب ہو جاوے گا ۔ پس یہہ **رنگ الٰہی** فقط دین اسلام حنیفی ہے جو آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لیکر فخر الانبیاء وسید الرسل ختم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم تک برابر جاری رہا ہے اور جس کی تفصیل وتفسیر بلا تغییر وتحریف اب فقط قرآن کریم میں ہی موجود ہے اور بس ۔

نحن لہ مسلمون ونحن لہ عابدون ونحن لہ مخلصون ۔ ان تینوں کا الگ الگ موقع خود متن ترجمہ میں مذکور کیا گیا ہے ۔

ام تقولون ان ابراہم الایۃ ۔ ام منقطعہ ہے یعنے بل ۔ اس میں ان کو سخت توبیخ اور زجر ہے اور اس امر کی ترغیب ہے کہ ان کو اپنے ساتھ ملانے کے بجائے تم بلکہ ان کے مطیع اور تابعدار بن جاؤ اور وہ تب ہی ہو سکے گا جب تم مسلمان بن جاؤگے

ءانتم اعلم ام اللہ یعنے تمہاری توریت اور دیگر صحیفوں اور انجیل میں اللہ تعالی کا یہہ حکم موجود ہے کہ اس کے سوائے کسی دوسرے کی عبادت کرنا وہ واحد لا شریک لہ ہے وہ بے مثل ہے اس کا کوئی بیٹا بیٹی نہیں ہے اس کے دین میں اپنے اپنے احبار ورہبان کو ارباب من دون اللہ مت بناؤ اور ابراہیم خلیل اللہ اور یعقوب علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ کے نیک بندے اور خالص مخلص موحد مسلم عابد تھے ۔ یہہ تو اللہ تعالے کی خبر

ہے جو تمہاری کتابوں میں موجود ہے۔ اب اللہ تعالےٰ سچا ہے یا تم۔ لوگ جو اس علم الٰہی کے برخلاف الٹا ابراہیم وغیرہ کو یہودی یا عیسائی قرار دے رہے ہو اور شب وروز لپنے لپنے احبار ورہبان کو معبود ارباب ٹھیرا رکھا ہے اور بعض انبیاء کو خدا کے بیٹے قرار دے رکھا ہے یعنے تمہاری اپنی مسلّمہ کتابیں اگرچہ بہت کچھ منحرف ہو چکی ہیں تم کو ملزم ٹھیرا رہی ہیں پس چونکہ تم کتمانِ حق کر رہے ہو اسواسطے تم سے بڑھکر اور کوئی ظالم نہیں ہے۔ شہادۃ کی تنوین عظمت کے لیئے ہے۔

تلک امۃ قد خلت۔ اس رکوع میں یہ آیت دو دفعہ آئی ہے مگر اس کا مفاد بھی دونو جگہ پر الگ الگ ہے۔ پہلی جگہ یہود ونصاریٰ سے کو بعنوان یٰبنی اسرائیل اذکروا .... ولا تنفعہا شفاعۃ سمجھایا گیا ہے کہ قیامت کے روز تم لوگ اپنی اس بے دینی پر انبیاء سابقین کی کسی قسم کی شفاعت کی امید نہ رکھو وہ لوگ پاک تھے تم لوگ کھوٹے ہو۔ تمہاری ان کی نسبت ہی کیا ہے۔ یعنی پہلی جگہ ان بے دین یہود وغیرہ مزعومہ شفاعت کا انکار ہے اب اس جگہ ان کے اس دعوے کا انکار ہے کہ ابراہیم وغیرہ علیہم الصلوٰۃ والسلام یہودی یا عیسائی تھے۔ کیونکہ وہ لوگ تھے پکے یعنی مسلم موحد مخلص اور تم لوگ ہو پکے مشرک اور بے ایمان اور غالی محرفین پس تمہارا اور ان کا ساتھ کیا اور کیسا اور تمہارا ان کا ہم ملت وہم مذہب ہونا کیسا۔ اور دونو جگہوں میں ولا تسئلون عما کانوا یعملون کے اپنے اپنے محل کے مطابق یہ معنے ہیں کہ تم ہوکس باغ کی مولی کہ اس بے دینی کی حالت میں ان کی شفاعت یا ان کے ساتھی اور ہم مذہب بننے کے مستحق بن سکو بلکہ جب ان کو وہاں ان کے اعمال صالحہ کے ثواب مل رہے ہوں گے تو وہاں تم کو کسی نے اتنا بھی تو نہیں پوچھنا کہ آؤ تم بھی ان کے ثوابوں میں سے کچھ فائدہ اٹھالو نہ شفاعت کے رو سے اور نہ اس زعم فاسد کے رو سے کہ وہ تمہاری طرح یہودی اور عیسائی تھے۔ غرضکہ پہلی آیت میں ابراہیم ویعقوب علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت مزعومہ یعنی یہود ونصاریٰ وغیرہ اور اس سے انتفاع اٹھانے اور دوسری آیت میں ان کے یہودی وغیرہ ہونے کی وجہ سے ان کا ہم مذہب ہونے اور پھر اس سے کسی قسم کا نفع اٹھانے کی نفی موجود ہے اور بس +

الحمد للہ الذی ہدانا لہذا وما کنا لنہتدی لولا ان ہدانا اللہ۔ ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ہدیتنا وہب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوہاب۔ ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا ربنا انک رؤف رحیم۔ فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والاخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصلحین

اللہم صل علی محمد وعلی ال محمد کما صلیت علی ابراہم وعلی ال ابراہم انک حمید مجید اللہم بارک علی محمد وعلی ال محمد کما بارکت علی ابراہم وعلی ال ابراہم انک حمید مجید اللہم صل علی محمد وازواجہ وذریتہ کما صلیت علی ابراہم وبارک علی محمد وازواجہ وذریتہ کما بارکت علی ال ابراہم انک حمید مجید +

کاتب فقیر برکت علی سیالکوٹی

الحکمۃ الیمانیۃ الایمانیۃ فی اسرار الطہارۃ والعبادۃ الاسلامیہ

یا

اسلامی طہارت و عبادت

کی

فلاسوفی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قادر علی الاطلاق کا سچے دل اور اخلاص نیت سے شکر کرتا ہوں کہ اس نے اپنے کرم سے اس کتاب کو میرے ہاتھوں پورا کرایا یہہ کتاب اسم بامسمی ہے۔ اس میں اسلامی طہارت اور عبادت کی فلاسوفی کا بیان ہے صرف انہیں دو مسئلوں کے ذکر کرنے کی وجہ یہہ ہے کہ یہی دو مسئلے بلحاظ عمل کے زیادہ اہم اور باہم لازم و ملزوم ہیں ایکسو بتیس صفحوں میں مسئلہ طہارت کا مفصل بیان کیا گیا ہے بفضل خدا امید ہے کہ ان صفحوں کو پڑھکر ناظرین کو یقین ہو جائیگا کہ صرف اسلامی طریق طہارت ہی انسان کے حق میں رحمت ہے اور باقی جملہ طریق اسپر جبر اور زحمت ہیں کیونکہ اسلامی طریق مطابق فطرت قابل تعمیل آسان ولہذا مفید ہے اسلامی نماز کی نسبت اتنا ذکر کرنا ضروری ہے کہ میں نے نماز کے اصلی منشاء۔ اصلی حقیقت اور اصلی حکمت کو بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ اسلامی نماز ہی جامع اور مانع ہے۔ میں نے رکعت کے الگ الگ ٹکڑے کر دیئے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ اس کا ہر ایک ٹکڑہ یا ہیئت بجائے خود بھی ایک کمال ہے ہیئات اربعہ (قیام۔ رکوع۔ قومہ۔ سجود) کی حکیمانہ ترتیب اور ان کے اذکار مناسبہ قدرتی نتایج جو ان ہیئات سے نکلتے اور حکیمانہ باہمی تعلقات جو ان ہیئات کے درمیان واقع ہیں اور وہ مناسبات جو ایک ایک ذکر اور اس کی مختص ہیئت کے درمیان موجود ہیں۔۔ ان سب کا مفصل اور واضح طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ یہہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ اوقات خمسہ نماز کس خوبصورت۔ قدرتی اور حکیمانہ اسلوب پر مقرر کیے گئے ہیں اور کس حکمت سے ہر ایک وقت میں تعداد رکعات کو تقسیم کیا گیا ہے علی ہذا القیاس دیگر جملہ مسایل متعلقہ نماز پر بحث کی گئی ہے مثلاً مسجد۔ اذان۔ امامت۔ جماعت۔ اور نماز ہائے عیدین۔ وجمعہ وجنازہ وجملہ اقسام نوافل

انسان ہو کر یہہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میں غلطی سے مبرا ہوں مگر ساتھہ ہی ناظرین کو ضرور ضرور یقین دلا دوں گا کہ خواہ کچھہ ہی ہو یہہ کتاب ان کی بہت دستگیری کرے گی۔

یہہ کتاب ۱۸×۲۲ کی تقطیع کی ڈیمی کاغذ پر مع فہرست مضامین وغیرہ ۵۸۰ صفحوں پر چھپوائی گئی ہے اور بذریعہ ویلیوپے ایبل مصنف سے مل سکتی ہے۔ قیمت صرف عہ رکھی گئی ہے دس یا دس سے زیادہ جلدوں کے خریدار کو ١٠ فیصدی اور بیس جلدوں کے خریدار کو ٢٠ فیصدی کمیشن دیجاویگی جو لوگ بیس جلد سے زیادہ خریدنی چاہیں وہ بذریعہ خط و کتابت تصفیہ کرسکتے ہیں +

المشتھر

ابو المسیح احمد المعروف بہ احمد دین اہلحد انکم ٹکس صدر سیالکوٹ

نئی طرز کا

قرآن مجید

جلی قلم اور بالمقابل

انگریزی - اردو - فارسی ترجمے

(۱) پہلا سیپارہ بطور نمونہ ۲؍ میں بھیجا جاتا ہے (۲) ماہوار دو سیپارے ۴؍ میں ارسال
ہوتے ہیں (۳) پورے قرآن شریف کی قیمت معہ دیباچہ علاوہ محصول ۳۵ ہے (۴) جو صاحب
یکمشت پیشگی ارسال فرماویں انہیں معہ محصول ۳۰ صرف ہے (۵) انگریزی ترجمہ ایک لائق مسلمان
نے کروایا ہے (۶) اردو ترجمہ ایک عالم فاضل نے بامحاورہ کیا ہے (۷) فارسی ترجمہ شاہ
ولی اللہ صاحب کا ہے (۸) کاغذ ولایتی چھپائی نہایت نفیس اور خوشنما

المشتہر

غلام قادر فصیح - مالک و مہتمم پنجاب پریس شہر

سیالکوٹ